عشق مُشکرم
عَلیشہ انصاری

مکمل ناول

تیرے عشق نے بخشی ہے یہ سوغات مسلسل

تیرا ذکر ہمیشہ، تیری بات مسلسل

میں محبت میں اس مقام پہ ہوں جہاں

میری ذات میں رہتی ہے تیری ذات مسلسل

دو ماہ قبل!

صبح صادق کے وقت سورج بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا پورے آسمان کو روشن کر رہا تھا۔لاہور میں واقع بنگلہِ جاہ کے ملازم اپنے کاموں میں لگ چکے تھے۔خانساماں نے جھٹ پٹ ناشتہ تیار کیا تو مالی نے چھوٹے صاحب کے جاگنے سے پہلے ہی باغ کے کے سارے پھول پودوں اور درختوں کو آب سے سرشار کر دیا۔

لاہور کی اہم شاہراہ سے گزرتے ہوئے ایک وسیع و عریض جگہ پہ یہ بنگلہ اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ کھڑا تھا۔

اس بنگلے کی خاص بات اسکی اندرونی اور بیرونی خوبصورتی تھی۔

جاہ بنگلہ کی بیرونی حدودیں باغ سے گھری ہوئی تھیں اور درمیان میں سفید بنگلا قائم تھا۔

باغ کے مین دروازے سے راہداروں کے گزر کا راستہ سیدھا بنگلے کے دروازے پہ کھلتا تھا۔

بنگلے کے برابر ایک طرف پورچ تھا جہاں لمبی گاڑیوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔

باغ میں ہر رنگ کے پھولوں کی موجودگی اس جگہ کو مزید خوبصورت بناتی تھی۔اور جب ساون برستا تو اسکی خوبصورتی میں چار چاند لگ جاتے۔

"میاں عزیز تم کہاں جا رہے ہو؟" کچن سے نکلتے ہوئے خانساماں نے پوچھا عزیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے رکا۔

"سائیں کے لیے کال آئی ہے انکو جگانے جا رہا ہوں۔" وہ عجلت میں تھا واپس سیڑھیاں پھیلانگنے لگا ہی تھا کہ خانساماں پھر مکھن آمیز لہجہ اپنائے ہاتھ میں کپ پرچ پکڑے سیڑھیوں تک آیا۔

"جاہ سائیں جاگ گئے ہیں،، تم انکو قہوہ بھی دے دینا۔" عزیز فرید کی بات پہ مسکراہٹ سختی سے روکے کپ پرچ تھام کے سر جھٹکتا ہوا سیڑھیاں عبور کر گیا۔ ایسا بھی پتا نہیں کیا تھا جو اس فرید کی چھوٹے سائیں کے سامنے جانے سے جان نکلتی تھی۔

دروازے کی دستک پہ وہ بالوں میں ہیئر برش چلاتے ہوئے رکا۔

"آجاؤ عزیز۔" اسے پتا تھا اتنی صبح سوائے عزیز کے اور کسی میں ہمت نہیں جو دروازہ بجائے۔

اجازت نامہ ملتے ہی عزیز مؤدب انداز میں اپنے سائیں کی آرام گاہ میں داخل ہوا۔

کمرہ سورج کی کرنوں میں نہایا ہوا تھا۔ دروازے کے عین سامنے والی دیوار گلاس وال تھی۔ جس میں سے شیشے کا ہی ایک دروازہ بالکونی میں کھلتا تھا۔

کمرے کے درمیان میں سفید رنگ کا ڈبل بیڈ تھا جسکے چاروں اطراف کالے رنگ کے لکڑی کے ستون کھڑے تھے۔

بیڈ کے سامنے بڑی اسکرین نافذ تھی ساتھ لگی دیوار کے ساتھ ایک دروازہ بڑے سے کمرے میں کھلتا تھا جہاں اسکی کلازیٹ تھی اور ایک واش روم کی جانب دروازہ تھا۔ دوسری جانب سنگھار میز کھڑی تھی اور اسکے سامنے میران جاہ مکمل وجاہت کے ساتھ کھڑا اپنے بال سنوار رہا تھا۔

"اگر کمرے کا معائنہ ہو گیا تو بتانا پسند کرو گے کس کام سے آئے ہو؟"

میران کی آواز پہ عزیز گڑبڑا کے زیر لب مسکرایا وہ جب جب کمرے میں آتا اس کمرے کی نفاست اور بیڈ کے اوپر چھت میں نسب فانوس سے نظریں ہی نہیں ہٹا پاتا تھا۔

کمرے کی صاف ستھرائی اسکی نفاست کا پتا دے رہی تھی۔

"بلڈر کی کال آئی ہے آپ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے پوچھا بھی پر کہتا ہے سائیں کو ہی بتائے گا۔" عزیز کا آخری شکوہ سن کے میران نے گھورتے ہوئے اس سے موبائل لے کر کان سے لگایا عزیز چپ چاپ ایک طرف کھڑا رہا۔

"ہاں بولو نیاز۔"

ناک انگلی کی پشت سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"اسلام و علیکم... سائیں میں زمین پہ آیا ہوں سارے مزدور میرے ساتھ ہیں، ہم نے آدھا کام تو کروا دیا ہے پر باقی اجمل خان کے لوگ مسئلہ کر رہے ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ باقی زمین ہماری ہے اور یہاں کوئی کھدائی کا کام نہیں ہو سکتا اور ر... سائیں سائیں؟؟" کال منقطع ہو چکی تھی۔

بلڈر کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ مسئلہ سمجھ چکا تھا یہ اپوزیشن کے لوگ مجال ہے جو کوئی کام سکون سے کرنے دیں۔

"کیا ہوا سائیں؟" عزیز نے غصے قابو کرتے میران سے موبائل لیتے ہوئے پوچھا۔

"عزیز گاڑی نکالو فوراً..." وہ تیزی میں کہہ کر کے دروازے کے پاس پہنچا تھا عزیز کے ہاتھ میں قہوہ دیکھ کر رکا اور ایک سانس میں ہی قہوہ انڈیل کر مٹھیاں بھینچے سیڑھیوں سے اترتا چلا آیا پیچھے ہی عزیز اپنے سائیں کے تیوروں سے پناہ مانگتا ہوا لپکا تھا۔

خانساماں نے نظروں میں ہی عزیز سے معاملہ اخذ کرنے کی کوشش کی تھی جس پہ عزیز نے نظروں سے ہی اسے خاموش رہنے کو کہا۔ ابھی تو خود عزیز نہیں جانتا تھا کہ صبح صبح کس کی مت ماری گئی ہے۔

دس منٹ کے اندر اندر کالی لینڈ کروزر ایک مرمتی علاقے میں رکی تھی۔

عزیز جھٹ دروازہ کھول کر گاڑی سے نکلا اور میران کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ وہ خود ہی غضب و تپش کے تیور لیے دروازہ کھولتا ہوا صبح کے لباس گرے شرٹ اور بلیک ٹروزار میں ملبوس باہر نکلا۔ بازؤں کی مچھلیاں اسکی جاہ دید شخصیت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ اپنے مزدوروں کے قریب پہنچا۔ بلڈر نے میران کو دیکھا اسکی جان میں جان آچکی تھی کہ میران اب خود معاملہ نپٹا لے گا اور اپوزیشن کے چمچوں کا منہ بند کروانا تو اسکے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ مزدورں نے گھیرا توڑ کے اسکی جگہ بنائی وہ چلتا ہوا نیاز اور اپوزیشن کے آدمیوں کے قریب آیا۔

جہاں نیاز کا چہرہ خوشی سے ٹمٹما رہا تھا وہیں اب مخالف آدمیوں کے اڑتے رنگ دیکھ کر مزدور بھی تمسخر سے انھیں دیکھنے رہے تھے۔

"سائیں یہ اجمل خان کے آدمی۔" نیاز نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ میران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کروا دیا اور ایک کڑی نگاہ ان پہ ڈالی۔

"کس کی زمین ہے یہ؟" بنا کسی نرم تاثر کے اسکی روعب دار آواز سب کی سماعتوں سے گزری۔

"خان صاحب کی۔" ایک آدمی نے سر جھکائے کہا۔

"نیاز زمین کے پیپرز تو دکھاؤ۔" نیاز جو پہلے سے ہی فائل لیے تیار کھڑا تھا فورا کھول کے میران کے سامنے پیش کر دی۔

میران نے ایک قانونی صفحہ انکے سامنے لہرایا۔

"یہ جس کی زمین ٹھہرا رہے ہو کیا اسکے باپ کو بھی علم ہے کہ تم لوگ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ سرکاری زمین کو اپنی زمین کہنا کیا اجمل خان کے لیے ایک نیا کیس اور کھلوانا ہے؟" اسکی طنزیہ پھنکار پہ اپوزیشن جماعت کے لیڈر کے آدمیوں نے سر اٹھایا۔

"عزیز اجمل خان کو کال ملاؤ۔" کھلے میدان میں تیز چلتی ہوا سے اسکے بال ماتھے تو اڑتے ہوئے چھو رہے تھے۔ عزیز نے آگے بڑھ کے فون میران کے ہاتھ میں دیا۔

"کیسے یاد کیا میران جاہ؟" فون کے مقابل سے بھی رعب دار قسم کی مغرور سی آواز کان میں گھلی تھی۔

"اجمل خان اپنے بندوں کو سنبھالو،، بلاوجہ تمھارا نام خراب کر رہے ہیں، انھیں ذاتی اور سرکاری زمینوں کا انھیں معلوم نہیں کیا؟" میران بے نیازی سے کہتا ہوا بلڈر کی رکھی کرسی پر بیٹھا۔

"میں آخری بار وارن کر رہا ہوں اسکے بعد اگر میرے کام میں کسی نے مداخلت کی تو"...

"فون دو انھیں۔" اجمل خان بڑے ہی ضبط سے بولا۔۔ نپے تلے لفظوں میں ہی میران نے اس جو دھمکی جو دے دی تھی۔

"جی صاحب۔"

"خبیثوں دماغ گھاس چرنے گیا ہے کیا؟"

"پر سائیں آپ نے ہی تو کہا تھا۔" وہ اٹک اٹک کے آنکھیں پھاڑے بولا۔

"تو تم لوگوں نے یہ راستہ نکالا ہے؟ وہ خطے میں کام کروا کے خوب نام بنا رہا ہے تم لوگوں کو بولا اسکے لیے مشکلیں پیدا کر دو کہ وہ یہ سڑکوں کا کام نا کروا سکے اور تم لوگوں نے سرکاری زمین میری بنا دی۔ اپنے باپ سے وراثت میں لی ہے جو یہ راستہ نکالا۔ کھلی دشمنی کرنے لے لیے نہیں بولی تھی۔" اجمل کی پھٹکار سننے پہ اسکے آدمی کا دل کڑوا ہوا،، عجیب بد دماغ سیاست دان ہے جس کا دین ایمان کچھ نہیں منہ پہ کچھ دل سے کچھ!

"خان اپنے آدمیوں سے کہو معافی مانگیں ورنہ مجھے کیس دائر کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔" فون کے پار سے اجمل خان کو میران کی آواز سنائی دی وہ صبر کا کڑوا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"کرو جو وہ کہہ رہا ہے،، اور آئندہ ایسے میرے لیے مشکل کھڑی مت کرنا۔" اجمل خان نے غصے سے پھنکارتے ہوئے لائن کاٹ دی۔

"معاف کر دیں سائیں ہم سے غلطی ہو گئی ہمیں لگا کہ"...

"ہاں تم لوگوں کو لگتا بہت ہے۔" لفظوں پہ زور دیتے میران جگہ سے اٹھا اور اپنی مغرور چال چلتا ہوا انکے سروں پہ پہنچا۔ خاکی وردی میں ملبوس آدمی نے جو سگریٹ ڈبی سے نکال کر منہ سے لگانی چاہی تھی میران نے اسکے ہاتھ سے لے کر لبوں سے لگائی اور ساکن نظروں سے لائیٹر کی طرف اشارہ کیا۔ عزیز نے اس آدمی کو نظروں میں گھورا تو اس نے گڑبڑا کے لائٹر جلا کے میران جاہ کے لبوں سے لگی سگریٹ سلگائی۔

میران نے سرد مہری سے تینوں کو سرسری سا دیکھا۔

"آئندہ میرے کام میں رکاوٹ ڈالتے وقت یاد رکھنا کہ یہ میران جاہ کی جانب سے یہ آخری موقع تھا اگلی بار وہ حال کرونگا کہ بولنے کے قابل نہیں بچو گے "اس نے دائیاں ہاتھ اس آدمی کے کندھے پہ جمایا اور کندھے پہ زور دیتا گیا۔

"اب تمھارا سیٹھ بولے تب بھی سو بار سوچنا ورنہ مجھ سے دشمنی بہت بھاری پڑے گی۔"کندھے سے گزرتا ہوا اسکا ہاتھ اس آدمی کی گردن تک جا پہنچا تھا اسکی شخص کی آنکھیں پھیلنے لگی۔

میران تمام کام مکمل پروٹوکول سے کرتا تھا کسی رکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عزیز، نیاز اور سارے مزدور ہاتھ باندھے چھوٹے سائیں کا غصہ دیکھ رہے تھے۔

میران نے اس شخص کی گردن پہ مزید دباؤ ڈالا تو وہ گہری سانسیں لے کر ہڑبڑا اٹھا۔

"غلطی ہوگئی سائیں... معاف کردیں آئندہ غلطی سے بھی پریشان نہیں کریں گے۔"وہ بری طرح کھانسنے لگا تو میران نے جھٹکے سے اسکی گردن آزاد کی وہ دور لڑکھڑاتا ہوا گیا اور ایک ناپسندیدہ نگاہ ان پہ ڈال کے ہٹالی۔

اور سگریٹ کا دھواں اڑاتا ہوا واپس گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"چلو بھئی نکلو اب،، آئے بڑے اجمل خان کی زمین ہے۔" نیاز نے ان باقی دو کو بھی للکار کے رفو چکر کروایا اور وہ تینوں اپنی جیپ میں بیٹھ کے وہاں سے نکل گئے۔

"اس میں سائیں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی تمھارے پاس سرکاری حکم کے دستاویزات ہیں تو سہی۔" عزیز نے ماتھے پہ تیوری چڑھائے نیاز کو مخاطب کیا۔

"بہت دنوں سے یہ لوگ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے پریشان کر رہے تھے، آج میٹر گھوم گیا جبھی سائیں کو بلانا پڑا۔" نیاز شانے اچکاتا ہوا مزدوروں کو کام پہ لگنے کا بولنے لگا۔ عزیز سے تو سب کی ہٹتی تھی آخر وہ میران کا سب سے قریبی بندہ تھا اور میران کے غصے سے بھی بچا رہتا تھا۔

"اب جاؤ جاہ سائیں انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہنہہ... اچھے سے کام کرواؤ گاؤں والوں کو مزید پانی کی پریشانی نا جھیلنی پڑے۔" عزیز اسکو جتاتا ہوا مڑ گیا۔

"بہت ہی اسکے تیور بدل گئے ہیں،، چمچہ کہیں کا۔" نیاز بڑبڑایا۔

گاؤں کا راستہ سرکاری زمین سے گزر کے شہر کی مین پانی کی پائپ لائن سے ملتا تھا۔۔اور سرکاری زمین پہ کام کروانے کھدائی وغیرہ کی اجازت پہلے سے ہی میران لے چکا تھا۔وہ وضاحتیں پیش کرنے کا عادی بلکل نہیں تھا نا ہی اس نے اجمل خان کو اس بارے میں بتایا۔ وہ ہر رکاوٹ کو پہلے ہی دور کر دیا کرتا تھا۔اسی طرح جیسے ابھی

سرکار کا اجازت نامہ اسکے پاس تھا۔ یہ اپوزیشن کے چھوٹے موٹے مسئلے تو آئے روز کے تھے جن کی اب اسے عادت ہو چکی تھی۔

آج اتنا خاص دن تھا اور اسکی آنکھ دیر سے بیدار ہوئی سبب دیر رات سونا تھا۔

کمرے میں جیسے کوئی بھونچال آیا ہوا تھا۔ ہر چیز جگہ سے نکال کر باہر پھینکی ہوئی تھی۔

اسکی پھرتی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا وہ بہت شارپ اور اس وقت بہت ہی جلدی میں ہے۔

"اف اف افففف.." کان کا جھمکا نا ملنے پہ اس نے پیر پٹخے تھے۔

ایک کان میں نازک سا سلور جھمکا پہنے دائیں ہاتھ سے کمر پہ جھولتے لمبے کالے سلکی بالوں کو چہرے پہ آنے سے روکتی ہوئی نظریں دوڑا رہی تھی۔ ڈریسنگ سے ہٹ کے اس نے دو قدم بڑھائے تھے کے بیڈ اور ڈریسنگ کے فاصلے کے درمیان بچھے ایرانی قالین پہ چبھن محسوس ہوئی۔ چہرے کے زاویے بگڑے بالوں کو ہاتھوں کی پشت سے پیچھے دھکیلا اور نیچے جھکی ایک گہری سانس خارج کی۔

"شکر۔" خود سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے آنکھوں میں رمق لیے جھمکا اٹھا کے کان میں ڈالا اور بالوں کو انگلی کے پوروں کی مدد سے ٹھیک کرتی ہوئی سیدھی کھڑی ہوئی۔ نظر بھٹک کر آئینے سے ٹکرائی لبوں پہ فوراً مسکراہٹ

گھل گئی۔ دوسرے ہاتھ کی مدد سے اس نے جھمکے کا لاک لگایا اور ایک نظر اپنے لباس پہ ڈال کر مطمئن سی سنگھار میز کے قریب پہنچی۔

وہ بڑی باریک بینی سے لائیز لگا رہی تھی کہ تبھی دروازہ جھٹکے سے کھول کر نعمت بی نے اسے جھنجھلاتے ہوئے مخاطب کیا۔

"بی بی جی کیا کرتی ہیں موبائل کب سے بج رہا ہے اور آپ۔" نعمت بی نے موبائل اسکے سامنے کیا تھا جو وہ خود جان کر لاؤنج میں چھوڑ آئی تھی کہ کوئی ڈسٹرب نا کرے۔

"امم۔۔" اس نے لائیز مکمل لگانے کے بعد فون لیا جو بج بج کے اب دم توڑ چکا تھا۔ نعمت بی اسے ناشتے کا کہہ کر دروازہ بند کرتیں کچن میں گھس گئیں۔

وہ لپسٹک لگا کر فارغ ہوئی تھی دوپٹہ گلے میں ڈالتے ہوئے پیروں میں بلیک ہیلز چڑھائی تھیں کہ موبائل نے ایک بار پھر بجتے ہوئے ہنگامہ آرائی شروع کی۔ اس نے جھٹ کال ریسیو کی۔

"تم آرہی ہو نا؟"

"اتنی دیر کوئی کرتا ہے؟"

"تمھاری پریکٹس بھی باقی تھی جلدی پہنچو۔" ایک کے بعد ایک سوال دونوں نے ایک دوسرے سے فون جھپٹ جھپٹ کے کیے تھے انوش نے چڑ کر فون اسپیکر پہ ڈالا۔

"آرہی ہوں یار، رات کو دیر ہو گئی اور اتنے مزے کی نیند آئی یقین جانو ایسی نیند کبھی نہیں آئی۔" وہ بیڈ سے ہیل کا اسٹیپ درستگی سے بند کر کے فوراً اٹھی اور کمرے کی لائٹس آف کر کے باہر آگئی۔

"تمھاری نیند کا میں نے بھرکس بنا دینا ہے اگر آدھے گھنٹے میں تم نا پہنچی تو" عائشے تپ کے حکم چلاتے ہوئے بولی انوش نے سر پیٹا تھا۔

"فون رکھو گی تو آؤنگی نا، بس نکل رہی ہوں۔" نکلنے سے آگاہ کرتی ہوئی وہ ڈائننگ ایریا کی طرف آئی۔

"اللہ حافظ بابا... میں یونی جا رہی ہوں۔" کرسی کی پشت سے وہ احتشام صاحب کی گردن سے بازو گزار کے ان سے لگی۔ بیٹی کی خوشبو پہ وہ مسکرا دیے۔

"ناشتہ کریں پھر آپ یونی جائیں گی۔" احتشام نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے ہاتھ پکڑ کے اپنے داہنے ہاتھ کی پہلی کرسی پہ بیٹھنے کو کہا وہ انکی بات ٹال نہیں سکتی تھی فوراً بیٹھ کے جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگی۔ اسکی تیز رفتاری پہ احتشام نے سر جھٹک کے مسکراہٹ روکی۔

"بیٹا آرام سے ناشتہ کرلو کہیں بھاگا نہیں جارہا۔" احتشام نے اسے ڈانٹا تو وہ بھرے منہ سے جواب دینے لگی۔

"بابا آئی ایم گیٹنگ لیٹ! ابھی انوش کی کال آئی تھی وہ بھی غصہ کر رہی تھی۔"

"تو بیٹا رات کو جلدی سونا چاہیے نا جب پتا ہے آج کا دن آپ لوگوں کے لیے اتنا اسپیشل ہے دیری کی گنجائش نہیں۔" انھوں نے کانٹے سے آملیٹ کا ٹکڑا توڑ کر اسکی جانب بڑھایا۔

"بابا فنکشن ابھی شروع نہیں ہو گا،، آج ویسے بھی کوئی مہمان خصوصی آئینگے اور وہ شام تک آئینگے تو فنکشن اسی حساب سے شروع ہو گا ابھی تو مجھے اپنی تقریر کی پریکٹس کرنی ہے۔" اس نے آملیٹ کا پیس کھاتے ہوئے آنکھوں کے ڈیلے گھوماتے ہوئے بتایا

"ابھی بھی پریکٹس رہتی ہے؟" وہ حیران ہوئے تھے۔

"جی،، تقریر تو میں کر لونگی پر مجھے وہ اچھی طرح یاد نہیں سو ابھی جا کہ یاد کرونگی رات کو یہی تو بیٹھ کے لکھ رہی تھی۔ کیا ہے نا پچھلی والی تقریر سے مجھے مزہ نہیں آرہا تھا تو میں نے مس سبین کو انفارم کر کے تقریر چینج کر لی۔" وہ بڑے آرام سے بتا رہی تھی۔

"موضوع کیا ہے؟"

"اگر میں وزیر اعظم ہوتی۔" اس نے پلکیں جھپک کے لب مسکراہٹ سے کھینچ کے بتایا احتشام صاحب ہنس پڑے۔

"پر میرا بیٹا تو بزنس کرنا چاہتا ہے۔"

"بابا میں چاہتی ہوں اس ملک کا نظام بدل جائے، قانون کی بالادستی ہو، انسانیت سب سے بلند ہو، مذہب دین کی تکمیل کی جائے اوررر،، میں تقریر کرونگی تو آپ سن لیے گا۔"

وہ جلدی سے ناشتہ مکمل کر کے کھڑی ہوئی۔ نعمت بی نے اسے ایک بیگ تھمایا تھا ان سے بھی گلے لگ کے احتشام صاحب کو الوداع کرتی نیچے پورچ کی طرف بڑھ گئی۔

"بیسٹ آف لک مائے چیمپ۔" احتشام صاحب کی پیچھے سے آتی صدا پہ وہ ہاتھ بلند کر کے تھمبز اپ کرنا نہیں بھولی تھی۔

" چلیں میڈم۔" ڈرائیور نے فٹ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا وہ جھک کے اندر بیٹھی ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالی اور گاڑی اپارٹمنٹ کی حدود سے تیزی سے باہر کو جا نکلی۔

یہ منظر لاہور کی مشہور و معروف جامع کا تھا۔ طلبہ کثیر تعداد میں اپنے اپنے غول بنائے تیاری کو فائنل ٹچ دے رہے تھے،، کوئی اپنے بیج کے ساتھ تقریر گردانی میں مشغول تو کوئی اپنی پرفارمنس کے لیے بے تاب بار بار

اپنے ڈانس اسٹیپ پکے کر رہا تھا، دور کہیں لڑکے لڑکیاں کوئیز کامپیٹشن کی زور و شور سے تیاری کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ ایک ہفتے سے چلا آرہا تھا ہر کوئی اس کمپیٹیشن ڈے میں اچھی پرفارمنس دے کر جیت کے سہرا کا خواہشمند تھا۔ یہ دن جامعہ کے طلبہ کے لیے اس لیے بھی خاص تھا کیونکہ تین سے چار سالوں بعد اس فنکشن کو واپس منعقد کیا جا رہا تھا۔

"نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر

تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر"

کندھے پہ بیگ لٹکائے ہیل کی ٹک ٹک کرتی ہوئی اقبال کے شعر کو دل میں بڑبڑاتی ہوئی ان تینوں کے سر پہ پہنچی جو اندر ہال میں موجود ایک دوسرے سے چپک کر سلیفیاں لینے میں مصروف تھیں۔ اسکو دیکھتے ہی دونوں کے چہرے کے زاویے بگڑے اور بپھری شیرنیوں کی طرح اسے گھورنے لگیں۔

"ارے آیئے آیئے، دیکھو تو سہی شہزادی صاحبہ آگئی ہیں۔" انوش نے موبائل دیوار نما چبوترے پہ رکھا اور اسکے بال کھینچے۔

"اف یار بس بھی کر دو آ تو گئی ہوں نا۔" ان

دونوں پہ اس نے مروت میں نگاہ ڈالی اور موبائل کھول کے اسپیچ رٹنا شروع ہو گئی۔

"مجھے ایک بار سناؤ تو سہی۔" عائشے نے اسکے ہاتھ سے موبائل جھپٹا غصہ تو ان دونوں کے اس پہ بہت تھا کہ آخری موقع پہ اس نے تقریر موضوع سمیت بدل لی۔

"یاد تو کرنے دو۔" اس نے آنکھیں دکھا کر کہا۔ یہ ڈھائی پیج دماغ میں حفظ کرنے تھے کہ کوئی بھول نا ہو اور کوئی نمبر نا لے جائے۔

"یہیں بیٹھو اور اسکور ٹتی رہو ہم جا رہے ہیں، آج پوری جامعہ چمک رہی ہے زرا دیکھیں تو سہی ڈین نے ان سینئرز سے کتنی محنت کروائی ہے۔" عائشہ آنکھ دبا کر کہتی ہوئی انوش کو ساتھ لیے باہر گارڈن میں آگئی جہاں فنکشن کے انتظامات ہو رہے تھے۔

اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے اور فنکشن کوئی ایک بجے شروع ہونا تھا کیونکہ آج کے مہمان خصوصی اسی وقت کے دوران فارغ تھے۔

خانساماں نے کھانا تیار کر کے میز پہ لگا دیا تھا اور دوسرے کسی ملازم کو چھوٹے سائیں کو بلانے کے لیے بھیجا جو باہر باغ میں مزید پھولوں کے لیے پودے لگوا رہا تھا۔

ملازم کے پیغام پر وہ سفید سیڑھیاں عبور کرتا ہوا گھر کے عین داخلی دروازے سے گزر کے ڈائننگ روم کی طرف بڑھا۔ جاہ بنگلا اندر و باہر سے سفید تھا پر اسکا اکثر فرنیچر اور ہالز وغیرہ میں کھڑے ستون کالے رنگ کے تھے۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی بڑا ہال نما کمرہ تھا جہاں مہمانوں اور اپنی جماعت کے اہلکاروں کے بیٹھنے کے لیے صوفوں کا بندوست کیا ہوا تھا۔

ہال کے ساتھ ہی ایک بڑا سا زینہ اوپر پورشن میں کھلتا تھا باقی نیچے مزید کمرے موجود تھے۔ ذوالفقار جاہ کی آرام گاہ اور انکا کیبن نیچے ہی قائم تھا جب کہ سیڑھوں سے گزر کے اوپر کے حصے میں میران جاہ کا کمرہ لائیبریری اور کیبن کے علاوہ مزید کمرے موجود تھے۔

کھانے سے پہلے وہ ہاتھ منہ دھو کر بیٹھا تھا۔

خانساماں نے باؤل اور پلیٹ اسکے سامنے رکھی چمچ کی طرف جب اس نے ہاتھ بڑھایا تو میران نے روک دیا اور خود ہی شملہ مرچ قیمہ اپنے لیے پلیٹ سے نکالنے لگا۔ فرید لب کترتا ہوا پیچھے ہو کر کھڑا ہوا اتنے دل سے اس نے چھوٹے سائیں کی پسندیدہ ڈش بنائی تھی امید تو یہی تھی کہ انھیں پسند آئے۔

"چھوٹے سائیں ایک بج رہا ہے آپکو یاد ہے نا آج جامعہ جانا ہے۔"عزیز کاموں سے فارغ ہوا تو اسے بھی یاد پڑا اور فوراً میران کی یاد دہانی کے لیے اندر آیا۔

"ہاں عزیز مجھے یاد ہے، کھانا کھا کر چلتے ہیں۔ آؤ بیٹھو کھانا کھا لو تم بھی صبح سے کاموں میں مصروف ہو۔"میران نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور اور روٹی کا نوالہ توڑا۔

میران کی پیشکش پہ فرید نے حسرت سے عزیز کو دیکھا جو فرید کے فق زدہ چہرے کو ہی ت رہا تھا۔ میران اور عزیز کا تعلق دیگر سائیں اور ملازم والا ہر گز نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک عزیز سے خار کھاتا تھا کہ جاہ سائیں اسے اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں مجال ہے آج تک کسی اور کو اپنے ساتھ بٹھایا ہو،، پر عزیز کے ساتھ وہ کئی بار اس طرح کھانا کھا چکا تھا۔ عزیز انکار کرتے رہ جاتا پر میران کے حکم کے آگے اسکے انکار کی چلتی نہیں تھی۔

"عزیز بیٹھ جاؤ وقت ضائع مت کرو۔"میران نے تھوڑی سختی سے کہا تو عزیز بیٹھ گیا۔

"کیسا لگا قیمہ ؟"فرید نے ہمت کر کے پوچھا تھا کھانے کی تعریف سننے کے لیے دل میں دیئے جلے تھے۔

" کھانے تو دو پہلے۔"میران نے نوالہ بنا کہ منہ میں رکھا اور چباتا گیا گردن موڑ کے فرید کو دیکھا جو ہاتھ باندھے اسکے جواب کا منتظر تھا۔ عزیز نے نوالہ سٹک کے میران کو دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" فرید کو کچھ گڑبڑ کا اندیشہ سا ہوا میران کی خاموشی نے تجسس پیدا کر دیا تھا۔ ہمیشہ اسکو کھانے میں گڑبڑ کرنے پہ ڈانٹ وصول ہوتی تھی۔

"ہمم اچھا ہے۔" فرید کے چہرے کے اڑے رنگ غائب ہوئے آنکھیں چمک اٹھیں۔

"پر ایک بات بتاؤ تم نے اس میں نمک ڈالا تھا؟" عزیر کی ہنسی چھوٹتے ہوئے بچی فرید شرمندہ سا سر پیٹنے کو تھا۔

"ڈالا تھا شاید کم رہ گیا ہو۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"ہنہہ،، اتنا برا ابھی نہیں ہے نمک دے دو تو بہتر رہے گا۔" میران کے کہنے کی دیر تھی کے فرید کچن میں غائب ہوا اور دو منٹ میں نمک دانی سمیت حاضر تھا۔ عزیز کو اب سمجھ آیا تھا کیوں فرید میران سائیں سے اتنا ڈرتا ہے۔

"میری خواہش رہ جائیگی کہ مجھے گھر کا لذیذ کھانا کبھی ملے گا۔" میران نے نمک ڈالتے ہوئے سر جھٹکا چہرہ یک دم سنجیدہ تھا۔

"کوئی اور خانساماں رکھ لیں۔" عزیز نے چھوٹتے ہی مشورہ دیا فرید کو بجلی کا جھٹکا لگا وہ آنکھیں پھاڑے دانت کچکچائے عزیز کو گھورتا ہوا کچن میں چلا گیا۔

"سوچا جا سکتا ہے، پر رہنے دو کچھ چیزوں کے علاوہ باقی سب تو اچھا ہی بناتا ہے شاید میرے خوف سے گڑبڑ کر دیتا ہے۔" اب اسکے تاثر نرم پڑے تھے۔

دونوں نے سکون سے کھانا کھایا۔ میران کھانے سے فارغ ہو کر تیار ہونے کی غرض سے کمرے میں چلا گیا عزیز بھی گاڑی لیے تیار کھڑا تھا۔

میران جیسے ہی باہر آیا تو عزیز گاڑی کے ساتھ تیار کھڑا تھا۔

"واہ عزیز میاں کیا پوری پرفیوم کی بوتل خالی کرلی؟" میران نے پرفیوم ہی مقدار کو نشانہ بنایا تھا خوشبو کی تیزی کافی دور تک پھیل چکی تھی۔

"کیا زیادہ خوشبو ہو گئی؟ میں نے تھوڑا سا ہی چھڑ کا تھا،، اچھا نہیں لگتا نا جامعہ میں اتنے سارے طلبہ ہونگے۔"

میران اسکی ساری منطخیں سمجھ رہا تھا ہلکہ سا مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھا۔ کالی پراڈو اس محل نما بنگلے کی حدود سے باہر نکل رہی تھی۔ چوکیدار نے دروازہ کھولا تو گاڑی بنگلے کی سرحد سے باہر نکل گئی۔

"چھوٹے سائیں اس عزیز سے کیا باتائیں کرتے ہیں؟" چوکیدار نے ملازم سے کہا۔

"مینوں وی آج تک یہ سمجھ نی آندی۔"

"چمچہ بنا پھرتا ہے۔" چوکیدار ہنکارا۔

"عزیز کو چھوڑ دروازہ کھول شاید بڑے سائیں آ گئے۔" ملازم گاڑی کی آواز پہچانتے ہوئے بولا چوکیدار فوراً چاک وچوبند ہوا اور دروازہ کھولا۔

ایک سفید پراڈو دروازے سے گزرتی ہوئی پورچ میں رکی اسکے پیچھے تین حفاظتی گارڈز کی گاڑیاں تھیں جو اسی کے پیچھے لائن کی صورت میں رکی تھیں۔

تمام ملازم بڑے سائیں کی آمد پہ چونک کر اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔

ڈرائیور نے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا گرے سوٹ بوٹ میں زولفقار جاہ گاڑی سے اترے۔ سینیٹرز کے ساتھ میٹنگ کی وجہ وہ صبح کے گھر سے نکلے ہوئے تھے۔

پورچ کی طرف سے نکلتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب انھوں نے قدم بڑھائے۔ شمس نے انکے ہاتھ سے کوٹ لیا۔

"میران گھر پہ ہے؟" زولفقار جاہ نے دوسرے ملازم سے سوال کیا۔

"چھوٹے سائیں ابھی ہی باہر نکلے ہیں۔" ملازم سر جھکاتے ہوئے جواب دے کر الٹے قدم لیتا نکل گیا۔

"تمھیں پتا ہے وہ کہاں گیا ہے؟" انھوں نے شمس سے استفسار کیا۔

"نہیں سائیں... فرید جاہ سائیں کدھر گئے ہیں؟" شمس نے فرید کو دیکھا تو پکارا اکثر فرید کو ان باتوں کا علم ہوتا تھا کیونکہ وہ کھانے کے دوران میران کی گفتگو جو سن لیا کرتا تھا۔

"کسی جامعہ میں آج فنکشن منعقد ہے تو وہیں گئے ہیں۔"

"سہی اب جاؤ۔" فرید شمس کو گھورتا ہوا نکل گیا۔

"میرا بیٹا ووٹ کے لیے بڑی محنت کر رہا ہے، شاباش میرے شیر!" زولفقار ہال کے کمرے میں ہی بیٹھ گئے۔

"سائیں وہ عدالت میں کل آپکی پیشی ہے۔" شمس نے جھجھکتے ہوئے کہا زولفقار نے ماتھا ر گڑا۔

"ہنہہ... ایک تو یہ کیس حلق میں اٹک گیا ہے اگر کرپشن ثابت ہو گئی تو اگلا الیکشن جیت کی بجائے ہار میں تبدیل ہو جائے گا۔" وہ سوچ و بیچار کرتے ہوئے بولے۔

"وکیل نے پیپرز بجھوائے؟"

"شام تک بجھوائے گا آپ فکر نا کریں کل عدالت میں ہم ثابت کر دیں گے ہمیں جھوٹے کیس میں پھنسایا گیا ہے۔" شمس نے مکاری سے کہا زولفقار سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی آرام گاہ کی جانب رخ کیا۔

زولفقار جاہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔

پنجاب میں زولفقار جاہ کی حکومت تھی اور اب یہ زمہ داری سنبھالنے میں میران کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ زولفقار صاحب کا گدی نشین اب وہی تھا۔ پانچ سال کچھ عرصے میں پورے ہونے کو تھے زرائع کے مطابق یہ بات گردش کر رہی تھی زولفقار جاہ اب صرف اپنی جماعت کا چیئرمین ہونگے الیکشن انکا بیٹا میران جاہ لڑے گا۔ اور

یہ بات اپوزیشن کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی، مستقبل میں سب ہی میران جاہ کو وزیر اعظم تصور کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ ایک اچھا لیڈر تصور کیا جاتا تھا۔ حوصلہ مند اور ملک سے وفادار!

دو بج چکے تقریب شروع ہو چکی تھی تبھی میران کی آمد کا شور اٹھا۔ تمام طلبہ جامعہ کا اسٹاف تمام تر ہیڈ ٹیچرز وغیرہ اسکے استقبال میں موجود تھے۔

وہ سب سے خوش اخلاقی سے ملتا ہوا گلاب کی پتیوں کی بارش سے گزرتا ہوا اپنی نشست پہ بیٹھا آن تھا۔ تمام طلبہ کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے کہ سیاست دان کا بیٹا میران جاہ انکی جامعہ میں انکی نظروں کے سامنے تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ہی وہ سیاست کی دنیا میں داخل ہوا اسکی جاہ دید شخصیت اور عوام کے لیے نرم مزاجی لوگوں کے لیے کشش کا باعث بنی تھی۔

طلبہ کے جم غفیر جھنڈ میں وہ ایک سب کی نظروں کا تارا تھا۔ لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی اس سے اس قدر متاثر اور خوش تھے۔

کالے کرتے شلوار پہ اس نے گرے والوں پہنی تھی ہاتھ میں گھڑی پیر پشاوری چپل میں قید تھے۔ کھڑی ناک کشادہ پیشانی کالی بادامی آنکھیں اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ وہ جگہ پہ بیٹھا تھا عزیز ہر جگہ اسکے ساتھ تھا۔

فنکشن دوبارہ چل پڑا۔ اس وقت کوئیز کا مپیٹیشنز چل رہے تھے میران نے ارد گرد نگاہ دوڑائی اسکے لبوں پہ پرستش تبسم پھیل گئی اسکی شخصیت لوگوں کی توجہ کھینچ رہی تھی۔

جیب میں اسکا موبائل وائیبریٹ ہونے لگا پرنسپل سے اسکیوز کرتا ہوا میران اٹھ کھڑا ہوا اور دور جا کہ کال ریسو کی۔ جامعہ کے بیرونی حصے میں شور اتنا تھا کہ چلتے چلتے وہ اندر کی طرف آگیا۔

"جی بابا سائیں کیسے یاد کیا؟" ذولفقار جاہ کی کال تھی۔

ادھر وہ اچھے طریقے سے مقابلے کے لیے تیار تھیں۔

"چلو یار دیر ہو گئی اب تقریری مقابلہ شروع ہو گا۔" انوش نے اسے کھڑ کھایا جو بیگ سے جوتے نکال رہی تھی۔

"عائش وہ آگئے۔" انوش نے اچھلتے ہوئے بتایا عائشے کے بات سر گزری۔

"کون آگئے بہن؟"

"ارے میران جاہ۔" اسکی آنکھوں میں چمک دیکھنے لائق تھی۔

"یار تمھاری وجہ سے ہم نے انکا استقبال مس کر دیا خدا کی قسم اگر تم جیتی نہیں نا...." عائشے کی دھمکی اس نے بیچ میں ہی کاٹی۔

"بے فکر رہو میں ہی جیتو نگی۔ میر اموضوع سب سے الگ ہے اور مجھے خود پہ بھروسہ ہے کہ جیت کر ہی آؤ نگی" اس نے آنکھیں بڑی کیے یقین سے کہا۔

"بس اب اوور مت ہو،، ویسے ہم کتنے لکی ہیں نامیران جاہ ہماری یونی میں آیا ہے۔" انوش اٹھلائی تھی۔

"کیا ہو گیا یار، ایسا بھی کوئی ہینڈ سم نہیں وہ۔"

میران چلتے چلتے ہال تک آیا اندر کسی کلاس روم سے اسے لڑکیوں کی آواز آئی تھی اپنے نام پہ وہ ٹھٹکا تھا۔

"تم نے اسکو دیکھا بھی ہے؟" عائشے کا منہ کھلا۔

"ہاں۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے۔

"تو پھر میں یقین سے کہہ سکتی ہوں تم اندھی ہو یا آنکھوں میں کوئی فالٹ ہے۔"

"اچھا چلو مان لی تم لوگوں کی بات۔۔ پر ایسے پاگل مت بنو اس کو تم لوگوں کی فیلنگز کا پتا بھی نہیں چلنا۔" وہ ان دونوں کی بے چینی پہ چوٹ کرتے بولی۔

میران دروازے کے پاس ٹھہر سا گیا ٹھہراؤ سے بھرپور لہجہ، لفظ کتنا ٹھہر کے بولے گئے تھے، انداز سب سے منفرد تھا، اسکا چہرہ دیکھنے کی خواہش میران کے دل میں بیدار ہوئی تھی۔

"ویسے انکو تمھاری تقریر بہت پسند آئے گی آخر کو وہ بھی مستقبل کے وزیر اعظم ہو سکتے ہیں اگر اپنے باپ کی جگہ خود الیکشن لڑیں،، میں تو خوشی خوشی ووٹ ڈالنے جاؤ نگی۔۔"انوش نے اس سے لگ کے کہا اور اسے کھینچ کے کھڑا کیا جو ہیلز اتار کے جوتے پہن چکی تھی۔

"اچھا ایسا ہے تو ساتھ چلیں گے پر ابھی یہ میر ان نامہ بند کرو۔اٹس اریٹیٹنگ !اور سوچو وہ لمحہ جب میرے گلے میں میڈل ہو گا،،افففف۔"وہ لہک کر بولی انوش اسکی بات پہ ہنس دی میر ان ایک عجیب سی کیفیت کے گھیرے میں آیا تھا انکی قریبی آہٹ پہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

"تو اب ہم بلانے جارہے ہیں جامعہ کی سب سے پسندیدہ اسٹوڈنٹ کو،،ویسے تو یہ بیک بینچر گروپ کی ممبر کھلائی جاتی ہیں۔"ہوسٹ کی ادھوری بات پہ طلبہ نے ہوٹنگ شروع کر دی تھی۔

"سولیڈیز اینڈ جینٹل مین پٹ یور ہینڈز ٹو گیدر اینڈ ویلکم مس رومائزہ احتشام !"ہوسٹ نے بھی سب کے ساتھ تالیاں پیٹیں۔

میر ان اسٹیج کے سامنے سب سے آگے والے صوفوں پہ براجمان اطمینان سے نام تو سن چکا تھا بیک بینچر لقب سن کر تھوڑا سی حیرانی ہونے لگی اور پھر نظریں جیسے ہی اسٹیج کے کونے پہ سے چڑھتی ہوئی لڑکی پہ پڑی تو ٹھہر سی گئیں۔

وہ میران جاہ جو سرسری سی نظر ڈالنے کے بعد مقابل کو دوبارہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا گویا اب نگاہیں ٹھہر سی گئیں تھیں۔

"اسلام و علیکم۔!" رومائزہ سب سے مخاطب ہوئی با آواز بلند اس نے سلام کیا۔ وہی آواز میران جاہ کو نجانے کیوں اپنا دل کہیں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" طلبہ کی جانب سے بلند آواز میں جواب موصول ہوا اسکی گرم جوشی مزید اضافہ ہوا تھا۔

"صدرِ عالی وقار میری تقریر کا موضوع ہے اگر میں وزیر اعظم ہوتی!....." موضوع کا نام سنتے ہی پھر شور اٹھا تھا وہ تقریر کرتی رہی اور میران جاہ اپنی نظریں اسکے چہرے پہ سے نا ہٹا سکا۔

بے خودی سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

تقریر سنتے ہوئے ہی وہ سمجھ گیا تھا یہ اندر کلاس روم والی لڑکی کی آواز ہے۔ اسکی آنکھوں میں مسکراہٹ در آئی۔

سبز کرتی کے ساتھ ٹخنوں کو چھوتے ہوئے ٹراؤزر میں ملبوس کھلے بالوں کو چہرے پہ آنے سے روک نہیں رہی تھی، وجہ یہی تھی کہ تقریر سے توجہ نا ہٹے۔

قابل تعریف نڈر انداز میں وہ تقریر کرنے والی لڑکی سید ھا میر ان جاہ کو بے حد متاثر کر چکی تھی۔

عزیز کافی دیر سے اپنے سائیں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، اس نے اس لڑکی کو دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

"سائیں آپ سن رہے ہیں؟" عزیز کی آواز پہ اپنی دنیا میں واپس آیا تھا اس وقت اسے عزیز پہ بے حد غصہ آیا۔

"وہی سن رہا ہوں۔" عزیز کو سختی سے کہہ کر اس نے رومائزہ پہ نظریں جمالیں۔

جب وہ کوئی شعر پڑھ کے مسکراتی تو میران کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ رنگ دکھانے لگتی۔ اور جب وہ آنکھیں بڑی کر کے سنجیدگی سے بتا رہی تھی کہ ملک میں کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے تب بھی میران بڑی فرصت اور توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ اصل میں وہ میں اسکی تقریر کے ہر نقطے پہ غور کر رہا تھا۔

اسکی تقریر میں جوش تھا امید تھی!

میران جاہ کی آنکھوں میں کسی انجان سی چاہت کے فوارے پھوٹنے لگے۔

اور پھر جب وہ تقریر کر کے جاچکی تھی پر وہ اسکے سحر سے نکل نہیں پایا تھا۔

"سائیں وہ چلی گئیں۔"عزیز نے ہچکچاہٹ سے کہا میران نے غصیلی نگاہ سے گھور کے اسے دیکھا عزیز جزبز سا خاموش ہو گیا۔

تمام حصہ داروں کے تقریر کرنے کے بعد ججز نے ہر ایک کی تقریر کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ تینوں اسٹیج کے قریب کھڑے آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

ہوسٹ نے میران کو اسٹیج پہ جانے کے لیے مدعو کیا تھا۔

پر زور تالیوں میں اسکا استقبال ہوا۔

میران زیب کی ہوئی واسکٹ کے بٹن لگاتا ہوا اپنی مخصوص چال میں چلتا ہوا اسٹیج پہ آیا۔

ہوسٹ نے اس سے چند مکالمے تبدیل کیے تھے۔

"باتیں تو ہوتی رہیں گی پہلے کام کی بات کر لیتے ہیں۔"

میران نے مائیک لبوں کے قریب کیے سرگوشیانہ انداز میں طنزیہ طور پہ ہوسٹ سے کہا جس پہ پورے ہجوم میں ہنسی کی کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

نیچے کھڑے تمام پارٹیسپنٹز اپنی جیت کی دعائیں کر رہے تھے جن میں رومائزہ تو اولین نمبر پہ ہاتھ جوڑے آنکھیں میچیں دعا میں مصروف تھی۔میران کی ایک نظر اس پہ اٹھی تھی اور پھر واپس طلبہ کے ہجوم پہ۔

"جی میران صاحب! تمام پارٹیسپینٹز نے کافی اچھی تقاریر کیں۔ پر ایک تقریر ایسی ہے جو ججز کو سب سے زیادہ پسند آئی،، تقریر ایک نیا خیال ایک امید تھی! ہمیں خوشی ہے ہماری جامعہ کے طلبہ اچھی سوچ رکھنے کے قابل ہیں۔ بنا مزید وقت ضائع کیے میں بتاتا چلوں کہ آجکے تقریری مقابلے کی ونر..... "ہوسٹ نے وقفہ لیا تھا پورے بیرونی ہال میں سناٹا چھا گیا میران کو ہوسٹ پہ شدید غصہ چڑھ رہا تھا۔

وہ کہاں وقت ضائع کرنے اور تمہید باندھنے کا عادی تھا ہر کام فوراً کرنا پسند کرتا تھا۔

"ونر نیم از رومائزہ احتشام"...

پورے ہال میں میران جاہ کی آواز گونجی رومائزہ آنکھیں کھول کر خوشی سے انوش کے گلے لگ گئی عائشے نے اسکی پیٹ تھپکی۔ ججز میں میران خود شامل تھا جبھی اسے ونر کا نام معلوم تھا۔

ہوسٹ کے بلانے پہ رومائزہ سیڑھیاں چڑھ کے اسٹیج پہ میران کے قریب پہنچی۔

اسکے چہرے پہ خوشی کی بے جا رمق تھی۔

"میران صاحب"!

ہوسٹ نے اسے میڈل تھمایا جو میران نے آہستہ سے رومائزہ کے گلے میں ڈالا تھا سنجیدگی ہنوز چہرے پہ برقرار تھی۔

"کانگریجولیشن"!

خود کو ہر قسم کی نرمی سے باز رکھے اس نے سنجیدگی سے کہا پر رومائزہ کو دیکھ کر اب آنکھوں میں پراسراریت کی جھلک تھی۔

"تھینک یو سر۔" وہ مشکوریت سے بولی میران کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ نے چھوا۔

"موسٹ ویلکم!" اسکی آنکھوں میں دیکھے اس نے کہا پر وہ کہاں اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی خوشی سے ہنستی ہوئی اپنے یونی فیلوز کی داد وصول کر رہی تھی۔

"میران صاحب آپکا بہت شکریہ آپ نے ہماراانوٹیشن قبول کیا،، ہم چاہتے ہیں کہ آپ دو شب ہمارے طلبہ سے بھی مخاطب ہوں۔" اسٹیج پہ موجود کالج کی پرنسپل نے کہا میران مسکراہٹ پیش کر کے عادتاً ناک کو انگلی کی پشت سے رگڑ کے مائیک لبوں سے لگایا۔

"آپ سب سے مل کر کافی خوشی ہوئی مجھے۔ میں امید کرتا ہوں آپ مستقبل میں اپنی اپنی فیلڈز میں بہت ترقی کریں گے۔ یاد رکھیے گا!

Life is given once and opportunity is not given again and again.But opportunities have to be created by oneself!

ہم نوجوان اس ملک کا سرمایہ ہیں اور اسے بدلے میں بہت کچھ دینا ہے۔"

میران ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہا تھا روماِئزہ کافی غور سے سن رہی تھی جیسے اس سے ضروری اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔

"خوش رہیں ہمیشہ۔"

دعا دیتے ہوئے اس نے بات کا اختتام کیا ہال میں تالیوں کی گونج ایک بار پھر ہوئی تھی۔

"بلکل بجا فرمایا آپ نے! بہت شکریہ آپکا۔

ہماری دعائیں آپکے ساتھ ہیں اللہ آپکو مزید ہمت آتا کرے، ملک کو آپ جیسے ایماندار لیڈر کی ہی ضرورت ہے۔" پرنسپل کی نیک تمناؤں پہ میران نے سینے کے مقام پہ ہاتھ رکھا۔

"بہت شکریہ۔" اپنی کم گوئی کی عادت کے مطابق وہ سب سے دو تین جملے بول کے اسٹیج سے اتر آیا تھا۔

وہ تینوں اب اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ نشست پہ بیٹھی تھیں۔ ان کے لیے خوشی کی بات ہی تھی کہ سینئرز کے ہوتے ہوئے بھی انکی کلاس میٹ جیت گئی۔

فنکشن اپنی آب و تاب سے جاری تھا تبھی پیون نے آکے انھیں پرنسپل کا پیغام دیا کہ وہ رومائزہ کو اپنے کیبن میں بلا رہی ہیں۔

وہ ان تینوں کو ساتھ پرنسپل کے کیبن کی طرف چل دی۔

"مے آئی کم ان میم؟" دروازہ بند تھا اس نے آواز کے ساتھ دستک بھی دی۔

"یس کم ان رومائزہ۔"

پرنسپل نے انتہائی خوش گواری سے کہا۔ رومائزہ نے دروازہ دھکیلا اور اندر آئی تو پرنسپل اور انکے سامنے والی ریوالوینگ چیئر پہ میران جاہ کو بیٹھے پایا جسکے چہرے پہ پراسرار سی مسکراہٹ نے جگہ لی تھی۔

وہ تینوں ٹیبل کے قریب کھڑی ہو گئیں۔

"بیٹھو رومائزہ.." وہ الجھن کا شکار ہوتے ہوئے میران کے برابر والی چیئر پہ بیٹھ گئی جب کہ انوش اور عائشہ نے صوفے پہ جگہ سنبھالی تھی۔

"کاش میں بھی اسپیچ کر لیتی وہاں بیٹھتی پھر میں بھی۔" انوش منہ پہ ہاتھ رکھے دبے انداز میں عائشے سے بولی اسکا اشارہ رومائزہ کی جانب تھا۔

"تم تو کھانے کے کامپیٹیشن میں حصہ لینا یقین ہے تم ہی اول نمبر پہ جیتو گی۔" عائشے چبا چبا کے کہتی دور ہو کے بیٹھ گئی۔

"میران صاحب یہ ہماری جامعہ کی بہت لائق فائق اسٹوڈنٹ ہیں پر بیک بینچرز کے نام سے جانی جاتی ہیں،،"

"انکی قابلیت تو میں دیکھ ہی چکا ہوں۔" اس نے ترچھی نگاہ رومائزہ کے چہرے پہ ڈالی جو اسی کو تک رہی تھی اسکی گویا سانس کہیں اٹکی تھی صوفے بیٹھی انوش دبی دبی ہنسنے لگی۔

"تھینک یو سر اگین۔" وہ مسکرا دی۔ تبھی پیون کے ساتھ چار پانچ اور بھی اسٹوڈنٹس کیبن میں داخل ہوئے۔

پرنسپل یونی کے بہترین طلبہ کو میران سے ملوا رہی تھیں۔ وہ سب کے سوالوں کا جواب دیتا رہا، دل نا جانے کسی خواہش کے لیے تڑپ اٹھا تھا وہ اس سے گفتگو کرنا چاہتا تھا پر موقع نصیب نا ہوا۔

وہ اسکی تقریر کو موضوعِ بحث بنانا چاہتا تھا۔ رومائزہ کو اپنی موجودگی بے وجہ محسوس ہوئی تو پرنسپل سے اسکیوز کرتی ان دونوں کے ساتھ باہر آ گئی۔

تھوڑی دیر میں باقی اسٹوڈنٹس بھی چلے گئے اور میران کی بھی کسی وزیر سے ملاقات فکس تھی وہ بھی واپسی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

پرنسپل نے اسے اسٹیج پہ جو گلدستہ تھمایا تھا وہ اس نے اٹھایا اور عزیز کو کال ملاتا ہوا باہر نکل گیا۔

نظریں کسی کی متلاشی تھیں۔ وہ واسکٹ کندھے پہ ڈالے پورچ پارکنگ کی طرف آیا تھا کہ اسے رومائزہ اپنی دوستوں کے ساتھ دکھائی دی۔

"روما بس بھی کرو یار!" انوش نے اسکی کسی بات پہ چڑ کے کہا میران آگے نہیں بڑھا تھا۔ انکی آواز اتنی بلند تھی کہ وہ باآسانی سب سن سکتا تھا وہ بس رومائزہ کو دیکھ کر بے خود سا ٹھہرا۔

"کس قدر مغرور شخص ہے۔ پورے فنکشن میں مجال ہے جو ڈھنگ سے مسکرایا ہو،، بندہ اتنا بھی سڑیل نہیں ہونا چاہیے۔" اسکی بات سن کے جاہ کے ماتھے پہ بل پڑے کیا وہ اسکی بات کر رہی تھی؟

"امیر لوگ ہوتے ہی مغرور ہیں۔" عائشے نے آسمان پہ دیکھتے ہوئے ایسے ہی کہہ دیا۔ پہلے جو وہ انجانے میں رکا تھا اب خود سے ان لڑکیوں کی رائے سننے کے لیے ٹھہر گیا تھا۔

"اچھا!" رومائزہ نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"مطلب تم نہیں"..

"خیر میں میران جاہ کی بات کر رہی ہوں! صرف مبارکباد دی یار اتنا ہی بول دیتا کہ مس رومائزہ آپ نے بہت اچھی تقریر کی! یار میری ساری محنت وصول ہو جاتی اتنی محنت کی تھی مہمان خصوصی آرہے ہیں یہ وہ..." وہ تپ کے جگہ سے اٹھی اسکے شکوے سن کے میران آنکھوں پہ کالا چشمہ لگاتا ہوا گہری سوچ میں پارکنگ کی طرف بڑھ آگیا۔

اپنے بارے میں اسکی رائے جان کے اسے حیرانی ہی ہوئی تھی ایک طرف ان لڑکیوں کا ہجوم تھا جو اس سے ملاقات پہ ہی آسمان میں اڑنے لگتیں اور ایک یہ لڑکی تھی جس کے شکوے ہی الگ تھے۔

اب وہ یہ تھوڑی جانتی تھی اسکے جانے کے بعد سنجیدگی کے بجائے خوشگواری سے میران نے باقی اسٹوڈنٹس کو جوابات دیے اور ان سے گفتگو بھی کی۔

وہ تو بس اپنا ڈھول پیٹے جارہی تھی۔ اور کافی دیر تک وہ اسکی شان میں کیا کیا بولتی گئی انوش اور عائشے سر پکڑے سنتی رہیں اور پھر زبردستی اسے اندر لے گئیں۔

میران کو اپنی ضرورت سے زیادہ سنجیدگی کا احساس ہوا تھا خیر کیا کرتا یہ سنجیدگی اسکے مزاج کا حصہ تھی۔

زولفقار جاہ اپنے آفس روم تھے تب میران کمرے میں داخل ہوا۔

"آو میرے شیر صبح سے غائب ہو۔"

زو لفقار جاہ اپنے آفس روم میں فائل گردانی میں مصروف تھے۔ میران کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ جگہ سے اٹھ کہ گلے لگ کر کہا اور اسکی پیٹھ تھپکی۔

میران اپنے باپ کا غرور تھا۔ وہ سیاست میں آنے کے بعد ہر چیز اچھے سے سنبھال رہا تھا۔

وہ بڑی ایمانداری سے اپنا کام کرتا تھا اور زولفقار جاہ ایمانداری کے الف تک سے ناواقف تھے!

اس نے باپ کے خلاف کرپشن پہ ابھی تک ایک لفظ نہیں کہا تھا اسی بات پہ وہ بیٹے پہ نہار ہوتے تھے کہ انکا بیٹا ان کے خلاف نہیں جاسکتا۔ پر وقت بدلنے میں دیر تھوڑی لگتی ہے، اسے اقتدار چاہیے تھا! عوام کو اسکی ایمانداری پسند تھی اور وہ اس بات سے بخوبی واقف بھی تھا۔ باپ کی طرح اسکے کالے دھندے نا تھے نا ہی ایسی کوئی خبریں اڑتی تھیں!

"آپ بتائیں کیسی رہی میٹینگ؟" زولفقار کی ٹیبل کے سامنے والی کرسی اس نے سنبھالی۔

کرتے کے کف لنکس فولڈ کیے ہوئے تھے ٹیبل پہ پڑی ایک فائل اٹھائی۔

"بہت اچھی۔"

"شمس بتا رہا تھا آج بھی اجمل خان کے آدمیوں نے پریشان کیا ہے۔"

"ہاں پر میں نے انکا علاج کر دیا ہے آئندہ غلطی سے بھی کام کے درمیان رکاوٹ نہیں بنیں گے۔"

"کوشش کرو جلد از جلد یہ کام مکمل کروالو کافی عرصے سے یہ کام رکا ہوا تھا اب مزید دیری ہوئی تو عوام مخالفت پہ اتر آئے گی۔"

ذولفقار نے اسے اندیشوں سے آگاہ کیا۔

"فکر نا کریں بہت جلد یہ کام مکمل ہو جائے گا۔

چلیں آئیں تاش کھیلتے ہیں بہت عرصہ ہو گیا کھیلا نہیں۔"وہ کرسی سے اٹھا اور تاش کے پتے نکال کے میز پہ رکھے تھے۔

باپ بیٹے کے درمیان یہ کھیل کافی دیر جاری رہا تھا اور ذولفقار جاہ جیت چکے تھے میران ہنسنے لگا۔

"آئیگا وہ دن جب میں بازی جیت جاؤنگا۔"میران نے ہنستے ہوئے کہا ذولفقار نے اسکی تائید میں سر ہلایا۔

"ویسے مجھے وفاق کے دیے فنڈ کا چیک چاہیے کچھ ضروری کام کروانے ہیں۔"اسنے توجہ تاش کے پتوں سے ہٹا کر ذولفقار کی جانب مبذول کی۔ذولفقار کے چہرے کے زاویے لمحے میں تبدیل ہوئے تھے۔شمس جو ابھی ہی کمرے میں آیا تھا ذولفقار جاہ کو گڑبڑا کے دیکھنے لگا۔

"زولفقار صاحب آپ سن رہے ہیں؟" اس نے تاش کے پتے ٹیبل پہ بچھا دیے اور کمر کو چیئر کی پشت سے ٹکا کے نظریں باپ پہ جمالیں۔

"وہ چیک اب مل نہیں سکتا! رقم نکالی جاچکی ہے۔" انھوں نے بڑی سہولت سے بات سنبھالی وہ بات کی گہرائی سمجھ چکا تھا۔

"سہی۔" کرتا جھاڑتا ہوا وہ مسکرا کے جگہ سے اٹھا اور اپنی آرام گاہ میں آگیا۔

"سائیں کہیں چھوٹے سائیں غصہ تو نہیں ہو گئے؟" شمس کو خدشہ لاحق ہوا۔

"اس میں باپ سے بغاوت کرنے کی ہمت نہیں وہ سب کچھ کر سکتا ہے پر میرے خلاف نہیں جا سکتا۔ باپ ہوں اسکا مجھ سے محبت کرتا ہے عزت کرتا ہے۔ وہ اپنے مسئلے کا وہ کوئی دوسرا حل نکال لے گا بہت ہوشیار ہے۔" چہرے پہ مکاری واضح تھی۔

شمس نے ایک فائل کھول کر اسکے سامنے کی۔

"سائیں یہ تمام قرض داروں کی فہرست ہے۔ میں نے سب کو فون کھڑکا دیا ہے جلد از جلد قرضا ادا کر دیں ورنہ ہم اپنے طریقے سے پیسہ نکلوانا اچھے سے جانتے ہیں۔" شمس فائل پہ جھکا ہوا بول رہا تھا۔

"پر سائیں شنواری نے رقم کی ادائیگی کے لیے مزید وقت مانگا ہے۔"

"اسکی مدت تو ختم ہو چکی ہے کیا اس نے اب تک قرضے کی ادائیگی نہیں کی؟" زولفقار جاہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"بہت گننا آدمی ہے، خوب منافع کما چکا ہے پر ابھی تک قرضا ادا نہیں کر رہا۔ آپ کہیں تو"...

ذولفقار نے نگاہ اٹھا کہ اسے دیکھا شمس خاموش ہو گیا۔

"اسے ایک دوبار پھر بولو اگر نا مانے پھر کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔" زولفقار نے اپنی سگار جلائی کمرے میں سگار کی بو پھیلتی گئی۔

"جو حکم میں ابھی کال کرتا ہوں۔"

"اب جاؤ میں بھی آرام کرونگا۔" زولفقار کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ شمس نے باہر باغ میں جا کے شنواری کو کال لگائی۔

عزیز میران کی گاڑی کی صاف صفائی کر کے باغ میں آیا شمس کو دیکھ کر اسی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ شنواری سے بات کر رہا تھا۔

"سائیں کچھ نہیں جانتے جب قرضا ادا نہیں کر سکتے تھے تو لینے کی ضرورت بھی نہیں تھی"!

"میں ادائیگی سے انکار تھوڑی کر رہا ہوں،، جیسے ہی پیسے ہاتھ میں آئینگے ادا کر دونگا۔ تم سائیں کو بولو تھوڑا خیال کریں۔" مقابل سے کسی کی تھکن آلود التجائی آواز آئی تھی۔

"چل چل دماغ خراب نا کر بہت وقت دے دیا چھوٹی موٹی رقم نہیں جو ادا نہیں ہو سکتی۔ ایک مہینے کا وقت ہے قرضہ اتار دے ورنہ جو ہو گا اسکا ذمے دار تو خود ہو گا۔" شمس نے دھمکاتے ہوئے کال کاٹ دی۔

"سب خیریت تو ہے؟" عزیز نے اسکی چڑھی سانس کو دیکھے سوال کیا۔

"ہاں ٹھیک ہے لوگ سائیں کا پیسہ لے کر بھول گئے ہیں آج سب کو آخری بار وارن کر کے ہوش ٹھکانے لگائے ہیں۔" شمس اسکے گرد بازو پھیلائے بولا۔

موسم ٹھنڈا ہو چکا تھا عزیز کو سردی محسوس ہو رہی تھی شمس سے اسکی خاص بنتی نہیں تھی الوداعی کلمات کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

"سالا خود کو پتا نہیں کیا سمجھتا ہے بہت پر نکل گئے ہیں۔" شمس جی کڑا کے رہ گیا۔

پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ لانچ میں ٹی وی پہ ہارر مووی لگا کے بیٹھی تھی۔ لاہور میں آج کل بارشوں کا سلسلہ جاری تھا۔

ادھر مووی میں دروازہ کھلنے کی دل خراش آوازیں آ رہی تھیں تبھی اچانک سے بجلی کڑکی اور رومائزہ کی بے ساختہ چیخ پورے گھر میں گونجی تھی۔

"کیا ہو گیا بیٹا؟" احتشام صاحب جو فیکٹری سے تھکے ہوئے گھر لوٹے اسکی آواز پہ چونکتے ہوئے لاؤنج میں آئے۔

"تھینک گاڈ بابا آپ آ گئے،، کب سے آپکا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے جھٹ ٹی وی بند کیا احتشام صاحب کمرے کی لائٹس آن کر کے اسکے پاس بیٹھ گئے۔

"میں نے منع کیا ہے نا اندھیرا مت کیا کرو، اکیلی ہوتی ہو ڈر گئیں تو کیا ہو گا۔" صوفے پہ بیٹھے ہوئے انھوں نے اسے ڈانٹا تھا رومائزہ نے برے برے منہ بنائے تھے۔

"اب میں ہارر مووی دیکھ رہی تھی تو سوچا ماحول بھی ہارر سا کر لوں۔" وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ وہ کچن میں گئی احتشام صاحب کو برتنوں کی کھٹ پٹ کی آوازیں محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر میں وہ ٹرے میں برتن سجائے انکی خدمت میں حاضر ہوئی۔

"نعمت بی نے آپکا پسندیدہ مغز بنایا ہے!" وہ ناک چڑھاتے ہوئے سانس بند کر کے بولی احتشام صاحب اسکی بگڑی شکل دیکھ کے ہنسنے لگے اور کھانا نکالا۔

"مطلب آج پھر باہر سے کھانا آیا ہو گا۔" انھوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی جناب یہ مغز ورنہ کوئی کھانے والی چیز ہے واقعی انسان بہت ہی ظالم ہے گائے کے دماغ تک کو نہیں چھوڑتا۔۔" بولتے ہوئے ہی اسے ابکائی سی محسوس ہونے لگی تھی پھر جھر جھری لے کر موبائل کھول کے بیٹھ گئی۔

"ویسے اس مغز کی آپکو بہت ضرورت ہے۔" باپ کی شوخی پہ اس نے آنکھیں چڑھائیں۔ پھر جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو روما ئزہ انھیں آج تقریب کی تصاویر دکھانے لگی۔ احتشام صاحب کے چہرے کی تھکن پریشانی ہر چیز سے وہ ناواقف تھی!

موبائل پہ اسکی تقریر چل رہی تھی۔

"ماشاءاللہ آپ تو بڑا اچھا بولتی ہیں۔"

احتشام صاحب نے اسکے سر پہ بوسا دیا وہ مسکرائی۔

اسکا بولنے کا کھڑا انداز تھا۔ بچپن میں جب وہ کینیڈا ویکیشنز پہ گئی تھی تو انکی انگریزی زبان اور لہجہ اسے بے حد پسند آیا تھا۔ اب وہ انگریزی تو فر فر بولتی تھی پر اردو بولنے کا انداز بھی ایسا ہو گیا تھا جیسے کوئی انگریز بڑی رسائی سے بہترین اردو بول رہا ہو۔

اسکا انداز بول چال سب کچھ پاکستانی لڑکیوں سے کافی منفرد تھا۔اور یہی چیزیں اسے دوسروں سے مختلف رکھتی تھیں۔

"اور پتا ہے مجھے فرسٹ پرائز بھی ملا،اس نے میڈل اور ایک کوور انکے سامنے لہرایا اور واپس موبائل کی اسکرین چھوتے ہوئے تصویریں دکھانے لگی۔ایک تصویر پہ احتشام صاحب کی نظر ٹھہر گئی۔

"بیٹا یہ !.."چہرے پہ جیسے فکر در آئی۔

"میران جاہ!یہی تو مہمان خصوصی تھا اس نے ہی میڈل دیا۔انکو تقریر تو پسند آئی پر مجال ہے تعریف میں کچھ بول دیتے۔"اسکی ٹانگ ابھی تک وہیں اٹکی تھی۔احتشام صاحب کے ذہن الگ ہی دنیا میں پہنچا تھا۔

"کوئی بات نہیں باقی سب سے تو تعریفیں سمیٹ لی نا۔اب جاؤ سو جاؤ صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔"انھوں نے اپنی سوچ و وہم پہ لعنت بھیجی۔

"کل کا تو آف ہے.... چلیں گڈ نائٹ۔"

اسکے جانے کے بعد احتشام صاحب صوفے پہ ٹیک لگا کے دکھتے سر کو دباتے رہے اور وہیں انکی آنکھ لگ گئی۔

رات کے کسی پہر میران کی آنکھ کھلی۔وہ اٹھ کے بیٹھ گیا سوچوں کا تسلسل ایک جگہ ہی ٹھہرا ہوا تھا۔

"کس قدر مغرور شخص ہے، مجال ہے جو ڈھنگ سے مسکرا دیتا اور کھل کے تقریر کی تعریف کر دی ہوتی۔"اسکی اپنے بارے میں رائے ذہن میں بھٹکے جا رہی تھی اسکے خیال سے ہی چہرے پہ پر ستش مسکراہٹ پھیل گئی۔۔آج دن میں اپنے کاموں کے دوران کئی بار اسکے خیال آنے پہ بے خودی میں مسکرائے گیا تھا۔

"کون ہو تم؟ کیوں ذہن سے نکل نہیں رہیں؟میران جاہ کبھی اتنا بے بس نہیں ہوا جتنا تمھارے لیے خود کو محسوس کر رہا ہے۔"

وہ بستر سے کھڑا ہو گیا سگریٹ جلا کے شیشے کے دروازے کو کھولتا ہوا شرٹ لیس بالکونی میں آگیا اور ریلنگ پہ دونوں بازوں جمائے سوچوں میں واپس غرق ہو چکا تھا۔

ماتھے پہ بھنویں سکڑتی جا رہی تھیں چہرے پہ دلفریب مسکان جگہ بنا چکی تھی ذہن میں بس ایک ہی چہرہ لہراتا اور وہ بے خودی میں ہنس دیتا۔ایک خوبصورت یاد بن رہی تھی وہ!

اپنی یادوں سے کہو چھٹی دے مجھے

عشق کے حصے میں بھی تو اتوار ہونا چاہیے

**

وہ تینوں لاسٹ بینچ پہ بیٹھی لیکچر کے دوران منہ پہ ہاتھ رکھ کے گپوں میں مصروف تھیں۔

"اچھا سنو ایک بات بتانی ہے میرا رشتہ آیا ہے۔" عائشے کی نظریں بورڈ پہ جمی تھیں البتہ لب کھسر پھسر کر چکے تھے۔ انوش اور رومائزہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

"تم شادی کر رہی ہو؟" رومائزہ کی بلند آواز پہ پوری کلاس انکی جانب متوجہ ہوئی۔ لیکچرار کے مار کر بورڈ پہ بجانے سے واپس سب سیدھے ہو کے بیٹھے۔

"اے بلوچن تم اتنی اہم بات اب بتا رہی ہو!!" انوش نے تپتے ہوئے کہا عائشے کے تیور چڑھے۔

"تو کیا ہیڈ آفس میں جا کے اسپیکر سے اعلان کرواؤں؟ سنو عزیز فیلوز آپکی بلوچن کا رشتہ پکا ہو رہا ہے،، شادی پہ سب تگڑا لفافہ لے کر آنا۔" وہ بھی دھیمی آواز میں دانت کچکچاتے ہوئے بولی تھی۔ رومائزہ نے عائشے کے پیر پہ اپنی ہیل جوں ہی رکھی اور پھر اسکی چیخ کی گواہ گلاس کے در و دیوار ہوئی تھیں۔

"اسٹینڈ اپ یو تھری!" لیکچرار کی سخت آواز پہ وہ تینوں جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ تینوں اتنی دیر سے کلاس میں میس کریٹ کر رہی ہیں۔۔ کافی دیر سے آپکو اگنور کر رہی ہوں پر آپکی باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔ کونسی اتنی ضروری باتیں ہیں جو لیکچر کے دوران بھی جاری

ہیں؟؟" لیکچرار اپھٹ پڑی تھی وہ تینوں شرمندہ ہونے کی بجائے دانتوں تلے ہنسی دبانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں شرمندگی کے آثار چہرے پہ دور دور تک نا تھے۔

"مس عائشے کا رشتہ پکا ہو رہا ہے وہی بتا رہی ہیں یہ۔" آگے بیٹھی اریکہ نے ہنسی دباتے ہوئے کہا لیکچرار نے غصے سے ان چاروں پہ نگاہ ڈالی اور پھر پوری کلاس پہ جو بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"کانگریچولیشن عائشے۔" سائیڈ کارنر پہ بیٹھے ہمایوں نے مداخلت کی تھی عائشے کا جی کلس گیا۔

"بس اس کمینے کو تو بات کرنے کا موقع چاہیے۔" انوش بڑبڑائی۔

"سوری مس آپ لیکچر کنٹینیو کریں۔" رومائزہ ان سب کی حرکتوں کو دیکھ کر معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"یس آئی ول کنٹینیو پر اس سے پہلے آپ تینوں کو علیحدہ کر دوں۔ رومائزہ آپ یہاں میرے سامنے آکر بیٹھیں۔" رومائزہ نے منمنا کر لیکچرار کو دیکھا آگے بیٹھنا تو اسکے لیے سب سے مشکل کام تھا۔

"اور انوش آپ مڈل آرڈر میں آجائیں۔ رابعہ انکے لیے جگہ بنائیں۔"

"اور مس عائشے؟" رومائزہ فوراً بولی۔

"وہ وہیں اچھی لگ رہی ہیں۔" مس نے جتا کر لیکچر کنٹینیو کر دیا تھا اب وہ تینوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ بیٹھ کر ایک دوسرے کے ساتھ لیکچرار کو بھی کوس رہی تھیں۔ کلاس ہونے کے بعد تینوں باہر نکل آئیں۔

"چل چل آگے بتاؤ رشتے کا کہ لڑکا کیسا ہے؟" انوش نے نوٹس بیگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ رومائزہ عائشے کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اسے چھیڑنے کے لیے تیار اسکے ساتھ چل رہی تھی۔

"اچھا ہے۔" اس نے سہولت سے کہا۔

"اوہ اچھا ہے،، ہینڈسم ہے؟" روما نے بھنو اچکائی۔

"شٹ اپ یار اور یہ دور ہٹو۔" اس نے اسکا ہاتھ گردن سے نکالا۔

"دلہنیا غصہ ہو گئی۔" انوش نے رومائزہ کے ہاتھ پہ تالی مارتے ہوئے عائشے کو مزید چھیڑا عائشے ان دونوں کے درمیان پھنس چکی تھی۔

"ایسا تو اسکے میاں جی کہیں کچھ دنوں میں۔" رومائزہ نے عائشے کی ناک کھینچی جس پہ اسکی آنکھیں ابل آئیں.. شادی کو لے کر یہ دونوں کیسی سنکیوں جیسی حرکتیں کرنے لگیں گی یہ عائشے کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ عائشے ان دونوں کو چھوڑ چھاڑ تیز قدم لے کر ہال تک پہنچی وہ دونوں اسکے پیچھے دوڑتی ہوئی جا رہی تھی تب ہی رومائزہ کی ٹکر کسی وجود سے ہوئی۔

"واٹ دا ہیل اندھے ہو گئے ہو؟" رومائزہ غصے سے لبریز چلائی اسکا لہجہ جتنا ٹھہرا ہوا تھا دماغ کی اتنی ہی گرم تھی۔

"جی آپکے پیار میں۔" مقابل کی دلنشینی پہ اسکی رگیں تن گئیں۔

"سستے ہمایوں سعید تمھارا مسئلہ کیا ہے؟" انوش نے مداخلت کی جو ہمایوں نے کانوں پہ اڑائی تھی۔

"رومائزہ احتشام میں کوئی لوفر آوارہ لڑکا ہرگز نہیں ہوں۔ تم مجھے پسند ہو اور یہ میں بتانا چاہتا ہوں۔" وہ وضاحت پہ اتر آیا انوش نے ہنکارا بھرا البتہ رومائزہ خاموش تھی۔

"سہی تم لوفر ہرگز نہیں ہو پر تم لڑکیوں سے بات چیت کرنے میں بے حد انٹرسٹ رکھتے ہو۔" رومائزہ نے بے حد سنجیدگی سے سینے پہ ہاتھ باندھے حقیقت بتائی۔

"غلط سمجھ رہی ہو وہ سب صرف تم سے بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈتے رہا ہوں۔ کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟"

"بلکل بھی نہیں اور آئندہ ایسے راستے میں ہرگز مت آنا ورنہ اگلی بار یہ بات برداشت نہیں کرونگی سیدھا منہ توڑونگی۔" وہ غرا کے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں بولی۔

"بہت غرور ہے تم میں تو۔" ہمایوں کو اس سے اس لہجے کی توقع ہرگز نہیں تھی وہ تو بڑی نرم طبیعت کی مالک لگتی تھی ہمیشہ اپنی دوستوں کے ساتھ پائے جانے والی پرکشش ٹھہراؤ لہجے والی!

"بہت ہے تم جیسوں کے لیے ہی تو غرور سنبھال کے رکھا ہے الحمدللہ۔" رومائزہ نے بے نیازی سے کہا اور انوش کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔

"انتظار کرونگا کبھی تو یہ غرور ٹوٹے گا۔" وہ لب پیوست کرتا ہوا نکل گیا جتنی اس ہمایوں کی رومائزہ نے تذلیل کردی تھی انوش کا دل باغ باغ ہو چکا تھا۔

رومائزہ تو سنتے ہی سیخ پا ہو چکی تھی کہ وہ دوستی کی آڑ میں اپنی دلی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔ کئی بار اسکے پرپوزل وہ ٹھکرا چکی تھی پر آج سارے حساب اس نے برابر کر دیے تھے کہ جتنا وہ تینوں اس ہمایوں کی وجہ سے پریشان ہوئی تھیں۔

پل بھر میں وقت گزر جائے

بس ایک تیری یاد ساتھ ہے

وقت کہاں ٹھہرتا ہے گزرتے گزرتے دو ہفتے پر لگا کے اڑ چکے تھے۔ اس چھوٹے سے عرصے میں چھوٹے جاہ نے اپنے دل پہ بہت کچھ جھیلا تھا۔

اس خوبصورت آواز والی لڑکی کی یادیں ذہن سے مٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

کسی اجلاس کے وقت یا کسی جگہ کے دورے کے دوران لوگوں سے ملاقات کے وقت ذہن کہیں نا کہیں سے چھوٹے جاہ کو جامعہ کے مناظر میں لے جاتا۔

اب تو دل خواہش کرنے لگا تھا کہ اپنی مصروف زندگی میں سے وقت نکال کر ایک بار پھر اسکی دید کو جامعہ جایا جائے اور وہ بار بار دل کو روکتا پر ناکامی ہاتھ لگتی۔

پر آج کا اسکا ارادہ طے تھا کہ ہر صورت اسے دیکھنے جامعہ جائے گا ورنہ دل کو قرار دینا دن بادن مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

یہ سب کیا تھا کیوں ہو رہا وہ سب سے انجان بس دل کی خواہش کی تکمیل کرنا چاہتا تھا۔

صرف ایک جھلک دید کی،، صرف ایک جھلک!

سنگھار میز کے سامنے کھڑے اپنی مکمل تیاری پہ اس نے نگاہ ڈال کر انگلی کی پشت سے ناک رگڑی اور پرفیوم اٹھا کے خود پہ چھڑکا۔

وہ بہت جہانزیب شخصیت کا حامل تھا سادہ پر لوگوں کی تمام تر توجہ اپنی جانب رکھنے والا!

والٹ اور موبائل اٹھا کہ آرام گاہ سے باہر نکل آیا۔

" کہیں جارہے ہو؟" ذولفقار جاہ اسکی تیاری دیکھ کر ٹوکتے ہوئے بولے۔ میران کے قدم ٹھہرے وہ اتنا جلدی میں تھا کہ نیچے ہال میں بیٹھے باپ اور ایم_این_اے کو دیکھ نا سکا۔

"ہاں زرا کام ہے.. خدا حافظ۔" عجلت میں کہتا ہوا بنگلے کے دروازے سے سیڑھیاں اتر کر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

"تجھے نہیں پتا؟ آجکل چھوٹے سائیں مسکرانے لگے ہیں۔ مجھے تو محبت کا چکر لگتا ہے ورنہ کبھی دیکھا ہے انکو اکیلے میں مسکراتے ہوئے ہر وقت ہی سنجیدگی کا لباس اڑے رکھتے ہیں اور کھل کے ہنسنا تو انکی طبیعت کا حصہ ہی نہیں۔"

دو محافظ آپس میں گفتگو کر رہے تھے اس بات سے انجان جس کا زکر وہ لے کے بیٹھیں وہ خود براہِ راست ساری باتیں سن چکا ہے۔

میران نے غصے سے مٹھیاں اور جبڑا بھینچا اور لمبے قدم لیتا گاڑیوں کے پاس آیا جہاں وہ دونوں بات چیت میں مگن تھے اسکی دھاڑ پہ حیرت کے مارے کانپ گئے۔

"کیا بکواس لگا رکھی ہے؟" وہ انکے سر پہ آن کھڑا تھا۔

"سس سائیں وہ ہم تو بس"...

"کیا ہم تو بس؟ تم لوگوں کو مشاہدے کرنے کے لیے یہاں رکھا ہوا ہے؟ سب کے سب اوقات بھول گئے ہیں۔"

وہ تمام پہ پھنکارا جو اسکی آواز پہ پوزیشن میں آ گئے تھے۔

"آئندہ کوئی بھی مجھے فضول بات کرتے دکھا تو فارغ کرنے میں دیری نہیں کرونگا!! گپے ہانکنے کے تم لوگوں کو پیسے نہیں دیتا میں۔ عزیز!" ان سب نے سر جھکا لیا تھا عزیز اسکی بلند آواز سنتے ہی سرونٹ کواٹر سے دوڑا چلا آیا۔

"جی سائیں۔" دوڑ کے آنے پہ اسکی سانس پھولی۔

"کس طرح یہ لوگ کام کر رہے ہیں؟ ملازموں کی اپنی موجیں یہاں یہ گارڈز اپنے گپوں میں لگے ہیں! تمھیں کہا تھا نا سب دیکھنے کے لیے۔" وہ عزیز پہ بھڑکنے لگا تھا گارڈ نے عزیز کو التجائی نظروں سے دیکھا اور عزیز نے خونخوار!

"چھوٹے بابا معاف کر دیں آئندہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" وہ نادم سا ہو گیا تھا۔

"خیال رکھنا ورنہ ان سب کو نکالنے میں دیر نہیں لگے گی۔" غصے سے لبریز اپنی پراڈو کا دروازہ کھولا۔ گارڈز سب ہی ایکشن میں آئے اور محافظتی گاڑیوں میں بیٹھنے لگے تھے۔

"رک جاؤ کسی کو ساتھ چلنے کی ضرورت نہیں۔" میران کے انکار پہ سب ہکا بکا سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے عزیز نے ان سب کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ پیچھے سارے گاڈز نئی کشمکش میں پڑ گئے کے بنا تحفظ کے سائیں کہاں جا رہے ہیں۔ کم از کم زیادہ نہیں ایک دو محافظ گاڑیاں تو اسکے ساتھ جایا ہی کرتی تھیں۔ پر اب منہ سے کچھ نکال کر کسی کو بھی نوکری گنوانے کی ہمت نہیں تھی سب ہی خاموشی سے اپنے جگہوں پہ کھڑے ہو گئے۔

عزیز گاڑی میں بیٹھ گیا پر جانا کہاں تھا اسکا علم اسے بھی نہیں تھا۔

"سائیں جانا کدھر ہے؟" اس نے گردن موڑ کے میران کی طرف پیچھے کو کی میران نے اسے دیکھا۔

"وہیں جامعہ لے چلو۔" کندھوں پہ خاکی چادر اوڑھے بڑی بے نیازی سے بیٹھا اطمینان سے بولا عزیز کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا اس نے گاڑی اہم شاہراہ سے گزار کے جامعہ کی جانب گاڑی دوڑا دی۔

وہ تینوں باہر آ کے بیٹھی تھیں اور گھاس پہ بیٹھی عائشے کو ہال کے سین کے بارے میں سب بتا چکی تھیں۔

"آئے میں نے مس کر دیا یہ سب... یہ لمبے بالوں والا چھنچھندر مجھے اتنا برا لگتا ہے نا کہ کیا بتاؤں۔ میں نے سنا ہے پہلے اسکا دل کسی جونئیر پہ آیا ہوا تھا جب سے اس سے تھپڑ موصول ہوا اسکو بھول بھال ہماری روما کے پیچھے پڑ

گیا ہے۔ ویسے روما اتنا برا ابھی نہیں وہ سوچا جاسکتا ہے۔" عائشے آسمان کو تکتی اطلاع دینے والے انداز میں بولی اب کلاس کا بدلا بھی تو لینا تھا۔

"عائشے کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں وہاں سے دھکا دے دوں؟" رومائزہ نے تیئں چڑھائے جامعہ کی چھت کی جانب اشارہ کیا۔

"نہیں میں بس اتنا چاہتی ہو ہمایوں بھائی کا دل ناتوڑو بال کٹوادو تو اچھے بھلے انسان لگیں گے" عائشے کے لہجے کی شرارت سنجیدگی میں تبدیل تھی۔ رومائزہ نے کمال ضبط سے اسے گھورا پر جب وہ باز نا آئی تو اس پہ چیخ پڑی۔

"عائشے۔۔۔ اب کچھ کہا نا تو میں انکل آنٹی کو بول دونگی آپکی بیٹی کو شادی کی جلدی ہے فوراً اسے رخصت کریں۔" غصے سے اسکی ناک لال ہو چکی تھی ان دونوں کو پتا تھا ان معاملات میں وہ کتنی اگریسو ہو جاتی ہے۔ پھر بھی وہ تینوں ایک دوسرے کو چھیڑنے سے باز نہیں آتی تھیں۔

"اچھا یہ بتاؤ انکل کی طبیعت اب کیسی ہے؟" انوش نے اسکو اٹھایا جو اسکی گود میں سر رکھے ایک کتاب کھولے لیٹی تھی اور عائشہ کی آڑ میں وہ کسی کو دِکھ نہیں رہی تھی۔

"الحمدللہ بہتر ہیں...پتا نہیں کیسے اچانک اتنے بیمار ہو گئے" وہ اٹھ بیٹھی بال جوڑے سے کھل کر کمر پہ آزادی ملتے ہی بکھر گئے تھے۔

بڑی بادامی رنگ کی آنکھیں ستواں لال ہوتی ناک کٹاؤ دار عنابی لب لمبے خوبصورت بال...

وہ انوش کی کمر سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی اب اسکا رخ اور ان دونوں کی پشت دروازے کی جانب تھی۔

میران کی گاڑی جامعہ کی حدود پہ آ کے رکی۔ وہ عزیز کو وہیں انتظار کا کہہ کر اندر آیا۔

چادر کندھوں پہ پھیلی ہوئی تھی کالا سیاہ چشمہ اسنے آنکھوں پہ لگا رکھا تھا سر جھکاتے ہوئے سب کی نظروں سے بچ کے وہ پارکنگ سے گزر کے کینٹین کی طرف آیا۔ پہلی بار جب وہ یہاں آیا تھا تب اسکا حلیہ الگ تھا اور آج الگ تو کوئی پہچان نا سکا اور سر جھکائے چل بھی اسی وجہ سے رہا تھا کہ کوئی پہچان نا سکے۔

کینٹین سے نکل کے وہ اندر کی عمارت میں قدم رکھنے لگا تھا کہ باہر قریبی گھاس پہ بیٹھی وہ دکھائی دی ایک بار پھر مسکراہٹ کا راج ہوا۔

بازو پہ لٹکتی چادر اس نے سینے سے گزاری اور قدم بڑھاتے ہوئے اسکی اور مزید قریب جاتا گیا۔ رومائزہ جو انوش کی کوئی بات سن رہی تھی سامنے میران جاہ کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔

اسکی بڑی پر کشش آنکھوں میں حیرت امڈ آئی جوں ہی دونوں کی نظریں ملیں میران کے دل میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔

وہ اسے کئی پل دیکھے گیا۔

انوش اور عائشہ کے ساتھ جب وہ کھلکھلا کے ہنس رہی تھی،، کسی بات پہ ہنستے ہوئے چہرہ ہاتھوں میں چھپاتی اور پھر کالی زلفے اسکے چہرے کا طواف کرتیں اور وہ سکون سے انھیں بار بار کان کے پیچھے اڑستی میران کا دل تو وہیں سے کسی کنارے ڈوبنا شروع ہو چکا تھا۔

وہ کئی پل ایسے ہی جامد کھڑا اسے تکتا گیا میران کی نظریں خود پہ پا کر وہ الگ کنفیوز ہو رہی تھی اور اسے دیکھتی رہی! ایک کی نظروں میں بے چینی کا ارتکاب تھا تو دوسرے کی نظریں الجھن کا شکار تھیں۔ رومائزہ کی پلکیں ہولے ہولے لرزی تھیں وہ بخوبی اسکا ہر انداز بھانپ رہا تھا۔

آیا تو وہ ملاقات کی غرض سے تھا پر دیدارِ یار ہی اسے اتنا بھاری محسوس ہوا تھا وہ خود کو اس سحر سے بچانا چاہتا تھا۔

یہ سب اچانک کیا ہوا تھا دل کیوں ایسے بے لگام ہو رہا تھا وہ سب سمجھ کر بھی کچھ سمجھنا نہیں چاہتا تھا کسی کا عادی تو ہر گز نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس نے الٹے قدم لیے رومائزہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا وہ فوراً پلٹ گیا تھا۔

اس نے نگاہ سے کیا سلام ہے

دل میں ہے درد سا پھر بھی آرام ہے

تنگ آیا یہ سماں

ہوش ہے لاپتہ

تیرا دیدار کر!!

رفتہ رفتہ صنم

تم سے ملی نظر

تو ہوا ہے اثر

خواب سایہ جہاں

فرش دھواں دھواں

جنت سایہ شہر ہے!" عائشے وہ میران۔" حیرت سے نکلتے ہی رومائزہ نے پلٹ کر ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیا یہاں ؟" انوش کی بھنویں سکڑیں۔

"ہاں وہ یہاں تھا۔" اس نے کھولے منہ سمیت اشارہ کر کے بتایا پر اب وہاں اسکا سایہ تک موجود نا تھا۔ ان دونوں نے تیوری چڑھاتے ہوئے رومائزہ کو دیکھا۔

"دن میں خواب دیکھ رہی ہو کیا؟ کہاں گیا اب وہ ہمیں تو نہیں دکھ رہا"!

"یار ابھی وہ یہیں تھا سچی۔" اس نے یقین دلانا چاہا پھر خاموش ہو گئی۔ کیا وہ واقعی یہاں تھا؟

"تو اب کیا غائب ہو گیا؟" ان دونوں کو اسکا آنے پہ بلکل یقین نہیں آیا تھا۔

"او.... ہو و محترمہ کو بھی اسکے خواب دکھنے لگے.." عائشہ کے چھیڑنے پہ وہ تلملا گئی تھی اور اسکو مارنے کے لیے اسکے پیچھے دوڑی جو فوراً اپنا بیگ سنبھالتی کینٹین کی طرف بھاگی تھی۔

"لڑکیوں مجھے تو لے چلو۔" انوش گھاس پہ بیٹھی چیخی۔

میران ایک جنگ لڑتا ہوا باہر گاڑی تک آیا دل میں شور سا مچا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کے اندر بیٹھ کر گہری سانسیں لینے لگا۔ عزیز اپنے سائیں کی حالت دیکھے فکرمندی سے اندر بیٹھا۔

"سائیں خیریت تو ہے ؟" وہ سب سمجھنے سے فل وقت قاصر تھا ابھی تو وہ بلکل ٹھیک اندر گیا تھا اور چند منٹوں میں بگڑی حالت کے ساتھ واپس آیا اندر ایسا کیا ہو گیا تھا۔

"عزیز خیریت ہی تو نہیں کچھ۔" میران نے ماتھے پہ گرے بال پیچھے کیے اور چادر اتار کے دور پھینکی اور آنکھیں موند کے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا عزیز کئی دیر تک تجسس کا شکار رہا۔

"آپ کسی سے ملنے گئے تھے مل آئے ؟" وہ پوچھتے ہوئے ہچکچایا تھا۔

"نہیں۔"

"کیوں ؟"

وہ بے ساختہ بول بیٹھا پر میران کو سوال برا نہیں لگا تھا۔

"اگر مل لیتا تو مشکل ہی تھا اپنے پیروں پہ واپس آتا۔ عزیز مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے کھڑکیاں کھول دو۔"

اس نے گھبراہٹ کے باعث کرتے کے اوپری بٹن بھی کھول دیے تھے۔

"آپ ٹھیک نہیں ہیں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا گارڈز کی باتیں سچ تھیں؟ جب ہی آپ اتنا غصہ کر رہے تھے۔" اسے ایک ملازم نے میسج کر کے ساری خبر دے دی تھی کہ کس بات پہ وہ بھڑکا تھا۔

"شاید.. یہ ایک آگ ہے میں اس میں جلنا نہیں چاہتا ہے... گھر چلو بس۔"

وہ کھڑکی کے پار دیکھنے لگا عزیز نے حکم ملتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ اب یہاں سے جا رہا تھا کبھی واپس نا آنے کے لیے۔ دل نے صدا دی تھی! کیا ہوا میر ان جاہ اتنی جلدی ہار مان بیٹھے! ابھی تو محبت نامی پھول کے کھلنے کی ابتداء ہے۔

پر وہ دل کی سنتا کہاں تک اب جب سنی تو ایک دم بے بس ہو گیا پر اب دماغی فیصلے دل کے اوپر غلبہ پا چکے تھے۔

شنواری صاحب اپنے کسی دوست کے ساتھ آفس میں بیٹھے تھے۔

"تو اب کیا سوچا کیسے ذوالفقار جاہ کا قرضہ اتارو گے؟"

میاں حسن نے نے تشویش سے پوچھا۔

"میرے ہاتھ سے سب نکلتا جا رہا ہے فیکٹری گھاٹے میں جا رہی ہے۔۔ کہاں سے جوڑ توڑ کر کے قرض ادا کروں۔ زولفقار جاہ بلکل رحم نہیں کر رہا۔ مجھے کچھ وقت کی اشد ضرورت ہے۔" شنواری صاحب نے بال پین ٹیبل پہ بجانے سے ہاتھ روکتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہا۔

"وہ شخص پیسے کا پجاری ہے،، اپنا پیسہ کسی صورت نہیں بھولے گا۔" میاں حسن کو شنواری کی حالت پہ ترس آیا تھا رقم اتنی زیادہ تھی کہ کوئی مدد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ الٹا انکا بزنس ہی نقصان میں جا رہا تھا کیسے کوئی مدد کرنے کا سوچتا انکو خود پیسوں کے واپس نا ملنے کا خدشہ تھا۔

"اللہ تمھاری مدد کرے اور زولفقار کے شر سے بچائے۔" میاں حسن کی بات پہ وہ مزید سوچ میں پڑ گئے رقم کا بندوست نا ہونے کی صورت میں کیا ہو گا اس کا سوچ کر ہی انھیں جھرجھری آ گئی۔

میران جب واپس بنگلے پہنچا تو خود کو اچھے سے کمپوز کر چکا تھا جو ہوا سب کچھ جامعہ تک ہی چھوڑ آیا تھا۔ سنجیدہ چال چلتے ہوئے وہ راہداری سے اندر گیا۔ تمام محافظ اور ملازمین اب الرٹ ہو چکے تھے اب کسی میں بھی جاہ کے غصے کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

وہ ہال میں آیا تو ایم_ این_ اے ابھی تک موجود تھا۔ انکی موجودگی دیکھ کر سامنے والے صوفے پہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ گھٹنے پہ ٹانگ جمائے صوفے سے پشت ٹکا کے بازو پھیلائے بیٹھ گیا۔

"کیسے ہیں میران صاحب؟" ایم این اے طفیل نے اسکی طرف چہرہ کیے پوچھا۔

"اللہ کی دین ہے الحمدللہ ٹھیک ہوں.. آپ سنائیں کیا کرتے پھر رہے ہیں آجکل؟"بنا باتیں گھمائے وہ مدعے پہ آیا زولفقار جاہ یک ٹک خاموشی سے اسے دیکھتے رہے جب کہ طفیل گھبرا چکا تھا۔

"کیا مطلب چھوٹے جاہ؟"اس نے گھبراہٹ کو پست پشت ڈالے پوچھا۔

"یہی کہ اپنی ذمہ داریاں شاید بھول گئے ہیں!

شاید آپ اسکول بنوا رہے تھے سال گزر چکا پر وہ ابھی تک مکمل نہیں ہوا!"نرمی کی جگہ لہجے میں سختی عود آئی تھی۔زولفقار کے ماتھے پہ بل نمایاں ہوئے۔

"آپکو اس کام کے لیے باقاعدگی سے فنڈ ملا ہے پر اسکول ابھی تک تعمیر کا شکار ہے۔عوام کے سامنے ہم جوابدہ ہیں پر جواب دیں کیا؟کہ ہمارے اراکین کام کرنا بھول چکے ہیں۔باباسائیں ایسے تو آپکی حکومت مزید نہیں چلے گی۔"وہ صرف اسکول کی بات پہ غصہ نہیں تھا اور بھی ایک این اے کی لاپرواہیاں غصے کا سبب تھیں طفیل ویسے بھی اسے زیادہ پسند نہیں تھا اور آج بلکل باپ سے صاف گو ہو گیا تھا۔

"سائیں یہ کیا باتیں کر رہے ہیں!میں نے ساری زندگی آپکے ساتھ وقف کر دی اب مجھے یہ الزام سننے کو ملیں گے..کچھ ضروری کام تھے جن کی وجہ سے یہ کام مکمل نا ہو سکا پر آپ تو۔"طفیل بپھرتا ہوا زولفقار سے مخاطب تھا اور جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ طفیل بیٹھ جاؤ۔ غصہ کر کے اپنی غلطی مت چھپاؤ اس سے بہتر ہے اپنی سچائی کا ثبوت دو مجھے ایک ماہ کے اندر یہ مکمل چاہیے.. فوراً کام دوبارہ شروع کرواؤ"!

میران حکم عدلی سے کہتا خود ہی صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"میران آرام سے۔"زولفقار نے اسے ٹوکا جیسے انھیں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"کیسے آرام کروں آپکا ہر آدمی اپنی مرضی چلاتا ہے فنڈ کہاں غائب ہو جاتا ہے اسکا پتا ہی نہیں چلتا۔"میران بازو بلند کرتے ہوئے بلند آواز میں بولا اور طفیل پہ سخت نگاہ ڈالتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

زولفقار کو فنڈ والی بات سن کے پہلی بار خطرے کی گھنٹی بجتی ہوئی محسوس ہوئی آج سے پہلے کبھی اس نے اس معاملے میں کسی کو کچھ نہیں کہا تھا۔

طفیل نے جاہ صاحب کو دیکھا جو کسی سوچ میں گم تھے۔

"سائیں آج وہ مجھے بول گیا ہے اسکا دوسرا تیسرا نمبر آپ ہی ہونگے۔"طفیل اپنا کوٹ اٹھا کر غصے میں بھنبھناتا ہوا نکل گیا۔

زولفقار صاحب سوچ بیچار کرنے لگے انکا گدی نشین ہی اگر بغاوت پہ آگیا تو زولفقار صاحب کیا ہو گا۔

"کیا کر رہا ہے میرا بیٹا؟" احتشام صاحب اسکے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے وہ مسکرا کے انکی طرف مڑی۔

"کبھی اپنے بابا کا بھی اسکیچ بنالو۔" بیڈ کے آگے بچھے صوفے پہ وہ بیٹھ گئے تھے۔ اور رومائزہ کمرے کے کارنر پہ پینٹینگ بورڈ پہ جھکی تھی۔ سفید دیواروں پہ کئی طرح کی اسکی بنائی پینٹینگز نصب تھیں جو کمرے کی خوبصورتی مزید چار چاند لگائے ہوئے تھیں۔

"نیکسٹ ٹائم ضرور۔ ابھی یہ دیکھیں میں نے کیسی اس سادھا سی پینٹنگ کو خوبصورتی بخشی۔" اپنی پینٹنگ کی تعریف کے پل باندھتے ہوئے اس نے آنکھ دبائی اور اسٹول سے اتر کے پینٹینگز کے سامنے سے ہٹی۔

"خوبصورت پر اس میں ایک کمی ہے" احتشام نے خوبصورت سی پینٹنگ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا رومائزہ نے برش دانتوں میں دبائے کمی ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"اس میں مور نہیں ہے۔ ساون کے موسم میں جنگل میں مور کے ناچ کی خوبصورتی اس کو اور چار چاند لگا دیتی۔" وہ سرسری سا تبصرہ کر رہے تھے۔

"اوہ یس ہاؤ آئی فار گاٹ!" اس نے برش ٹیبل پہ رکھ دیا اور باپ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"بابا مجھے Finches دلا دیں پلیز ز۔ اجازت دے دیں میں خود لے آؤ نگی۔"

رومائزہ نے منت بھرے لہجے میں کہا اور انتہائی معصوم شکل بنا کر احتشام صاحب کو دیکھنے لگی یہی ہتھیار وہ اپنی باتیں منوانے کے لیے استعمال کرتی آئی تھی۔ احتشام صاحب نے اسے گھوری نوازی جو اس نے کسی کھاتے میں نہیں رکھی تھی۔

"کیا کرو گی ان معصوم چڑیاؤں کا؟"

"اپنے پاس رکھو نگی اس پنجرے میں انکا خیال رکھو نگی اور کیا!" اس نے بالکونی میں لٹکے بڑے سے گول پنجرے کی جانب اشارہ کرتے صاف کہا۔

"مطلب قید کر لو گی ہے نا۔" احتشام صاحب کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی رومائزہ عجیب الجھن کا شکار ہوئی۔

"ہہنہہ ناا... ہاں۔" رومائزہ نے الجھن سے شانے اچکائے۔

"میرا بچہ پرندے بھی جاندار ہیں انھیں بھی آزادی پسند ہے انکو اس پنجرے میں بند کر کے کیوں بد دعائیں سمیٹنی ہیں۔" انھوں اسے پیار سے سمجھایا۔

"آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں مجھے بچپن سے لے کر اب تک کوئی پرندہ خرید کر نہیں دیا۔" وہ منہ بسورتی کھڑی ہو گئی نین کٹورے ٹکر ٹکر تیزی سے ارد گرد گھوم رہے تھے کہ کیسے آج ضد پوری کروائی جائے۔

"بیٹا ظلم ہے یہ ان معصوم پرندوں پہ۔"

"نہیں بابا میں میں انکا بہت خیال رکھونگی کیا آپ اپنی بیٹی کی یہ خواہش پوری نہیں کرنا چاہتے۔ آئی لو وبرڈز۔"

"اچھا یہ بتاؤ یونی کیسی جارہی ہے؟" انھوں نے موضوع بدلا۔

"احتشام صاحب اب آپ بات نہیں بدلیں۔ پلیز مجھے لینے دیں صرف دو لونگی بس دو۔" رومائزہ انکے بازو سے سر ٹکایا اور دو انگلیوں کا نشان بناتے ہوئے بولی احتشام صاحب خاموش رہے۔

"بابا صرف دو ہی لونگی پلیز زنانا۔" اس نے سر اٹھایا احتشام اسکی ضد کے آگے ہارے تھے۔

"اچھا بھئی ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا وہ خوشی سے چہکی اور انکے گلے لگی۔

"تھینک یو ہینڈ سم مین۔" رومائزہ آنکھ مارتی ہوئی کھڑی ہوئی اور پھر اسٹول پہ جا کہ بیٹھ گئی۔

"اب سو جاؤ پوری رات اسی میں نہیں لگی رہنا۔" احتشام اسے تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے وہ بھی انکے جانے کے بعد سب سمیٹ کے بستر کی نظر ہو کر نیند کی وادی میں جا چکی تھی۔

زولفقار جاہ اور میر ان کسی اجلاس سے واپس ایک ہی گاڑی میں آرہے تھے محافظوں کی گاڑیاں انکی سیدھ میں پیچھے کو تھیں۔

"میر ان میں چاہتاہوں اس بار تم الیکشن لڑو تم اس قابل ہو چکے ہو کہ اقتدار سنبھال سکو۔ اب یہ اہم ذمہ داری میں تم کو سونپنا چاہتاہوں" زولفقار کی بات اس نے سن کے آنکھوں سے کالا چشمہ اترا۔

"باباسائیں یہ تو میں جانتاہوں الیکشن میں نے ہی لڑنا ہے۔"

"بہت ہوشیار ہو چکے ہو،،(وہ ہنس دیے ساتھ ہی میران کے لبوں کے کنارے پہ بھی ہلکی سی مسکراہٹ در آئی)۔

تم نے اتنے کم وقت میں کافی رکے ہوئے کام مکمل کروا کے عوام کے دل اپنی جانب راغب کر لیے ہیں اور یہ کہنا اب غلط نہیں کہ ملک کا مستقبل تم ہو۔ مجھے میرے خون پہ غرور ہے تم مجھے کبھی ناراض نہیں کروگے سب اچھے سے سنبھال لوگے۔" وہ اسکو سراہتے ہوئے بہت کچھ معنی خیزی سے باور کروا رہے تھے۔

"آپ کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں آپکو کبھی ناراض نہیں کرونگا۔ میران جاہ کی دنیا اسکا باپ ہی تو ہے۔" اسکے مطمئن انداز پہ زولفقار نے اسکی پیٹھ تھپکی۔

"پھر اگلے اجلاس میں یہ خوشخبری سب کو سناؤنگا۔ اے_پی جماعت (آزاد پاکستان) کا مستقبل میران جاہ ہو گا۔" خوشی سے نہال انکا قہقہہ سفید پر اڈو میں گونجا باپ کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی ہنسنے لگا۔

"اس خبر کے منظرِ عام پہ آنے کے بعد تم اپنی سیکورٹی سخت رکھنا ویسے ہی اپوزیشن کی تم پہ کڑی نظریں ہیں تمھاری چھوٹی سی غلطی یا بے احتیاطی بہت کچھ بگاڑ سکتی ہیں۔" انکے تاثرات سنجیدگی میں تبدیل ہوئے میران نے گہرا سانس خارج کیا۔

" آپ بے فکر رہیں سب بہتر ہی ہو گا اتنا برا وقت بھی نہیں کہ یہ لوگ میران جاہ کا کچھ بگاڑ سکیں۔" طاقت کا غرور سر چڑھ کے بولا تھا۔

"ماشاءاللہ اتنے سارے پرندے انوش تم کہاں لے آئیں مجھے۔" رومائزہ نے خوشی سے بحال انوش کے گلے میں بازو ڈالا۔

تین بیک بینچرز کا ٹولہ آج طوطا منڈی پہنچا ہوا تھا اور تینوں الگ قسم قسم کے پرندے دیکھ کر حیرت زدہ تھیں۔

"اے لڑکی دور ہو فوراً۔" انوش جھنجھلاتی ہوئی اسے پیچھے کرنے لگی پر وہ کہاں ہوش میں تھی پرندوں کے میلے میں آ کے ہوش کھو بیٹھی تھی۔

"انوش دل تو کر رہا ہے خوشی سے تمھارا چہرہ چوم لوں۔"

"لاحول ولا۔۔ روما پاگل نا بنو مجھے تم سے خوف آرہا ہے دور رہو مجھ سے۔" انوش اسکی دیوانہ پن دیکھ کر خود کو بچاتی ہوئی بولی رومائزہ نے اسکے چہرے پہ ڈر کے تاثر دیکھے تو پیٹ پہ ہاتھ رکھے ہنسنے لگی۔

"تم لڑکا ہوتیں تو میں تم سے شادی کرلیتی۔" رومائزہ نے چہرے پہ آتے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے تاسف سے کہا۔

"یو آر فلرٹنگ وتھ می؟" انوش نے اسکے پیٹ پہ مکا جڑا رومائزہ نے پلٹ کے اسے گھورا۔

"آف کورس!" انوش اسکی پشت گھور کے رہ گئی۔

"ارے بھائی صاحب یہ آپکا طوطا ہے؟" رومائزہ نے راہ چلتے آدمی کو روکے پوچھا جس کے کندھے پہ میکاؤ نامی سرخ رنگ کا بڑا اور بے حد خوبصورت طوطا بیٹھا تھا۔

"ارے رکیں تو زرا دو منٹ کے لیے ہمیں دیں نا۔" رومائزہ نے اپنا بازو آگے کیا اس شخص نے طوطا اسکے کندھے پہ بیٹھا دیا۔

"کچھ کرے گا تو نہیں نا؟" عائشے کی آنکھوں تھوڑا سا خوف پھیلا تھا۔

"ارے بہن مجھے کرے گا اگر کچھ کیا بھی تو تم کیوں ڈر رہی ہو۔"

اس نے بیگ سے موبائل نکال کر انوش کو پکڑایا جس نے اسکی طوطے کے ساتھ تصویریں لی تھیں۔

"ویسے آپ یہ بیچنے آئے ہیں کیا؟" وہ ایک ہی سمت میں کھڑی رہی طوطے کا وزن بھی اچھا خاصا تھا۔

"جی بہن۔"

"ویسے میں یہ خریدنے میں انٹرسٹڈ ہوں۔" انوش نے روما کو کہنی ماری تھی کہ کیا کر رہی ہے اب پر اسکے آنکھیں دکھانے پہ خاموش ہوگئی۔

"اچھی نسل کا طوطا ہے اور بے حد خوبصورت بھی ہے پچاس ہزار دونگی ڈیل ڈن کریں؟" وہ اپنی طرف سے حساب لگا لگو کہ آنکھوں میں چمک کے ساتھ بولی۔

"او باجی معاف کرو۔ یہ ایک جوڑا پاکستان میں سات لاکھ کا بک رہا ہے تم کہاں پچاس ہزار کی بات کر رہی ہو۔" وہ شخص تنکتا ہوا بولا اور اپنا طوطا واپس لے کر نکلتا بنا رومائزہ اب بھی حیرت کے عالم میں ڈوبی تھی انوش نے اسکا کندھا جھنجھوڑا۔

"تم سات لاکھ کا طوطا بازو پہ بٹھائے ہوئی تھیں!!" انوش کی آنکھیں حیرت کے مارے پھیلی ہوئی تھیں اس لیے رومائزہ کے بازو پہ ہاتھ پھیرا۔

"ہاں انوش سات لاکھ۔" وہ خود بے یقینی کے عالم میں تھی انوش پھر اسے ساتھ گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھی۔

"آہہ کاش میں یہ سب خرید سکتی پر احتشام صاحب تو پرندے..." عائشے نے اسکو سفید بطخوں کے پنجرے سے کھینچ کر دور کیا اسکے باقی لفظ منہ میں ہی رہ گئے۔

"شکر مناؤ انکل نے فنچ خریدنے کی اجازت دے دی ناشکری عورت۔"

"خبر دار جو مجھے عورت کہا کہاں سے تمھیں عورت لگتی ہوں۔ انیس کی ہوں صرف انیس کی۔" آنکھیں جھپکا کے اس نے جتایا۔

"یار روما اب میں تھک چکی ہوں بحث کا قطعی موڈ نہیں جو لینا ہے جلدی لو اور واپس چلو دو گھنٹے ہو گئے گھومتے گھومتے۔" انوش چل چل کے تھک چکی تھی گھٹنوں کے بل جھک کے بولی اور عائشے کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

"عمر ہو گئی ہے تم دونوں کی شادی کر لو ورنہ کوئی اپنا لڑکا تمھیں نہیں دے گا!" طنز کا تیر چلاتی ان دونوں کو تپاتی تیزی سے آگے بڑھی۔

"انگریز میں نے قتل کر دینا ہے تمھارا۔" انوش پیچھے سے چیخی۔

"اور ہاں لڑکی دی جاتی ہے لڑکا نہیں!" عائشے نے اس کے پیچھے لپکتے ہوئے اسکی عقل میں اضافہ کیا۔

تقریباً شام چھ بجے کو وہ گھر لوٹی تھی۔

فنچز کو جال میں سے نکال کے اس نے پنجرے میں بند کیا پانی اور انکی خوراک مٹی کی کٹوریاں میں رکھ دیں تھیں اور پھر اس منظر کو اپنے برش سے پینٹ بورڈ پہ قید کرنے لگی۔

گاڑیوں سے چلتی سڑک کے کنارے ایک نقاب پوش لڑکی ہاتھ میں کچھ تھامے سکون سے چل رہی تھی۔

سڑک پہ گاڑیوں کا گزر تیزی سے ہو رہا تھا کہ تبھی اس سے کچھ فاصلے پہ چلتی خاتون کے ساتھ بچہ چلتے چلتے انجانے میں چلتی سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

دور سے گاڑیاں تیزی سے اسی جانب آ رہی تھیں جب تک وہ خاتون اس بچے کو بائیک کی ٹکر سے بچانے کے لیے روکتی وہ بائیک تیزی سے وہاں سے گزری۔ اس خاتون کی چیخ بلند ہوئی۔

اس نقاب پوش لڑکی نے پھرتی سے اس چھوٹے بچے کو سڑک کے کنارے لا کے کھینچا تھا۔

وہ دونوں منہ کے بل کنارے پہ گرے تھے۔

وہ خاتون جلدی سے ان دونوں کی طرف لپکی۔

"میرا بچہ۔" اس خاتون نے بچے کو اٹھا کے گلے سے لگایا وہ نقاب پوش لڑکی بھی کپڑے جھاڑتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

"آر یو اوکے؟" وہ خاتون کسی اچھے گھرانے کی معلوم ہوتی تھیں۔

"یس آئی ایم۔" اس لڑکی نے جواب دیا اور اپنا سامان سائیڈ پہ رکھ کہ بچے کی طرف بڑھی۔

"شکریہ تمھارا ورنہ پتا نہیں کیا ہو جاتا۔"

"اٹس اوکے۔ ہیلو مسٹر چیمپ دیکھ کر چلتے ہیں اور بڑوں کا ہاتھ بلکل بھی نہیں چھڑاتے۔" اب یہ تو اسے پتا نہیں تھا کہ وہ اسکی ماں ہے یا کوئی اور۔

"سوری۔" اس بچے نے فوراً کان پکڑے لڑکی نے اسکے بالوں میں ہاتھ چلایا۔

"آپکا بہت شکریہ اب ہمیں چلنا ہو گا۔" وہ خاتون اس لڑکی کو دیکھ کر بولیں جسکا چہرہ دیکھنے کی خواہش جاگی تھی پر کالے اسٹالر کا نقاب اسکا چہرہ چھپایا ہوا تھا اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بال کمر پہ کھلے پڑے تھے۔ وہ واقعی کوئی برقعہ ایونجر والی وائبز دے رہی تھی۔

انکے جانے کے بعد اس لڑکی کی چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی اور اپنی منزل کی طرف بڑھ گئی۔

علاقے میں نیا تھانے دار آیا تھا جو کافی ایماندار تھا۔

"خورشید...." اسکی کی آواز پہ خورشید فوراً روم میں داخل ہوا اور فوراً سلوٹ مارا۔

"یس سر"...

"خورشید تم سے ایک کام تھا۔" تھانے دار نے اپنی سیٹ سے پشت ٹکائی۔

"حکم فرمائیں خورشید حاضر ہے۔"کانسٹیبل خوشی سے بولا۔

"میں نے تمھیں دیکھا ہے کافی لگن سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہو۔"

"سر جی یہ تو فرض ہے۔"

"کیا تم میری مدد کرو گے ؟"تھانے دار نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں آپس میں پیوست کر کے اسکے چہرے کو نقطہِ نظر بنایا۔

"جی بلکل۔"خورشید اسکی ٹیبل کے قریب آیا ایس_پی سیٹ پہ سیدھا ہوا پھر دراز سے ایک لفافہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔

"خوشی ہے تم ساتھ دو گے یہ لفافہ دیکھ رہے ہو اس میں کچھ نام ہیں ہمیں ان لوگوں کے بارے میں معلومات کرنی ہیں۔"

"کیسی معلومات ؟"

"کرپشن کی معلومات۔۔ سر فہرست ذولفقار جاہ ہے اسکے خلاف ثبوت لا کے نیب میں پیش کرنے ہیں۔"اس تھانے دار نے اسکی آنکھوں میں دیکھا خورشید نے راضی ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

"تو آپ کسی خاص مقصد کے لیے یہاں بھیجے گئے ہیں۔"خورشید نے ہنستے ہوئے کہا تھا نے دار گہری تبسم کے ساتھ آنکھ جھپکائی۔

"ٹھیک ہے سر الیکشن سے پہلے ہم ثبوت ڈھونڈ لیں گے۔"خورشید نے ٹیبل پہ سے لفافہ اٹھایا اور سلوٹ مار کے باہر نکل گیا۔

ایک مہینے سے اوپر کا عرصہ ہو چکا تھا شمس بیٹھا حساب کتاب دیکھ رہا تھا پھر قرض داروں کا صفحہ کھولا۔ تقریباً دیے گئے قرضے کی رقم واپس ریکوور ہو چکی تھی بس شنواری کا قرضہ باقی تھا جس نے ایک پھوٹی کوڑی تک ادا نہیں کی تھی۔

شمس نے اسکو فون کھڑکا کہ دھمکی دے دی تھی کہ اسکی مدت ختم ہو چکی ہے اب جو بھی ہو گا اسکا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔

جس پہ شنواری نے اسے غصے میں آکر کہا تھا"کوئی پیسے ویسے نہیں ہیں میرے پاس جو کرنا ہے کر لو۔"انھوں نے اپنی ساری بھڑاس نکال دی تھی انکو اندازہ تھا جتنا ذولفقار بولتا نہیں ہو گا اس سے زیادہ دوسروں کو پریشان کرنے کے طریقے یہ شمس نکال لیتا ہے۔

"تمھاری ہمت کیسے ہوئی ہمیں دھوکہ دینے کی!!!" شمس غرایا تھا۔

"آئیندہ کال مت کرنا۔" شنواری نے فوراً فون منقطع کر کے فلحال خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی۔ پر شمس دھمکی دینا نہیں بھولا تھا۔

"اب تم انجام کا منتظر ہو جاؤ شنواری! کیونکہ زولفقار جاہ اپنے پیسوں کے معاملے میں کسی قسم کی نرمی براداشت نہیں کرتے انکے قاعدے قانون اپنے ہیں اب تم بس اب اپنی عافیت کی دعا کرو۔"

اسکی دھمکیوں سے شنواری صاحب واقعی ڈر چکے تھے فیکٹری سے اٹھ کے فوراً وہ گھر کے لیے نکل گئے۔

******

چند دنوں سے زولفقار جاہ میران کے بدلے انداز پہ متفکر تھے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے پاور میں آتے ہی انکا بیٹا بدل جائے۔ ایم این اے کے ساتھ اسکا انداز بہت مختلف تھا اس سے صاف ظاہر تھا وہ آگے جا کے کرپشن کے خلاف ان سے بھی بغاوت کر سکتا۔ پر پھر دل میں کہیں ایک سکون اترتا تھا کہ وہ انکا خون ہے کسی صورت بغاوت پہ اتر نہیں آئے گا۔

کافی دیر سوچ وبچار کے بات انہوں نے شمس کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

زولفقار جاہ اپنے آفس روم میں کام کر رہے تھے میران بھی وہیں آکے بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر میں شمس کسی ماڈل یلدیز کی آمد کی اطلاع دینے آیا تھا۔

"ہاں ہاں میڈم کو لے آؤ۔"میران خاموشی سے کتب خانے کے ساتھ بچھے صوفوں پہ بر جمان کتاب گردانی کرتا رہا چند لمحوں میں یلدیز یلماز زولفقار جاہ کی ٹیبل کے سامنے والی چیئر پہ نشست تھی۔

"جب آپ ائیر پورٹ پہنچیں گی تو سوٹ کیس میرے آدمی وہیں آپکو پہنچادیں گے اسکے بعد آپ نے اس سوٹ کیس سمیت لندن کی زمین پہ اترنا ہے۔"ہاں وہاں منی لانڈرینگ کی بات چیت ہو رہی تھیں زولفقار اور شمس یلدیز یلماز کو پوری پلاننگ سے آگاہ کر رہے تھے۔

میران کو اس سب میں زرا دلچسپی نہیں تھی وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔

کام کی باتیں ہونے کے بعد یلدیز نے کئی بار میران کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی پر وہ اپنے خول میں رہنے والا شخص کتاب سے سر اٹھائے بنا ہی اسکے سوال کا مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔

میران کتاب گردانی کرتے ہوئے ہی چند لمحوں کے لیے کسی یاد کے سحر میں جکڑ گیا تھا۔

وہی خوبصورت لب و بیان، شکوہ، مسکراہٹ،

زلفوں کا چہرے پہ آبکھرنا!

میران نے سر جھٹکا وہ اسے بلکل یاد نہیں کرنا چاہتا تھا پھر بھی وہ خیالوں میں آئے جاتی۔

یلدیز کے جانے کے بعد شمس نے زولفقار کو کچھ یاد دلایا تھا جس پہ وہ غصہ ہو چکے تھے۔

"بہت وقت لے لیا ہے شنواری کو ایک کام کرو پتا لگاؤ اسکی سب سے قیمتی چیز کیا ہے جس میں اسکی جان ہو کوئی کمزوری؟"میران اپنے باپ کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"سائیں اسکی ایک بیٹی ہے سنا ہے بیٹی سے محبت بھی بہت کرتا ہے۔"شمس کے چہرے پہ مکاری جھلکی تھی۔

"ہمم،،، بہت خوب اسکی بیٹی ہمارا کام آسان کرے گی... اسکی بیٹی کو اٹھالو دیکھتے ہیں کیسے قرضا ادا نہیں کرتا اولاد کے لیے ماں باپ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔"زولفقار نے مونچھوں کو تاؤ دیا میران کتاب رکھ کے ناک رگڑتا ہوا انکے عین مقابل آن کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے بابا سائیں؟"ماتھے پہ بل ڈالے اس نے معاملہ تسخیر کرنا چاہا۔

اسکے پوچھنے پہ شمس نے میران کو ساری بات سے آگاہ کیا کہ شنواری نے بڑے سائیں سے کافی عرصہ پہلے پانچ کرؤڑ لیے تھے جو اب تک چکائے نہیں ہیں اور اب وقت پہ وقت مانگے جا رہا ہے اور وہ انکے ساتھ فراڈ کر رہا ہے۔

"چھوٹے سائیں مجھے تو اس شنواری کی نیت صاف نہیں لگتی یقیناً یہ پیسے ہڑپ گیا ہے جبھی تو پیسے دینے سے انکار کر چکا ہے۔"

"رقم چھوٹی نہیں جو میں معاف کر دوں،، خون پسینہ ایک کیا ہے یہ سب کمانے کے لیے۔" میران نے باپ کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"ہاں بلکل،، شمس تم زور دباؤ ڈالو اس پہ کیسے پیسے نہیں دیگا کس میں اتنی ہمت کے ہمیں دھوکہ دے۔" میران نے سیگریٹ جلاتے ہوئے تمسخر سے کہا۔

"چھوٹے سائیں سب کر لیا پر یہ بہت ڈھیٹ آدمی ہے ایسے ہی بہت لوگوں کا پیسہ ہڑپ کر چکا ہے۔"

"ہم کافی وقت دے چکے ہیں پانی اب سر سے اوپر ہو چکا ہے یہ شنواری ایسے نہیں مانے گا جب تک اسکی کوئی کمزوری ہمارے ہاتھ نہیں لگتی۔ اسکو دھوکے بازی کا انجام بھگتنا پڑے گا

میران اب تم اسکی بیٹی کو اٹھواؤ گے۔" ذولفقار کے حکم دیتے لہجے پہ پیسے وصولنے کے لیے کیا طریقہ نکالا تھا! میران نے بھنوا چکا کے انھیں دیکھا اسکا باپ اسے ایک لڑکی اغوا کرنے کا کہہ رہا تھا بے ساختہ اسکے لب تبسم میں تبدیل ہوئے۔ اب میران جاہ کے اتنے برے دن آگئے تھے کہ وہ ان کاموں پڑتا۔ کیا یہاں مذاق چل رہا تھا؟

"میں؟" اس نے بھنوا چکائے پوچھا۔

"ہاں تم۔۔ کیا یہ مشکل ہو گا تمھارے لیے؟ پیسے ہڑپ کے اب وہ مظلوم مسکین بن رہا ہے!! فراڈ شخص کو سزا نہیں دو گے۔" زولفقار نے اسکی آنکھوں میں دیکھا انداز اسے اکسانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ وہ دونشانے ساتھ لے رہے تھے ایک شنواری سے بدلہ اور دوسرا میران۔۔ اس سے بھی یقیناً وہ کچھ چاہتے ہی تھے۔

"میں چاہوں تو خود یہ کام سرانجام دلوادوں پر جانتے ہو اپوزیشن کی مجھ پہ کڑی نظریں ہیں آلریڈی ایک کیس میں پھنس چکا ہوں عوام میری مخالفت کرنے لگی ہے تم میرے لیے ایک نئی امید ہو۔ تم تو ایک ایماندار انسان ہو سب کی نظروں سے محفوظ آرام سے یہ کام نمٹا سکتے ہو۔ اپنا انصاف خود لو ہم غلط تو ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے۔" زولفقار جاہ جواز سننے کے بعد میران کو پھر حیرت نہیں ہوئی تھی پیسہ اسکے باپ کا تھا وہ اچھے سے نکلوانا جانتا تھا اور شنواری فراڈ کر رہا تھا اب تو اسکا خاموش رہنا بھی نہیں بنتا تھا!! اس نے اس کام کو سرانجام پہچانے کی ہامی بھر لی۔

ناجانے کیسے پر آج اسکے قدم کہیں بھٹک چکے تھے وہ سہی ہونے کہ باوجود غلط راہ چن رہا تھا کیونکہ طریقہ ہی وہ چنا تو جو کسی بے قصور کی عزت خراب کر دیتا!

"آپ دور رہیے گا میں خود ہینڈل کر لونگا عزیز کو کہہ کر اسکی بیٹی کا پتا نکلواتا ہوں بہت جلد رقم آپکے ہاتھوں میں ہوگی۔" اس نے سیگریٹ کو لبوں سے دور کیے کہا۔

"جلد بازی مت کرنا ایک بار ہمارا اجلاس ہو جائے اسکے بعد یہ سب کرنا۔" زولفقار اسکا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

"سائیں میرے پاس کچھ معلومات ہے۔" شمس فوراً بولا میران کے بھنویں آپس میں ٹکرائیں اور اسکے ہاتھ سے لفافہ جھپٹ لیا۔

"ٹھیک... اور اپنے کام پہ زیادہ دھیان رکھو دوسروں کے معاملات میں کم تانکہ جھانکی کیا کرو" میران دوٹوک اسے کہتا ہوا خود بھی باہر نکل گیا۔

اسکے جانے بعد شمس زولفقار کے کمرے میں داخل ہوا تو انکا قہقہہ خاموش ماحول میں گونجا۔

"شکر چھوٹے سائیں کو شک نہیں ہوا۔" شمس نے سانس بحال کی زولفقار اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے البتہ انکے چہرے پہ فاتح کن مسکراہٹ قائم تھی۔

"اب دیکھتے ہیں میران یہ بازی جیتتا ہے کہ نہیں۔ مجھے میرے خون پہ ناز ہے یقیناً وہ میرے نقشِ قدم پہ ہی چلے گا۔" مونچھوں کو تاؤ دیتے میز پہ سے اپنا اٹھاتے ہوئے استحقاق سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ماڈل یلدیز کے

جانے بعد جو کچھ بھی شمس اور زولفقار کے درمیان گفتگو تھی یہ ایک سوچا سمجھا پلان تھا شنواری کا زکر میران کو سنانے کے لیے کیا جارہا تھا اور وہ یہ سب سننے کے بعد خود اس معاملے کی گہرائی تک جاننا چاہتا تھا۔

زولفقار میران کو آزمانا چاہتے تھے اور اس سے بہتر طریقہ انھیں کوئی اور نا ملتا۔ایک تیر سے دو شکار کرنے کے تو وہ کھلاڑی تھے۔

انھوں نے دو شکار کرنے کے لیے یہ طریقہ چنا تھا ورنہ طریقے تو اور بھی نکل سکتے تھے۔

اب میران کا امتحان تھا کہ وہ کیا کرتا ہے۔

زولفقار جاہ صرف یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ انکا بیٹا کیا اس طرح کا کام کر سکتا ہے یا صرف ملک کے لیے خود کو ختم کر دیگا۔ہاں یہ شخص اب ملک کا سچا وفادار نہیں رہا تھا پندرہ بیس سال قبل ہی اپنی اچھائیوں کو انھوں نے ختم کر دیا تھا۔

زولفقار نے جو چاہا تھا بلکل وہی ہوا اب وہ میران کی جانب سے کافی حد تک مطمئن ہو چکے تھے۔۔پر اس بے خبر کو اپنے باپ کے ارادوں کی کیا خبر تھی اسکے پاس سوائے باپ کے اور کوئی سگا رشتہ نہیں تھا جس پہ خود سے زیادہ اعتبار کرتا تھا۔مطلب انکے آنے والے دن خوش آئیند تھے۔

احتشام ہاؤس میں آج پھر بھونچال آیا ہوا تھا۔

نعمت بی رومائزہ کو سمجھا سمجھا کہ تھک چکی تھیں پر اس نے بھی نا سننے کی قسم کھالی تھی۔ اسکے شور شرابے پہ احتشام صاحب کمرے سے نکل آئے۔

"کیا ہو گیا کیوں شور مچایا ہوا ہے؟" وہ پنجرے کو گود میں لیے جھولے پہ بیٹھی ماتم منا رہی تھی تبھی احتشام صاحب نے تشویش سے پوچھا۔

"احتشام صاحب میری ایک چڑیا فرار ہو گئی۔" آنسو بہانے کی بجائے اس نے آواز سے شور مچایا ہوا تھا۔ احتشام صاحب کو نعمت بی نے چڑیا کے اڑ جانے کی خبر دی۔

"آپ نے ہی بھگایا ہے اسے مجھے پتا ہے،، آپ ہی ایسا کر سکتے ہیں۔۔ احتشام صاحب آپ بہت برے ہیں مطلب چڑیا سے آپکی کیا دشمنی تھی۔"

پنجرے کو مضبوطی سے تھامے اس نے احتشام صاحب کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا تھا اور شکی نظروں سے گھورنے لگی۔

"بیٹا میں تو پنجرے کے قریب گیا بھی نہیں۔" اسکی ناراضگی پہ وہ فوراً وضاحت دیتے بولے۔

"صبح آپ میرے کمرے میں آئے تھے۔"

"ہاں اور آپکے سامنے ہی کمرے سے گیا تھا اور ابھی آفس سے آیا ہوں۔"

"یار بابا پھر وہ کہاں چلی گئی میں اتنا اسکا خیال رکھ رہی تھی۔" وہ آخر جب تنگ آگئی تو جھولے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بی بی آپ نے اسکا لاک سہی طرح نہیں لگایا تھا جب ہی وہ اڑ گئی۔" نعمت بی نے اسے بتایا یار و مائزہ نے اسکا لاک ٹٹولہ اور پھر جزبزسی احتشام صاحب سے نظریں چرائیں جو اسے ہی گھور رہے تھے۔

"سوری۔"

"کوئی بات نہیں۔" احتشام نے اسے خود سے لگالیا پھر وہ دور ہوئی۔

"اب میں دو اور لے آؤنگی۔" اسکی آنکھوں میں چمک دیکھ کر وہ انکار نا کر سکے۔

"اچھا بس لے آنا اور یہ سب سمیٹو کمرے کا دیکھو کیا حال بنا رکھا ہے ایک چڑیا ہی تو تھی وہ۔"

"تو کیا مطلب؟"

"سوری سوری میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے زیر لب مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"اوپر فون گھمانا پڑے گا ممی سے شکایت کرونگی بہت ہی آپ بگڑ گئے ہیں اور بحث میں نہیں کرتی آپ شروعات کرتے ہیں۔" پیچھے سے وہ چلائی اور پھر ہنستے ہوئے پنجرہ جگہ پہ سیٹ کیا۔

نعمت بی کے ساتھ مل کر کمرہ صاف کر کے صوفے پہ آڑی ترچھی لیٹ چکی تھی ٹی وی آن کیا تو کسی بھی چینل سے کچھ اچھا نہیں آرہا تھا۔بے مقصد چینلز تبدیل کرتی رہی تبھی نظر ایک نیوز چینل پہ ٹھہر گئی اس نے چند پل انگلیوں کو آرام دیا چینل آگے نہیں بڑھایا۔

نیوز اینکر تیز آواز میں خبر پڑھ رہی تھی اور دوسری جانب اسکرین پہ میران جاہ کی تصاویر اور ویڈیو کلپس چل رہے تھے جن میں وہ بے حد خوبرو اور روعبدار معلوم ہو رہا تھا۔اسے سیاست میں بے شک انٹرسٹ تھا پر میران کے متعلق کیا خبر تھی اس میں نہیں۔۔

میران کے کلپس دیکھنے کے بعد اس نے چینل تبدیل کر دیا نیوز کیا تھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا نا جانے کیوں بس وہ اب اسے برا لگا تھا کیونکہ اس نے اسکی تقریر کی تعریف نہیں کی تھی۔

اور یہ بہت برا لگنے کی اہم وجہ تھی ہاں وہ ایسی ہی تھی خود پسند۔

اچانک سے اسکا ذہن اسکے خیال میں کھو گیا وہ اس دن یونیورسٹی آیا تھا؟؟ یا پھر اسکا وہم تھا؟ پر اسکو یہی وہم ہونا تھا۔

"اللہ اللہ کیا سوچ رہی ہوں میں۔" ٹی وی بند کر کے وہ اسائمنٹ بنانے کے لیے اٹھ گئی۔

دیر رات میران جھت پہ بیٹھا سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا بے خیالی میں بھی خیالوں کا مرکز رومائزہ ہی تھی۔ کب تک وہ اسکے خیالوں کو جھٹکتا! اب تو ماہ گزر چکا تھا اور کونسا ایسا پل نہیں جب اسے چین آیا ہو۔

اس نے آنکھوں سے تبلیغ ہی یوں کی

میں بنا سوچے سمجھے محبت پہ ایمان لے آیا

کیا عجیب سی کشش تھی اس لڑکی میں وہ لمحوں میں اسکی گرویدہ ہو گیا۔ وہ محبت کے فلسفے سے بلکل بے خبر شخص کیا اسے محبت ہو چکی تھی؟ کسی کو چاہنا بار بار اسکے دیدار کی خواہش اسکی آواز کے سحر میں جکڑنا، خیال یار پہ مسکرانا اگر یہ تو محبت کی نشانیاں تھیں تو کیا وہ اتنی جلدی محبت کر بیٹھا تھا؟ کیسے دل کسی اور کے نام پہ بے ہنگم انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ وہ تو یہ باب اس دن بند کر آیا تھا پر اندر ہی کہیں اسکی یاد کے شعلے بھڑک کے لاوا بند چکے تھے۔

تھوڑی دیر میں عزیز بھی چھت پہ چلا آیا۔وہ اکثر اپنے گھر کی بجائے سرونٹ کواٹر میں ٹھہر جاتا تھا۔اس وقت تو میران کے بلاوے پہ چھت پہ پہنچا تھا۔

میران کے اشارے پہ عزیز نے سامنے والی کرسی پہ جگہ سنبھالی۔

"کوئی ضروری کام ہے جو اس وقت غریب کو یاد کیا؟"عزیز نے فوراً استفسار کیا۔

"ہاں عزیز ایک لڑکی کو اٹھوانا مطلب اغوا کرنا ہے۔"سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے کمال بے نیازی سے کہا۔عزیز نے چونک کے چھوٹے سائیں کو دیکھا۔اسے شاک ہی تو لگا تھا۔

"کیوں؟"اسکی آنکھوں تک میں حیرانی تھی میران سب اچھے سے سمجھ رہا تھا۔

میران نے اسے مکمل بات بتائی اور عزیز مزید حیران ہو گیا۔زولفقار جاہ سے تو وہ یہی امید رکھتا تھا ان کے لیے یہ سب جائز اور عام ہی بات تھی پر میران ایسی بات مان لے گا اسے دھچکا لگا تھا وہ تو عورت ذات کی بے حد عزت کرتا تھا۔

"پر چھوٹے بابا اغوا کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ کہاں کا انصاف؟"

"ضرورت ہے اور جیسا میں کہہ رہا یوں ویسا ہی کرنا۔"

"یہ غلط نہیں؟ لڑکی کا کیا قصور؟"

عزیز سمجھدار تو تھا ہی اور اسکا وفادار بھی وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا میران اپنے باپ کی باتوں میں آکر کچھ غلط کر بیٹھے۔ اسے اندازہ تھا میران جاہ دنیا میں صرف اپنے باپ سے محبت کرتا ہے انکی بات اسکے لیے پتھر پہ لکیر ہو یا کرتی ہے۔

"اس لڑکی کے ساتھ میں کچھ غلط کرنا چاہتا بھی نہیں وہ آرام سے رہے گی۔ اسکے باپ سے پیسے نکلوانے اور دھوکہ بازی پہ سبق سیکھانے کا یہی واحد طریقہ ہے جو اسے اچھے سے جھنجھوڑ ڈالے گا۔" وہ سرد انداز میں بولا۔

"پر سائیں ہم اسکے خلاف کیس بھی کر سکتے ہیں۔"

"تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ اسکو سزا نہیں دلوانی پیسے چاہیے! اور ہمارے اپنے قائدے قانون ہیں۔ جب خود میں اتنی طاقت ہے تو کیوں کسی اور کی مدد لیں۔ آخر اسکو معلوم ہونا چاہیے کس کے پیسے ہڑپنے کی کوشش کی ہے اور میران جاہ اپنی طاقت کے بل پہ پیسے نکلوانا اچھے سے جانتا ہے۔" عزیز پہ آسمان سا ٹوٹ پڑا تھا یہ تو اسکے سائیں کے الفاظ نہیں تھے۔ غرور انا پیسہ سب بڑھ کر کے بول رہا تھا۔ وہ مغرور بے شک تھا پر ایسا سنگدل نہیں تھا۔

"عزیز یہ بات باور کرلو عورت کی عزت سب سے بڑھ کر ہے تم اسے جہاں بھی رکھو سہی سلامت حفاظتی جگہ پہ رکھنا اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے"!

"یہ کام میں نے اپنے ذمے اس لیے بھی لیا ہے کہ میں نہیں چاہتا مردوں کی جنگ میں کوئی عورت پسے۔ بابا سے کسی قسم کے رحم کی توقع نہیں رکھی جاسکتی پتا نہیں لڑکی کو کس حال میں رکھیں اور کیا سلوک کریں کچھ سوچ کر ہی انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے معلوم ہے وہ پیچھے ہٹیں گے نہیں۔" میران نے تلخی اے کہتے سیگریٹ زمین پہ پھینک کے چپل سے مسل دی۔

میران جاہ سب کے لیے ہمدرد!! پر دھوکہ باز اور دشمنوں کے لیے اس سے کسی قسم کے رحم کی امید نہیں لگائی جاسکتی تھی۔

وہ شنواری کی بیٹی کو اپنے باپ کی نظروں سے دور کردینا چاہتا تھا اور یہی شنواری کے لیے تکلیف دہ چیز ثابت ہونی تھی بیٹی کا اغوا ہو جانا۔

عزیز نے اب جا کے گہری سانس لی تھی۔

اسکے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی وہ کیسے سوچ سکتا ہے اسکے سائیں ظالم ہونگے کوئی توجہ ہو گی جب ہی وہ راضی ہوئے۔

ہاں میران یہ بات جان کہ کافی حیران ہوا تھا اسکے باپ کا پیسہ کسی نے ابھی تک چکایا نہیں۔ پر مزید حیرانی اسے تب ہوئی جب انھوں نے لڑکی اغوا کرنے کی بات کہی۔ ان کو سمجھانا طویل بحث تھی ہونا وہی تھا جو وہ سوچ چکے تھے۔

اس نے انکی بات قبول کی اور زولفقار صاحب کو یہ لگا کہ وہ انکے امتحان میں پاس ہو چکا پر اس سب کے پیچھے میران کا مقصد کچھ اور ہی تھی۔

"مجھے پتا تھا آپ کبھی کسی کے ساتھ غلط نہیں کر سکتے۔" عزیز خوشی سے بولا۔

"ہنہہ۔۔ پر اسکے باپ کو سبق ضرور سکھانا چاہتا ہوں۔" عزیز نے سر جھکایا کاش وہ اسے روکنے کی ہمت رکھتا کچھ تو تھا جو غلط تھا۔

اس لڑکی پہ اسے ترس آنے لگا۔

زولفقار جاہ کے تحت نا سہی پر میران کے تحت تو ایک لڑکی اغوا کی جاتی! بس طریقہ زولفقار کا تھا پر مقصد تو دونوں کا ایک ہی تھا۔

میران نے ٹیبل پہ رکھے لفافے کی جانب اشارہ کیا عزیز نے لفافہ اٹھا کے کھولا تو اس میں شنواری کے گھر کا پتا لکھا تھا۔ عزیز نے ایک بار پھر میران پہ امید بھری نگاہ ڈالی شاید وہ انکار کر دے پر نگاہیں خالی ہاتھ لوٹ آئیں۔ چاند کی روشنی میں میران کا چہرہ چمک رہا تھا اور وہ خود کو کسی بھی قسم کی نرمی سے باز رکھے ہوئے تھا۔

میران سینے پہ چادر لپیٹے واک آؤٹ کر گیا عزیز پریشان سا کرسی پہ واپس بیٹھا۔

وہ بس رب سے دعا گو تھا کہ میران کسی مشکل میں نا پھنسے اور بعد ازاں کسی پچھتاوے کا شکار نا ہو۔

ناجانے کیوں عزیز کو بے چینی سی شروع ہو چکی تھی۔ آج اس نے میران میں طاقت کا تکبر ہی پایا تھا۔ میران بے شک اس لڑکی کا برا نہیں چاہتا تھا اور وہ کسی فراڈیا کو سبق سکھانا چاہتا تھا پر طریقہ!!

میران کے آگے بولنے کی اتنی ہمت عزیز میں بھی نہیں تھی وہ خاموش ہی ہو گیا تھا۔

یہ گھر کسی مڈل کلاس طبقے کا معلوم ہوتا تھا۔ گلی کے نکڑ پہ قیام دو منزلہ گھر میں آج خوب تیاریاں چل رہی تھیں۔

"عائشے تیار ہو گئیں کیا؟" اماں جی جب کمرے تک آئیں تو بند دروازہ منہ چڑا رہا تھا انھوں نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا چند منٹ بعد دروازہ اندر کی جانب کھلتا ہوا محسوس ہوا اماں نے نظر دوڑائی تو وہ کالے رنگ کا جوڑا زیب کیے

ہاتھوں میں سلور اور کالی چوڑیاں سجائے بالوں کو کیچر میں مقید اور ہلکے پھلکے میک اپ اور ضرورت سے زیادہ لبوں کو گہری لالی سے سجائے کھڑی ملی۔

"ماشاءاللہ۔ پر یہ اتنی گہری لالی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف رشتہ پکا ہو گا نکاح پڑھا کے رخصتی نہیں کروانی۔۔ چل منہ دھو اپنا۔" اماں اسکو پیچھے کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"منہ کس بات پہ دھوؤں؟ لپسٹک ہلکی کر لیتی ہوں۔ سوچا آج ہی نکاح پڑھ کے رخصتی ہو جائے گی تو آپکے طعنوں سے جان تو چھوٹے گی۔" اس نے انھیں چھیڑتے ہوئے دوپٹے کا کونا لبوں سے رگڑ دیا۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے مہمانوں کے سامنے زبان پہ قابو رکھنا اور ہنستی مسکراتی رہنا۔ اور منہ کھول کے بلکل مت ہنسنا!" انعم صاحبہ نے اسے تائیدی نظروں سے باور کروایا کیونکہ پچھلی بار اس نے جان بوجھ کے یہ حرکت کی تھی۔

"ہاں تو موٹی ناک والے لڑکے سے شادی نہیں کرنی تھی نا!" اس نے فوراً جتایا اماں نے اسے گھورا۔

"اب والے کا بھی بتادو تمھارا کچھ بھروسہ نہیں۔" وہ چادر تہہ کرتی ہوئی بولیں۔

"نہیں نہیں ارغن میں کوئی مسئلہ نہیں بس اسکے نام میں مسئلہ ہے خیر سب کچھ تو نہیں مل جاتا انسان کو.. تھوڑا صبر بھی کرلینا چاہیے تو میں صبر کرلو نگی۔" عائشے بیڈ پہ بیٹھی اور جو انعم صاحبہ نے چادر درست کی تھی اب وہ واپس شکن زدہ کرچکی تھی۔

"کچھ تو انسانوں والی حرکتیں کرلو۔" انھوں نے دانت پیسے عائشے نے مشکوریت بھرے انداز میں سر جھکالیا۔ باہر مہمانوں کی آمد محسوس کرتے ہوئے انعم صاحبہ فوراً کمرے سے باہر نکل گئیں۔

لڑکے والے عائشے کو پسند کر کے جاچکے تھے آج وہ رشتہ پکا کرنے آرہے تھے اور لڑکے کو بھی ساتھ لارہے تھے۔

انعم صاحبہ کچھ دیر میں عائشے کو بھی باہر لے آئیں تھیں پر وہ زیادہ دیر باہر نارہ سکی ارغن کی نظروں سے الجھن کھا کر کمرے میں جاچکی تھی جس پہ انعم نے بڑی سہولت سے بات سنبھالی کہ بچی شرما گئی۔

ارغن کی فیملی منگنی کی بجائے ڈائیریکٹ نکاح کی خواہشمند تھی۔ اور فوراً رخصتی بھی ہو جائے تو اور اچھا ہو گا کیونکہ چندماہ بعد انھیں ملک سے باہر جانا تھا۔

عائشے کے والد معین صاحب نے کچھ وقت لیا تھا اور پھر ان کی بات پہ رضامند ہو گئے۔

تو ایک مہینے کے اندر سادگی سے ہی عائشے کی شادی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

"ہاں ہاں رشتہ پکا ہو گیا ہے۔" اس نے کوئی تیسری بار یہ بات دہرائی تھی وہ دونوں ایک بار پھر چیخیں۔

"بلو چن تم بیاہ دی جاؤ گی ہمارا کیا ہو گا ہم بہت یاد کریں گے اور ہاں جیجا کے گھر والوں کے ساتھ باہر ملک مت جانا"!

"یار ایک کام کرو تم جہیز میں اسکو بھی ساتھ لے جانا۔" رومائزہ کان میں ہینڈ فری ڈالے دوسری طرف پینٹنگ بورڈ پہ جھکی تھی۔

"تم پڑھائی چھوڑنے کا ارادہ تو نہیں رکھتی نا؟" رومائزہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نیور! میری شرط یہی ہے وہ لوگ مجھے پڑھنے دیں گے!" فون اسپیکر پہ پڑا تھا عائشے کانوں میں سے جھمکے اتار رہی تھی۔ انعم بیگم کچن میں مصروف ہو گئی تھیں۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تم نے ارغن بھائی سے بات کی؟" انوش بریانی کا چمچ منہ میں بھر کے بولی۔

"کیوں بات کرے گی یہ۔۔ عائشے جب تک نکاح نہیں ہو تا لفٹ بھی مت کرانا!" رومائزہ کی حکم آمیز آواز پہ عائشے نے سر ہلایا اور انوش نے آنکھوں کے ڈیلے گھمائے۔

"برو تم کیوں کباب میں ہڈی بن رہی ہو؟"

"شٹ اپ تم اپنی بریانی پہ دھیان دو!" رومائزہ نے سختی سے کہا۔

"اب تم میرے کھانے پہ نظر مت لگاؤ۔"

"تم دونوں میری شادی کا زکر آتے ہی اتنی بہکی بہکی باتیں کیوں کرتی ہو؟ کیا دماغ گھاس چرنے چلا جاتا ہے؟" عائشے ان دونوں کی کچ کچ سن کے کوفت سے بولی۔

اور پھر ان لڑکیوں کی صدا نا ختم ہونے والی گفتگو تب تک چلی جب انعم بیگم نے عائشے کو کچن سے آوازیں نا دیں۔

اتوار کا دن تھا شنواری صاحب اپنی لاڈلی بیٹی کی ضد پہ باہر چلنے کے لیے راضی ہوئے تھے۔

اور خاص بات یہ تھی کہ انکی ننھا بیٹی نے آج انھیں اپنی ڈرائیونگ اسکلز دکھائیں تھیں۔

گاڑی ایک سو ساٹھ کی اسپیڈ سے چلتے چلتے اچانک سے اسکے بریک لگانے پہ رکی شنواری صاحب کو جھٹکا لگا جب کہ وہ خود بھی اسٹیرنگ پہ جھک پڑی تھی۔

"ایسے گاڑی چلاؤ گی تو روز ٹریفک حوالدار کی چاندنی ہو گی چلان بھرتی رہنا۔" انھوں نے سڑک کے کنارے قریب حوالدار کو دیکھتے ہوئے کہا جسکے اشارے پہ اس نے بریک مارا تھا۔

اس سڑک پہ گاڑی صرف 120 کی اسپیڈ پہ چلانے کی اجازت تھی اور وہ گاڑی کو 160 کی رفتار پہ اڑا رہی تھی اب لاپرواہی کا نقصان بھی بھرپا کرنا تھا۔

حوالدار کو چلان بھر کے اس نے خفگی سے شنواری صاحب کو دیکھا تھا جو دبے لب مسکراہٹ روکنے کی کوشش کررہے تھے۔ انکے لاکھ کہنے پہ بھی وہ اسپیڈ کم کرنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

ماسک سے جھانکتی آنکھوں سے وہ خفگی کا اظہار کیا۔

"میں اب اس میں پروہوچکی ہوں اب اپنی دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا چاہتی ہوں ڈیڈ۔" اس نے چہرے پہ پھیلے بال پیچھے کیے اور گاڑی واپس گھر کی جانب موڑلی۔ شنواری صاحب نے اسکی بات نا مانتے ہوئے جواب دینے سے گریز کیا تھا۔

"مسٹر آئی ایم ٹاکنگ ٹو یو!" اس نے چٹکی بجائی تھی شنواری صاحب نے اسکا ہاتھ تھاما۔

"میں ابھی آپکو اس قابل نہیں سمجھتا... آئی ایم پراؤڈ آف یو بٹ اس معاملے میں میری نا ہے۔ بغیر ڈرائیور کے کہیں جانے کی آپکو اجازت نہیں۔" انکے صاف انکار پہ وہ منمنائی تھی پھر موضوع تبدیل کرلیا اب گھر کے جاکے ہی انکو راضی کرنے کا وہ ٹھان چکی تھی۔

"ویسے آج کل پولوشن کتنی بڑھ گئی ہے!" اس نے بے جاہ مٹی اور دھوئیں سے عار کھاتے ہوئے کہا۔

عزیز نے اس لڑکی کو اغوا کرنے کا کام اپنے جان پہچان کے گروپ کو سونپا تھا۔اس وقت وہ اس کی گاڑی کو ہی فولو کر رہے تھے۔

اسے ایسا محسوس تو ہوا تھا کہ کوئی مسلسل اس پہ نظر رکھے ہوئے ہے پر خیال کو جھٹک کر ڈرائیونگ پہ اس نے دھیان دیا تھا۔

گاڑی جب عین گھر کے پتے پہ رکی وہ دونوں باپ بیٹی ایک ساتھ گاڑی سے اتر کر اندر جا چکے تھے۔عزیز نے اپنی گاڑی تھوڑے فاصلے پہ روکی تھی انکے جانے کے بعد وہ گاڑی سے باہر نکلا اور دوسرا شخص جو اسکے ساتھ تھا وہ بھی کالی شرٹ پینٹ میں ملبوس باہر نکل آیا۔

"یہی لڑکی ہے ؟" الیاس نامی باؤنسر نے عزیز پہ ترچھی نگاہ ڈالے کہا عزیز نے ایڈریس اور شنواری کی تصویر کو دیکھا اور پھر سر اثبات میں ہلایا۔

کالونی میں بچے کھیل رہے تھے عزیز معمولی انداز میں ان بچوں کے پاس آیا اور ایک چھ سالہ بچے کو مخاطب کیا اب وہ بچہ فٹ بال چھوڑ کے اسکی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

"بیٹا ابھی جو ایک لڑکی آپکو یہ چاکلیٹ دے کر گئی ہے وہ کون تھی ؟" عزیز نے بڑے ہی پیار سے اسے پچکارتے ہوئے پوچھا بچہ ارد گرد دیکھنے لگا۔

"وہ ماسک والی؟" بچے نے آنکھیں بڑی کیے کہا۔

"ہاں وہی!" عزیز کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

"ہاں وہ تو میری آپی ہیں۔" اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اور انکے ساتھ وہ انکل کون تھے؟" عزیز کا تجسس اس بچے کو کہاں سمجھ آنا تھا وہ فٹ بول کے گیم کھیلنے بھاگ گیا۔

"وہ انکے بابا ہیں۔"

"اوہہہ۔" شرٹ جھاڑ کے وہ کھڑا ہوا اور واپس گاڑی کی طرف چلا آیا۔

"یہ پیسے رکھو باقی کام ہو جانے کے بعد دونگا۔

اس تاریخ سے ہی اس پہ نظر رکھنا جیسے ہی موقع ملے کام ہو جانا چاہیے کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرونگا لڑکی کو آرام سے جگہ پہ پہنچا دینا۔" عزیز نے نوٹوں کی موٹی گڈی اسکی طرف بڑھاتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔

"فکر مت کرو تمھارا کام ہو جائے گا۔" وہ اسے مطمئن کرتا ہوا بولا عزیز اسکا جواب سن کر مڑ کر اپنی جگہ پہ آیا اور گاڑی وہاں سے دوڑا دی۔

عزیز شنواری پہ نظر رکھوا رہا تھا اور ایک دو بار ایک لڑکی اسکے آدمیوں کو ساتھ پائی نظر آئی جو اسکی بیٹی کی عمر کی معلوم ہوتی تھی۔ عزیز نے ساری تصدیق کروا کے یہ کام اپنے پہچان کے بندے کو سونپا تھا۔

اسے پورا یقین ہو چلا تھا یہی شنواری کی بیٹی ہے کیونکہ اس نے خود پچھلی بار قریب سے گزرتے ہوئے انکی بات چیت سنی تھی جس میں وہ اسے بابا کہہ کر مخاطب کر رہی تھی اور اب انکا ایک ساتھ گھر جانا اور اس بچے کی گواہی اسے مکمل طور پہ اطمینان دلا چکی تھی۔

وہ اسکا مکمل چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا اسی وجہ سے ہر طرح سے اس نے تصدیق کر لی تھی اور اب اسے مکمل یقین ہو چکا تھا وہ دونوں باپ بیٹی ہی ہیں۔

وہ تینوں اور انعم صاحبہ اسکی شادی کی تیاریوں کے لیے خوب بازاروں کے چکر کاٹ رہے تھے۔

اسکی شادی کی خبر سننے کے بعد رومائزہ اور انوش کی خوشی کا پارا ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

شادی سادگی سے ہو گی فیصلہ دونوں خاندانوں کے درمیان طے پایا تھا۔

آج اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر روما اور انوش بھی انکے ساتھ چل دی تھیں۔

خریداری میں کافی وقت لگ چکا تھا حتی کہ سورج کے ڈھلنے پر چاند اسکی جگہ قابض تھا۔

بازار کی رونقیں اپنے عروج پہ تھیں۔

انعم بیگم کسی دکان پہ شادی کے ملبوسات دیکھنے میں مصروف تھیں اور وہ تینوں باہر لگے چُوڑیوں کے اسٹال پہ جم چکی تھیں۔

اسٹال زردئی رنگ کی بتیوں سے روشن تھا جس سے چُوڑیوں کی خوبصورت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔

"پاگل لڑکی لال رنگ کی چوڑیاں لو اور تھوڑی فینسی لو یہ کیا عام سی پہن لیں۔" رومائزہ نے عائشے کی کلائی سے گولڈن رنگ کی چوڑیاں اتار کر واپس اسٹال پہ رکھ دیں جو اس نے ٹرائل کے لیے پہنی تھیں۔

"یہ لو،، انکل ایک جو بصورت سا شادی کے حساب سے سیٹ بنا دیں جو بہت اوور بھی نا ہو اور نا ہلکا.. "رومائزہ نے دکاندار کو چوڑیاں منتخب کر کے دیں پیچھے سے انعم بیگم آگئیں۔

"بے وقوفوں یہ سیٹ میں اندر پہچان کی دکان سے بنواتی اور یہ سوٹ کی میچنگ کا بنے گا۔" وہ اپنی تیز رفتار میں بولیں دکاندار کے ہاتھ تھم گئے رومائزہ نے دکاندار کی اتری شکل دیکھی اور پھر ان دونوں کی۔

"اچھا آنٹی آپ وہیں سے بنوالیں، مجھے یاد نہیں رہا جوڑے کی میچنگ کی چوڑیاں بنتی ہیں۔" اسکی بات سن کے دکاندار واپس چوڑیاں جگہ پہ رکھنے لگا تھا۔

"ارے آپ یہ بنائیں یہ مجھے چاہیے !" اس نے نرمی اور چمکتی آنکھوں سے کہا دکاندار واپس اپنے کام میں لگ گیا۔

"تم کس خوشی میں لے رہی ہو یہ تمہاری شادی تھوڑی ہے۔" انوش کی بات پہ وہ مسکراہٹ روک نا سکی۔

"ہاں تو میری بیسٹ فرینڈ کی شادی ہے میں تو یہی پہنوں گی بلکہ ایک کام کرو تم بھی ایک ایسا ہی سیٹ بنوالو۔ انکل ایک سیٹ اور بنادیئے گا۔" وہ فوراً بولی انوش اسکی پھرتی کے آگے نانا کرتی رہ گئی پر اس نے اسکی ایک نا سنی الٹا اسکے بازو کو دبوچ کے اسے ہی خاموش کروادیا انعم بیگم اس لڑکی پہ تعجب ہوا تھا۔ جو چیز اسے پسند آتی وہ فوراً خرید لیتی جتنی انکی شاپنگ نہیں ہوئی تھی اس سے زیادہ چیزیں رومائزہ نے خرید لی تھیں۔

"پانی کی طرح پیسہ اڑاتی ہے یہ لڑکی۔" انعم صاحبہ کے منہ سے بے ساختہ چلتے چلتے نکلا عائشے نے آنکھیں دکھا کر انکو گھورا۔

"کیا ہو گیا امی اب ہم بہت سوچ سنبھل کر پیسے نکالتے ہیں اسکا مطلب یہ تھوڑی کہ ہر ایک ایسا ہی کرے سب کا لائف اسٹائل الگ ہوتا ہے مجھے تو حیرانی ہوتی ہے میں اسکی دوست کیسے ہو سکتی ہوں ورنہ میں نے امیر زادیاں بڑی مغرور دیکھی ہیں دوست بھی اپنے لیول کی بناتی ہیں۔ پر روما سب سے مختلف ہے۔" عائشے نے فوراً طرف داری کی تھی۔

اگر روما اپنی بلوچن کی بات سن لیتی تو غش کھا کے مر جاتی اور انوش کو تو گہرا صدمہ لگنا تھا وہ عائشے بلوچ جو کبھی ان دونوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا کرتی تھی پیٹھ پیچھے انکے حق میں لڑنے کو دوڑ پڑتی ہے۔

اچھے دوستوں کی یہی تو نشانی ہوتی ہے وہ صرف زبان سے نہیں اپنے عمل سے اس رشتے کو مزید گہرا کر جاتے ہیں۔

"اچھا چلو اپنا رونا نامہ بند کرو اور یہ شاپر پکڑو۔" انعم بیگم نے زبردستی اسکو شاپر تھما دیا تھا۔

"میں دلہن ہوں میں کیوں پکڑوں؟"

"یہ گھر جا کر میری جوتی اچھے سے بتائے گی۔" وہ اسکے سناتی ہوئی چوڑیوں کی دکان میں داخل ہو گئیں۔

"روما میں تو سوچ رہی ہوں لگے ہاتھ تمھاری شادی کی بھی تیاری کر لیتے ہیں۔" انوش اسٹال پہ چوڑیاں دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایک کام کیوں نہیں کرتے تینوں دوستیں ایک ساتھ ایک ہی دن شادی کر لیں۔ پر خیر میرا تو شادی کا کوئی ارادہ نہیں اور تم سے پتا نہیں کون شادی کرے گا۔"

"کوئی آئے گا فلک جیسا جو روز شادی کے بعد مجھے پھول لا کر دیا کرے گا۔"

"ہاں پھر تم ان پھولوں کا گلدستہ بنا کے بیچ دینا اچھا منافع ہو گا!"

"اب چل اپنے میاں کا تحفہ میں سنبھال کے رکھوں گی۔" انوش نے آنکھیں جھپکائی رومائزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"پہلے میاں تو ڈھونڈ لو... میاں کا تحفہ،، استغفر اللہ!!" انوش کی نقل اتارتے ہوئے اس نے کان چھوئے اور ناک رگڑی تھی اسے ڈسٹ سے الرجی شروع ہو گئی تھی۔

"ڈیڈ مبارک ہو ایم_این_اے صاحب نے ارجنٹ بیس پہ اسکول کی تعمیر مکمل کروالی ہے۔" میران نے انکے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا جسکے حلیے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ابھی فریش ہو کر سیدھا انھی کی طرف آگیا ہے۔

ماتھے پہ گرے بال صاف ستھرے نقوش!

زولفقار صوفے پہ بیٹھے کچھ فائلز چیک کر رہے تھے اسکو پھر نظر اٹھا کر دیکھا جو ٹی پنک شرٹ کے ساتھ سفید ٹراؤزر میں ملبوس جیبوں میں ہاتھ ڈالے اطمینان سے انکے سامنے آن کھڑا تھا۔

"خیر مبارک۔" زلفقار نے تبسم پھیلا کر کہا۔

"میں نے آپکو کہا تھا نا یہ سب حد حرام ہو چکے ہیں۔ دیکھ لیں زرا سی سختی پہ ایک مہینے میں اس نے کام تکمیل کو پہنچایا ورنہ یہی کام عرصے سے لٹکا یا ہوا تھا پیسہ آرہا تھا پر جا کہاں رہا تھا کوئی خبر ہی نہیں تھی۔" دوسرے ہاتھ میں موجود چائے کے مگ کو لبوں سے لگاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا پر انداز بہت کچھ جتانے کے قابل تھا۔

"تو تم مجھے یہ جتانے آئے ہو۔" انھوں نے فائل سائیڈ رکھی اور صوفے سے پشت ٹکا کر بیٹھے۔

"جو آپ سمجھیں،، میں صرف حقیقت بتانے آیا ہوں۔" اب وہ نرم انداز میں شانے اچکاتے ہوئے بولا ذولفقار جاہ نے گہری سانس بھری۔

"چھوٹے جاہ میں نے تمھیں ایک کام بولا تھا اسکا کیا بنا؟" وہ اسے شنواری کا قصہ یاد دلاتے ہوئے بولے اور واپس فائلز میں لگ چکے تھے میران نے چائے کے دو تین گھونٹ بھرے اور جیب سے ہاتھ نکال کر بولا۔

"ایوریتھنگ از ان مائے انڈر!" میران نے بھنویں چڑا کر بتایا۔ پر اسکا دماغ کسی سوچ میں غرق ہوا تھا۔

"شاباش۔" ذولفقار جاہ کے چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"ایک بار سوچ لیں کیا یہی طریقہ فالو کرنا ہے!"

"اسکے پاس کھونے کو کچھ نہیں سوائے بیٹی کے اسی طرح ہمیں پیسے سود سمیت واپس ملیں گے! اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو بتا دو میں خود ہی کوئی انتظام کر لونگا۔" وہ انتہائی سفاکی سے بولتے ہوئے اسکی انا پہ بھی چوٹ کر رہے تھے۔

"نو تھینکس،، میں خود ہی دیکھ لونگا۔" وہ کہہ کر دوسرے صوفے پہ دراز ہو چکا تھا اور پھر دونوں باپ بیٹے کے درمیان سیاسی باتیں چلتی رہیں۔

اس نے ایک کوشش کی تھی زولفقار سے بات کر کے دوسرے طریقے کی پر بے سود! شنواری کی قسمت اچھی تھی جو یہ معاملہ میران جاہ کے ذمے لگ چکا تھا۔ وہ اسکی بیٹی کو ہرگز نقصان نہیں پہچانا چاہتا تھا پر اسکی دھوکہ بازی پہ اپنا حساب پورا کرنے لے لیے وہ سب کچھ کرنے کے لیے راضی تھا مجبوراً ہی سہی!

رومائزہ رات نو بجے گھر پہنچی تھی اس نے احتشام صاحب کے لیے ایک گرم شال اپنی پسند کی خریدی تھی جو احتشام کو بھی پسند آئی تھی پھر وہ باقی کی شاپنگ بھی دکھانے بیٹھ گئی باپ بیٹی میں ہلکا پھلکا مذاق جاری تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں اب آپکے لیے بھی کسی اچھے سے لڑکے کو ڈھونڈوں اور پھر رخصت کرا دوں۔" احتشام صاحب نے نچلا لب دبائے مصروف انداز میں کہا رومائزہ نے تلملا کے سر اٹھایا۔

"ہاں ہاں کر دیں آپ سے اب میں برداشت نہیں ہو رہی نا۔ کہیں بوجھ تو نہیں سمجھنے لگے مجھے؟" وہ غصہ پیتی ہوئی مشکوک نظروں سے انھیں دیکھتے ہوئے بولی تو احتشام ہنس دیے۔

"میں چاہتا ہوں اپنی زندگی میں ہی تمھارا فرض پورا کر دوں زندگی کا کیا بھروسہ آج اوپر ہیں کل اس زمین کے نیچے۔" انکا انداز اب انتہا کا سنجیدہ ہو چکا تھا مسکراہٹ کہیں غائب ہو چکی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ،، بس مجھے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ میں بتا رہی ہوں آپکو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤنگی۔" وہ تڑپ کے انکے کندھے سے لگی تھی احتشام صاحب نے اسکے گرد حصار باندھا۔

"تو پھر مجھے کوئی گھر داماد ڈھونڈنا پڑے گا۔" انھوں نے پرسوچ انداز میں شرارت سے کہا۔

"بابا...." رومائزہ چڑ کر انکو بازو ہٹاتی دور ہوئی۔

"اچھا کچھ نہیں کہتا بس اپنا خیال رکھنا۔۔ اور اب جا کے سو جاؤ۔" اسکا سر تھپتھپاتے واش روم میں بند ہو چکے تھے رومائزہ کا دل کہیں مٹھی میں قید ہوا۔

ایک باپ کا سایہ ہی تو اسکے سر پہ تھا ورنہ اسکے علاوہ دو دوستوں کے اور تھا کون اس دنیا میں! جو رشتے دار تھے وہ بھی ملک سے باہر تھے۔ احتشام صاحب کی باتوں اسکا دل سہم گیا تھا۔

پھر خود کو کمپوز کر کے اپنا سامان اٹھا کر کمرے میں چل دی تھی پر دل اب بھی کسی انجانے خوف کی خاطر بے چین راہ پہ گامزن ہو چکا تھا۔

یہ بدھ کا دن تھا معمول کے مطابق آج موسم میں تپش تھی۔ اجلاس کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ میڈیا کے نمائندے طے شدہ جگہ پر پہنچ چکے تھے۔

اے_پی جماعت کے تمام اراکین اجلاس میں موجود تھے۔ عوام ایک جم غفیر کی تعداد میں موجود تھی۔ میڈیا کے اہلکار تمام فوٹیج براہِ راست نشر کرتے نظر آرہے تھے۔ عوام کی تعداد دیکھ کر اس بات کا اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا تھا کہ اے_پی جماعت اب بھی اپنے فل پاور میں ہے ایک دو کیس کھل جانے سے انکے لوگوں میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ تعداد میں مزید اضافہ ہوا تھا اور اس سب کا سبب واحد میران جاہ تھا۔

لوگ گھروں میں ٹی وی کھولے بیٹھے سب براہِ راست دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر میں ذولفقار جاہ اور میران کی آمد ہو چکی تھی اور یہ منظر اپوزیشن کو خاصا ہضم نہیں ہوا تھا۔

جماعت کے اراکین نعرہ بازی کرتے تھک نہیں رہے تھے۔ کچھ دیر میں ذولفقار جاہ نے مائیک سنبھال کر بولنا شروع کیا۔

وہ اب بھی اپنی شاندار اور روعبدار شخصیت سے مقابل کو چاروں شانے چت کرنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ گرے سوٹ بوٹ میں کافی خوبرو معلوم ہو رہے تھے۔

"اسلام و علیکم۔ امید کرتا ہوں سب خوش باش ہونگے... آج آپ سب کو کسی خاص وجہ سے بلایا گیا ہے۔" انھوں نے مائیک لبوں کے مزید قریب تر کیا۔

"میں نے جب اس جماعت کی بنیاد ڈالی تھی تو یہی مقصد تھا کہ آپ لوگوں کی خدمت کر سکوں اور ہم نے یہ کیا ہم پہلے ایک چھوٹی سی تعداد میں تھے رفتہ رفتہ ہماری جماعت اراکین سے بھرتی گئی اور مضبوط ہوگئی۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی کہ آپ سب کو سہولیات فراہم کریں... تیس سالہ عرصے میں بے غرض ہو کر ہم نے خود کو ملک کے وقف کر دیا!" لوگوں کو اپنی باتوں سے متاثر کرنے کے تو وہ کلاکار تھے پورے ہال میں ایک پھر شور میں تیزی آئی وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

"اور اب آپکو یہ خاص خبر بھی بتادوں۔ میں جانتا ہوں آپ سب میران جاہ سے کافی محبت کرتے ہیں اور محبت کرنے کی اہم وجہ یہی ہے کہ یہ ایک ذمہ دار انسان ہے اس نے جو ذمہ داری اٹھائی اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ میں سمجھتا ہوں اب میرا بیٹا اس قابل ہے کہ اقتدار سنبھال سکے.. تو میں اس اہم مقصد کی ذمہ داری میں اپنے بیٹے کو سونپتا ہوں اے_پی جماعت اور ملک کا روشن مستقبل میران جاہ ہوگا۔" انکے جوشیلے انداز پہ عوام میں شور کا تہلکا مچ گیا۔ تمام کیمروں نے میران پہ فوکس کیا تھا جو ذولفقار جاہ کے شانہ بشانہ کھڑا تھا۔ سفید کرتا

شلوار پہ گرے واسکٹ زیب کیے بالوں کو جیل سے سیٹ کیے پشاوری چپل میں پیر قید کیے ہوئے کسی ریاست کا مغرور شہزادہ ہی لگ رہا تھا۔

"تو وزیر اعلی صاحب آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اگلا الیکشن آپ کی بجائے میران جاہ لڑیں گے؟" اینکر پرسن نے شور کا زور ٹوٹنے کے بعد بلند آواز میں تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

"ہاں بلکل۔" وہ دو لفظ بولے اینکر نے پھر میران سے سوال کیا تھا جو شانے چوڑے کیے ہاتھ پیچھے کو باندھے قابل دید مطمئن انداز میں کھڑا تھا۔

"مبارک ہو میران صاحب۔ کیا آپ اس ذمہ داری کے لیے تیار ہیں؟" اینکر اپنے پروفیشنل انداز میں ہی بولا میران کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ گھل گئی۔

"ہاں بلکل تین چار سال اسی کی تیاری تو کی ہے۔ اقتدار بے شک کسی کے بھی ہاتھ میں ہو میں اپنے فرائض سے کبھی انکاری نہیں ہونگا۔ میرے لیے عوام اور اسکی خدمت سب کچھ ہے۔ اللہ نے مجھے اس کام کے لیے چنا ہے میں کبھی اس سے رخ نہیں موڑ سکتا یہ اللہ کا کرم سمجھتا ہوں جس نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں اپنے ملک کا نمائندہ بنوں اور اپنی عوام کی خدمت کرسکوں۔"

وہ صاف انداز میں گویا ہوا اینکر پرسن مسکراہٹ روک نا سکا۔ میران نے پہلے ہی اپنی ایمانداری سے لوگوں کے دل فتح کر لیے تھے۔ لوگ اس فیصلے سے بے حد خوش تھے زولفقار جاہ کی جگہ کوئی اور ایماندار شخص ملک کی زمہ داری اٹھانے کا دعویدار ہے۔

"بیسٹ آف لک سر۔" اینکر تھمز اپ کا نشان دکھاتے ہوئے پیچھے ہو گیا تو باقی اینکرز نے سوال جوابوں کی برسات کر دی تھی۔ میران ایک بعد ایک سوال کا پر سکون انداز میں جواب دیتا رہا۔

وہ ہر ایک کو اپنا جواب دے کر متاثر کر رہا تھا اسکا انداز آنکھیں سب اسکے لفظوں کی سچائی کا ثبوت دیتی تھیں مقابل بات قبول کرنے سے انکار کر ہی نہیں پاتا تھا۔

سورج ڈھلنے کا وقت تھا جب شنواری صاحب کو انکی بیٹی نے کال ملا کر بتایا تھا کہ وہ ڈرائیور کے ساتھ قریبی پارک تک جا رہی ہے اور جلد ہی آجائیگی۔

اجلاس کے ختم ہوتے ہی عزیز نے اپنے لوگوں کو کام پہ لگا دیا تھا۔ وہ لوگ عصر کے بعد سے ہی الرٹ ہو چکے تھے اور شنواری کے گھر پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔

اسکی بیٹی اکثر شام میں گھر سے باہر نکلتی تھی اس بات کی انھیں خبر تھی۔

آج بھی وہ بلو جینس پہ گھٹنوں سے تھوڑی اونچی بلیک شرٹ میں ملبوس چہرہ ماسک سے چھپائے گھر سے باہر نکلی تھی۔

"لڑکی کتنا بھی خود کو چھپالو ہماری نظروں سے اوجھل تم نہیں ہوسکتیں۔" الیاس نامی شخص نے کہا جو اپنے گروپ کا سربراہ تھا اسکی نظریں اس لڑکی کے تعقب میں تھیں۔

الیاس نے اسکی گاڑی کو کالونی سے نکلتے دیکھا اور اسکے تعقب میں اپنی گاڑی لگا دی۔

پارک کا راستہ تھوڑا ویران جگہ سے ہو کے گزرتا تھا۔

ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا جب کہ وہ موبائل میں مصروف میسجز کے ریپلائے دے رہی تھی تب ہی ڈرائیور نے اچانک گاڑی کو بریک لگایا تھا۔

لڑکی نے چونک کے سر اٹھایا تو سامنے کالے رنگ کی گاڑی نے انکا راستہ روکا تھا۔

"میم آپ نیچے بیٹھ جائیں گاڑی سے باہر مت نکلیے گا۔" ڈرائیور نے مقابل گاڑی میں سے چند باؤنسرز کو اترتا دیکھ فوراً کہا۔ ان غنڈوں نے آگے پیچھے سے گاڑیاں لگا دی تھیں فرار کے راستے سب بند ہو چکے تھے۔ وہ اس سے پہلے چھپتی الیاس نے قریب پہنچ کر ڈرائیور کو باہر نکلنے کا کہا۔ ڈرائیور کی سانس بھی حلق میں لٹکی تھی وہ پھر بھی بہادری سے باہر نکلا۔

"کیا مسئلہ ہے کیوں راستہ روکا ہے ہمارا؟" ڈرائیور کے کہنے کی دیر تھی الیاس نے ایک تختہ اسکے سر پہ مارا وہ دور جا کے گرا اور وہیں اسکا بے ہوش وجود ڈھ گیا اندر بیٹھی لڑکی اندر تک کانپ گئی تھی اور دروازے کا لاک گھماتی بنا سوچے سمجھے ڈرائیور کی خاطر باہر نکل آئی۔

"یہ کیا کر دیا تم لوگوں نے۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے لرزتی ٹانگوں کے ساتھ ڈرائیور کی جانب بڑھنے لگے تھی کہ الیاس لپے اسکا بازو دبوچا۔

"اچھا ہوا چڑیا خود ہی باہر آگئی.. اے لڑکی چپ چاپ ہمارے ساتھ چلو ورنہ۔" الیاس اسے گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھا اس نے پوری قوت لگا کہ خود کو چھڑایا اور بھاگنے کے پر تولے پر وہ دوسرے غنڈوں کے چنگل میں پھنس چکی تھی۔

"چھوڑو مجھے.." وہ خود کو چھڑانے لگی۔

"مسئلہ کیا کیوں لے کر جا رہے ہو میں نے کیا بگاڑا ہے تمھارا؟" وہ خود کو چھڑانے کی سعی کرتی پھپھڑاتے لبوں سے اپنی بات کہہ رہی تھی ان میں سے چند لڑکے ہنسے۔

"تم آرام سے ہمارے ساتھ چل لو گی تو فائدہ تمھارا ہے ورنہ ہمیں زبردستی کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اے لڑکے اسے فوراً گاڑی میں ڈال۔" الیاس اپنی بندوق سے اشارہ کرتے ہوئے بولا اسکی آنکھوں میں

خوف و حراس اتر آیا اور پھر غصے کے بل چلائی تھی اور برابر والے لڑکے کے منہ پہ مکہ رسید دیا تھا۔ یکدم تو وہ بھی اسکی فنکاری پہ حیران ہوا تھا کس طرح اس نے خود کو چھڑایا تھا۔

"میں نے کہیں نہیں جانا چھوڑ دو مجھے ورنہ.."خود کو چھڑا کر اس نے اپنے مارشل آرٹس کے داؤ پیچ مارے تھے۔ وہ اپنا دفاع خود کر سکتی تھی پر وہ غنڈے بھی کوئی کچے کھلاڑی نا تھے اس کم عمر لڑکی کو انھوں نے فوراً قابو کر لیا تھا۔

اسکے منہ پہ کالا کپڑا ڈال کے ہاتھ پیر باندھ کے گاڑی میں بیٹھا چکے تھے وہ مسلسل مچل رہی تھی پر پرواہ کسے ہونی تھی۔ الیاس کے حکم پہ وہ سب وہاں سے نکل کر عزیز کے بتائے ایڈریس پر پہنچنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

سڑک خالی ہو چکی تھی بس ڈرائیور کا بے ہوش وجود وہاں لاورثوں کی طرح پڑا رہ گیا تھا۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا ذولفقار جاہ اپنے بیٹے کو مہرے کی طرح استعمال کرے گا۔ دیکھو جماعت کی بقاء کے لیے اب اسکو سربراہ بنا رہا ہے۔"

"یہ بات تو پہلے دن سے ہی طے تھی پر زولفقار نے بڑی چالاکی سے کام لیا ہے۔اب تم اپنے بارے میں سوچوں اب تو خطرے کی گھنٹی صاف بجتی نظر آرہی ہے ایک کڑی اپوزیشن کا تمھیں سامنا کرنا پڑے گا۔"یہ کسی اپوزیشن لیڈر کے بنگلے کا ہال تھا جہاں دو نفوس بیٹھے ٹی وی پہ نشر ہوتے اجلاس کو دیکھ کر گفتگو کر رہے تھے۔

"ان باپ بیٹے کا رشتہ بہت مضبوط ہے۔جب تک انکے درمیان دراڑ نہیں آئیگی یہ کمزور نہیں پڑیں گے۔"اجمل خان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اور یہ کام اتنا آسان نہیں۔"

انوار سیٹھ نے پتے کی بات کہی اجمل خان بے ساختہ ہنسا۔

"ایسا ہوگا جب زولفقار اپنے بیٹے کو مروانے کی کوشش کرے گا زولفقار کو اچھے سے جانتا ہوں میں کب کیا سوچتا ہے کس طرح بازی پلٹتا ہے۔میران اپنے باپ کے کہے پر چلتا ہے پر ایسا زیادہ عرصہ چلے گا نہیں اس نے ابھی سے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیے اور زولفقار کو جب اس بات کا اندازہ ہوگا وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔"

اجمل خان نے ہاتھ پشت سے ٹی وی بند کر دیا اور انوار کو دیکھا جو اجمل خان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔نا جانے اس خان کے دماغ میں کیا چل رہا تھا یہ تو وقت ہی سہی طرح بتائے گا۔

اجلاس کے بعد زولفقار کے کسی قریبی نے دعوت کا احتمام کیا تھا اور دعوت کا مہمان خصوصی میران تھا ہر ایک کی نظریں اس مغرور شہزادے پہ ٹکی تھیں جو ضرورت سے زیادہ بولنا گناہ سمجھتا تھا۔

اس تقریب میں دوست احباب اور بزنس سے تعلق رکھنے والے سب ہی لوگ مدعو تھے۔

یہ دن میران کے لیے خوشی کا باعث بنا تھا۔

شروع سے ہی اسکی چاہ تھی اپنے ملک کے لیے وہ سب کرے جس کی بنا پہ ہمارے آباؤاجداد نے قربانیاں دے کر اسے حاصل کیا تھا۔

اقتدار میں آ کے وہ سب کچھ بھی کر سکتا تھا جسکا ابھی اسے اختیار نہیں تھا۔ اور ملک کو خود پریزنٹ کرے گا اس سے بڑی بات اور کیا ہونی تھی۔ وہ مقابل کی بات کا جواب دے کر خاموش ہو جاتا پر دھیمی مسکراہٹ گویا اسکے لبوں پہ قائم رہی تھی۔

عزیز کی بات سننے کے لیے وہ معذرت کرتا ہوا زولفقار اور انکے دوستوں کے درمیان سے اٹھا تھا۔ اور وہ دونوں تھوڑی خاموشی والی جگہ پہ آ گئے۔

"سائیں اس لڑکی کو اٹھوالیا ہے۔"عزیز نے جیسے نظریں چرائیں تھیں میران نے گہری سانس بھری لبوں پہ مزید تبسم کے گہرے رنگ پھیل گئے۔

"بہت خوب۔"اسکا لہجہ ایسا تھا جیسے کچھ فتح کرلیا ہو۔

"سب خیریت ہے؟"ان دونوں کو منظر سے غائب دیکھ کر وہ ڈھونڈتے ہوئے انکے پیچھے آئے تھے میران نے انکی جانب رخ موڑا۔

"سب ٹھیک ہے۔آپکا کام ہو گیا شنواری کی بیٹی اب ہمارے قبضے میں ہے۔"وہ تمسخر سے کہتا موبائل میں لگ چکا تھا۔

"بہت خوب۔عزیز شمس کو بلاؤ اب زرا شنواری صاحب کو خبر دے دی جائے۔"انکا مکرو قہقہہ جملے کا حصہ بنا تھا۔

"مجھے الیاس نے بلایا ہے مجھے وہاں جانا ہو گا۔"عزیز نے میران کو آگاہ کیا میران نے تاسف سے سر ہلایا۔

"میں ساتھ چلونگا۔"

"تمھیں جانے کی کیا ضرورت ہے یہ سارا اہتمام تمھارے لیے ہے تم کہیں نہیں جارہے۔"زولفقار نے اسے روکنے کی کوشش کی پر ناکام ہوئے تھے۔

"آپ معذرت کر لیے گا کہہ دیجیے گا ضروری کام تھا جانا پڑا۔" وہ مزید رکنا نہیں چاہتا تھا لمبے ڈگ بھرتا اپنا واسکٹ کندھے پہ ڈالے پارکنگ میں آ گیا تھا عزیز بھی اسکے پیچھے فوراً لپکا۔

میران کے بیٹھتے ہی عزیز نے گاڑی سڑک پہ دوڑا دی تھی اور چند لمحوں میں سیاہ رنگ کی گاڑی ہوا میں دھواں تحلیل کرتی منظر سے روپوش ہو گئی۔

یہ نئے باب کا آغاز شروع ہونے جا رہا تھا،، میران جاہ کی تقدیر بھی اس وقت تمسخر سے ہنسے لگی تھی۔

شمس نے زولفقار کو کال ملا کر دی تھی۔

شنواری جو فیکٹری میں موجود تھا پہلے تو سوچتا رہا کال ریسیو کرنے کے بارے میں کئی دنوں سے اسے کوئی کال یا دھمکی موصول نہیں تھی پر آج پھر سے شمس کا کال کرنا انکو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔

زولفقار صاحب گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھے کال ریسیو ہونے کا انتظار کر رہے تھے بیل مسلسل بج رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا آئندہ کال مت کرنا۔" کال ریسیو ہوتے ہی زولفقار جاہ کے کانوں میں شنواری کا جملہ پڑا وہ دل کھول کر ہنس دیے۔

"ہاں بلکل شنواری آج کے بعد اب ہم تمھیں کال نہیں کرینگے،، پر تمھیں شاید اسکی ضرورت پڑ جائے۔ تم نے پیسے لے کر وعدہ کیا تھا سات سال میں لوٹا دو گے پر تم تو نے سب کھا پی کر ایک کر دیا۔ تمھیں کیا لگا ہم اتنی آسانی سے تمھیں بخش دینگے۔ ہم سے الجھنے کا انجام شاید تم جانتے نہیں ہو۔ زرا گھر جا کے دیکھ لینا تمھاری بیٹی موجود ہے کہ نہیں ویسے نام کیا ہے اس پری کا۔"

وہ سید ھامدعے کی بات مکمل کی شنواری صاحب اسکی بات پہ دنگ رہ گئے۔

"خبر دار مزید کچھ کہا!! مطلب کیا ہے اس بات کا؟ کیا کیا ہے میری بیٹی کے ساتھ؟" وہ اشتعال سے چیخے اور والٹ اور کیز اٹھا کر باہر گاڑی کی طرف لپکے۔

"پیسے دے دو اور بیٹی لے جاؤ۔ ہمیں تمھاری بیٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے ہمیں صرف اپنی رقم چاہیے۔ یاد رکھنا زولفقار جاہ دھوکہ دینے والوں کے لیے عذاب ثابت ہوتا ہے اور تم میرے ساتھ پیسوں کا جھول کرنے لگے تھے۔" تنفر سے کہہ کر زولفقار نے کال کاٹ دی تھی اور پشت پیچھے ٹکا کر بیٹھ گئے انداز میں غرور صاف جھلک رہا تھا شنواری انکے سامنے چیونٹی کی مانند تھا جسے وہ مسل چکے تھے۔

شنواری صاحب رش ڈرائیونگ کرتے ہوئے گھر پہنچے تھے تمام راستے وہ دعا کرتے آئے تھے انکی بیٹی گھر میں سہی سلامت موجود ہو انھیں زولفقار جاہ کے لفظوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کا دور ہوتا سوچنا ہی انکی سانس اٹک گئی تھی۔

منزل پہ پہنچتے ہی انھیں نے گاڑی ایک طرف لگائی اور کالونی کا دروازہ تیزی میں کھول کر اپارٹمنٹ کی جانب بڑھے۔

لاک میں چابی گھمائی دروازہ ہلکا سا دھکیلا جو کھلتا چلا گیا۔ ماحول کی خاموشی انھیں بہت کچھ باور کرا رہی تھی۔ وہ قدم گھسیٹتے ہوئے لاؤنج تک پہنچے وہاں یک دم سناٹا تھا جب کہ اس وقت وہ یہاں بیٹھی مووی یا ڈرامہ لگائے بیٹھی ہوتی تھی۔ وہ الٹے قدموں اسکے کمرے میں پہنچے جہاں خاموشی کا راج تھا۔

اسے وہاں نا پا کر نعمت بی کو آوازیں دیں جو اپنے گھر کو جانے لگی تھیں۔

"نعمت بی روما کہاں ہے؟"

"صاحب وہ تو ابھی نہیں آئیں شام کو گھر سے نکلی تھیں ڈرائیور کے ساتھ مجھے لگا آپکو معلوم ہو گا۔ میں تو بس اب جانے لگی تھی۔" وہ وضاحت دیتے ہوئے بولیں شنواری صاحب کمرے میں ٹہلتے ہوئے کنپٹی سہلا رہے تھے پھر اسکے کمرے سے باہر نکلے اور نیچے لاؤنج میں ہی آئے تھے کہ ڈرائیور اپنے ٹوٹے پھوٹے وجود کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"احسن میری بیٹی کہاں ہے ؟" وہ اسکا گریبان پکڑ کے دھاڑے اس بات کی پرواہ کیے بنا کے اسکے داہنے ہاتھ میں پلاستر بندھا ہے اور سر بھی پٹیوں میں جکڑا تھا۔

"سر کچھ غنڈوں نے راستہ روکا تھا اور وہ انکو اغوا کر کے لے گئے۔ میں نے میڈم کو منع کیا تھا باہر نہیں نکلیے گا پر میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا اسکا مجھے علم نہیں۔" ڈرائیور ساری بات دہراتا ہوا سر جھکائے کھڑا رہا شنواری صاحب اسکا گریبان چھوڑ چکے تھے۔

"صاحب پولیس کمپلین کریں پولیس ہی بی بی جی کو ڈھونڈنے میں مدد کرے گی نا جانے کس حال میں ہونگی وہ۔۔" نعمت بی کا مشورہ سن کے انھوں نے فوراً کمیشنر صاحب کو کال لگائی تھی پر سب بے کار تھا سب زولفقار صاحب کے پیسوں میں بک چکے تھے۔

اب سوائے زولفقار صاحب کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ پر پیسوں کا انتظام بے حد مشکل تھا چھوٹی رقم ہوتی تو وہ ادا فوراً کر دیتے شنواری صاحب سر پکڑے صوفے پہ ڈھے گئے۔

"آپ پریشان نا ہوں اللہ سب بہتر کرے گا بی بی صاحب ٹھیک ہونگی وہ کسی کا برا نہیں کرتی کوئی انکے ساتھ بھی برا نہیں کر سکتا اور وہ بہت بہادر بھی ہیں۔" نعمت بی تسلی آمیز لہجے میں کہتی ڈرائیور کے ساتھ باہر آ گئیں۔ پیچھے پورا گھر سناٹے میں ڈوب چکا تھا۔

حال!!

یہ کوئی چھوٹی سی بستی معلوم ہو رہی تھی،،

عزیز نے گاڑی میدان میں روکی اور میران کے ہم قدم اسے راستہ بتاتے ہوئے تنگ گلیوں سے لے کر کسی پرانی کوٹھی میں لے آیا تھا۔

میران اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ مغرور چال چلتے ہوئے عزیز کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہوا۔ایک لڑکی نے عزیز کو کمرے کی جانب اشارہ کیا۔

"سائیں میں سوچ رہا ہوں آپ اندر نا جائیں آپ کو وہ دیکھ لے گی تو آپ سے بلاوجہ نفرت کرے گی۔"عزیز نے دروازے کے قریب پہنچ کر کہا۔

"مجھے اسکی نفرت کی پرواہ نہیں اسکو میرا شکر گزار ہونا چاہیے زولفقار صاحب کے ہاتھ لگتی تو چلتی سانسیں گنتی بس۔۔"وہ کہہ رہا تھا جبھی اندر سے دوسری لڑکی نے دروازہ کھولا تھا شاید وہ انکی آہٹ محسوس کر چکی تھی۔

میران کی نظریں جیسے ہی کمرے کے درمیان کرسی پہ بیٹھی اس لڑکی پہ پڑیں جو مسلسل ہاتھ پیر چلانے کی کوشش کر رہی تھی آنکھوں کے پپوٹے سوج کے لال ہو چکے تھے غلافی گال بڑی آنکھیں بکھرا ہوا وجود،، لمحے کے ہزارویں حصے میں اسکا دماغ چونک اٹھا۔

آنکھیں دھوکہ نہیں دے رہی تھیں کمرے کا منظر حقیقت تھا وہ پہچاننے میں کیسے غلطی کر سکتا تھا اس چہرے کو تو وہ لاکھوں کروڑوں میں بھی جان لیتا۔

وہ خود حیرت کے مارے خود پہ ضبط کیے پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اسکی بات سن چکی تھی یکدم دل میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

میران خود ہکا بکا اس منظر کو قبول کرنے کی سعی کر رہا تھا گویا زمین تنگ ہوئی تھی یا آسمان ہاں وہ آسمان سر پہ گرنے اور زمین کے تنگ ہونے کی مثال بن چکا تھا۔

اس نے پلٹ کر عزیز کا گریبان جکڑا تھا اور گرج دار آواز میں دھاڑا۔

"عزیز یہ کس کو اٹھا لے آئے ہو؟" اسکی آنکھیں یکدم سرخ ہو چکی تھیں ماتھے پہ ننھے آبی قطرے نمودار تھے دماغ سائیں سائیں سنسناہٹ کا شکار ہوا ماحول گویا گرمی سی پیدا ہو گئی۔

عزیز کرسی پہ موجود لڑکی کو کافی دیر میں پہچانا تھا۔دوسرے کمرے میں موجود الیاس بھی فوراً باہر نکل کر کمرے کے دروازے کے پاس پہنچا میران جاہ کو یہاں پا کر اچھنبا ضرور ہوا تھا۔

"الیاس یہ وہی لڑکی ہے؟"

عزیز نے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش نہیں تھی الیاس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور سر ہلایا۔

"ہاں وہی ہے جسکا تم نے کہا تھا خود اس کے گھر تک لے گئے تھے۔" الیاس نے جیسے بات واضح کر کے کہی میران نے جھٹکے سے عزیز کا گریبان چھوڑا اور مٹھیاں ضبط سے بھینچ کر دروازے کے گرد چکر کاٹے اور پھر ٹھہرا۔

"یہ شنواری کی بیٹی کیسے ہو سکتی ہے اسکے باپ کا نام احتشام ہے میں نے خود سنا تھا۔ رومائزہ احتشام۔" اس نے بول کر جبڑے بھینچ لیے عزیز نے جملہ مکمل کیا۔

"احتشام شنواری.. بزنس کی دنیا میں شنواری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میں نے اس لڑکی کا پورا چہرہ نہیں دیکھا تھا یہ ہمیشہ ماسک لگائے رکھتی ہے اور آنکھوں سے میں پہچان نہیں سکا۔ میں نے ویسے بھی اتنی اس فنکشن والے دن توجہ نہیں دی تھی۔ اگر ہم چہرہ دیکھ لیتے تب بھی یہی کرتے۔" وہ جیسے بہت کچھ ڈھکے چھپے لفظوں میں میران کو بتا رہا تھا کیونکہ میران اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھا عزیز کی آخری بات پہ ضبط کر تا رہ گیا۔ عزیز کو اسکے جذبات کا علم تھوڑی تھا پر اب معاملہ کی سنگینی کا احساس کر چکا تھا۔ جامعہ میں جو کچھ ہوا وہ سب عزیز بھول چکا تھا اور میران نے اسکے بعد محبت کے جذبات ظاہر کیے بھی نہیں تھے۔

تبھی اندر کمرے میں موجود لڑکی نے عزیز کو کچھ چیزیں پیش کیں جن میں ایک موبائل فون، ایک ہینڈ کلچ اور کالا ماسک تھا۔ میران نے اس سامان پہ نظر ڈالی تھی۔

"سر یہ اس لڑکی کا سامان الیاس نے دیا تھا۔" وہ لڑکی بول کر اندر رومائزہ کے سامنے کھڑی ہو گئی جو اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا اتنی خود دار لڑکی کیسے ایک گرے ہوئے شخص کی بیٹی ہو سکتی۔" میران تن فن کمرے میں داخل ہوا رومائزہ سامنے ہی رسیوں میں جکڑی بڑی بے بس سی محسوس ہوئی۔ میران کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچا اس نے اسے ہمیشہ اپنے خوابوں میں تتلی کی مانند اڑتا ہوا مسکراتا ہوا پایا تھا۔

قسمت ایسے سامنا کروایے گی ایسا میران جاہ نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"تم !! مجھے یقین نہیں آرہا میران جاہ یہ تم ہو! مجھے کیوں اغوا کیا ہے بتاؤ مجھے میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟" اس لڑکی نے جیسے ہی میران کے اشارے پہ اسکے لبوں سے ٹیپ ہٹایا وہ حلق کے بل چلاتی ہوئی بولی کہ ایک پل کو بے ساختہ میران کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی جس پہ اگلے ہی لمحے اس نے سنجیدگی کے تاثر سے چھپا لیا تھا۔

"چپ کر جاؤ بلکل.. بس جو پوچھوں اسکا جواب دینا۔" وہ سرخ آنکھیں اسکی آنکھوں میں ڈالے بولا رومائزہ نے گردن تان کے اسے دیکھا۔

"تمھارا پورا نام کیا ہے؟" میران کو جیسے اب بھی کسی معجزے کی امید تھی شاید یہ وہ نا ہو۔ پر نا بھی ہوتی تو کیا ہونا تھا۔ آج اسکی محبت اسکے ہاتھوں ہی اس حالت میں یہاں قید تھی انجانے میں سہی!

"اگر یہی جاننے کے لیے اتنا اہتمام کیا تھا تو سنو میرا نام رومائزہ احتشام شنواری ہے اور مجھے جانے دو ورنہ..."

"ورنہ کیا؟" وہ بے اختیاری میں بھنویں اچکاتا ہوا اسکے قریب ہوا غصے تکلیف کے مارے رومائزہ کی ناک کے نتھنے بھی پھول گئے۔

"آئی سو وئیر آئی ول کل یو،، مجھے کمزور مت سمجھنا۔ کیوں لائے ہیں یہ لوگ مجھے یہاں؟ ہاں بتاؤ مجھے! کہیں تم مجھے پسند تو نہیں کرتے نا؟ ہاں میں نے سنا ہے تمھارے جیسے ہی ٹکے کے لوگ لڑکی کو پسند کرلیتے ہیں پھر اسے طاقت کے بل پہ اغوا کر کے نکاح کرلیتے ہیں۔ بتاؤ ایسا تو نہیں ہے نا اگر ایسا ہوا تو..." وہ پھر کوئی دھمکی شامل کرتی میران نے اسکی بات درمیان میں ہی اچک لی۔ پہلے تو وہ اسی سوچ کے شکار میں تھی کس نے اسے اغواء کروایا اور اب یہاں میران کو پانے کے بعد مزید کشمکش کا شکار ہو چکی تھی کہ اس نے اسے کیوں اغوا کروایا!

"تم سوچتی بہت ہو، آرام سے یہاں بیٹھو چیخنا چلانا مت در و دیوار پہ رحم کرنا انکے بھی کان ہوتے ہیں۔"

میران لہجہ نرم ہی رکھ کر اسے پچکارتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور الٹے قدم لیتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور پیچھے اس بندی کو نئی سوچوں میں غرق کر کے جا چکا تھا۔

وہ ہاتھوں پیروں کی آزادی کے لیے مسلسل مچل رہی تھی اور دوسری لڑکی کو بار بار کہہ رہی تھی اسے کھول دے پر شاید وہ لڑکی بہری تھی یا اس نے عزیز کے حکم کے آگے خود کو بہرہ بننا ہی پسند کیا تھا۔

"میم پلیز چلائیں مت۔ مجھے آرڈر دیا گیا تھا آپکو کوئی تکلیف نا دی جائے پلیز میرے لیے مشکل کھڑی مت کریں۔" آخر کار وہ لڑکی التجا کرتے ہوئے ہاتھ جوڑ بیٹھی اسکے میم لفظ اور باقی جملے پہ رومائزہ کا دماغ اٹک گیا۔ کیا جو وہ سوچ رہی ہے وہی سچ تو نہیں۔

"تم بھی مجبور ہو نا؟ دیکھو دونوں ساتھ بھاگ جائیں گے کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا پلیز مجھے چھوڑ دو میرے بابا پریشان ہو رہے ہونگے۔ ہاں تمھاری بھی تو کوئی فیملی ہو گی نا۔ پلیز پلیز پلیززز۔" رومائزہ اس لڑکی کے تاثرات دیکھ کر مزید بولتی رہی۔ اس لڑکی نے گہری سانس بھری اور مسکراتی ہوئی عین اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

رومائزہ منت بھری نظروں سے اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"میری کوئی فیملی نہیں ہے۔" اسکے جواب میں اتنا سرد پن تھا کہ روما کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے اور وہ لڑکی جو دونوں ہاتھ پیچھے باندھے کھڑی تھی اب اسکے اوپر جھکی اور کالا ٹیپ اسکے منہ پہ چپکا دیا۔

رومائزہ بلکل بے بس ہو گئی تھی۔ اس نے نتھنے پھلا کے اس لڑکی کو دیکھا۔

"ہاتھ کھلے ہوتے تو بتاتی فیملی کیسی ہوتی ہے۔" وہ دل میں ہی کلستی رہ گئی۔

"اب بیٹھو تم سکون سے۔" لڑکی اسے تپاتی ہوئی پلٹ گئی اور چند لمحے گزرے تھے رومائزہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا وہ کرسی پہ مزید ڈھ گئی۔

"سائیں جانا کہاں ہے؟" میران کو گاڑی میں بیٹھتا دیکھ عزیز نے فوراً پوچھا۔

"بنگلے پہ لے چلو۔ میں اسے مزید نہیں رکھ سکتا میرا دل پھٹ جائے گا۔" میران نے انگلیاں بالوں میں چلائیں اور اے_سی بھی کھولا گویا جسم ٹھنڈا ہونے لگا تھا۔

"آپکو تو اسکے باپ سے پیسے نکلوانے تھے کیا اب نہیں نکلوانے؟" عزیز نے ٹھہر ٹھہر کے سوال کیا میران سیدھا ہو کے بیٹھا۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے؟"

"آپ سمجھا ہی نہیں رہے۔ کچھ منٹ پہلے تو آپ بلکل ٹھیک یہاں آئے اور اب۔" وہ شاید میران کے منہ سے سن کر اپنے دماغ کی بات پر یقین کرنا چاہ رہا تھا۔

"مجھے تم یہ بتاؤ کوئی اپنی محبت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے! میں تو ہر گز نہیں۔ میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ وہ اغوا ہو جائے۔ اسکی عزت میرے لیے سب کچھ ہے۔ یہ اسکے ساتھ غلط بلکہ بہت برا ہو چکا ہے۔"

میران نے بال مٹھی میں جکڑے تھے عزیز اسکی حالت دیکھتا رہا۔

"سائیں سب لڑکیوں کی عزت اہم ہوتی ہے بلکہ ہر بشر کی۔ اور اگر اسکی جگہ کوئی اور ہوتی تو اسکے ساتھ یہ سب غلط نا ہوتا کیا؟" وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوا تھا میران نے سر اٹھایا۔

"اب تم مجھے مزید غصہ دلا رہے ہو۔ تم بھی جانتے ہو بابا سے محفوظ رکھنے کے لیے میں نے ایسا کیا۔ ورنہ میں عورت ذات کو استعمال کرنے والے مردوں میں سے نہیں ہوں۔ تم دیکھ نہیں سکتے تھے کیا اسکا پورا چہرہ!" میران اس پہ برہم عزیز نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"شکل دیکھ کر بھی یہی کرتا مجھے معلوم تھوڑی تھا آپ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ شک ضرور تھا پر آپ تو اس دن جامعہ سے واپسی پر خود سب کچھ ختم کر آئے تھے۔ اور مجھے پکا یقین نہیں تھا کہ آپ جس کو پسند کرتے ہیں جس کے لیے بے چین رہتے یہ وہی تقریر والی ہے۔" عزیز کی باتیں سن کر میران نے سانس بحال کی۔

"خیر اب جو ہونا تھا ہو گیا میں بابا سے بات کر کے اس کو واپس بھیج دونگا۔" میران نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کرتے کے اوپری بٹن کھولے۔

"کیا وہ مان جائیں گے؟" عزیز نے ایکسلیریٹر میں چابی گھمائی اور گاڑی ریورس لی۔

"انکو ماننا پڑے گا کوئی دوسرا طریقہ نکالیں پیسے نکلوانے کا شنواری کی بیٹی کو وہ اس معاملے میں نہیں لا سکتے۔"

وہ سختی سے کہتا جبڑے بھینچ گیا عزیز نے گاڑی سڑک پہ ڈال دی چند پل گاڑی میں سناٹا رہا پھر میران کے آغاز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"بہت بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے عزیز۔" وہ بے حد نادم تھا اس وقت جو وہ تکلیف برداشت کر رہا تھا اسکا اندازہ کوئی لگا نہیں سکتا تھا۔

وہ اسے اپنی زندگی کا ایک حصہ بنانے کا سوچ چکا تھا اور اب یہ سب ہو گیا اور محسوس ہو رہا تھا جیسے سب ہاتھوں سے ریزہ ریزہ ہو کے نکل رہا ہو۔ عزیز سے سائیں کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی کیا وہ محبت سے عشق کا سفر طے کر چکا تھا؟ اس نے اس رات بھی آسمان کے نیچے دعا کی تھی کہ میران کو کسی مشکل کا سامنا نا کرنا پڑے۔ نا جانے کیوں اسکا دل پہلے سے ہی کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

کاش یہ لڑکی شنواری کی بیٹی نا ہوتی۔

"بے شک آپ مجبور تھے پر اتنے نہیں آپ چاہتے تو زولفقار سائیں کو اپنی بات پہ قائل کر سکتے تھے۔"

عزیز تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے میں نے ایسا نہیں کیا ہو گا!"

وہ کہہ کر خاموش ہو گیا اب وہ خود کو دلاسے دے سکتا تھا اسکو سمجھنے والا ابھی کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ کیا محسوس کر رہا تھا کسی کو کیسے پتا چلتا۔ باقی سارا راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے کے راستے کے بعد جاہ بنگلے کی عالیشان حدود لگ چکی تھی۔

عزیز نے گاڑی عین داخلی دروازے پہ روکی میران تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے بنگلے میں داخل ہوا اور قدم زولفقار صاحب کے کمرے کی جانب بڑھا دیے۔ یقیناً اب تک وہ تقریب سے واپس آ چکے تھے۔

••

شمس زولفقار صاحب کے کمرے میں ہی موجود تھا زولفقار صاحب نے اپنا کوٹ اتار کے صوفے پہ رکھا اور کف لنکس کھولے۔

"شمس آج میں بہت خوش ہوں۔ ایک کام کرو کل کسی غریب بستی میں کھانے کی تقسیم کا انتظام کرو۔" وہ خوشی سے بے حال ہو رہے تھے۔

"جو حکم۔ میں سمجھ سکتا ہوں آپکی خوشی آپ نے آخر کار میران بابا پہ قابو کر لیا.. آخر انھوں نے وہی کیا جو آپ نے چاہا تھا اب آپکو کسی قسم کی ٹینشن لینے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ بھی آپکے جیسے طاقتور حکمران بنیں گے۔" شمس کا مکاری سے بھرپور قہقہہ اسکی بات کا حصہ بنا تھا میران جو کمرے میں داخل ہونے لگا تھا انکی باتیں سن کے قدم وہیں روک لیے۔

"وہ میرا خون ہے میرے نقشِ قدم پہ ہی چلے گا۔ شنواری کی بیٹی کو اغوا کر کے اس نے میر اشک بھی ختم کر ڈالا۔ ورنہ مجھے ڈر تھا کہ وہ جیسے جماعت کے اہلکاروں سے الجھنے لگا ہے کہیں مجھ سے بھی نا الجھ پڑے کیونکہ اب سے وہی زیادہ پاوور میں ہو گا۔ خیر شنواری نے دوبارہ فون کیا؟"شرٹ کے کف موڑتے ہوئے وہ مغرور انداز میں صوفے پہ براجمان ہو گئے۔

"ابھی تو بے چارہ پولیس کی مدد لینے کی کوشش کر رہا ہے۔" شمس کہتے ہوئے شنواری کی بے بسی پہ ہنسا۔

زولفقار جاہ کی بات سننے کے بعد میران کا غصہ بھک سے جاگا تھا اور وہ تیش میں اندر داخل ہوا زولفقار صاحب اس بات سے انجان کہ وہ انکی بات سن چکا ہے خوشی سے مسکراتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

"آؤ میرے شیر،، تم نے آج دل خوش کر دیا اللہ تمھیں بری نظروں سے محفوظ رکھے۔"زولفقار اسکے قریب آنے لگے تو اس نے جھٹکے سے خود کو پیچھے کیا زولفقار جاہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"اور آپکے شر سے بھی محفوظ رکھے۔"میران نے جبڑے بھینچے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ شمس کے دماغ کی جیسے بتی جلی اس نے حلق میں پھنسی گھٹلی نگلی ہاں میران بابا سب سن چکے تھے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" وہ بھی غصے سے پھنکارے۔

"دماغ ہی تو خراب تھا جو آپکی باتوں میں عمل کرتا تھا اور اگر ابھی آپکی باتیں نا سنتا تو ممکن تھا کہ آئندہ بھی یہی کرتا۔ واہ زولفقار صاحب آپ نے اپنے بیٹے کو ہی استعمال کر لیا۔ آپ کو کیا لگتا ہے میں آپکی باتوں میں آیا تھا؟ نہیں زولفقار صاحب میں تو اس معصوم کو آپ سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی میرا باپ مجھے آزمانے کے لیے یہ طریقہ نکالے گا۔ ایسے کام کرتے ہی کیوں ہیں جو آپکو ڈر ہے کہ میں بغاوت کر جاؤنگا۔"

وہ انتہائی غصے میں تھا اور بلند آواز میں زولفقار صاحب سے آج پہلی بار اس طرح مخاطب ہوا تھا۔ تمام ملازمین گھبرا کے ایک جگہ جمع ہو چکے تھے۔ سب کے لیے یہ حیران کن بات تھی کہ میران سائیں زولفقار سائیں سے اتنی بلند آواز میں بات کر رہے۔

"تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو میں نے کچھ غلط نہیں کیا تم میرے بیٹے ہو میرا تم پہ پورا حق ہے اور یہ تمھاری بہتری کے لیے ہی کیا ہے۔"

وہ اپنے غصے پہ قابو پاتے ہوئے بولے تو میران نے استہزاء سے اپنے بازو ہوا میں بلند کیے اور ہنسا۔

"کیا بہتری ہے اس میں؟ یہ کہ میں جانور بن جاتا بے حس! جو عورت کی عزت خراب کرے؟ میں اس لڑکی کو چھوڑ رہا ہوں وہ اپنے باپ کے ساتھ ہی رہے گی آپ کو اپنے پیسے مبارک اب خود ہی نکلوائیں میں آپکے معاملات میں اب کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔" وہ صاف گو ہوا زولفقار نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

"تم اسے نہیں چھوڑ سکتے !اب جب شنواری کی کمزوری ہمارے ہاتھ لگی ہے تو تم یہ باتیں لے کر بیٹھ گئے بھولو مت وہ دھوکے باز ہے ہمارے پیسے ہڑپنے کی کوشش کرنے والا !"زولفقار نے اسے کندھوں سے تھام کے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے باور کروایا میران نے انکے ہاتھ آرام سے اپنے بازوؤں سے ہٹائے۔

"دھوکے باز تو آپ بھی نکلے !مجھے سب یاد ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں آپ کوئی دوسرا طریقہ نکال لیں میں اس لڑکی کو مزید قید نہیں کر سکتا اور نا ہی کسی کو حق دونگا کے اسے تکلیف پہنچائے۔"

"میران جاہ پہلے بھی تو یہی لڑکی تھی اب ایسا کیا ہو گیا ہے جو تم اتنا بدک رہے ہو۔"وہ تیش میں آئے بولے اور اسے سخت نظروں سے دیکھا۔

"وہ لڑکی کوئی اور نہیں میری محبت ہے رومائزہ احتشام شنواری۔جو اس گھر کی بہو بنے گی۔"وہ ضبط سے کہتا ہوا اپنے ہاتھ کی مٹھی دیوار پہ مارتا ہوا بولا اسکے دماغ کہ شریانیں پھول کر ماتھے میں نمودار ہو چکی تھیں چہرہ پورا سرخی میں مائل تھا آنکھوں میں گویا لہو لپک آیا ہو۔وہ شارٹ ٹیمپر ہرگز نہیں تھا پر باپ نے اسے آج مجبور کر دیا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔وہ ٹکے کی لڑکی اسکو تم اپنی محبت کہہ رہے ہو۔"

اس لڑکی سے محبت کا سن کر ہی زولفقار صاحب کا دماغ غصے سے ابل پڑا تھا وہ یہ بات تسلیم ہی نہیں کر پا رہے تھے کہ انکا بیٹا کسی معمولی لڑکی سے محبت کر بیٹھا۔

"بس ایک لفظ مزید نہیں بولیے گا۔ وہ میرے لیے عزت کے قابل ہے اور آپ بھی۔ آپ ٹھیک ہیں ہمیشہ کی طرح میں غلط ہوں سہی ہے۔۔ پر اسکے لیے ان لفظوں کا استعمال مت کریں۔ میں آپ پہ برہم ہوا مجھے معاف کر دیں۔ پر میں اسے مزید اپنی ذات سے تکلیف نہیں پہنچا سکتا میں اسے چھڑ وار ہا ہوں اور آپ کے یہ آدمی اسکے پیچھے نہیں جائینگے۔" وہ غصے پہ جبر کرتا آرام سے بولا زولفقار جاہ کے تیور بگڑے۔

"مطلب تم ایک لڑکی کے لیے اپنے باپ سے لڑ رہے ہو۔"

"ہاں بلکل۔" وہ یکلخت بول کے مڑا۔

"اس لڑکی کے لیے تم سب بھول بیٹھے ہو اور اس گھٹیا آدمی کو اپنا سسر بنانے کا سوچ رہے کو۔ یاد رکھو وہ لڑکی اس گھر کی بہو کبھی نہیں بن سکتی اسکا خیال اپنے دماغ سے نکال دو۔" وہ بے حد سفاک ہوئے میران کے اندر جیسے کوئی آگ سی لگی تھی وہ پلٹا۔

"یہ بات آپ اپنے زہن سے نکال دیں گے کہ وہ بہو نہیں بن سکتی۔" وہ بھی انکے انداز میں بولا۔

"اسکا باپ ہمارا مقروض ہے کیسے تم دیوانے بن رہے ہو! بہت ہو گیا جاہ! جاؤ اب آرام کرو صبح سے مصروف تھے اور اس لڑکی کا خیال ذہن سے نکال دو۔" وہ سب بھولتے ہوئے بے حد عام سے انداز میں بولے تھے جیسے ان دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نا ہو۔

"میں اپنی بات پہ قائم ہوں اسے خود اسکے باپ کے حوالے کر آؤنگا۔ اور مجھے سب یاد ہے بس میں خود کو اس معاملے سے دور رکھنا چاہتا ہوں اور رومائزہ شنواری کو بھی!"

اسکا باپ غلط تھا وہ اس بات کو اب بھی مانتا تھا۔

"ٹھیک ہے جو مرضی کرو پر یاد رکھنا اب میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑونگا جس نے میرے بیٹے کو اپنے جال میں پھنسا کے میرے سامنے لڑنے کے لیے کھڑا کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟ آپ کچھ نہیں کریں گے وہ معصوم ہے کچھ بھی نہیں جانتی اس بارے میں۔"

"وہ تمھیں اپنا دیوانہ بنا چکی ہے کیسے معصوم ہوئی شنواری نے دیکھو کیسے پاسا پلٹنے کی کوشش کی ہے بیٹی کو مہرا بنا کے۔" وہ بہت آگے کی سوچ رہے تھے۔

"اس نے کچھ نہیں کیا یہ سب آپ ہی چاہتے تھے۔"

"میران وہ تمھارے قابل نہیں اپنے ذہن سے اسکا بھوت اتار دو کہیں بعد میں پچھتانہ نا پڑے۔" ذولفقار جاہ نے اٹل لہجے میں کہا تھا میران کا قہقہہ بلند ہوا۔

"آپکی دھمکیاں مجھے واقعی ڈرا رہی ہیں تو اب آپ دیکھیں اسکی حفاظت میں کیسے کرتا ہوں۔ اور یہ کوئی بھوت نہیں میری محبت ہے اور پچھتائیں گے وہ جو غلط کا ساتھ دے رہے ہیں۔" وہ کہتا ہوا شمس پہ جو ایک جانب سر جھکائے منہ بند کیے کھڑا تھا اس پہ غصیلی نگاہ ڈالے کمرے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا.. باپ کا کہا مان کے وہ خوب پچھتاوے کا شکار تھا۔ اسکے جانے کے بعد پیچھے وہ دونوں وجود ہکا بکا تھے۔ ان کے خوشی کے دن کا اختتام بڑی بری طرح سے ہوا تھا انھوں نے جو سوچ کے یہ کام میران کے سپرد کیا وہ ہو تو گیا پر اختتام اسی بات پہ ہوا جنکا انھیں خدشہ تھا۔

میران ذولفقار صاحب کے کمرے سے غضب و تیش کے تیور لیے باہر نکلا تھا۔ اسکے وجود میں شرارے پھوٹ رہے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اسکا باپ جسے بابا سائیں کہتے تھکتا نہیں تھا اس حد تک گر جائیں گے اسے آزمانے کے لیے ایک لڑکی کو مہرہ بنائیں گے اور وہ اپنے بیٹے کو آزما رہے تھے؟ دل میں کئی ٹھسیں اٹھنے لگی تھی۔ رہ رہ کے اسے خود پہ غصہ آرہا تھا کہ وہ انکی باتوں میں آگیا جو ہوا خود کوئی اور راستہ نکالتا پر اب صرف کاش کی گنجائش تھی۔ ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکتا اب جو ہو گیا اسے ٹھیک کیسے کرنا ہے اسکی اگلی حکمت عملی یہی تھی۔

کمرے کی راہداری سے نکل کر جب وہ بیٹھک کی جانب آیا تو تمام ملازموں کو دائرۂ گول کی شکل میں پایا۔ فرید نے فوراً آگے بڑھ کے اسے کھانے کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"سائیں کھانا لگا دوں ؟" وہ جانتا تھا وہ صبح کا بھوکا گھوم رہا ہے میران نے لب پیوست کیے اس پہ سلگتی نگاہ ڈالی تھی فرید کی جان وہیں آدھی ہوگئی۔ دوسرے ملازم نے اسکے لڑکھتے وجود کو پیچھے سے تھاما میران ان سب پہ غصے سے بھرپور نظر ڈال کے باہر لان میں چلا آیا۔

عزیز اسے گاڑی کے پاس کھڑا ہی ملا تھا میران نے ایک نظر آسمان کو دیکھ پھر گہری سانسیں کے کر خود کو سنبھالا اور اپنی مخصوص چال چلتا ہوا گاڑی تک پہنچا۔

"اب کہاں ؟" تھکن کے مارے عزیز کا برا حال تھا پر میران اسکو اپنی پرواہ نہیں تھی صبح سے کسی نے کسی کام میں پھنسا تھا۔

"شنواری کے گھر۔" تحمل سے کہتے ہوئے وہ ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ کی جانب کا دروازہ کھول کے بیٹھ گیا۔

"ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں ؟" عزیز کو بے حد تشویش ہو رہی تھی میران نے کہنی کھڑکی سے ٹکالی نینوں کے ڈورے سرخی میں مائل تھے۔

"کچھ پوچھنا ہے شنواری سے. میں اب خود یہ معاملہ حل کرنا چاہتا ہوں ایک بار تمھارے ذمے ڈال کے انجام بھگت رہا ہوں۔"عزیز کو شدید حیرانی ہوا تھا آخر ایسا کوئی آگیا تھا جس کی وجہ سے میران جاہ عزیز پہ بھی برسنا شروع ہو چکا تھا۔

میران نے باقی کے تمام راستے زولفقار صاحب کی سچائی عزیز کے سامنے کھول کے بیان کر دی تھی وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ میران کی حالت دیکھ کر اسے دل سے بہت برا الگ رہا تھا۔ زولفقار صاحب سے تو وہ خود اچھے کی امید نہیں رکھتا تھا اسے اندیشہ تو تھا پر وہ میران کے باپ تھے اور وہ دونوں کے درمیان بولنے کی جرت نہیں رکھتا تھا اسے اپنی حدود یاد تھیں۔

مخصوص مقام پہ عزیز نے گاڑی روکی... گاڑی کے پہیوں کی چرچراہٹ سے میران نے اپنی موندی ہوئی آنکھیں کھولیں اور ناک انگلی کی پشت سے رگڑتا ہوا گاڑی سے اترا۔

یہ جگہ کوئی کالونی سی معلوم ہو رہی تھی جہاں کچھ اپارٹمنٹ اسکے گرد قائم تھے کچھ فلیٹس کی صورت میں اور کچھ چھوٹے عام گھروں کی طرح اپارٹمنٹ تھے۔ میران عزیز کے ہمراہ دروازے سے داخل ہوتا ہوا کسی اپارٹمنٹ کے باہر آن رکا تھا۔

اس نے ایک نگاہ کلائی پہ بندھی واچ پہ ڈالی۔ رات گیارہ بجا رہی تھی چاند کی روشنی اور اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں یہ جگہ روشن تھی منظر دل کو سکون پہنچا رہا تھا۔

کچھ دیر دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد ایک عمر رسیدہ خاتون نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ خاتون میران جاہ کو سامنے دیکھ کر خود ہی دروازے سے پیچھے ہو کے راستہ دے چکی تھیں دماغ حیرت کا شکار تھا لفظوں نے گویا منہ میں ہی دم توڑ دیا ہو۔

میران مغرورانہ چال چلتے ہوئے کف کھولتا ہوا اندر بڑھا راہداری کے ختم ہوتے ہی لاؤنج قائم تھا۔ احتشام شنواری سر صوفے سے ٹکائے بیٹھے تھے میران کو دیکھتے ہی اپنے غصے پہ قابو نا پا سکے اور چند پل میں انھوں نے اپنے اور اسکے درمیان کا فاصلہ ختم کیا تھا۔

"ظالم آدمی تم لوگوں نے میری بیٹی کو کہاں رکھا ہے؟"

وہ اشتعال سے اسکے گریبان پکڑنے لگے تھے میران اطمینان سے ہاتھ پیچھے کی جانب باندھے سنجیدگی سے انکو تک رہا تھا۔

عزیز نے فوراً آگے بڑھ کے احتشام صاحب کو ایسا کرنے سے روک لیا تھا۔ عزیز مکمل محافظ کی طرح میران کے آگے کھڑا تھا۔

"شنواری صاحب بیٹھ جایئے۔ میں یہاں کوئی بدمزگی پیدا کرنے نہیں آیا ہوں۔ اور مجھ پہ چلانے سے بہتر ہے اپنے گریبان میں جھانکیے۔ یہ سب جانتے ہیں نا کیوں ہو رہا ہے۔ اور اچھے سے جانتے ہیں ایک بیٹی کے باپ ہیں پھر کیوں اتنی لاپرواہی بلکہ دھوکہ بازی!" وہ حقیقت منہ پہ بولتا تھا احتشام شنواری نے گہری سانس بھری میران یک ٹک ان پہ نظریں جمائے صوفے سے پشت ٹکائے بیٹھا تھا ماحول میں خاموسی سی چھائی ہوئی تھی۔

"میں نے دھوکہ نہیں دیا.."

"عزیز نے انھیں ریکارڈنگ سناؤ۔" وہ ناچاہ کر بھی تمیز سے پیش آرہا تھا کیونکہ وہ رومائزہ کے والد تھے اور اب انکے بل بھی تو کسنے تھے۔

عزیز نے فوراً ریکارڈنگ آن کر دی جس میں احتشام صاحب نے کھلے لفظوں میں پیسے دینے سے انکار کیا تھا اور یہ سب کیوں کیا تھا یہ وہی جانتے تھے وہ کھٹکے سے جگہ سے کھڑے ہوئے۔

"مجھے شمس نے مجبور کر دیا تھا جبھی میں نے ایسا کہا۔ میں چاہتا ہوں قرض ادا کر دوں یہ میرے کندھوں تلے بوجھ ہے اسے اتارنا چاہتا ہوں پر میں فلحال خالی ہاتھ ہوں فیکٹری گھاٹے میں جارہی ہے کوئی منافع نہیں اتنی سیوونگز بھی نہیں کہ مکمل قرض چکادوں۔ کچھ وقت مانگ رہا تھا حالات کے ٹھیک ہوتے ہی قرضا اتار دونگا پر شمس نے آئے دن فون کر کے دھمکانا شروع کر دیا تھا اور میں نے غصے میں ایسا کہہ دیا مجھے کیا علم تھا وہ بات کہیں کی کہاں لے جائے گا۔" انکی پوری بات میران نے تحمل سے سنی اور آخر میں اسکے تیور بگڑے۔

"عمر ہو گئی ہے آپکی سوچ سمجھ کے بولنا چاہیے تھا۔ اور وہ ٹھیک ہی سمجھا کوئی فون پہ ایسے جملے ادا کرے تو اسکا کیا مطلب سمجھا جائے گا؟ وقت پہ پیسے چکا دیتے تو اتنا مسئلہ ہوتا ہی نہیں۔" وہ ہنکارا تھا مقابل بھی شرمندہ تھے۔

"میران جاہ آپ یہاں یہ باتیں کرنے آئے ہیں؟ میری بیٹی نا جانے کس حال میں ہو گی آپ کو جو کرنا ہے میرے ساتھ کیجئے اسے چھوڑ دیں وہ کچھ جانتی بھی نہیں ہے۔"

ساری عمر جس باپ نے اپنی اولاد کو لاڈ سے پالا تھا آج جب وہ ان سے دور کر دی گئی تو وہ سنبھل نہیں پا رہے تھے بڑے ضبط سے وہ میران کے آتش جملوں کا سامنے کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے وہ! میں یہی بتانے آیا ہوں اسکی فکر نا کریں وہ جہاں بھی ٹھیک ہے اور وہ کچھ وقت آپ سے دور ہی رہے گی۔ آپ میرے باپ کا قرضہ ادا کریں اور میں اسے چھوڑ دونگا۔"

"کک کیا مطلب؟ اسکے لیے مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ مجھے میری بیٹی چاہیئے ابھی۔"

"اور میں بھی کہہ چکا ہوں وہ آپکے پاس محفوظ نہیں۔ میرا باپ آپکا دشمن بن چکا ہے اور بدلے میں وہ رومائزہ کو نقصان پہنچائیں گے وہ جانتے ہیں وہ آپکے پاس واحد ایسی چیز ہے جس میں آپکی جان بستی ہے۔ مجھے انکے معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں میں بس اسے محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں اور اس لیے وہ وہیں رہے گی جہاں میں اسے رکھونگا۔" وہ سرد مہری سے ٹھہر ٹھہر کے بولا عزیز نے میران کو دیکھا تھا احتشام صاحب نے لب پیوست کیے۔

"اور آپکو میری بیٹی کی اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔میں اسکی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔" وہ دوبدو بولے۔

"وہ تو میں دیکھ چکا ہوں آپ اسکی کتنی حفاظت کر چکے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے جتاتا ہوا سیدھا ہوا۔

"میں سمجھنے سے قاصر ہوں آپکو اسکی اتنی پرواہ کیوں ہے؟" سوال کرتے ہی احتشام صاحب کے دماغ نے کچھ سگلنز دیے تھے پر وہ جواب کے منتظر تھے۔

"انسانیت کی خاطر! میں عورت ذات کی بہت عزت کرتا ہوں اور دوسرا یہ کہ وہ میری ہے اس نے میرے پاس ہی آنا تھا اب بھلے ایسے ہی سہی۔" وہ کمال اطمینان سے مسکراہٹ روکتا ہوا بولا اور جگہ سے کھڑا ہو گیا شنواری صاحب کو یہ بات پسند بلکل نا آئی بلکہ ناگوار گزری تھی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟ میری بیٹی پہ بری نظر مت رکھیے گا میں مجبور بے شک ہوں پر بے غیرت نہیں وہ کر جاؤنگا جسکا آپکو گمان بھی نہیں۔"

"انفف از انفف!" میران غصے سے غراتا ان پہ جھکا۔

"محبت کرتا ہوں اس سے گڑیا گڈے کا کھیل نہیں! اچھے سے جانتا ہوں اسکی حفاظت کیسے کرنی ہے۔ آپکو پولیس پہ وہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں کوئی آپکی مدد نہیں کر سکے گا۔ میری مان لیں صرف پیسوں کا بندوست

کریں۔ آپکی بیٹی محفوظ ہے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔" میران نے غصے پہ قابو پا کر مصلحت بھرا انداز اپنایا۔ اسکی آنکھیں اسکے لفظوں کی سچائی کی گواہ تھیں شنواری صاحب واپس صوفے پہ ڈھ گئے۔

" آپکو کیا لگ رہا ہے میں ہر کسی سے ایسے بات کرتا ہوں؟ آپ اسکے والد ہیں اسلیے نا چاہتے ہوئے بھی ضبط سے کام لے رہا ہوں۔ وہ میرے لیے بہت خاص ہے میں اسے ہر گز تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔"

" پھر اغوا کیوں کروایا؟" انھوں نے دو بدو پوچھا۔

" مجھے علم نہیں تھا رومائزہ تمھاری مطلب آپکی بیٹی ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ کر ہاتھ پیچھے کو باندھ لیے۔ عزیز نے شنواری صاحب کو مختصر کر کے سارا واقعہ بتایا۔ انکے پاس اب میران پہ یقین کرنے کے علاوہ اور کوئی اوپشن نہیں تھا۔

میرا وعدہ ہے آپکو آپکی بیٹی لوٹا دونگا پر ایک وعدہ آپ بھی کریں جب میں اسے آزاد کرونگا تو اسے اپنے نکاح میں لونگا۔" وہ ایک وعدہ کر چکا تھا اور دوسرا مقابل سے لینا چاہتا تھا شنواری صاحب خاموش رہے انکی خاموشی اسے بری نہیں لگی تھی۔

" آپ میرے بابا کے دشمن ہیں انکے مقروض ہیں پر میرے لیے اب صرف رومائزہ کے باپ!! اس وقت جو میں جھیل رہا ہوں اسکے بعد مجھے کوئی شوق نہیں اس معاملے میں کودنے کا!

میری نظر میں آپ خود بھی اپنی بیٹی کے مجرم ہیں جب جانتے تھے دشمن اتنا طاقتور ہے تو کیوں اس سے الجھ بیٹھے غلطی آپکی ہے میرے بابا کے ساتھ مجرم آپ بھی ہیں۔اور میں اپنے مجرموں کو خود سزا دیتا ہوں۔مبارک ہو آپکو اپنی بیٹی سے دوری!"

وہ یہاں صرف انکورومائزہ کے حوالے سے مطمئن کرنے اور ساری سچائی شنواری کے منہ سے سننے کے لیے آیا تھا کہیں اس میں بھی زولفقار صاحب کی مکاری شامل نا ہو۔

"ٹھیک..پر میران صاحب میری بیٹی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"میران جب گھر سے نکلنے لگا تو شنواری صاحب نے کہا وہ نکاح والی بات پہ راضی نہیں تھے پر میران کے لہجے میں ایسا کچھ تو تھا جو وہ اسے قبول کرنے سے انکاری نہیں ہوئے تھے۔

"مجھے اپنی چیزوں کی حفاظت کرنی آتی ہے۔"آنکھوں سمیت یخ لہجے میں شنواری صاحب کی بات کا جواب دے کر اسی انداز میں گیا جس انداز سے وہ یہاں آیا تھا۔

میران سے بات کرنے کے بعد احتشام صاحب کا دل جو بے سکونی کا حصہ بن چکا تھا اب کہیں جا کے دل میں اطمینان سا اتر آیا تھا۔ہاں وہ اس پہ بھروسہ کر رہے تھے انھیں معلوم تھا میران زولفقار جاہ جیسا نہیں اور ایسا پوری دنیا جانتی تھی اسکی مغرور طبیعت سنجیدہ مزاج ضرور تھی پر نرم دلی بھی اسکی طبیعت کا اہم حصہ تھی۔

"اب کیا کرنا ہے سائیں؟" عزیز کالونی کے دروازے سے نکلتے ہوئے اسکے پیچھے قدم لیتے ہوئے بولا میران نے بالوں میں ہاتھ پھیر کہ گہری سانس بھری گویا دل ہلکا کرنے کی ناکام سی کوشش۔

"اب جیسا میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔" سرعت سے کہتا وہ گاڑی کا دروازہ کھول کے بیٹھا چند لمحوں میں گاڑی کا دھواں فضا میں ایک ہو گیا۔

گاڑی ویران راستوں سے گزرنے کے بعد کسی خوبصورت سے علاقے میں داخل ہوئی تھی رات کی اندھیری میں بھی سڑک پہ لگے پولز کی گول بتیاں اس راہداری کو روشن کیے ہوئے تھیں جو ایک قریب ہی فارم ہاؤس پہ رکتی تھیں۔

رومائزہ مسلسل خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اسکے ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے اور آنکھوں پہ کالی پٹی بندھی ہوئی تھی ایک لڑکی اسکے سر پہ بندوق رکھے اسے قابو میں رکھے ہوئے تھی۔ گاڑی جب کسی بڑے سے فارم کے دروازے پہ رکی اس لڑکی نے رومائزہ کی آنکھوں سے پٹی کھول دی دو تین بار پلکیں جھپکنے کے بعد اس نے گاڑی کے شیشے سے باہر جھانکا تو اسکی سانس حلق میں ہی اٹک گئی۔

"یہ کہاں لے آئے ہو مجھے؟"

رومائزہ کے علاوہ گاڑی میں دو لڑکیاں اور ڈرائیور موجود تھا۔ایک نے گاڑی سے اتر کے اسے اترنے کا کہا تھا تو وہ پیچھے کو ہوتی ہزیانے پن سے چیخی۔

"چپ چاپ اندر چلو تم!" اسکے برابر میں بیٹھی لڑکی نے گن اسکے سر پہ جمائی تو وہ کھسیانی سی ہو کر انکی بات مانتے ہوئے نیچے اتری آنکھوں کے ڈیلے مسلسل چاروں سمت ناچ رہے تھے جیسے جگہ حفظ کر رہے ہوں۔

سیکورٹی گارڈ نے دروازہ کھولا وہ لڑکیاں رومائزہ کو بازوؤں سے تھام کے زبردستی لے کر چل رہی تھیں اور وہ اپنی مکمل کوشش میں تھی کہ جان چھڑا کے کہیں بھاگ جائے۔

پہلے تو بڑا خوبصورت سالان تھا جسکی راہداری سے گزر کے وہ اس ہاؤس میں داخل ہوئیں تھیں۔

اندر کا منظر بے حد خوبصورت اور پرکشش تھا ہر چیز اپنی جانب ذہن مرعوب کر رہی تھی دروازے کے کھلتے ہی بڑا سا ہال نما لاؤنج تھا جسکے گرد گول دائرے میں جامنی صوفے بچھے تھے کونوں میں بڑے واس دیواروں پہ بے جا چھوٹی لیمپ نما بتیاں!!

رومائزہ نے جیسے ہی نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا اسکی آنکھوں میں مزید حیرت امڈ آئی لب بے ساختہ کھل چکے تھے دل کے کسی کونے میں انہونی کا احساس جگمگایا۔

ہال کے درمیان میں کانچ کا فانوس اپنی آب و تاب سے چمک رہا تھا ایک طرف شیشے سی دیوار تھی شاید وہ بڑی دروازہ نما کھڑکیاں تھیں جو لان کا منظر پیش کر رہی تھیں اور انکے کناروں پہ کریم رنگ کے جھالر لٹک رہے تھے ایک طرف کالے رنگ کا زینہ دوسرے فلور پہ کھل رہا تھا رومائزہ کی نظریں واپس پلٹ آئیں جہاں فانوس کے نیچے میران جاہ صوفے پہ تمام تر وجاہت کے ساتھ براجمان تھا۔

میران کو اس طرح یہاں دیکھ کر اندر ہی کہیں بے شمار خدشے جاگ گئے رات کا نا جانے کونسا پہر تھا اسے تو وقت کا بھی معلوم نہیں تھا اچھی خاصی پارک کے لیے شام کے وقت نکلی تھی اور اچانک زندگی نے جو پاسا پلٹا وہ خود گھوم کے رہ گئی۔

وہ لڑکیاں اسے عین صوفوں کے قریب لے گئیں کچھ دور عزیز اور ایک عمر رسیدہ خاتون بھی موجود تھیں جو اس پورے واقعے سے انجان تھیں۔

"ویلکم رومائزہ شنواری۔" میران نے جگہ سے اٹھ کے بازو کھول کے اسکا استقبال کرتے کہا رومائزہ کی آنکھیں چندھیا گئیں میران کے اشارے پہ ان لڑکیوں نے رومائزہ کو اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا اور آزادی ملتے ہی رومائزہ میران کی جانب خونخوار انداز میں لپکی۔

"ہاؤ ڈیئر یو میران جاہ؟ کیا ہے یہ سب؟" رسیوں میں جکڑی کلائیوں کی پرواہ کیے بنا ہی وہ اس پہ حملہ آور ہوئی تھی بدلے میں چوٹ اسی کو لگ چکی تھی۔ میران نے جھٹکے سے اسکی کلائی تھام کے رسی پوری کھول دی۔ وہ اب

بھی بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ اسکے ساتھ ہو کیا رہا تھا اور کیوں ہو رہا تھا اتنے سوال اور جواب دینے والا اسکے سامنے تھا جو قابل دید اطمینان سے کھڑا تھا۔

ماحول کی سنجیدگی بھانپتے ہوئے رومائزہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی وہ خود بخود قدم لیتے ہوئے پیچھے ہوئے میران کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"حلیمہ بی یہ محترمہ چند دن کی ہماری مہمان ہیں انکی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں کیجئے گا۔" میران قدم بڑھاتا ہوا اسکی طرف بڑھا رومائزہ کے دل کی دھڑکن نے رفتار پکڑی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟ مجھے کیوں اغوا کیا ہے میری اور تمھاری کوئی دشمنی تو نہیں! بتاؤ میران جاہ بتاؤ! تمھیں پیسے چاہیے کیا؟ میرے بابا دے دینگے پر مجھے چھوڑ دو۔"

وہ غصے سے چلاتی اسکا گریبان جھنجھوڑ چکی تھی عزیز نے آگے بڑھ کے اسے ہٹانا چاہا تو میران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک لیا۔

"ہاں ہماری کوئی دشمنی نہیں بلکہ..." اسکے چلانے پہ وہ بے ساختہ دل کی بات زبان پہ لانے سے گریز کرتا ہوا خاموش ہو گیا مبہم سی مسکراہٹ سائے کی طرح پھیل کر واپس غائب ہو گئی۔ رومائزہ پھٹی نظروں سے

اسے دیکھا 'بلکہ 'کہ آگے کیا؟ وہ اندر کہیں ڈر رہی تھی اپنی عزت کے مٹی میں ملنے کا احساس اسے خوف دلانے لگا۔

"تم ایک نمبر کے گھٹیا آدمی ہو جو ایک شریف لڑکی کو منہ اٹھا کہ اغوا کروالیتا ہے اور جو تم چاہ رہے ہو ناوہ میں ہونے نہیں دونگی۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو تمھارے آگے پیچھے ڈولتی ہیں اور تمھاری توجہ کے لیے اپنی حدیں مٹادیتی میں رومائزہ احتشام ہوں اگر مجھے ہاتھ بھی لگایا تو...." اسکا جملہ بیچ میں ہی میران کی دھاڑ پہ ادھورارہ گیا تھا۔

"شٹ اپ! دوسرے بھڑیوں کی طرح مجھے سمجھ رکھا ہے کیا!! کچھ کہہ نہیں رہا تو یہ نہیں کہ بکواس کیے جاؤ ایک لفظ اب منہ سے نا نکالنا ورنہ گدی سے زبان کھینچ نکالونگا۔" اسکی دھاڑ پہ وہ سہم کے پیچھے ہوئی پھر ایک بار مزید جوش کے بل چلائی۔

"اور تم کر ہی کیا کرسکتے ہو میں خاموش نہیں ہونگی مجھے گھر جانا ہے... گھٹیا آدمی!! تم بھی دوسرے پولیٹیشنز کی طرح نکلے کیا کمال تم نے اداکاری کا ناٹک سب کے سامنے رچایا ہوا ہے۔" وہ غصے سے لبریز بڑے ہی سخت جملوں کا استعمال کرتی میران کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچارہی تھی میران کے ماتھے کی رگیں تن آئیں نظر بھر رومائزہ دیکھا۔

"اسٹاپ دس نان سینس سلی گرل" میران نے گن نکال کر رومائزہ پہ جھکتے ہوئے اسکے سر پہ رکھی۔ وہ اسکی ذات کے اوپر کیچڑ اچھال رہی تھی بلکہ اپنے اندازے لگا رہی تھی جو سن کے وہ بے قابو ہو چکا تھا۔

"آئی ول ناٹ! یو بلڈی..."

اسکی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ہزیانی سی چلائی میران کی آنکھوں میں سرخی تیر گئی ہال میں موجود ہر شخص ساکت تھا عزیز پہ حیرانی کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے یہ چھٹانک بھر لڑکی چھوٹے جاہ کے آگے اتنا کچھ بول رہی تھی اسکے آگے تو اچھے اچھے خاموش ہو جاتے تھے۔ یہ لڑکی وہ جامعہ میں تقریر سنانے والی ہر گز نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

میران نے بازو میں اسکی گردن بھر کے گن اسکے سر پہ تانی۔

"اپنی زبان کو لگام دو۔ مجھے سختی کرنے پہ مجبور نا کرو عزت سے کہہ رہا ہوں یہاں کچھ دن رہو۔ اور اب اگر ایک لفظ اور نکالا تو بندوق خالی کرنے میں دیر نہیں کرونگا۔" لفظوں کو جما جما کے بولتے ہوئے آخر میں اس نے جبڑے بھینچے اور جھٹکے سے اسکی گردن آزاد کر کے واپس گرفت میں لی وہ گہری گہری سانسیں لے کر اسے چکراتے سر سے اس بپھرے شیر کو دیکھنے لگی۔

"کیوں رہوں میں یہاں؟ دماغ خراب ہے جو یہاں رہوں!" میران کی گرفت میں مچلتی ہوئی وہ چیخی اور اپنی گردن آزاد کروانے کے لیے اسکے ہاتھ پہ ناخن گڑا چکی تھی پر وہ شاید فولاد سے بنا تھا جسے رتی برابر فرق نا پڑا ہو۔

"رہنا پڑے گا!"

"کیوں؟" وہ مزید بلند آواز میں بولی میران نے جھٹکے سے اسے سامنے کیا اور گردن کی پشت ہتھیلی سے پکڑی پر گرفت بہت نرم تھی اب رومائزہ کا چہرہ بلکل اسکے سامنے اور قریب تھا۔

"کیونکہ تمھاری جان کو خطرہ ہے اور اب خبر دار جو تمھاری آواز نکلی تو یہ گن چلنے میں دیر نہیں لگے گی۔" سرخ آنکھیں اسکی بڑی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے غصے سے بولا اسکی بات رومائزہ کے پیروں تلے بجھی تھی اور اسکی دھمکی کو کسی خاطر میں نالاتے ہوئے بولی۔

"ہمت ہے تو چلاؤ گولی میں ڈرتی نہیں ہوں... جان سے زیادہ مجھے عزت عزیز ہے۔۔ شوٹ می ناؤ!"

اب کی بار وہ چیخی نہیں تھی مدھم آواز میں غراتی ہوئی بولی اسے طرح طرح کے خوف نے گھیرے میں لے رکھا تھا پر اکڑ اپنی جگہ بر قرار تھی۔

لمحوں میں اسے میران سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی باہر کس سے خطرہ ہونا تھا ابھی تو یہی میران جانی دشمن بنا تھا اور بھلا کس سے اسے خطرہ ہو سکتا ہے میران کی بات پہ اس نے بلکل یقین نہیں کیا تھا الٹا اسے یہ سب میران کی سازش لگ رہی تھی۔

"آل رائٹ!! ایز یو روش۔"

میران نے اسکے سر کا نشانہ تان لیا رومائزہ سختی سے آنکھیں میچ گئی ذہن نے جیسے تیز رفتاری سے کام کیا تھا وہ لمحوں میں پلٹ کے پیچھے دوڑی اور جو ساتھ میں لڑکی آئی تھی اسکی کالی جینز میں اٹکی بندوق نکال کر میران کا نشانہ لیا۔ یکدم عزیز آگے بڑھا تھا اور رومائزہ کی بندوق کا نشانہ اوپر کی جانب کیا وہ گولی چلا چکی تھی۔

چھت پہ لگے فانوس سے دو ربلب کرچی کرچی نیچے گرا۔

عزیز نے اسکے ہاتھ سے گن چھینی اور صوفے کے پیچھے کھڑی حلیمہ بی کو اسے سنبھالنے کا کہا۔ وہ ہٹی کٹی خاتون تھیں جنھوں نے اسکے دونوں بازو پیچھے کو لگا لیا رومائزہ بن پانی مچھلی کی طرح تڑپی تھی۔

کانچ کے ٹکرے عین درمیاں میں گرے تھے ایک ٹکرا میران کا ماتھا زخمی کر چکا تھا باقی نفوس فاصلے پہ تھے جو نقصان سے بچ گئے تھے۔ اپنے زخم کی پرواہ کیے بغیر میران کانچ کے ٹکروں کو جوتوں تلے روندتا ہوا اسکے قریب آنے لگا۔

کسی خاص مقام پہ اس نے دو تین فائر کیے تھے گولیوں کی گونج سے رومائزہ کا وجود کانپ اٹھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا گولیاں جیسے اسکا وجود چھلنی چھلنی کر رہی ہوں وہ آنکھیں میچیں اور کانوں پہ ہاتھ رکھ کہ چیخ اٹھی۔

"شششش... ایسے چلاتے ہیں گولی! خیر یہ بچوں کا کھیل نہیں۔"

میران نے بندوق عزیز کی طرف اچھالتے ہوئے استہزاء سے کہا رومائزہ کو اسکا انداز آگ لگا گیا تھا پر اب وہ ان خاتون کے رحم و کرم پہ کھڑی تھی آنکھیں اب بھی خشک تھیں شاید آنسو بہنے کا راستہ بھول چکے تھے اور دل پہ غبار بڑھتا جا رہا تھا سانس کی رفتار مدھم ہونے لگی۔

میران کا دل واپس بے ہنگم انداز میں دھڑکنے لگا اسے رومائزہ کی دیدہ دلیری بہا گئی تھی پر بدتمیزی پہ سیخ پا ہوا تھا اور اب بکھرتی حالت دیکھ کر وہ نرم پڑنے لگا تھا۔

"چھوٹی سی ہو اتنی خود کو تکلیف مت دو،، حلیمہ بی اسکا خیال رکھیے گا۔ اور تم سنو یہاں سے بھاگنے کی کوشش بھی مت کرنا ورنہ جو باہر گارڈز ہیں وہ نشانہ بلکل جگہ پہ لگائیں گے۔" انگلی اٹھا کے اسے وارن کرتا ہوا وہ پلٹا پر اسکی کہی بات پہ میران کے قدم جم گئے۔

"تم بہت غلط کر رہے ہو میری بد دعا ہے تمھارے کسی اپنے کے ساتھ بھی ایسا ہو تب تمھیں تکلیف کا اندازہ ہو گا۔ اب بھی وقت ہے مجھے جانے دو میرے بابا پریشان ہو رہے ہونگے۔ پلیز مجھے جانے دو۔" وہ یکدم نرم پڑی تھی شاید مقابل کے دل میں رحم آجاتا میران نے لب بھیوس کیے سرد مہر انداز میں پلٹ کر دیکھا۔

اسکے مطابق وہ ظالم ان سنی کر چکا تھا پر اسکی بد دعا سن کے میران کا دل کسی نے شکنجے میں جکڑا تھا۔ کسی نے جیسے زمین پہ لا پٹخا ہو اسکی قریبی اپنی اب صرف وہی تو تھی جسکی محبت میں گرفتار ہوا تھا دو ماہ میں وہ محبت کا سفر طے کر چکا تھا اور وہ جو تکلیف برداشت کر رہا تھا اسکا اندازہ کسی اور کو ہونا بھی کیسے تھا۔

"ظالم ہو تم سفاک مغرور! نفرت کے قابل!" آخر اسکی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے تھے اور وہ اکھڑتی سانسوں کے ساتھ حوش سے بیگانہ حلیمہ بی کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

میران وہاں ٹھہرا نہیں تھا تیزی سے مٹھیاں بھینچے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل آیا کھلے آسمان میں جا نکے کھینچ کھینچ کے سانس لی تھی آسمان پہ نگاہ ڈالی ملگجی بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا ہوا چودیں کا چاند بھی اسے اپنی حالت پہ ہنستا ہوا محسوس ہوا۔

رومائزہ کے لفظوں نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا وہ اس سے نفرت کر رہی تھی اسے وہ اس حالت میں کیا سچ بتاتا جو کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

آج سے پہلے اسے کبھی اتنی بے بسی محسوس نہیں ہوئی تھی اسکے لفظوں نے اسے کوڑی کی مانند کر دیا تھا کہ وہ اسے ان دوسرے مردوں کی طرح سمجھ رہی تھی جو حلال اور حرام کا فرق بھلا دیتے ہیں۔ رومائزہ کے لفظوں نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا کتنی ہمت لے کر وہ اسکے سامنے گیا تھا کہ کمزور نا پڑ جائے پر اسکی نفرت دیکھ کر وہ آج ہی دوسری بار ریزہ ریزہ ہونے لگا تھا پہلا باپ کی سازشیں اور دوسرا رومائزہ کی نفرت!

عزیز میران کے پیچھے باہر تو آیا تھا پر اسکے ساتھ جا نا سکا میران نے اسے وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود گاڑی پہ سوار وہاں سے نکل گیا۔ عزیز کو اسکی فکر تھی کہ کوئی اپنا نقصان نا کر بیٹھے ویسے ہی میران کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

حلیمہ بی نے ان دو لڑکیوں کی مدد سے رومائزہ کو ایک کمرے میں منتقل کر دیا تھا اور باہر سے دروازہ لاک کر کے وہ تینوں سیڑھوں سے نیچے اتر آئیں۔

"تم دونوں صبح چلی جانا یہ لڑکی سائیں کی مہمان ہے میں خود سنبھال لونگی!" حلیمہ خاتون انکو نیچے ہی کسی دوسرے کمرے میں آرام کی غرض سے لے گئی تھیں۔

"حلیمہ بی بہت محتاط رہیے گا بہت فتنہ قسم کی لڑکی ہے یہ... پیچھے سے آرڈر ہے اسے تکلیف نا پہنچائی جائے اور اسکی حرکتیں ایسی ہوتی کہ قابو کرنا مشکل ہو جاتا۔ اسکو تھوڑے بہت مارشل آرٹس کے داؤ پیچ بھی آتے ہیں۔ آپ سنبھل کے رہیے گا۔" وہ لڑکی بستر پہ بیٹھ کے جوتے اتارتے ہوئے انھیں الرٹ رہنے کا کہہ رہی تھی حلیمہ بی کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی۔

"وہ تماشہ میں نے اپنی آنکھوں سے ہی دیکھ لیا ہے چلو تم دونوں بھی آرام کرو۔" وہ سرعت سے کہتی پلٹ گئیں۔

"ویسے مجھے میران جاہ سے یہ امید نہیں تھی وہ ایک لڑکی کو اغوا..."اس لڑکی کی بات ادھوری رہ گئی جب حلیمہ بی نے بولا۔

"چھوٹے جاہ نے یہ سب کسی مجبوری میں کیا ہے میں انھیں اچھے سے جانتی ہوں وہ کسی کے ساتھ غلط نہیں کرسکتے اور اس لڑکی کی طرف انکی نرمی دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے معاملہ کچھ اور ہی ہے۔"وہ درستگی سے کہتیں کمرے سے باہر نکل آئیں اور اپنے کمرے کی جانب رخ کرلیا۔

رات کا نا جانے کونسا پہر تھا میران بے مقصد گاڑی سڑکوں پہ دوڑا رہا تھا یا خود کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوششیں روما کی نفرت دیکھ کر جو بدن میں شرارے پھوٹ رہے تھے انکو ٹھنڈا کرنا لازم تھا۔کچھ دیر بعد اپنی مطلوبہ جگہ پہ اس نے گاڑی روک دی تھی۔

گاڑی سے جب وہ اترا تو وہ کہیں سے وہ میران جاہ معلوم نہیں ہو رہا تھا یہ تو بھلا کوئی اور شخص تھا جسے اپنوں سے چوٹ پہنچ رہی تھی۔

میران چلتے ہوئے ایک مقبرے تک پہنچا۔وہ کسی کی قبر معلوم ہو رہی تھی جو سنگِ مرمر کے پتھروں سے پکی کی ہوئی تھی۔

تختی پہ شہوار نظیر جاہ نام ذیل تھا۔ میران کئی پل دونوں ہاتھ تھامے سر جھکائے قبر کے سامنے کھڑا رہا اس نے فاتحہ پڑھی کچھ دیر سوچتا رہا پھر گھٹنا موڑ کے وہیں بیٹھ گیا۔

یہ کسی خاص مقام پہ جاہ خاندان کے مرحومین کے مقبرے بنے تھے۔

"آپ کہتے تھے جب تک آپ ہیں مجھے کوئی مشکل چھو بھی نہیں سکے گی بلکل ایسا ہی تھا آپکے جانے کے بعد بھی ایسا ہی تھا کیونکہ یہ زمہ داری آپکی جگہ زولفقار صاحب نے جو لے لی تھی...پر اب وہ سب بھول بیٹھے ہیں انھیں اپنے علاوہ کچھ دکھ نہیں رہا۔" میران نے سانس فضا میں خارج کی دوسرا ہاتھ قبر کے پتھروں کے درمیان مٹی پہ رکھا مٹی کی ٹھنڈک اسکے بدن میں اتر رہی تھی۔

"دادا جان آج ٹوٹ رہا ہوں خود کو سنبھال ہی نہیں پا رہا میں اتنا کمزور تو نہیں تھا پر آج بہت بے بسی محسوس ہو رہی ہے دل کے رونے کی آواز میں سن سکتا ہوں۔ آپکو معلوم ہے آپکے بیٹے نے آپکے پوتے کو محض ایک مہرہ سمجھ کے استعمال کیا اور مجھے آزمایا۔" وہ تلخی سے کہتے ہنسا۔ جب جب وہ پریشان ہوتا تو لازمی اپنے دادا کی قبر پہ آتا تھا۔

"آزمانا ہی تھا تو کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈ لیتے پر شاید وہ ناکام ہو جاتے میں انکا خون بے شک ہوں ہر ان جیسا ہرگز نہیں!

آپ کہتے تھے انسان جب اپنوں سے ہی ڈسا ہو تو تکلیف اور زیادہ ہوتی ہے مجھے آج یہ بات محسوس ہو رہی ہے... میں بہت گہنگار انسان ہوں پر اس راستے پہ کبھی نہیں چلنا چاہوں گا جدھر زولفقار جاہ کے قدم ہیں۔ دادا میں مٹی ہوں میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ بیٹھا آنسوؤں پہ جبر کیے سب بتا رہا تھا پیچھے کسی بزرگ نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ کسی کی آہٹ کو محسوس کرتے ہوئے میران نے گردن موڑ کے انھیں دیکھا جو مسکرا رہے تھے میران سیدھا ہوا وہ بزرگ اپنی لاٹھی زمین پہ رکھتے ہوئے اسکے عین سامنے بیٹھ گئے۔

"پتر صبر کر حوصلہ کر۔" وہ محبت سے بولے میران نے ٹوٹے دل سے انھیں دیکھا تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پہ برقرار تھی۔

"مشکل ہے جب اپنے ہی زخم پہ مرحم رکھنے کی بجائے اسے مزید چوٹ دیں تو بتائیں انسان کیسے صبر کر سکتا ہے؟ اور میرا تو مان ٹوٹا ہے آج!"

میران مقبرے کے ساتھ لگے جال سے کمر ٹکا کے ایک گھٹنہ زمین اور دوسرے کھڑے گھٹنے پہ بازو ٹکائے بیٹھا اسے آج شہوار نظیر کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کوئی چاہیے تھا جو حالِ دل سنے۔

"جس باپ پہ اندھوں کی طرح بھروسہ کرتا آیا اپنا مخلص سمجھا آج وہی مجھ سے غلط کروانا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے میں نے انجانے میں ہی اسکو تکلیف پہنچا دی جو میرے دل میں بستی ہے اور اب مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے۔"

اسکا سر آسمان کی جانب تھا بزرگ اسکی یہ بات سن کے مسکرا دیے انکے چہرے پہ الگ ہی قسم کا نور تھا۔

"تو یہ بات ہے تھوڑا مزید ہی بتا دو شاید تمھاری تکلیف میں کمی کا میں ذریعہ بن جاؤں۔"

انھوں نے میران کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا میران نے انھیں ٹھنڈے ٹھار انداز میں دیکھا اور پھر سارا واقعہ سنا ڈالا۔

"میں بابا کی باتوں میں ہرگز نہیں آیا تھا میں بس اس لڑکی کا برا نہیں چاہتا تھا پھر بھی سب بگڑ گیا کاش مجھے معلوم ہوتا رومائزہ ہی شنواری کی بیٹی ہے۔"

"تو نے ایک طرح تو اچھا ہی سوچا اور تیرے باپ نے بہت غلط کیا پر پتر ایک جگہ تیری غلطی بھی ہے بلکہ تو گناہ کر رہا تھا۔" میران نے نظر اٹھا کر انھیں ناسمجھی سے دیکھا۔

"کونسا گناہ؟" وہ سمجھا نہیں تھا۔

"غرور.. کیا تو نے اپنی طاقت پہ غرور نہیں کیا؟ تو نے یہی سوچا تھا کہ شنواری کو اسکی دھوکہ بازی پہ سزا دو گے۔ کیا تو بھول بیٹھا تھا انصاف کے لیے اللہ بیٹھا ہے؟ تیرا طریقہ غلط تھا!

تو لڑکی کے ساتھ برا نہیں چاہتا تھا پر اسکے باپ پہ رحم بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے غرور کے آڑوں تو نے اگلے کی مجبوری نہیں سمجھی میں یہ نہیں کہہ رہا وہ شخص ٹھیک تھا وہ بھی اپنی جگہ غلط ہے پر تجھے یہ تیرے غرور کی سزا ملی

ہے۔رب سوہنڑ انوں غرور بلکل نی پسند! شیطان نے بھی غرور کیا تھا اور پھر آج وہ جو ہے ہم سب کے سامنے ہے!

اور تو نے نا جانے اسکے علاوہ اور کب کہاں کہاں اپنی طاقت اپنی ذات پر تکبر کیا ہو یہ سب تو اللہ کی دین ہے وہ چاہے تو کب چھین لے۔اس سب میں ہمارا کیا کمال جو انسان اکڑتا پھرتا کہ اسکے پاس سب موجود ہے۔"

پل بھر میران کے رونگھٹے کھڑے ہو چکے تھے ماتھا پسینے سے بھیگنے حقیقت سمجھ کے اسے دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا بزرگ کی بات سیدھا اسکے دل میں اتری تھی اور زہن کے تالے کھلے تھے میران نے کرتے کے بٹن کھولے اور زہن پہ زور ڈالا بڑے بول فلم کی طرح چل پڑے تھے۔

"ہم انسان زرا سی دولت یا طاقت آنے کے بعد غرور کا پتلا بن جاتے ہیں اور یہ بات اللہ کو سخت ناپسند ہے۔"

اسے اپنے تمام تر جملے یاد آرہے تھے جو کبھی تکبر میں آکے اس نے کہے تھے۔

میران جاہ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا...زہن میں یک دم جھماکا ہوا۔

ہم اپنی عدالت خود لگاتے ہیں....زہن سائیں سائیں کرنے لگا اسکے اشک بہنے لگے وہ بزرگ اسے خاموشی سے دیکھتے رہے وہ جانتے تھے وہ کافی تکلیف سے گزر رہا ہے۔

میران پہ آج ایک نیا باب کھلا تھا وہ سوچ میں غرق رہا دل اندر کہیں بے چینی سے مچلنے کو تھا۔ وہ کافی دیر سے ہی اسی سوچ میں تھا یہ سب کیوں ہوا اور جواب اسے اب مل گیا تھا۔

کسی معصوم کے لیے وہ برائی ہر گز نہیں رکھتا تھا پھر بھی اس دلدل میں پھنس گیا۔

"اللہ مجھے معاف کر دے میں غلطی پہ تھا اگر آج ٹھوکر نا لگتی تو نا جانے مزید کتنی غلطیاں کر کے تجھے مزید ناراض کر دیتا۔" یک دم اسکے لب بول پڑے سانسوں کی رفتار میں تیزی در آئی تھی۔ وہ بزرگ مسکرا دیے۔

"اب تجھے اس واقع کی مصلحت سمجھ آ گئی ہو گی۔ اللہ نے ایک اور زولفقار جاہ بننے سے تجھے روکا ہے کیا معلوم کچھ سالوں میں تو باپ کے نقشِ قدم چل پڑتا آخر خون تو انکا ہی ہے۔"

"پر مجھ میں میرے دادا کا خون بھی دوڑتا ہے۔" اس نے جیسے تصیح کی اسے انکی آدھی بات زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔

"اب جو ہو گیا اس سے تجھے باہر کیسے آنا وہ سوچ! یہ تو طے تھا اللہ نے ایسے ہی تجھے رسی ڈالنی تھی اللہ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔ تو ہمیشہ سیدھے راستے پہ چلنا اللہ ہمیشہ تیرے ساتھ رہے گا وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے پر کبھی ہم کو آزماتا ہے کچھ لے کر تو کبھی کچھ دے کر!"

انکے خاموش ہونے پہ ماحول میں خاموشی بڑھ گئی تھی۔ قریب ہی مسجد سے فجر کی اذان شروع ہو گئی تھی آفتاب کی آمد ہو رہی تھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے روح تک کو سرشار کر رہے تھے۔

"بعض اوقات اللہ ہمیں دنیا کی ہر شئے ہر رشتے کا مزا چکھا کے پوچھتا ہے بتا تیرا امیر اسوا ہے کون؟ رشتے بڑے خوبصورت ہوتے بس یہ ہم انسانوں نے انکی خوبصورتی خراب کر دی ہے۔" میران انکا چہرہ تکتا رہا وہ بزرگ لاٹھی اٹھا کر کھڑے ہونے لگے۔

"بہت شکریہ آپکا اللہ آپکو جزا دے۔ میرے دل کا بوجھ کئی حد تک کم ہو چکا ہے۔" میران ان بزرگ کے ساتھ ہی جگہ سے کھڑا ہو گیا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور غلطی کا احساس ہو جانا بھی نعمت ہے وہ اپنے کیے پہ شرمسار تھا۔

"اللہ اپنے بندے کو ایسے ہی اپنے قریب کرتا ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"اور غصہ تھوڑا کم کیا کر۔" میران کو دیکھتے ہوئے انھوں نے کہا میران کے چہرے پہ عجیب سا تبسم پھیلا ماتھے پہ سلوٹیں آئیں۔

"مجھے آج غصہ کرنے پہ مجبور کر دیا تھا ورنہ میں اتنا ظالم نہیں ہوں جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھے تو تیری باتوں سے اندازہ ہوا اس لڑکی پہ بھی کتنا غصہ کیا تو نے۔"

"ضرورت تھی ورنہ قابو کیسے کرتا بات کرونگا اس سے اسکی نفرت کو مزید پلنے نہیں دونگا۔" اسکا انداز ہمیشہ کی طرح چیلنجنگ تھا۔

"لڑکی ہے اسکا اتنا حق بھی نہیں کے اپنے حق کے لیے لڑے۔"

میران انکی بات سے متفق تھا۔

"پر وہ مجھے اپنے دشمنوں میں سے ایک سمجھ رہی ہے اور میں اسکے خیر خواہوں میں سر فہرست ہوں۔" وہ گویا مسکرایا دل کا غبار کم ہو گیا تھا۔

"چل نماز کا وقت ہو گیا رب کے سامنے سجدہ ریز ہو کے معافی مانگ لینا۔ وہ بڑا مہربان ہے معاف کرنے والا۔" میران نے بزرگ کے پیچھے قدم لیے وہ ایک فرشتے کی صورت پہ اسے مل گئے تھے۔ وہ نمازوں کا پابند نہیں تھا اور وجہ اسکے پاس یہی ہوتی کے وقت نہیں ملتا یا کبھی نماز کے ذریعے رب سے بات کرنے کی چاہ ہی نا ہوئی۔

پر اس وقت اسکا روم روم رب سے گفتگو کا خواہشمند تھا جیسے اس سے بات کرتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا اسکا دل کا غبار کم ہو جائے گا۔

اور بلکل ایسا ہی ہوا تھا۔

وہ دونوں کلاس میں بیٹھی رومائزہ کا انتظار کر رہی تھیں پھر کلاس شروع ہو گئی پر انکا دھیان اسی کی جانب لگا تھا۔ کلاس ختم ہونے کے بعد دونوں سامان سمیٹ کے کینٹین چلی آئیں۔

"روما آئی نہیں کل بھی پارک میں نہیں آئی بچے بھی اسکا انتظار کرتے کرتے چلے گئے اور فون بھی بند جا رہا اسکا۔" انوش متفکر سی بینچ پہ کہنی ٹکاتی ہوئی بولی عائشے تب تک کینٹین سے کولڈرنک اور برگر لے آئی تھی۔

"انکل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو گی شاید انھی میں مصروف ہو۔ خیر یہ اسکے ماسک یہ میرے پاس ہی رہ گئے تھے۔"

عائشے نے برگر دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر دانتوں سے توڑتے ہوئے کہا آج جامعہ بڑی سونی سونی سی لگ رہی تھی سب خاموشی سے اپنے کاموں میں لگے تھے۔

انوش نے ماسک اپنے بیگ میں ڈال لیے تھے۔ کچھ عرصے سے رومائزہ کو ڈسٹ الرجی ہو چکی تھی وہ عموماً باہر نکلتے وقت ماسک لگانے کی اب عادی ہو چکی تھی۔

"خیر یہ بتاؤ تمھاری شادی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں؟ کب بیٹھو گی مایوں؟" انوش کولڈرنک سڑک سڑک کرتے بولی۔

"تمیز سے پیو یار عجیب ندیدی ہو تم۔ تیاریاں تو الحمدللہ ہو گئیں اور نکاح سے پہلے ہی مایوں بیٹھو نگی یو نو سب سادگی سے ہو گا۔ یونی سے لیو و بھی لینی ہے میں نے۔" ارد گرد دیکھتے عائشے نے کہا۔

"ارغن بھائی سے بات ہوئی؟"

"نہیں ہوئی اور اتنا ہی کوئی ان سے گپے مارنے کا شوق ہے تو تم کر لو بات۔" عائشے نے جل کے آدھا برگر واپس ٹرے میں رکھ دیا انوش رسمی انداز میں بھو نچکائی۔

"اوبی بی بولنے سے پہلے سوچ تو لیا کرو۔ ویسے میں نے کل رات ایک ناول پڑھا۔" وہ سر سری انداز میں اسے بتانے لگی عائشے نے تیئں چڑھائے اسکو دیکھا۔

"اور یہ کتب گردانی کب سے شروع کر دی؟"

"بس پچھلے ہفتے سے۔" وہ استہزاء سے کہتی کرسی سے کمر ٹکا کے بیٹھ گئی۔

"ویسے بڑا افسوس ہوا لڑکی اغوا ہو گئی۔" افسوس کن تاثر دیتے اس نے کہا تو عائشے اسے گھورے بنا رہ نا سکی۔

"اب یہ کیا سیاپا ہے؟"

"ہیرو کی محبت یار...بڑی محبت کرتا تھا تو اسے اغوا کر لیتا ہے کوئی شاید ڈان وان تھا وہ۔ہائے کتنی محبت تھی نا اسے..ایک مجھ سے کوئی کرتا ہی نہیں تم دونوں بھی مجھے پر ہر وقت چڑھ دوڑنے پہ تلی ہوتیں۔"وہ انتہائی غم زدہ لہجہ اپنا چکی تھی عائشے بلوچ کو کہاں کہانیاں پسند تھیں وہ دوبدو بولی۔

"ہائے کیا اس میں ؟اور کیسا ہیرو ہے حرکتیں تو ولن والی ہیں !تمھیں کوئی دن دھاڑے اٹھا کے لے جائے اور پھر محبت کا دعوا کرے تو تم مان لو گی ؟یا وہیں فورا نکاح کے پیپرز پہ خوشی خوشی دستخط کر دو گی ؟اس لڑکی پہ کیا بیت رہی ہو گی اسکا تمھیں کیا پتا!اور کیسی محبت جس میں عزت ہی نہیں"

"میں تو بھر بھر کے گالیاں دو نگی وہ بھی موٹی موٹی والی اور بس چلا تو موقع ملتے ہی اسے مار دو نگی یونو نیکی کے کام میں دیری نہیں کرتے۔پر ایک منٹ تم سیریس کیوں ہو رہی ہو؟"انوش بر گر منہ میں بھر چکی تھی پھر بھی زبردستی بولنے کی کوشش کی۔

"اب تم یہ مت کہنا میں تو مذاق کر رہی تھی میں نے الٹا ہاتھ کا رکھ کے دینا ہے۔"

"اللہ اللہ بلوچن تم تو شادی سے پہلے بڑی کوئی ظالم ہو گئیں شادی کے بعد اپنے میاں کو بھی ایسے ہی بولو گی ؟"انوش کانوں کو چھوتی اسے نظر انداز کرتے بولی عائشے کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔

"پھر شادی ؟یہ ہر بات میں تم گھما کے شادی کیوں لے آتی ہو؟"وہ برہم انداز میں ٹیبل پہ جھکی دانت کچکچا رہی تھی اور انوش ڈھیٹوں کی طرح مسکراہٹ پیش کر رہی تھی۔

"کیوں ایک مہینے کے اندر تم ساجن جی کو پیاری ہو جاؤ گی۔" وہ مزید تپاتے ہوئے کھانے پہ توجہ دینے لگی دراصل وہ اسکے چڑنے سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"میں جا رہی تم بیٹھو اپنے ساجن میرا مطلب برگر کے ساتھ اور ٹھونس ٹھونس کے موٹی بھینس ہو جاؤ۔ ویسے اب بھی کچھ کم نہیں ہو۔"

اگلے پچھلے سارے حساب برابر کرتی ہوئی عائشے نے بیگ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی انوش نے بات کا بلکل برا نہیں منایا الٹا بھنویں مٹکا کے عائشے کو مزید تپانے میں کمی نا چھوڑی۔

تقریباً نو بجے کے قریب میران نے جاہ بنگلے میں قدم رکھا تھا وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ پہلے تو شاور لیا کل کی تھکن میں کچھ کمی آئی۔ بلو ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر ملبوس کیے واش روم سے باہر نکلا ماتھے پہ اب بھی چوٹ کا نشان تھا بال بھیگے تھے وہ عین ڈریسنگ کے سامنے آ گیا برش بالوں میں چلایا ننھی بوندھے اسکی روشن پیشانی پہ گرنے لگیں۔ کمرے میں سکوت کا عالم اسے سکون بخش رہا تھا گلاس وال سے پار ہوتی دھوپ ہی کمرہ روشن کیے ہوئے تھی۔

تبھی دروازے پہ دستک ہوئی اس نے اجازت دی تو شمس اندر چلا آیا میران نے اسکو دیکھنا تک گوارا نہیں کیا تھا بیڈ پہ پڑا موبائل اٹھایا پشت شمس کی جانب ہی رکھی۔

"بڑے سرکار نے یہ فائل آپکو دینے کا کہا تھا اس میں کچھ ضروری دستاویزات ہیں آپ دیکھ لیے گا اور آج فلاں انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر سے میٹنگ ہے آپکی۔" شمس مضبوط لہجے میں سب ایک ہی سانس میں بولا میران پلٹا نہیں تھا۔

"ٹائم؟"

"گیارہ بجے... آپ..."

"ٹھیک ہے جاؤ تم اب۔" اتنا بھی اس نے کہہ دیا تھا ورنہ اتنا غصہ تھا اس شمس پہ کہ آج سارا اتر جانا تھا۔

"آپ ناراض ہیں کیا مجھ سے؟" شمس نے تھوڑی ہمت کیے پوچھا میران اب پلٹا اور دائیں بھنوا چکائی۔

"غصہ ہوں بہت اور چلے جاؤ کہیں سارا تم پہ ہی نا نکل جائے۔" وہ سختی سے کہتا فائل لے چکا تھا۔

"سائیں آپ اس لڑکی وجہ سے یہ سب کر رہے پہلے آپ بھی یہی چاہتے تھے۔"

"خبر دار اس لڑکی کا ذکر تم نے اپنے منہ سے کیا۔ اور تم نے بابا کے کہنے پہ اسے تکلیف پہنچانے کا سوچا تو شمس یاد رکھنا میں انھی کا بیٹا ہوں اور اس بار سارے لحاظ کی پرواہ کیے بغیر اسکی حفاظت کرونگا! اور تم اس سب میں گھاٹے کے سوداگر ثابت ہوگے!"

وہ کھلے لفظوں میں اسے وارن کر چکا تھا شمس کے پاس لفظ ہی نا بچے وہ الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

میران نے مٹھی بھینچ کے خود کو نارمل کیا اور فائل کھول کے پڑھی پھر ناشتے کی غرض سے نیچے چلا آیا۔

"آیئے چھوٹے سائیں بیٹھیں میں ناشتہ لگاتا ہوں۔" ڈائیننگ ایریا میں میران کو دیکھے فرید سٹپٹاتے ہوئے بولا

میران نے سرسری سا اسے دیکھا جو دوسرے ملازم کے ساتھ باتوں میں مگن تھا۔ بمطابق میران اس بنگلے کے ملازموں کو باتیں کرنے کا بڑا ہی کوئی شوق تھا۔

میران ٹیبل کی طرف آیا اور کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا فوراً ہی فرید نے ٹیبل لوازمات سے بھر دی تھی۔

میران خاموشی سے ناشتہ کر کے باہر باغ میں آگیا تھا فرید کچن میں تھا ملازم نے ٹیبل سے سامان واپس کچن میں لا رکھا۔

"سائیں کافی غصے میں ہیں۔" ملازم دروازے کی جانب جھانکتی نظروں سے بولا۔

"مجھے کیا مجھے آج انہوں نے کچھ نہیں کہا اس سے بڑھ کے خوشی کی بات کوئی اور ہے ہی نہیں... "فرید دوپہر کے کھانے کی تیاری کر کر رہا تھا۔

"تم تو اپنا ڈھول پیٹو بس۔ "ملازم تنگ آکر بولا۔

"ویسے فرید میاں کل تو میران بابا کے تیور ہی الگ تھے تم نے دیکھا تھا بڑے سائیں سے کس طرح بات کر رہے تھے۔ وہ تو ایک ہی دن میں بدل گئے۔ "ملازم نے سنک میں برتن رکھتے ہوئے کہا فرید نے اسے جھڑکا۔

"تم کام پہ توجہ دو سائیں نے سب سن لیا تو فارغ کر دیں گے پھر تم اپنی بیگم کو سناتے رہنا سائیں کے غضب کے قصے۔ "ملازم منہ بنا کر برتن دھونے لگا اور فرید نے سبزیاں کاٹنی شروع کر دیں۔

میران باغیچے میں پودوں کو خود پانی ڈال رہا تھا موسم میں خنکی بڑھنے لگی تھی گویا سردیاں قریب ہی تھیں۔

"عزیز تم آگئے.. سب وہاں ٹھیک ہے؟ "میران نے پانی کا پائپ رکھا تھا اور راہداری کی طرف آیا تو عزیز گاڑی سے اترا تھا۔

"جی سب ٹھیک ہے آپ ٹھیک ہیں نا مجھے فکر ہو رہی تھی۔ "عزیز شکوہ کناں تھا میران دھیمے سے ہنسا۔

"مجھے کیا ہونا میں ٹھیک ہوں۔ رومائزہ وہ کیسی ہے؟ مزید کوئی تماشہ کھڑا تو نہیں کیا اس نے؟ "عزیز میران کے ساتھ ہی چلنے لگا اسکے انداز میں ہی رومائزہ کے لیے فکر جھلک رہی تھی۔

"میڈم رات بے ہوش ہو گئی تھیں ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ حلیمہ بی نے کہا ہے وہ انھیں سنبھال لیں گی آپ پریشان مت ہوں۔" وہ اسے تسلی دیتا بولا میڈم لفظ سن کر میران کے چہرے پہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی پر وہ عزیز سے چھپی رہی بظاہر وہ عام تاثر ہی دیتا رہا۔ میران کی وجہ سے عزیز اب لڑکی کہنے سے لے کر میڈم مخاطب کرنے تک کو آ گیا تھا۔

"تم آرام کر لو کل کا دن کافی بھاری تھا تھک گئے ہو گے۔" میران اسکا کندھا تھپتھپاتے سیڑھیاں عبور کرتا اندر چلا گیا عزیز کی نظریں اسکی پشت پہ جمی رہیں۔ یہ وہی میران جاہ تھا جو پر سکون انداز میں سب حل کرتا تھا اور کہیں سے بھی وہ پریشان تڑپ کا شکار محسوس نہیں ہوا عزیز کو تسلی ہوئی تو سرونٹ کوارٹر میں آ گیا۔

نیم روشنی کمرے میں پھیلی تھی۔ رومائزہ کا ذہن بیدار ہونے لگا پر آنکھوں تلے بوجھ کی وجہ سے آنکھیں بند ہی تھیں۔ جسم میں ہلکی سے جنبش ہوئی تو اپنا وجود کسی ملائم بستر پہ محسوس ہوا۔ آہستہ آہستہ ہمت کر کے اس نے آنکھیں کھولیں وہ ہوش سے بیگانہ لڑکی اب مکمل طور پہ جاگ رہی تھی۔ دکھتے سر کے ساتھ ہتھیلیوں کے بل اٹھ بیٹھی۔

جسم نقاہت آلود تھا لب کھولنے کے لیے بھی اسے جان چاہیے تھی۔ چند منٹ اسے سب یاد آنے میں لگے تھے وہ جھٹکے سے اٹھی اور دروازے کی جانب لپکی۔

"دروازہ کھولو مجھے باہر نکالو۔" زور زور سے دروازہ پیٹتی چلا رہی تھی پلٹ کے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔

یہ کمرہ اسکے اپنے گھر کے کمرے سے بھی بہتر اور فرنشڈ معلوم ہو رہا تھا۔وہ دوڑ کے صوفوں کے ساتھ بنی کھڑکیوں کی طرف لپکی پر وہ بھی باہر سے بند ملیں۔برابر میں ہی بالکونی کا دروازہ تھا اسکا لاک گھمایا وہ بھی بند ہی ملا۔

پلکوں کی باڑ بھیگنے لگی وہ واپس دروازے کی طرف آئی اور اسے مسلسل پیٹتی رہی۔

"پلیز مجھے باہر نکالو میرے بابا پریشان ہو رہے ہونگے۔میران جاہ پلیز۔"شاید وہاں کوئی تھا ہی نہیں جو اسکی آواز کسی تک پہنچتی بند کمرے میں رومائزہ کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"میران مروگے تم بھی اللہ تم پہ رحم نہیں کرے گا۔"روتی ہوئی وہ دروازے سے لگی فرش پہ ڈھتی گئی ساری خود اعتمادی اس وقت جھاگ ہو چکی تھی اسکا دل پھٹنے کو تھا آگے کا سوچ سوچ کر ہی آنسو تیزی سے گالوں سے پھسل کے تھوڑی کا سفر کرنے لگے تھے۔

صرف کھڑکی کی جھری سے ہلکی روشنی کمرے میں آرہی تھی ورنہ پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا وہ ایک بار پھر چلائی پر بے سود کوئی نہیں آیا۔

دروازے سے سر ٹکائے احتشام صاحب کو یاد کرتی رہی وہ تو ہر چیز سے انجان تھی کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے۔

بھوک کے مارے جسم نڈھال ہو رہا تھا انتہا کی بے بسی تھی۔دماغ بھی کام کرنے سے انکاری تھا جو کچھ سوچتی۔

تبھی دروازے کی دوسری جانب سے لاک میں چابی گھمانے کی آواز پہ وہ دروازے سے کھسک کر تھوڑے فاصلے پہ ہوئی دل میں خوف الگ جاگ رہا تھا۔ دروازہ اپنی جانب کھلتا دیکھا وہی خاتون جو اسکو نیچے پکڑے ہوئے تھیں کمرے میں داخل ہوئیں اور دروازہ لاک کر دیا۔

انھوں نے بیڈ کے سرہانے ٹیبل پہ کھانے کی ٹرے رکھی اور اسکے پاس آنے سے پہلے دروازے کے قریب لگے سوئچ بورڈ سے لائٹس آن کیں۔

"کیا حال بنالیا ہے.. کھانا کھالو ورنہ اور طبیعت بگڑ جائے گی۔" حلیمہ بی نے اسے بازو سے اٹھاتے ہوئے کہا رومائزہ نے بھو کی شیرنی کی طرح اب انھیں دیکھا تھا آنسوؤں خشک ہو گئے تھے پر انکے نشان گالوں پہ موجود تھے۔ بازو چھڑاتی وہ ان سے دور ہوئی۔

"کیوں رکھا ہے مجھے یہاں بتائیں۔ مجھے کمزور مت سمجھیں جو ڈر جاؤنگی۔ نکالیں مجھے یہاں سے۔" رومائزہ چکراتے سر کو تھامے مضبوط لہجے میں بولی حلیمہ بی گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تم ہمارے سائیں کی مہمان ہو اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تمھارا خیال رکھا جائے اب یہ بحث چھوڑو اور کھانا کھا لو۔ اور کیوں رکھا ہے اسکا جواب چھوٹے سائیں ہی دیں گے وہ کوئی بھی کام بلاوجہ نہیں نہیں کرتے۔" وہ خاتون تحمل سے کہتی اسکی طرف ایک بار پھر بڑھیں تھیں وہ سناٹے کے عالم میں کھنچتی ہوئی انکے ساتھ مسہری تک آ گئی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کھانا۔" بڑی دیر میں اسکی آواز سن کر حلیمہ بی پھر بولیں۔

"کھاؤ گی نہیں تو لڑنے کی طاقت کہاں سے آئے گی؟ ایسے تو کمزور پڑ جاؤ گی۔"

اسکو سمجھاتے ہوئے انھوں نے ٹرے لا کر اسکے سامنے رکھ دی۔

"میں نے کہانا نہیں کھانا مجھے کچھ مجھے ابھی واپس چھڑوائیں۔ کیسی عورت ہیں جو دوسری عورت کی تکلیف نہیں سمجھ رہیں۔ تھوڑی سی انسانیت کی خاطر ہی مجھ پہ رحم کرلیں۔" اسکی آواز اونچی ہوئی حلیمہ بی سر پیٹتے رہ گئیں اس لڑکی اور میران کے حکم کے درمیان بری طرح پھنس چکی تھیں۔

"آپ کا وہ ظالم سائیں مجھ پہ ظلم کر رہا ہے میں اسے چھوڑونگی نہیں مجھے یہاں قید کرنے کی بھاری قیمت چکائے گا۔ دیکھیے گا جب یہاں سے نکلونگی میڈیا کو جاکے بتاؤنگی کہ یہ لیڈر نہیں گیدڑ ہے بلکہ کیڈنیپر ہے!!" غصے میں وہ ناجانے کیا کیا الٹا سیدھا بولتی حلیمہ بی کو ہنسنے پہ مجبور کر چکی تھی۔

"باتیں اچھی کرتی ہو خیر کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے کھانے سے کیا ناراضگی!"

انکو اس لڑکی کے حال پہ ترس آرہا تھا پر وہ خود بھی مجبور تھیں پر میران پہ اتنا بھروسہ تھا کہ انھیں اندازہ تھا اسکو یہاں رکھنے کے پیچھے کوئی سبب ضرور ہوگا۔

رومائزہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر چپ چاپ ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھا لیے۔روٹی کے نوالے مشکل حلق سے اتر رہے تھے اسے پھر رونا آنے لگا تھا پر آنسوؤں پہ جبر کرتی رہی۔ تھوڑا سا کھا کر ہی وہ پیچھے ہو گئی تھی حلیمہ بی مسکرائیں اور ٹرے اٹھا کر باہر جانے کے لیے دروازے تک پہنچی تھیں رومائزہ انکے پیچھے ہی لپکی۔

"مجھے بھی باہر آنا ہے۔"پر اعتمادی سے اس نے کہا حلیمہ بی نے ایک نگاہ سے اسکا اوپر تا نیچے جائزہ لیا۔شکن آلود کپڑے ٹخنوں کو چھوتی جینز بکھرے بال غلافی گالوں پہ آنسوؤں کے خشک نشان سرخ ہونٹ۔

اسکی ملگجی حالت میں بھی خوبصورتی دیکھ کر حلیمہ بی بہت کچھ سوچنے پہ مجبور ہو چکی تھیں۔

"جب تک چھوٹے سائیں نہیں آتے تم یہیں رہو۔زیادہ دماغ مت چلانا یہاں سیکورٹی بہت سخت ہے!اور میں نے میڈیسن رکھی ہے ٹیبل پہ کھا لینا اور ادھر واش روم ہے جا کے اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔" سختی سے کہتیں وہ اچانک ہی کمرے سے نکلیں تھیں اور دروازہ باہر سے لاک کرتی سیڑھیوں سے نیچے اتر گئیں۔

"چھوٹے سائیں چھوٹے سائیں۔کہاں مر گیا ہے یہ آدمی۔"مٹھیاں بھینچے بڑبڑاتی ہوئی واپس مسہری سے ٹک گئی۔کل سے سائیں لفظ ہزار بارسن کے کان پک گئے تھے۔اب تو سارے اسے پاگل لگ رہے تھے جو سائیں لفظ ہر وقت دہراتے تھکتے نہیں تھے وہ کہاں ان چیزوں کی عادی تھی۔

سائیں لفظ سے ذہن ہٹا تو واپسی اپنے بسی پہ رونا آنے لگا۔بند کمرے میں قید اسے اپنے پنجرے میں قید کی ہوئی چڑیا یاد آنے لگیں ایک وہ جو اب تک پنجرے میں ہو گی اور دوسری جو بھاگ گئی۔بھاگ جانے والی چڑیا کا سوچ

کے مسکراہٹ چہرے کو چھوتی گزری۔اسے بھی آزادی پیاری تھی اور رومائزہ کو بھی۔وہ پرندہ تھی بول نہیں سکتی تھی تو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا وہ تو بول بھی سکتی تھی تو کوئی سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔

کیا پرندے بھی بد دعا دیتے ہیں؟ میں نے قید ہی تو کیا تھا۔تو پھر بد دعا باقی سب کو کیوں نہیں لگتی مجھے ہی کیوں لگی؟

ڈھیروں سوال تھے اور جواب لاپتہ۔

"آج رومایونیورسٹی نہیں آئی اور نمبر بھی بند جا رہا تھا تو ہمیں فکر ہونے لگی۔کہاں ہے رومائزہ؟" وہ دونوں شنواری ہاؤس کے لاؤنج میں بیٹھی احتشام صاحب سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"رومائزہ اپنی خالہ کے ہاں گئی ہے کچھ دنوں میں آجائے گی آپ لوگ پریشان مت ہو۔" احتشام صاحب کا پر اعتماد لہجہ تھا پر ان دونوں کو حیرانی ہوئی تھی۔

"انکل تو وہ یونیورسٹی تو آسکتی ہے نا۔"

"اسکی خالہ کا گھر کشمیر میں ہے۔وہ بیمار ہیں اسی لیے رومائزہ کو بلایا ہے۔اکلوتی بھانجی ہے اور اس سے محبت بھی وہ بہت کرتیں ہیں۔" وہ گھٹنوں پہ کہنی جمائے ہتھیلی رگڑ رہے تھے۔انوش اور عائشے کو مزید حیرت ہوئی منہ

کھولے ایک دوسرے کو دیکھا اور انوش مشکوک انداز میں احتشام صاحب کو دیکھنے لگی تو عائشے نے اسے کہنی ماری۔

"اس نے بتایا نہیں ویسے تو سب بتاتی ہے اور موبائل ؟"

"اسکا موبائل پانی میں گر گیا اب کل کی ہی فلائٹ تھی اسی لیے بتانا بھول گئی ہو گی۔ خالہ کی طبیعت کافی خراب ہے اس لیے وہ فوراً چلی گئی۔" احتشام صاحب انھیں تفصیل سے بتاتے ہوئے پر یقین کر رہے تھے۔

"مطلب وہ میری شادی میں نہیں ہو گی ؟ انکل اسے کہہ دیے گا جلدی آجائے۔" عائشے نے اٹھلا کے کہا احتشام صاحب دھیمے سے ہنس دیے ورنہ ساری گفتگو میں وہ کافی پریشان نظر آرہے تھے۔

"ہاں جیسے اھر وہ نا آئی تو تم نکاح کرنے سے انکار کر دو گی نا۔" انوش کے طنز پہ عائشے نے گھور کے اس دیکھا تھا۔

"آپ کافی کمزور ہو گئے ہیں خیال نہیں رکھتے کیا اپنا؟" انوش واپس انکی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

"عمر کا تقاضا ہے بیٹا اب یہ۔"

"جی نہیں میرے بابا کو دیکھ لیں وہ آپکی عمر کے ہی ہیں۔ آپ نے تو خود کو بھلا دیا ہے۔" انوش کی تلخی پہ عائشے نے بات بدلی۔

"ابھی تو آپ روما کو بھی یاد کر رہے ہو نگے نا۔"

"ہاں وہ ہوتی تو خوب رونق لگی ہوتی۔" بھاری دل سے انھوں نے کہا وہ دونوں بس مسکرا ہی سکیں کچھ تھا جو دونوں کو کھٹک رہا تھا۔

"ارے رونق ہم لگا دینگے ہم بھی تو آپکی بیٹیاں ہیں۔ جاؤ عائشے جلدی سے تین کپ چائے بنا لاؤ۔" انوش صوفے پہ مزید پھیل کر کشن گود میں رکھ کے بیٹھتے ہوئے بولی۔ عائشے نے حکم دیتے سنا تو کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

"میں ؟"

"ہاں تم.. انکل یہ بڑی اچھی چائے بناتی ہے اسکی چائے کا تو کوئی جواب ہی نہیں میں تو دو کپ بھی پیوں تو کم لگتی ہے۔ ارے تم گئی نہیں ابھی تک جاؤنا۔ نعمت خالہ ہونگی ان سے پوچھ لینا چینی پتی کہاں رکھی ہے۔" اسکے زبردستی کہنے پہ عائشے دانت کچکچاتی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" احتشام صاحب کو تکتے پایا تو رسمی مسکراہٹ سجائے کہتی کچن میں چلی گئی پیچھے انوش ان سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔

کل سے اب تک احتشام صاحب قدرے پریشان تھے انوش اور عائشے کے آنے سے تھوڑا دل ہلکا ہوا پر بیٹی کی یاد اور اسکی تکلیف کا سوچ کر ہی وہ واپس متفکر ہو جاتے۔ رات سے ہی سارا دھیان رومائزہ پہ تھا ہر وقت اسکی سوچیں ذہن میں رہتیں اسکے علاوہ وہ پیسوں کے انتظام میں الگ لگے ہوئے تھے ہر ابھی تک رقم کا انتظام نہیں ہو پا رہا تھا۔

"لعنت ہو انوش تم پہ... اللہ ایسے دوست کسی کو نا دیں۔ اللہ مجھے چائے بنانی بھی نہیں آتی اب کیا کروں۔" کچن میں گھستے ہوئے عائشے زور و شور سے انوش کو کوس رہی تھی پیچھے سے نعمت بی کچن میں داخل ہوئیں تو عائشے نے سکھ کا سانس خارج کیا۔

"نعمت خالہ مجھے چائے بنانی ہے آپ مدد کر دیں گی؟۔"

"ارے بیٹا آپ جاؤ میں بنا کر لاتی ہوں۔" نعمت بی نے پتیلی میں پانی بھر کے چولہا جلایا تھا عائشے دروازے کے پاس ہی کھڑی ہو گئی اور انوش کی ساری مکاری انھیں سنا ڈالی۔

"سہی سہی تو پھر چائے آپ نے ہی بنائی ہے۔" چینی پتی ڈالے انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ رومائزہ کا ذکر انھوں نے غلطی سے بھی نہیں چھیڑا تھا ورنہ عائشے کے کسی بھی سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہو جانا تھا۔

وہ دونوں تھوڑی دیر میں واپس کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"انکل اپنا خیال رکھیے گا اور روما کو کم یاد کریں جب وہ آئے گی تو آپکو ایسے دیکھ کر غصہ کرے گی۔" انوش نکلتے نکلتے بھی انھیں تاکید کرتی گئی تھی۔ ان دونوں کے بعد گھر واپس خاموشی میں ڈوب گیا۔

"نعمت بی آپ نے کچھ بتایا تو نہیں؟"

"نہیں صاحب میں نے زکر ہی نہیں کیا۔ پر مجھے بی بی کی بہت فکر ہو رہی۔ آپ کچھ کریں انھیں اس قید سے نکال لائیں۔" وہ چائے کے کپ میز سے اٹھاتی بولیں۔

"کوشش کر رہا ہوں دعا کریں میر ان جاہ اپنی بات پہ قائم رہے میری بیٹی جہاں بھی ہو سلامت ہو۔ اولاد واقعی اپنے والدین کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتی ہے۔ اور مجھ سے بھی کچھ بڑی غلطیاں ہو گئی ہیں۔" وہ افسردگی سے کہتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

وہ دونوں ٹہلتی ٹہلتی کسی پارک کے قریب پہنچ گئی پارک کا پچھلا حصہ سناٹے میں ڈوب رہا تھا۔ باہر کی راہداری کے گرد وہ دونوں ٹہلتے ہوئے کڑیاں ملا رہی تھی۔

"بات ہضم نہیں ہو رہی نا احتشام انکل بہت پریشان دیکھ رہے تھے۔" انوش شہادت کی انگلی اٹھائے عائشے کی جانب پلٹ کے بولی عائشے نے اسکی انگلی ہاتھ مار کے نیچے کی۔

"کچھ تو گڑبڑ ہے بھائی صاحب کچھ تو گڑبڑ ہے کیا معلوم بزنس کی فکریں وغیرہ ہوں۔" وہ مشکوک انداز میں آسمان کو تکتی کہہ رہی تھی انوش نے بازو پکڑ کے اپنی جانب کھینچا۔

"اے سی پی پردو یومن نا بنو یہ بتا ورما سے کانٹیکٹ کیسے کریں!"

"اوہ یار انکل نے کہا تو نیٹ ورک پرابلم اور اسکا موبائل بھی پانی میں اپنی جان دے چکا۔"

"مطلب تم یقین کر رہی ہو۔" انوش نے بھنویں سکیڑیں عائشے نے ہنکارا بھرا۔

"انکل جھوٹ تھوڑی بولیں گے۔" بیگ کا اسٹریپ کھینچے عائشے اسکے ساتھ قدم لینے لگی تھی ماحول کافی سبزہ زار۔

"ہاں تو میں ایسا تھوڑی کہہ رہی پر...." انوش لب کترتے ہوئے خاموش ہو گئی عائشے بھی وہی سوچ رہی تھی۔

"خیر چھوڑو جب وہ آئیگی تب خود سہی طرح اسکی کلاس لیں گے۔ اب تھوڑی سکون سے واک کر لو۔" پھر انوش ہی خود بولی۔ عائشے سڑک پہ پڑے پتھروں کو لات سے دور پھینکتی چل رہی تھی۔ اچانک ہی دو مشکوک بائیک سوار وہاں سے گزرے تھے۔

"عائش بھاگ۔" انوش چیخی اور عائشے کا ہاتھ پکڑ کے دوڑ لگا دی۔

ہفتے بعد نئے تھانے دار ایس پی مراد دمیر کی اسلام آباد سے پچھلی رات ہی واپسی ہوئی تھی اور اگلی صبح وہ آن ڈیوٹی تھا! شام کے وقت مراد پولیس جیپ میں دورے کے لیے نکلا تھا۔

کسی پارک کے قریب ہی جیپ بند ہو گئی تھی خورشید جیپ کا انجن دیکھنے لگا تب تک مراد تھوڑی دور چہل قدمی کرتے کرتے چلا گیا۔

وہ سکون سے جگہ کا جائزہ لے رہا تھا تبھی دور سے دو لڑکیاں بھاگتی ہوئی قریب آتی نظر آئیں مراد کے ماتھے پہ تشویش سے بل پڑے وہ محتاط گی سے آگے بڑھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں ؟" ان دونوں کے قریب آنے پہ مراد نے پوچھا عائشے بتانے کے لیے آگے بڑھی تھی انوش نے اسکا ہاتھ کھینچ کے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ بھی شاید انھی لڑکوں کے ساتھ ہے۔بھاگو عائش۔" عائشے اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھی سمجھ کچھ نہیں آ رہا تھا بس انوش کے ساتھ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

"شٹ اپ۔کن لڑکوں کی بات کر رہی دونوں ؟ اور اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو ؟" وہ بے شک سناٹے دار جگہ تھی دن میں لڑکی کا موجود ہونا باعث شک تھا۔

"اوہ بھائی تمیز سے رہو۔اور ہمیں کیا سمجھ رکھا ہے ؟ میں چوروں کی بات کر رہی ہوں!" انوش کا منہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی مراد نے بھنوا چکائے اسے دیکھا۔

"کہاں ہے وہ چور ؟" وہ ان لڑکیوں پہ شک کر رہا تھا۔

"میری گود میں۔تم کیوں اتنی تشویش کر رہے ہو پولیس والے ہو کیا؟" انوش کے تیور چڑھے تھے مراد نے صبر سے کام لیا۔

"مس یو آر ٹاکنگ وتھ ایس_پی مراد دمیر!"

"ویری نائس جوک۔ ایسے میں بھی پائلیٹ انوش گلزار ہوں۔ پاگل سمجھا ہے کیا کچھ بھی بولو گے یقین کرلو نگی۔" مراد کے مقابل کھڑے وہ اسے سنا رہی تھی۔

"پولیس والوں کا یونیفارم ہوتا ہے اور تم تو۔۔" انوش نے اسکی فارمل ڈریسنگ پہ چوٹ کی اسے خود نہیں پتا تھا کیوں بحث کر رہی ہے۔ شاید ان چوروں سے بچنے کے لیے اتنا اسے اندازہ ہو گیا تھا یہ مراد ان چوروں کے ساتھ نہیں۔ مراد نے اسکے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا جسکی شکل دیکھ کے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا وہ کافی بے یقینی کی حالت میں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔

انوش کی تیوریاں دیکھ کر مراد نے موبائل کوور سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکل کر اسکے آنکھوں کے سامنے پیش کیا۔

"ایس پی مراد دمیر۔" انگریزی میں بڑے لفظوں میں لکھا تھا انوش کے حلق میں گٹھلی سی بھری لمحوں میں تاثر بدل کے بے چارگی میں تبدیل ہوئے تھے۔

"سر جیپ ٹھیک ہو گئی۔" پیچھے سے وردی میں ملبوس خورشید مراد کو بلانے آیا۔ عائشے اب ماحول کی گرماہٹ سمجھنے لگی تھی انوش کا بازو دبوچا۔

"کس سے پنگا لے لیا تم نے!" عائشے بڑابڑائی سٹی تو انوش کی بھی گم ہو گئی تھی مراد تمسخرا سے مسکرایا تھا۔

ستواں ناک جیل سے بال آنکھوں پہ لگا کالا چشمہ،، بس وہ وردی کی بجائے فارمل ڈریسنگ میں تھا۔ایک لمحے کو منظر بدل گیا تھا۔ایس_پی_ مراد میر کے آگے انوش اور عائشے کو سب ٹھہرا ہوا نظر آیا۔

"سوسوری سر... آج کل لوگ مذاق بھی تو بہت کرتے ہیں تو مجھے لگا دور کہیں آپ نے بھی کیمرہ فٹ کر رکھا ہو گا اور پھر بولیں گے کیمرے میں ہاتھ ہلا دیں۔" اپنی گھبراہٹ چھپاتے انوش بولے جا رہی تھی۔

"خورشید اسے اریسٹ کرو پولیس آفیسر سے بدتمیزی کرنے کے جرم میں۔" مراد یکدم حکم دیتے بولا انوش کا منہ کھلا رہ گیا۔

"کیوں؟ خبردار اسے ہاتھ بھی لگایا انوش چلو یہاں سے۔" عائشے بلوچ آج پہلی بار معاملے سے فرار چاہتی تھی۔

"ارے میں سوری کہہ تو رہی ہوں غلطی ہو گئی مجھے کیا پتا تھا آپ ایس_پی نکلیں گے۔یونیفارم میں گھوما پھرا کریں نا اب ہم معصوم عوام کو کیا الہام ہونا کہ ایس_پی مراد دورے پہ نکلیں ہیں۔"

"یہ معافی ہے یا طنز؟" کف موڑتے ہوئے انوش پہ نظر جمائے اس نے پوچھا وہ کھسیانی سی ہو گئی۔

"خیر کہاں جا رہی تھیں تم دونوں؟" وہ مدعے پہ آیا شک اب بھی وہیں کا وہیں تھا۔

"ہم اپنی دوست کے گھر گئے تھے اور واپسی پہ یہاں تک واک کرتے کرتے آ گئے۔سکون بہت تھا نا ادھر۔پھر دو مشکوک بائیک سوار گئے مجھے لگا چور ہیں اس لیے بھاگ آئے۔

You know safety is first!

جب کچھ سمجھ نا آئے تو بھاگ نکلو!" اسکے کمال لاجک سن کے عائشے کا دل کیا تھا رکھ کے تھپڑ مارتی صرف شک کی بناء پہ کتنی تیزی سے اسے بھاگا کے لائی تھی۔ البتہ مراد کے چہرے پہ انوش کی بات سن کے دھیمے سے مسکراہٹ آئی تھی۔

"واوؤ! محترمہ اکیلے ایسے سنسان جگہ پہ گھومنے پھرنے سے گریز کریں۔" مراد کی تاکید پہ دونوں نے برابری سے سر ہلایا انوش کی بھی جان میں جان آئی تھی جو اریسٹ کرنے والی بات سن کر گھٹنوں میں جا چکی تھی۔ ان دونوں کی حرکتوں سے وہ مطمئن ہو چکا تھا کہ عام لڑکیاں ہی ہیں۔

"انوش اب چلو۔" عائشے نے اسے گھورا مراد نے انھیں چھوڑنے کی آفر کی تھی جو عائشے نے صاف انکار کر دیا تھا۔

رات آٹھ بجے تقریباً میران کی واپسی ہوئی تھی۔ ملازم کی اطلاع پہ وہ سید ھا ذولفقار جاہ کے آفس روم میں گیا تھا جہاں وہ اسکے منتظر تھے۔

عزیز اور شمس دونوں دروازے کے باہر کھڑے اگلے تماشے کے منتظر تھے۔

"تم نے طفیل کو آج پھر جھڑ کا ہے ؟میران تم آخر چاہ کیا رہے ہو!وہ میرے پرانے ساتھیوں میں سے ایک ہے!"میران کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو زولفقار جاہ برس پڑے۔

"اوہ تو آپ تک خبر پہنچ گئی۔میں چاہتا ہوں طفیل کو فارغ کر دیں وہ صرف کرپشن میں ملوث شخص صرف جماعت کا نام خراب کر رہا ہے اور کچھ نہیں۔"

میز کے ساتھ لگی ریوالونگ چیئر گھسیٹتے ہوئے وہ اطمینان سے بیٹھا تھا۔

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔سب سے جھگڑ رہے ہو صرف ایک لڑکی کی وجہ سے!"

"بابا اسکو بیچ میں مت لائیں۔یہ سب مجھے پہلے ہی کرنا تھا پر ہوش تو اب آیا مجھے۔"وہ طنزیہ کہتے خاموش ہوا۔

"اس لڑکی کو تم بیچ میں لا چکے ہو۔کہاں رکھا ہے اسے ؟فارم ہاؤس میں ؟..ہاں "اب کی بار زولفقار صاحب تمسخر سے کہتے میران کے غصے کو ہوا دے چکے تھے۔

"زولفقار صاحب آپ نے اگر اسے تکلیف پہچانے کا سوچا تو یہ ہمارے لیے بہتر نہیں ہو گا آپ اپنی رقم وصول کریں بس۔وہ مجھے اتنی ہی عزیز ہے جتنی آپکو اپنی تمام تر پراپرٹی بلکہ اس سے بھی کئی زیادہ وہ مجھے انمول ہے۔"میران اکھڑے تیور لیے کھڑا ہوا زولفقار جاہ نے چیئر پہ پشت ٹکائے اس پہ نظر جمائی۔

"پہلے اسکے باپ سے پیسے وصول لوں پھر دیکھتا ہوں اسکو بھی۔"

"بابا۔" وہ ناچاہتے ہوئے میز پہ ہتھیلیاں جمائے ان کی طرف جھکتا بلند ہوا اسکا باپ بہت بے رحم بن چکا تھا اور اسکی حالت سمجھنے کی کوشش تک نہیں کی تھی۔

"حیران کن بات ہے۔ ایسا کیا ہے اس لڑکی میں جو باپ کے سامنے کھڑے ہو گئے ہو۔" زولفقار نے میز پہ ہتھیلی ماری میران نے تحمل کا پلو تھاما۔

"آپ نہیں سمجھیں گے۔ اب اسے یہاں آپکی بہو بنا کر ہی لاؤنگا۔" میران واضح طور پہ کہتا سیدھا ہوا اور کمرے سے نکل گیا۔ زولفقار جاہ نے سر جھٹکا تبھی شمس اندر داخل ہوا۔

"یہ لڑکی جس دن میران نے آزاد کی نہیں اس دن کو میں اس لڑکی کا آخری دن بنادونگا۔ میرے بیٹے کو میرے خلاف لاکھڑا کر دیا ہے۔" وہ میران کے تاثرات پہ حیرت زدہ تھے۔ اپنے فرمانبردار بیٹے سے انکو ہرگز زبان درازی کی توقع نہیں تھی۔

"سائیں مہینے کی آخری تاریخ کو آخری پیشی ہے کوشش ہے معاملہ اسی میں نپٹ جائے" شمس فائل کے پنّے پلٹنے لگا۔

"ہمم.. اب تک کچھ نا ہو سکا تو آخری پیشی میں بھی فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہو گا۔" مغرور کن لہجے میں انگلیوں کو کھول بند کرتے کہا شمس کی مسکراہٹ انکا ساتھ دینے لگی۔

"سنا ہے ایک ایس پی آیا ہے ہمارے خلاف ثبوت ڈھونڈنے۔"

"کرنے دو اسے کوشش تھک جائے گا تو خود ہی کنارے لگ جائے گا۔ اور احمد کو بولو مسٹر جیکسن سے ڈیل ڈن کر دے۔" لندن میں موجود کاروباری ہدایت کی اور سگار جلاتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئے۔

جاہ بنگلے کا ماحول خاصا گرما گرم چل رہا تھا پچھلے واقع کی وجہ سے اور زولفقار جاہ اور میران کے درمیان بدمزگی ملازموں کو موضوع گفتگو دے گئی تھی۔

لگاتار دو دن کی مصروفیات سے فارغ ہو کے میران فارم ہاؤس پہنچ چکا تھا، فریش ہو کے سفید کرتا شلوار میں کمرے سے باہر نکلا۔ غصہ اب کافی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

حلیمہ بی کچن میں مصروف تھیں۔ گلا کھنکار کے اس نے موجودگی کا احساس دلایا۔

"آیئے چھوٹے سائیں،، کھانا لگاؤں آپکے لیے؟"

"ابھی بھوک نہیں۔ اس لڑکی نے کچھ کھایا؟" عادتاً اسنے انگلی کی پشت سے ناک رگڑی تھی۔

"کہاں سائیں! ایک نمبر کی ضدی لڑکی ہے شور شرابہ کرنے کے بعد سو گئی ہے۔" حلیمہ بی رومائزہ کی آج کی حالت کا بتانے لگیں میران بے حد دلچسپی سے سن رہا تھا اسکے ہونٹوں کے گرد شاید مسکراہٹ تھی۔ حلیمہ بی کو بڑا تعجب ہوا۔

"کونسے کمرے میں ہے؟" اس نے کف موڑے۔

"وہ اوپر سیڑھیوں کے ساتھ والے کمرے میں، ایک منٹ آپ ٹھہریں پہلے میں اسے دیکھ آتی ہوں پھر آپکو بلا لونگی۔" حلیمہ بی کی بات اسے عجیب تو لگی پر وہ انکو دروازے سے جگہ دیتا سائڈ ہوا۔

وہ کیسے اسکو اس خونخوار لڑکی کے کمرے میں جانے دیتیں جو بولتی کم چیختی زیادہ ہے اور انکے سائیں کو چیخنا چلانا کہاں پسند۔

کہیں اس لڑکی کو غصے میں مار دیا یا کچھ کر دیا تو یہ بھی حلیمہ بی کو ہضم نہیں تھا۔ ہمدردی تو اس لڑکی سے بھی تھی جو ناجانے کس لیے یہاں لائی گئی تھی۔

حلیمہ بھی لاک گھوماتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئیں امید کے برعکس رومائزہ سامنے بیڈ پہ ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ وہ جاگ چکی تھی اور انکا خونخوار نظروں سے استقبال کیا تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے میں چھوڑونگی نہیں آپکے اس سائیں کو۔" اسکی زبان پھر روانی سے چل پڑی حلیمہ بی نے اسکا منہ پہ ہاتھ رکھ کے اسے گھورا وہ دو دن سے ایک یہی بات دہرا رہی تھی۔

اگلے دس منٹ بعد حلیمہ بی نے میران کو کمرے میں جانے کا کہا وہ دروازہ کھول کے اندر آیا پیچھے ہی حلیمہ بی تھیں۔

میران نے کمرے کا منظر دیکھ کے حیرت سے حلیمہ بی کو دیکھا جو بے بسی سے شانے اچکا چکی تھیں۔

"معذرت سائیں آپکی مہمان کو تکلیف دی پر مجبوری ہے اس لڑکی کی زبان رک ہی نہیں رہی..." حلیمہ بی کا جواب سن کر میران دھیمی چال چلتا ہوا رومائزہ کے سامنے آن کھڑا ہوا جو کرسی سے بندھی بیٹھی تھی اور منہ میں رومال ٹھونسا ہوا تھا۔ اور وہ بری طرح آزادی کے لیے مچل رہی تھی۔ بال بکھرے کے آدھے کمر پہ گر پڑے تھے باقی چہرے کے گرد جھنڈ کی صورت میں جمع تھے۔ چہرے کے نقوش رونے اور غصے کی باعث سرخ ہو چکے تھے۔

"حلیمہ بی یہ نازک سی لڑکی میرا کیا بگاڑ لے گی آپ نے بلاوجہ اتنے حفاظتی اقدامات کر دیے۔" میران صوفے کی ٹیبل کھینچتا ہوا اسکے سامنے بیٹھا اور رومائزہ کے منہ سے رومال نکالا۔

حلیمہ بھی کو ایک بار پھر جاہ کے انداز پہ تعجب ہوا یہ لڑکی کوئی عام لڑکی نہیں تھی یقیناً بہت کوئی خاص ہے۔

"وحشی انسان مجھے کھولو کیوں مجھے یہاں رکھا ہوا ہے،، بہت کچھ بگاڑ سکتی ہوں میں تمھارا۔ دو دن سے قید کر رکھا ہے اس سے بہتر ہے مار دو مجھے۔" رومائزہ پھنکاری حلیمہ بی کا تو سر گھوم گیا کیا شان میں قصیدے پڑھے گئے ہیں۔

"منہ بند ہی بہتر تھا۔" میران کا لہجہ یک دم نرم تھا واپس اسکی کرسی پہ جھکا اور منہ میں رومال ڈالنے لگا تھا کہ رومائزہ کی براؤن بڑی آنکھوں کے گرد پانی دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے بھی پلکوں کا جھالر بچھا دیا تھا۔ میران کی نظریں اسکے چہرے کے گرد بھٹک رہی تھیں جیسے حفظ کر رہی ہوں۔ پچھلی ساری ملاقاتوں کے مقابلے میں آج پہلی بار اسے اتنے قریب سے اسکی دید نصیب ہوئی تھی۔

"تمھیں جتنے پیسے چاہیے نامیں دے دونگی پر مجھے آزاد کر دو۔" جان بچانے کے لیے اس نے نیا حربہ جڑا۔

"تمھیں کس نے کہا مجھے پیسے چاہیے؟" وہ اسکا چہرہ غصے میں لال دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ رومائزہ کو اور تپ چڑھنے لگی اس نے اپنا پیر غصے میں اسکے پیر پہ مارا حلیمہ بی ہاتھ باندھے یہ منظر دیکھ رہی تھی ہلکی سی انکے ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی۔

اور رومائزہ کی حرکت پہ میران اتنے وقت میں پہلی بار کھل کے ہنسا اور اپنا چہرہ اسکے چہرے کے قریب کیا۔

"دور رہو مجھ سے ورنہ۔"

"ورنہ کیا قتل کرو گی؟ سسر جی کو ویسے باڈی گارڈز کی ضرورت نہیں انکی بیٹی ہی کافی ہے۔" وہ معنی خیز بات بہت ہی بے نیازی اور سکون سے کہہ گیا تھا رومائزہ کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی۔ حلیمہ بی کی مسکراہٹ مزید گہری ہوتی گئی۔

"کک کیا مطلب ہے تمھارا؟" آنکھیں چھوٹی کیے اس نے میران کو دیکھے پوچھا جو ابھی تک قریب تھا۔

"لڑکی اتنی بے وقوف ہو یا بن رہی ہو؟" وہ ہنستا ہوا پیچھے ہوا اسکے کلون کی خوشبو رومائزہ کو الجھا چکی تھی اس نے سر فوراً جھٹکا۔ میران کا انداز یوں تھا جیسے دونوں کے درمیان تعلقات بہت ہی اچھے ہوں۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں سب سمجھ رہی ہوں، ایک بار ہاتھ کھولو میرے دیکھو پھر کیسے تمھارے منہ کا نقشہ بگاڑتی ہوں۔" وہ ہاتھ کھلوانے کی جستجو میں پوری کرسی ہلا چکی تھی اس سے پہلے کرسی بیلنس کے بگڑنے سے گرتی میران نے کرسی تھام لی۔

کرسی کے گرنے کے ڈر سے رومائزہ کا سانس چند پل کے لیے جور کا تھا وہ بحال ہوا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو میران اسکی آنکھوں میں مسکراہٹ کے ساتھ جھانک رہا تھا اس شخص کی آنکھیں بھی مسکراہٹ کا حصہ تھیں۔ وہ نظریں نہیں ہٹا سکی تھی اسکی شخصیت ہی کافی مرعوب کن تھی۔

میران نے اسکے ہاتھ کھولے اور واپس ٹیبل پہ ٹکتے ہوئے سوال پوچھا تھا وہ ٹکر ٹکر اسے ہاتھ کھولنے پہ حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"انسان کو خود پہ اتنا ہی ظلم کرنا چاہیے جتنا جھیل سکے۔" کرسی سے گرنے پہ اس نے چوٹ کی تھی۔

"ویسے عمر کیا ہے تمھاری؟" میران نے اپنی تھوڑی پہ ہلکی بڑھی داڑھی کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"بیس" وہ بے ساختہ بولی اور عمر بھی رومائزہ نے ایک سال زیادہ بتائی تھی۔

"پر لب و لہجہ تو پچیس سالہ لڑکی والا ہے، اسٹرینج! ویری ایمپریسوو" وہ داد دیئے بولا

"میری بات سنو اتنا فری ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور تم نے مجھے کیوں اغوا کیا ہے میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟ پیسے چاہیے نا میرے بابا ادا کر دے دیں گے پر پلیز مجھے جانے دو وہ پریشان ہو رہے ہونگے۔" وہ اسکی نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جھٹ بولی۔

"تمھارے باپ کے پاس سے پیسے نکل ہی نا جائیں۔

اگر وہ میرے باپ کا قرضہ اتار دیتے تو تم یہاں نا ہوتیں۔"

"کونسا قرضہ؟" وہ بے خبر منہ کھولے پوچھ رہی تھی میران کو اسکی یہ ادا بھا گئی۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔

"یہ تمھارا مسئلہ نہیں ہے... بے فکر رہو تمھیں میں آزاد کر دونگا لیکن واپس میرے پاس آنے کے لیے۔"میران اس پہ بات واضح کرتا ہوا ٹیبل سے اٹھا اور سامنے رومائزہ کے قدموں میں بیٹھا اس نے اسکا ہاتھ تھامنے کی سعی کی تھی جسے جھٹکے اور ناگواری سے رومائزہ نے پیچھے کر لیا خود پہ ضبط کرتے ہوئے مٹھی بھینچ کے میران نے ہاتھ پیچھے کیا۔ حلیمہ بی دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی تھیں وہ تو سمجھ چکی تھیں جاہ سائیں کے دل کا معاملہ ہے۔

"آئی ایم سوری۔"

وہ سر جھکائے ہلکے سے بولا کہ رومائزہ کے کانوں تک بڑی مشکل سے آواز پہنچی۔ ایک سیاست دان کا بیٹا جو خود سیاست دان ہے اسکے قدموں میں بیٹھا اسے سوری کہہ رہا تھا۔۔ اسکی سماعتوں کو یقین نہیں آیا تھا۔

"ہنہہ.. اب مجھے جانے دو۔"وہی رٹا ہوا جملہ اس نے کہا۔

"میری بات سنو تم ابھی کہیں نہیں جاسکتی ہو۔"میران نے سر اٹھا کہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہا وہ خوفزدہ ہونے کی بجائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال چکی تھی۔

"بار بار پوچھ رہی ہو اغوا کیوں کیا... تو بتا دیتا ہوں۔"میران نے گہری سانس بھری رومائزہ بھی تنگوڑا سکون میں آئی تھی اور خود کو ذہنی طور پہ تیار کیا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمھیں اغواء کرنا ہے تو کبھی اپنے آدمیوں کو تمھیں ہاتھ لگانے بھی نہیں دیتا الٹا تمھاری حفاظت کے لیے پہرے بٹھا دیتا" اسکی بات رومائزہ کے سر سے گزری وہ نئ کشمکش میں گھر گئی۔

"ہاں مجھے پتا ہے تمھیں کچھ سمجھ نہیں آرہی ہوگی۔" میران نے اسکی جھکی تھوڑی اٹھائی رومائزہ ناخرانٹ نظروں سے دیکھا۔

"میران جاہ کی محبت ہو تم۔" وہ جذبے سے چور لہجے میں بولا رومائزہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ آخر کار اس نے اپنا دل کھول دیا تھا وہ اپنے حوالے خاص کر اسکی پسندیدگی کو لے کر کوئی غلط فہمی رومائزہ کے دماغ میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ کرسی پہ بیٹھی تھی اور میران اسکے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھے اسکی آنکھوں میں دیکھے اپنا حال حرف با حرف بتانے لگا۔

"یہ مغرور شخص تمھارا سوالی بن چکا ہے" رومائزہ کو یاد آیا تھا کن لفظوں میں اس نے یونی میں اسکاز کر کیا تھا۔

"جھوٹے ہو تم،، میں نہیں مانتی" وہ اسے دھکیلتی ہوئی چیخی میران فوراً جگہ سے کھڑا ہوا اور اسکے ہاتھ گرفت میں لیے جو چیزیں توڑ پھوڑ کرنے لگے تھے۔

"میرا دل میری آنکھیں تمھیں میری محبت کی گواہی دیتی نظر نہیں آ رہی کیا؟ میں تسلیم کرتا ہوں مجھے رومائزہ احتشام شنواری سے بے پناہ محبت ہے اور اب یہ وہ جنون بنتی جا رہی ہے جسکی لگام میرے اختیار میں نہیں۔" اسے جھنجھوڑتے ہوئے میران نے کھلے لفظوں میں اعتراف کرڈالا تھا وہ گنگ ہو گئی تھی اور پھر جیسے ہوش میں آئی۔

"ہاتھ مت لگاؤ۔ محبت ہو گئی تو اغواء کروالیا۔ واہ میران جاہ... لوگ تو اپنے محبوب کو سر پہ بٹھاتے ہیں پر مجھے تو اغواء کیا گیا ہے۔ کڈنیپر ہو تم کڈنیپر!" وہ ہاتھوں کی گرفت میں مچلتی ہوئی چیخی۔

"لڑکی چلاؤ مت!" وہ بری طرح چڑا تھا اسکی گھوریوں سے وہ ڈر کے نرم پڑی۔

"تمھیں بھی سر پہ ہی بیٹھایا ہے اور اپنی عزت بنانا چاہتا تھا پر سب خراب ہو گیا۔ خیر عزت تو اب بھی بنا کے دم لونگا۔" انداز چیلنجنگ تھا رومائزہ نے دانت کچکچائے۔

"سسر جی،، مطلب تمھارے بابا نے میرے ڈیڈ سے کچھ رقم لی تھی فیکٹری بنانے کے لیے،، اب تک وہ قرضہ اتار نہیں سکے جبکہ قرضے کی ادائیگی کی مدت ختم ہو چکی ہے۔۔ بات کڑوڑوں کی ہے جب ہی میرے والد صاحب بخشنے کو ہرگز راضی نہیں۔ انھوں نے مجھے شنواری کی بیٹی کو اغواء کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی جو میں نے خوشی خوشی قبول کی تھی اقتدار کے نشے میں اندھا ہو چکا تھا" وہ خاموش ہوا ایک عجیب درد اسکی آنکھوں میں جھلکا تھا۔ رومائزہ کی دونوں ہاتھوں کی کلائیاں اسکی گرفت میں تھیں۔

"مجھے اپنے غرور تکبر کی اللہ نے بہت بڑی سزا دے دی ہے خیر میں نے شنواری کی بیٹی کو دیکھا نہیں تھا۔ دیکھا تھا تو پتا نہیں تھا وہ شنواری کی بیٹی ہے۔۔ اور جب وہاں کوٹھی میں تمھیں دیکھا تو اس وقت مجھے لگا میرے پیروں سے زمین نکل گئی ہے۔

جانتی ہو وہ لڑکی کون تھی !میری محبت !میری چاہ !میری نظروں کا سکون ! جسے میں نے یونیورسٹی میں پہلی بار دیکھا تھا وہ جو ہوا کے جھونکے کی طرح میرا دل اڑا لے گئی۔ میری نظریں اسکے دیدار کی پیاسی تھیں جس کے لیے میں خود ایک بار پھر یونیورسٹی پہنچا تھا اسکے سہر سے نکلنے کی کوشش کی تھی پر ناکامی ہاتھ کو لگی۔"

وہ کچھ پل خاموش ہوا دونوں کے درمیان خاموشی نے راج کیا۔

"وہ لڑکی تمھاری محبت رومائزہ شنواری ہی تھی؟" سر اٹھائے اسکی نظروں میں دیکھے اس نے بمشکل کہا۔

"ہاں۔۔"

میران نے اسکی کلائیاں چھوڑ دیں گرم آنسوؤں کا ریلا رومائزہ کی آنکھ سے نکل کر پھسلا وہ خود کو سنبھالتی ہوئی بیڈ کے سرہانے سے ٹکی وہ یکدم اسکی محبت سے انکار نہیں کر پائی تھی میران کی آنکھیں سب سچ بولتی تھیں۔ رومائزہ الٹا سب سمجھنے سے قاصر تھی دماغ تھا جو جسم کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ میران نے اسکو ہر بات بتادی کہ وہ اپنے باپ سے بھی الجھ چکا ہے۔ وہ باپ سے لڑ نہیں سکتا تو فلحال اسے یہیں رہنا ہو گا۔ وہ یہ بھی بتا چکا تھا ذولفقار ان باپ بیٹی کے دشمن ہو چکے ہیں اور کبھی بھی کچھ بھی کر دینگے اور اسکی حفاظت میں میران کوئی کمی نہیں چھوڑے گا۔

“I’m blunt now..

میرے بابا مر جائینگے اس دشمنی میں،، انکی بیٹی لاپتہ ہے وہ کیسے برداشت کریں گے۔" اسے اپنے بابا کی فکر تھی یہ شخص تو اسے بلکل آزاد کرنے پہ راضی نہیں تھا۔ شنواری صاحب کے علاوہ اور کون اسکا اس دنیا میں تھا وہ اس ایک رشتے کو ہر گز کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"انھیں کچھ نہیں ہو گا۔ تم سے جڑے ہر شخص کا خیال ہے مجھے۔ ان سے میری ملاقات ہوئی تھی تمھاری طرف سے مطمئن کر چکا ہوں۔"

"مجھے بابا سے ملنا ہے مجھے گھر جانا ہے مجھے جانے دو" وہ ایک یہ رٹ نا لگاتی تو اسکے علاوہ اور بولتی تو کیا!

"تمھارے بابا سے وعدہ کیا ہے تمھیں پورے مان سے یہاں رکھا جائے گا کوئی تکلیف نہیں ہو گی تو پلیز تم خود بھی کوئی ایسی حرکت مت کرنا۔ تھوڑے دن کی بات ہے تم چلی جاؤ گی پھر۔" اسے دیکھتے ہوئے میران نے بات مکمل کی۔

"پر واپس میرے پاس آنے کے لیے۔ نکاح کر لو نگا پھر میں تم سے۔"

"زور زبر دستی ہے کیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد میں اپنے بابا کے ساتھ بہت دور چلی جاؤ نگی جہاں تم اور تمھارا باپ موجود نا ہوں۔" فلحال وہ تھک ہار کے مان رہی تھی کچھ عرصہ یہیں رہنا پڑے گا کب اسکے بابا رقم ادا کر سکیں گے۔ وہ تو بے مقصد پھنس چکی تھی۔

"اچھا،، کوشش ضرور کرنا یاد رکھنا میران جاہ اپنی چیزوں کے لیے شدت پسند ہے تم تو پھر اسکی محبت ہو ہونے والی بیوی ہو بلکہ سب کی بی بی سرکار" وہ بھی لفظوں کی مہارت رکھتا تھا اسے اپنی بات اچھے سے باور کروا رہا تھا اسکے محبت نامے پہ رومائزہ چند پل چپ رہی۔

"آدمیوں کی جنگ تھی یہ تم لوگوں نے ایک عورت کو بھی نہیں بخشا۔" وہ تلخی سے بولی میران نے بے بسی سے اسکو دیکھا۔

"فضول بکواس نہیں کرو... تمھارے ساتھ میں نے کچھ بھی جان بوجھ کے نہیں کیا۔ تمھارے علاوہ کوئی اور بھی ہوتی تو میں اسکی حفاظت کرتا اور اب تو معاملہ تمھارا.. میں پہلے سے ہی شنواری کی بیٹی کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا تھا میرے باپ نے مجھے مجبور کر دیا تھا اگر انکے ہاتھ لگ جاتیں تو..." وہ یک دم چپ ہو گیا کیا بولنے لگا تھا سوچ کر ہی اسکی سانس اٹکی تھی رومائزہ اسکو دیکھ رہی تھی دل کر رہا تھا پھوٹ پھوٹ کے رو دے۔۔

"چلو باہر آؤ کھانا کھالو۔"

"مجھے نہیں کھانا۔"

"ضد مت کرو تمھارے باپ سے میں نے وعدہ کیا ہے اور تمھیں کوئی فکر ہی نہیں۔۔ تمھارا باپ چاہتا ہے میری بیٹی جہاں بھی رہے ٹھیک سے رہے اور تم اس طرح انکو تکلیف پہنچا رہی ہو۔ بلیو می سب کچھ ٹھیک ہے۔" وہ اسے شنواری صاحب کی جانب سے اطمینان میں لیتا ہوا بولا وہ سوچ میں پڑ گئی پھر دوپٹہ سنبھالتی ہوئی دروازے تک پہنچی کم از کم اس بند کمرے سے باہر نکلنے کے موقع تو مل رہا تھا۔

"آجاؤ۔" میران نے باہر کھڑے اسے اشارہ کیا وہ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

میران پہ یقین کرنا مشکل تھا.. آخر وہی تو تکلیف کا باعث بنا تھا۔ کیا معلوم من گھڑت کہانی سنا رہا ہو۔ اسکے محبت کے اظہار پہ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی پر اپنے بابا کے بارے میں باتیں جو اس نے سنیں ان پہ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اسکا باپ کیا کسی مشکل میں پھنسا تھا؟ اتنا عرصہ گزر گیا وہ اس سب سے بے خبر رہی۔

سیڑھیاں ساری طے ہو گئیں پر اسکے ذہن میں گردش کرتے سوال ختم نا ہوئے۔

حلیمہ بی نے ٹیبل پہ کھانا لگا دیا تھا میران کے پیچھے مرے مرے قدم لیتی وہ ٹیبل تک آگئی میران نے بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی ذہن کہیں اور ہی الجھا ہوا تھا۔

"مجھے نہیں کھانا اور بس بہت ہوا مجھے واپس بھیجو میں تمھاری بنی بنائی کہانیوں پہ یقین نہیں کرتی۔ ایسا کچھ ہوتا تو میرے بابا مجھے ضرور بتاتے۔"

کرسی کی پشت تھامے وہ مضبوط لہجے میں بولی میران ہنوز اسے دیکھا گیا کیسے اسے یقین دلاتا۔ اگر وہ اسکا یقین کر لیتی تو سب اتنا مشکل نہیں ہوگا جتنا اب ہے اور آگے ہونا تھا۔

"اور تمھارے بابا تمھیں یہ سب بتائیں تو؟" میران کی نظریں اس پہ تھیں وہ کہنی ٹیبل پہ ٹکائے بیٹھا تھا روما ئزہ نے لب ترکیے پورے منظر پہ نظر گھومائی۔

"ٹھیک ہے بیٹھو فلحال۔"

"میں تمھارے ساتھ کھانا نہیں کھاؤنگی۔" وہ فٹ بولی۔

"کیوں کیا مسئلہ ہے؟" میران نے ابرو اچکائی۔

"میران جاہ تم اتنے نارمل بن رہے ہو؟ میں اپنے دشمنوں سے بات نہیں کرتی اور تمھارے ساتھ کھانا کھاؤں جیسے سب نارمل ہو۔" وہ ٹیبل پہ ہاتھ مارتی چیخی۔

"بہت بری بات ہے۔ اگر کوئی تمھاری مدد کر رہا ہے تو تم کو اسکا شکریہ ادا کرنا چاہیے الٹا تمھارا چیخنا چلانا بند نہیں ہو رہا۔ اور میں تو تمھاری جان بچا رہا ہوں.." وہ بیٹھا ہی رہا روما ئزہ نے دانت پیسے۔

"میں دشمن نہیں ہوں تمہارا۔" وہ یخت لہجے میں باور کرتا ڈش میں سے سالن نکال رہا تھا۔ رومائزہ بے بس ہو چکی تھی۔ پیٹ میں بھوک کا الگ تہلکا مچا تھا مرتے دھرتے کرسی کھینچ کے بیٹھ گئی۔

"آپ بھی بیٹھیں۔" اس نے حلیمہ بی کو دیکھا میران نے سر اٹھا کہ انکو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئیں اور پھر رومائزہ کا ساتھ دینے کے لیے اپنی پلیٹ میں بھی سالن ڈالا تھا۔

میران کھانے سے فارغ ہوا تو کسی کمرے میں چلا گیا تھا۔

"یہ یہاں رہتا ہے؟" رومائزہ نے اچھنبے سے پوچھا۔

"نہیں.. چھوٹے جاہ ویسے ہی چکر لگاتے ہیں۔ انکا تو اپنا بڑا بنگلہ ہے۔ تم پریشان مت ہو انکی بات پہ یقین کر لو وہ جھوٹ نہیں بولتے۔"

"آپ کے ساتھ خدا نا خواستہ ایسا ہوتا آپ یقین کر لیتیں؟ اغوا ہوئی ہوں میں کوئی معمولی بات ہے؟ مجھے اپنی جان سے زیادہ اپنی عزت کی فکر ہے!" وہ کھانے سے ہاتھ روکے سختی سے بولی حلیمہ بی خاموش ہو گئیں وہ اسکا درد سمجھ رہی تھیں۔

تبھی میران کمرے سے نکلا اسکے ہاتھ میں فون تھا اور کال کسی سے لگی ہوئی تھی۔

"یہ لو بات کرو..." رومائزہ نے نا سمجھی سے دیکھا میران نے فون اسکی جانب گھمایا۔

"بابا؟" آنکھوں میں حیرانی اُمڈ آئی میران کے سر ہلانے پہ اس نے جھٹ فون لے کر کان سے لگایا تھا اور تیزی سے ان دونوں سے دور چلی گئی۔

"روما..." فون کے اس پار سے آواز آئی رومائزہ نے جو کب سے آنسو روک رکھے تھے وہ تیزی سے گالوں پہ لڑک آئے۔ وہ سیڑھیوں کے ساتھ لگے پلر سے ٹک کے زمین پہ ڈھتی گئی۔

"بابا آپ ٹھیک ہیں؟" سب سے پہلا خیال انکی طبیعت کا تھا۔

"ہاں میرا بچہ میں ٹھیک ہوں تم ٹھیک ہو؟"

"نہیں ہوں یہ سب کیا ہے؟ یہ میران قرضے کا کیا بول رہا ہے؟ وہ جھوٹ بول رہا ہے نا؟" وہ باپ کی آواز سن کر بچوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

"وہ سچ کہہ رہا ہے۔ کچھ سال پہلے میں نے زولفقار صاحب سے پیسے لیے تھے جو ادا نہیں کر سکا اور اب اس دوران فیکٹری نقصان میں چل رہی بس ہمارا گزارا ہو رہا تھا اور باقی کچھ سیوونگز.. مجھ سے بھی کچھ غلطیاں ہو گئیں اسی وجہ سے یہ سب ہوا۔"

"کیسی غلطی؟" آنسو پونچھے اب وہ سیدھی ہوئی اور پلر سے ٹیک لگایا۔

"غصے میں آکر میں نے پیسے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پر ایسا نہیں تھا میں انکی رقم لوٹانا چاہتا ہوں اور بہت جلد لوٹا دونگا۔" احتشام صاحب اس وقت فیکٹری میں ہی تھے۔

"اور میں؟" اسکی سانس اٹکی۔

"بیٹا میں تمھیں ہر گز کھونا نہیں چاہتا۔ زولفقار جاہ تمھیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور میر ان کے علاوہ تمھیں کوئی حفاظت سے نہیں رکھے گا۔ میرے پاس اتنے وسائل نہیں جو زولفقار جاہ کے آگے ٹک سکیں۔ وہ ہم پر نظر گاڑے بیٹھے ہیں۔"

"احتشام صاحب آپ اسکی باتوں پہ یقین کر چکے ہیں؟ یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ ملا ہو گا۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا آپ کے پاس میں سکھ سے رہونگی" وہ چونکی تھی۔

"رومامیں نے جو دیکھا ہے وہ تم نہیں دیکھ رہی۔ اسکے لفظ اسکی آنکھیں اسکے سچا ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔ اور تم زولفقار جاہ کو کم مت سمجھو وہ بہت طاقتور ہے۔ میں جلد از جلد پیسوں کا انتظام کر تا ہوں اور پھر تمھیں لے جاؤنگا۔"

"باباوہ اور بھی کچھ کہتا ہے۔" وہ اٹکی تھی کیسے اسکے محبت کے دعوے کو دہراتی۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

"میں جانتا ہوں۔ اس وقت تم ضروری ہو میں کچھ اور سوچنا نہیں چاہتا۔ بیٹا تمھیں کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گا کچھ عرصے کی بات ہے رہ لو۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تمھیں کوئی تکلیف نہیں دیگا۔"

"اس سے بڑھ کے اور کیا تکلیف ہو گی کہ میں آپ سے دور ہوں۔ بابا آپ سب کو کیا بتائیں گے؟ اور انوش عائشے وہ پریشان ہو رہی ہونگی۔" اسے اپنے علاوہ سب کی فکر تھی۔

"کہہ دیا ہے اپنی خالہ کے گھر گئی ہو۔" خالہ کشمیر کی رہائشی تھیں جو کچھ عرصہ پہلے ہی باہر ملک شفٹ ہو گئی تھیں۔

"تم بیٹا ہو کہاں؟"

"کوئی فارم ہاؤس ہے شاید اسکا۔" اس نے سر پلر سے ٹکایا۔

"بابا آپ قرضا جلد ادا کر دیں آپکو یہ پہلے ہی کر دینا چاہیے تھا۔ جانتے ہیں نا یہ کتنا بڑا بوجھ ہوتا ہے مرنے کے بعد بھی اللہ معاف نہیں کرتا جب تک بندہ معاف نا کرے..." وہ اپنی تکلیف بھول کے معاملے کی سنگینی کو سمجھ رہی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا بوجھ تھا جو ادا کرنا لازمی تھا۔

"ہاں بیٹا میں سمجھتا ہوں دعا کرو اللہ آسانیاں پیدا کرے۔ تم میرے لیے پریشان مت ہونا تم ٹھیک ہو گی تو میں بھی ٹھیک ہونگا۔" شنواری صاحب اسکی طرف سے بے حد متفکر تھے۔

"بابا میں بلکل ٹھیک ہوں آپ اپنا خیال رکھیں اور جب اداس ہوں تو عائشے اور انوش کو بلا لیے گا وہ آپکی ساری اداسی ختم کر دینگی۔ بلکہ عائشے کی اب شادی ہے پتا نہیں میں شرکت کرونگی کہ نہیں۔۔ آپکی ملاقات ہو تو میری طرف سے مبارکباد لازمی دیے گا۔ اللہ کسی پہ ایسا برا وقت نا لائے اور کسی ایسی آزمائش میں نا ڈالے۔"

وہ بہت سمجھداری سے کام لیتے بولی احتشام صاحب کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے دل میں تھوڑی اب تسلی ہوئی تھی۔

"بابا وہ فنچ اسے آپ اڑا دیں۔" آنسوؤں کا گلا گھونٹے رومائزہ نے کہا احتشام صاحب کو تشویش ہوئی۔

"کیوں؟"

"انکو بھی آزادی اچھی لگتی ہے... آپ بلکل سہی کہتے تھے مجھے ایسا لگ رہا ہے اس معصوم چڑیا نے بد دعا دے دی ہو۔ دیکھیں آج میں بھی یہاں قید کی جا چکی ہوں۔" اب آنسو جو نکلے تھے وہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"میری بہادر بیٹی زیادہ مت سوچو،، اپنا خیال رکھنا میرے لیے میری کل کائنات صرف تم ہی ہو ورنہ جینے کی اور کوئی وجہ میرے پاس بچی نہیں ہے۔"

"رکھونگی میں اپنا خیال۔ بس آپ جلدی سے قرضا ادا کر د......" اور پھر درمیان میں ہی فون منقطع ہو گیا میران کے موبائل کا موبائل بند ہو گیا تھا فون کو دیکھتے ہوئے رومائزہ نے گہری سانس کھینچی۔

"موبائل بھی اس کی طرح بیکار ہے۔" غصہ ضبط کرتی بڑبڑائی اور چہرہ خشک کرتی کھڑی ہو گئی۔

"حلیمہ بی اس کی ضرورت کہ تمام چیزیں اسے لادیں۔ اسے قید محسوس نا ہوا۔ اور اسکا حلیہ بھی ٹھیک کروادیں۔" رومائزہ کے جانے بعد میران نے حلیمہ بی کو ہدایات کی دو دن سے ہی وہ اپنے لباس میں تھی جینس کے اوپر کالی شرٹ اور اجڑی حالت۔

"جی چھوٹے سائیں۔ ویسے ایک بات پوچھوں آپ محبت کرتے ہیں یا عشق ہو گیا ہے؟" میران دھیمے سے خود پہ ہنسا۔

"میں الگ ہی منزل کا سواری ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ وہ محبت ہے یا عشق۔ پر میرے لیے سب سے خاص ہے،، جان قربان اتنی خاص۔" میران کی آنکھوں میں انوکھی رمق تھی جو بہت بھلی لگی تھی رومائزہ مرے قدموں سے واپس آئی تھی۔ میران کا اعتراف وہ سن چکی تھی۔

"""لو۔" اتری شکل کے ساتھ اس نے میران کو موبائل تھمایا تھا میران نے نظر بھر اسے دیکھا جسکے چہرے پہ درد واضح تھا۔ اسکے ہر درد کو بھینچ کے نکالنے کا دل چاہا تھا میران موبائل لے کر واپس کمرے میں چلا گیا۔

"کھانا مکمل کرو بیٹی۔" حلیمہ بی کے بیٹی کے کہنے کی دیر تھی رومائزہ بے ساختہ انکے گلے سے لگی تھی۔ حلیمہ بی اول تو چونکیں پھر مسکراتے ہوئے اسکے گرد بازو باندھے اسکی پیٹ سہلانے لگیں۔ وہ شاید رونے پہ قابو پا رہی تھی پر آج بڑی مشکل ہو رہی تھی۔

رومائزہ کی گرفت میں کافی مضبوطی تھی میران کمرے سے نکل کر گارڈن کی طرف جانے لگا تھا ڈائننگ کا منظر دیکھ کر سر ہلاتا ہوا نکل گیا۔ وہ چاہتا تھا رومائزہ حلیمہ بی کے قریب ہو جائے ان سے بات کرے اور دل کی باتیں بھی شئیر کرے اتنا کہ انکا تعلق مضبوط ہو جائے۔

حلیمہ بی نے پیار سے اسے دور کیا اور برابر والی کرسی پہ بٹھایا۔

"پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چھوٹے سائیں یہ سب تمھارے لیے ہی کر رہے ہیں وہ تمھیں تکلیف دینا نہیں چاہتے پر بڑے نقصان سے محفوظ رکھ رہے ہیں۔" انھوں نے نوالہ بنا کے رومائزہ کے منہ کے قریب کیا بے ساختہ اسکے چہرے پہ مسکراہٹ آئی۔

"آپ بلکل نعمت بی جیسی ہیں۔ وہ بھی میرا ایسے ہی خیال رکھتی ہیں۔" چہرے پہ اداسی قائم تھی سب قبول کرنے میں وقت تو درکار تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کے وہ حلیمہ بی کے پیچھے کچن میں ہی چلی آئی تھی۔

"مجھے بتادو اپنی ضرورت کی چیزیں کپڑے وغیرہ تو میں لے آؤنگی۔ کوئی خاص چیز؟"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ سب اسکے باپ کے پیسوں سے تھوڑی آنا تھا جو فرمائشیں شروع کر دیتی۔

"تو پھر ان کپڑوں میں کب تک رہو گی۔ حالت دیکھی ہے اپنی کیا بنائی ہوئی۔ چھوٹے سائیں غصہ کریں گے مجھ پہ۔"

"وہ کیوں غصہ کرے گا؟ غصے کے علاوہ کچھ آتا نہیں اسکو؟ نہیں نہیں آتا ہے نا لڑکی کو اغوا کروانا" وہ فوراً جتا گئی تھی حلیمہ بی نے اسے گھوری نوازی۔

"میں پینٹنگ کرتی ہوں۔" دائیں بائیں دیکھے اسے نے بتایا حلیمہ بی کچن کے نظامات میں لگی رہیں۔

"ٹھیک ہے میں اسکا سامان منگوالونگی۔" سارے کام سمیٹ کے وہ اسے نیچے ہی دوسرے کمرے میں لے گئی تھیں۔

عائشے نے اپنی شادی کی سلسلے کی بناپہ چند دن کی لیو اپلائے کی تھی۔ پھر وہ دونوں کینٹین میں آ کے بیٹھ گئیں۔ انوش کی تو یہ من پسند جگہ تھی۔ لیکچر وغیرہ سے فارغ ہو کے بیک بینچرز کا ٹولہ یہیں بسیرا ڈالتا تھا۔

"یہ چھچھوندر یہاں کیوں آرہا ہے؟" عائشے بڑبڑائی ہمایوں انھیں کی طرف آرہا تھا۔

"آج اس نے بکواس کی تو سب کے سامنے اسے میں زلیل کر دونگی ڈھیٹ کہیں کا۔" انوش نے پہلے ہی اپنے ارادے سے بے خبر کر دیا تھا عائشے نے اسکا ساتھ دینے کے واسطے سر ہلایا۔

"ہیلو بیک بینچر لیڈیز۔" اپنے پہلے جملے سے ہی وہ دونوں کو تپا چکا تھا اور پھر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"مینرز ہیں کچھ اگر کسی کی ٹیبل پہ ساتھ بیٹھنا ہو تو پہلے اجازت لی جاتی ہے۔" انوش نے دانت پیسے کہا وہ محظوظ ہوا تھا۔

"تو میم مجھے اجازت مل سکتی ہے یہاں بیٹھنے کی؟" اسکی فضول حرکتیں عائشے کے غصے کو ہوا دے رہی تھیں۔

"نہیں۔" انوش نے صاف کہا تو وہ ہنس دیا۔

"کیوں آئے ہو؟" عائشے نے بازو فولڈ کرے اور ہمایوں پہ نظر جمائی۔ ارد گرد کی ٹیبلز میں مزید طلبہ موجود تھے۔

"تم دونوں کی دوست نہیں آرہی ہے خیریت تو ہے؟"

"تم سے مطلب اپنا کام کرو نا جا کے دوسروں کے معاملے میں دخل اندازی مت کرو!" عائشے نے دوٹوک لہجہ اپنایا پر اگلا بھی صدیوں کا ڈھیٹ تھا۔

"کہیں میری وجہ سے تو آ نہیں رہی؟ بول دو میں تنگ نہیں کرونگا۔" اسکے جواز پہ انوش اور عائشے کا سر چکرایا تھا دونوں نے بروقت ایک دوسرے کو دیکھا اور استہزایہ ہنسیں۔

"عائش خوش فہمیاں تو دیکھو اسکی۔ شکل دیکھی ہے آئینے میں کبھی؟" انوش نے بینچ پہ ہاتھ مارا اور جبڑے بھینچے۔

"لاکھوں لڑکیاں مرتی ہیں اس شکل پہ۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا بولا۔ اسکے بال تھوڑے لمبے تھے پر تھا ایک خوب شکل مرد۔

"افف ہمایوں تم کتنا ہنساتے ہو۔" عائشے نے منہ پہ ہاتھ رکھا لہجہ طنزیہ ملاوٹ کا شکار تھا۔

"اور دل جلاتے ہو۔۔ شکل دیکھ کر مر جاتی ہونگی لڑکیاں۔" انوش بلند آواز میں بڑبڑائی۔

"ویسے بیک بینچرز کی جگہ منہ پھٹ نام رکھو اپنے گروپ کا۔" خفگی چہرے پہ ظاہر ہوئی پر پرواہ کسے تھی!

"تمھاری دال یہاں نہیں گلنے والی اللہ کے واسطے ہماری جان چھوڑ دو۔" عائشے نے بے زار ہو کے کہا ہمایوں ان دونوں پہ نظر ڈال کے سر گھماتا ہوا کھڑا ہوا اور چلا گیا۔

"پاگل ہے کیا یہ؟"

"مجھے کیا پتا!" عائشے نے جھنجھلا کے کہا اور موبائل میں انوش کو مہندی کے ڈیزائنز دکھانے لگی۔

اب اپنی شادی کی جھنجھٹوں میں ہمایوں کے پاگل پن کا کیوں سوچتی۔

"یس ایس_پی مراد میر از سپیکنگ۔" مقابل نے مصروف انداز میں فون کان سے لگایا تھا اور فون کے دوسرے پار سے بولنے والی کی مکمل بات سن کر آخر میں الوادعی کلمات کہہ کر فون منقطع کر دیا۔

"کیا ہوا سر بڑے خوش نظر آرہے ہیں۔" خورشید اسکے کیبن میں داخل ہوتے بولا۔

"ہاں خورشید بات ہی ایسی ہے تو خوش ہونا بنتا ہے۔ بہت پکی خبر ملی ہے منی لانڈرنگ کے حوالے سے۔ اب وقت آنے پہ ائیرپورٹ پہ وزیر اعلی صاحب کو ایس_پی مراد کا جلوہ دیکھائیں گے۔" وہ مسرور سی مسکراہٹ سے بولا انداز بہت دھیما تھا۔

"سہی پھر آپریشن کی تیاری شروع کر دیتا ہوں۔" خورشید نے پلان سے آگاہ کیا مراد ٹیبل پہ ٹکا سب سنتا رہا۔

"ویری گڈ.. بہت جمے گی ہماری ایسے ہی ان تمام غدار لٹیروں کے کالے کرتوت عوام کے سامنے لا کر سزا دلوائیں گے۔ عوام کی چکی بہت پس چکی!"

مراد پر عزمی سے کہتا اپنا کیپ سر پہ پہنے کیبن سے باہر نکلا اور اسکے پیچھے خورشید..

میران رات ہی فارم ہاؤس سے واپس بنگلے آگیا تھا۔ آفس میں بیٹھا کام میں مصروف تھا وقت کا پتا نہیں چلا۔ دروازے پہ دستک ہوئی اسکی اجازت ملتے ہی عزیز اندر آیا میران تھوڑا حیران ہوا اسکے اس وقت آنے پہ۔

"نیند نہیں آرہی تھی آپ کے آفس روم کی لائٹ کھلی تھی سوچا آپ کے پاس ہی آجاؤں۔" وہ نا محسوس انداز میں گڑبڑایا ہوا تھا۔ میران نے نظر اس پہ جمائی۔

"عزیز کیا بات ہے؟ پریشان کچھ الجھے ہوئے لگ رہے ہو۔" میران نے اپنا کام روک کے کرسی پہ دراز ہوا تھوڑی سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ میڈم سے سچی والی محبت کرتے ہیں؟" عزیز سے ایسے بچپنے کی امید ہر گز نہیں تھا میران دھیمے سے ہنسا تھا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے؟" میران نے کہنی کرسی کے بازو پہ ٹکائی۔

"غضب کی آگ ہے آپکے اور انکے درمیان۔ آپ بڑے سائیں سے لڑ رہے ہیں صرف میڈم کے لیے۔" عزیز کے چہرے پہ حیرانی تھی۔

"اس دن جامعہ اسے ہی دیکھنے گیا تھا۔"میران نے اسے بتا کہ عزیز کے دل سے پہاڑ جتنا بوجھ اتارا تھا اسے لگا کہ میران کو یہی لگتا ہو گا کہ وہ رومائزہ کے بارے میں جانتا تھا پر ایسا نہیں تھا۔۔ میاں عزیز اس معاملے میں بے خبر تھے۔

"پتا ہوتا وہ آپکے لیے کیا ہیں تو آپکو آگاہ کر دیتا۔"وہ شرمندہ ہو رہا تھا اسے اپنی نادانی کا احساس ہونے لگا تھا۔

"عزیز یہ ایک حادثہ ہے جو لازمی طور پہ ہونا تھا تمھارے اور میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو اللہ نے لکھ دیا ہے وہی ہو گا۔اب تم خود کو قصوروار نا سمجھو در حقیقت جو غلط کر رہا ہے انھیں ہی احساس نہیں ہو رہا۔"میران نے آرام سے عزیز کا دل ہلکا کیا عزیز نے تشکر سے اسے دیکھا۔

"سہی.. ایک خبر اور ہے۔"عزیز نے اسکی نظروں سے نظریں ملائیں۔

"ساری خبریں آج ہی جمع کر لائے ہو بتاؤ۔"میران نے واپس فائل ہاتھ میں تھامے اس پہ توجہ مبذول کی سامنے لیپ ٹاپ بھی آن تھا۔

"ایس_پی مراد میر.. وہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں پوسٹ کیا گیا ہے اور اب اسکی بڑے سرکار کے ہر عمل پہ نظریں ہیں۔اور اسے شاید معلوم ہو چکا ہے کس دن منی لانڈرنگ ہو گی اور کس کے ہاتھوں ہو گی۔"

عزیز میران کے چہرے کے تاثرات جانچنے کی کوشش کررہا تھا جن سے کچھ بھی ظاہر نا تھا سوائے اسکے کہ وہ اپنے کام میں مس قدر مصروف ہے۔

"تو یہ اسکا کام ہے کرنے دو۔ ہم کو اس سے کیا مطلب۔"

"اور وہ اب ثبوت حاصل کرلے گا کورٹ میں پیش کردے گا پھر۔"

"تم کو اتنی فکر ہے جاؤ بتا دو بڑے سائیں کو۔" میران کی آنکھوں میں عجیب سی رمق آئی تھی۔

"تمھیں خبر ہوگئی ہے یقیناً شمس کو بھی ہوگئی ہوگی۔" وہ مختصراً ہی دوسرے پہلو سے روشناس کروا بیٹھا تھا عزیز نے اسے دیکھا اور دھیمے سے مسکرایا۔

"حلیمہ بی نے پینٹنگ کا کچھ سامان منگوانے کا کہا ہے۔" عزیز نے بتایا۔

"کیوں؟" میران کی بھنویں سکڑی۔

"میڈم پینٹنگ کرتی ہیں انھوں نے کہا ہے۔" عزیز کرسی سے کھڑا ہوگیا میران کے چہرے پہ مسکراہٹ نے جگہ لے لی تھی عزیز اسکو مسکراتا دیکھ باہر نکل گیا۔

رومائزہ کی یادیں تو ہر وقت میران کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس نے سب آگے کا سوچ لیا تھا پھر یہ ٹریجیڈی ہوگئی اور اب بھی وہ آگے کا سوچ چکا تھا کہ کیسے ڈیل کرنا ہے۔ سب سے پہلے تو رومائزہ کی نفرت کو بڑھنے نہیں دینا تھا

نرمی سے ہی وہ نفرت ختم کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ پر بعض اوقات روما اپنی باتوں سے اسکے غصے کو ہوا دے جاتی تھی۔

دو دن مزید گزر گئے تھے آج وہ کافی بے حال سی ہو رہی تھی۔ مغرب کا وقت تھا اچانک کمرے میں اذانوں کی آواز آئی۔

آج آواز پچھلے دنوں سے کافی زیادہ تیز تھی۔شاید حلیمہ بی نے باہر ٹی وی آن کیا ہوا تھا۔

اذان سنتے ہوئے اسکا دل مسوس ہونے لگا وہ بے اختیار بیڈ سے اٹھ کے واش روم میں گھسی تھی اور اگلے پانچ منٹ بعد وضو کی حالت میں باہر نکلی۔

نیلی فراک کہنیوں تک چڑھی آستین جو وہ اب نیچے کر رہی تھی تھوڑی سے ٹپکتا پانی بھیگی پلکیں لبوں پہ پانی کی بوندیں! ڈھلتا سورج کمرے کی گلاس وال سے باقاعدہ نظر آرہا تھا جو کمرے کے منظر کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہا تھا۔

دوپٹہ اٹھا کہ اس نے سر پہ لپیٹ لیا تھا دل کی دھڑکن بہت تیز تھی ایسا لگ رہا اتنی تیزی کے بعد دل بند ہو جائے گا۔

کمرے سے باہر نکل کر اس نے حلیمہ بی سے جاء نماز لی تھی اور کمرے میں آ کے قبلہ کے رخ پہ بچھائی۔

آج اللہ کے سامنے کھڑا ہونا بے حد مشکل لگ رہا تھا۔ اپنا آپ بہت ہی گناہوں میں ملوث محسوس ہوا۔

بھرے دل کے ساتھ اس لڑکی نے نیت باندھ لی تھی۔ رکوع قیام پھر سجدہ!

آخر میں سلام پھیر کے اس رومائزہ نے ہاتھ دعا کے لیے کھڑے کیے تھے۔

"اللہ... اللہ۔ میری خطاؤں کو معاف کر دے میں تجھ سے بہت دور تھی دنیا میں خوب مگن تھی کبھی سجدہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔" آنکھ سے آنسو چھلکے تھے سجدے تو کیے تھے پر آج جو سجدوں کی لذت اسے ملی تھی وہ پہلے کبھی نہیں ملی۔

دل میں درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھی بے ساختہ اس نے سانس روکی۔

"اللہ تو ناراض ہے کیا مجھ سے؟ مجھ سے راضی ہو جا مجھے اس مشکل سے باہر نکال دے۔ میرے بابا کو اپنی رحمت کے سائے تلے رکھنا تیرے سوا ہمارا ہے کون۔ کس کو اپنا حال سناؤں،، مجھے نہیں معلوم یہ کس خطا کی سزا میں بھگت رہی ہوں۔ مجھے معاف کر دے غفور ور حیم۔" وہ بے اختیار سجدے میں جھکی اور آنسو بہاتی رہی۔

کیسی اندر آگ لگی تھی جو ان آنسوؤں کے گرنے پہ مزید بھڑکتی تھی۔

اللہ سے رو رو کے دعائیں مانگنے کے بعد دل ہلکا ہوا تھا۔اب اسے حالات کا سامنا کرنا تھا نا کہ کمزور پڑ کے سب گنوا بیٹھتی۔

وہ مضبوط بہادر ہے اسکا یقین اس نے خود کو ایک بار پھر دلایا۔وہ یہاں بس دن کاٹ رہی تھی باہر دنیا میں کیا چل رہا تھا ہر چیز سے بے خبر،،دل تو اسکا یہاں لگتا بھی نہیں تھا۔۔دن کا کچھ حصہ حلیمہ بی سے باتوں اور کچھ تنہائی کے نام ہو جاتا۔

سانسیں تھیں پر زندگی جیسے رک گئی تھی۔

مغرب سے فارغ ہو کر بھوک مٹانے کے لیے رومائزہ کمرے سے باہر نکلی تو میران لاؤنج میں بیٹھا موبائل میں صرف ملا۔رومائزہ کا جی کلس گیا وہ یعنی مغرب کے دوران ہی آیا تھا۔

"کیسی ہو؟"اسے دیکھ میران نے موبائل بند کر کے تمام تر توجہ اسکی جانب مبذول کر لی تھی رومانے ہونٹ کترا۔

"زندہ ہوں اغوا ہو گئی ہوں بہت مزا آرہا ہے۔"

جھپاک سے طنز میں ڈوبا جواب موصول ہوا میران ہنس دیا۔ رومائزہ نے سانس روکے اسے ہنستے دیکھا جسکی آنکھیں ہنستے ہوئے تپش پیدا کر رہی تھیں وہ دم سادھے دیکھتی رہی۔

وہ ہمیشہ اسکی بات ہنس کے ٹال رہا تھا روما کو اور غصہ چڑھنے لگتا۔ جب وہ دل دے چکا تھا تو سارے حقوق بھی دے دیے تھے اور جن حالات کا وہ سامنا کر رہی تھی تو دل کی بھڑاس نکالنے کا پورا حق بھی رکھتی تھی۔

تیرے دستِ ستم کا عجز نہیں

دل ہی کافر تھا جس نے آہ نا کی

"کب واپس جاؤنگی میں ؟" انجانے سہر سے باہر نکلے اس نے پوچھا۔

"جب تمھارے بابا پیسے دے دینگے۔" میران سہولت سے اسکا غصہ بھانپتے ہوئے مختصراً بولا.

"اور اگر تم مکر گئے ؟ میں یقین نہیں کرتی کسی انجان شخص پہ۔" صوفوں کے پیچھے کھڑے وہ دوبدو گفتگو کر رہی تھی میران نے نظر جمائی۔

"آؤ بیٹھو جان پہچان بھی ہو جائے گی۔"

میران نے تھوڑی سہلائی نظروں میں بے جا نرمی تھی۔ وہ یک دم سیدھا ہو کے بیٹھا کالے شلوار قمیض میں بے شک وہ کسی کا بھی دل موم کر سکتا تھا۔ پر مقابل اس معاملے میں پتھر دل تھی۔

"اپنے کام سے کام رکھو.. "روما بڑبڑا کے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ میران کے لبوں کو گہری مسکراہٹ نے چھوا۔ انجان بن کر ہی وہ بار بار اسے متاثر کرتی جا رہی تھی۔

وہ یہ سمجھ رہی تھی اسکی بے اعتنائی پہ میران کی محبت میں کمی آجائے گی پر ایسا تو تھا ہی نہیں۔ اس طرح وہ میران کے دل مزید گھر بنا رہی تھی۔ میران کے لیے رشک کے قابل اتنی خاص ہو چکی تھی وہ!

"پہلے تو سوری میڈم۔ اور باقی یہ آپکا سامان۔ "عزیز نے نگاہیں جھکا رکھی تھیں اور معذرت کرتے ہوئے پینٹنگ کا سارا سامان رومائزہ کو دیا عزیز دروازے کے باہر ہی کھڑا تھا۔

"اٹس اوکے،، آپ بھی حکم کے پابند ہیں بہت سڑیل ہے یہ آپکا سائیں کیسے برداشت کرتے ہیں؟"مرے دل سے اس نے سامان لیا اور چیزیں دیکھ رہی تھی۔ عزیز کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"وہ بہت اچھے ہیں یہ آپکو وقت ہی بتائے گا۔"

روما نے اسکا جھکا سر دیکھا تھا آج اس شخص نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا نہیں تھا اور جب جامعہ میں اسے دیکھا تھا وہ کوئی اور ہی عزیز تھا۔ یہ احترام وہ میران کی وجہ سے تھا؟ کیوں تھا؟ پر ہاں اچھا لگا تھا۔

عزیز مختصر کہہ کر دروازے سے ہی پلٹ گیا تھا پیچھے روما نے ہنکارا بھرا۔

اور سامان سارا کمرے میں جگہ پہ رکھ دیا۔

عائشے کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا کمرہ گیندے کے پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

پیلے جوڑا پہنے اوبٹن میں لت پت انوش کے ساتھ وہ تصویروں میں مگن خود بھی ایک گیندے کا پیلا پھول ہی لگ رہی تھی۔

"یہ ارغن کیوں کال کر رہے ؟" داہنے ہاتھ میں فون پکڑے عائشے چونک کے بولی انوش نے اپنا تصویر کے لیے بلند کیا ہاتھ نیچے کیا تھا۔

"پاگل لڑکی کال اٹھاؤ نا انکو بات کرنی ہو گی یقیناً۔ آخر اب تو نکاح ہونے کو ہے پھر مسز ارغن بن جاؤ گی۔" انوش نے اس پہ دباؤ ڈالا تو عائشے نے منہ بگاڑ کے کال ریسیو کر لی۔

"اسلام وعلیکم۔" مقابل کا دھیما لہجہ عائشے کو کنفیوز کرنے لگا۔

"وعلیکم اسلام۔ کیوں کال کی آپ نے ؟"

"اچھا سوال ہے،، سوچا تھوڑی گفتگو کر لوں شادی سے پہلے کچھ انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔" ارغن کے انداز میں دل نشینی تھی عائشے نے آنکھیں گھمائیں۔ برابر میں بیٹھی انوش عائشے سے چپک کے مسہری سے ٹانگیں لٹکائے لیٹی پھولوں کی مہک خود اتار رہی تھی۔۔

"تو آپکو اب انڈر اسٹینڈنگ یاد آ رہی ؟" عائشے کے منہ سے بے ساختہ نکلا جو بول کے پچھتائی تھی۔

"تو آپ پہلے سے منتظر تھیں۔مجھے پتا ہوتا تو پہلے ہی کال کر لیتا۔" وہ شاید سیگریٹ پی رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں فون رکھتی ہوں امی آ گئی ہیں۔" عائشے نے کہہ کر فوراً لائن کاٹ دیا اور لمبی سانسیں لیں۔انوش اٹھ بیٹھی اور اسے گھورا۔

"بات تو کر لیتی ڈھنگ سے اگلے کا بھی پتا چلے کے کیسا ہے،،"

"اچھا۔مجھے روما پہ بہت غصہ آرہا ہے میری شادی کے وقت ہی چلی گئی ہے تھوڑا انتظار کر لیتی ویسے تو بہت خوش ہو رہی تھی میری شادی کو لے کر۔" عائشے کا موڈ اسکی یاد ستانے پہ خاصا بگڑا تھا مجبوری تھی ورنہ روما کی غیر حاضری میں شادی کرنا اسے خود اچھا نہیں لگ رہا تھا آخر کو وہ بیسٹ فرینڈ تھی۔

"مجبوری بھی کسی بلا کا نام ہے، تمھاری ملاقات کی سیٹنگ کرواؤں؟" انوش نے سرسری سا پوچھا۔

"کس سے؟" عائشے کا دھیان موبائل میں لگا تھا۔

"ارغن بھائی سے۔" انوش آنکھوں میں چمک لیے بولی عائشے نے تپ کے اسے دیکھا تو انوش کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"اچھا سوری مذاق کر رہی ہوں۔تمھاری شادی ہو جائے گی،، مجھے لگ رہا روما کی خالہ کا بھی کوئی بیٹا ہو گا تو سمجھ جاؤ اب بچی ایک کنواری میں جو پڑھ پڑھ کے کتابوں کو پیاری ہو جاؤ نگی۔"

"تمھارے غم تھوڑے ویلیڈ ہوں تو ہم کچھ کریں بھی۔" عائشے نے جتایا اور انوش ہمیشہ کی طرح آنکھیں گھوماتی کچھ کھانے کے لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسی کے پیچھے عائشے کی کزنس نے کمرے میں ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

ماڈل یلدیز کے ائیر پورٹ پہنچنے کی خبر پکی تھی۔ مراد نے ساری سکیورٹی الرٹ کروادی۔

دو دن میں زولفقار جاہ کے کیس کی سماعت تھی اور وہ ثبوت عدالت میں پیش کر کے کرپشن ثابت کر دیتا۔

"مس اسٹاپ ہیئر۔" سکیورٹی اہلکار نے یلدیز کا راستہ روکا تھا جو آنکھوں پہ چشمہ لگائے سفید شرٹ اور بلیک لیدر کی پینٹ میں ملبوس،، ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھامے سیدھے سیدھے چلے جارہی تھی۔ سکیورٹی کے روکنے پہ اسے مجبوراًرکنا پڑا۔

"بیگ چیکنگ ہو گی۔"

"پیچھے ہوئی تو ہے ابھی۔" یلدیز نے وضاحت کی ماتھے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔

"میم آرڈر ملا ہے ہمیں۔ پلیز کا پریٹ وتھ اس.." ساتھ میں لیڈیز اہلکار بھی تھی جس نے ایک جست میں آگے بڑھ کے اسکا بیگ کھولا تھا۔

یلدیز نے ہونٹ تر کرتے ہوئے انکے چہروں کا جائزہ لیا۔

"فائن آپ جاسکتی ہیں۔" خاتون نے اچھے سے تلاشی لی تھی اسکے سامان کی اور اسکی بھی جب کچھ نا ملا تو اسے جانے دیا یلدیز مسکراہٹ اچھالتے ہوئے آنکھوں پہ چشمہ واپس لگائے آگے بڑھ گئی۔

"ڈیم اٹ! ایسے کیسے ہو سکتا ہے ہماری خبر بلکل پکی تھی۔"

مراد غصے میں ٹیبل پہ ہاتھ مارتا ہوا دھاڑا.. ائیر پورٹ کا ہی کوئی کمرہ تھا جہاں ساری سیکورٹی اور پولیس فورس تھی جو مراد کے انڈر کام کر رہی تھی۔

"سر یقیناً زولفقار جاہ کو خبر کا پتا چل گیا ہو گا جب ہی اس نے سوٹ کیس بدل دیئے یا پھر اس نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے اس نے منی لانڈرینگ کروائی ہی نہیں ہو گی اسے پتا ہو گا آج ائیر پورٹ پہ کیا ہونے والا ہے۔"

خورشید کڑیاں ملاتے ہوئے بولا مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

"خبر لیک کیسے ہو گئی پتا کرو کون ایسا ہے جو یہاں کی خبریں وہاں پہنچا رہا ہے۔"

مراد نے جبڑے بھینچے کہا تمام افراد اسکا غصہ سہہ رہے تھے۔ وہ غصہ ہوتا بھی کیوں نا اتنا اہم کیس اسکے ہاتھ میں تھا دو دن میں کورٹ کو ثبوت دینے تھے اور اب سب ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ جلے پیر کی بلی ہی بنا ہوا تھا۔

یہ کام واقعی اتنا آسان نہیں تھا جتنا مراد کو لگا تھا وہ اندر ہی جل رہا تھا زولفقار جاہ کا چہرہ ہر صورت وہ دنیا کے سامنے لانا چاہتا تھا ثبوت سمیت۔

"سائیں وہ آفیسر غصے سے پاگل ہو رہا ہے۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے شمس نے قہقہہ چھوڑتے ہوئے بتایا۔

"ابھی کا بچہ ہے زمہ داری کا جوش چڑھا ہے کچھ سالوں میں ہمارے ہی انڈر کام کرے گا۔" زولفقار جاہ ہنستے ہوئے بولے نگاہیں سڑک پہ جمی تھیں۔

"سائیں وہ کچھ عجیب سا ہے الگ جنون ہے اس میں تھوڑا مشکوک لگتا ہے اور بہت پُر راز.." شمس نے اپنے خدشات ظاہر کیے۔

"دیکھتے ہیں اس میں کتنا جنون ہے۔ فلحال تو کیس ہم جیت گئے یہی سمجھو اب شنواری سے مل لیا جائے۔" زولفقار کی بات پہ شمس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

احتشام شنواری اپنے دوست میاں حسن کے ہمراہ فیکٹری میں ہی تھے۔

میاں حسن انکے ہر مسئلے سے واقف تھے دونوں کے درمیان کافی گہری اور پرانی دوستی قائم تھی۔

پچاس لاکھ تک کی تو وہ بھی مدد کر رہے تھے۔

"فیکٹری کو بیچ دونگا تو آگے کیا ہو گا اور فیکٹری کی قیمت گر گئی ہے اور اس کو بیچنے میں بھی وقت لگے گا کوئی خریدنے پر راضی ہی نہیں۔ باقی اپارٹمنٹ بیچ دیا تب بھی اتنے پیسے بن نہیں پا رہے اور پھر روما کو لے کر جاؤنگا کہاں۔" احتشام شنواری نے سارے حالت پیشمانی سے بتاتے ہوئے کہا۔

"تم پریشان مت ہو میرا گھر تمھارے لیے ہر وقت کھلا ہے تمھارے پاس جو کچھ سیوونگز ہیں اور یہ پچاس پہلے اتنا ادا کر دو تا کہ زولفقار جاہ کو تسلی ہو جائے۔" میاں حسن کی بات پہ انھوں نے سر کو تھوڑی جنبش دی تھی۔

یہ کوئی بہت بڑی فیکٹری نہیں تھی پر جتنی تھی اور جتنا شنواری صاحب نے کمایا تھا وہ دو باپ بیٹی کے لیے بہت تھا بیٹی کو انھوں نے کسی چیز کی کمی ہونے نہیں دی تھی۔

اور جب حالات تنگ ہونے لگے تب بھی رومائزہ کو کسی چیز کی بھنک نہیں پڑنے دی تھی اسکی زندگی کے رہن سہن میں کوئی فرق نہیں کیا تھا۔

اور اب فیکٹری چل تو رہی تھی پر کچھ پیچھے منافع نہیں ہو رہا تھا۔ دس سال کا کنٹریکٹ بھی ختم ہو چکا تھا جو انھوں نے قرضے کے وقت لیا تھا۔

کچھ عرصہ فیکٹری بننے اور کاروبار کے جمنے میں لگا پھر اس دوران شنواری صاحب نے قرضا ادا نہیں کیا تھوڑی تھوڑی رقم جو وہ جما کرتے رہے تھے کہ ایک ساتھ ادا کرینگے وہ سب واپس کاروبار میں ہی لگ گئی تھی اور اب

دیکھتے دیکھتے دس سال کی مدت ختم ہو چکی تھی وہ وہیں دس سال پیچھے تھے۔ بس تب قرضے جیسا بوجھ نہیں تھا صرف آگے بڑھنے کی امنگ تھی۔

قرض وہ بوجھ ہے جو اللہ بھی معاف نہیں کرتا تو وہ کیسے مزید پل سکتے تھے واپس حالت بگڑ گئے اور اس حد تک خراب ہوئے کے بیٹی تک کی وہ حفاظت نہیں کر سکے۔

||||

"سر زولفقار جاہ آئے ہیں۔" کسی ورکر نے اطلاع دی تھی اور پیچھے ہی زولفقار اور شمس نظر آئے۔

احتشام شنواری فوراً کھڑے ہوئے انھیں بیٹھنے کا کہا۔

"کتنے پر سکون ہو تم! میرے بیٹے کو میرے ہی خلاف کر کے تمھیں لگتا ہے کہ جیت تمھاری ہوئی ہے تو یاد رکھنا تمھاری بیٹی تمھارے پاس نہیں ہے.. اور میران بھی اسکی حفاظت تب تک حفاظت کر سکتا ہے جب تک اسکا باپ خاموش ہے۔" وہ سینا چوڑا کیے کھڑے نہایت غضب کے تیور لیے رعونت سے بنا کسی لحاظ کے بولے شنواری صاحب نے صبر کا گھونٹ پیا۔

"محض غلط فہمی کی بنا پہ آپ میری بیٹی کو درمیان میں مت لائیں آپکا قرض اتارنے کو میں راضی ہوں اور جلد از جلد پیسے لوٹا دونگا۔" ماحول کی سنگینی بھانپتے ہوئے احتشام شنواری نے نرم لہجہ اپنایا ہوا تھا۔

"پیسے تو تم لوٹاؤ گے ساتھ ساتھ میران کو میرے خلاف کھڑا کرنے کا خمیازہ بھی بھگتو گے۔" کھلے لفظوں میں دھمکاتے ہوئے آنکھوں پہ چشمہ لگا کر زولفقار جاہ وہاں سے نکل گئے جیسے صرف احتشام شنواری کو وہ اپنی جھلک دکھانے ہی آئے تھے۔ احتشام صاحب نے مٹھیاں بھینچ کے میاں حسن کو دیکھا تھا۔ حسن نے پلکیں جھپکا کے انھیں حوصلہ دیا۔ جبڑے بھینچتے وہ شمس کی طرف بڑھے۔

انھوں نے شمس کو اگلے دن تک دیڑھ کروڑ لوٹانے کی خبر دی تھی تا کہ کچھ زور کم ہو۔ شمس متکبر سا احتشام صاحب کا شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دھیمے سے ہنسا اور زولفقار جاہ کے پیچھے ہی پلٹ گیا۔

اور احتشام صاحب ماتھا رگڑتے ہوئے کرسی کھینچ کے بیٹھ کر سوچ وبچار میں لگ گئے۔

رومائزہ کمرے میں بند پینٹنگ میں خود کو مصروف کر چکی تھی اسکا شوق ذہنی سکون کا ذریعہ بن رہا تھا۔

خود میں گنگناتی وہ شاید کسی انسانی شکل کے نقشے میں رنگ بھر رہی تھی۔

صبح میران کی میٹنگز اور دورے وغیرہ طے تھے عزیز سے بات کرتا ہوا وہ کمرے سے باہر نکلا۔ رومائزہ کا جب کمرے میں جی متلانے لگا تو وہ باہر نکل آئی۔

فارم ہاؤس کے بیرونی داخلی دروازے کے ساتھ چھوٹی راہدری کے بعد بڑا سا ہال تھا جو لاؤنچ میں تبدیل تھا جسکے تھوڑا اندر کی طرف ڈائننگ ایریا قائم تھا اور وہیں تھوڑے فاصلے پہ کچن۔

لاؤنچ کے ایک جانب سیڑھیاں اوپر کی طرف جاتی تھیں جہاں الگ کاٹیج لک پہ پورشن بنا تھا اور اسکے ساتھ نیچے دو سے تین کشادہ لگژری کمرے موجود تھے۔ عین دروازے کے ساتھ لگی کانچ کی بڑی دروازہ نما دیوار کھڑکیوں کے سنگ تھی جن پہ دھاری دار پردے یک طرف پڑے تھے۔

میران کو ہال کے دروازے کے قریب سے گزرتا دیکھ کر رومائزہ فوراً وہاں پہنچی۔

وہ سفید کُرتا شلوار پہنے چوڑے شانوں پہ بھورے رنگ کی گرم شال لٹکائے ہوئے تھا ہلکی بڑھی داڑھی درخشاں چہرہ!

"سنو کڈنیپر.." رومائزہ کی پکار پہ میران کے قدم ٹھہرے ہال میں سوائے فانوس کے ساری بتیاں بند تھیں اسی کی روشنی اس احاطے کو ملگجا روشن کیے ہوئے تھی اور باقی دروازے کے قریب چاند کی گرتی روشنی!

"تم جا رہے ہو؟" لہجے میں تشویش واضح تھی میران مبہم سا ہنسا۔

"فون رکھو عزیز میں آ کے بات کرتا ہوں۔" فون کان سے ہٹا کر اس نے رومائزہ پہ مکمل نگاہ ڈالی جو جواب کے انتظار میں کھڑی تھی۔

غیر ضروری شانوں اور چہرے کے گرد بکھرے بال،، شانوں پہ پھیلا زردئی رنگ کا دوپٹہ اور نیم سوجی ہوئی آنکھوں میں لاپرواہی تھی!

"ہاں.. روکنے آئی ہو؟" لہجے پہ شوخ پن تو نہیں پر سرسری سی پراسراریت ضرور تھی ہمیشہ کی طرح وہ گڑبڑائی۔

"نہیں بلکل نہیں... واپس کب آؤ گے؟" رومائزہ کے اتنے سوالوں پہ میران متحیر سے اسکو دیکھتا رہا جو سکون سے سامنے کھڑی سوال پہ سوال کر رہی تھی۔

"کیوں انتظار کرو گی میرا؟" ماتھے پہ بل نمایاں ہوئے۔

"نہیں۔ سکون کے دن گنوں گی.. جب سے تم زندگی میں آئے ہو کچھ نا کچھ برا ہو رہا ہے۔"

بنا لحاظ کیے وہ جھٹ بولی تھی۔ لحاظ میران کے لیے تو رکھنا آتا ہی نہیں تھا۔ ہاں اسکے دن کا ایک حصہ میران کو کوسنے میں بھی نکل جاتا تھا۔ وہ سب حقیقت جان چکی تھی پھر بھی غصہ تھا اس پہ بہت غصہ!

میران کو بھی یقین تھا وہ الٹا جواب ہی دے گی۔ باتیں مارنے میں وہ ماہر تھی اندازہ ہو گیا تھا۔

"بلکل جب سے تم زندگی میں آئی ہو میرے بھی مسئلے دوگنے ہو گئے ہیں۔" وہ کونسا کم تھا جواب سن کے رومائزہ کا منہ کھلا میران ہلکا سا اس کی طرف جھکا پیچھے ہوا۔

"تم خود آئے تھے یونی میں تو وہاں پڑھتی تھی۔ اور پرنسپل کے آفس میں بھی یقیناً تم نے ہی بلایا ہو گا۔" اسے فوراً آگ لگی تھی اور گرم کوئلوں پہ جلتے ہوئے بولی۔

"اچھی خوش فہمی میں رہ رہی ہو میں دور کرنا چاہتا بھی نہیں۔" دروازے سے باہر لان کا منظر آنکھوں میں سموتے ہوئے میران نے سادگی سے کہا البتہ رومائزہ کی نظریں اسی پہ جمی تھیں وہ اسے سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

"میں جا رہا ہوں جلد ہی چکر لگاؤنگا خیال رکھنا اپنا۔" میران نے سر واپس اسکی طرف پھیرا اسکی آنکھوں میں محبت خیال عزت کے الگ ہی رنگ تھے روما خاموشی سے سنتی گئی جب وہ جانے لگا تو پھر اسے روکا۔

"میں باہر لان میں جا سکتی ہوں؟ اندر رہ رہ کر بیزار ہو گئی ہوں۔" وہ پوچھ رہی تھی پر کو حکم زیادہ چلاتے ہوئے لگی۔ میران نے گہری سانس بھری ہاتھ میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور سر ہلایا۔

"صرف شام میں۔" تحکم سے کہہ کر نظر بھر رومائزہ کو دیکھ کر میران نکل گیا تھا اگر تھوڑی دیر اور ٹھہرتا تو جانا مشکل ہو جاتا وہ دل پہ کس طرح پھیرے بٹھا چکا تھا یہ رومائزہ شنواری کو علم بھی نہیں تھا۔

کوئی تھا جو اسکی محبت میں خود کو جھلسا رہا تھا صرف اسکو وقت دینے کے لیے!

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے رومائزہ کا بولا لفظ 'کڈ نیپر' یاد کر کے وہ مسکرایا ضرور تھا۔

ادھر رومائزہ کو تھوڑی خوشی ملی تھی باہر لان میں جانے کی... فلحال تو رات کا وقت تھا اب اگلے دن ہی وہ لان کا چکر لگا سکتی تھی تو واپس کمرے میں چلی آئی۔

کسی این جیو کی افتتاحی تقریب تھی جس میں کئی سیاستدان شریک تھے اور میران ان میں سے ایک تھا۔

میران کو اکیلا صوفے پہ بیٹھا دیکھا تو اجمل خان نے اپنے قدموں کا رخ اسی جانب کیا اور معمولی سلام دعا کے بعد اسی کے ساتھ بیٹھ گئے نزدیک ہی لوگوں کی چھل پہل جاری تھی۔

"بہت مبارک ہو۔" مبارکباد وصول کرتے ہوئے میران نے سر ہلایا۔

"بہت شکریہ۔" تمکنت سی مسکراہٹ ہونٹوں کو چھوتی گزری اجمل خان زرا کھل کے بیٹھے اور واسکٹ کا درمیانہ بٹن کھولا۔

"مجھے اندازہ تھا زولفقار تمھیں ضرور سیاست میں لائے گا امید کرونگا ہمارے تعلقات بہتر رہیں۔" دیگر مہمانوں پہ انھوں نے نظر ڈالی میران ہونٹوں کے کونے پہ تبسم روکے سنتا رہا۔

"میرے تعلقات ہر اس شخص کے ساتھ اچھے رہیں گے جو اپنے فرائض میں کھوٹ نہیں کرے گا۔" وہ گہری بات کر گیا تھا اجمل خان رسمی مسکرایا۔

" بلکل۔ یہ سیاست ایک ایسی فلم ہے جہاں ڈھیروں کردار ہیں اور ہمارے ساتھ مخلص کون ہے خبر نہیں ہوتی بعض اوقات ہمارے قریبی ہی ہماری ڈور کاٹ رہے ہوتے ہیں اور ہم اسکا پتا نہیں چلتا ہے ہم بے خبر رہ جاتے ہیں۔" اجمل خان کی تلخ مخلصانہ بات پہ اس نے لب ملائے۔

"میں زولفقار کو عرصے سے جانتا ہوں تم اسکے بیٹے ہو پر پھر بھی اسکے بدلتے رویے سے آگاہ کرنا چاہوں گا۔ وہ تب تک ساتھ رہتا ہے جب تک آپ اسکے پشت قدم رہیں اور اسکے بعد...." خان نے جملہ ادھورا چھوڑ کے میران کے تاثرات بھانپے تھے۔

"اسکے بعد کیا؟" پاس گزرتے بیرے کو اشارے سے روک کے قریب بلایا تھا اور اسکے دائیں ہتھیلی پہ جمی ٹرے سے کوئی مشروب کا گلاس اٹھا کے میران نے لبوں سے لگا بھنویں سکیڑیں استفسار کیا۔

"میں نے سنا ہے تمھارے اور اسکے درمیان کسی معاملے میں اختلاف چل رہا ہے..." ایک گلاس انھوں نے بھی اٹھایا تھا میران سکون سے گلاس کی نوک پہ انگھوٹا پھیرتا رہا اور گہری سانس بھری۔

"کچھ خاص نہیں چھوٹے موٹے اختلافات ہو جاتے ہیں۔" اس نے بات ٹالی نہیں پر پردہ گوشی ہی کی تھی اجمل خان ہنس دیا۔

"چھوٹے موٹے ہی بڑے اختلافات بنتے ہیں اور زولفقار کو میرے خیال سے یہ پسند نہیں وہ فوراً خاتمہ کر دیتا ہے۔" وہ شخص طنز کر رہا تھا یا میران سے مخلص تھا جو زولفقار کے ہر پہلو کا ذکر چھیڑ دیتا۔ میران کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی اس نے کان کی لو مسلی اور نرم تاثر دیتے ہوئے ہی سیدھا ہوا۔

"خان صاحب آپ فکر نا کریں۔ خوشی ہوئی اپنے لیے فکر مندی دیکھ کر پر ایسا ہے وہ باپ ہیں میرے کہیں غلط ہو جاؤں تو آرام سے سمجھا دیتے ہیں غیروں جیسا رویہ ہمارے درمیان نہیں۔"

وہ صاف گوئی سے بولا اس نے کسی کو حق نہیں دیا تھا کہ اسکے باپ کے خلاف بیٹھ کے بولتا جائے اور وہ چپ کر کے سنے۔ وہ کافی ناراض تھا زولفقار جاہ سے پر انکی عزت میں کمی کیسے کر سکتا تھا۔ صرف ایک واقعے کی وجہ سے انکے پیچھے کے تمام احسانات بھول جاتا۔ احسان تو نہیں پر میران پہلے جو تھا باپ کی بدولت تھا اور اب جو میران جاہ تھا وہ اس نے خود محنت کر کے اپنا نام بنایا تھا۔

دنیا اب جانتی تھی میران زولفقار جاہ سے کتنا مختلف ہے۔

"یہ اچھی بات ہے۔وزیرِ اعلی صاحب کو میرا اسلام کہنا۔میں چلتا ہوں.." واسکٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ کھڑے ہوگئے میران نے انکو الوادع کیا۔انکے رویے سے کافی حیران ہوا تھا جاتے جاتے بھی مصافحہ اور گلے مل کر گئے تھے۔

کیا میران کو اپنا کامپیٹیر سمجھ کے یہ سب کیا گیا تھا؟کیونکہ انکے معاملات تو سیاستدانوں والے ہی تھے کب کیا گولہ باری کر دیں خبر نہیں۔خیر وہ زیادہ اس بارے میں سوچ کے خود کو تھکانے والوں میں سے نہیں تھا کچھ خاص بات ہوتی تو چند دن میں خود ہی سامنے کھل جانی تھی۔

پورا گھر قمقمے جلنے سے روشن تھا گھر میں الگ افراتفری مچی تھی۔

گلی میں ہی نکاح کی تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔چند مہمان تھے جن میں کچھ رشتے دار اور اہلہ محلہ شامل تھا۔

رخصتی چونکہ ساتھ ہی تھی تو عائشے کو پالر سے تیار کروایا گیا تھا۔انوش پل پل اسکے ساتھ تھی دونوں ہی روما کی کمی محسوس کر رہی تھیں۔آج صبح سے ہی عائشے کا دل گھبرا رہا تھا اور انعم بیگم اسے مسلسل سمجھا رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں مہمانِ خصوصی لڑکے والے بھی آگئے۔انوش اندر ویڈیو بنا کے لائی تھی اور اب باہر کا سارا منظر عائشے کی نظروں کے سامنے تھا۔

ہالف وائٹ شیروانی میں ملبوس ارغن تیار ہو کے مزید اپنی جانب توجہ کھینچ رہا تھا۔ عائشے نے ویڈیو بند کر دی۔

انعم بیگم کے ساتھ ارغن کی والدہ داخل ہوئیں جنھوں نے لال نیٹ کا دوپٹہ عائشے کے سر پہ ڈالا اور مہندی سے رنگے ہاتھ دیکھے۔

ہاتھوں کی پشت پہ ارغن کی دلہن ذیل تھا۔

بلوچی اسٹائل سرخ فراک میں عائشے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ پالر والی نے گہرے رنگ کی لپ سٹک لگا کر عائشے کا دل خوش کر دیا تھا اس اسے لپ اسٹک کے گہرے رنگ بے حد پسند تھے۔ ہلکے گلابی گال ناک میں باریک نازک سی نتھ اور بیچ کی مانگ سے گزرتی بندیا اور سائیڈ جھومر!

"انوش جلدی سے تصویر لو یار۔" انعم بیگم اور ارغن کی والدہ کے کمرے سے نکلتے ہی لال دوپٹے کو سر سے اٹھا کے عائشے نے انوش کو کہا جو موبائل میں گھسی ہوئی تھی اسکی آواز پہ سر اٹھایا اور چڑ کے اسے دیکھا جو گولڈن رنگ کی فینسی کرتی میں دلکش لگ رہی تھی۔

"عائش میں تھک گئی ہوں ڈیڑھ سو تصویریں ہو گئیں صرف ابھی ابھی کی۔" انوش نے جتایا تھا عائشے کا منہ بگڑا۔

"دلہن کی ساری باتیں مانی جاتی ہیں شرافت سے اس لال دوپٹے کے ساتھ بھی تصویر لو۔" وہ حکم دیتے ہوئے سر پہ دوپٹہ سیٹ کر چکی تھی انوش ناک کے نتھنے پھلا کے اپنا بیلبوٹم پجامہ سنبھالتی اسکی مسہری کے سامنے آگئی اور دھڑا دھڑ تصویریں کھینچ ڈالیں۔

تھوڑی ہی دیر میں نکاح کا شور اٹھا عائشے کو صحن میں لا کر صوفوں پہ بیٹھا دیا گیا انوش اسکے بائیں جانب پیچھے کھڑی تھی اور معین صاحب اور انعم بیگم عائشے کے ساتھ تھے۔

قاضی صاحب نے سب کی موجودگی میں نکاح پڑھانا شروع کیا۔

لاک اپ میں کسی مجرم سے تفتیش کر کے مراد باہر نکلا تھا اور خورشید کو کچھ انفارمیشن دینے لگا۔

"سر لڑکیاں اسمگل کرنے والے رفیق کا پتہ چل گیا ہے۔" جونیئر انسپیکٹر نے آکے اسے خوشی خوشی اطلاع دی تھی مراد جو کمر پہ ہاتھ جمائے خورشید سے گفتگو میں محو تھا اسکی آنکھوں میں انوکھی سی چمک اڈ آئی۔

"کہاں ہے وہ؟" سر پہ کیپ پہنتے ہوئے مراد نے بازوؤں کو گھما کے حرکت دی تھی۔

"وہی کسی لڑکی کی زندگی برباد کرنے پہنچا ہوا۔سنا ہے شادی کر رہا ہے۔اس وقت وہ جہاں ہے اسکی خبر خبری نے دے دی ہے۔"انسپیکٹر نے مزید بتایا تو مراد نے سانس بھری۔

"خورشید جیپ تیار کرو آج کسی صورت یہ خبیث بچے گا نہیں۔"انسپیکٹر کو ساتھ لے کر وہ تھانے سے باہر نکل گیا۔

مولوی صاحب نے نکاح کے بول پڑھنا شروع کیے تھے کہ عجیب سا شور اٹھا۔

"معین بھائی باہر پولیس آئی ہے۔"پڑوسی نے چڑھتی سانس کو تھامے کہا عائشے کے والد تشویش کے عالم میں جگہ سے کھڑے ہوئے۔ماحول میں سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں۔

جب باہر شور اٹھا تو معین بلوچ گھر کے دروازے سے باہر نکلے کیونکہ باقی مہمان تو باہر ہی اہتمام کی گئی میز کرسیوں پہ موجود تھے۔

معین صاحب کے پیچھے باقی لوگ بھی گلی میں پہنچے باہر کا منظر ہی گویا الٹ چکا تھا۔

قناعت کا پردہ اٹھاتے ہوئے اے ایس پی اور مزید حوالدار داخل ہوئے تھے گلی کی پچھلی جانب بھی پولیس کی جیپ نے راستہ بند کر دیا تھا۔

اسٹیج پہ بیٹھا ارغن بھی گڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

جونیئر انسپکٹر نے فوراً ہی درمیان کا فاصلہ طے کیا اور ارغن کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی تھی۔

"انسپکٹر صاحب آپ یہ کیا کر رہے ہیں ہمارے داماد کو چھوڑیے۔" معین صاحب اسٹیج کی طرف ہونقوں کی حالت میں بڑھے مراد کا قہقہے سے ہنسا۔

اندر بیٹھی عائشے کا دل جو صبح سے گھبرا رہا تھا اس سے مزید بیٹھا نا گیا خود بھی گھر کے عین دروازے کی چوکھٹ پہ آئی اور پولیس کو دیکھ کر اسے سہی میں سانپ سونگھ گیا تھا انوش نے اسے تھاما۔

"بلوچن ہوش کرو۔"

"انسپکٹر یہ کیا بدتمیزی ہے ہاتھ کھولیں میرے۔" ارغن نے گھبراہٹ کو پست پشت ڈالا اور انسپکٹر سے مخاطب ہوا۔

"سر اسکی مرمت آپ ہی کریں۔" انسپیکٹر نے نیچے کھڑے مراد کو مخاطب کیا جو لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اسٹیج پہ چڑھا تھا معین صاحب نے اسے کافی غور سے دیکھا جیسے کسی چیز کی تصدیق کر رہے ہوں۔

"انکل جی آپکا داماد ایک بہت بڑا مجرم ہے۔ لاہور سے لڑکیوں کی اسمگلنگ کرنے میں اسکا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ کیوں بھائی رفیق بولنا پسند کروگے یا ہم ہی پول پٹیاں کھولیں؟" مراد نے جبڑے بھینچتے ہوئے اسکی گردن دبوچی تھی۔

ارغن کے گھر والوں نے فرار ہونے کی کوشش کی تو باقی حوالدار راستے میں حائل ہو گئے۔ بلوچ فیملی پہ تو حیرانی کا عالم تھا اور محلے والے بھی ہکا بکا سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

انوش کا بھی سر گھوما اس نے عائشے کو دیکھا جو بے یقینی کے عالم میں کھڑی تھی۔

اسکا نکاح تھا اور اب یہ اے_ایس_پی کیا باتیں کر رہا تھا۔۔

انعم بیگم ساکت نظروں سے ارغن کو دیکھنے لگیں۔ کون تھا وہ ارغن یا رفیق؟ یا کوئی بھروپیہ؟

"بھروپیہ ہے یہ۔ اپنی بھلی شکل کا فائدہ اٹھا کر کئی شریف لوگوں کو بے وقوف بنا کر کئی نکاح کر چکا ہے اسکے بعد لڑکی کی زندگی برباد!"

"نکاح ویسے ہوا کہ نہیں؟" مراد نے غضب سے اس جھوٹے ارغن کو اسٹیج سے دھیکلا تھا جو لڑکھڑا کے نیچے گرا نظریں گھومتی ہوئی کونے کے مکان کے دروازے کی چھوکٹ پہ کھڑی لڑکی پہ ٹھہریں جو لال عروسی لباس میں آنکھوں میں حیرت لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی مراد کی نظروں میں نرم تاثر جھلکا۔ اس نے نظریں گھما کر معین صاحب پہ ڈالیں۔

"نکاح ہونے لگا تھا اور آپ لوگ آ گئے میرے سب سمجھ سے باہر ہے۔ یہ لوگ کافی شریف ہیں کیا آپ شیور ہیں؟" یقین کرنا بھی تو مشکل تھا وہ اپنی بیٹی سونپ رہے تھے جسکو اب ہتھکڑی لگی تھی۔

"صاحب جی پولیس ایسے ہی کسی کو گرفتار کرنے نہیں پہنچ جاتی کافی عرصے سے ہم کو اسکی تلاش تھی۔ یہ آپ اپنی بیٹی کی خوش نصیبی سمجھیں جو اس درندے سے جان بچ گئی۔" وہ اسٹیج سے اترتا ہوا بولا جاذب شخصیت پہ ہر ایک کی نظریں جمی تھی۔ پولیس والے اتنے خود شکل اور ہینڈسم بھی بھلا ہوتے ہیں؟ محلے کے اراکین نے پہلی بار ہی شاید دیکھا تھا۔

"عائشے یہ تو وہی اے ایس پی ہے۔ اور یہ الو کا پٹھا رفیق اس مکار کو میں چھوڑونگی نہیں کیسے لڑکیوں کی یہ زندگی برباد کر سکتا ہے،، کاش روما یہاں ہوتی اسے تو داؤ پیچ مارنے بھی آتے ہیں اس ارغن روغن کا حلوہ بنا دیتے ہم!"

انوش بے قابو ہو چکی تھی عائشے نے اسکا بازو دبوچا اور اسے روکا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔ پولیس والے اب خود نمٹ لیں گے۔ میں تو شکرانے کے نفل ادا کروں بال بال بچ گئی اس عذاب سے۔۔ اللہ معافی۔" بے یقینی کی کیفیت میں عائشے پھڑکتے لبوں سے بڑبڑا رہی تھی۔

"جھوٹے فریبیوں شرم نہیں آتی تم لوگوں کو۔" انعم بیگم ارغن کی جھوٹی ماں پہ برس پڑی تھی۔ یہ اسی کے گینگ کے لوگ تھے جو صاف ستھرے حلیے اور پوری پلاننگ کے ساتھ سامنے والے کو شیشے میں اتارتے تھے۔

انعم بیگم نے غصے میں اس عورت کو مارنا شروع کیا تو محلے کی عورتوں نے انکو سنبھالا اور معین صاحب کے کہنے پہ انکو گھر میں لے گئیں۔ مراد نے ارغن کے حوالے سے انہیں آگاہ کیا۔

حوالدار نے مجرموں کو ہتھکڑی لگائی اور انکو باہر لے جا کے جیپ میں ڈالا۔ رفتہ رفتہ پولیس کے آنے سے جو گھما گھمی مچی تھی چھنٹتی گئی۔ جو لوگ تقریب میں مدعو تھے بھی نہیں پولیس کو دیکھ کر وہاں پہنچ چکے تھے اور اب طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے۔

معین صاحب خود کو سنبھالتے ہوئے اندر چلے گئے۔ پولیس کی وین جا چکی تھی پر مراد خورشید کے ساتھ بلوچ منزل میں داخل ہوا۔

صحن میں ہی بچھے صوفوں پہ اس لڑکی کے ماں باپ سر تھامے بیٹھے تھے چند رشتہ دار جو انکو سنبھال رہے تھے۔ مراد نے سانس خارج کی اور معین صاحب کے برابر میں بیٹھا وہ انھیں پہچان چکا تھا ایک دو بار انھی دنوں تھانے میں اسکی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

اسکے پاس بیٹھنے سے معین صاحب کو بھی وہ یاد آگیا تھا وہ شکریہ ادا کرنا نہیں بھولے تھے۔

"د میر صاحب بہت شکریہ اگر آپ وقت پر نا پہنچتے تو نا جانے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہو جاتا۔" ایسا سوچ کر ہی تکلیف کے مارے دونوں میاں بیوی کے رونگھٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ عائشے اکلوتی ہی بیٹی تھی دونوں کی کل کائنات!

مراد نے انکی جھکی کمر تھپکی۔

انوش کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی منظر کتنا بدل گیا تھا چند لمحوں پہلے عائشے کی شادی کے شادیانے بج رہے تھے اور اب ماتم بچھ گیا تھا اسے اپنی دوست کا اس طرح دور جانے کا خیال ہی تڑپا چکا تھا وہ بے ساختہ پلٹ کے عائشے کے گلے لگی۔

"عائشے شکر تم بچ گئیں۔" انوش نے جب اسکا گال چوما تو عائشے نے مسکرا کے اسے پیچھے کیا۔ انوش کی نم آنکھیں دیکھ کر وہ اسے اسکی حرکت پہ باتیں سنانے کا ارادہ ترک کرتی واپس اسے گلے لگا چکی تھی۔

"تمھاری جان میں نے زندگی بھر نہیں چھوڑنی۔" خود میں بھینچے وہ نخرے سے بولی انوش ہنس دی۔ دوستی کی روح بھی مسکرا اٹھی تھی۔

وہ دونوں خود کو نارمل کر چکی تھیں۔ رشتہ ہی تھا ختم ہو گیا بلکہ جان بچی تھی عائشے کے لیے اس سے بڑی بات اور کیا ہونی تھی۔ افسوس عائشے کو ضرور ہو رہا تھا پر شکر بھی منا رہی تھی اس نے ارغن سے کوئی دلی تعلق قائم نہیں کیا تھا اور یہ ساری سختی روما کی وجہ سے تھی ورنہ انوش نے تو پہلے ہی محبت کروا کے دم لینا تھا۔ اور دل میں رفیق عرف ارغن کو لعن طعن کر کے مسہری پہ بیٹھ گئی۔

"کتنے عرصے بعد بھائی صاحب کے گھر میں خوشی کے شادیانے بجے تھے سب خاک کر دیا ان فریبیوں نے۔" کسی رشتہ دار کے کہنے پہ انعم بیگم نے سر ہلایا۔

"میری بچی کتنی خوش تھی خوشیوں کو نظر لگ گئی لوگ الگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ اب آگے اسکا رشتہ کرنا کتنا مشکل ہو گا۔"

رنجیدہ حالت میں انعم نے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں کے کنارے آئی نمی صاف کی.

مراد کی نظر بھٹک کے کھڑکی پہ پڑی وہی دو لڑکیاں کھڑی تھی لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے کچھ سوچ کے فیصلہ کیا اور بات کے اظہار کے لیے لفظ مجتمع کر کے گلا کھنکار کے بول پڑا۔

"میں آپکی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اگر آپکی اجازت ہو تو ابھی یہ کام سر انجام دیا جائے گا۔" صحن کی خاموشی مراد کی رعب دار آواز سے ٹوٹی خورشید نے چونک کے اسے دیکھا۔

اچانک اسکا فیصلہ سب کو حیران کر گیا تھا۔

اندر کمرے میں عائشے کے کانوں تک جوں ہی اسکی آواز پہنچی وہ آنکھیں پھاڑے نفی میں سر ہلاتے کھڑکی سے دور ہٹتی پیچھے ہوئی۔

معین صاحب مراد کے اچانک فیصلے پہ بھونچکا چکے تھے فوراً ہی کچھ سمجھنے کی حالت میں وہ ویسے ہی نہیں تھے۔ انعم بیگم نے معین صاحب کو دیکھا کیونکہ حتمی فیصلہ انہی کے اختیار میں تھا انھوں نے گہری سانس بھری۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں پر عائشے کی رضامندی جاننی لازم ہے۔" والد صاحب کا فیصلہ بھی اچانک تھا وہ مراد کو جانتے تھے اور حالات کے حساب سے جو بہتر لگا اسی کی مناسبت انھوں نے فیصلہ کیا۔

معین صاحب کے اشارے پہ انعم بیگم عائشے کے کمرے میں اسکا جواب لینے پہنچیں۔

"امی ہر گز نہیں۔ بابا کیسے راضی ہو گئے!!" ماں کو اندر آتا دیکھا تو وہ دبی آواز میں سر ہلاتی چیخی اور منع کر گئی عجیب وحشت اس پہ طاری تھی۔

"مسئلہ کیا ہے تمھارا اتنا اچھا رشتہ ہے کیوں انکار کر رہی ہو؟" انعم صاحبہ غصے میں اسکو ڈپٹنے لگیں عائشے نے آنکھیں موندیں۔ انوش کو بھی رشتہ سہی لگا تھا اسے مراد میں ایمانداری دکھی تھی۔

"بس امی میں نے اب شادی نہیں کرنی۔" جو منہ میں آیا وہ بول گئی تھی پہلا تجربہ بہت برا ثابت ہوا تھا اور فوراً ہی دوسرا جھٹکا وہ قبول نہیں کر پا رہی تھی یا شاید کوئی اور وجہ تھی انکار کی۔

"باتیں دیکھو اسکی۔ بیٹا جو ہونا تھا ہو گیا۔ تمھارے بابا نے پہلے بھی مراد کا زکر کیا تھا کافی اچھا لڑکا ہے۔" وہ اسے پیار سے سمجھانے لگیں عائشے نے انوش کو دیکھا جیسے لڑکا بولنا اسے بھایا نہیں تھا۔ مرد تھا وہ لڑکا کہاں سے ہو گیا۔

"امی میں نہیں کرنا چاہتی اس سے شادی ترس کھا کر وہ شادی کا کہہ رہا،، نہیں لینا ایسا کسی کا احسان!"

"اس میں احسان کی کیا بات؟ اندازہ بھی ہے رشتہ ختم ہونے پہ لوگ کتنی طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔" انھوں نے آنکھیں دکھائیں۔

"بنانے دیں لوگوں کا کام ہے یہ،، باتیں ان پہ بنی چاہئیں جن کی جیل رخصتی ہوئی۔ ہم تو شریف لوگ ہیں ہمارا کیا قصور.."

"سب ٹھیک ہے لیکن شادی ویسے بھی کرنی ہی تھی نا۔"

"بس امی میں نہیں چاہتی منع کر دیں آپ۔"

"تمھارے باپ کی رضامندی شامل ہے اور آگے تمھارے رشتے کے لیے کتنی مشکلات ہو سکتی ہیں تم کو معلوم بھی ہے۔۔ تم بوجھ نہیں ہو ہم پہ پر تمھارا باپ تمھاری فکر میں خود کی جان ہلکان کر لے گا۔" وہ ایسے ہی کئی باتیں اسکو سناتی گئیں عائشے خاموشی سے سنتی رہی اسکی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"ٹھیک ہے جو مرضی آپ لوگوں کی وہی کریں۔" دل کڑا کے اس نے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا انعم بیگم اسکے سر پہ ہاتھ رکھ کر باہر جا کے اسکی رضامندی بتا چکی تھیں۔

انوش نے خاموش سی عائشے کو دیکھا اور اسکا کندھا تھپکایا عائشے نے خالی خولی نظروں سے اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ بھاری فراک کو سنبھالتی وہ واش روم میں گھس گئی۔ بس اسکی یہی حیثیت تھی زبردستی فیصلہ اولاد پہ تھونپ دو۔

اور پھر ہوا یوں کہ ارغن کی جگہ مراد دمیر کی وہ شریکِ حیات بن چکی تھی۔ عائشے بلوچ سے عائشے دمیر!

کاغذات پہ دستخط کرتے ہوئے ہاتھ کانپے نہیں تھے جیسے دل میں بھی سرد مہری اتر گئی ہو۔ بھاری دل سے اس نے قلم واپس رکھا اور خود پہ ضبط کر کے بیٹھی رہی۔

"مراد دمیر کیا عائشے بلوچ ولد معین بلوچ دو لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں قبول ہیں؟"

"قبول ہے۔" تیسری بار کہنے کے بعد مراد نے بھی نکاح کے کاغذات پہ دستخط کیے۔ نکاح کی دعا ہوئی انوش عائشے کے پیچھے ہی اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے اپنے ہونے کا احساس دلاتی رہی تھی۔ اور اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اسکی خوشیاں سلامت رہیں یہی اسکی دعا تھا۔

نکاح کے بعد کمرے میں جاکے وہ خوب پھوٹ پھوٹ کے روئی۔ نکاح کے دوران تومجال ہے ایک آنسو جو نکلا ہو اور اب اس نے جھیل سی آنکھوں میں دریا بہادیا تھا۔

"عائشے ایسے تومت رو۔" انوش اسے چھیڑناچاہتی تھی پر عائشے کی کنڈیشن کو دیکھتے ہوئے ساری شرارتیں اس نے بھلادی تھیں۔

"میرے نصیب میں پولیس والا ہی لکھا تھا۔" انتہائی نفارت سے اس نے کہا اب انوش کے چہرے پہ مسکراہٹ اُمڈ آئی۔

"اب میں سمجھی بیٹا سب کچھ۔ تم پولیس والوں سے ڈرتی ہو! میں جبھی بولوں ہمیشہ تم کو سانپ کیوں سونگھ جاتا ہے۔۔یونی میں بھی جب پولیس آئی تھی تم نے ایسے ہی ری ایکٹ کیا۔اس دن بھی اور آج چوکھٹ پر بھی۔" انوش آنکھیں مٹکاتی اسکے پول کھولنے لگی۔ یہ راز توعائشے اپنے فرشتوں سے بھی چھپاکے رکھتی تھی۔

"زیادہ سوچ لیاتم نے۔" آنکھیں چھوٹی کیے عائشے نے بات ٹالنی چاہی ہر انوش ٹالنے والی مخلوق نہیں تھی اسکو اب عائشے کی کمزوری آخر کارپتا چل چکی تھی۔ دوتووہ جانتی تھی تیسری اسے آج پتا چلی۔

عائشے تپ گئی تھی اسے معلوم تھااب انوش اسکا بھرپور دماغ کھائے گی اور ریکارڈ جولگائے گی وہ الگ کہانی!

"چچچچ... عائشے بلوچ اوہ مسز دمیر پولیس سے ڈرتی ہیں۔ اومائے گاڈ!" انوش ہنستی ہوئی اسکے گلے سے ٹنگی اسکا خون کھولا چکی تھی عائشے نے دانت پیس کے اسے دیکھا۔

"انوش میں ویسے ہی بہت غصے میں ہوں یہ ناہوں تمھارا سر پھاڑ دوں اور کل اخبار میں خبر چلے ایک نئ نویلی دلہن نے اپنی دوست کا سر کھپانے پہ سر ہی پھاڑ دیا تو بہتر ہے چپ ہو جاؤ۔" اسے دور ہٹاتی عائشے چوڑیاں اتارنے لگی۔

"تو کیا ہو گیا تب بھی تم پولیس والے کے پلے ہی لگو گی تفتیش کے لیے۔ سوچ لو اس میں تیرا گھاٹا میرا کچھ نہیں جاتا۔" نچلا لب دانتوں تلے دبائے انوش نے کہا عائشے نے پلٹ کے اپنی قریبی دوست کو دیکھا کیا تھی وہ؟ کیسے باتیں گھما کے عائشے کو گھما دیا کرتی تھی۔

"قسمت ہی خراب ہے میری۔" اچانک عائشے کے اندر سرد مہری اتری۔

"غلط قسمت بہت اچھی ہے شکرانے کے نفل ادا کرنا اور دو سجدے ایکسٹرا کرنا ایس پی سے نکاح کی خوشی میں۔" اسکی بات پہ عائشے کے کانوں سے دھواں نکلا اس سے پہلے وہ چوڑیاں ہی اسکو پھینک کے مارنے لگتی انعم بگیم نے رخصتی کا شوشا چھوڑ دیا تھا عائشے بنا بحث کیے راضی ہو گئی تھی۔

کیونکہ اب وہ بوجھ نہیں پر ایک ٹینشن بن گئی تھی اپنے گھر والوں کے لیے۔ اور وہ اپنے ماں باپ میں سے کسی کو کھونا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔

دل میں پتھر رکھ کے اس نے انوش کے کہنے پہ زبردستی چوڑیاں واپس پہن لیں۔

انوش نے پھیلے کاجل کو فاؤنڈیشن سے کوور کر دیا تھا عائشے خاموشی سے اسکی کاروائی دیکھتی رہی۔

معین اور انعم کمرے میں آئے۔ عائشے نے بے بسی سے دیکھا معین بلوچ نے اسے کندھے سے لگا کے سر تھپکا وہ آنسو روکے سر ٹکا کے کھڑی رہی۔

کمرے میں اب بھی پھولوں کی مہک تھی۔

درمیان میں بچھی مسہری کے قریب دونوں باپ بیٹی کھڑے تھے انعم بیگم بھی چھوٹے قدم لیتے اسکے پاس آئیں۔

بیٹی اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ آج رخصتی کا دن آ گیا تھا ہمیشہ وہ عائشے کو ڈانٹتی آئی تھیں آج تو ڈانٹنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ انھوں نے پیار سے دیکھا۔ عائشے کو ماں کی آنکھ میں آنسو پسند نہیں آئے تھے۔

"امی..." پہلی بار اس طرح پیش قدمی کرتے وہ کھل کے ان سے گلے لگی تھی۔ انعم نے آرام سے اسکی پیٹ تھپکی۔

"بیٹا خوش ہو نا؟" باپ کے پوچھنے پہ عائشے نے سر ہلا دیا انوش پیچھے کھڑی مسکرا دی۔

"آپ انھیں جانتے ہیں نا؟" وہ اب ڈر چکی تھی ارغن والے واقعے سے۔

"ایک بار بھول ہو گئی ہے اب ایسے ہی کسی کو بھی اپنی بیٹی نہیں سونپ سکتا۔ اچھے سے مراد کو جانتا ہوں کام کے سلسلے میں کافی طویل دو تین بار ملاقات ہوئی اور میرے باس بھی اسکی کافی تعریف کرتے ہیں۔" معین صاحب ایک نوکری پیشہ ورانہ آدمی تھے اسی سلسلے میں مراد سے ملاقاتیں ہوئی تھیں عائشے کو زیادہ تفصیل تو نہیں پر مختصراً مراد کے بارے میں بتا کے مطمئن کیا تھا۔

سب مطمئن تھے ایک عائشے تھی جو اپنے خوف کے آگے بے بس تھی۔ اچانک ہی سب بدل گیا تھا۔ دلہن بنی کس کے لیے تھی اور زوجہ بن کسی اور کی گئی تھی۔

دل میں ویرانی سی تھی باہر مراد اسکا منتظر تھا وہ مسلسل گھڑی کو تکتا اور پھر کمرے کے دروازے کو۔ کافی مہمان جا چکے تھے۔ صرف چند ایک رشتے دار موجود تھے جو وقفے وقفے سے مراد سے گفتگو چھیڑ دیتے۔

وہ دروازے کو ہی تک رہا تھا جہاں سے اب انوش لال جوڑے میں ملبوس لڑکی کو ساتھ لے کر نکلی تھی۔ کوئی عام لڑکی نہیں مراد دمیر کی بیوی عائشے دمیر!

وہ نظر ٹھہرائے اسے دیکھتا گیا۔ زندگی میں کتنی بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ صبح تک اندیشہ بھی نہیں تھا کسی کا مجازی خدا بن جائے گا۔

وہ گھٹنوں میں کہنیاں جمائے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کیے بیٹھا اسکے قریب آنے پہ کھڑا ہوا۔ عائشے نے اس پہ نگاہ ڈالی تھی پر نظر چہرے تک سفر نا کر سکی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھا۔

انوش کو جب مراد نے دیکھا تو وہ آنکھیں چھوٹی کر کے مسکرا دی اور عائشے کا ہاتھ پکڑ کے مراد کے ہاتھ میں تھاما دیا۔

اسکی بے ساختہ حرکت پہ عائشے نے سٹکی لی اور انوش کو آنکھیں پھاڑ کے دیکھا بس چلتا تو اسے زمین میں وہیں فنا دی۔ مراد بھی خاصا چونکا تھا پر عائشے کے تاثرات نے اسے مزید حیران کیا تھا۔

"ایس پی صاحب اب میری دوست آپکی ذمہ داری ہے اور میں نے سنا ہے آپ اپنی ذمہ داریاں بہت اچھے سے نبھاتے ہیں۔ امید کرونگی آپ اسے بھی سنبھال لیں گے۔"

"کیا ڈائیلاگ مار رہی ہے یہ.. اللہ کیا کروں میں اسکا۔" عائشے دل میں ہی بڑبڑائی اسکا ہاتھ اب بھی مراد کے ہاتھ میں تھا کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

"سالی صاحبہ آپ فکر ہی نا کریں آپکی دوست عائشے دمیر کو میں بہت اچھے سے رکھونگا۔" وہ لفظ جما جما کے کہتا آنکھیں جھپکا کے لب پیوست کرتا خاموش ہوا عائشے کو تو انداز جتانے لائق محسوس ہوا اس نے چور نظر سے مراد کو دیکھا۔

اور معین صاحب آ کے مراد سے بغل گیر ہوئے چند مکالمے متبادل ہونے کے بعد رخصتی...

عائشے باری باری ان سب کے گلے لگی تھی التجائی نظروں سے ماں کو دیکھا جنہوں نے گھور کے اسے عقل سے کام لینے کا کہا۔

مراد کو سہی معنوں میں کوفت ہو رہی تھی وہ بس جلد از جلد گھر جانا چاہتا تھا۔ گھر پہ بھی ایہ بڑا پہاڑ سر کرنا تھا اسکی فکر الگ تھی۔

اور پھر سب کی دعائیں اور قرآن کے سائے تلے اسے مراد کے ہمراہ رخصت کر دیا۔ گھر کی دہلیز سے اس نے قدم باہر نکالے باہر سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ مراد کے ہاتھ کے اشارے پہ وہ فرنٹ سیٹ کے دوسری جانب گئی مراد نے دروازہ کھولا اور اسے بیٹھنے کا کہا عائشے فراک سنبھالتی چادر میں لپٹی بیٹھ گئی۔

گاڑی مراد نے گھر ڈرائیور وہ فون کر کے منگوائی تھی اور ڈرائیور کو خورشید کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

انوش نے دروازے پہ کھڑے ہوئے ہاتھ ہلایا اور تھمبز اپ کیا عائشے نے مسکرا کے سر ہلایا مراد نے معین صاحب سے مصافحہ کیا ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھا گاڑی اسٹارٹ کی اور گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئی۔ دو اجنبی ایک دوسرے کے محرم بن چکے تھے دونوں کے گمان میں نہیں تھا زندگی ایسا بھی کوئی موڑ لائے گئی۔ ایک نئے سفر کی شروعات ہو چکی تھی۔

عصر کے بعد رومائزہ کمرے سے نکلی تھی ارادہ آج باہر لان میں جا کے کھلی فضا میں سانس لینے کا تھا۔

حلیمہ بی سے جب اس نے تاریخ پوچھی تو عائشے کا نکاح یاد آیا۔ کتنی خوش تھی وہ پر جا نا سکی۔ دل میں عائشے کے نصیب کی ڈھیر ساری دعائیں کرتی ہال کی گلاس وال تک آئی پردہ ایک طرف کیا اور باہر جھانکا۔

آج اس نے کافی غور سے باہر کا منظر دیکھا تھا۔

لان کی حدود بہت بڑی تھی۔ دروازے کے آگے گارڈز تھے رومانے ہنکارا ابھرا۔ فارم ہاؤس اس پورے لان کے درمیان میں اپنی آب و تاب سے قائم تھا جسکے چاروں طرف لان کی حدودیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ صرف سامنے کے لان تھا جہاں اسے جانے کی اجازت ملی بھی نہیں تھی۔

وہ صرف دوسرے حصے میں جاسکتی تھی پر غم کوئی نہیں تھا وہ حصہ بھی کافی بڑا تھا اور ایک پول بھی وہاں موجود تھا باقی کے دو حصوں میں کیا کیا موجود تھا یہ جاننے کا اسے بہت تجسس تھا۔

فارم ہاؤس کے دوسرے دروازے پہ وہ پہنچی دروازے پہ آرکی۔ کھلا آسمان سامنے تھا اسکے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی چھپڑے سے باہر نکل کر دو تین سیڑھیاں پھلانگ کر وہ دوڑتی ہوئی سبز گھاس پہ قدم رکھ چکی تھی۔

ٹھنڈ کا موسم لگ چکا تھا روز رات اوس گرنے سے ہر سبز شئے کھل رہی تھی۔ اور ابھی ہی مالی نے دیوار کے ساتھ بنی کیاریوں میں لگے پودوں اور درختوں کو پانی ڈالا تھا۔

قدموں تلے گھاس میں بھی نمی تھی اسکی ٹھنڈک رومائزہ کو پرسکون کرنے لگی۔

اسے بہت سکون مل رہا تھا۔ کیاریوں کے پاس جا کے سارے پھول پودوں کو چھوا۔

جامنی رنگ کی قمیض پہ جامنی ہی جارجٹ کا دوپٹہ اسکے سینے پہ حائل تھا۔ کیچر میں مقید بالوں سے نکلتی دو تین آوارہ لٹیں اسکے چہرے کے گرد جھولتی رہیں۔

لان کے اس حصے کا چکر کاٹنے کے بعد وہ سیڑھی پہ آ کے ٹک گئی پیر گھاس پہ رکھ دیے۔

اور پلر سے سر ٹکائے آسمان کو تکتی رہی۔

کتنی خاموشی آگئی تھی اس میں وہ ایسی تو نہیں تھی۔ بابا کی فکر ہر وقت سر پہ منڈلاتی رہتی۔ وہ بس دن کاٹ رہی تھی اسے کسی کے بلکہ میران کے جذبات سے کوئی غرض نہیں تھی۔

جب بھی اس سے ملاقات ہوتی دل کی بھڑاس اسی پہ نکالا کرتی اور وہاں تھا ہی کون جو اسکی جلی کٹی سنتا۔

آسمان پہ آزادی سے اڑتے پرندے دیکھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لان کے سامنے والے حصے کی طرف قدم بڑھائے پر پیچھے ہی روک لیے وہاں گارڈز موجود تھے۔

"سلیم ادھر مت جاوہاں میڈم آئی ہوئی ہیں سائیں نے منع کیا ہے وہاں جانے سے۔" چوکیدار نے گارڈ کو آواز دی روما خاموشی سے سنتی رہی سلیم سر ہلاتا ہوا پلٹ گیا روما نے جھانک کے وہاں دیکھا تھا پھر اندر آگئی۔

کیا تھا وہ شخص اسکے پاس نا ہو کے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلا ہی دیتا تھا۔ وہ اسکی شخصیت میں الجھ رہی تھی۔

کونسی عورت ہو گی جیسے اس طرح دی جانے والی عزت پسند نا آئے۔ یہاں موجود ہر شخص اسکی عزت کرتا تھا۔

کبھی بے دھیانی میں گلاس وال پہ کھڑے ہوئے باہر مالی وغیرہ کی نظر اس پہ پڑ جاتی تو وہ فوراً نظریں جھکا لیتا۔ وہ سب کے انداز بھانپ چکی تھی۔ اسے اچھا بھی لگتا تھا اور جانتی بھی تھی یہ سب کیوں ہے پھر بھی قبول نہیں کرتی تھی۔

سانس کھلی فضا میں خارج کی سختی سے لب بھینچے چند دن پہلے خیالوں میں پہنچی۔

زندگی کتنی حسین تھی، کبھی سوچا نہیں ہو گا کسی محل میں آ کے یوں قید ہو جائے گی،، یوں اداسی اسکے گلے لگ جائے گی،، آج اداسی زیادہ اسلیے بھی تھی آج عائشے کی شادی کا دن تھا اور وہ دوست سے دور تھی۔ اسی وجہ سے دل شام سے ہی مزید اداس ہو چکا تھا۔

جیسے کسی خوف میں مبتلا ہو۔ وہ اپنا درد کسی پہ شائع ہونے نہیں دیتی تھی۔ اور میران اسکی یہ فطرت جان گیا تھا وہ مضبوط لڑکی تھی اپنی کمزوریاں ایسے ہی کسی کے ہاتھ لگنے کہاں دے گی۔ وہ بس حلیمہ بی سے باتیں کرتی انکا سر کھپاتی تھی اور اسی طرح اپنے طرح جلتی آگ کو مزید بھڑکنے سے روکتی۔

آسان نہیں تھا یہ سب جو وہ سہہ رہی تھی۔

باپ سے دور کہیں اور!

عائشے کے جانے بعد انوش بھی انکل آنٹی سے مل کر ڈرائیور کے ساتھ گھر جا چلی گئی تھی۔ امید یہی کی تھی عائشے کوئی بے وقوفی نا کرے ویسے اسے کسی قسم کے بچپنے کی عائشے سے امید ہر گز نہیں تھی۔

گاڑی منزل کی جانب رواں دواں تھیں۔ دونوں ہی نفوس خاموشی کے عالم میں ڈوبے تھے۔ ایک کی مکمل توجہ ڈرائیونگ پہ تھی اور برابر میں بیٹھی دلہن رخ موڑے آنسو پی رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں رونا آرہا تھا بس آرہا تھا شاید تقدیر کے کھیل پر!

مراد نے ایک دوبار چادر میں لپٹی اپنی بیوی پہ نظر ڈالی تھی جو کھڑکی سے باہر دیکھنے میں محو تھی۔ کافی اچھے علاقے سے انکا گزر ہو رہا تھا۔ برابر برابر بنگلے بنے تھے عائشے بے تاثر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اچانک مراد نے بریک لگایا تھا۔ اس نے چونک کے اسے دیکھا اور نظریں سامنے مرکوز کرلیں۔ مراد ہونٹ دانتوں سے کھینچے ہوئے دروازہ کھول کے باہر اترا اور عائشے کی جانب آ کے دروازہ کھولا وہ ہنوز اسے دیکھنے لگی۔ مراد کو سخت کوفت ہوئی۔

"چلو گھر آگیا ہے۔ اور جیسا میں کہوں تم ہاں میں ہاں ملاتی جانا۔" عائشے اتری تو مراد نے اسے تائیدی نگاہ ڈالتے کہا عائشے کا منہ کھلا مراد نے اسکی تھوڑی اوپر کر کے منہ بند کیا وہ سر جھٹکے رہ گئی اور ٹکر ٹکر اسے دیکھتی گئی۔ مراد نے بے نیازی سے اسکا ہاتھ تھاما تھا اور گارڈ کو گاڑی اندر پارک کرنے کے اشارہ کرتے ہوئے داخلی دروازہ عبور کرتا اسے اندر لے گیا۔

لان دیکھ کر عائشے کو پارک یاد آیا تھا اور بنگلا دیکھ کر وہ غائب دماغی سے اسکے ساتھ چلتی گئی۔

کمرے میں لیمپ کی ملگجی سی روشنی پھیلی تھی۔

حلیمہ بھی دروازے کالاک گھما کر کمرے داخل ہوئیں۔

رومائزہ کی توجہ پینٹنگ بورڈ سے ہٹ کر انکی جانب مبذول ہوئی۔

"بناتی رہو بیٹی۔" اسکے رکنے پہ حلیمہ بی نے کہا وہ مسکرا کے واپس بورڈ پہ جھک گئی۔

"آپ سوئی نہیں ابھی تک ؟"

"دن میں آنکھ لگ گئی تھی اب نیند کا نام ونشان نہیں۔ پر بچے تم کیوں جاگ رہی ہو کیا روز رات کو دیر سے سوتی ہو ؟" حلیمہ بی کو اسکی نیند کا خیال آیا تو فکر مندی سے پوچھا۔

"دن رات پتا ہی نہیں چلتے نیند نے بھی مجھ سے قطع تعلقی کرلی ہے۔" وہ اپنا حال بتاتے ہوئے ہنسی تھی حلیمہ بی کو اس پہ بے حد ترس آیا۔ دوسری جانب کوئی تھا جسکے لبوں پہ قفل لگا تھا مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ رومائزہ کی کرب زدہ آواز پہ دل میں ٹھیس اٹھی تھی۔

"ایک بات پوچھوں ؟"

"بی اتنا تکلف نا کیا کریں پوچھ لیا کریں۔" برش کو ناک کے ہونٹوں اور ناک کے درمیان پھنسا کر وہ مڑی حلیمہ بی اسکی حرکت پہ ہنس دیں۔

"سائیں سے نفرت تو نہیں کرتی نا؟" انکی جھجھک واضح تھی اس نے برش انگلیوں میں دبایا اور سوچ میں ڈوب گئی۔

"ہنہہ نفرت۔" رومائزہ نے حلیمہ بی کی آنکھوں میں جھانکا تھا جو اسکے جواب کے لیے تجسس کا شکار تھیں۔

"نہیں۔ میں چاہ کر بھی نفرت نہیں کر پا رہی جب سچ معلوم نہیں تھا تب نفرت ہو رہی تھی پھر سب حقیقت کھل کر سامنے آگئی اب نفرت کرنے کی وجوہات تلاش کر رہی ہوں۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

لائبریری میں شیلف سے کتاب نکالتے ہوئے وہ بلوٹوتھ پیس کو کان میں انگلی سے درست کرتے ہوئے انہماک سے سن رہا تھا۔

"اگر وہ مجھ پہ یہ عنایتیں نا کرتا تو ممکن ہے نفرت کی آگ میں جھلس رہی ہوتی پر وہ میرے گمان سے الگ ہی نکلا ہے۔ کوئی غیر اتنی عزت سے رکھ رہا ہے اور اتنی ہی عزت کرواتا بھی ہے اسکے لیے دل نفرت کرنے پہ آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایک قسم کی خود غرضی ہے۔"

وہ میرے ساتھ شاید اس لیے نرمی برتتا ہے کیونکہ وہ مجھ سے محبت کا دعوید ار ہے اور میں اس لیے کیونکہ اس نے مجھے اغوا کروانے کے علاوہ کوئی تکلیف نہیں پہنچائی وہ کہتا ہے میرا دشمن نہیں،، محض پھر وہ میرے لیے ایک رکھوالا ہی ہوا اور کچھ نہیں۔"

اس نے گہری سانس خارج کی حلیمہ بی کے اسکے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھنے لگی۔ رومائزہ کافی الجھی ہوئی نظر آئی تھی۔

دوسری طرف میران نے پر سوچ انداز میں کتاب میز پہ رکھی اور کرسی پہ سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھا۔ دونوں کہنیاں ریوالونگ چئیر کے بازوؤں پہ جمائے سگریٹ سلگا کے پینے لگا۔

"پر مجھے اس پہ شدید غصہ ہے اس نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے اب بھلے جو بھی وجہ ہو میں کچھ نہیں جانتی!" روما کے تلملا کے کہنے پہ کال کے اس پار میران کے چہرے کو مسکراہٹ نے چھوا اس نے سیگریٹ کا دھواں ہوا میں اڑایا۔ رومائزہ میران کے کال پہ ہونے سے بے خبر اپنی دھن میں بولتی گئی۔

"میں چڑیا کی طرح ہواؤں میں اڑنے والی لڑکی تھی اور اب پنجرے میں شکاری کی قید میں آگئی ہوں۔ میرا بس چلے تو میں اسی کی بندوق کی ساری گولیاں اس میں اتار دوں جو اس نے مجھ پہ تانی تھی۔"

غصے سے اسکی ناک لال ٹماٹر ہوئی تھی حلیمہ اسکے تیش پہ دھیمے سے مسکرانے لگیں۔ میران کا قہقہہ بھی بے ساختہ تھا وہ کنپٹیاں سہلاتے ہوئے سیدھا ہوا۔ سگریٹ اس نے انگلیوں میں پھنسالی تھی۔

مریضِ عشق کو فقط دیدار کافی ہے

ہزاروں طب کے نسخوں سے، نگاہِ یار کافی ہے

"بیٹا بھول جاؤ چھوٹے سائیں مجبور ہیں ورنہ۔" حلیمہ بھی پھر میران کی حمایت میں بولتیں کہ رومائزہ نے انکی بات بیچ میں اچک لی۔

"استغفر اللہ حلیمہ بھی کہاں کا چھوٹے سائیں۔۔ بہت بڑا ہے وہ... بڑے سائیں ہیں وہ جناب۔ لڑکیاں اٹھوا سکتے ہیں۔۔ آیا بڑا چھوٹا سائیں۔" میران کی طرح اس نے ناک رگڑتے ہوئے اداکاری کی حلیمہ بھی دل کھول کے ہنسیں۔ میران نے نرم انداز میں بھنویں سکیڑیں وہ یہ منظر دیکھ نہیں سکا تھا۔

"وہ دل کے بہت نرم ہیں وہ اپنے بنائے سخت خول میں رہتے ہیں۔بظاہر ایسا لگتا ہے انھیں کسی کی فکر نہیں پر وہ ہر ایک کی پرواہ کرتے ہیں۔وہ بلکل اپنے دادا جیسے ہیں۔" حلیمہ بی ماضی کے پنوں میں کھو گئیں تھیں رومائزہ نے آنکھیں پھیلائے انھیں دیکھا۔

"اوہو کدھر کھو گئیں۔کیا میران کے دادا خوبصورت تھے ؟" وہ بات کو کہاں لے گئی حلیمہ بی ہکابکا سی گڑبڑا گئیں وجہ میران کا کال پہ ہونا بھی تھا۔

"ارے کیسی باتیں کرتی ہو۔" انھوں نے اسے ڈپٹا.

"اب آپ ایسے ماضی میں کھو جائیں گی تو یہی بولو نگی نا۔" اس نے اداسی سے ڈوبی آنکھیں مٹکائیں۔

"استغفراللہ لڑکی تجھ سے بات کرنا اپنے پیر پہ کلہاڑی مارنا جیسا ہے۔" حلیمہ بی کھڑی ہو گئیں اس سے پہلے وہ مزید اوٹ پٹان سوال کرتی اور وہ میران کے سامنے شرمندہ ہوتیں کمرے سے نکل جانے میں ہی انھوں نے بہتری سمجھی۔

"ارے بتاتی تو جائیں۔" اس نے پیچھے سے دہائی دی۔

"او ظالمہ۔۔" وہ پھر دہائی دیتی بولی حلیمہ بھی سر پکڑتی کمرے سے نکل گئی پیچھے اسکے قہقہے گونجے تھے۔

میران کے اندر گہرا سکون اترا۔ اسکے سامنے تو وہ آتش دل بنی رہتی تھی۔ اسی کے کہنے پہ حلیمہ بی کال ملا کر کمرے میں گئیں تھیں۔ وہ بس اسکی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا اور اسکی آواز سننے کی خواہش رکھتا تھا۔ اور اپنا کام اس نے اسی طریقے سے نکلوایا تھا۔

وہ اس سے نفرت نہیں کرتی یہ جان کے دل کو آج سکون نصیب ہوا۔

"آپ آجاتے اور اس کو سجھاتے تو بہتر ہوتا۔ میری بہت مشکل سے سنتی ہے یہ لڑکی زیادہ تر کمرے میں خود کو بند رکھتی۔"

"حلیمہ بی آپ نیند بھول گئیں۔" کتاب میز پہ کھولے اس نے کہا تو وہ ہنس دیں۔

"بی آج کل کافی مصروف ہوں کچھ دنوں میں آکر خود اس سے بات کرونگا اسکا اور اپنا خیال رکھیے گا۔ شب بخیر!" حلیمہ بی کو ہدایتیں کرتے ہوئے اس نے کال منقطع کر دی اور کتب گردانی میں خود کو مصروف کر لیا۔ پورا دن سیاسی جھنجھٹوں میں نکل جاتا ایک رات کا پہر ہوتا جب وہ لائبریری میں آکے کتابوں کے درمیان تھوڑا سکون حاصل کر لیا کرتا تھا۔

اندر گھر کے لاؤنج میں آکر مراد کے قدم ٹھہرے تو عائشے کو بھی رکنا پڑا اسکے ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھیگ چکی تھیں۔

ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی آن تھا اور ایک خاتون صوفے پہ بیٹھی نیوز شو دیکھنے میں محو تھیں مراد کی آہٹ پہ انھوں نے ٹی وی بند کر کے رخ موڑا تو حیرت کا جھٹکا لگا۔ مراد کے ہاتھ میں لال جوڑے میں ملبوس لڑکی کا ہاتھ تھا۔ انکی چھٹی حس نے تیزی سے کام کیا۔ عائشے کا ذہن بھی بھگ سے جاگ اٹھا وہ ان خاتون کو دیکھنے لگی۔

مراد نے عائشے کا تھاما ہاتھ آرام سے چھوڑ دیا تھا اور ماں کی طرف بڑھا۔

"اسلام و علیکم امی۔"

ماں کی جانب سر خم کیا زرپاش نے حیرت اور ناسمجھی کے ملے جلے تاثرات سمیت اسکے سر پہ رکھا اور اس لڑکی کو دیکھا جو گم سم کھڑی تھی۔

"کون ہے یہ؟" انکے سختی سے پوچھنے پہ مراد نے کنپٹی سہلائی عائشے سہم سی گئی تھی۔

"آپ بیٹھیں تفصیل سے آپکو سب بتاتا ہوں۔" مراد نے انکو بٹھانے کی کوشش کی پروہ نا مانیں۔ عائشے ٹکر ٹکر ان ماں بیٹے کو دیکھتی رہی۔

"مراد جو میں سمجھ رہی ہوں وہ ہونا نہیں چاہیے!" زرپاش نے آنکھیں دکھائے باور کیا مراد ٹھنڈی آہ بھر سکا۔

"امی قبول کر لیجیے میں نے نکاح کر لیا عائشے سے۔عائشے ادھر آؤ۔" مراد نے نظروں سے اسے پاس آنے کا کہا وہ واپس اسکا ہاتھ تھام چکا تھا شاید وہ عائشے کو بھی یقین دلا رہا تھا کہ اسکا شوہر اسکے ساتھ ہے مذاق میں اس سے شادی نہیں کی!

"اسلام و علیکم آنٹی۔" حلق سے بے حد دھیمی اور لرزش سے بھرپور آواز نکلی عائشے کی ساری خود اعتمادی چھو ہو گئی تھی زرپاش نے اسے ناگواری سے دیکھ کر مراد کو دیکھا۔

"عائشے مراد میر اس گھر کی بہو ہے۔" مراد نے مختصراً اسکا تعارف کیا عائشے نے نظر اٹھا کے ساتھ کھڑے مراد کو دیکھا زرپاش صاحبہ کا دماغ گرم ہوا۔

"تمھیں معلوم ہے نا مہمل تمھارے انتظار میں بیٹھی ہے اور تم نے سب سے چھپ کے نکاح کر لیا ایسی کیا نوبت آگئی تھی؟؟" وہ غصے میں پھٹ پڑیں عائشے یہ سن کر کھول اٹھی تھی اتنی تزلیل!

"میں عائشے کو پسند کرتا ہوں اسکی شادی اسکے گھر والے کسی اور سے کروا رہے تھے پر وہ ایک فراڈ تھا اور پھر میں نے نکاح کر لیا۔ ویسے بھی اس سب کے بعد آج یا کل عائشے سے شادی تو میں کر لیتا تو موقع بھی تھا دستور بھی میں نے اپنی پسند کو اپنا بنا لیا۔" کہانی میں تھوڑا جھول مول کر کے وہ آرام سے اپنی ماں کے سامنے سچ بول چکا تھا عائشے کھلے منہ سے اسے دیکھنے لگی جس نے ابھی اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔عائشے کو اسکی بات یاد آئی کہ جو وہ بولے ہاں میں ہاں ملانی ہے اب نا جانے کس بات پہ اسکو حامی بھرنی پڑتی۔

"عائشے بھی مجھے پسند کرتی ہے۔" مراد نے عائشے کی جانب دیکھا جو گڑبڑا چکی تھی پر زرپاش کو دیکھ کر اس نے دھیمے سے سر کو جنبش دی۔

"مطلب پسند کی شادی ہے! اور اس بچی کا کیا تمھیں مہمل کا خیال نہیں آیا؟ میں اسے کیا جواب دونگی بن ماں کی بچی بچپن سے تمھاری آس لگائے بیٹھی ہے اور تم کو سوائے اپنے کسی کے احساس کی پرواہ ہی نہیں۔ میرے گھر کی بہو صرف مہمل ہی ہو گی کوئی بھی منہ اٹھا کہ آجائے وہ بہو نہیں ہو سکتی!"

وہ عائشے کا لحاظ کیے بغیر بولتی گئیں عائشے کے دل میں کانٹا سا چبھا اسکی آنکھیں بھیگ گئیں لفظ تو اندر ہی دم توڑ چکے تھے۔ یہ سب سننے کے لیے گھر والوں نے اسے رخصت کیا تھا!

اسے بس اپنا وجود بوجھ محسوس ہوا،، گھر والوں نے بھی جیسے بوجھ اتارا ہو اور اسکا شوہر اسکے لیے بھی وہ خود کو بوجھ ہی محسوس کرنے لگی۔

"میری بیوی عائشے ہے اسکے علاوہ میں کسی کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنانا نہیں چاہتا۔مام پلیز آپ میرے لیے مشکل پیدا نا کریں آپ خوش نہیں ہونگی تو ہم دونوں کو بھی خوشی حاصل نہیں ہوگی۔ مہمل سے شادی میں پہلے بھی کرنا نہیں چاہتا تھا اور ہزار بار یہ بات بتا بھی چکا ہوں۔وہ خود بھی جانتی ہے میں نے اسے بار بار باور کروایا ہے کہ مجھ سے اس قسم کی کوئی امید نا لگائے۔زبردستی میں کسی کو سر پہ مصلت نہیں کر سکتا۔" آرام سے اپنی سائیڈ کلیئر کرتے ہوئے مراد نے زرپاش کے شانے تھامے اور انکی آنکھوں میں دیکھے بولا۔

"میں آپکی ہر خواہش کا احترام کرتا ہوں اب آپ میری ایک خواہش تسلیم کرلیں۔" التجائی لہجے میں کہتا وہ درمیان میں رکھی ٹیبل پہ ٹک گیا۔

"تمھاری اس حرکت نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔"

"مام پلیز!" تھکن زدہ آواز میں کہتا واپس کھڑا ہوا زرپاش نے ایک نگاہ عائشے پہ ڈالی جو ہتھیلی مسل رہی تھی۔

"کمرے میں جاؤ بعد میں بات کریں گے۔" عائشے کے لیے انکے لہجے میں کوئی نرمی نا آئی مراد کو کہتیں وہ سرعت سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"مام میرج چیپٹر ہیس کلوزڈ..." پیچھے سے صدا لگا کے عائشے کو اپنے کمرے کا راستہ دکھاتا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں آ کے اس نے فوراً ہی یونیفارم شرٹ کے اوپری بٹن کھولے ہاتھ سے گھڑی اتار کے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھی اور صوفے پہ جا بیٹھا اور جوتوں کے تسمے کھولے اسی اثناء میں اسکی نظر دروازے کے پاس کھڑی سنگھار حالت میں موجود بیوی پہ پڑی جسکی آنکھیں اشکبار تھیں۔ مراد کو شرمندگی نے آن گھیرا۔

"رومت رونے دھونے والی لڑکیاں مجھے ویسے بھی پسند نہیں۔" بائیں پیر کے جوتے کے تسمے کھولنے میں مصروف سا عائشے کو چپ کرانے کی غرض سے بولا۔ بات چپ کرانے جیسی نہیں الٹا رلانے لائق تھی۔

اسکی بات پہ عائشے کا دل مزید رونے لگا اتنی کمزور دل تو وہ نہیں تھی۔ بس آج کے حالات نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔ فوراً سب کچھ سمجھنا قبول کرنا بے حد مشکل تھا۔ ہر شخص اسکے خلاف تھا۔

اور عائشے کو مراد کی ماں کی باتیں سن کر گہرہ صدمہ لگ چکا تھا وہ عورت اسے قبول نہیں کر رہی تھی الٹا کسی سوتن کا ذکر کیے جا رہی تھی۔ آخر کون تھی یہ مہمل!

مراد نے جب دیکھا وہ اب بھی آنسو بہا رہی ہے تو اٹھ کے اس پاس گیا۔ عائشے دروازے کے آگے ہی کھڑی تھی۔ مراد نے پہلے تو دروازہ بند کیا عائشے نے کانپ کے اسے دیکھا اسے قریب دیکھ کہ اسکا دل پھر بھرنے لگا۔

"آئی کین انڈرسٹینڈ یور کنڈیشن! پر ایسے رومت... حالات کا سامنا کرو اب جو ہے یہی ہے۔ اور امی کی باتوں کو دل سے نا لگاؤ۔ وہ اتنی کٹھور بن رہی ہیں پر دل کی کافی نرم ہیں۔ آہستہ آہستہ تمھیں اندازہ ہو جائے گا۔۔ اور وہ مہمل اسکا زیادہ مت سوچو صرف میری کزن ہے اور کچھ نہیں۔" مراد نے دل جوئی کرتے کہا نظر عائشے کے

چہرے پہ ٹھہر گئی،، چہرے پہ مٹا مٹا میک اپ،، نم آلود ہونٹوں پہ گہرہ لالی واضح تھی۔ آنکھوں کا کاجل آنسوؤں کی قطار میں بہتا ہوا گالوں پہ تھا، ایک پل کو یہ دیکھ کر مراد کو ہنسی آنے لگی جسے وہ اندر ہی گھونٹ گیا۔

مراد عائشے کی آواز سننے کا منتظر تھا پر مجال ہے جو وہ لڑکی اسکے سامنے کچھ بول دیتی۔ صرف نکاح کے وقت اسکی آواز سنی تھی۔

مراد نے گھڑی پہ نظر ڈالی رات کے گیارہ بجے تھے، آج تھکن کافی تھی۔

"ٹھیک ہے تم بھی چینج کرلو اور کھانا لگواؤں کیا؟" دونوں کے درمیان اجنبیت کی لمبی دیوار قائم تھی عائشے نے سسکتے ہوئے سر نا میں ہلایا مراد نے سانس کھینچی۔

"فائن.." فریش ہونے کی غرض سے وہ واش روم میں گھس گیا۔ اسکے جانے کے بعد عائشے نے کمرے میں نگاہ ڈالی اور گہری گہری سانسیں لیں، آنسوؤں نے نا تھمنے کی قسم کھالی تھی،

فرنشڈ روم تھا اور اتنا بڑا تھا کہ عائشے کے گھر کا صحن بھی اتنا بڑا نا ہو۔

اکتا کے اس نے بیگ کے لیے نظر دوڑائی جو ساتھ لائی تھی۔

مراد شاور لے کر باہر نکلا وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی مراد تولیہ صوفے پہ اچھال کے اسکی طرف آیا۔ اور بھنویں اچکا کے اسے دیکھا گویا پوچھ رہا ہو نکاح کے بعد دماغی توازن ہل تو نہیں گیا۔ عائشے اسکی حرکت پہ گڑبڑائی۔

"میرا بیگ۔شاید گاڑی میں رہ گیا،، میں لے آتی ہوں۔"اس نے جھٹ پلٹ کر لاک پہ ہاتھ رکھا تھا مراد نے سر پیٹا۔

"کہاں چلی؟ میں ہوں نا! لا رہا ہوں۔"وہ بے حد سنجیدہ تھا عائشے سائیڈ ہوئی مراد کمرے سے باہر نکل گیا۔

اب جب وہ آیا تو شکر وہ لڑکی جگہ سے ہل کے بیڈ تک پہنچ گئی تھی۔اور بیٹھنے کی بھی زحمت کر لی تھی۔مراد سوچ جھٹکتا ہوا اسکے پاس آیا اور بیگ بیڈ پہ رکھ کے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔عائشے نے اسکے جانے پہ شکر کا سانس لیا اور بیگ کھولا۔زرپاش کی باتیں اسکا خون کھولا چکی تھی۔بس چلتا تو کپڑوں کو ہی چیر پھاڑ دیتی۔

جی کڑا کے کپڑے نکالے اور چینج کرنے چلی گئی۔اس نے گرم کی بجائے ٹھنڈے پانی سے شاور لے لیا تھا اور اپنی حرکت پہ رج کے غصہ تب آیا جب باہر آ کے دیکھا کمرے میں اے_سی آن تھا اور مراد بیڈ پہ دراز لیپ ٹاپ گود میں رکھے سکون سے بیٹھا تھا۔

اجنبیت،، سرمہری،، لاتعلقی دونوں کے درمیان کچھ زیادہ ہی تھی اور جھجک جو عائشے کو بے حد ہو رہی تھی۔

جیولری اس نے واش روم میں ہی اتاری تھی پر داہنے ہاتھ کی چوڑیاں رہتی تھیں جو اس سے اتر نہیں رہی تھیں۔باہر آ کے بھی کافی دیر اس نے کوشش کی پھر تنگ آ کے رہنے دیا۔

اب نئی مصیبت یہ تھی سوتی کہاں؟

بیڈ پہ ؟ پر مراد نے تو بیڈ شئیر کرنے کا کہا ہی نہیں۔

آخری امید صوفہ تھا،، پر صوفے کے سامنے چلتے اے_سی کو دیکھ اسے جھر جھری آ گئی۔

"آپ صوفے پہ سوئیں گے ؟" خاموشی کی دیوار تو ٹوٹی پر منہ سے جملہ غلط نکل گیا۔ مراد نے سر اٹھا کے اسے دیکھا جو پنک کاٹن کے سوٹ میں ہاتھ مسل رہی تھی اور ٹھنڈ سے ہولے ہولے کانپ بھی رہی تھی۔

"میں بھلا صوفے پہ کیوں سوؤں؟ یہ بیڈ میرا ہے۔ تم صوفے پہ سونا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ کہہ کر کافی کا سرا اپنے پہ رکھا مگ لبوں سے لگا کر لیپ ٹاپ پہ واپس جھک گیا۔ عائشے ہونقوں کی طرح کھڑی رہ گئی۔

"ویسے تو صوفہ بھی آپکا ہے۔" یہ صرف خیال تھا بولی کچھ اور ہی تھی۔

"نہیں ایسے تو صبح تک میں جم جاؤں گی۔" وہ جھٹ بولی مراد کو غصے سے دیکھا جو کافی کے گرم گرم گھونٹ بھرے جا رہا تھا۔ ایک کپ مزید اسکے لیے بھی لے آتا تو کیا ہوتا، پر وہ امید کیوں لگا رہی ان دونوں کے درمیان ابھی ایسا رشتہ قائم ہی نہیں تھا،، پھر بھی انسانیت تو زندہ ہونی چاہیے نا!

"بول بول کے پریشان نہیں کرو۔ جدھر مرضی سونا ہے سو جاؤ اب یہ کمرا تمھارا بھی ہے۔" مراد نے بنا نظر اٹھائے کہا عائشے دیکھتی رہ گئی دانت کچکچا نے بند کر دیے اور سانس بحال کی۔ کمرا تمھارا بھی ہے سن کے دل کو

تسلی ہوئی تھی پر یہ جدھر مرضی سو جاؤ کیا ہوتا ہے؟ سیدھا بول دیتا بیڈ پہ لیٹ جاؤ ویسے ہی وہ سردی سے مر رہی تھی۔

ہر ایک نے آج اسکا جی کلسانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔

دوپٹہ سنبھالتی بائیں طرف آکر ایک کونے میں ہو کر لیٹ گئی۔ سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر مراد اور اپنے درمیان نامحسوس طریقے سے رکھا۔ کمبل مراد کی طرف تھا اس پہ لعنت بھیج کر خود کو ململ کے دوپٹے سے ڈھانپ کر کہنیاں سر کے نیچے ٹکائے دوسری طرف آنکھیں موند گئی۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد مراد نے سر اٹھا کے برابر میں نگاہ ڈالی۔ دھان پان سی زوجہ صاحبہ کی حرکت پہ ٹھنڈی آہ بھر سکا۔ لب بھینچتے ہوئے اس نے کمبل اس پہ ڈالا تھا جو دوپٹے میں سکڑی سمٹی لیٹی تھی۔ اور درمیان میں موجود تکیے کی مضبوط دیوار دیکھ کر اسکے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی سر جھٹک کے اس نے لیپ ٹاپ رکھا اور لیمپ آف کر کے خود بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

ڈرائیور کلب کو زور سے مارتے ہی سفید بال گھومتی گھومتی مطلوبہ سوراخ میں جا پہنچی۔اس نے بائیں ہاتھ کو جینس کی جیب میں ڈالا اور مسکرا کے نظروں کا رخ مقابل کے چہرے پہ کیا۔

"مانا تم گولف کے اچھے کھلاڑی ہو پر میرے بھائی میں بھی کوئی کچا حریف ثابت نہیں ہو نگا۔"یورپ سے آیا دائم میران کا یونیورسٹی دوست اپنی باری آنے پہ نشانہ لگاتے ہوئے بولا۔میران ہنس دیا اور اسے کر دکھانے کا کہا۔

ٹھاک.... آواز پیدا ہوئی اور بال سیدھا گول یعنی سوراخ میں جا گری۔میران نے دبے لب مسکراہٹ روکی۔

"دیکھا.."کلب ڈرائیور ہاتھ میں گھمائے ناز سے بولا میران نے تصوف سے سر ہلایا۔

میران کے پاس عزیز بھی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔

"نالائق لوگوں کو میں اپنا رقیب رکھتا بھی نہیں ہوں.."اسکی بات پہ دائم نے بھنویں سکیڑ کے خفگی کا اظہار کیا۔اب وہ طنز تھا یا تعریف پر دائم کو اس سب کی عادت تھی۔

جاہ بنگلے کے ساتھ ہی قائم گولف پارک میں میران اور دائم کا گولف ٹاکرا جاری تھا۔

رات ہی دائم پاکستان واپس آیا تھا اور صبح میران سے ملنے حاضری لگا دی تھی۔یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان دوستی تھی۔گہرا تو نہیں پر اچھا یارانہ تھا۔

سفید شرٹ بلیک ٹراؤزر صبح جاگنگ کے لباس میں میران جب جاگنگ کے لیے باہر نکلا ہی تھا کہ دائم دروازے پہ گاڑی سے اترتا ملا۔ اسے دیکھ میران کو کافی خوشی ہوئی پرجوش طریقے سے اسکا استقبال کیا۔ اور دائم کی خواہش پہ ہی دونوں چہل قدمی کے لیے نکل پڑے تھے۔ اور پھر میران کے کہنے پہ عزیز گولف کا سامان لے آیا۔ عرصے بعد دائم سے کھیل میں دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ ہوا تھا۔

سخت مقابلے کا نتیجہ یوں تھا کہ میران کے دو گول دائم سے زیادہ ہوئے۔ میران اسے لان میں لے آیا۔ فرید نے آ کے فوراً ٹیبل کو ناشتہ کے لوازمات سے بھر دیا۔ وہ دونوں اب کرسیوں پہ منجمد کاروباری موضوع پہ گفتگو کر رہے تھے۔

"عزیز بھائی سے تمھاری کافی دوستی ہوگئی ہے۔" عزیز کو ناشتے پہ بھی موجود دیکھ دائم ہنستے ہوئے بولا۔ ہمیشہ کی طرح میران کے اصرار پہ عزیز بیٹھا تھا اسکا تو یہی خیال تھا سائیں اپنے دوست کو وقت دیں پر ایسی کوئی خوفیہ باتیں نہیں تھیں جو عزیز کو وہ نظر انداز کرتا۔

"کوئی جل رہا ہے شاید۔" میران نے بسم اللہ کرتے مصروف انداز میں ناشتہ شروع کرنے کا کہا اور کیتلی سے چائے کپ میں الٹی۔

"میں بھلا کیوں جلونگا۔" دائم نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے۔ عزیز مسکراہٹ دبائے ناشتے میں لگا تھا۔ میران نے چہرہ دائم کی جانب کیا۔

"تمھارانام کس نے لیا؟" چائے مگ میران نے لبوں سے لگایا کپ سے گرم بھانپ اڑتی ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ موسم میں ٹھنڈ اور خوشگواری کا عنصر تھا۔ پیچھے درخت کی ڈالی سے دائم نے پھول توڑا اور ناک تک لے جا کہ خوشبو خود میں اتاری۔

"ویسے ایک بات تو بتایں چھوٹے سائیں... "وقفہ،،وہ عزیز کی نقل اتار رہا تھا عزیز نے میران کو دیکھا جس کے لبوں پہ مسکراہٹ آچکی تھی۔

"ہمم بولو.."

"شادی کب کرو گے ؟ الیکشن کے بعد؟ کنوارے وزیر اعظم کیسے لگو گے ؟ کوئی خاتون اول ہے زندگی میں ؟"اب کی بار میران کے چہرے کے رنگ بدلے تھے کو دائم نے فوراً بھانپ لیے تھے وہ بہت ہی آگے کا سوال کر چکا تھا۔

"تمھیں یقین ہے کہ میں ہی اگلا وزیر اعظم ہو نگا؟"سوال پہ سوال ہوا۔ دائم نے پھول کو گھومایا وہ بڑی غور سے پھول دیکھ رہا تھا اور میران اسکی حرکات۔

"یقین کرتا ہوں،،لوگ تمھیں چاہتے ہیں لگتا تو ایسا ہی ہے تم مستقبل ہو!"

"ہر چیز فوراً نہیں ملتی ایک عمر کا ٹنی پڑتی ہے۔"کرسی پہ پشت ٹکائی۔

"تو تم نا امید ہو۔۔واقعی؟"

"میں نے جنرل بات کی.. انسان کو امید اتنی وابستہ نہیں کرلینی چاہئے کے منزل نا ملنے پہ ٹوٹ جائے۔ صرف مقصد زہن میں رہنا چاہیے اور اسکے فرائض جو ادا ہر صورت کرنے ہیں!"

"جناب آپ نے بہت ہی بھلی بات کہی پر ماننا پڑے گا موضوع بدلنا کوئی آپ سے سیکھے۔ پر میں بھی دائم علی ہوں اور اپنا کیا سوال بھولتا نہیں۔ تو بتایئے کوئی خاتون اول...؟" میران پہ عش عش کرتا آخر میں آنکھیں چھوٹی کیے اس نے واپس پوچھا۔ عزیز تو بس میران کے چہرے کے رنگ دیکھ رہا تھا اور بہت محظوظ ہوا تھا۔

"فلحال کوئی نہیں۔" وہ اس بارے میں بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"میں مانتا ہی نہیں۔" اس نے دونوں جانب نفی میں سر ہلایا۔

"سائیں جھوٹ تھوڑی بولیں گے۔" عزیز نے مداخلت کی۔

"تمھارے سائیں جھوٹ بے شک نا بولیں پر اعتراف نہیں کریں گے۔" جتاتے ہوئے وہ واپس میران کی طرف مڑا۔

"یار بتاؤ.. یہ تم میں اتنی تبدیلیاں ایسے ہی نہیں آ گئیں۔ بہت بدل گئے ہو تم۔ کوئی تو ہے اپنے بھائی سے چھپاؤ گے۔۔ بس اتنی ہی دوستی تھی؟" وہ اب اسکا دل پسیجنے لگا۔ میر ان نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ہاں ہے وقت آنے پہ مزید بتاؤنگا پر اسکے علاوہ تم مزید اس بارے میں کوئی سوال نہیں کروگے۔" دوٹوک کہتے وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

"عزیز مبارک ہو۔ مجھے یقین ہے تم کو سب معلوم ہو گا پھر بھی مبارک باد رکھو۔ کیسا ہو اخبار کے پہلے صفحے پہ خبر چھپی ہو کہ میر ان جاہ کو انکی خاتون اوّل مل گئی۔" دونوں ہاتھوں کو ایل شیپ میں اٹھائے اسکے پیچھے کھڑے ہو کے لہک لہک کر اس نے کہا میر ان نے اسے گھورا۔

"تمھیں جانا نہیں؟"

"اب تم مجھے دفع ہو جانے کا کہہ رہے ہو تو ہونا ہی پڑے گا۔" جلدی جلدی ٹیبل سے مگ اٹھا کہ دائم نے گھونٹ بھرے۔

"ایسے بھی کچھ نہیں کہا۔" میر ان نے جیب سے ہاتھ نکالا اور انگلی کی پشت سے عادتاً ناک رگڑی۔

"بھابھی تمھاری یہ سنجیدگی ختم نا کر سکیں،، ایک ملاقات ہی کروا دو اس بارے میں تفصیلاً ان سے بات کرونگا۔"

دائم تو بس اب دیکھنا چاہتا تھا کون ہو گی جو میران جاہ کا دل گھیر چکی ہے۔ یونیورسٹی کے عرصے میں بھی کئی لڑکیاں آئیں تھیں پر محض گفتگو کے علاوہ میران نے کسی کو اپنے قریب آنے نہیں دیا۔

"آپ نے بڑی جلدی بھابھی بنا دیا۔ ابھی تو انکو منانا باقی ہے۔" عزیز کے منہ سے بے ساختہ پھسلا میران نے اسے آنکھیں دکھا کر مٹھی بھینچی۔ اب تو دائم نے اس کا اس معاملے میں پیچھا نہیں چھوڑنا تھا۔

"جینٹل مین ایسے ہی تم باقی سب بھی اگل دو گے۔" دائم نے عزیز کے شانے پہ ہاتھ جمایا۔ میران سر جھٹکتا رہ گیا۔

دائم ایک مجبور بندہ تھا ہر ہنسی مذاق کرتے رہنا اسکی طبیعت کا اہم حصہ تھا۔

"اب تم بتانا نہیں چاہتے الگ بات ہے۔ پر جب وہ مان جائیں تو میں ضرور ملونگا۔ میں بھی تو دیکھوں کس نے میرے دوست کو محبت میں گرفتار کر لیا۔"

"محبت کہاں سے آگئی؟" میران چونکا اور ہنس کے اس سے پوچھا۔ دائم نے آگے بڑھ کے اسکے دل کے مقام پر انگلی جمائی۔

"یہاں سے۔ زکر کرتے ہی جناب آپکی آنکھوں کا رنگ بدلا ہے۔ پسندیدگی کی انتہا یعنی محبت۔" ٹیبل پہ کپ واپس رکھ اس نے کرسی پہ ٹنگا کوٹ اٹھا کے کندھے پہ اوپر سے ڈالا۔

"پھر ملیں گے.."

غیر امیدی جواب موصول۔

دائم میران سے بغل گیر ہوا پھر عزیز سے اسکا کندھا تھپکا اور کان میں بولا۔

"بھابھی مان جائیں تو بتانا ضرور... اپنے لیے بھی کوئی ڈھونڈ لو کب تک اس بے مروت آدمی کے چکر میں زندگی گزارو گے۔" اسکی قریبی سر گوشی پہ عزیز ہنسا اور سر ہلایا۔ میران اسے الوداع کرنے دروازے تک گیا تھا۔

"تم چاہو تو میں ان سے مل کر تمھاری اچھائیاں بیان کر کے تمھارا کام آسان کر سکتا ہوں۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی وہ باز نا آیا۔

"میرج بیورو کھول لو میرے بھائی۔" گاڑی کی چھت پہ ہاتھ جمائے اس نے کہا تو دائم کا قہقہہ مار ہنسا۔

"ضرور سوچونگا! تمھاری نظر میں میرے لیے کوئی ہو تو بتانا۔" آنکھ دبائے اس نے چابی گھمائی۔ میران گاڑی پہ جھکا پیچھے ہو کے کھڑا ہوا تھا۔

"دائم علی پیچھا چھوڑ دو اس ٹاپک کا۔"

"جو حکم سرکار!" مشکوریت سے سر خم کیا۔

"اللہ حافظ..." ہاتھ بلند کر کے اس نے سلام کیا اور دائم کی گاڑی کے جانے بعد خود بھی اندر چلا آیا۔

دائم سے ملنے کے بعد مزاج میں کافی سرشاری آئی تھی۔ ہفتے کا دن تھا سیاسی کاموں سے چھٹی لے کر آج اس نے خاص کام کرنے تھے۔

عزیز کو چند ہدایتیں کر کے وہ اندر چلا گیا۔

"حلیمہ بی کیا بنا رہی ہیں؟" مٹھاس سے بھرپور آواز لیے وہ کچن میں داخل ہوئی۔ حلیمہ بی نے اس پہ نگاہ ڈالی جو آسمانی رنگ کے سوٹ میں دلکشی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔

"پلاؤ بنا رہی ہوں۔ آج سائیں کے دادا کی برسی ہے۔" یخنی میں چمچ چلاتے انھوں نے اسے دیکھے کہا جو کشمکش کا شکار تھی۔

"کیا ہوا کوئی بات ہے؟ بابا کی یاد آ رہی ہے کیا؟"

"وہ تو آتی رہتی ہے۔ وہ مجھے کیک بیک کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔" پڑھائی تو ہو نہیں رہی تھی فراغت میں اس سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ کب تک پینٹنگ میں خود کو مصروف کرتی کبھی اس سے بھی دل اچاٹ ہو جاتا۔

اسکی جھجک پہ حلیمہ بی نے خوش دلی سے اسے قریب کیا۔

"سامان موجود ہے اگر بنانا ہوتا ہے تو بنالیا کرو۔ اور مزید کچھ منگوانا ہو تو بتا دینا میں گارڈز کو بول دونگی۔" وہ پیار سے بولیں انھیں خوشی ہوئی تھی کہ وہ کچن میں آ کے کچھ بنانے کی خواہش مند تھی۔ وہ اور میران بھی یہی چاہتا تھا رومائزہ یہاں رہ کر بھی نارمل زندگی ہی گزارے اسکی چہرے پہ دکھتی اداسی دونوں کو قابلِ برداشت نہیں تھی۔

"شکریہ۔ آپکو بیکنگ آتی ہے؟"

"نہیں پر تم سکھاؤ گی تو میں ضرور سیکھ جاؤنگی۔" بی نے پتیلے کو ڈھکن سے بند کر کے اسکی طرف رخ کیا۔

"ضرور اب میں آپکی استاد ہوں اور آپکو میری بات ماننی پڑے گی۔" رومائزہ نے پرجوشی سے کہا حلیمہ بی کے اندر اسکو نارمل دیکھ تسلی ہوئی۔ امید یہی تھی وہ میران کے لیے بھی نرمی اختیار کر ہی لے گی۔

"ایسی کوئی بات نا کر دینا جسکا مجھے اختیار نا ہو.." وہ پہلے ہی باور کرا گئیں اسکا کچھ بھروسہ بھی نہیں تھا۔

"آہاں کتنا یقین ہے آپکو مجھ پہ۔ پر ابھی آپ بس سامنے بیٹھ جائیں اور بتائیں سامان کہاں ہیں پھر ہم بیکنگ کلاس شروع کرتے ہیں۔" حلیمہ بی کو کاؤنٹر کے دوسرے جانب رکھی ایک چھوٹے پلر پہ ٹکی ریوالونگ چیئر پہ بٹھاتے بولی۔

"ہیو آ سیٹ میم!" اور ایپرن پہن کر بالوں کا جوڑا بناتی کچن میں آ گئی۔

حلیمہ بی اسکو چیزوں کی ہدایت کرتی گئیں اس نے سب کاؤنٹر پہ لا کر جما کر دیا تھا۔

"ویسے تو مجھے کچھ بنانا نہیں آتا پر بیکنگ کا بچپن سے شوق تھا تو سیکھ لی۔ اب جب تک یہاں ہوں آپکو بیکنگ ایکسپرٹ بنا کر جاؤنگی۔"

باؤل میں مطلوبہ مقدار کے حساب سے اس نے میدا ڈالا تھا۔

"مجھے یاد تو کروگی نا!"

"میں آپکو بھولونگی ہی نہیں۔ ایک آپ ہی تو ہیں میری تنہائی کی دوست۔ ویسے میری دو دوستیں اور ہیں بہت یاد آتی ہے انکی۔ ایک کا کل نکاح تھا۔" وہ حلیمہ بی کو بتائے بغیر چیزیں ڈال رہی تھی۔ حلیمہ بی بس اسکی کاروائی نوٹ کر رہی تھیں۔ اور مسلسل اسکی ہمیشہ کی طرح زبان چل رہی تھی۔ وہ ایسے ہی نان اسٹاپ بولنا شروع ہوتی تھی۔ اندر کی گھٹن کم کرنے کا اسے بہترین ہتھیار یہی لگتا تھا۔

"دوستوں کے نام تو بتاؤ۔" چینی کے کھلے ڈبے کو انھوں نے بند کیا روما نے انڈا توڑ کے ڈالا۔

"عائشے اور انوش..." وہ دھیمی سی مسکرائی۔

"عائشے کی شادی کی مجھے بہت خوشی تھی پر... خیر جو ہم سوچتے ہیں وہی سب تو ہو نہیں سکتا اسی کا نام زندگی ہے۔"

"جو مل جائے اس پہ شکر اور جو نا ملے اس پہ صبر کر لینا ہی مسلمانوں پر فرض ہے۔اس جہاں میں نہیں تو اگلے جہاں میں تمھیں وہ سب ملے گا جسکی تمھیں یہاں تلاش ہے۔"

"وہاں سکون تو ملے گا نا...." باول میں بیٹر کو مشین سے پھینٹنے سے پہلے اس نے سر اٹھا کے کہا حلیمہ بی کی نظر کا مرکز اسکا چہرہ ہی تھا۔

"انشاء اللہ۔اور نا امید کیوں ہوتی ہے۔سکون تمھیں یہاں بھی ملے گا۔اللہ اپنے بندے کی سکت سے زیادہ اس پہ بوجھ نہیں ڈالتا۔نا امیدی گناہ ہے اور یہی تمھاری آزمائش۔"چیئر سے اٹھ کے وہ اسکے پاس آ گئیں رومانے مشین بند کی انھیں دیکھا۔

"روز اسی آس پہ جی رہی ہو کہ یہ قید جلد ختم ہونے والی ہے،،ایک دن کٹتا جا رہا ہے۔"مشین ایک طرف رکھ کے کاؤنٹر صاف کیا۔

"جس کو تم قید سمجھ رہی ہو وہ تمھاری بھلائی کے لیے ہے۔انسان کی عادت ہے وہ چیزیں دیر سے سمجھتا ہے تم بھی ایک دن سمجھ جاؤ گی۔تمھیں لگتا ہے کڈنیپ کر کے یہاں رکھا گیا ہے نہیں.. تمھارے لیے رکھا گیا ہے تمھیں اس جنگ میں کوئی نقصان نا پہنچ سکے۔مجھے اندازہ ہے چھوٹے سائیں کی تمھارے لیے نرمی دیکھ کر زولفقار سائیں کو کتنا غصہ ہو گا انکے سینے میں دل نہیں سیاہ پتھر ہے!"وہ خاموشی سے کام میں مصروف حلیمہ بی کی سن رہی تھی۔اسکی پشت انکی جانب تھی حلیمہ بی کی نظریں سسکی حرکات پہ ٹکی رہیں۔

وہ بھانپ چکی تھیں کہ وہ سنتی ہے اپنا کوئی ری ایکشن نہیں دیتی خاص کر چھوٹے سائیں کے حوالے سے۔

آنکھوں میں روشنی پڑنے سے اسکی نیند میں خلل ہوا،، دھیرے دھیرے ذہن بیدار ہوا۔ وہ اٹھ کے بیٹھ گئی اردگرد نظریں دوڑائیں۔ کمرا روشنی میں نہایا ہوا تھا کمرے میں ٹھنڈ کا امتزاج نا ہونے کے برابر تھا۔

بیڈ کی دوسری سائیڈ خالی تھی، یعنی وہ اس سے پہلے ہی جاگ چکا تھا۔

نظروں کو تھوڑی اور زحمت دی تو ڈریسنگ پہ جا رکیں۔ وردی میں ملبوس ڈریسنگ کے سامنے وہ بال سیٹ کر کے اب کف لنکس بند کر رہا تھا۔

عائشے کچھ دیر جوں کی توں اسے دیکھتی رہی پھر کمبل ہٹا کے بیڈ سے اتری۔ وہ تو رات دوپٹہ اوڑھ کے سوئی تھی کمبل دیکھ کر مراد کی مہربانی پہ زیادہ کچھ نا ہی سوچا پھر بھی دل میں ننھی پھوار پھوٹی تھی۔

"گڈ مارننگ.." اسے اٹھتا دیکھ مراد کف بند کرتے ہوئے اسکی طرف پلٹا دونوں کے درمیان اجنبیت دور کرنا چاہتا تھا۔

"ہمم..." عائشے سر ہلا گئی۔ سمجھ آ بھی نہیں رہا تھا کیا ری ایکٹ کرے۔

"تم ریڈی ہو جاؤ ناشتے کے بعد میں تمھیں تمھاری امی کے گھر چھوڑ دونگا۔" مراد اسکی چوڑیوں سے بھری کلائیاں دیکھتے ہوئے بولا۔ اس نے عائشے کے دل کی بات کر دی تھی وہ خود گھر جانا چاہتی تھی۔

" تھوڑی عقل ہے؟ رات کو چوڑیاں پہن کر کون سوتا ہے؟ ساری رات انکی چھن چھن سے نیند خراب کی ہے تم نے میری... " دھیمے پر غصیلے انداز میں مراد نے کہا عائشے نے بھنویں سکیڑیں بس اب اسکا ضبط ختم ہو چکا تھا۔

"کوشش کی تھی رات کو اتارنے کی پر اتری ہی نہیں،، اور میں بھی تو سو رہی تھی آپ کی ہی نیند خراب ہوئی بس.." تیزی سے بول کر بس مراد کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہا تھا۔ مراد نے اسکی داہنی کلائی تھام لی۔ اور ایک نگاہ اس پہ ڈالی۔

"رات کو بول دیتیں ایک بار..." اب وہ سرخ چوڑیاں اسکی کلائی سے اتار رہا تھا عائشے نے اٹکی سانس کے ساتھ اس پہ نگاہ ڈالی۔

"مجھے آپکے ایک اور احسان کی ضرورت نہیں تھی!"

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" بھنوا چکائے عائشے کے چہرے پہ نگاہ جمائی عائشے نے ہمت کی۔

"شادی کر کے احسان ہی تو آپ کر چکے ہیں،، اگر آپ شادی نا کرتے میں تو کنواری ہی مر جاتی نا۔ ترس کھا کر لی شادی،، جب کہ آپ پہلے سے ہی کسی اور سے کمیٹمینٹ میں تھے!" وہ دبے دبے غصے میں بولی مراد کی اسکی کلائی پہ گرفت بڑھ گئی۔ لب بھینچ کے اس نے عائشے کو دیکھا۔

وہ محمل والی بات کو کہاں لے گئی تھی۔

"تم سے شادی کا فیصلہ میرا اپنا تھا۔ کسی پہ میں نے احسان نہیں کیا! اور ترس کھانا ہوتا تو اس طرح کے کئی کیس پہلے بھی سولو کر چکا ہوں۔ اب تک تم تیسری یا چوتھی بیوی ہوتیں میری!

اور رہی بات کمیٹمینٹ کی تو ایسا کچھ نہیں!

مراد میر اپنے کہے سے پیچھے نہیں ہٹتا محمل کو میں نے کبھی جھوٹی امید دلائی ہی نہیں جس پہ تم شور مچا رہی ہو۔ اور آئیندہ امید کرونگا عائشے دمیر تم ایسی فضول گوئی بلکل نہیں کرو گی۔" جبڑے بھینچ کے اس نے عائشے کا ہاتھ دبا کر آخر کی بچی چوڑیاں بھی اتار کر ڈریسنگ پہ پٹخ دیں۔ عائشے کھلے منہ سے دیکھتی رہ گئی۔

"عائشے دمیر نہیں عائشے بلوچ ہوں میں!"

وہ غرا کے بولی۔ عائشے کی جانب سے بہت شرافت دکھائی جا چکی تھی اب وہ اپنے موڈ واپس لوٹ آئی تھی۔ مراد نے استہزایہ اسے دیکھا۔

وہ تو اسی دھوکہ میں رہا تھا سیدھی سادھی بیوی مل گئی جسکی زبان میکے ہی رہ گئی تھی۔ اس نے تو پہلی ملاقات میں بھی مراد سے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ ساری بحث انوش کر رہی تھی الٹا عائشے اسے گھبرائی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اسے وہ ڈرپوک دبو سی ہی سمجھا تھا پر عائشے بلوچ تو نکلی ہی انار بمب تھی جو شادی کے بعد پھٹا تھا!

"لڑکی کل رات میرے نکاح میں آئی ہو بھول گئی ہو کیا۔" مراد نے جتاتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کے اپنی جانب کھینچا عائشے کی آنکھیں باہر نکلنے کو آئیں وہ بازو چھڑاتی پیچھے ہوئی۔

"آپکا احسان یاد ہے مجھے۔ پر مجھے بلوچ نام اپنے نام کے ساتھ لگا پسند ہے تو یہی لگے گا!" گردن تان کے اس نے مراد کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ کوئی کہہ سکتا تھا یہ رات والی ہی عائشے ہے! مراد تو اسکے بدلے تیور پہ حیراں ہوا تھا۔

"نام کا جو مرضی تم کرو! پر دل و دماغ میں میرے نام کی مہر بٹھا لو عائشے مراد میر!" اسکے چہرے پہ جھکا چبا چبا کے بولتا بیڈ کی طرف پلٹ گیا۔ عائشے کا جی کلس گیا پیر پٹختی واش روم میں گھس گئی۔

وہ فریش ہو کر باہر نکلی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ فرق کسی کو بھی نہیں پڑتا تھا کہ اگلا اسکے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔ مسئلہ یہ تھا شادی کے پہلے دن ہی لڑائی ہو گئی تھی آگے زندگی ساتھ کیسے گزرے گی اسی کی فکر مراد سے زیادہ عائشے کو تھی۔

پتا نہیں کیا سوچ کے اسے بیاہ دیا گیا تھا۔

رات تو وہ سوچ چکی کچھ دن ناراضگی کا اظہار کرے گی پر گھر والوں کے بنا رہا ہی کہاں جا رہا تھا۔ چڑیا کی طرح گھر جانے کے لیے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ یہاں کونسا ساس باہر اسکے ناشتے کے لیے منتظر بیٹھی ہونی تھیں۔ ابھی تو انکا سوچ کر ہی حلق کڑوا ہو گیا تھا۔

دیوار میں لگی بڑی سی نصب اسکرین کھلی تھی۔ مراد شوز پہنتے ہوئے خبریں سن رہا تھا۔

شاید کوئی اچھی خبر نہیں تھی مراد کے تاثرات بھانپ کر عائشے یہی اخذ کر سکی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس جا کے بال سلجھانے لگی۔

اسکرین پہ کورٹ کے باہر کا منظر چل رہا تھا،، نیوز کاسٹر مسلسل پر جوش آواز میں پیچھے بول رہا تھا۔ نیچے واقعے کے متعلق شہ سرخیاں آتی جاتیں تھیں۔

اہم خبر!

"وزیر اعلی زو لفقار جاہ کرپشن کیس کے الزامات سے عدالت کی جانب سے مکمل طور پہ بری الزمہ کر دیے گئے۔ پچھلے جھوٹے ثبوتوں پر عدالت کی نئی کاروائی کا فیصلہ۔" مراد نے غور سے یہ سطر پڑھی اور ریموٹ کو مٹھی میں بھینچ لیا۔

عائشے شیشے میں سے اسکے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

کورٹ سے نکلتے ہوئے زولفقار جاہ اور انکے وکیل کی کلپ بار بار اسکرین پہ چلائی جارہی تھی۔ یہ خبر ہر نیوز چینل کی زینت بنی ہوئی تھی۔ زولفقار جاہ ہر قسم کے الزام سے بری ہو چکے تھے۔ انکی حکومت کو اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ایک اہم فیصلہ میران کو لے کر جو انھوں نے کچھ دن پہلے ہی کیا تھا اس پہ اب افسوس تھا۔ میران کو اقتدار دینے کا یہ وقت سہی نہیں تھا بعد میں بھی دیا جاسکتا تھا پر پچھلے سارے عرصے میں انکی حکومت پہ تلوار لٹکے رہی تھی اسی کی مناسبت انھوں نے فیصلہ کیا تھا۔

میڈیا سے زولفقار کی گفتگو بھی سب چینل والے سنا رہے تھے۔ وہ بے حد خوشی سے میڈیا سے مخاطب تھے۔ مراد نے ریموٹ سے ٹی وی بند کیا اور جوتے پہننے کے لیے جھک گیا۔ صاف پتا چل رہا تھا وہ غصہ ضبط کر رہا ہے۔ زراسی لاپرواہی سے وہ ثبوت اکٹھے نا کر سکا اور اب یہ شیطان سیاستدان واپس سروں پہ مصلت ہو جانے تھے۔ تسمے باندھ کر وہ کھڑا ہوا عائشے کو دیکھا جو ہلکی پھلکی سی تیار ہوئی اسی کو دیکھ رہی تھی۔ مراد نے نظروں

سے ہی باہر چلنے کا کہا عائشے سر ہلاتی اسکے پاس دروازے تک آگئی۔ ناجانے اسکی سانسوں کی رفتار میں کیوں تیزی بڑھی گئی تھی۔ شاید ساس کا خوف تھا! مراد نے اسکا ہاتھ تھاما تھا۔ کیا شکل پہ کمال اطمینان تھا عائشے حیرت زدہ سی اسکی شکل تکتی ہوئی سر جھکا گئی۔

دھوپ چھاؤں سا شخص تھا۔ کچھ دیر پہلے اس پہ غصے سے ابل پڑا تھا اور اب گھر والوں کے سامنے جانے سے پہلے اس طرح اسے حوصلہ دے رہا تھا۔

ناشتے کی ٹیبل مختلف اشیاء سے بھری پڑی تھی۔ شہوار جاہ کی برسی کا بھی دن تھا۔

حقیقت کا چہرہ بھی بہت عجیب تھا۔ انکے جانے کے بعد ہی زولفقار جاہ کی مکمل پوری کایاپلٹ تھی اور آج بھی انکی برسی کا ہی دن تھا!

زولفقار صاحب ٹیبل پہ موجود میران کے منتظر تھے۔ جاگنگ کے لباس میں ہی وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا۔ فرید کے اطلاع دینے پہ ڈائننگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔

"اسلام و علیکم..." سلام کرتے ہوئے زولفقار صاحب کی دائیں جانب کی کرسی کھینچ کر بیٹھا گیا۔ ناشتے پہ نگاہ ڈالی خوشی میں کافی اہتمام کیا ہوا تھا۔ وہ تو ناشتہ دائم کے ساتھ کرچکا تھا باپ کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے بیٹھ گیا تھا۔

"وعلیکم السلام.. کافی مصروف ہو گئے ہو شکل دیکھنے کو آنکھیں ترسنے لگی تھیں۔" زولفقار نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ کہ کہا وہ رسمی مسکرایا۔

"اتنی اہم زمہ داری میرے کاندھوں پہ ہے اسکو پورا کرنا آسان بھی تو نہیں۔ خیر بہت مبارک ہو آپکو۔" کرسی پہ کمر ٹکائی زولفقار نے اسے دیکھا شنواری والے واقعے کے بعد سے وہ کافی بدلا بدلا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ میران نہیں جو باپ کے لیے جان چھڑکتا تھا ہر خوشی میں خوش ہوتا۔ اب ایسا محسوس ہوتا وہ مروتاً انکا سامنا کرتا ہو۔ پر یہ انکی صرف سوچ تھی چند معاملات پہ اسے جاہ سے بے شک اختلاف تھا اور انھی کے زکر پہ وہ زیادہ کچھ کہتا نہیں تھا۔

ایک شنواری اور دوسرا انکی کرپشن! کیس بند ہو گیا تھا پر اسے تو معلوم تھا باپ کے کالے دھندے کا! اور یہی چیز اسکی بے سکونی بن رہی تھی۔

"داداجان کی برسی ہے میں نے مزار پہ بھی کچھ انتظامات کروائے ہیں۔ خود جاؤنگا بھی۔" بازو پہ ہاتھ پھیرتا ہوا وہ بولا زولفقار صاحب نے سرہلایا۔ میران کا انداز دیکھ کرانکی خوشی میں گویا بھنگ ہی پڑی تھی اور میران بھی یہ نوٹ کرچکا تھا۔

"جو تمھیں بہتر لگے،، رحان علوی نے بیٹی کے رشتے کی پیش کش کی ہے۔ ویسے تو یہ ہماری جانب سے ہونا تھا پر پہل اسی نے کردی۔" چائے کا گھونٹ لیتے انھوں نے بے نیازی سے کہا میران نے ٹیبل پہ ہاتھ رکھ کے مٹھی بھینچی اور انھیں دیکھتا آرام سے کھڑا ہوگیا۔

"میراجواب بھی آپکو معلوم ہوگا۔ خود بول کر آپکی خوشی ہرگز خراب کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔ اللہ حافظ!" وہ مزید ٹھہرا نہیں تیار ہونے کی غرض سے سیدھا کمرے میں چلا گیا تھا۔

ناشتہ کرکے زولفقار صاحب لان میں تشریف لے گئے۔ پارکنگ کی طرف شمس گاڑی سے اترا زولفقار صاحب اسی کے انتظار میں تھے۔

"صبح بخیر،، مبارک ہو سرکار آپ جیت گئے۔ اللہ آپکا سایہ ہم سب پہ ہمیشہ سلامت رکھے۔" شمس ہاتھ باندھے سرجھکائے جی حضوری کرکے اپنا فرض ادا کررہا تھا۔

"ادھر آؤ شمس،،" انھوں نے اسے گلے لگایا۔ وہ کوئی نوکر نہیں تھا انکا خاص آدمی تھا!

"یہ سب تمھاری وجہ سے ہی ہوا بہت محنت کرتے ہو تم۔" اسکا کندھا تھپکاتے ہوئے وہ پیچھے ہٹے۔

"میرا فرض ہے جی... کچھ بتانا تھا۔"

"ہاں کہو.." ناشتے کے بعد زولفقار نے سگار جلائی اور موسم سے لطف اندوز ہونے لگے۔

"آپکے کہنے پہ بہت پتا کیا کہ اے ایس پی کو یلدیز کی خبر کیسے لگی اس پر کچھ ہاتھ نا لگا۔" شمس زولفقار جاہ کو دیکھتا ہوا بولا زولفقار نے دھواں اڑایا۔

"پتا کرو شمس ہو گا کوئی غدار یہ بات صرف گنے چنے لوگوں کے علم میں تھی جو قابل اعتبار ہیں۔۔اے ایس پی تک بات کیسے پہنچ گئی!"

"سائیں مجھے معاف کر دیے گا پر اس بارے میں صرف چھوٹے سائیں اور ہم ہی جانتے تھے۔" شمس کی بھی ہچکچاہٹ صاف تھی زولفقار صاحب نے گہری سانس بھری۔

"اس لڑکے کس دماغ خراب ہو گیا ہے۔ برباد کر کے چھوڑے گا۔ کیس پہلے ہی حل ہو جاتا تو مجھے کوئی اقدام اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ جو کیس عرصے سے چل رہا تھا اب جا کے فوراً بند ہو گیا۔" غصے میں غراتے ہوئے انکا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"سائیں اس شنواری نے بھی کچھ رقم ادا کی کر دی ہے۔"

"سہی،،وقت آنے دو پھر اسے بھی بتاؤ نگا زولفقار جاہ کیا چیز ہے۔سب کے سب اوقات بھول گئے ہیں۔"وہ پھنکارے۔

"اور وہ اے ایس پی!اسکا کیا؟شکست کے بعد سکون سے بیٹھے گا نہیں جوان خون جوش ضرور مارے گا اسکی بھی خبر رکھنا!"

"اسکی جانب سے خوشخبری ہے..کل رات ہی اس کا نکاح ہوا کسی کیس کے سلسلے میں مجرم پکڑنے گیا تھا لڑکی رخصت کر کے گھر لے آیا۔"شمس کا انداز طنز سے بھرپور تھا اب کی بار زولفقار جاہ بلند قہقہہ ہنس دیے۔

"بہت بہتر کچھ وقت یہ اسی سب میں مصروف رہے گا اسی دوران کسی اور کے ذریعے پیسے باہر بھیجوانے ہونگے۔"

"اور ہاں اے ایس پی کو مبارکباد لازمی دینا!"وہ انگلی اٹھا کے باور کراتے ہنس کر اندر کی طرف بڑھ گئے شمس سر ہلاتا رہ گیا۔

شہوار جاہ کی قبر پہ حاضری کے بعد وہاں کے گاؤں میں کھانا تقسیم کرنے کی ہدایتیں کرتا وہ داتا گنج بخش کے مزار کے لیے روانہ ہوا تھا۔

لمبی قطار میں گاڑیوں کا پروٹوکول اسکے آگے پیچھے تھا۔ گاڑیاں زولفقار صاحب کے اصرار پہ ہی گئیں تھیں وہ ان علاقوں میں تو ہر گز اسے ایسے ہی بھیجنے کا سوچ نہیں سکتے تھے۔ پروٹوکول بھی ضروری تھا میران جو انکی بات ماننا پڑی۔ نکلنے سے پہلے انکی عام گفتگو انداز میں گفتگو ہو گئی تھی گلے مل کر ہی وہ بنگلے سے نکلا تھا۔

دن کے ساڑھے تین بجے تھے۔ سورج سوا نیزے پہ تھا ماحول میں اسکی تپش سے ٹھنڈ میں کمی آئی تھی۔ میران کی گاڑی کی کھڑکی پہ سورج کی کرنیں پڑ رہی تھیں۔ وہ کالا چشمہ لگائے کہنی کھڑکی سے ٹکائے گاڑی کی پچھلی نشست پہ سفید کرتا شلوار اور شانوں پہ کالے رنگ کی گرم چادر پھیلائے ہوئے تھا۔ گھر سے باہر عموماً اسکا لباس کرتا شلوار ہی ہوتا تھا خاص کر سفید رنگ میں!

مزار پہ پہنچ کر اس نے سیدھا اندر حاضری لگائی تھی۔ بزرگ کی قبر کے پاس فاتحہ پڑھی اور باہر صحن میں نکل آیا۔ مزار میں الگ ہی آج ہجوم جمع تھا۔ اسکے گرد سخت سیکورٹی تھی لوگ اسکو پہچان کر خوشی سے اسکے قریب آتے۔ پر گارڈز کی مقرر کردہ حدود سے آگے کوئی بڑھ کے مل نہیں پاتا۔ کوئی دعائیں دیتا تو کوئی بوڑھی مائی اسکی نظر اتارتی۔ وہ مسکرا کر سب کے پیار کا جواب دیتا رہا۔ موسم کو دیکھ اس نے شال اب پیچھے گردن سے گزار کے ڈالی ہوئی تھی۔

بہت اچھا لگ رہا تھا!

دلکش!

مزار پہ عموماً لنگر ہوتا رہتا تھا پر آج خصوصی کیا جارہا تھا۔

کافی دیر میں لوگوں کا ہجوم اسکے پاس سے کم ہوا اور وہ آگے بڑھا تھا۔

ہر ایک کے ہاتھ میں لنگر کی تھیلیاں تھیں زیادہ تر غرباء ہی اسے نظر آئے۔ سیڑھیوں سے اتر رہا تھا نظر ایک بچے پہ پڑی جو چپ چاپ سامنے دیوار کو نقطہِ نظر بنائے ہوئے تھا۔ میران کے قدم ٹھہر گئے۔ جہاں ہر فرد بھاگ دوڑ میں مشغول تھا وہاں یہ بچہ سب سے الگ تھلگ سوچ میں غرق دکھا۔

ناجانے میران کے دل میں کیا سمائی وہ اسکی طرف بڑھ گیا۔ عزیز سب سنبھال رہا تھا میران کا گارڈز کا وہیں ٹھہرنے کا کہنے پر اسکے ساتھ ہی چل دیا۔

وہ بچہ دیوار سے کمر ٹکائے گھٹنے موڑے اداس سا بیٹھا تھا۔ میران نے عزیز کو دیکھا پھر بچے کے پاس گھٹنے کے بل پنجے جما کر بیٹھ گیا۔

میران کو دیکھ وہ بچہ وہ فوراً سیدھا ہوا۔

کافی کمزور سا بچہ تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ تم نے کچھ لیا نہیں؟" اس بچے کو خالی ہاتھ دیکھ کر اسکے سر پہ ہاتھ پھیر کے میران نے استفسار کیا۔ وہ سر جھکا گیا۔

"نہیں۔ آپ وڈے سائیں کے بیٹے ہو نا جی۔" اس نے پہچانتے ہی دھیمے سے کہا میران نے سر ہلایا اس بچے کے چہرے پہ خوشی دوڑ گئی میران کے لبوں پہ یہ دیکھ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

"آپکے پاس بہت طاقت ہو گی آپ میری مدد کریں گے؟" وہ کافی ڈر کے بولا میران نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی وہ اس بچے کو غور سے دیکھ رہا تھا جو کافی پریشان سا محسوس ہوا۔ یقیناً کچھ اہم بات تھی۔

"تم کو پیسے چاہیے کیا؟" عزیز جو پیچھے کھڑا تھا بچے کو دیکھتا بولا۔ بچے نے نا میں سر ہلایا میران کو بھی اب تشویش ہوئی۔

"میری بہن....." اس نے اتنا ہی کہا اور آواز لڑکھڑا گئی میران اس بچے کے قریب ہوا جو میلے کپڑوں میں تھا۔

"آرام سے بتاؤ پوری بات جب ہی تو میں مدد کر سکوں گا۔" اس نے بچے کو پچکارا۔

"پاس ہی میرا گوٹھ ہے وہاں میں اور میری بڑی بہن رہتے ہیں۔ ہم محنت مزدوری کر کے گزارا کر لیتے ہیں پر۔۔" وہ بچہ بتانے میں جھجھک رہا تھا گھبرا رہا تھا۔

"پہلے مجھے اپنا نام بتاؤ۔" میران نے اسکے بازو تھام لیے۔

"خضر۔"

"نام اتنے بہادروں والا اور ایسے ڈر رہے ہو۔۔ صاف صاف بتاؤ ہچکچاؤ مت ورنہ ہم مدد کیسے کریں گے۔" نرمی سے اس ننھے بچے کو سمجھایا وہ سر ہلانے لگا۔

"گوٹھ میں ایک آدمی رہتا ہے پہلے میں اسکے ہاں کام کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ وہ میری بہن کو پسند کرتا تھا اور کہتا تھا اسے لے جائیگا مجھے بہت غصہ آتا تھا میں نے وہاں سے کام چھوڑ دیا پر اس نے میری بہن کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور..." وہ پھر رک گیا میران نے اسے گھورا تو اسکے رعب سے بول پڑا۔

"اس نے میری بہن کے ساتھ گھر میں گھس کے زبردستی کرنے کی بھی کوشش کی بہت پریشان کرتا ہے اسکو۔" وہ سات سالہ بچہ جیسے تیسے بول گیا۔ اسکی یہ بات سن کر میران کا خون کھول اٹھا شریانیں تنگ گئیں۔

"میں چاہتا ہوں آپ ہماری مدد کریں۔ اس سے جان چھڑا دیں تاکہ ہم دونوں سکون سے رہ سکیں۔" اس بچے کی آنکھوں میں ایک آس تھی پانی کے ننھے قطرے تھے۔ میران نے گلے لگایا اور پیٹ تھپکی۔

"تم واقعی بہادر ہو، تمھاری بہن کہاں ہے؟"

"آتی ہی ہو گی لنگر لینے گئی تھی۔" سر کھجاتا وہ بولا تھوڑی ہی دیر میں ایک کم عمر لڑکی اس بچے کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ میران کو دیکھ کر اس نے بچے سے اسکا پوچھا۔

"چھوٹے سائیں ہیں جی یہ۔ ہماری مدد کریں گے۔" وہ چہک کر امید سے بتانے لگا میران مسکرایا اس لڑکی کو دیکھا جو بمشکل سولہ سال کی ہو گی۔ کافی خوبصورت تھی او بھرے ہوئے چہرے کے نقوش پر کشش گلابی چہرہ۔ آدھا معاملہ وہ ویسے ہی سمجھ گیا تھا۔ جس چہرے پہ خوشی کی رمق ہونی چاہیے اس بچی کے چہرے پہ ویرانیت تھی۔ اسے بے ساختہ رومائزہ یاد آئی تھی۔ میران نے فوراً خیال جھٹکا۔

"عزیز ان دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری اب تمھاری ہے۔ دونوں کو شہر لے چلو اور اس آدمی کو جلد از جلد تلاش کرو۔" اس بچے کے مطابق وہ آدمی گوٹھ سے باہر گیا ہوا تھا۔ میران نے عزیز کو حکم دیا اور کھڑا ہوا ان دونوں بچوں کے سر پہ ہاتھ رکھا اس لڑکی کو مسکرا کے دیکھا۔

"ابھی ان آنکھوں نے دنیا دیکھنی ہے ان میں اداسی اچھی نہیں لگ رہی،، اپنا اور اپنے بھائی کا خیال رکھنا۔ کچھ بھی چاہیے ہو تو عزیز کو بتا دینا۔ اور یہاں کوئی اسکول تو ہے نہیں شہر جا کے اب اسکول میں اچھے سے پڑھائی کرنا!"

وہ ان بچوں کا مستقبل خراب ہوتے ہر گز نہیں دیکھ سکتا نا ہی باقی بچوں کا۔۔ یہ ایک کیس اسکی آنکھوں کے سامنے آیا تھا ایسے کئی اور ہونگے۔ اب وہ اس گوٹھ میں کام کروانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اسکول اور ہسپتال کی تعمیر غریب عوام میں تعلیم و شعور کا پھیلاؤ!

"سائیں سورج ڈھلنے لگا ہے ہمیں چلنا ہو گا۔" عزیز کے کہنے پہ میران نے سر ہلایا۔

عزیز نے ان بچوں کو شہر بھیج دیا تھا باقی میران کا ارادہ گوٹھ کا چکر لگانے کا تھا پر ڈھلتے سورج کو دیکھ اس نے فیصلہ ترک کیا اور عزیز کو فارم ہاؤس جانے کا کہا۔ اس نے ساری محافظ گاڑیاں واپس دوانہ کروادی تھیں۔

مزار کا فاصلہ بنگلے اور فارم ہاؤس دونوں سے ہی دور تھا۔

کافی دن بعد اس نے رومائزہ سے ملنے کے لیے وقت نکالا تھا اور اسے معلوم تھا شہوار جاہ کی برسی پہ حلیمہ بی بھی اسکی منتظر ہو نگی۔

عزیز گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور میران نے میوزک سسٹم میں غزلیں لگادی تھیں۔ وہ آنکھیں موندیں سیٹ پہ پشت ٹکائے بیٹھا تھا۔

عزیز نے اس پہ نگاہ ڈالی اطمینان سے بھرپور مسکراہٹ اسکے چہرے پہ بھی آگئی۔ اسے بھی اندازہ تھا میڈم سے ملنے کے لیے چھوٹے سائیں کا دل کس تیزی سے دھڑک رہا ہو گا۔

بے بس اتنے ہیں تیرے عشق میں

ترس سے جاتے ہیں گفتگو کے لیے

وہ بھی اس کی طرح محبت پہ یقین نہیں کرتا تھا پر میران کو دیکھنے کے بعد اسے محبت سے خوف آتا تھا انسان کو نا ملے تو گہرا اثر چھوڑ جاتی ہے۔

مزار سے کچھ دور تک گاڑی پہنچی تھی علاقہ سنسان تھا ارد گرد جنگل سا موجود تھا۔

اچانک گولیوں کا شور اٹھا۔بیک وقت میران اور عزیز چونکے تھے۔عزیز نے اسپیڈ بڑھادی۔

پہلے گولی ٹائر پہ ہی لگی تھی۔گاڑی کے لڑکھڑاتی اس سے پہلے عزیز نے بریک مار کے روکا۔

اندھیرا بڑھ چکا تھا پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کس طرف سے فائرنگ شروع ہوئی ہے۔

"سائیں آپ جھک جائیں۔"عزیز گاڑی سے اترنے لگا۔

"عزیز پاگل مت بنو،،اپنی گن نکالو"میران نے اپنی گن لوڈ کر کے اپنی جانب سے بھی جھڑیوں کی طرف فائرنگ شروع کردی تھی۔

پر شاید شوٹرز پورے اہتمام کے ساتھ طاق لگائے بیٹھے تھے۔ہر جانب سے شیشوں پہ گولیاں چلیں۔وہ دو اندھیرے میں کتنے نشانے لگاسکتے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ کا شیشہ توڑ کر گولی عزیز کے کندھے میں جا لگی۔ وہ درد سے کراہ اٹھا پھر بھی اس نے اپنی جانب سے فائرنگ روکی نہیں تھی درد کی لہر بڑھتی گئی۔ شیشے کے ٹوٹنے سے دونوں کے زخم آئے تھے۔

اور پھر شوٹرز کا نشانہ بلکل سہی جگہ جا لگا۔ دو گولیاں چلی تھیں جو سید حامیران پر وار کر گئیں۔ گاڑی میں سے گولیاں چلنی بن ہو گئیں۔

اور پھر باہر بھی یک دم سناٹا چھا گیا ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔ ارد گرد آبادی میں گولیوں کی آواز پہ شور برپا ہوا۔

اور پھر گولیوں سے چھلنی چھلنی گاڑی نیوز چینلز کی زینت بنی تھی!

گولیوں کے شور پہ میران کی بھیجی سیکورٹی کی گاڑیاں الرٹ ہو کر وہاں کو روانہ ہوئیں گارڈز جو سوچ رہے تھے دعا تھی وہ نا ہی ہوا ہو ورنہ انکو زولفقار جاہ کے غضب سے خوف آ رہا تھا۔

کیک بیک ہو چکا تھا کریم کی ٹوپنگ کر کے اس نے کافی دیر پہلے ہی فریز کر دیا تھا۔ حلیمہ بی مغرب پڑھنے کمرے میں گئی تھیں۔ آج اسکے موڈ میں معمولی سی خوشگواری تھی،، جیسے کچھ بدلاؤ آیا ہو۔

اس نے وقت دیکھا اور کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی۔

فریج سے چاکلیٹ کیک نکالا۔اسے ٹرے میں رکھ کے لاؤنج کی طرف آئی۔ٹی وی اسکرین آن تھی۔سرسری سی اسکی نظر نیوز چینل پہ پڑی اور پھر وہیں جم گئیں۔

کیک کی ٹرے لڑکھڑاتی اس سے پہلے ہی اس نے کیک ٹیبل پہ رکھ کے ریموٹ اٹھا کے آواز کھولی تھی۔

"ناظرین خبر دیتے چلیں وزیر اعلیٰ کے بیٹے میران جاہ کی گاڑی پہ نامعلوم افراد کا فائرنگ سے حملہ !ذرائع کے مطابق اطلاع ملی ہے کہ اس وقت انھیں اسپتال لے جایا جا چکا ہے۔"اینکر تیزی میں بول رہی تھی اور یہ وہ لمحہ تھا جو رومائزہ کی سانس مدھم ہوئیں وہ گنگ ہو گئی سماعت پہ یقین نہیں آیا تھا۔

منظر پہ میران کی گاڑی تھی جو گولیوں سے بھونی جا چکی تھی۔سڑک پہ گرا خون البتہ میران اور عزیز میڈیا کی کوورتیج میں نا آسکے تھے ایمبولینسز میڈیا سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

جائے وقوعہ جگہ پہ نیوز کاسٹر تفصیل بتا رہا تھا پولیس نے جگہ کو زیر تفتیش لے لیا تھا۔لوگوں کا شور بہت تھا اور وہ مزید سب دیکھ نا سکی کان شور سننے کے قابل نا رہے۔سن دماغ کے ساتھ آنکھوں کے سامنے اسکرین بھی دھندلیا گئی منہ پہ ہاتھ رکھ کہ وہ لڑکھڑائی۔

ریموٹ صوفے پہ پھینکا اور الٹے قدموں اپنے کمرے میں بھاگی تھی زور آواز سے اس نے دروازہ بند کیا اور بیڈ پہ بیٹھ کے گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور منہ سے لگالیا۔

یہ اچانک کیا ہو گیا تھا اسکو گولی کیسے لگ سکتی تھی۔ کیا اسکی بد دعاؤں میں اتنا اثر تھا کہ وہ اس طرح... نہیں نہیں۔ اس نے خود کو کوسا اب تو وہ اسے معاف جر چکی تھی۔

"اللہ اس پہ رحم کر دے۔" آنسو ٹوٹ کے اسکی آنکھ سے گرا۔ وہ اسے کہتی تو دشمن تھی پر اسے مرتے دیکھنا قبول بھی نہیں تھا۔

نا میران سے نفرت رہی تھی نا ہی محبت ہوئی وہ درمیان کی راہی تھی اور نا ہی اتنی پتھر دل تھی جتنا ظاہر کرتی تھی،، دل چیخ اٹھا کئی خراشیں روح میں لگی تھیں۔

حلیمہ بی نے اسکو اس طرح جاتے دیکھا وہ بھی پریشان ہو گئیں اور نیوز دیکھنے کے بعد انکا بھی رومائزہ سے مختلف حال نا ہوا۔

مراد عائشے کو ساتھ لے کر باہر آگیا۔ ناشتے پہ موجود زرپاش صاحبہ اسی کی منتظر تو تھیں پر آج حسبِ غیر معمول ناشتہ شروع کر کے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

"صبح بخیر... "عائشے کو آگے چلنے کے کہتے ہوئے اس نے آمدگی کا احساس دلایا۔زرپاش نے کپ ٹیبل پہ رکھ کے ان دونوں کو دیکھا اکھڑے تیور تھے عائشے تو سر ہلا کہ مراد کی اسکے لیے کھینچی کرسی پہ بیٹھ گئی۔زرپاش سربراہی کرسی پہ نشست تھیں اور وہ دونوں انکے بائیں جانب کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

عائشے بری طرح نروس ہو چکی تھی،،ساری دیدہ دلیری کا مظاہرہ کمرے تک رہا تھا ساس کو دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے تھے۔

اور بچی کچی کسر تھوڑی بعد نند کی آمد پہ ہوئی۔

"مراد تمھارا دماغ خراب ہے کیا؟ نا جان نا پہچان تم نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا۔"

"آپی عائشے کو میں جانتا ہوں. "مراد نے بڑی بہن سجل کو تنگ آکر کہا۔وہ تین بہن بھائی تھے۔سب سے بڑی سجل جو شادی شدہ تھی اور مراد سے صرف دو سال بڑی پھر مراد تھا اور اس سے چھوٹی مزید ایک بہن اور!

عائشے تو سر پکڑے صوفے بیٹھی تماشہ دیکھنے میں محو تھی۔مراد نا جانے کب سے بہن اور ماں کو وضاحتیں دے رہا تھا۔پولیس والے کی ایسی حالت دیکھ دل کو بڑی تسکین نصیب ہوئی۔

"امی آپ نے مہمل کو اپنے لاڈلے کا کارنامہ بتایا؟"

مراد سے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے سجل نے زرپاش کی طرف رخ کیا۔

"کیا بتاؤں اسکو،، کچھ بتانے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ پہلے دن سے یہ بات طے تھی اس گھر کی بہو صرف مہمل بنے گی۔ پر میرا بیٹا اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ ماں باپ کو کچھ بھی بتانا گورا نہیں سمجھا کہ کسی کو پسند بھی کرتا ہے! اور اسے بیوی بنا کر گھر لے آیا!" لفظوں کے تیر برس رہے تھے۔

"بس کر دیں آپ دونوں تھک گیا ہوں بتا کر مہمل کو میں نے وہ فوقیت کبھی نہیں دی جو آپ لوگوں نے دے رکھی! کبھی مجھ سے پوچھا کے میں اس کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہوں؟ اس لڑکی کے دل میں ابتدا سے ہی میرا نام ڈال دیا بس!!!" جب اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو غصے میں تنک کر کھڑا ہو گیا عائشے بھی اسے غصہ دیکھ فوراً کھڑی ہوئی۔

"میں ڈیوٹی پہ جا رہا ہوں اور عائشے کو اسکے گھر چھوڑ دونگا رات تک ساتھ لے آؤنگا۔ اور نیمل آجائے تو مجھے میسج کر دیے گا!" سر پہ کیپ رکھتے ہوئے اس نے ارادے کی خبر دی اور سجل کی نظروں کے سامنے عائشے کی کلائی پکڑی تھی اور تیزی میں نکل گیا وہ بس اسکے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

گھر کی سیاست میں وہ الجھ گئی تھی۔ آگے کی زندگی بے حد مشکل لگی رونا بھی آرہا تھا کہ کہاں پھنس گئی۔

مراد کا یوں عائشے کو ہاتھ پکڑ کے لے جانا دونوں ماں بیٹی کو بھایا نہیں تھا۔ سجل نے کھلے منہ سے ماں کو دیکھا۔

"بیوی آئی نہیں اور بھائی کے تیور بدل گئے۔ آ گئے نا جانے یہ لڑکی کیا کرے گی۔ یہ چھوٹے گھروں کی لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہے مراد کو اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔" وہ تنفر سی بولی۔

"خاموش ہو جاؤ سجل۔" زرپاش اسے کہتی سجل کے آگے رکھی کاٹ میں سے اپنی نواسی کو گود میں اٹھا چکی تھیں ماتھے پہ اسکے پیار کیا اور مسکرا کے دیکھا۔

"آپ کے اور بابا کی چھوٹ کی وجہ سے یہ ایسا ہوا ہے۔" سجل بڑبڑا کے موبائل میں لگ گئی۔ زرپاش کے بتانے پہ ہی وہ صبح ناشتے کے بعد دوڑی چلی آئی تھی۔ وہ انیتس سالہ لڑکی اپنی عمر سے کم ہی لگتی تھی،، اچھی بزنس ہولڈ فیملی میں ہی اسکی شادی کر دی گئی تھی۔ تین سالہ بیٹا اور آٹھ ماہ کی بیٹی،، دو بچوں کے باوجود اس نے خود کو بہت مینٹین کر رکھا تھا۔

گورا رنگ براون ڈائی بال بھوری آنکھیں خوبصورت چہرے کے نقوش! عائشے نے یہ بات تو دل میں تسلیم کر لی تھی وہ دونوں بہن بھائی ہی خوب شکل تھے اور خوبصورتی انھوں نے ماں سے پائی تھی۔ سسر تھے یا نہیں اسکا اسے خاصا علم نہیں ہوا تھا پر اسے یہ بڑے گھر کے لوگ بہت چھوٹے دل کے محسوس ہوئے!

مراد عائشے کو میکے چھوڑ کے پولیس اسٹیشن روانہ ہو گیا تھا،، اسے اب نئے سرے سے زولفقار صاحب کے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے تھے،، چند ایماندار بڑے آفیسرز کو اسکی اس لگن پہ تعجب ہوا تھا پر کوئی بھی اسکی راہ میں رکاوٹ نا بنا اسے کھلی آزادی دی تھی اپنا کام سرانجام دینے کی۔ وہ پرسنلی بہت انولوو لگتا تھا،، باقی کیسز میں بھی اتنا خود کو جھونکتا تھا پر اس کیس کی بات ہی الگ تھی!

عائشے کے آنے سے انعم اور معین دونوں ہی خوش تھے۔ اس نے فلحال سسرال کا کوئی غلط تاثر انکے ذہن میں نہیں ڈالا تھا۔ جب اسے اس آگ میں جھونک دیا تھا تو وہ خود ہی اس سے لڑنے کی ہمت کر رہی تھی۔

وہ تقریباً بارہ بجے یہاں پہنچی تھی آتے ہی اس نے ٹیکسٹ کر کے انوش کو بلایا تھا۔ انعم نے مراد کو کافی روکنے کی کوشش کی پر وہ جلدی میں تھا تو معذرت کر کے نکل گیا۔

عائشے معین صاحب کے کمرے میں انکے پہلو میں بیٹھی تھی۔ اس نے خوشی ظاہر کرنے کا کوئی ڈرامہ نہیں کیا تھا چہرے پہ اداسی صاف جھلک رہی تھی۔

"بیٹا خوش تو ہو نا؟" عائشے نے معین کو دیکھا۔

"ہمم بابا۔ آپ سے ایک بات پوچھوں رات سے کھٹک رہی ہے۔ مراد کو آپ اتنا جانتے بھی نہیں کیسے آپ نے ہامی بھر لی؟ بابا آپکو معلوم بھی ہے وہ لوگ کتنے ہائی کلاس کے لوگ ہیں۔" اس نے معین کی طرف گردن کیے سوال کیا اور ساتھ انکی کلاس کے بارے میں آگاہی بھی دی۔ معین نے سر خم کیا اتنے میں انعم بھی کچن سے فارغ ہو کے کمرے میں آگئیں۔

"یہ سب میں جانتا ہوں پر میں نے پیسہ دیکھ کر شادی نہیں کی۔ اس بچے کی نیت صاف تھی مجھے تمہارے لیے وہ سب سے بہتر لگا۔

اور اسکے والد کو بھی میں جانتا ہوں ارباز صاحب کافی شریف اور سلجھے ہوئے بزنس مین ہیں اور میرے باس سے انکی رشتہ داری بھی ہے۔

ارباز صاحب سے کئی بار ملا ہوں ہر بار انکی نرم طبیعت متاثر کرتی آئی۔ کچھ عرصہ پہلے اے ایس پی مراد سے ملا تو پتا چلا انکا ہی بیٹا ہے۔" اول تو انھوں نے پشت منظر بیان کیا تھا پھر بولے۔

"بیٹا ہو سکتا ہے شادی کے شروع دنوں میں تمھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے پر اگر تم صبر سے کام لو گی تو دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔" تفصیل سے بتاتے ہوئے معین نے اختتام میں عائشے کے سر پہ ہاتھ رکھا اس نے سر اٹھایا۔

کاش بتا سکتی کتنے اچھے لوگ ہیں۔ بعض اوقات والدین کے کیے فیصلے ہمیں اپنے حق میں نہیں لگتے پر وقت کے ساتھ ساتھ ہماری نظر کا دائرہ انکی طرح وسیع ہو جاتا اور ہم اس وقت والدین کے شکر گزار ہو جاتے۔ اب کون جانے یہ بات عائشے کی زندگی میں حقیقت کا روپ ڈھارتی کہ نہیں!

ایک آگ سے نکال کر دوسری آگ میں جھونک دیا عائشے نے اس نظریے کو سینے سے لگا لیا تھا۔

معین صاحب نے فیصلہ کر دیا تھا اس تو بس زبردستی کی شادی ہی لگی جسے نبھانا پہاڑ سر کرنا جیسا مشکل تھا۔

والدین اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے سب کچھ کرتے ہیں پر وہ نصیب آگے بے بس ہوتے ہیں۔

"انکے بابا تو گھر پہ نہیں تھے۔" عائشے نے بات نکالی۔

"ہو سکتا ہے شہر سے باہر گئے ہوں۔ ظہر کا وقت ہو گیا ہے میں نماز پڑھ آؤں۔" معین مسکرا کر مسہری سے اتر کر وضو کر کے مسجد کے لیے روانہ ہو گئے۔

"اگر وہ واقعی اچھے ہیں تو انکو یہاں ہونا چاہیے تھا اپنی بیگم کو کم از کم کنٹرول میں تو رکھتے۔" عائشے کو انعم نے خیالوں میں گم دیکھا تو اٹھ کے اسکے قریب آ گئیں۔

"تم کچھ بتاؤ یا نا بتاؤ پر ماں ہوں میں تمھاری شکل سے ساری پریشانی اخذ کر چکی ہوں۔"

عائشے یک ٹک انکو دیکھتی رہی۔

"مجھے معلوم ہے میری بیٹی میں برداشت نہیں ہے پر اب تھوڑی عادت ڈال لو۔ میری شادی سے پہلے مجھے ہر ایک نے کہا تھا شادی کے کچھ سال سسرال والوں کو سمجھنے میں لگتے۔ وہ آپ کو پرکھتے ہیں یہ ٹائم لڑکیوں کے لیے مشکل ثابت ہوتا ہے ہر قدم سوچ کے اٹھانا ہوتا ہے۔

تمھارا شوہر تمھارے ساتھ ہے تمھیں کسی بات کی فکر نہیں ہونی چاہیے۔ بس اپنے شوہر کو خود سے دور نا ہونے دینا جو اسے پسند ہے وہی کرتی جاؤ ایک وقت آئیگا جب وہ مکمل طور پہ اپنی بیوی کو سمجھ چکا ہو گا اسکے دل میں

تمھارے لیے عزت بڑھ جائیگی۔ اسکے گھر والوں کو عزت دو گی تو اسکی نظر میں تمھیں مزید برتری حاصل ہو گی۔ جب اگلا آپکے رنگ میں ڈھل نہیں سکتا آپ کو چاہیے آپ خود اسکے رنگ میں ڈھل جائیں پھر زندگی اتنی مشکل نہیں ہوتی۔" انعم سسے دیکھتے ہوئے لہجے میں نرمی رکھے سمجھا رہی تھی۔

عائشے سخت کوفت سے انکی طویل باتیں سن رہی تھی۔ کچھ دماغ میں بیٹھی تھیں کچھ دوسرے کان سے باہر۔ اس نے نظر اٹھا کے ماں کو دیکھا۔

"ویسے تو میں خاص کر آپ سے ناراض تھی پر ادھر آنے کے علاوہ اور کوئی اوپشن نہیں تھا۔" وہ آنکھیں جھپک کے بولی انعم نے اسے گھورا۔

"امی دروازہ بجا یے لگتا ہے انوش آگئی۔" مسہری سے اٹھ کے وہ تیزی سے بھاگی تھی اسکی حرکت پہ انعم نے سر پکڑا ا ابھی اتنے لمبے لیکچر اسکو دیے سب رائیگاں۔

"اسلام و علیکم دلہن صاحبہ..." عائشے نے دروازہ کھولا تو انوش ہاتھ میں بوکے پکڑے کھڑی تھی اندر آ کے اسے انعم صاحبہ کے حوالے کیا اور عائشے کے گلے لگی اس نے عائشے کی پیٹ تھپکی۔

"نائس !شکر میری بات پہ تم نے عمل کیا۔" اسے ہلکا پھلکا تیار دیکھ انوش مسکاتے ہوئے بولی عائشے اسے بیٹھک کی بجائے اپنے کمرے میں ہی لے گئی تھی۔ انعم بھی نماز پڑھنے کے لیے چلی گئیں عائشے نے کمرا بند کیا انوش اسکی بے تابی پہ آزادانہ ہنسی۔

"سسرال والوں کی برائیاں کرنے کے لیے اتنی بے تابی۔" انوش نے لٹھے مار انداز میں کہا عائشے نے شانے اچکا دیے اسکی شکل دیکھنے لائق تھی وہ مسہری پہ ہی ٹک گئی انوش فکر مندی سے اسکے قریب آ کے گھٹنا موڑ کے مسہری پر بیٹھ گئی۔

"سب ٹھیک تھا؟ اے ایس پی کے گھر والے وغیرہ؟" اس نے عائشے کی اتری شکل دیکھ کر آنکھیں پھیلائے پوچھا وہ کیا جانے عائشے ابھی نان اسٹاپ شروع ہو جائے گی۔

"مت پوچھو انکے گھر والوں کا،، پڑھے لکھے لوگ ہیں پر دقیانوسی خیالات والے! بیٹے نے شادی کر لی تو سر گھر پہ اٹھالیا،، ہاں ویسے بنتا تو ہے، پر میں اچھی لڑکی ہوں دوسری لڑکیوں کی طرح تھوڑی جو انکا بیٹا ان سے چھین لے گی،، مبارک ہو انکو انکا پولیس والا بیٹا!!!"

"یار عائش کیا بول رہی ہو کچھ ایسا بتاؤ جو سمجھ آئے۔" انوش نے اسے لتاڑتے ہوئے کہا عائشے نے گہری سانس کھینچی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے میرا.... انوش زندگی بہت مشکل لگ رہی ہے۔ میں کس کو بتاؤں امی بابا کو میں نے کچھ نہیں بتایا۔" وہ رازداری سے بولی انوش کا صبر آج عائشے آزما رہی تھی۔

"میں یہاں گلی ڈنڈا تو کھیلنے آئی نہیں بتا بھی چکو اب!" اس نے زور سے اسے ٹھوکہ مارا۔

"مراد کے لیے آنٹی نے کسی اور کو پسند کیا ہوا تھا میں انکو ایک آنکھ نا بھائی! رات بھی وہ غصہ کر رہی تھیں اور صبح مراد کی بہن نے بھی آ کے الگ شور مچایا۔"

"ہاں ہو گا ایسا،،، کون ہے وہ لڑکی جسے انھوں نے بہو بنانے کا سوچا ہوا تھا؟" انوش نے سوالیہ انداز میں پوچھا منہ کھلا تھا۔

"کوئی کزن ہے مکمل چڑیل!"

"اوہو جلن شروع۔۔" عائشے کا دماغ گھوما اب کی بار اس نے تکیہ اٹھا کہ انوش کو دے مارا۔

"ہائے ظالم کیا سسرال والوں کا غصہ مجھ پہ نکالو گی" اسکا شرارتی موڈ آن ہو چکا تھا جو ہر وقت ہی آن رہتا تھا۔

"اچھا سیریس ہو جاؤ۔" عائشے آلتی پالتی مار کے بیٹھی وہ کافی سنجیدہ دکھائی دی تھی انوش نے بھی خود کو کمپوز کیا اور کہنی موڑ کے تھوڑی کے نیچے ہاتھ ٹکایا۔

"میں وہاں کیسے رہو نگی؟ انکی اور ہماری کلاس میں زمین آسمان کا فرق ہے! وہ لوگ مجھے قبول کرینگے بھی نہیں۔ زبردستی کی شادی ہے یہ بس! دباؤ میں آ کے کر لی اب پریشان ہو رہی ہوں۔

یقین جانو صبح ہی مراد سے جھگڑا ہوا ہے ساری زندگی یہی چلتا رہے گا۔ نا وہ مجھے جانتے ہیں نا میں انکو... اور مجھے پولیس والے پسند ہیں بھی نہیں اور میرے گھر والوں کو اتنی بڑی دنیا میں میرے لیے اے ایس پی مراد صاحب ہی ملے۔"

وہ پریشانی کے عالم میں بولتی گئی انوش اسکے چہرے کے رنگ پڑھ رہی تھی۔ عائشے کبھی اتنی پریشان نظر نہیں آئی تھی کتنی بھی بڑی مشکل ہوتی وہ سب کا سامنا ڈٹ کر کرلیتی تھی ایسے چیزوں کو زہن پہ سوار اس نے کبھی نہیں کیا پر اب معاملہ عمر بھر کا تھا فکر مند نا ہوتی تو کیا کرتی۔

"سب ٹھیک ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا پر یقین کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مجھے تو دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے۔ ہم دونوں کے درمیان اتنا کھچاؤ ہے۔ اور اوپر سے مجھ کو اپنا پابند کرنا چاہتے ہیں کہہ رہے تھے اپنے دل و دماغ میں انکے نام کی مہر لگالوں۔" عائشے غصے میں بولتی چلی گئی اور یک دم رکی انوش کا چہرہ خوشی کے مارے ٹماٹر ہو رہا تھا دانتوں کی باقاعدہ نمائش! عائشے نے آنکھیں میچ لیں۔

"ارے تو بٹھاؤ نا انکا نام اپنے دل و دماغ میں آخر وہ تمھارے شوہر ہیں۔ اور ابھی جیسا تم نے یہ بتایا کہ اپنے گھر والوں کے سامنے تمھارا ساتھ دیتے ہیں تو تم انکے اچھے ہونے کا اندازہ لگاؤ۔ اور رہی بات اس محمل کی وہ شادی اس سے نہیں کرنا چاہتے تھے تو تم سے کرلی! تم انکے لیے بہتر اپشن تھیں! بے وقوف اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہو۔ سسرال والوں کا کڑوا گھونٹ پیو سب برداشت کرلو ایک دن دیکھنا سب مٹھی میں ہونگے۔"

"مجھے مٹھی میں کسی کو نہیں کرنا بس زندگی میں سکون چاہتی ہوں۔" وہ سرد مہری سے بولی۔

"ویسے کونسا ہاتھ پکڑا تھا.." انوش نے بیگ سے پستے نکال کے منہ میں ڈالے۔

"انوشششش..." عائشے تلملاگئی غلطی کر دی اسکو سب بتا کہ کس طرح پورے استحقاق سے وہ کل رات سے اسکا ہاتھ کئی بار تھام چکا تھا۔

دس سے پندرہ منٹ انوش نے اسکو بہت سمجھایا پر عائشے کا دل تھامان کے نہیں دے رہا تھا۔ بار بار اسے غصہ چڑھ جاتا کیوں شادی کرادی!

"میرے باپ کی توبہ اب جو تم کو سمجھاؤں،، تم نے تو آج مجھ سے سارے بدلے لے لیے..."

انوش نے سر چھت کی جانب اٹھالیا تھا۔

"خدا کی قسم میرے ساتھ ہی ایسے ہوتا ہے،، پہلے وہ شوربے والا روغن اور اب یہ اے ایس پی... مجھے یہ پولیس والوں سے اب چڑ ہے تم کچھ بھی کہہ لو پر میں انھیں قبول نہیں کر سکتی!" وہ اٹھ کے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

انوش مسلسل پستے چباتی ہوئی سر جھکائے موبائل میں گھسی تھی عائشے کی آواز پہ بوکھلا کے سر اٹھایا۔

"تم سن بھی رہی ہو کہ نہیں؟میری تو زندگی برباد ہو گئی ایک خطرناک پولیس والے سے مجھے بیاہ دیا گیا۔جانتی ہو ناعائشے بلوچ دنیا میں صرف تین چیزوں سے ڈرتی ہے ایک میری ماں کی جوتی دوسرا تمھارے بے سرے گانے سے اور تیسرا پولیس والوں سے۔"وہ جب ٹہل ٹہل کے تھک گئی تو اوندھے منہ بستر پہ گری انوش نے بھی موبائل سائیڈ دراز پہ رکھ کہ مکمل طور پہ توجہ اسکی جانب مبذول کرلی اور جمائی لیتے اسے دیکھا۔

"میں نے سنا تھا شادی کے بعد لوگ سٹھیا جاتے ہیں پر کبھی یقین نہیں کیا،،پر آج تم چلتی پھرتی زندہ مثال کو دیکھ کر یقین آگیا ہے میں بھی اب شادی کا ارادہ کینسل کرتی ہوں،،آتے رہیں جہان سکندر،سالار اور ارمان یا شامیر آفندی کے رشتے سب ٹھکرا دونگی۔"انوش نے جمائی روک کر سنجیدگی سے فلمی انداز اپنایا تھا وہ بھی تھک گئی تھی اسے سمجھا سمجھا کر عائشے کا جی اندر تک کلس گیا ممکن تھا کہ قریب رکھا واس وہ اسکے سر پہ پھوڑ دیتی۔

"نکل آؤ ناول کی دنیا سے باہر یہیں قبر کھود دونگی تمھارے ناولز کی اور ساتھ تمھیں بھی دفن کردونگی۔بلکہ اپنی ساس کی لمبی ناک کو بھی بڑی کوئی خرانٹ خاتون ہیں گھور گھور کہ ڈرائے جا رہی تھیں ناشتہ کرنا کوئی عذاب بن گیا تھا۔"اس نے اٹھ کے مسہری کے سرہانے سے کمر ٹکا دی اور کشن دبوچ کے بولی جیسے کشن کی جگہ مراد کا گلا ہو۔

"خیر ویسے بڑی بری بات ہے ساسوماں کے بارے میں ایسے نہیں بولتے۔میں تمھیں بتاتی ہوں کیسے انکا دل جیتا جاسکتا ہے بہت ناولز پڑھے ہیں سارا تجربہ ہے مجھے۔"

انوش بھی اسکے ہمراہ مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا چکی تھی اور دو تین پستے منہ میں چباتے ہوئے پر سوچ انداز میں بولی عائشے گردن موڑ کے خاموشی سے اسکے طریقے سنتی رہی اور ہر طریقہ سن کے اسکے چہرے پہ مزید بے زاری کا رنگ رونما ہوتا۔

"اتنی محنت ؟" اسکا بیزاری سے منہ کھلا۔

"ہاں تو کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے،، ختم کرو یہ کاہلی کچھ گھر میں سیکھ لیا ہوتا تو اب یہ کہنا نا پڑتا۔"

وہ بلکل انعم بیگم کی طرح اسے طعنے نواز رہی تھی عائشے کے لمحے میں تاثرات مزید بگڑ گئے اور بھنبھنا کے اسے دیکھا۔

"اچھا اچھا یہ نہیں کرنا تو مت کرو۔۔ آسان طریقہ ہے میں نے چاندنی چوک پہ ایک عامل بابا کا سنا ہے کوئی ان سے تعویز لے کر اپنی ساس.... "انوش کی چلتی زبان یکدم رکی تھی جب عائشے نے کشن کھینچ کے اسکے پیٹ پہ مارا۔ انوش کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا تھا پر طریقے اسکے بڑے ہی خطرناک ہوتے تھے۔

ایسی ہی تھی وہ زندگی کو کھل کے جینے والی کچھ بھی ہو جائے تب بھی کچھ نہیں ہوتا اس بات پہ یقین کرنے والی!

"کیا ظالم عورت ہو تم! جو بھی ہو وہ میری ساس ہیں اگر کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو،، میں تھوڑی محنت ہی کر لوں گی۔ اللہ مجھے معاف کر دے بہت الٹا سیدھا بول چکی ہوں،، پر وہ پولیس والا اسکا کیا کروں ؟؟؟" تو بات گھوم پھر

کر واپس مراد پہ آٹھہری تھی انوش گہری سانس بھر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور دوپٹہ سنبھالتی اس پہ ایک غصیلی نگاہ ڈالے کمرے سے نکل گئی پیچھے عائشہ دانت کچکچائے اسکی پشت تکتی رہ گئی وہ سنگ دل ہرگز نہیں تھی۔ غصے میں بکواس کر جاتی پر کسی کے ساتھ غلط کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ سب کچھ برداشت کر لیتی اور مراد کو بھی کل رات نکاح میں قبول کر چکی تھی بس

ناجانے دل نے کب قبول کرنا تھا،، اگر وہ پولیس والا نا ہوتا پھر تو کوئی مسئلے کی بات ہی نہیں بس اسکو تھا پولیس سے چھتیس کا آکڑا اور انوش کو یہ بات چھپینے لگی تھی۔ باقی سب عائشے اسکے زہن کے فطور تھے جس کا اس نے حوا بنا کے رکھ لیا تھا۔

"اوئے میرے لیے پانی لیتی آؤ،،، پلیز۔" تھک ہار اتنا بولنے پہ خشک گلے کو تر کرنے کا خیال آیا تھا اور کمرے سے انوش کو آواز لگائی۔

انوش کو شام تک عائشے نے روک لیا تھا۔ معین صاحب نے فرصت ملتے ہی ٹی وی کھولا اور سب سے پہلے خبریں ہی لگائی تھیں۔

خبروں کی زینت پہ اور کوئی نہیں میران جاہ ہی تھا۔ معین صاحب نے آواز تیز کی انوش اور عائشے بھی کمرے میں چلی آئیں۔

جوں ہی دونوں نے خبریں سنیں افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا زندگی ہے کب کچھ ہو جائے انسان کو خبر ہی نہیں چلتی۔" انوش کی بڑبڑاہٹ عائشے نے سنی۔

"مجھ سے بہتر کون جانتا ہے" وہ دوبدو بڑبڑائی۔

"یار وہ اتنا اچھا ہے سن کے بہت برا لگ رہا۔ پتا نہیں کس نے حملہ کروایا ہو گا۔ اللہ رحم کرے" انوش کا افسردہ چہرہ دیکھ عائشے نے آنکھیں گھمائیں۔

"بابا ہو سکتا ہے مراد مجھے لینے ہی نا آئیں وہ پولیس میں ہیں انویسٹیگیشن میں مصروف ہونگے۔" اسکو تو جیسے آزادی مل گئی تھی خوشی سے بولی معین صاحب نے سر ہلانے پہ ہی اکتفا کیا۔

گارڈز کی لمبی قطار جو زمین پہ اپنا اسلحہ رکھے ہوئے تھے پیچھے لاتعداد کالی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ تمام۔ گارڈز سر جھکائے ذلفقار جاہ کے قہر کا سامنا کر رہے تھے۔

"تم لوگوں کو اسکی حفاظت کے لیے ہی ساتھ بھیجا تھا نا پھر بھی یہ سب ہو گیا؟ کس بات کے تم لوگ پیسے لیتے ہو جب فرض ادا نا کر سکو!" ذلفقار جاہ ہاتھ پیچھے باندھے غصے میں چکر لگا رہے تھے۔ بنگلے کے باقی تمام ملازمین دروازے کے پاس کھڑے گارڈز کی شامت دیکھ رہے تھے۔

"سرکار ہم چھوٹے سائیں کے حکم کے آگے بے بس تھے! انھوں نے خود ہمیں بھیجا تھا ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے تھے اور دشمنوں نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا۔" ایک گارڈ ہمت جمع کر کے بولا۔

"اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو تم سب کی زندگی جہنم بنا دونگا!" وہ غصے میں کہتے گاڑی میں بیٹھے اور ہاسپٹل کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

ہاسپٹل کے باہر میڈیا نے گہما گہما مچائی ہوئی تھی۔ نا صرف میڈیا عوام بھی وہاں پہنچ چکی تھی میران کے چاہنے والوں نے اسے دیکھنے کیلیئے ہاسپٹل کے باہر ہجوم لگا دیا تھا۔ ہاسپٹل کی سیکورٹی کم پڑ گئی تھی شمس نے پھر اپنی سکیورٹی وہاں چارج کروائی۔

شمس ذولفقار صاحب کو پچھلے دروازے سے ہاسپٹل کے اندر لے گیا۔ میران کو گولی لگنے کی خبر جوں ذولفقار جاہ کو پہنچی تھی یک دم وہ بھی بھونچکا گئے تھے۔ میران کا چہرہ انکی نظروں کے سامنے گھوم گیا۔

وہ اندر پہنچے میران آپریشن تھریٹر میں انڈر سجری تھا۔ سرجنز پہ پیچھے سے بہت پریشر تھا ہر حالات میں انھیں میران کو کھڑا کرنا تھا۔

زولفقار جاہ ریسیپشنسٹ کے بتانے پہ کاریڈور سے گزر کے آپریش تھریٹر کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔گلاس کی گول کھڑکی سے اندر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

شرٹ لیس بے جان وجود جس پہ سرجن جھکے اپنا کام کر رہے تھے۔بڑی دیر میں انھیں میران کا چہرہ دکھائی دیا۔اسکے درخشاں چہرے کی رمق گویا اب بھی برقرار تھی جیسے وہ نیند میں تھازولفقار صاحب کی ناچاہتے ہوئے بھی آنکھیں بھیگ آئیں انھوں نے آنکھوں کا پانی اندر ہی اتارا تھا۔تبھی اندر سے نرس باکر نکلی۔

شمس کے استفسار پہ اس نے یہی کہا تھا دعا کریں۔ایک گولی جو بازو میں لگی تھی وہ نکالی جاچکی تھی پر دوسری اسکے کندھے اور سینے کے درمیان لگی تھی ممکن تھا کہ دل کے قریب ہو۔

شمس بھی خاموش سے کھڑے زولفقار کو دیکھ رہا تھا اچانک یہ سب ہونا اور اسکو سمجھنا مشکل ہوا۔زولفقار صاحب نے پتا لگانے کے لیے فوراً اپنی سورز لگا دی تھیں کہ اس حملہ کے پیچھے ہاتھ کس کا ہے۔

فکر کے عالم میں وہ دیوار سے لگی بینچ پہ بیٹھ گئے۔کافی دیر سے وہ سوچ و بیچار میں محو تھے شمس خاموشی سے کھڑا کاریڈور کی خاموشی میں زولفقار جاہ کے تاثرات جانچ رہا تھا۔میران کے لیے برا اسے بھی بہت لگا تھا کہ کس اتنی جرت کی ہو گی۔

کچھ دیر بعد آپریشن تھریٹر کے باہر لگی لال بتی بجھ گئی تھی۔ زولفقار صاحب کھڑے ہو گئے انرر سے سرجن باہر نکلے زولفقار انکے راستے میں حائل ہوئے۔ سرجن نے پلکیں جھپک کے سب انڈر کنٹرول ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ زولفقار کے دل کو آرام آیا انھوں نے گہری سانس لی۔

"الحمدللہ ہی از فائن !خون کافی بہہ چکا تھا دوسری گولی نکالنا میں تھوڑا مسئلہ بھی پیش آیا پر میران صاحب کی قوتِ مدافعت کی وجہ سے ہم باآسانی سرجری کر سکے۔"

زولفقار صاحب سر خم کیے سن رہے تھے شمس نے کھڑکی سے اندر جھانکا افسوس کی لہر اندر دوڑ گئی۔

اس نے ایک نظر بڑے سائیں کو بھی دیکھا تھا معاملے کے پیچھے انکا ہاتھ ہونے کا بھی اسے شبہ ضرور ہوا پر اگر ایسا ہوتا تو شمس کو وہ ساتھ ملاتے۔ یاوللہ عالم کس دشمن کی یہ ناکام چال تھی۔

"اسے ہوش کب تک آئیگا؟" زولفقار نے موبائل میں وقت دیکھ کر پوچھا، رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"بے ہوشی کی ڈوز دی گئی ہیں تین چار گھنٹے میں انشاءاللہ ہوش آجائیگا.." سرجن پیشہ ورانہ انداز میں کہتا نکل گیا۔

وارڈ بوائز نے آکے میران کو آپریشن تھریٹر سے نکال کے کر پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا۔

اسی کے برابر والے کمرے میں عزیز تھا۔ عزیز کو گولی کندھے کے پیچھے طرف لگی تھی پر اسکی حالت اتنی تشویش ناک نا تھی جتنی میران کی ہوئی تھی۔

ذولفقار جاہ گھر نہیں گئے تھے وہیں بیٹھے میران کے ہوش میں آنے کے منتظر تھے۔ سینہ نلکیوں میں جکڑا ہوا تھا،، ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی جن میں خون کی ڈرپ بھی شامل تھی۔

میران کی گاڑی پولیس کی کسٹڈی میں تھی گولیوں کے نشان شیشوں اور گاڑی کوور کے اوپری حصے پہ تھے اور مزید گاڑی کے پہیے گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔

واضح تھا حملہ جان لینے کے لیے نہی کسی مقصد کے تحت ڈرانے یا کسی اور وجہ کی بناء پہ کروایا گیا تھا۔

مراد پولیس اسٹیشن میں تھا مغرب کے بعد کا ہی تو وقت تھا جب خبر اسکے علم میں آئی۔

وہ فوراً جائے وقوعہ جگہ پر پہنچا تھا،، میران اور عزیز کو تب تک ہاسپٹل پہنچا دیا گیا تھا۔ وہاں کے قریبی اسٹیشن کی پولیس موجود تھی باقی میڈیا کے نمائندے اور عوام،،

پوری گاڑی کی اس نے تلاشی لی گولیوں کے نشانات دیکھے اس نے سر جھٹکا اسے بھی اندازہ تھا یہ حملہ دھمکانے کے لیے تھا پر کون تھا جس نے میران کے ساتھ اتنی دشمنی مول لی تھی۔ پہلا شک ہی اسے اسکے باپ پہ گیا تھا

گولیاں جہاں سے چلی اس جگہ کا بھی اس نے جائزہ لیا کہ کوئی سوراخ ہاتھ لگے۔اسکا دھیان سی_سی ٹی وی فوٹیج پہ گیا اس سے پہلے وہ نکلواتا اس نے ایک کال ریسو کی تھی۔

پیچھے سے اسے آرڈر آیا تھا وہ اس معاملے سے دور ہو جائے.. یہ کیس کسی دوسرے آفیسر کے ذمے دیا گیا تھا اور جس کا نام اس نے سنا تھا وہ قابل آفیسر تھا اور اسے ایماندار بھی لگتا تھا پر اسکے تعلقات زولفقار جاہ سے بھی تھے۔

ڈی آئی جی نے اسے کہہ دیا تھا وہ اپنے کیس پہ توجہ دے یہ کیس کوئی اور دیکھ لے گا۔انکی بات سے متفق اور گہرائی سمجھ کے وہ خود پیچھے ہٹ گیا۔ویسے ہی گھر کی الگ الجھنیں تھیں وہ گھن چکر بن کے رہ گیا تھا۔

اس نے بنا چوں چراں کیے انکی بات مان لی۔وہ حالات کا جائزہ پہلے ہی لے چکا تھا بہت کچھ وہ سمجھ بھی گیا تھا،،اور یہی چیز ہر شخص پہ بھی عیاں ہوئی تھیں کہ میران کو مارنے کی غرض سے حملہ نہیں ہوا۔میڈیا والے پل پل میران کے متعلق خبر دے کر عوام کو آگاہ کر رہے تھے۔

مراد خورشید کو چلنے کا کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

سر سنسناہٹ کا شکار تھا سانسوں کی رفتار مدھم تھی جسم میں الگ کمزوری سی محسوس ہوئی،، بے جان وجود میں گویا حرکت ہونے لگی۔

زہن دھیرے دھیرے بیدار ہو رہا تھا پلکوں کا جھالر بھی اٹھا سامنے ہر طرف پہلے تو دھندلاہٹ تھی پھر نظروں نے فوکس پکڑا تھا۔

اسے ہوش میں آتا دیکھ زولفقار صاحب فکر کے اثرات لیے صوفے سے اٹھ کر اسکے قریب آ گئے۔

اسکے ماتھے پہ گرے بال انھوں نے آہستہ سے پیچھے کیے میران کے زہن بیدار تو ہو چکا تھا پر دوز کہ وجہ سے غائب دماغی تھی۔ اسکی حالت دیکھ زولفقار جاہ کے دل میں تکلیف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سنجیدہ مزاج تھا زیادہ تر خاموش رہنا ہی پسند کرتا تھا پر آج اسکی خاموشی بہت الگ تھی۔

تمام تر جاذبیت سموئے بیڈ پہ لیٹا تھا سفید چادر اسکے اوپر سے گزاری ہوئی تھی جس سے آدھا سینا ڈھکا ہوا تھا بال بکھر کے واپس ماتھے پہ آ گرے تھے..

کیا پتا.... کتنی بار مارے گی!

میں تو بس زندگی سے ڈرتا ہوں

موت تو ایک ہی بار مارے گی..

میران نے نیم بے ہوشی کی حالت میں نظریں پورے کمرے میں ڈالیں پھر زولفقار جاہ کو دیکھا ورنہ اب تک وہ صرف سامنے ہی دیکھ پا رہا تھا۔

زولفقار نے اسکے ماتھے پہ رکھا وہ اسکے قریب کھڑے تھے میران نے نظریں پھیر کے آنکھیں واپس بند کر لیں۔ دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ مکمل طور پہ ہوش میں آیا،، شام کا واقعہ اسکی نظروں میں گھوم گیا۔ بدن میں دوائیوں اور انجیکشن کی وجہ سے تکلیف کم تھی پر کندھے کی طرف کھچاؤ بہت تھا۔

اسکا دوسرا بازو جو گولی سے محفوظ رہا تھا اسکو حرکت دے کے اس نے نیبیولائیزینگ مشین ہٹا دی جیسے زولفقار نے اس سے لے کر ٹیبل پہ رکھ دی۔

باپ بیٹے کے درمیان جملوں کا تبادلہ ہوا وہ بہت متفکر نظر آرہے تھے میران کے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ سجی تھی۔

"آپکے راستے کا کانٹا ہٹ جاتا آج..." وہ تلخی سے مسکراہٹ برقرار رکھے بولا چہرے کے اعصاب ڈھیلے تھے بڑے جاہ اسے دیکھتے رہ گئے شمس دروازے کے باہر کھڑا منظر دیکھ رہا میران کو ہوش میں دیکھ شکر اس نے بھی ادا کیا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو جان ہو تم میری،، لاکھ اختلافات سہی پر میں اپنے بیٹے کا برا کبھی نہیں سوچ سکتا۔"

"واقعی؟" سینے پہ درد کی شدت سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"بولو مت آرام کرو ورنہ تکلیف زیادہ ہو گی۔ اور جس نے یہ حرکت کی ہے اسکو میں ہر گز نہیں بخشو نگا تم بس اپنا خیال رکھو دوسری تمام فکرات کو چھوڑ دو۔" وہ اسے تاکید کرتے صوفے پہ آبیٹھے میران چھت گھور رہا تھا۔ یہاں آرام کرنا سوچ کے ہی وہ سخت بے زاریت میں مبتلا ہوا۔ اس نے عزیز کی خیریت دریافت کی تھی زولفقار نے بتادیا وہ ٹھیک ہے۔ اس پہ غصہ بھی کیا تھا کہ گارڈز واپس بھیجنے کی ضرورت کیا تھی۔ جس پہ وہ آرام سے کہہ گیا تھا جب حادثہ پیش آنا ہوتا ہے تو آکر رہتا۔۔ موت کا فرشتہ کسی کو دیکھ ٹھہر تا نہیں ہے اور بس زولفقار صبر کرتے رہ گئے۔

"زولفقار صاحب آپ گھر چلے جائیں بلاوجہ یہاں بے آرامی ہو رہی ہو گی۔" رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے تب میران نے کہا انھوں نے نفی میں سر ہلادیا اور صوفے سے پشت ٹکا کر ہی بیٹھے رہے۔

میران حادثے کے تمام پہلوات پہ سوچ ڈال رہا تھا۔ گولی اگر انجن وغیرہ کی طرف لگتی تو گاڑی بلاسٹ ہو جاتی یہ بات زیرِ غور تھی کہ معاملہ کچھ اور تھا۔ ایک لمحے کو اس نے باپ کو بھی شک کے دائرے میں لیا تھا جیسے پوری دنیا نے لے رکھا تھا۔ بھروسہ تو وہ کسی پر بھی نہیں کرتا تھا پر باپ پہ بچپن سے ہی اسے خود سے زیادہ یقین تھا اور شنواری والے واقعے کے باوجود وہ اس معاملے میں بھی اپنی سوچ جھٹک کر ان پہ بھروسہ کر رہا تھا۔

جو چیز نظروں کے سامنے آرہی تھی وہ تو ہرگز سچائی نہیں تھی،، عزیز ٹھیک ہوتا تو وہ لازمی طور پہ اس سے بات شئیر کرتا اور عزیز فوراً اپنے کام تحقیق پہ لگ جاتا عزیز کے علاوہ اتنا قریبی کوئی تھا ہی نہیں شمس نے حال چال پوچھا تھا پر وہ اپنے خول سے بلکل باہر نہیں نکلا تھا۔

تھوڑی دیر میں دائم وہاں پہنچ گیا اسکے آنے پہ میران نے ذولفقار جاہ کو تسلی سے گھر بھیج دیا تھا۔ وہ یہاں ہوتے تو وہ کچھ کروا بھی نہیں سکتا تھا۔

دائم نے کوٹ اتار کے صوفے پہ رکھا اور چلتا ہوا اسکے پاس آیا۔

"بھائی میرے آتے ہی تم بستر سے لگ گئے مجھے اب لاہور کون گھومائے گا؟" دائم بے اختیاری میں اس سے بغل گیر ہونے لگا تھا میران نے نظروں سے گھور کے اسے پیچھے رہنے کا کہا۔

"تو میں تم کو گائیڈ نظر آتا ہوں؟"

"کیا ہی بات ہو اگر تم یہ نیکی بھی کرلو۔" دائم مسکراہٹ برقرار رکھے ہوئے تھا،، میران اگر اسے ڈھیٹ کا لقب دیتا تو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

"ایک بات بتاؤ تم یہاں اپنا بزنس سنبھالنے آئے ہو یا لاہور کی سڑکیں ناپنے؟" ماتھے کے درمیان سلوٹیں سمیٹے میران نے کہا تو دائم بے نیازی سے شانے اچکاتا صوفے پہ دراز ہو گیا۔ میران نے تاسف سے سانس ہوا میں بحال کی۔

"میں سیدھا سادھا مشرقی لڑکا ہوں تھوڑا پردیسی ہوں،، اور شادی کے ارادے سے پاکستان واپس آیا ہوں..." وہ سہولت سے آنکھیں جھپکا کے بولا میران کے چہرے پہ نرم سی مسکراہٹ نے جگہ لی تھی۔

"حد ہے.." چھت کو تکتے میران نے منہ سے گرم ہوا نکالی۔

"ویسے میں عیادت کے لیے آیا تھا پر مجھے مریض بلکل ٹھیک لگ رہا ہے!!

ارے بےچارا عزیز نوکری کے چکر میں گولی کھا گیا! اسے دیکھ کر آتا ہوں امید کرتا ہوں وہ مریضوں کی طرح ہی برتاؤ کرے گا!" میران کے مسلسل بولنے پہ چوٹ کرتا اور آخر میں عزیز کو اپنی بات میں لپیٹا سر ہلا کر کہتے ہوئے وہ روم سے نکل گیا میران نے سر جھٹکا،، دائم کے آنے سے اسکی طبیعت میں فرق بھی آیا تھا اور جو کوفت آلود ماحول تھا اس میں بھی تازگی سی دوڑ گئی۔

دائم واپسی میں عزیز کو اپنے ساتھ کندھے سے لگا کر روم میں لے آیا دوسرا بیڈ خالی تھا اسے وہیں آرام کرنے کا کہا میران نے دائم پہ غصہ بھی کیا تھا پر وہ سنتا کہاں تھا!

"وہ الگ تنہائی کا شکار تھا اور مجھے یہ بلکل گوارا نہیں میرے ہوتے ہوئے کوئی خاموشی سے دیواریں تکتا رہے۔ مجھ سے بات کر کے پوچھو عزیز کو کتنی طبیعت میں بہتری محسوس ہوئی ہے۔۔" اپنی صلاحیتوں پہ بھرپور روشنی ڈالتے اس نے بال سنوارے تھے میران عزیز کو دیکھتا گیا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" میران متفکر سا عزیز سے مخاطب تھا اس نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ تکلیف تھی پر مرد ذات تھا جسے برداشت کرنا تو بچپن سے سکھایا گیا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں میں آپکی حفاظت نہیں کر سکا۔" اسکی شرمساری پہ دائم نے میران پہ نگاہ ڈالی۔

"تم ہمیشہ ہی فضول بولتے ہو!" میران موضوع بدلنے کا خواہاں ہوا دائم بھی اب سنجیدہ ہو گیا تھا اور صوفے پہ ٹک کے بیٹھ گیا کچھ دیر تھوڑی رگڑتا رہا۔

"تم پہ حملہ کس نے کروایا ہے؟ اتنے خطرناک دشمن پال رکھے ہیں.." اسکا انداز تشویش ناک تھا میران نے بائیں ہاتھ سے پرسوچ انداز میں ناک رگڑی۔

"حملہ نہیں تھا دھمکی تھی یا پھر کچھ اور... خیر میں پتا لگا لوں گا اس سب کے پیچھے کی وجہ۔" اسکا ہاتھ اب داڑھی تک آیا تھا اسے سہلاتے بولا۔ دائم موجود تھا اسکی عدم موجودگی میں عزیز میران سے کھل کر کچھ کہہ نہیں پایا تھا۔ کچھ دیر کے لیے جب وہ باہر گیا تب اس نے اپنے شک و شبہات کھل کر اسکے سامنے رکھ دیے۔ میران نے بس بے تاثر طور پہ سنا تھا کہا کچھ نہیں۔

عزیز کو بھی وہی لگتا تھا جو صبح میڈیا نے کہنا تھا۔

مراد رات تک عائشے کو لینے پہنچ گیا تھا اور عائشے اسے دیکھ چونکی بری طرح اسکا موڈ خراب ہوا تھا۔ مراد کمرے میں اکیلا تھا انوش فوراً موقع دیکھ دوسرے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"جیجا جی.. "اسکے مخاطب کرنے پہ مراد نے چونک کے گردن اٹھائی اسکا جیجا جی کہنا کافی عجیب لگا تھا۔

"یس... "ہتھیلیاں جو اس نے چہرے پہ جمائی تھیں ہٹا کر سیدھا ہوا انوش مزید اسکی جانب مڑی۔

"ایک ضروری بات کرنی ہے امید ہے آپ برا بلکل نہیں مانیں گے۔ "انوش نے تمہید باندھی۔

"محترمہ برا لگنا یا نا لگنا آپکی بات پہ منحصر کرتا ہے خیر فرمائیں۔ "کہنی صوفے کی کمرے سے لگائے اس نے انوش کو دیکھا جو بلکل ریلیکس تھی۔

"مجھے بلکل شوق نہیں میاں بیوی کے تعلقات میں ٹانگ اڑانے کا،، پر عائشے میری دوست ہے اسکے لیے وہ سب کرونگی جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں "

"یعنی ہماری ازدواجی زندگی میں ٹانگ اڑائیں گی۔ "اسکے سنجیدہ پن پہ انوش نے دانت کچکچائے۔ عائشے سہی کہہ رہی تھی منہ پہ بات مارتا ہے وہ۔ اکلوتی سالی تھی تھوڑا لحاظ ہی بندہ کر لیتا ہے۔

"نہیں،، آپ دونوں کے درمیان کیسے تعلقات ہیں مجھے کچھ نہیں پتا بس اتنا بتانا چاہتی ہوں عائشے اب آپکی بیوی ہے،، آپ دونوں کی شادی کوئی عام شادی تو ہے نہیں،، آپ نے اس سے اپنی مرضی سے نکاح کیا اچھی بات ہے..." الٹی سیدھی گھما پھرا کے وہ ٹھہر گئی کام کی مختصر سی بات کرنے میں الجھن ہو رہی تھی۔

"یہ سب میں جانتا ہوں کوئی نئی بات اگر میرے علم میں نہیں تو وہ بتا دیں بہت احسان ہو گا۔"

احسان لفظ کو جما کر کہا تھا انوش بخوبی طنز سمجھی تھی کڑوا گھونٹ پیا۔

"اگر آپکو لگتا ہے عائشے کے دل میں اس روغن افف ارغن کے لیے فیلینگز ہو نگی تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے،، عائشے نے اس سے کبھی فون پہ بات تک نہیں کی،، وہ ان لڑکیوں میں سے ہے جو نکاح کے بعد شوہر سے محبت کرنے کو ترجیح دیتی ہیں نا کہ ہونے والے شوہروں سے محبت کر بیٹھے۔ آپکو بتانا ضروری تھا کہیں آپ غلط فہمی کا شکار نا رہیں اور اسی وجہ سے اپنا رشتہ خراب کر لیں۔ اس کے دل و دماغ پہ آف کورس اب آپکا ہی نام ہو گا۔ اور آپ اسے ہر گز نہیں بتائیں گے کہ یہ سب میں نے آپکو بتایا۔" گھوڑے سی تیزی میں وہ بات ختم کر گئی مراد کہنی کے بل گھٹنوں پہ جھکا۔

"میں آپ سے زیادہ سمجھدار ہوں اور مجھے اس سب سے کچھ فرق نہیں پڑتا! اب وہ میری بیوی ہے بس بات ختم! اور بیوی کا مطلب آپ اچھے سے جانتی ہو نگی مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔" سامنے رکھی ٹیبل پہ آہستہ سے ہاتھ مار کے وہ پیچھے ہوا انوش نے چونک کے سر ہلا دیا۔

"آپ وعدہ کریں اپ اسے کچھ نہیں بتائیں گے! آپکی گاڑی تو چل پڑے گی پر آپکی ظالم بیوی میرا اچو مر بنادے گی۔"

"لڑکی میری بیوی کو بدنام نا کرو۔" وہ ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا عائشے دروازے پہ کھڑی تھی انوش کی اسے دیکھ سٹی گم ہو گئی پر قسمت اچھی تھی مراد کے آخری جملے کے علاوہ اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ انوش کی عائشے کے دل میں کسی کے نا ہونے کی بات سن کے مراد کے دل کو مزید ڈھارس ملی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا عائشے نے انوش کو سب بتا دیا جب ہی وہ اسکے سامنے بیٹھی اتنا کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی۔

"چلیں؟" مراد نے ایک بار عائشے سے پوچھا دل تو کیا تھا بول دیتی نہیں پر پیچھے انعم بیگم کھڑی تھیں زبردستی وہ بس مسکرادی تھی اسکی ناک کی لونگ چمک رہی تھی۔

"عائش جیجاجی کو بلکل پریشان مت کرنا۔" عائشے نے اسے آنکھیں چھوٹی کیے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا سر پہ دوپٹہ درست کیا۔

"ویسے اے ایس پی صاحب اب تو میں آپکی سالی بن گئی ہوں،، مجھے ریمانڈ ہی ریمانڈ ہے،، اور آپکو جیجاجی بول رہی ہوں برا تو نہیں لگا نا؟" سینکڑوں بار جیجاجی کہنے کے بعد اسے ہوش آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"مراد بھائی کہہ لو گی تو تب بھی کوئی مسئلہ نہیں۔" مطلب صاف انکار تھا۔

"اوکے مراد بھائی۔عائش اب میں تمھاری نند بھی ہوں سنبھل کے رہنا۔" وہ لمحوں میں بدل گئی تھی اور عائشے کو محتاط رہنے کی وارننگ دے دی۔مراد کی ہنسی بے ساختہ چھوٹتی انعم بھی ہنسنے لگیں جب کہ عائشے تو سر پیٹتی رہ گئی تھی۔رومائزہ کس پاگل کے ساتھ اسے اکیلا چھوڑ نکل گئی تھی کاش روما ہوتی وہ سکون اسے اپنا حالِ دل سناتی کم از کم وہ انوش کی طرح الٹی سیدھی حرکتیں تو نا کرتی۔

مراد کو انوش بلکل اپنی چھوٹی بہن کی طرح ہی لگی تھی۔زیادہ بولنے والی فوراً اگلے کے رنگ میں گھل جانے والی اگلے کو متاثر چھوڑ دینے والی،، باتوں سے باتیں نکال لینے والی!!یعنی خوش مزاج زندہ دل لڑکی!

آج بھی بلوچ منزل سے اس بنگلے تک کا سفر خاموشی سے کٹ گیا۔عائشے مراد کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں گم تھی اچانک ہی مراد کے کندھے سے اسکی جھڑپ ہوئی۔مراد ٹھہرا تھا پلٹا تو دیکھا عائشے ناک پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

"دیکھ کر چلو.." اسے کہتا وہ لاؤنج تک آیا تھا جہاں دن کا ماحول بنا تھا مراد کی کیفیت میں سرشاری آگئی۔

"اسلام و علیکم بھائی جان... "ہاں وہ نیمل تھی،، مراد کو اندر آتا دیکھ ماں کے پاس صوفے سے اٹھ کر بھائی کی طرف خوشی سے لپکی تھی۔ مراد نے اسے اپنے حصار پہ لیا۔

"آئی مسڈ یو ٹو مچ،، نیکسٹ ٹائم اب ہم فیملی پکنک پہ جائیں گے اور آپ کو ڈیوٹی سے وقت نکالنا ہی ہو گا۔" وہ اس سے لگی شکوے شروع کر چکی تھی۔لاؤنج میں موجود زرپاش صاحبہ کے چہرے پہ بھی چھوٹی بیٹی کے ناز دیکھ کر مسکراہٹ آگئی۔ مراد نے اسے نرمی سے سامنے کیا۔نیمل اس سے پہلے کچھ بولتی عائشے مراد کے پیچھے منہ بناتی ہوئی اندر آئی تھی۔

"ویلکم بھابھی جی۔"مراد کو چھوڑ چھاڑ اس نے گرم جوشی سے عائشے کا استقبال کیا تھا۔

عائشے نے ناک کی تکلیف کا غم پرے ڈالا مراد کے ساتھ اپنی ہم عمر خوبصورت سی لڑکی کو دیکھا جو اب اسی کی جانب لپک آئی تھی۔

"فائنلی میری بھی بھابھی آ گئیں،، میری ساری دوستوں کے بھائیوں کی شادیاں ہو گئی تھیں سوائے میرے بھائی کے پر اب غمِ زندگی کچھ کم ہوا۔" وہ خوشی سے عائشے کے گلے لگ گئی۔وہ حیران نا ہوتی تو کیا کرتی بڑی کھلی نظروں سے مراد کو دیکھا جو نیمل کی حرکت پہ مسکرا رہا تھا جب کہ ساس کا چہرے اب بے تاثر تھا۔

وہ شاکڈ تھی اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اسکا یوں استقبال بھی کرے گا۔ نیمل پیچھے ہٹی اور چہرے پہ آتے بالوں کو ساتھ اس نے کان کے پیچھے اڑس دیا عائشے کی شال اسکے کندھوں پہ آچکی تھی بال کیچر میں مقید تھے۔ چہرے پہ نا ہونے کے برابر میک اپ تھا اور وہ اپنی سادگی میں ہی دلکشی ڈھا رہی تھی۔

"بھائی اپنی بیگم کو میرا تعارف تو کروائیں۔" وہ عائشے کو بازو سے تھام کے مراد کے پاس لے آئی تھی اور خود مراد کے کندھے کو دیوار سمجھ کے ٹیک لگا چکی تھی۔

"عائشے یہ میری چھوٹی بہن نیمل دمیر ہے،، اور نیمل یہ تمھاری بھابھی عائشے دمیر،،" عائشے کے سامنے جان بوجھ کر عائشے دمیر پہ اس نے زور دیا تھا وہ اسے گھورتی گئی۔ نیمل کی خوش اسلوبی پہ عائشے مسکرا دی۔

"نیمل بھابھی کو انکے کمرے میں لے جاؤ۔" زرپاش صاحبہ صوفے سے اٹھ گئیں نیمل نے سر ہلایا اور مراد کے اشارے پہ عائشے نیمل کے ساتھ چلی گئی۔

مراد قدم بڑھاتا کیپ کو ٹیبل پہ رکھ کے زرپاش کے سامنے ہی آ گیا۔

"خیریت ہے مام؟"

"ہاں،، تم جلدی آ گئے مجھے لگا نہیں آؤ گے،، میران جاہ کو گولی لگی ہے۔" وہ مزید معاملہ مراد سے استفسار کرنا چاہتی تھیں۔

"ہمم... کسی اور کو کیس دے دیا ہے تو میں چلا آیا،، جو بھی ہو بہت برا ہوا افسوس ہوا مجھے،، میر ان بہت اچھا انسان ہے جب سے سیاست میں آیا ہے ہمیشہ عوام کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا اس نے علاقے میں بہتری لانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔" مراد سچائی سے بولا کیپ اٹھا کے اسے موڑ رہا تھا۔

"شکر ہے گولیاں نکال دی گئی ہیں۔" زرپاش کہتی صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ مراد مسکرایا۔

"چھوڑیں اسے۔" زرپاش نے ایک نظر مراد کو دیکھا۔

"کھانا لگواؤں تمھارے لیے؟ اور تمھاری بیوی نے کھانا کھالیا؟" وہ ٹی وی پہ نظریں جما چکی تھیں۔ ٹی وی پہ خبروں کا چینل ہی کھلا تھا جو مراد کی آمد پہ زرپاش نے آواز کم کر دی تھی۔

"عائشے کے گھر کھالیا،، آپ کی طبیعت کیسی ہے بابا کو یاد کر رہی ہو نگی۔" زرپاش کی نرمی دیکھتا ان کو مکھن لگاتے وہ انکے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے کل آپکا کوئی استقبال نہیں ہوا ہو گا۔ کاش میں دوستوں کے ساتھ گھومنے نا گئی ہوتی تو کل آپکے استقبال کے لیے موجود ہوتی۔" وہ دونوں کمرے میں تھیں عائشے نے شال اتار کے بیڈ پہ رکھی دوپٹہ بھی ایک طرف سے لڑک کر گر گیا تھا۔

عائشے کو تھوڑی بہت نیمل سے ہچکچاہٹ تھی جو کمرے میں آ کے نیمل کی باتیں سن کر ختم ہو گئی۔

"تم واقعی مراد کی بہن ہو؟" عائشے نے داہنی آنکھ چھوٹی کیے پوچھا نیمل اسکے سوال پہ ہنس دی۔

"ہاں میں ان کھڑوس لوگوں کی بہن اور بیٹی ہوں،، ویسے یہ لوگ بھی کھڑوس نہیں ہیں۔ میری مام اور آپی دونوں بہت اچھی ہیں نرم طبیعت کی مالک ہیں پر ابھی مہمل کی وجہ سے آپکو قبول کرنے میں دیری کر رہیں۔ بہت جلد وہ آپکو بہو مان لیں گی۔ خیر یہ سب چھوڑیں آپ یہ بتائیں بھائی سے آپ کیسے ملی؟ مام نے بتایا مراد بھائی آپکو پسند کرتے تھے۔"

"یہ تم اپنے بھائی سے ہی پوچھنا۔" اب وہ کیا بتاتی اسے کچھ بوجھا ہی نہیں تو مراد کو بیچ میں لے آئی۔

"تم کو برا نہیں لگا ہمارا اچانک شادی کرنا؟" عائشے بیڈ پہ ٹک گئی تھی نیمل دراز سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"آپ دونوں اپنی زندگی پر مکمل اختیار رکھتے ہیں۔ میں کون ہوتی ہوں برا ماننے والی! اور آپکے اس عمل سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچی تو برا لگنے والی کوئی بات ہی نہیں۔"

"پر آنٹی۔" عائشے کے بیچ میں بات اچکنے پہ نمل نے واپس بات کاٹی۔

"ہاں انکو تکلیف ہو رہی ہے جب ہی وہ ناراض ہیں،، پر غلطی آپ دونوں کی نہیں ہے۔ میری مام کی غلطی ہے، بھائی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ وہ مہمل کو پسند کرتے ہیں اور اس سے شادی کرلینگے،، وہ پہلے دن سے اس بات کی نفی کرتے آئے ہیں۔ آپ بھی کوئی غلط فہمی نہیں پال لیے گا،، آپ سے سمجھداری کی امید کرتی

ہوں۔" وہ اپنے بھائی کے حق میں بولی تھی عائشے کو سن کے اچھا لگا۔ ویسے تو پولیس والے سے بہت مسئلے تھے پر ناچار طور پہ اب وہ اسکے متھے لگ گئی تھی۔

عائشے اب کی بار خاموش ہی رہی تھی۔ مراد کمرے میں آیا عائشے کو دوپٹے کس خیال آیا تو اس نے فوراً اٹھا کے کندھوں پہ پھیلا دیا تھا۔

"اب وہ محرم ہی ہیں اتنا گھبرائیں تو مت..." مراد کو دیکھتی نیمل سیدھی ہوگئی اور آنکھیں پٹپٹاتی کمرے سے نکل گئی۔

مراد چینج کر کے کمرے میں آیا عائشے صوفے پہ بیٹھی تھی وہ منہ تولیے سے خشک کرتا اسکے برابر میں بیٹھ گیا عائشے نے اٹھنے کی سعی کی تھی مراد نے کلائی تھام کے اسے واپس بٹھایا۔ وہ بات کرنا چاہتا تھا۔

"مجھ سے ڈرتی ہو؟" ہاں بلکل یہ بھی مراد کو انوش نے ہی بتا دیا تھا اور عائشے سمجھ گئی تھی کونسی ان جیجا سالی کے درمیان بات چیت ہوئی تھی۔ انوش نے کھلے لفظوں میں تو اسکی کمزوری نہیں بتائی تھی پر وہ چاہتی تھی عائشے کا جو بھی خوف ہو مراد اسے سمجھا کر نکال دے۔

مراد کے سوال پہ عائشے نے نفی میں سر ہلایا تو مراد کے چہرے پہ تبسم بکھرا عائشے اسکی بھلی سی مسکراہٹ دیکھتی رہی۔ مراد کی زیرک نظریں اسکی لونگ پہ آن ٹھہری تھیں۔ کل رات بھی وہ بے چین ہوا تھا اور اب چھونے کی خواہش جاگ اٹھی تھی عائشے نے اسکی نظروں کی تپش سے سر جھکا لیا۔

وہ لونگ جیسے مراد کی کمزوری کا سبب بن رہی تھی۔

"عائشے میں ان مردوں میں سے نہیں جو بیویوں پہ زور دباؤ ڈالتے ہیں۔ میں پر سکون زندگی جینا چاہتا ہوں اور تمھیں بھی پر سکون رہنے کا پورا حق حاصل ہے! میں نے تم سے نکاح کیا ہے تم میری بیوی ہو ذمہ داری ہو،، اور جانتی ہو میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں ایک دوسرے کا عکس ہوتے ہیں۔ ہمارے درمیان جو اجنبیت کی دیوار ہے اسے توڑنا ہو گا ساری زندگی ساتھ رہنا ہے خود کو بھی موو آن کرنا ہو گا! میں اپنا بتا دوں میری زندگی میں پہلے کوئی نا تھی اور اب کوئی ہے تو میری بیوی ہے۔ اور مجھے یقین ہے میری بیوی کے دل میں بھی کوئی نہیں تھا۔"

وہ درحقیقت رشتہ آگے بڑھانا چاہتا تھا عائشے کی جھجھک مٹا دینا چاہتا تھا۔ جب انکا تعلق بہتر ہوتا جب ہی تو وہ گھر والوں کو فیس کر سکتے تھے۔ اس نے بے حد نرمی سے اپنی بات کہی تھی۔ عائشے کو لگا ہی نہیں وہ کل رات اور صبح والا ہی مراد ہے۔

رہنا تو اسی کے ساتھ اور عقلمندی کا تقاضا یہی تھا سب کچھ قبول کر لیتی ورنہ بد سکونی کے سوا کچھ اسکے ہاتھ نہیں لگتا۔

"تو آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں میں بچی تو نہیں ہوں سب معلوم ہے مجھے بھی۔" سردی سے اسکی ناک سرخ ہو گئی تھی۔ دن ڈھل رہے تھے اور سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

مراد کی کالی آنکھیں عائشے کی بھوری آنکھوں سے لمحہ بھر کے لیے ٹکرائیں۔عائشے نظریں بچا کر ہاتھ ملنے لگی۔

"رشتوں کے ستون مضبوط ہونے چاہیے ورنہ غلط فہمی جیسی دراڑوں کے آنے سے بعض اوقات رشتے بگڑ جاتے یا ختم!!اور میں صبح ہی تمھارا بچپنا دیکھ چکا ہوں اسی لیے سمجھانا بہتر سمجھا،،ورنہ اگلی صبح بھی تم نے کسی بہانے لڑنے بیٹھ جانا تھا... کل رات سے ہی تم موقع کی تلاش میں تھی نا کہ بس میاں پہ غصہ اتار دوں۔"

اسکی پول پٹیاں وہ منہ پہ بیٹھ کے کھول رہا تھا عائشے کا منہ کھل گیا خفیف سی نگاہ سے مراد کو دیکھا جسکی بے چینی کا عالم یوں تھا کہ اس نے ہاتھ بڑھا کہ ماؤف سی حالت میں عائشے کی لونگ چھو لی..لبوں پہ گلِ شیریں مسکراہٹ پھیل گئی۔عائشے یک دم سیدھی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت لیے مراد کو دیکھا تھا جواب پیچھے ہو کے انجان بنا ماتھا مسل رہا تھا۔اسکی حرکت پہ جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی ساتھ بیٹھنا محال ہو گیا وہ اٹھ کے واش روم میں بند ہو گئی اور مراد سر جھٹک کے فون میں لگ گیا۔

"حد ہو گئی مراد ایک لونگ کے پیچھے تم..."وہ دانستہ طور بڑبڑاہٹ بھی ادھوری چھوڑ گیا۔

سورج نکل آیا ہر طرف اسکی روشنی پھیلی تھی کھڑکیوں سے آتی روشنی نے ہی فارم ہاؤس کو روشن دان بنادیا تھا۔رات اسے مشکل سے نیند آئی تھی۔ساری رات وہ کروٹیں بدلتی رہ گئی۔

رومائزہ کے کمرے کادروازہ اگلی صبح ہی کھلا تھا۔رات ناجانے کیسے وہ اتنی جذباتی ہوگئی تھی۔

ناہی تووہ اس سے محبت کرتی تھی ناہی پسند پھر کیوں! عجیب سی بے چینی اس پہ طاری تھی۔

دروازہ کھلا دیکھ حلیمہ بی اسکے کمرے میں آئیں وہ پیٹنگ برشز ٹب میں ڈالے دھورہی تھی۔وہ کئی پل اسے دیکھتی رہیں جو خود کو مصروف ظاہر کررہی تھی۔

"کیاوہ بچ گیا؟" حلیمہ بی بیڈپر بیٹھی تھیں اس نے گردن موڑ کے انھیں دیکھا اور لہجہ ہر چیز سے عاری تھا۔

"الحمدللہ۔اللہ نے کرم کیا گولی سینے کے قریب لگی تھی ڈاکٹرز نے نکال لی۔" ان کے بتانے پہ رومائزہ نے سانس بحال کی واپس اپنے کام میں لگ گئی۔

"کل رات تمھیں کیاہوا تھا،، حواس باختہ سی کمرے میں جاکے بند ہوگئیں۔سائیں کی فکر ہورہی تھی؟" وہ اس سے بہت کچھ اگلوانا چاہتی تھیں۔اس نے خود پہ لعنت بھیجی تھی کہ رات ہوا کیا تھا اسکو۔۔

اس نے برشز تولیے پہ رکھے اور گیلے ہاتھ دوسرے تولیے سے خشک کرکے ان کے پاس آگئی۔

"جیسا آپ سوچ رہی ہیں ویسا کچھ نہیں۔مجھے اس کے لیے برالگا تھا اور وہ میراری ایکشن تھا۔"

"واقعی ایسا ہی ہے؟" انھوں نے اسکی آنکھوں میں جھانکا جو بہت الجھی ہوئی تھی۔ روما نے پلکیں جھپکائیں۔

"کوئی بات پریشان کر رہی ہے کیا؟"

"ہمم... مجھے لگا میری بد دعاؤں کا یہ سب نتیجہ تھا۔ پہلے مجھے اس پہ بہت غصہ تھا اور میں سہی بھی تھی میں نے بہت بد دعائیں دی تھیں غصہ مجھے اب بھی ہے! پر پہلے والا الگ قسم کا تھا۔" وہ سر جھکا گئی میران کے لیے بلکل نرمی ظاہر نہیں کرتی تھی۔

"تو اب تم کو پچھتاوا ہو رہا ہے۔"

"حلیمہ بی اس نے کہا تھا اس نے مجھے اغوا کروایا پر اسکے پیچھے ٹھوس وجہ تھی وہ ظالموں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا ایک انجان لڑکی کو... پھر کہیں اس سے بھی بھول ہوئی اور پھر اللہ نے اسکو سزا دے دی۔ یہ اسکا اور اللہ کا معاملہ ہے میں کون ہوتی ہوں پھر،، معاف کر دیا ہے اسے،، اس نے غلطی سدھارنی بھی چاہی پر سب الٹا ہی ہو گیا اور میں واپس یہی قید رہ گئی بقول آپ سب کے میری اسی میں بھلائی ہے اور اس بات سے میں بلکل اتفاق نہیں کرتی کیونکہ میں اپنے بابا کے ساتھ محفوظ رہ سکتی ہوں۔ آپ لوگ بڑے سائیں سے ڈرتے ہونگے پر میں نہیں۔ صرف میں اپنے بابا کی وجہ سے برداشت کر رہی ہوں ورنہ یہاں کی دیواریں پھیلانگ کر بھی بھاگ سکتی ہوں۔"

"سو بات کی ایک بات تم نے سائیں کو معاف کر دیا ہے"

"ہاں... جب کوئی دشمنی ہی نہیں تو میں اسکے مرنے پہ کیوں خوشیاں مناؤں۔۔اتنی بری بھی نہیں ہوں جتنا وہ مجھے سمجھتا ہے۔" کندھے کو چھوتے بال اس نے پیچھے کیے۔

"میرا دل ہر قسم کے جزبے سے عاری ہے اور کچھ ہوتا تو گواہ میری آنکھیں ہوتیں جو آپ پڑھ لیتیں ہیں۔" وہ مسکرا کے کھڑی ہوگئی حلیمہ بی اسے دیکھے گئیں وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ کیسی لڑکی تھی سمجھ سے باہر!

کمال طریقے سے اس نے دل پہ قابو کیا ہوا تھا۔

"وہ تم کو برا سمجھتے ہی نہیں۔"

"وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اسکے اس جذبے کا احترام کرنے لگی ہوں اور کچھ نہیں بس!" وہ کھڑی ہوگئی۔

حقیقت اس نے آج بتادی تھی۔ حلیمہ بی کی چہرے پہ مسکراہٹ نے جگہ بنائی۔ یہ دل کب موم ہوتا بس اسی کا انتظار تھا۔

وہ میران پہ بھروسہ کرنے لگی تھی اسکی محبت پہ تو یقین کر ہی لیا تھا۔ یہاں اسکو میران نے الگ ہی مقام دیا تھا اور جو آگے مستقبل وہ مقام دینا چاہتا تھا اسے وہ ہرگز قبول نہیں کرتی تھی۔ اسکی زنگی میں ایک ہی شخص اور وہ اسکا باپ تھا۔

"میری نفرت کی آگ بے شک ٹھنڈی ہوگئی ہے پر غصہ مجھے اس پہ اب بھی ہے۔"

"جب معاف کرچکی ہو تو پھر کس بات کا غصہ؟" انھوں نے حیرت سے پوچھا۔

"حلیمہ بی ہے بس! سمجھتا کیا ہے خود کو۔ مجھ کو میرے بابا سے ہی دور کر دیا،، حفاظت کے لیے میر االلہ کافی ہے! کچھ ہونا ہو گا تو یہاں بھی ہو جائے گا۔" تھوڑی نرمی جو آئی تھی وہ صرف میران کے رویے کی وجہ سے تھی پر جو وہ باتیں کر دیتا تھا اور سب بڑا کارنامہ جو وہ یہاں تھی یہی سوچ کے اسکا غصہ پھر عود آتا تھا۔

"پر انسان احتیاطی تدابیر بھی تو لے سکتا ہے نا۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"آپ لوگوں سے بھلا میں کبھی جیت سکتی ہوں۔ میرے علاوہ اور بھی اس نے دشمن پال رکھے ہیں جو سیدھا گولیاں چلوا دیتے ہیں، اسٹرینج!" وہ تیئں گھوماتی ڈریسنگ کے سامنے کھڑی تھی اور بات باآسانی بدل چکی تھی۔۔ حلیمہ بی اسے ناشتے کے لیے بلانے آئی تھیں پھر اسکی خیریت پوچھنے ہی بیٹھ گئیں۔ سچ تو یہ تھا رات ان دونوں نفوس نے میران کے لیے نوافل پڑھے تھے۔

"ادھر ادھر کی باتیں کروالو تم سے،، ناشتہ کرنے چلو۔" اسے ڈپٹتی وہ کمرے سے باہر لے گئیں۔

میڈیا نے من مرضی خبریں چلانا شروع کر دی تھیں۔ تمام باتوں کا رخ ذولفقار جاہ پہ آ کے رکتا۔ میران ضبط سے خبریں سن رہا تھا اس نے ٹی وی بند کروا دیا۔

دروازے پہ نگاہ گئی تھی شمس کے ساتھ اجمل خان عیادت کے لیے آیا تھا۔

انھوں نے کافی ہمدردی محسوس کروادی تھی۔ میران مسکراتا رہا۔ خبروں میں کیا چل رہا تھا اسکا علم ہر ایک کو تھا اسی سلسلے میں اجمل نے بھی بات کی تھی میران بس سنتا ہی رہا تھا۔

اجمل خان اور زولفقار جاہ کے بیچ شروع سے ہی معاملات ناساز تھے اسی وجہ سے اجمل کی جاہ کے برائے میں رائے جان کے میران کو حیرانی نہیں ہوتی تھی۔

انکے مطابق بھی حملے کے پیچھے اسکے باپ کا ہی ہاتھ تھا۔

"میں جانتا ہوں پہلے بھی کہا تھا وہ دشمن پلنے نہیں دیتا فوراً ایک طرف لگا دیتا ہے۔" اجمل خان نے بھی اسی وجہ سے کھلم کھلا کہا اپنی دشمنی واضح نہیں کی تھی۔

ایک حد تک انکی بات سے اتفاق کیا جا سکتا تھا پر میران انکا بیٹا تھا دشمن نہیں! اور حملہ صرف دھمکانے کے لیے تھا تو معاملہ زولفقار جاہ سے مکمل طور پہ مل نہیں رہا تھا وہ بلاوجہ باپ پہ الزام تراشی برداشت نہیں کر سکتا تھا، وہ پر یقین ہو گیا تھا اس میں زولفقار کا کوئی ہاتھ نہیں۔

تھوڑی دیر میں کسی معروف چینل کا سی ای او ملنے آیا تھا۔

"میران صاحب کیسے ہیں؟" تحفے کے طور پہ لایا بو کے ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔ عزیز نے گردن دوسری جانب موڑلی تھی میران اب کمرے تکیے سے ٹکا کے بیٹھا تھا۔

"آپکے سامنے ہوں بلکل ٹھیک اور یہ آپ اپنے کارندوں کو لگام ڈالیں،، یہ جتنی الٹی سیدھی خبریں چلائی جارہی ہیں انھیں بند کروائیں۔

خبردار جو میرے باپ کا نام بلاوجہ کسی نے بیچ میں لیا۔" اسے غصہ کرنے سے ڈاکٹرز نے سختی سے منع کیا تھا پر جیسے لوگوں کے کارنامے تھے غصہ اگلے کو آجاتا تھا اب بھی بہت ضبط کیے وہ بیٹھا تھا۔

"میڈیا آزاد ہے جاہ صاحب۔"

"بے شک پر الٹی سیدھی خبریں نشر کرنے کے لیے نہیں ہے اسکے خلاف میں سب کے اوپر کیس دائر کر سکتا ہوں۔ کیا سوچ کر میرے باپ کو اس حادثے کے پیچھے ذمہ دار ٹھہرایا جارہا ہے؟" سب کے سب ویوز ہڑپ رہے تھے میران رہے غصے میں پھٹ پڑا تھا اسکے ماتھے تن آیا،، عزیز کے ٹوکنے پہ اس نے خاموشی اختیار کی۔

"مہربانی فرما کر آپ یہ سب بند کروائیں ورنہ ہم اپنے طریقے سے کروائیں گے تو آپکا بلکل پسند نہیں آئے گا۔" عزیز نے صاف کہا سی ایی او سٹپٹایا اور معزرت کر کے نکل گیا۔

زولفقار جاہ تک جب یہ خبریں پہنچی تھی انکو الگ غصہ چڑھا تھا دنیا بیٹے پہ افسوس اور باپ پہ لعنتیں بھیج رہی تھی جب کہ پولیس کی جانب سے کچھ بھی کنفرم نہیں ہوا تھا۔

زولفقار کے بعد میران نے بھی شمس کو کہا تھا سارے چینلز پہ سے یہ خبر بند کروائے اور کہیں بھی اب میران کے متعلق بلاوجہ کوئی زکر نا ہو۔

میران نے شمس کو ڈسچارج پیپرز بنوانے کا کہہ دیا تھا یہاں کل رات سے پڑے رہ کر سخت بے زار تھا دائم صبح آٹھ بجے تک واپس جا چکا تھا اسکے بعد لوگوں کی آمد شروع ہوگئی تھی اب بس وہ گھر جانا چاہتا تھا۔ عزیز کی حالت میں بھی بہت بہتری آئی تھی۔ عزیز کی جگہ شمس میران کے آرڈر پہ عمل کر رہا تھا اور عزیز بے چارہ شمس کو دیکھ جی کڑا کے رہ جاتا۔

ایک بجا تھا میران آنکھیں موندیں گہری سوچ میں ڈوبا تھا دروازہ ناک ہوا میران نے آنکھیں کھولیں سامنے اے ایس پی مراد دمیر کھڑا تھا۔

میران نے آہستہ سے اٹھنے کی سعی کی مراد نے فوراً آگے بڑھ کے اسے بٹھانے میں مدد کی تھی میران اسکی پہل دیکھتا گیا۔ کندھے میں درد کی شدت بڑھنے پر کچھ دیر پہلے ہی نرس پین کلر دے کر گئی تھی۔ میران کے پیچھے تکیہ سہی کر کے مراد دور ہوا اسکے عمل پہ میران کی نظریں اسی پہ جمی رہیں۔

"اسلام و علیکم،، می اے ایس پی مراد میر۔" بینچ کھینچ کر اس نے میران کے بیڈ کے قریب کرلی اور کف کہنیوں تک چڑھائے بیٹھا اپنا حوالہ دیا۔

"و علیکم السلام،، تعارف کی ضرورت نہیں آئی نو یو ویری ویل!" میران کے کہنے پہ مراد کے ہونٹوں پہ پر سرار سی مسکراہٹ رینگ گئی میران نے پر سوچ نگاہ سے اسے دیکھا۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" مراد نے ماتھار گڑے سوال کیا میران نے حیرت کا تاثر دیا۔

"کمال ہے ابھی ایک آفیسر کو انویسٹیگیشن کے دوران سب بتایا ہے،، کیا وہ معلومات کم پڑ گئی؟" اسے دیکھتے ہوئے میران نے انگلیاں بھنوؤں پہ پھیریں۔

"میں تفتیش کے لیے نہیں آیا آپکی خیریت جاننے کے لیے آیا ہوں۔" لب ملاتے اس نے نرم لہجے میں بتایا میران نے سر ہلایا۔

"آپکو کیا لگتا ہے کس نے یہ حرکت کی ہے؟"

"یہ تمھارا کام ہے پتا لگاؤ۔" گلاس اٹھایا تھا اور اسکی نوک پہ انگلی پھیر رہا تھا لہجے میں لاپرواہی تھی۔

"نام لونگا تو شاید آپ برا مان جائیں..." مراد نے ہنستے ہوئے بات کہی میران نے نفی کی۔

"زولفقار صاحب۔" مراد کے کہنے پہ میران کھل کے ہنسا۔

"ایک شخص جو کل عدالت سے ہر الزام سے بری ہوا ہے اور وہ طاقت کے پیچھے بھاگتا بھی ہے،، پھر چند معاملات میں باپ بیٹے کے درمیان اختلافات بھی چل رہے تھے،، ایک دن پہلے انکا پاور میں آنا اور بھی کئی باتیں ہیں جو ان پہ شک کرنے پہ مجبور کر رہی ہیں۔" مراد نپے تلے لفظوں میں بنا تمہید باندھے مدعے کی بات کرنے پہ آیا۔ عزیز مراد سے اتفاق کر رہا تھا۔

"تمھارا اشارہ منی لانڈرنگ کی مخبری کی جانب تو نہیں۔"

"ہاں بلکل.."

"تم کو لگتا ہے وہ خبر میں نے ہی تم تک پہنچائی تھی؟" میران کے ماتھے کی سلوٹیں نمایاں ہوئیں مراد نے لب کھینچا۔

"کہہ سکتے ہیں،، پر مجھے معاملہ کچھ اور لگ رہا ہے۔ آپ مجھ پہ بھروسہ کر سکتے ہیں۔ شاید آپکی مدد کر سکوں۔"

"مدد تو تم سے ہی لونگا آخر تم خود چل کر میرے پاس آئے ہو،، اے ایس پی مراد بنا مقصد کے یوں ہی خیریت دریافت کرنے آجائے بات ہضم نہیں ہوتی۔اور عزیز بھی تو ٹھیک نہیں تو....."

"چھوٹے سائیں۔"عزیز منمنایا۔اس نے اتری شکل بنالی تھی میران نے اسے گھورا۔

"سائیں یقیناً آپ جانتے ہیں کس نے یہ سب کیا ہے تو اس آفیسر کو اس بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"عزیز کو اب یقین ہو چلا تھا میران کوئی بات پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔مراد نے بھی اسے دیکھا۔

"وہ مجھے قابلِ اعتماد نہیں لگا تھا۔"میران نے آہستگی سے لب ملائے گلاس سائیڈ دراز پہ واپس رکھا۔

"پتا ہے جب دشمن کڑوی باتوں کی بجائے مٹھاس لہجے میں اتار لے اور آپکا ہمدرد بن جائے اس وقت اسکے شر سے بچنا چاہیے۔۔"میران نے گردن ہلکے سے گھماتے ہوئے کنپٹی دبائی مراد کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

"اجمل خان!"

عزیز نے چونک کے سرد پن سے کہا میران نے بھنوو اچکا کے اسے دیکھا مراد نے میران کے تاثرات دیکھے۔میران نے مراد کی طرف چہرہ کیا لبوں پہ مسکراہٹ آگئی تھی۔مراد نے سمجھتے ہوئے سر جھکایا۔

"ان کو اس سے کیا حاصل ہونا تھا؟"مراد کے زہن میں لاتعداد سوال اُمڈ آئے۔کمرے میں سنسنی سی خاموشی تھی۔بس ان تین نفوس کی گفتگو ہی خاموشی کو توڑتی۔

"وہ جو حاصل کرنا چاہتا تھا اسے ہوا نہیں! پچھلی دو ملاقاتوں میں جس طرح اس آدمی نے مجھ سے ملنساری دکھائی اور بابا کے خلاف باتیں کی مجھے زولفقار جاہ سے محتاط رہنے کا کہتا گیا،، یہ سب اس نے اپنے مفاد کے لیے کیا اس سب میں اسی کا فائدہ تھا! تمھاری طرح ہر ایک کو لگا بابا کا ہی یہ کارنامہ ہے! مجھے بھی لگا تھا پر اتنا میں جانتا ہوں وہ اس حد تک کبھی نہیں گرینگے! اس نے باپ بیٹے کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی! یا سیدھا مجھے مروانا ہی چاہا جو اسکا منصوبہ کامیاب نا ہو سکا.... اسکے بعد الزام زولفقار جاہ پہ لگتا اور یوں اے_پی جماعت پستی کی جانب چلی جاتی۔" وہ ہنوز سامنے دیکھے بول رہا تھا۔

"الیکشن قریب ہے! اسکو سیٹ جاتی دکھائی دے رہی ہے کچھ تو کرتا ہی! بابا کے ساتھ دشمنی تو پہلے ہی اسکی تھی... بس وہ موقعے کی تلاش میں تھا سانپ بھی مر جاتا لاٹھی بھی نا ٹوٹتی اس نے وہ چال چلی۔"

"سوچ لیں کہیں محض الزام ثابت نا ہو جائے۔۔" مراد کو اب بھی زولفقار پہ ہی شک تھا وہ آدمی اقتدار کی خاطر کچھ بھی کر سکتا تھا بیٹے کو مروانے بھی کوئی مشکل بات نا تھی۔

"تم بھی اتنا جانتے ہو مجھے مروانے کے لیے حملہ نہیں ہوا،، (گاڑی کی حالت یہی بیان کر رہی تھی) دوسری صورت یہ کہ ٹارگٹ کلرز نے کام سہی طرح نہیں کیا۔ ونڈ اسکرین سے گولیاں چلتیں تو تم میری قبر پہ اس وقت فاتحہ پڑھ رہے ہوتے صرف شیشے ٹوٹنا تعجب کی بات نہیں؟.... میرے باپ کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہونا تھا

پچھلے واقعات محض ایک اتفاق ہیں،، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اجمل خان کا کام ہے وہ ہم سب کو الجھانا چاہ رہا تھا!

باقی تمھیں معلوم یہی کرنا ہے کہ کس کا ہاتھ ہے اور حملے کی وجہ! پولیس والے ہو اچھے سے جانتے ہو کیسے ڈیل کرنا ہو گا۔

پرانی دشمنی کا اس نے یوں بدلہ لیا مجھ پہ حملہ کروا کر... پر اب اس سب کا حساب اسکو دینا ہی ہو گا!" میران نے پختہ ارادے پتھریلے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ مراد اسے کچھ سوچتا ہوا دکھائی دیا۔

"ٹھیک ہے میں میڈیا سے پتا کر لونگا۔" میران کا اشارہ اچھے سے سمجھا تھا اور تدبرانہ طور پہ گھٹنوں پہ ہتھیلی جما کے بولا۔۔ اگر اجمل خان اس سب کے پیچھے تھا تو آخر چینل والوں کو بھی خبریں چلانے کے لیے اس نے پیسے کھلائے ہونگے،، ایسے ہی تو میڈیا پر یقین طور پہ خبریں نشر نہیں کر سکتا۔۔ کوئی اندازے لگا رہا تھا کوئی من گھڑت کہانیاں سنا رہا تھا۔ بس انکی جماعت کا نام خراب کرنا اول مقصد تھا۔

میران نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اور پھر اسکے بعد کیا ہو گا؟"

"تم صرف پتا کرو آگے کیا کرنا ہے وہ میرا کام ہے۔ امید ہے یہ بات صرف ہم تین تک محدود رہے گی۔"

اخر میں مسکرا کہ اس نے باور کر دیا تھا۔

"اجمل خان سے اتنی کیا دشمنی جو وہ اس حرکت تک چلا گیا؟" مراد نے بھنویں اچکائی چہرے پہ سوال رقم تھا.... میران سانس فضا کے سپرد کی... بالوں میں ہاتھ پھیرا.. کشادہ سینا کسرتی بازو،، سفید صاف رنگت کھڑی ناک تنے ہوئے نقش اور چہرے پہ ہلکی سی داڑھی اسے مکمل جاذب شخص بناتی تھی!

مراد کے چہرے پہ اسکی حرکات دیکھ مسکراہٹ آئی تھی اتنا سب ہونے بعد بھی اس شخص کے اندر سکون اترا ہوا تھا،، یا وہ ایسا ظاہر کرنے میں ماہر تھا۔ بالوں میں اسکا ہاتھ پھیرنا مراد کو اندازہ ہوا تھا لڑکیاں ایسے ہی اس پہ فدا نہیں تھیں۔

کم تو مراد میر بھی نہیں تھا،، جیپ میں جب بھی کنٹرولنگ کے لیے نکلتا تو لڑکیاں پلٹ پلٹ کر اسے دیکھتی ضرور تھیں اور خورشید انکی حرکت پہ جی بھر کے ہنس دیتا۔۔ پر کیا فائدہ اب تو وہ کسی کے ساتھ مضبوط بندھن میں بندھ چکا تھا اور وہ لڑکی جس نے اسے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں تھا جب ملی تھی تو کافی خوفزدہ بے وقوف سی محسوس ہوئی تھی۔

"تمھیں نہیں معلوم؟ بس وہی پرانی دشمنی اور پھر میں آ گیا ہمارے تعلقات بھی کچھ خاص نہیں رہے! اس شخص نے ہر بار میرے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کی ہیں اے_پی کا نام خراب کرنا چاہا پر اس بار

میں اسے بخشونگا نہیں۔" وہ صاف گوئی سے غصے پہ جبر کیے بولا مراد سمجھ گیا تھا سیاسی گہری دشمنی تھی شیو پہ ہاتھ پھیر کے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہمارے اسّی فیصد پولیٹشنز اقتدار اور پیسے کے بھوکے ہیں!"

"اور میرے بارے میں کیا رائے ہے؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"جیسے ہیں آگے بھی ویسے ہی رہیے گا۔" آنکھیں جھپک کے وہ بولا تو میران مسکرا دیا۔

یوں میران جاہ اور مراد میر کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ دونوں میں ایک بات کامن تھی یہ کہ دونوں ملک کے وفادار تھے!

"ایک بات کہوں... یہ دوبارہ زندگی معجزاتی طور پہ ملی ہے ورنہ حملہ جس طرح ہوا اور سارا معاملہ تسخیر کرنے کے بعد یہ بات واضح ہے یہ ٹارگٹ کلنگ تھی! قسمت اچھی تھی آپکی جو گولیوں سے بچ گئے۔" اسے دیکھتے ہوئے مراد بولا میران کے چہرے پہ مسکراہٹ قائم تھی۔ بلکل ایسا ہی تھا اسکی قسمت اچھی تھی ورنہ جتنی تعداد میں گولیاں برسائی گئی تھیں ان میں سے صرف دو ہی اسکو لگیں اور پھر وہ ڈیش بورڈ پہ گرا اسکے بعد بھی گولیاں چلیں پر.....

"خیر پتا کر کے انفارم کر دونگا۔ اب میں چلتا ہوں۔ ٹیک کیئر.... اللہ حافظ!" کیپ کو الٹ کر پہنتے ہوئے وہ کھڑا ہوا میران اور عزیز دونوں کو باری باری مسکرا کے دیکھا مراد نے سر کو جنبش دیتے پلکیں جھکائیں مراد سینے پہ ہاتھ رکھ کے عاجزی سے جھکتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔

"آپ نے اسے سب بتا دیا۔ کیا ہمیں اس پہ یقین کرنا چاہیے؟"

"بے فکر رہو عزیز!" اس نے اتنا ہی کہا اور آنکھیں موند لیں عزیز خاموش ہو گیا۔ میران نے کچھ سوچ کر ہی مراد کی مدد لی ہو گی یہی سوچتے ہوئے وہ واپسی کے لیے اٹھ بیٹھا تھا۔

میران کا تکیہ کے پاس پڑا موبائل بپ ہوا اس نے موبائل کے چہرے کے سامنے کیا۔

سفید اسکرین میں دائم کا نام درج تھا اور ایک پیغام!

"میرے بھائی اپنی نورِ نظر سے بات کر لینا کیا معلوم ایکسیڈنٹ کے بعد پریشان ہو گئی ہو..." سر جھٹک کر وہ مسکرایا۔ دائم علی ہنسانے کا ہنر رکھتا تھا۔ نورِ نظر لفظ پڑھ کے وہ اسکی سوچ کو سلام کر رہا تھا۔ اس نے موبائل رکھ کے چھت کو گھورا۔ پتا نہیں وہ پریشان ہو گی بھی کہ نہیں یا اسکے مرنے کی دعائیں کر رہی ہو گی... آنکھوں میں کَرب کے ساتھ ہونٹوں پہ زخمی مسکراہٹ آ گئی۔

ڈسچارج پیپیرز بن چکے تھے میران کے بائیں جانب پلاسٹر اور سفید پٹیاں سینے سے گزر کے بندھی تھیں۔ دائیں جانب معمولی شیشے کے ٹوٹنے سے خراشیں آئیں تھی۔

ڈاکٹر نے اسے بیڈ ریسٹ کی ہی تلقین کی تھی،، زولفقار جاہ کو ڈاکٹرز نے میران کے کندھے کی کنڈیشن کے بارے میں آگاہی دی تھی۔ شام تک وہ گھر واپس آگیا۔ عزیز کو بھی اس نے آرام کرنے کی سخت تاکید کردی تھی۔ نیوز چینلز پہ چلنے والی بے مطلب خبریں بھی بند کروادی گئیں تھیں۔

زولفقار جاہ میران کے کمرے سے باہر نکلے۔ انکا ہاتھ لاک پر ہی تھا شمس سیڑھیوں کی طرف بڑھتا ہوا انکی طرف آرہا تھا۔ وہ گرے شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں تھے عمر کی مناسبت زیادہ عمر والے لگتے نہیں تھے۔ آج بھی جوانی کی طرح خوبصورتی تھی پر عمر کے ساتھ تھوڑی ڈھل چکی تھی۔ سفید بالوں کو کالے رنگ سے چھپایا ہوا۔ ہلکے گرے مکس بال نمایاں ہوتے تھے۔

آہستگی سے لاک سے ہاتھ ہٹا کے وہ شمس کی طرف بڑھے۔ اور سیڑھیوں سے نیچے اترے شمس انکی تائید میں پیچھے ہی آیا۔

"کچھ پتا چلا؟" وہ نیچے لاؤنج میں آرکے۔ ہاتھوں کو پیچھے باندھ کے گردن اٹھا کے شمس سے پوچھا۔

"نہیں..." شمس کے بجھے انداز پہ زولفقار جاہ کھٹکے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" انکی گہری نظریں اسکے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"آپ کل سائیں کی مخبری والی بات پہ کافی غصہ تھے..." شمس کے اتنا کہنے کی دیر تھی زولفقار سلگ اٹھے۔ چٹک کر اسے گھورا۔

"تو تم کو بھی اس واقعے کے پیچھے میرا ہاتھ لگتا ہے! سب کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔ بیٹا ہے وہ میرا کلیجے کا ٹکڑا!! میرے خلاف کتنا بھی چلا جائے پھر بھی اسکے ساتھ یہ سلوک میں کبھی نہیں کر سکتا!! اکلوتا وارث ہے وہ اس سب کا!!" وہ بازو کھول کے غصے میں جذباتی ہوئے بولے صبح سے وہ خود پہ ضبط کیے ہوئے تھے غصہ کہیں تو نکلنا تھا۔

"معاف کر دیں بس ایسے ہی شیطان نے خیال ڈال دیا۔" وہ نادم سا ہو گیا اسکے بے تکے جواز پہ زولفقار نے شمس کو گھورا۔

"کل کی میڈیا کے ساتھ پریس کانفرنس کا انتظام کرو اور فرید سے بول کے چائے کمرے میں بھجوا دو۔" وہ سخت نظروں سے اسے دیکھ کر حکم دیتے کمرے میں چلے گئے شمس نے گھٹن سے سانس خارج کی۔ چھوٹے سائیں سے اسے بھی الگ قسم کی انسیت تھی جب کہ میران نے کبھی عزیز کے علاوہ کسی اور کو اپنے قریب آنے نہیں دیا تھا۔

احتشام شنواری تک جوں میران کے حادثے کی خبر پہنچی وہ نئی فکر میں مبتلا ہو گئے۔وہ میران سے ملنا چاہتے تھے آخر کو انکی بیٹی اسکے حوالے تھی!نا جانے کس حال میں ہو گی!

پر میران سے کوئی کانٹیکٹ نا ہونے کی صورت میں وہ ٹھنڈے بیٹھ گئے تھے۔

دن بدن انکی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔جتنی عمر انکی تھی نہیں اس سے زیادہ فکروں نے انکو وقت سے پہلے ہی ڈھال دیا تھا۔

انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا فیکٹری اور اپارٹمنٹ دونوں بیچ کر ملنے والی رقم سے قرض ادا کر کے دوسرے شہر شفٹ ہو جائیں گے۔آگے ہر صورت انکا مشکل وقت کا سامنا کرنا پڑتا پر بیٹی تو انکے ساتھ ہوتی!

بس دونوں کی فروخت کے لیے انکو ایسے خریدار کی ضرورت تھی جو انکو منہ مانگی رقم ادا کر دیتا!اور اسکے لیے وقت درکار تھا!اور باقی کے پیسوں کا انتظام بھی وہ کچھ نا کچھ کر کے کر ہی لیتے!

ایک ہفتہ یوں ہی وقت کی نظر ہوا۔

حلیمہ بی اپنے کمرے میں تھیں روما ئزہ باہر لان سے چکر لگا انکے پاس چلی آئی۔ کسی کی منتظر تھی پر یہ بات زبان پہ لانا اسکی انا کو ٹھیس پہنچا رہا تھا۔ بابا اسے بے حد یاد آرہے تھے انوش عائشے کو بھی یاد کر کے اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"روما ئزہ کیا ہو گیا بیٹھو ادھر آؤ میرے پاس۔" حلیمہ بی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ کمرے کا دروازہ اندر کی طرف کھلا روما ئزہ بھیگے اشک لیے کھڑی تھی انھوں نے محبت سے اسے پاس بلایا۔ وہ آنسو پی کر انکے قریب بیٹھ گئی۔ کسی سہارے کی ضرورت تھی جس سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دیتی۔ سہارے کے روپ میں اسے ممتا چاہیے تھی۔ ماں ہی تو ہوتی ہے جو بچے کو اپنے آنچل میں چھپا کے اسکی تکلیف میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ اس نے تو چھوٹی عمر میں ہی ماں کو کھو دیا تھا پر ممتا کا احساس اسکے دل میں موجود تھا۔ ماں کے زندہ ہونے کی چاہ ہونے لگتی۔

وہ حلیمہ بی کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئی۔ ان کچھ ہی دونوں میں انکے بے حد قریب ہو گئی تھی۔ اسکی حالت دیکھ حلیمہ بی متفکر ہوئیں۔ پھر اسکے سر میں انگلیاں چلانے لگیں۔

روما آنکھیں بند کیے آنسو بہا رہی تھی۔ بالوں میں انکی چلتی انگلیاں محسوس کر کے وہ مزید سمٹ کے چھوٹے بچے کی طرح لیٹ گئی۔

"کیا ہوا ہے میری بیٹی کو؟" انھوں نے محبت بھرے لہجے میں اسکے چہرے سے بال پیچھے کیے سرخ سوجی آنکھوں کو دیکھا۔

"مجھے یہاں سے باہر نکال دیجئیے میرا دم گھٹ جائیگا۔ کوئی میری جان لے یا نا لے پر یہ قید مجھے ختم کر دے گی۔" وہ روتی ہوئی انکے پہلو میں منہ چھپاتی بولی حلیمہ کچھ بول نا سکیں۔ اب تو تسلیاں بھی ختم ہو گئی تھیں اور اسے کتنا صبر کی تلقین کرتیں۔

"میرا بچہ ایسے نہیں بولتے،، سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ پہ بھروسہ کرو!"

"کب ٹھیک ہو گا؟" اس نے سر اٹھا کے انکی آنکھوں میں دیکھا وہ چت لیٹی ہوئی تھی۔

"اللہ سے مسلسل یہاں سے رہائی مانگ رہی ہوں ہر وہ میری سن ہی نہیں رہا... اور کتنا صبر کروں؟" حلیمہ بی نے اسکے ماتھے پہ بوسہ دیا اور پھر اسے سمجھایا۔

"یہ ہم انسانوں کی فطرت ہے جب اللہ ہمیں کسی نعمت سے نوازتا ہے تو روگرداں ہو جاتے ہیں اور جب سختی مشکل وقت آتا ہے تو ناامید! یہی ہمارا امتحان ہوتا ہے کہ ساری فکریں بھلا کر توکل کیا جائے اللہ کے فیصلوں پہ راضی ہوا جائے.... جب ہم بلکل بے بس ہوں اس وقت اللہ کا ساتھ ہمارے ساتھ ہوتا ہے بس وہ امتحان لیتا ہے اپنے بندے کا۔۔ اور وہ کیا کہتے ہیں جس کا کوئی نہیں ہوتا اسکا اللہ ہوتا ہے! اللہ نے پہلے اچھا وقت بھی تو دکھایا ہے نا تو یہ برا وقت بھی زیادہ عرصے نہیں رہ سکے گا۔ بھروسہ رکھو اللہ پر وہ اپنے بندوں پہ انکی سکت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا!" سامنے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے وہ سمجھا رہی تھیں رومائزہ کے آنسو رک گئے پر وہ ویسے ہی چت لیٹی رہی۔

"اور پھر صبر کے بعد کیا ہو گا؟"

"معجزے ہوتے ہیں پھر،، انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے! اور سمجھدار بندے شکر گزاری میں رب کے حضور ماتھا ٹکا دیتے ہیں۔" انکے لب مسکرائے اسکے دل میں کسی نے اطمینان گھولا تھا۔

"ایک دن آئیگا جب تم یہ باتیں یاد کر کے شکر کے ساتھ مسکراؤ گی۔" انھوں نے اسکے ماتھے پہ بوسہ دیا وہ سیدھی ہوئی انکی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ کانچ سی بھوری نم آلود آنکھوں میں سکون اتر چکا تھا۔ اور بے شک رب کی یاد اسکے زکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہے۔

"پریشانی کو حاوی مت کرو اسے بتاؤ تمھارا رب کتنا بڑا ہے اسکے لیے سب آسان ہے! زندگی امتحان کا ہی نام ہے سکھ دکھ آتے رہتے ہیں بس انسان کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔ کچھ بھی ہو جائے تب بھی کچھ نہیں ہو تا!" وہ کچھ سوچتے ہوئے اٹھ بیٹھی سر اثبات میں ہلایا... وہ واقعی مایوس ہونے لگی تھی اداسی دن بدن اسکے روم روم میں پھیل رہی تھی اس نے فوراً تعوذ پڑھ کے استغفار پڑھا۔ وہ تو شیرنی تھی کیسے کمزور پڑتی اس نے ٹھان لیا تھا اب کچھ کرنا ہی ہو گا۔ اسکو پر سکون دیکھ کر حلیمہ بی کو بھی اطمینان ہوا۔ روما انھیں دیکھ کر مسکرادی۔

اور پھر شام کی چائے تھی!

حلیمہ بی اور رومائزہ کی باتیں!

مراد ڈیوٹی پہ چلا گیا تھا عائشے بھی ناشتے کے بعد کمرے میں آکر بند ہو گئی تھی باہر زرپاش صاحبہ کا اکیلے میں سامنا کرنے سے وہ گریز ہی کرتی تھی۔ نیمل سے اسکی اچھی دوستی ہو گئی تھی اس پورے ہفتے نیمل نے عائشے کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ ناشتے کے بعد نیمل یا تو اسکو اپنے کمرے میں لے جاتی یا اسکے کمرے میں چلی آتی تھی پر آج وہ جاب کے سلسلے میں انٹرویو دینے گئی تھی! باپ کا اپنا خود کا بزنس تھا پر اس نے کسی اور کمپنی میں اپلائے کیا تھا وہ خود سے کچھ کرنا چاہتی تھی یا پھر شوق!!

اجمل خان سو کر ہی اٹھے تھے اور نہایت بری خبر سے دن کا آغاز ہوا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ مطلوبہ جگہ پہ موجود تھے۔ جگہ آگ لگنے کی وجہ سے دھواں ہی دھواں تھی۔ ہر طرف بھگڈر سی مچی ہوئی تھی فائر بریگیڈ والے آگ بجھانے کے کام میں مصروف تھے۔

غصے کے مارے انکا برا حال تھا! بھلا وہاں آگ کیسے لگ سکتی تھی؟ کسی شخص کی لاپرواہی ہی اس سب کا سبب بنی ہوگی!

انکا سیکریٹری تمام حالات سے انکو روشناس کرا رہا تھا۔ آگ پوری اس دو منزلہ بنے کارخانے میں پھیل چکی تھی۔ اندر موجود کروڑوں کا مال آگ کی نظر ہو چکا تھا۔ اور صرف یہ ایک کارخانہ ہی نہیں تمبا کو اسمگلنگ کا

ایک اور کارخانہ جو کچھ دوری پہ موجود تھا اسے بھی آگ نے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ اب کوئی اتفاق تو تھا نہیں۔ تپش کے عالم میں انکے ماتھے کی رگیں آبھر گئیں۔ یہاں سارا کام بلیک میں ہوتا تھا اور کڑوڑوں کی منشیات تباہ ہو گئیں تھیں۔

پاس سے فائر بریگیڈ کا ایک آدمی گزرا وہ اجمل کا پاس ٹھہرا انھوں نے بھنوو آچکا کے اسے دیکھا جسکے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ انکے ماتھے پہ بل پڑے۔ وہ مزید کان کے قریب ہوا۔ اور اسکے کہے جملے پہ انکی آنکھیں پھیل گئی منہ پہ قفل لگ گیا۔

"چھوٹے جاہ نے سلام بھیجوایا ہے۔" کان میں سر گوشی کر کے وہ پیچھا ہوا ہنوز اجمل خان کی آنکھوں میں فتح کن مسکراہٹ سے دیکھا تھا جو غصے میں مٹھیاں بھینچے رہ گئے تھے۔ یک لمحے تو وہ سمجھے تھے بھی نہیں۔ وہ شخص فوراً آگے بڑھ گیا اور وہیں اسکی بائیک کھڑی تھی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اجمل خان کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ یعنی میران کو باپ کی جگہ اس پہ یقین ہو گیا تھا۔ وہ اصل حملہ کار کو پہچان جائے گا انھوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بہت سوچ سمجھ کے کئی دنوں میں میران کے گرد انھوں نے جال بچھایا تھا!

موبائل وائبریٹ ہوا انھوں نے کھولا تو اسکرین میں میسج موصول ہوا تھا۔ پرائیوٹ نمبر تھا۔

"حساب برابر! آئندہ اگر اے_پی جماعت کے کسی فرد کو بھی تم نے نقصان پہنچانے کی کوشش کہ تو یاد رکھنا میرے آدمی تمھارے خلاف مجھ پہ حملہ کروانے کے سارے ثبوت میڈیا تک با آسانی پہنچا دینگے! اور اسے دھمکی ہرگز مت سمجھنا! اب میں اپنے راستے اور تم اپنے راستے...!" اور میران نے بہت ہی اچھے سے اجمل خان کی گوٹ دبادی تھی،، وہ میسج پڑھ کے بھنبھنا اٹھے۔ مزید میسجز موصول ہوئے۔

ایک ویڈیو تھی جس میں چینل کے سی ای او نے اعتراف کیا تھا خبریں اجمل خان کے دباؤ ڈالنے پہ نشر کی گئی تھی۔

مراد کی مدد سے وہ حملہ کرنے والے پکڑے گئے تھے جو کہ منجھے ہوئے ٹارگٹ کلرز تھے جن کی پولیس کو تلاش تھی۔ انھوں نے بھی اعترافِ جرم کر لیا تھا اور کس کے حکم پہ یہ سب کیا وہ بھی صاف وہ بتا چکے تھے۔

سیکریٹری تو اجمل خان کے چہرے کے چڑھتے اترتے رنگ دیکھ رہا تھا۔ ان باپ بیٹوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر انکو کمزور کرنا واقعی مشکل تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا میران جاہ اتنا سب ہونے کے باوجود بھی زولفقار پہ بھروسہ رکھے گا،، اور فوراً اجمل کو پہچان لے گا۔

کوشش تو انھوں نے مروانے کی ہی کی تھی پر انکا حملہ ناکام ثابت ہوا تو جو پہلے وہ جال بن چکے تھے اسی پہ عمل کر کے میران کے ہمدرد بن کے ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔

میران کی جگہ کوئی اور ہوتا تو زولفقار جاہ کو ہی الزام دیتا۔

یہ ساری ان سب کی سیاست تھی اور اسکی آڑ میں نا جانے روز کتنے غلط کام ہوتے تھے۔ میران کے پاس انکے خلاف پکے ثبوت تھے وہ چاہ کر بھی کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ اب جو تھا انکو الیکشنز پہ ہی توجہ دینی تھی۔ انھی حرکات کی وجہ سے وہ عوام کا اعتبار کھو چکے تھے۔

اب وہ زرا بھی کچھ کرتے تو میران نے انکے پرخچے اڑا دینے تھے۔

پولیس نے کیس نا معلوم افراد کا حملہ کہہ کر بند کر دیا۔ زولفقار جاہ کو میران نے ساری حقیقت بتا دی تھی۔ اول تو وہ بہت غصہ تھے پر میران کا اگلا قدم جان کے وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

اس نے بھی اجمل خان کے کالے دھندوں کے مقامات پر آگ لگوائی تھی جس کا زکر وہ میڈیا پر لا بھی نہیں سکتے تھے۔

"برخوردار لگ رہا ہے تم میرے ہی بیٹے ہو۔" وہ کافی بہتر ہو چکا تھا۔ پلاسٹر مزید کچھ دن بند ھنا تھا۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا تب زولفقار اسے دیکھ کر بولے وہ انکی معنی خیز بات بخوبی سمجھا تھا۔ پر قبول نہیں کی تھی۔ انکے جیسے وہ ہرگز نہیں تھا۔ اس سارے معاملے سے جو دونوں کے درمیان فاصلہ اور رنجشیں بڑھ گئی تھیں وہ ختم ہوئیں دونوں پہلے کی طرح ہو چکے تھے۔ پر میران رومائزہ کے لیے انکی نفرت بھول نہیں سکتا۔ زولفقار جاہ کو یہ

فائدہ ہوا کہ میران ان پہ پھر بھروسہ کر رہا تھا۔ پر وہ انکے اصل روپ سے بھی واقف تھا۔ فلحال جو جیسا چل رہا تھا اسے ویسے ہی چلانا مناسب سمجھا تھا۔

وہ صوفے پہ آ کے دراز ہو گیا ذولفقار اسکے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

"تمھاری مجھ سے کم گوئی مجھے پریشان کر رہی ہے،، ہمارا رشتہ کیا پہلے کی طرح ٹھیک نہیں ہو سکتا؟"

"اگر آپ اپنے الفاظ واپس لے لیں اور شنواری سے بلاوجہ کی دشمنی ختم کر دیں تو آسانی ہو گی۔" میران کی بات پہ کچھ دیر انھوں نے سوچا تھا وہ مزید بیٹے کو دور نہیں کر سکتے تھے آخر کو اب وہی انکا وارث اور امید تھا!

میران جو پہلے بھی اتنا زیادہ نہیں بولتا تھا پر اب کچھ بولتا تو صرف کام کی بات! انکے ساتھ وقت گزارنا یہ سب ختم کر دیا تھا۔ وہ انکی عزت میں کمی نہیں کر سکتا تھا باپ جو تھے آخری دنیاوی رشتہ! پر باپ کے کئی چہروں کو وہ جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے بھی اندازہ تھا ذولفقار کو اس حادثے سے کتنا فائدہ ہوا۔ کچھ وقت میڈیا نے انکو اپنا نشانہ بنایا تھا پھر بعد میں ہی میڈیا نے سارا کہانی کا رخ موڑ دیا اور یہ سب اسکے باپ نے ہی پیسہ کھلا کے کیا تھا۔

"مجھے میرے پیسے سود سمیت وہ ادا کر دے معاملہ ختم ہو جائے گا۔" لگی بندھی انھوں نے بات کی۔

"نہیں! اسکے بعد آپ رومائزہ شنواری کو اپنی بہو کے روپ میں قبول کرینگے!" وہ صوفے پہ سیدھا ہوا اور دوٹوک بولا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا! وہ لڑکی تمھارے قابل نہیں... علوی کی بیٹی تمھارے لیے بہتر رہے گی۔" وہ اپنے طور پہ سمجھداری سے بولے میران نے انھیں دیکھا۔

"اور میری محبت اسکا کیا؟ کون میرے قابل ہے میں بہتر جانتا ہوں! کسی اور کو زندگی میں شامل نہیں کرونگا سوائے رومائزہ شنواری کے!" انکی آنکھوں میں دیکھتے دھیمی آواز میں برہمی سموئے بولا اور باہر لان کی طرف بڑھ گیا۔

"اللہ اللہ،،، کیا کروں میں اس سر پھرے کا مجھے تباہ کر کے ہی اسے سکون ملے گا۔ جٹ بھی میری پٹ بھی میری والا حساب چاہیے اسے۔" ٹیبل سے انگریزی اخبار انھوں نے جھڑک کر کھولا تھا۔

وہ نا صرف شنواری صاحب کو مزید نقصان پہنچانے سے روک رہا تھا کیونکہ اسے علم تھا پیسوں کے باوجود بھی زولفقار جاہ انھیں بخشیں گے نہیں،، جو بات زولفقار نے مان لی تھی پر رومائزہ کو بہو بنانے کی بات وہ کسی صورت نہیں مان سکتے تھے۔ خیر وہ خوش بہت تھے میران نے انکے پرانے دشمن کے پیر میں ایسی زنجیر ڈال دی تھی جسے توڑنا اسکے بس کی بات تھی نہیں... اور دوسرا اس ایک ہفتے میں وہ سارا کالا پیسہ باہر بھی بھیجوا چکے تھے۔ انھی خوشیوں میں میران کی باتوں کو زولفقار جاہ نے سرے سے نظر انداز کیا تھا۔

پچھلا ہفتہ اس نے آرام کرتے گزار دیا اب دوبارہ کام کا دباؤ بڑھ چکا تھا۔ طبیعت میں بحالی دیکھ کر اس نے کاروباری اور سیاسی ذمہ داریاں واپس دیکھنا شروع کر دیں۔ اس دوران اسے رومائزہ سے ملنے کی تڑپ اٹھتی تھی جسے وہ ایک ہفتے سے دبائے ہوئے تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا وہ اسکی منتظر ہو گی کہ نہیں اسکے لیے تھوڑی بہت ہی دل میں فکر جاگی ہو گی کہ نہیں.. پر وہ چاہتا تھا ایسا ہو۔

اس نے فارم ہاؤس میں قدم میں رکھا تھا۔ دبے قدموں سے وہ اندر آیا یا جوتوں نے شور پیدا کرنے کی غلطی کی ہی نہیں۔

دل جو رومائزہ کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھا اسے سنبھالے قدم اٹھاتا لاؤنج میں آیا۔

وہ صوفے پہ ایک کہنی سر کے نیچے ٹکائے ارد گرد سے بے نیاز خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی... گہرے بھورے بال چہرے کو چھو رہے تھے... مخملی ہلکا کمبل اسکے اوپر اسے ڈھانپے ہوا تھا۔ دوپٹے کا سفر سر سے گلے تک قائم تھا۔

صوفے کے قریب پینٹنگ اسٹینڈ کھڑا تھا ٹیبل پہ پینٹ کلرز بکھرے تھے،، کچھ سفید کاغذ، اور ایک ماسک۔

شفاف معصوم چہرہ نظروں میں سموتے وہ ٹرانس کی کیفیت میں صوفے کے قریب گیا تھا۔

ملاقات کے طویل انتظار پہ اتنے حسین منظر کی دید اسے ملے گی یہ دیکھنے کے لیے صدیوں کا بھی انتظار کرلیتا۔ پنجوں کے بل اسکے قریب بیٹھا وہ نرمی سے اسکے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ نئے سرے سے اسے سرشاری نصیب ہوئی الگ ہی مسکراہٹ چہرے پہ گھل آئی۔

میں راز تجھ سے کہوں

ہم راز بن جا زرا

کرنی ہے کچھ گفتگو

الفاظ بن جا زرا

گہری سانس فضا میں بحال کی پیچھے ہوا اور دوسرے صوفے پہ ٹک گیا۔ دوپٹہ ڈھیلا سا سر پہ ٹکا تھا اس سے نکلتی روماٸزہ کے ریشمی بالوں کی کچھ لٹیں آنکھوں کو چھوتی تھوڑی تک آرہی تھیں۔ میران نے انھیں پیچھے کرنے کی غرض سے بے اختیار ہاتھ بڑھایا پھر ٹھہر گیا۔ مٹھی واپس بھینچ کے ہاتھ پیچھے کرلیا۔

فضا میں عجیب سی خوشبو پھیلی تھی اس نے خود میں اتاری وہ کئی پل جامد اسے دیکھتا رہا جیسے پھر اتنی جلدی کبھی نصیب ہو یا نہیں۔

رومائزہ کی نیند میں خلل ہوا اس نے کروٹ لینے کی کوشش کی تو یاد آیا وہ صوفے پہ بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ چہرہ ملتے ہی وہ اٹھی سامنے میران کو موبائل میں مصروف دیکھ کر چونک گئی۔ بے ساختہ اس نے آنکھیں مسلیں۔ میران نے اسکو جاگتے دیکھا موبائل بند کر دیا اور اسکی جانے توجہ مبذول کرلی۔ وہ حیران تھی..

کمبل ڈھلک کے نچلے حصے پہ گر گیا تھا۔

"تم کب آئے؟" ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ اور گہرے نیلے رنگ کی جینس... پیر مہنگے ترین جاگرز میں قید تھے۔ ماتھے پہ چھوٹی سی پٹی چسپاں تھی چہرہ ہنوز تر و تازہ دکھائی دیا۔ آج وہ اسے پہلے سے زیادہ شاندار اور دلکش شخصیت کا حامل شخص محسوس ہوا۔

"جب تم ارد گرد سے بے خبر نیند میں تھیں۔" آنچ دیتا لہجہ، خوبصورت آواز، چہرے پہ نرمی... لبوں پہ مسکراہٹ! ایک بازو پہ پلاسٹر بندھا تھا۔ دوسری ہاتھ کے کسرتی بازو ہالف سلیوز کی وجہ سے جھلک رہے تھے۔

اسکے جواب پہ رومائزہ نے خود پہ غور کیا۔ سر سے دوپٹہ اترا نہیں تھا۔ اذانیں ہو رہی تھیں اور اسکے بعد اسے خود کو بھی معلوم نا ہوا کب آنکھ لگ گئی۔ اسکا ذہن کمبل کی جانب گیا اس نے میران کو دیکھا۔

"حلیمہ بی کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا یعنی کمبل کی طرف اشارتاً جواب دیا تھا۔

"وہ نماز پڑھ رہی ہونگی..." طویل خاموشی۔

وہ چاہتا تھا وہ سوال کرے اسکی خیریت پوچھے،،وہ پوچھنا چاہتی پر ڈر تھا وہ خوش فہمی میں مبتلا نا ہو جائے۔ بلا آخر دل و دماغ دونوں میں سے ایک کی جیت ہوئی۔

"کیسے ہو؟"لب دانتوں تلے دباتے ہاتھ سے اس نے اسکے بازو کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"الحمدللہ..."جواب پہ وہ سر ہلا گئی اور نماز کا کہتی وہاں سے اٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔

شکر تھا کہ وہ ٹھیک تھا اسکے دل کو بھی تسلی ہوئی۔

"چھوٹے سائیں آپ آ گئے۔ کتنا ڈرا دیا تھا آپ نے...اب زخم کیسا ہے تکلیف زیادہ تو نہیں؟"حلیمہ بی بی رومائزہ کے اطلاع دینے پہ دوڑی چلی آئی تھیں۔ اسکے دوسرے بازو کو تھام کر محبت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"حلیمہ بی میں ٹھیک ہوں پریشان نا ہوں بیٹھے یہاں۔"انھیں اپنے ساتھ بٹھایا وہ کبھی اسکا چہرہ ہاتھوں میں لیتیں تو کبھی اسکے بال پیچھے کرتیں۔ انکی محبت پہ وہ مسکرا دیا وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی تھیں۔ وہ بڑا ہو گیا تھا پر انکی محبت میں کمی نہیں آئی تھی نا انداز تبدیل ہوا۔

"وہ دیکھ لے گی تو کیا سوچے گی چھوٹے بچے کی طرح آپ مجھے ٹریٹ کر رہی ہیں۔"وہ محبت سے انکے ہاتھ تھام کے بولا۔

"اب میں لاڈ کرنا چھوڑ نہیں سکتی اسکے سامنے کب سے آپ کے ساتھ ملازم اور نوکر والا حساب چلا رہی ہوں ہر اب بہت ہو گیا۔ میں آپکو دیکھنے آنا چاہتی تھی کیا کرتی دل کو چین نہیں آرہا تھا پر رومائزہ کی وجہ سے آنا سکی۔" وہ تفصیل سے بتاتی ٹیبل پہ بکھرا رومائزہ کا سامان سمیٹنے لگیں۔

"وہ ٹھیک تھی؟" اس نے ناک رگڑتے گردن کمروں کی جانب موڑ کے پوچھا حلیمہ بی نے سامان رکھا اور مسکرا کر صوفے پہ بیٹھ گئیں۔

"دو ہفتے سے بہت پریشان نظر آرہی تھی، اس رات بھی خبر سن کے حواس باختہ سی کمرے میں بند ہو گئی تھی..." وہ اسکی آنکھوں میں دیکھے بولیں میران کا چہرہ کھل اٹھا پیاسے کو جیسے پانی نصیب ہوا تھا۔ اسے یہ جان کے اچھا لگا کہ وہ اسکے لیے پریشان ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے ہی محبت کی چنگاریوں نے اسکے دل میں بھی پھوٹ جانا تھا۔

"اپنے بابا کو بہت یاد کرتی ہے..." حلیمہ بی نے بتایا میران نے سرد آہ بھری۔

"بس تھوڑا وقت اور..." وہ منتظر تھا شنواری صاحب قرضا لوٹا دیں تو وہ آگے کچھ کرے۔

اپنی مصروفیات سے فرصت ملتی نہیں تھی کہ وہ اس معاملے کو حل کرنے کے بارے میں شنواری صاحب سے ملاقات کرتا۔ پر عزیز کو بھیج کر رومائزہ کی خیریت کا علم دے دیا تھا جس پہ وہ میران کے مشکور تھے۔ زولفقار جاہ

پر اس معاملے میں وہ بلکل بھروسہ نہیں کرتا تھا انکی انا سے اچھے سے واقف تھا کب کیسے پاسا پلٹ دیں اس سب سے محتاط وہ رومائزہ کو اپنی نظروں میں ہی رکھنا چاہتا تھا کہ اس سے دور آخر معامل دل کا بھی تو تھا۔

وہ حلیمہ بی سے صوفے پہ کمر کی پشت جما کر بات چیت کرتا رہا گاہے بگاہے اسکی نظر دروازے پہ پڑتی کہ وہ باہر نکل آئے۔ ناجانے کونسی نماز تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے ہی کمرے سے باہر نکلی تھی اور کچن کی طرف رخ کیا میران کی بھنوویں سمٹ آئیں۔

وہ مزید کچھ سوچتا رومائزہ کی دلخراش چیخ گونج اٹھی۔ حلیمہ بی اور وہ دونوں ہی کچن کی طرف بھاگے تھے۔

"کیا کر لیا لڑکی۔" حلیمہ بی فوراً اسکی طرف لپکیں جو گرم دودھ سے جلا ہاتھ جھلا رہی تھی تکلیف سے پیر زمین پہ ٹک نہیں رہے تھے۔ حلیمہ بی نے اسکا ہاتھ سنک کی طرف کیا اور ٹھنڈے پانی کی بوتل الٹ دی۔ میران انکی برق رفتاری دیکھ رہا تھا۔ چولہے پہ پتیلا آڑھی حالت میں پڑا تھا جسکا دودھ رومائزہ کے ہاتھ پہ گرا تھا میران کو اس پہ سخت غصہ آیا تھا پر دبا گیا۔

اسکے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

نماز سے پہلے ہی حلیمہ بی دودھ ابال کر چولہا بند کر گئی تھیں رومائزہ کو لگا ٹھنڈا ہو گا اس نے بنا کسی چیز کی مدد سے یونہی ایک ہاتھ سے کھسکانے کی کوشش کی تھی جو گرم تھا اور بیلنس بگڑنے کی صورت میں اسی کے ہاتھ پہ لڑکھ گیا۔

"حلیمہ بی آرام سے۔۔۔" ہچکی لیتے اس نے رندھی آواز میں کہا۔ وہ اسکے ہاتھ پہ ہلکے ہاتھ سے جیل لگا رہی تھیں جو دونوں جانب سے ہی جلا تھا۔ جیل کے لگانے سے تکلیف کی شدت بڑھ رہی تھی۔ آنسو آج قابو میں نہیں آئے۔ میران سامنے پلر سے ٹیک لگے غصہ ضبط کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ اسکی پتھریلی نظریں خود پہ محسوس کر چکی تھی۔ اور اس سے مسلسل نظریں چرا رہی تھی۔

ایک بار مزید جب وہ سسکی تو میران سے رہا نہیں گیا حلیمہ بی کو کہہ کر وہ خود انکی جگہ پہ بیٹھ گیا اور اسکی کلائی تھام کے دھیمے ہاتھ سے جیل لگانے لگا کہ اسے تکلیف نا ہو وہ پہلے ہی بڑی مشکل سے تکلیف برداشت کر رہی تھی میران کو پاس دیکھ کر دل بھی ڈوبنے لگا،، اس نے آنسو روک لیے تھے۔ میران نے سر جھٹکا مجال تھا وہ لڑکی اپنی دو گز کی انا کو ختم کر دیتی اسے معلوم تھا اسے جلن ہو رہی ہے پر چپ چاپ سہہ رہی ہے۔

"ضرورت ہی کیا ہے ہر کام میں ٹانگ اڑانے کی؟"

"تو بھوکی مار جاتی!" وہ غصے میں لال ہو کر ہاتھ کی تکلیف بھولنے لگی۔ میران نے جیل لگا کے اب فرسٹ ایڈ باکس میں سے پٹی نکالی اور اسکے نرم گداز ہاتھ کے گرد لپیٹنے لگا۔

"اتنامت جھکو تمھارے بھی کندھے پہ زخم ہے کہیں..."نادانستہ طور پہ بولتے بولتے وہ چپ ہو گئی آنکھیں میچ لیں میران جو خاصے بگڑے موڈ سے بیٹھا تھا اسکے نادانستہ کہے ادھورے جملے پہ اس نے ہنس کے رومائزہ کا چہرہ دیکھا جسکے رنگ اڑ گئے تھے زبان ہی تو اسکی بے لگام تھی! پر کبھی دل جیتنے والی بات کر دیا کر دیتی تھی!

"تم نے میری فکر کی.."وہ ہاتھ پہ جھکے یقیناً مسکرا رہا تھا غصہ جیسے تھم گیا۔

"نہیں۔مجھے اپنے ہاتھ کی فکر ہے تمھاری طرح تو ہوں نہیں گولیاں کھانے کے بعد بھی جسے فرق نا پڑے۔"چیخ کر وضاحت کر دی تھی۔

"اچھا لگا تمھارا فکر کرنا،،میں یہی سوچ رہا تھا مرا کیوں نہیں تمھاری بد دعائیں اتنی بے اثر تو نہیں.. گولیوں تک تو لے گئیں قبر تک بھی لے ہی جاتیں۔"میران بینڈیج کرتا سنجیدگی سے بولا اسکی بات پہ رومائزہ نے سن ہو کر اسے دیکھا۔کیسے مرنے مرانے کی بات کر رہا تھا آنسوؤں کی بہتی لکیریں اسکے گالوں پہ بن چکی تھی،،وہ ڈرتی نہیں تھی پھر بھی کبھی ایسا موضوع چھیڑنے سے گریز ہی کرتی آئی تھی۔

"تم کو ڈر نہیں لگتا مرنے سے؟"میران نے سر اٹھا کے اسکی بڑی آنکھوں میں دیکھا جن میں جواب کی طلب تھی۔

"اس چیز سے کیا ڈرنا جو بر حق ہے۔ کسی سنگ دل پہ مرمٹا ہوں اسکے دور جانے سے ڈر لگتا ہے۔"سیاہ آنکھیں بھوری آنکھوں سے ٹکرائیں وقت گویا تھم سا گیا۔ میران اسکی نظروں میں دیکھتا رہا ومائزہ نے گردن دوسری جانب موڑ لی۔

"ویسے کافی خود پسند لگتی ہو۔"

"ہاں ہوں۔ جب تک میں خود سے محبت نہیں کرونگی کوئی دوسرا کیسے کرے گا۔"

"تو پھر ان محبت کرنے والوں پہ بھی نظرِ کرم کر دو۔"بے حد نرمی سے بولا تھا اشارہ اپنی جانب ہی تھا وہ پھیکا سا مسکرا دی اسکا دل توڑنے کا فلحال کوئی خاصا ارادہ تھا نہیں اسی لئے خاموشی ہی بہتر سمجھی۔

"میں مریضِ عشق بنتا جارہا ہوں تمھارا!"میران نے سرد آہ بھرتے ہوئے دل کی بات دل میں ہی رکھی، کاش وہ سمجھ سکتی اپنی قدر وقمیت میران کی نظروں میں۔

یاد آتے ہیں، اف گناہ کیا کیا محسن

ایک محبت کرلی،، دوسرا تم سے کرلی

"تم کو گولیاں لگیں تو بہت تکلیف ہوئی ہو گی نا؟"وہ اپنا درد مکمل طور پہ بھلا چکی تھی اسکی تکلیف جاننے کی جستجو تھی۔ اسے پتا تھا اسکا تو بس ہاتھ جلا ہے وہ تو گولیاں سہہ چکا ہے۔

"ہاں...چوٹ چھوٹی ہو یا بڑی تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔" آخری گراہ باندھ کے رومائزہ کا پٹی میں لپٹا ہاتھ اب میران کے ہاتھ میں تھا آہستہ سے اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا رومائزہ نے بھی آرام سے ہاتھ گود میں رکھ لیا۔

"ویسے کیا کرتے پھرتے ہو جو لوگوں نے تمھاری جان لینے تک کی کوشش کی؟" وہ جواب چاہتی تھی۔

"میں کچھ نہیں کرتا۔اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔"

"ہاں سب خود ہو جاتا ہے۔ویسے کس نے کیا تھا یہ؟ تمھیں تو پتا چل گیا ہو گا نا۔" اسکے تجسس بھرے انداز پہ میران نے ہنسی کا گلا گھونٹا اور بنا کسی نرم تاثر کے اسے دیکھا۔

"تمھیں کیوں بتاؤں بی بی سرکار تھوڑی ہو جو ہر بات تمھارے علم میں ہونی چاہیے۔" اسکے طنز سے بھرے جملے پہ وہ ششدر رہ گئی۔

"افسوس ہوا تھا سن کر پر اب نہیں ہے۔بہت ہی اچھا ہوا تم ہو اس قابل۔اور کوئی انٹرسٹ نہیں ہے تمھاری ذاتی زندگی میں مجھے۔" ہر چیز کی وضاحت کرتے غصے میں خاموش ہو گئی۔

"اور کچھ انوسٹیگیٹ کرنا ہے تو کر لو۔"

"مجھے بس گھر بجھوا دو۔" وہ پھر ضدی اٹل انداز میں امید سے بولی میران کی نظریں اسکے چہرے کے گرد دوپٹے پہ ٹھہر گئیں۔

"فلحال نہیں۔" وہ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اسکے پیچھے ہی رومائزہ کے ہاتھ میں جلن کے باعث آنکھوں سے آنسو پھسل گئے۔

"کڈنیپر کہیں کا..." وہ بڑبڑا اٹھی۔ حلیمہ بی کچن سمیٹ کے فوراً اسکے لیے شربت بنا کر لے آئی تھیں۔

"رو رو کے خود ہلکان کر لیا ہے۔ خبر دار جو اب کچن میں مجھے نظر بھی آئیں!" وہ اسے ڈانٹ رہی تھی وہ نم آنکھوں سے ہنس دی۔

"آؤنگی بار بار آؤنگی!" وہ بھی ڈھیٹ تھی۔

"یہ پیو پھر میں کھانا لگاتی ہوں۔" اسکے دوپٹے کی گراہ ڈھیلی ہونے سے دوپٹہ بھی ڈھیلا ہو کے کندھا چھونے لگا تھا۔ حلیمہ بی نے کھانا لگایا میران بھی ٹیبل پہ موجود تھا۔ رومائزہ اسی حالت میں داہنے ہاتھ میں طوطا پالے بائیں ہاتھ سے کرسی کھینچتی ہوئی بیٹھ گئی اسکے برابر میں حلیمہ بی آ بیٹھی تھیں۔

سیدھے ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی اب کھاتی کونسے ہاتھ سے سوچ کر ہی اسے غصہ آنے آیا۔

میران تو کھانا شروع کر چکا تھا اور اسے بھی شروع کرنے کا اشارہ کیا تو دھیان اسکے ہاتھ پہ گیا۔ اس نے ہنسی روک لی تھی۔ رومائزہ بے بسی سے حلیمہ بی کو دیکھا۔

"میں کھلا دیتی ہوں کوئی بات نہیں۔"

"نہیں میں بعد میں کھالونگی۔"شرم کے مارے وہ اٹھ کے لاؤنج میں آگئی تھی میران نے جلدی کھانا مکمل کیا حلیمہ بی کو اسے کھانا کھلانے کا کہہ کر باہر لان میں چلا آیا۔

اسکے جانے کے بعد رومائزہ نے سکون سے حلیمہ بی کے ہاتھ سے کھالیا تھا۔اور پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔میران نے شاید رات ٹھہرنا تھا اگلی صبح اسکو آسلام آباد جو جانا تھا۔

"عائشے تم نے بلو فائل اٹھائی ہے؟"الماری کھنگالتے ہوئے مراد کی آواز کمرے میں آئی پر جواب موصول نا ہوا۔

"منہ میں زبان ہے کہ نہیں؟"کمرے کے ساتھ ہی الگ راہدری میں ڈریسنگ ائیریا تھا جہاں الماری رکھی تھی اور دیگر چیزیں۔

"میں نے بھلا کیوں دیکھی ہوگی؟ آپکی فائل ہے آپکو معلوم ہونا چاہیے کہ کہاں ہے۔"وہ شانے اچکاتی صوفے پہ بیٹھ رہی ٹی وی آن تھا۔مراد نے سر جھٹکا۔

"میں جارہاہوں واپسی دیر رات تک ہوگی تم سو جانا.. جاگتی مت رہنا۔"بیڈ کی سائیڈ دراز پر رکھا موبائل اٹھا کر اسے تاکید کرتا وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

"میں بھلا الو ہوں جو ساری رات جاگتی رہونگی انکے انتظار میں!" عائشے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ نو بجے تھے اور وہ ایک گھنٹے پہلے ہی پولیس اسٹیشن سے آیا تھا اور اب پھر کہیں جا رہا تھا پر فارمل ڈریسنگ میں۔

اسکے پرفیوم کی خوشبو نے کمرہ مہکا دیا تھا خوشبو عائشے کے دماغ پہ چڑھنے لگی۔

"کسی دن جن چڑھا کے لے آئیں گے۔" وہ بڑبڑائی تھی کہ نیمل دروازہ دھکیلتی تیزی میں اندر گھسی۔

"ڈئیر بھابھی جان کیسی ہیں؟"

"کچھ ہوا ہے کیا؟" اسکے رویے پہ عائشے کا دماغ ٹھٹکا۔

"آج تو دمیر ہاؤس کا تاریخی دن ہے۔ محمل آئی ہے مام کے پاس کمرے میں ہے۔" نیمل نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے تسلی سے بتایا عائشے کو سانپ سونگھ گیا۔

"تو پھر اب؟ تمھارے بھائی بھی نہیں ہیں ابھی تو..." وہ پریشانی سے گویا نیمل بازو کھولتی کھڑی ہوئی۔

"بھولی بھابھی جان مجھے لگتا یے وہ جان کر آپ کو اکیلا چھوڑ گئے تا کہ اب محمل کا سامنا خود کریں۔" اس نے آنکھ دبائی۔

"محمل تمھاری بھی تو کزن ہے تم کو اس سے ہمدردی نہیں ہوتی جیسے سب کو ہے؟"

"سوری... میں اپنے بھائی کے ساتھ ہوں۔ بے شک وہ میری کزن ہے پر میرے بھائی نے کبھی اس سے محبت کا دعوہ نہیں کیا۔ وہ خود ہی آسمان میں اڑ رہی تھی۔" نیمل نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے۔

"آنٹی نے اسکو ہمارے رشتے کا بتا دیا؟" عائشے نیمل کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی نیمل نے نفی میں سر گھمایا۔ عائشے نے آہ بھری۔

"لگتا ہے کوئی آرہا ہے.." اسکے کان کھڑے تھے محمل کی ہیل کی ٹک ٹک پہچان کر نیمل ڈریسنگ ایریا میں چھپ گئی عائشے کو جب تک کچھ سمجھ آتا اتنے میں دروازہ کھلا۔

کوئی غیر لڑکی تھی یعنی محمل!

عائشے نے ہمت نا ہاری۔ محمل کسی انجان لڑکی کو یوں مراد کے کمرے میں چونک اٹھی۔

آڑھی مانگ سے نکلنے کھلے بال سینے پہ پھیلے تھے، شارٹ جامنی رنگ کی شرٹ اور ٹخنوں سے اوپر جینس ہاتھ میں نفیس سا کلچ تھا اور پیر گورے چٹے پینسل ہیل میں مقید! اور مغرور پر اعتماد انداز۔

"کون ہو تم اور اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" محمل تو مراد سے ملنے اسکے کمرے میں آئی تھی پر یوں جوان لڑکی کو پا کر دھچکا لگا تھا اور مزید دھچکا عائشے کے بولنے پہ لگا۔

"آپ کون ہیں جو ہمارے کمرے میں یوں گھسی چلی آئیں؟"عائشے سینے پہ ہاتھ باندھ کے تیئں چڑھاتی بولی محمل کا پارا ہائی ہوا وہ آگے بڑھی اسکا بازو دبوچا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ مراد کہاں ہے؟ مراد کون ہے یہ لڑکی!"وہ چیخی عائشے نے پوری طاقت لگا کے اپنا بازو چھڑایا محمل حیران نظروں سے اسے دیکھا جو قد میں اس سے چھوٹی تھی پرنٹڈ پھول دار قمیض شلوار زیب کیے شان سے اسکے سامنے کھڑی تھی۔

عائشے نے ایک نگاہ اس خوبصورت لڑکی پہ ڈالی جسکی خوبصورتی کے آگے عائشے کچھ نہیں تھی۔یک دم اسے کم تری کا احساس ہوا تھا۔نیمل اندر سے خاموشی توڑتی باہر نکلی۔

"بھابھی تیار ہو جائیں بھائی ورنہ غصہ کریں گے....ارے محمل تم کب آئیں؟"نیمل کے ہاتھ میں ایک لال رنگ کا جوڑا تھا جو اس نے صوفے پہ ڈالا تھا اور محمل کو دیکھ کر خوشی دکھلاتی اسکے گلے لگی۔وہ کمال اداکارہ بھی تھی! محمل تو اسکے بھابھی لفظ پر سن تھی۔

"نیمل کیا بول رہی ہو؟ کون ہے یہ؟"وہ غصے میں ابل پڑی۔

"یہ عائشے بھابھی مراد بھائی کی وائف۔" محمل کے سامنے نیمل کا کہنا تھا عائشے کی روح سرشار ہو گئی۔ وہ اب پر اعتماد تھی۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ خالہ..." وہ پیر پٹختی انگاروں پہ چلتی کمرے نکل کر زرپاش کو پکارنے لگی باہر لاؤنج میں اس نے سہی تماشہ لگا دیا تھا۔ زرپاش اسی وقت سے ڈر رہی تھیں کیسے وہ اپنی لاڈلی بھانجی کو سنبھالتیں انکے بیٹے نے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا۔

وہ صوفے پہ زرپاش کے ساتھ لگی رو رہی تھی، جس شخص سے بچپن سے محبت کرتی آئی تھی وہ اسکے ساتھ ایسا کرے گا سوچا بھی نہیں تھا اب دل تو ٹوٹا تھا۔ عائشے کو دیکھ کر اسکا خون کھولنے لگتا بس چلتا تو اسے مراد کی زندگی سے دھکے مار کے نکال دیتی اسکے وجود کو گولہ برساتی نظروں سے چھلنی چھلنی کر رہی تھی۔ عائشے نیمل کے ساتھ ہی کھڑی رہی۔

"تم نے میرے مراد کو اپنے جال میں پھنسایا ہو گا!" زرپاش سے ہٹ کر وہ بدحواسی کے عالم میں عائشے کی جانب لپکی عائشے اس حملے کے لیے بلکل تیار نہیں تھی۔ محمل نے مٹھی میں اسکے بال جکڑے تھے نیمل نے چھڑانے کی کرنے لگی زرپاش بھی اٹھ کے محمل کے پاس آئیں پر اتنے میں مردانہ آواز کانوں میں پڑی۔

"محمل سٹاپ اٹ! لیو مائے وائف!" مراد حکم عدلی سے کہتا پاس آیا اور غصے میں محمل کو دیکھ کر اس نے عائشے کے بال آزاد کروائے اور پھر ماں کو دیکھا جو خود محمل کے عمل پہ ساکت تھیں۔

"مام مجھے بلکل اس رویے کی امید نہیں تھی۔ میرے بیٹ پیچھے میری بیوی کے ساتھ یہ سلوک ہو گا۔" اس نے نرمی سے عائشے کو سنبھالا تھا اور نظروں میں نیمل کو عائشے کو کمرے میں لے جانے کا کہا۔ وہ غصے میں محمل کی طرف پلٹا۔

"مراد تم میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟ میں محبت کرتی ہوں تم سے، بچپن سے.. تم کیسے کسی ایری غیری کو بیوی بنا کر لے آئے۔ میں مر جاؤنگی تمھارے بغیر۔" روتے ہوئے وہ شکوہ کناں ہوئی مراد نے کنپٹی سہلائی۔

"میں تمھاری جذبات کی قدر کرتا ہوں پر میں نے کبھی تمھیں اس نظر سے نہیں دیکھا! آخری بار دہرا رہا ہوں محمل نا پہلے میری زندگی میں تھی نا آئیندہ ہو گی۔"

"مام سنبھالیں اپنی بھانجی کو آئیندہ اگر اس نے میری بیوی کو نقصان پہنچایا تو مجھ سے نرمی کی توقع ہر گز نہیں رکھیے گا!"

"خالہ...." اسکی دھتکار ملنے پہ وہ واپس زرپاش سے فریاد کرنے لگی۔ زرپاش بھی بے بس تھیں۔

مراد ان دونوں کو چھوڑ کے کمرے کی طرف ڈگ بھرتا چلا گیا۔

"محمل بچے صبر کرو،، مراد تمھارے نصیب کا پھول تھا ہی نہیں... اللہ نے اس سے بہتر کچھ سوچ رکھا ہو گا۔" پیار سے بہلا کر اسے گلے لگایا وہ روتی رہی عائشے کے لیے نفرت دل میں بھڑک رہی تھی۔

مراد کے کمرے میں آنے سے پہلے عائشے کو نیمل نے پانی پلایا تھا اور اسکی پیٹ سہلائی۔ وہ رو رہی تھی۔ سسرال میں یہ سب بھی دیکھنے کو ملتا ہے کیا؟ یہی سوچ مارے جا رہی تھی۔

مراد کے آنے پہ نیمل وہاں سے سر جھکاتی رفو چکر ہو گئی۔ اس نے غصے میں کمرے میں چکر کاٹے۔ آیا تو وہ فائل لینے کی غرض سے تھا اسے یاد آگیا تھا سائیڈ دراز میں ریڈ فائل کے نیچے بلو فائل رکھی تھی۔ پر گھر آیا تو منظر کچھ اور ہی بیان ہو رہا تھا۔ وہ مظلوم بنے سب برداشت کر رہی تھی!

"تم کو چاہیے تھا اپنے بال چھڑاتیں اور اسے رکھ کے ایک دیتیں!" لب بھینچے سرد پن سے وہ بولا عائشے سسکتی رہی۔ شوہر کا مشورہ سن کے حیرانی نہیں ہوئی تھی اگر انوش یا رومائزہ بھی ہوتیں تو وہ بھی یہی کہتیں۔

"برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا جاتا۔"

"ٹھیک ہے پھر اگلی بار اسکے ہاتھوں گنجی ہو جانا! یہ تم مظلوم بن رہی ہو بلاوجہ۔ سیلف ڈیفنس نام کی چیز سے واقف بھی ہو کہ نہیں؟ زبان تو بہت چلتی ہے تھوڑی عقل بھی چلا لیا کرو۔ پولیس والے کی بیوی اتنی بے وقوف نہیں ہو سکتی!" وہ پھر اسے بے وقوف ہی سمجھ رہا تھا۔

"جتنے لیکچرز دینے ہوں پلیز کل دیے گا ابھی میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" وہ پوروں سے سر دبانے لگی۔ مراد کو احساس ہوا تو خاموش ہو گیا پھر پین کلر نکال کے اسے دی جو چپ چاپ وہ کھا چکی تھی اور پھر کمبل کھینچ کر لیٹ گئی۔ محمل کا حملہ کرنا اسے بہت برا لگا تھا سوچ سوچ کر اسکی انکھیں نم ہوئے جاتیں۔ مراد کو کام سے باہر جانا تھا ارادہ ترک کر کے خود بھی لیٹ گیا۔

ساری رات وہ کروٹیں بدلتی رہی تھی اسکی بے چینی پر مراد بھی ڈھنگ سے سو نا سکا تھا۔ صبح آٹھ بجے مراد کی آنکھ کھلی عائشے کا ہاتھ اسکا بازو چھو رہا تھا اس نے گردن موڑ کے اس دیکھا۔ وہ مراد کی جانب کروٹ لیے سو رہی تھی۔

شکل سے بہت معصوم لگ رہی تھی پر اس زبان کا کیا جو منٹ منٹ پر چل پڑتی اور جہاں چلنا تھا وہاں چلی نہیں! اپنے حق میں وہ آواز اٹھا ہی نہیں پا رہی تھی اور مراد کو یہی بات بری لگی تھی اسکی بیوی کو مضبوط ہونا تھا۔

مراد نے اسکے چہرے پہ سے بال ہٹائے کچھ پل اس پہ جھکے دیکھتا رہا اسکی لونگ توجہ راغب کرنے کا ذریعہ بنی تھی پھر وقت کا احساس ہوا تو وہ فریش ہونے کے لیے اٹھ گیا۔

پچھلے دنوں کی نسبت آج دل بہت ہلکا پن محسوس کر رہا تھا۔ جیسے آزادی نصیب ہوئی ہو،، وہ دن گزارنا نہیں جینا چاہتی تھی!

فریش ہو کر واش روم سے باہر آئی ڈھیلا سا بالوں کا جوڑا بنایا اسکے بال زیادہ لمبے نہیں تھے۔ جمائی روک کر نظر کمرے پہ ڈالی۔ کمرہ پینٹنگ کے سامان سے بکھرا ہوا تھا کوئی دیکھ لیتا تو پورا پھوہڑ ہی سمجھتا۔

اس نے تمام تر چیزیں اپنی جگہوں پہ ترتیب سے رکھ دیں۔ ٹیبل پہ کچھ کاغذ پڑے تھے اٹھاتے ہوئے وہ زمین پہ بکھر گئے رومائزہ نے وہ اٹھا کے واپس ٹیبل پہ رکھ دیے آخری کاغذ اٹھایا تو نظر پچھلی طرف پڑی۔ رومائزہ نے بھنویں سکیڑ کے غور سے دیکھا۔ اسکی دھڑکنوں میں تیزی در آئی۔

پینسل سے خوبصورت سا نام لکھا تھا، پر ادھورا یا لکھنے والے نا اتنا لکھنا ہی پسند کیا تھا۔

"روم" در حقیقت وہ پینٹنگ شیٹ تھی چھوٹے سائز کی۔ جس پہ رومائزہ نے دو ہاتھوں کا مصافحہ کرنے کا نا مکمل نقشہ کھینچ رکھا تھا۔ اور اسکے پچھلے حصے پہ ایک کونے پہ 'روم' نام درج تھا۔

یہ وہی کاغذ یعنی شیٹس تھیں جو میران کے آنے پہ اس نے لاؤنج سے اٹھا کر کمرے میں رکھ دی تھیں۔

اسکا ذہن روم لفظ پہ ٹک گیا تھا۔ کوئی اس طرح بھی اسکے نام سے ایک لفظ اور نکال لے گا اسے خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اسے یہ اچھا لگا ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"روم" کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑائی پھر ذہن جھٹکا۔ناممکن!

وہ تمام شیٹس اٹھا کے اس نے کونے میں رکھ دیں۔اپنا حلیہ درست کیا اور کھڑکی کھول کے لان کا منظر دیکھ کر پر سکون ہوئی۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کمرا سرد کر گئے تھے۔رومائزہ نے ٹھنڈ سے بچنے کے لیے شال اوڑھ لی تھی۔

آسمان کو تکتے وہ گنگنانا شروع ہوئی۔

A broken heart is all that's left

I'm still fixing all the cracks

Lost a couple of pieces when

I carried it, carried it, carried it home

I'm afraid of all I am

My mind feels like a foreign land

Silence ringing inside my head

Please, carry me, carry me, carry me home

I’ve spent all of the love I saved

We were always a losing game

Small town girl in a big arcade

I got addicted to a losing game

All I know, all I know

Loving you is a losing game….

اسکے کمرے کا دروازہ کھلا تھا آواز باہر تک جا رہی تھی۔ میران اپنے کمرے سے نکلا تھا کانوں میں خوبصورت آواز پہنچی نظریں رومائزہ کے کمرے کی طرف اٹھی تھیں وہ قدم لیتا آگے بڑھا۔

رومائزہ کھڑے ہو کے کھڑکی میں واپس پردہ ڈال رہی تھی۔ لبوں کی حرکت مسلسل جاری تھی۔

جیب میں ہاتھ ڈالے وہ دروازے سے کچھ دور دیکھتا رہا۔ وہ انگلش گانا تھا اور حیرت کی بات تھی وہ اسنے پورے سر میں گایا تھا۔ ہاں وہ تھوڑا کھڑا بولتی تھی لہجہ ہی ایسا تھا میران کو اچھا لگتا تھا۔ یونہی تو وہ سب سے منفرد تھوڑی تھی!

گانا ختم ہوا تو پلٹی میران کو مسکراہٹ روک کر کھڑا دیکھ آنکھیں آسمان کو جا لگیں۔

"اچھا گاتی ہو..." وہ خود ہی دروازے تک چلی آئی تھی میران دو قدم لیتے بولا اس نے لب ملائے۔

"بچپن سے ہی ملٹی ٹیلنٹڈ ہوں۔" ناز سے بتاتے ہوئے وہ چھینکی تو میران دل کھول کے ہنسا رومانے گھور کے اسے دیکھا پھر ڈریسنگ سے ماسک اٹھا کے منہ کو چڑھا لیا۔ دھول بھی آج کل بہت اڑ رہی تھی اتنی دیر وہ کھڑکی میں منہ لٹکائے بیٹھی تھی اور اب چھینکیں شروع!

ماسک دیکھ میران نے شہادت کی انگلی سے ماتھا کھجایا۔

"یہی! اصل قصور وار یہ ہے۔"

"رہنے دو بس تم! تمھارے آدمیوں نے اپنی ہی کرنی تھی۔ کڈنیپر کہیں کے۔"

"اور یہ کڈنیپر بولنا کب بند کرو گی؟" اس نے سینے پہ ہاتھ باندھ لیے اور فرصت سے رومائزہ کو دیکھا وہ جتاتی ہوئی مسکرائی۔

"مرنے کے بعد!"

"شٹ اپ!"

"یو شٹ اپ! میرے ڈائیلاگز کاپی مت کرو۔" اسکے غصے کی پرواکیے بغیر دوبدو بولی۔ میران کا چہرہ اسکے مرنے کی بات پہ سرخ ہو گیا تھا۔

"آئیندہ ایسی بکواس مت کرنا!" وہ وارن کرتا بولا رومانے پلکیں جھپکائیں۔

"ورنہ کیا کرلو گے؟ میں تو تم سے ڈرتی ہی نہیں ہوں۔" مصنوعی معصومیت سے اس نے کہا۔

"پر قید سے گھبراتی تو ہو۔" وہ قریب ہوا اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔

"خبردار تم نے وعدہ خلافی کی میں منہ توڑ دونگی۔" وہ ہاتھ ہوا میں بلند کر کے مکہ بناتی بولی اسکی جرت پہ میران نے داد دی اسے تو سارے حق حاصل تھے۔

"بہت خوب کوشش کر کے دیکھ لو۔" میران کی چوٹیں دیکھ کر اسے رحم آیا۔ وہ پہلے ہی اسکے آگے چاروں شانے چت تھا مزید وہ کیا محنت کرتی۔

"معاف کیا.. کیایاد کروگے کس سنخی رومائزہ شنواری سے پالا پڑا ہے!" آنکھوں کے ڈیلے گھمائے اس نے کہا۔

"سنخی؟ محترمہ شاید آپ پتھر دل کہنا چاہ رہی ہونگی زبان نے ساتھ نہیں دیا۔"

"فضول مت بولا کرو میں جان لے لونگی تمھاری۔" اسکی بات پہ جواباً سیخ پا ہوئی۔

"اپنے ہاتھوں سے لینا۔" وہ عادت کے خلاف اتنا بول رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہوتے تو میں تم کو اپنی طاقت دکھاتی تمھارے جیسے چار کو میں یوں ہارادوں۔" تمسخر سے رومائزہ نے چٹکی بجائی اشارہ مارشل آرٹس کی جانب تھا۔

"دماغ کو سخت علاج کی ضرورت ہے پہلے ایک دودھ کے پتیلے کو سنبھال لو پھر بات کرینگے۔" اسکے جلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر ایک ہی جملے میں وہ اسے لاجواب کر گیا رومائزہ کا جی کلس گیا۔ طنز نا مارے وہ ایسا کیسے ہو سکتا تھا، دونوں ہی اس معاملے میں ایک جیسے تھے۔

آہہ،، کڈنیپر بس تم دیکھنا میری طاقت!" وہ چلینجنگ انداز میں بولی میران کا دماغ ٹھٹکا۔

"کچھ الٹا سیدھا مت کرنا ورنہ ذمہ دار تم خود ہوگی!" لہجے میں کرختگی عود آئی۔

"جارہا ہوں ان شاء اللہ جلد ملاقات ہوگی۔" کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ کچھ لمحوں کے اندر ہی اندر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اسکی وارننگ کو کسی خاطر میں نالاتے ہوئے وہ لاؤنج کی جانب چل پڑی۔اب جو سوچ چکی تھی اسے کر کے ہی دم لینا تھا!

پھر بتاتی رومائزہ شنواری کس بلا کا نام ہے۔

رومائزہ حلیمہ بی کی تلاش میں کچن تک چلی آئی۔وہ ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں اسے کچن میں آتا دیکھا تو گھور کے باہر رہنے کو کہا۔کاؤنٹر کے دوسری پار رکھی چئیر اس نے کھینچی اور منہ بسور کے بیٹھ گئی۔

"چھوٹے سائیں کو دیکھ آؤں کہ اٹھے یا نہیں۔"تولیے سے انھوں نے ہاتھ خشک کیے۔رومائزہ کاؤنٹر پہ بائیں ہاتھ کی موری کو گھما کے خود سے کچھ بجانے کی کوشش کر رہی تھی۔اور پٹی والا ہاتھ اس نے کلائی کی طرف سے تھوڑی کے نیچے ٹکایا ہوا تھا۔

"مت جائیں وہ چلا گیا ہے۔"اس نے جیسے بے زاری سے کہا حلیمہ بی نے حیرت سے اسکی بجھی سرخ شکل دیکھی۔

"بغیر ناشتے کے ہی چلے گئے تھوڑی دیر ٹھہر ہی جاتے۔"

"جانے والے کو حلیمہ بی کون روک سکتا ہے۔"اس کے دھیان کاؤنٹر بجانے میں لگا تھا۔

"لڑکی..."انھوں نے جما کر کہا تو رومائزہ کو اپنے کہے جملے کا احساس ہوا۔ہاں تو کچھ غلط کہہ دیا تھا کیا!

"آپ بلاوجہ اسکے ناشتے کی فکر رہی ہیں۔ کھالے گا کچھ بھوکا تھوڑی رہے گا،، کسی ڈھابے ہر بھی بیٹھ جائیگا ناتو لوگ اسکی مہمان نوازی میں دستر خوان سجادیں گے۔"بال پیچھے اڑستے اس نے بے نیازی سے کہا اور اسکی نقل اتارتے ہوئے ناک رگڑی۔

"لگتا ہے صبح ہی دونوں کی تکرار ہو گئی ہے۔"انھوں نے خدشہ ظاہر کیا وہ لب بھینچ کے رسمی مسکرائی۔ پلکوں کا جھالر بچھا دیا۔

"تکرار میں تھوڑی سی گفتگو ہوئی ہے۔"جملہ درستگی سے کہا۔

"اتنی تکرار کیوں کرتی ہو تھکتی نہیں ہو کیا؟"انھوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس وقت میری حالت ایسی ہے کوئی گونگا بھی میرے سامنے آ کے بیٹھ جائے تو اسکا بھی بولنا شروع کروا دوں.."وہ ہنستے ہوئے قبول کر گئی تھی۔

"بہت مزے کی باتیں کرتی ہو تمھارے گھر میں رونق لگی رہتی ہو گی۔"حلیمہ نے انڈا جو پیالی میں پھینٹ رکھا تھا اب اسکے مکسچر کو گرم نان اسٹک پین میں الٹا۔ کام کے دوران وہ رومائزہ کو وقفے وقفے سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔ اور اب میں نے سوچ لیا ہے خوش رہو نگی۔ وہ سنا ہے نا آپ نے ہنس ہنس کے اگلے کو جلا کے راکھ کر دو۔ "اپنی طرف سے اس نے بہت سمجھداری کا مظاہرہ کیا تھا اور چیتی کی طرح اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا۔ حلیمہ بی مسکراتے ہوئے سر ہلاتی رہیں۔ جیسے وہ محظوظ ہو رہی ہوں۔

"کچھ دن بعد میرا برتھ ڈے آرہا ہے۔۔۔ "اس نے جیسے پر جوشی سے بتایا حلیمہ بی نے انڈا دوسری طرف پلٹا اور اسے دیکھا۔

"کیسے سلیبریٹ کرو گی؟ کوئی خاص ارادہ؟"

"ہاں سوچ لیا ہے۔۔۔ "اتنا ہی کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور کچھ سوچنے لگی ہونٹوں کے نزدیک عجیب سی مسکراہٹ نے جگہ بنانے کی کوشش کی۔

ناشتہ جیسے ہی تیار ہوا حلیمہ بی نے رومائزہ کے اصرار پہ کاؤنٹر پہ رکھ دیا تھا اور خود بھی دوسری کرسی کھینچ کر ناشتہ کرنے لگیں۔

اگلا دن اتوار کا تھا نیمل کی بھی آفس سے چھٹی ملی تھی البتہ مراد ڈیوٹی پر ہی تھا۔ ہاں نیمل کو بزنس اکاونٹنٹ کے طور پہ ہائر کر لیا گیا تھا جاتے ہوئے تین دن ہوئے تھے اور آج ویک اینڈ کا آف تھا۔

مخمل والی بات عائشے نے اپنے گھر میں سب سے چھپا رکھی تھی پہلے کونسا وہ کچھ بتاتی تھی پر یہ بات تو اس نے انوش تک کو بھی نہیں بتائی تھی۔ وہ اسے پریشان کرنا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔

اب بھی وہ انوش سے کال پہ بات کرنے میں محو تھی۔

"اور وہ تمھاری چیکو نند کہاں ہے؟" دوسری پار انوش نے آنکھیں مٹکاتے ناخن چبا کر پوچھا۔

"تمیز سے بات کرو۔ صرف ایک وہی ہے یہاں جو مجھے سمجھتی ہے، مجھے تو یقین نہیں آتا وہ اسی گھر کی فرد ہے۔ اتنی نرم دل،، سمجھدار اور خوش اخلاق..." اس سے پہلے عائشے کی ٹرین چھوٹتی انوش نے جل کر بات کاٹی۔

"عائش زیادہ تعریفیں مت کرو! میں دیکھ رہی ہوں نند کے ملنے پہ تم اپنی بہن جیسی دوست کو بھول رہی ہو۔"

"کیا ہو گیا یار تمھاری اور روما کی جگہ بھلا کوئی لے سکتا ہے... پر ایک بات ضرور بولونگی وہ ہمارے جیسی ہی ہے، مجھے تو تمھاری بچھڑی ہوئی بہن لگتی ہے جو نند کے روپ میں مجھے مل گئی۔"

"ہنہہ... میکے میں بہن اور سسرال میں نند۔" بڑبڑائی۔

"میں گھر آ رہی ہوں تم کو ملنے آنا ہے تو آجاؤ۔" اس نے جس مقصد کے لیے فون کھڑکایا تھا اس سے آگاہ کر دیا۔

"ہاں اسائمنٹ بنا کے دماغ خراب ہو گیا ہے،، آتی ہوں میں۔" اور پھر پانچ منٹ مزید دونوں نے بات کی اور کال منقطع.....

"کہیں جا رہی ہیں؟" نیمل کمرے میں آئی اسے تیار ہوتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

"ہاں گھر جا رہی ہوں انھوں نے کہا تھا ڈرائیور کے ساتھ چلی جانا۔" وہ اکثر مراد کا نام لینے میں جھجھک جاتی تھی۔

"اوہ۔ کیا میں بھی چل سکتی ہوں؟ آپکی مام سے بھی مل لونگی۔" انعم کے لیے امی کی جگہ مام سن کر عائشے کو ہنسی آئی۔

"کیوں نہیں میری امی سب کا پوچھتی ہیں،، تم سے مل کر بہت خوش ہونگی۔" نیمل نے خوشی سے سر ہلایا اور خود بھی تیار ہونے کے لیے کمرے میں بھاگ گئی۔

مراد کے ذمے ایک نیا کیس لگ گیا تھا۔ وہ اسکی انوسٹیگیشن میں مصروف تھا۔ دوپہر تک ساری معلومات جما کر کے واپس پولیس اسٹیشن آگیا۔ اپنے روم میں ہی تھا خورشید دروازہ کھٹکا کے سلوٹ مارتا اندر آیا۔

دونوں کے درمیان کیس کے متعلق گفتگو جاری تھی۔ وہ ختم ہوئی تو ایک جوان پٹھان چائے کے دو کپ میز پہ رکھ کے چلا گیا۔

"سر ان کلرز کا کیا ہو گا؟"

"وہ اندر ہی رہیں گے،، نا انکو زولفقار جاہ نے باہر نکلنے دینا ہے نا ہی اجمل خان باہر نکالیں گے۔"چائے کا گھونٹ بھرتے اس نے آرام سے کہا۔

"زولفقار جاہ کے خلاف بھی کارروائی کرنی ہے.."خورشید نے اسے دیکھتے یاد دلایا۔

"مجھے اچھے سے یاد ہے..جب تک سکون کے دن لکھیں ہیں وہ پورے ہی کاٹیں گے۔یہ کیس سولو ہو جائے پھر ہم اپنا کام شروع کر دینگے۔اور اس بار کوئی کوتاہی برداشت نہیں ہو گی۔"کرختگی سے مراد نے باور کر دیا خورشید نے سر ہلایا۔

"کچھ سوچا ہے آپ نے؟"

"ہاں...انکے خلاف ثبوت اب میران جاہ دے گا۔بہت غرور ہے بڑے جاہ کو اپنے بیٹے پہ وہی توڑیں گے۔"اسکا ارادہ غلط تھوڑی تھا،خورشید ساری بات سمجھ گیا تھا۔

"پر اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہم ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھے رہیں گے۔اصل کام ہمارا ہے وہ ایسے ہی ہمارا مدد نہیں کرے گا۔اور اٹھو فوراً چیف نے بلایا تھا۔"گرم چائے خود نے تو پی لی اور کپ میز پہ رکھ کر سر پہ کالا کیپ جما کے ہشاش بشاش کھڑا ہو گیا۔

خورشید نے جلدی جلدی گھونٹ بھرے چائے کے گرم ہونے سے اسکی زبان بھی جل گئی تھی پر سردی کے موسم میں چائے چھوڑنا گوارا بھی نہیں تھا۔

مراد نے اسے گھورا تو کپ رکھ کے ہاتھ کی پشت سے لب صاف کر کے کھڑا ہو گیا مراد اسکی حرکت پہ سر جھٹک کے باہر نکل گیا۔ کام کے دوران مراد میر سے کسی قسم کی نرمی کی توقع رکھنا ہی غلط تھا۔

اور کبھی مراد خورشید کو کسی جلاد سے کم لگتا تھا بھی نہیں...

وہ دونوں ایک گھنٹے تک گھر پہنچ گئیں۔ انعم نے خوش اسلوبی سے نیمل کا استقبال کیا تھا۔ وہ بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ دونوں نے ہنستے مسکراتے کچھ دیر گفتگو بھی کی اور پھر انوش آ گئی۔

اوّل تو انوش کو اندازہ نہیں تھا وہ لڑکی نیمل ہے، وہ حسبِ عادت بہت اچھے سے ملی۔

"بھابھی یہ؟" نیمل نے سوالیہ نظروں سے عائشے کو دیکھا۔ اور انوش نے بھی۔

"دوست ہوں میں عائش کی۔ بہن ہی سمجھ لو۔" نیمل کی طرف ہاتھ بڑھاتی وہ مسکرا کر بولی۔ عائشے نے نفی میں سر ہلایا۔

انعم ان تینوں کو باتیں کرتا چھوڑ کچن میں چلی آئیں۔

پیچھے انوش کے نیمل سے سوالات شروع ہو گئے تھے۔ اور نیمل کے انوش سے۔

"یعنی آپ تین دوسروں کا بیک بینچر گروپ ہے۔ قابلِ تعریف ہے آپکی دوستی۔" وہ متاثر ہوئی تھی۔

"ہاں بلکل۔ ماشاءاللہ بولو!" انوش نے پلکیں جھپکا کر کہا نیمل مسکرا دی۔

"میں آپ لوگوں کی دوست بن سکتی ہوں کیا؟"

"سوری سوری.... نا اس گروپ میں کوئی آسکتا ہے نا جا سکتا ہے۔ ہماری ویسے ہی دوستی ہو سکتی ہے جیسے یونی کے دوسرے فیلوز سے ہے۔" عائشے بس انوش کا اترانا برداشت کر رہی تھی... کسی ملکہ کی طرح وہ صوفے پہ پسر کے بیٹھی تھی اور انداز وللہ کیا شاہانہ تھا۔

"انوش بس کرو تم نے سوالوں کی بارش کر دی ہے، ایک کام کرتے ہیں ساتھ کوئی مووی دیکھ لیتے ہیں۔" عائشے نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ویسے آج سنڈے ہے اور میرے پاس انجوائے کرنے کا ایک بہترین اوپشن ہے۔" نیمل نے ٹی وی آن کرتی عائشے کو دیکھے کہا۔

"ہاں بتاؤ۔" انوش صوفے پہ ٹانگیں چڑھا کے بیٹھی۔

"کیوں نا شاپنگ پہ چلیں بہت مزا آئیگا۔" اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"اس میں کیا مزا آئیگا؟ مجھے ابھی کچھ نہیں خریدنا اور میں ساری پاکٹ منی کھانے پینے اور ناولز پہ اڑا چکی ہوں۔ ممی سے لونگی تو غصہ کرینگی۔" انوش نے برا سامنہ بنایا عائشے چینل بدلنے لگی۔

"اونہہ،، ہم مال میں ونڈو شاپنگ کرنے جائیں گے۔ گھوم پھر کے واپس گھر۔ بھابھی بتائیں آئیڈیا اچھا ہے نا۔" نیمل نے عائشے پہ ملبہ ڈالا وہ شانے اچکاتے بولی۔

"میں کیا بتاؤں۔ کہیں تمھارے بھائی غصہ نا کریں۔" اس نے خدشہ ظاہر کر دیا نیمل نے بات ہوا میں اڑائی۔

"کچھ نہیں کہیں گے۔ ڈرائیور ہمارے ساتھ ہے کوئی مسئلہ نہیں بس ایک بار آپ خود انکو انفارم کر دیں۔" وہ فیصلہ سناتی کھڑی ہوگئی۔ بے زار انوش بھی تھی فوراً دوپٹہ درست کر کے کھڑی ہوئی۔ عائشے نے دونوں کو دیکھا جو چلنے کے لیے تیار تھیں۔

"اچھا میں ان سے پوچھ لیتی ہوں..." منمناتی ہوئی عائشے کمرے میں چلی گئی۔

"بھابھی کو بولو ان ان نا بولیں نام لیا کریں مراد۔" نیمل نے شال اٹھا کے شانوں پہ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"شادی کے بعد تمھاری بھابھی پگلا گئی ہے خود ہی سمجھا دینا۔ ویسے ایک بتاؤ تم سنگل ہو؟" انوش کی شاکی نظروں پہ نیمل ہنس دی۔ اسکے روپ کو دیکھ کر انوش پوچھے بنا رہ نا سکی تھی۔

"دو بچے ہیں جیب میں چھپا کے رکھتی ہوں... حد ہو گئی کہاں ہم بوائے فرینڈز رکھیں گے۔ سچی بتاؤں تو مجھے یہ سب پسند نہیں۔ مجھے پتا ہے تم نے یہ سوال کیوں کیا پر میرا ایسا سوچنا نہیں۔ روز دل لگاؤ دل توڑو دیو داس بن جاؤ،، بلاوجہ حسین سی زندگی برباد کر دو۔ سب بھول بھال کونے میں بیٹھ کے من جھوم جھوم تن جھوم جھوم کرو۔" اس نے چٹخارے لیتے سب سے پہلے آپ والا تکلف ختم کیا اور ساری بھڑاس نکالی۔

انوش نے اسکو دیکھا یہ اسکی جیسی باتیں کیوں کر رہی تھی!! اسے غصہ آیا تھا۔ انوش گلزار کیوں کہ صرف ایک ہی تھی اور ہونی بھی ایک ہی چاہیے تھی۔

"اور تمھارا کوئی سین؟"

"کوئی سین شین نہیں۔ کبھی محبت ہوئی تو ڈنکے کی چوٹ پہ کرونگی اور اسی سے شادی بھی کرونگی۔" انداز میں بے نیازی گویا غرور سب کچھ تھا۔

نیمل مسکرائی۔

"انشاءاللہ..."

"تم ناولز پڑھتی ہو؟"

"نہیں مجھے شوق نہیں ہے۔ میرے گھر میں لائبریری ہے مام ڈیڈ اور بھائی نے کتابوں کا ڈھیر لگایا ہوا ان میں سے ایک آج تک کھول کے دیکھی نہیں ناولز کیا پڑھونگی۔ ٹائم ویسٹ کرنا ہے تو اور بھی طریقے ہیں۔" گردن پہ پھیلی شال کے نیچے سے نیمل نے کالے ریشمی بال نکالے انوش کو لفظوں سے تذلیل سی محسوس ہوئی جب کہ نیمل کا ایسا ارادہ نہیں تھا وہ بس تیزی میں بول گئی تھی انوش نے چہرہ پھیر کے ناک چڑھائی تھی۔

وہ ناولز نہیں پڑھتی تھی تو انوش جیسی ہو بھی نہیں سکتی عائشے کچھ بھی بولتی ہے... انوش نے سوچا۔

"کیا تم بتا سکتی ہو استنبول کو کس کا شہر کہا جاتا ہے؟" انوش دوپٹہ گلے میں ڈالے واپس اسکی طرف مڑی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"کس کا؟" نیمل سوچنے لگی۔

"بگلوں کا شہر! تم نے جنت کے پتے نہیں پڑھا اس لیے نہیں معلوم۔ ویسے تو یہ جنرل نالج ہے تم کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔ پر خیر جب مجھے ہی ناول پڑھ کے پتا چلا تو تم تو پھر...." مسکراہٹ کے ساتھ ابرو اچکاتے اس نے نیمل کی بات کا پورا پورا حساب برابر کر لیا تھا۔

"سمجھ رہی ہوں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو... ڈیڈ کہتے ہیں کتابیں استاد ہوتی ہیں ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہوں وہ جو ہم نے اپنی کورس کی کتابوں میں کبھی نہیں پڑھا ہوتا۔"

"اور ایسے ہی اچھے ناولز!" انوش نے اضافہ کرتے کہا نیمل نے سر ہلا دیا۔ اپنی اپنی رائے تھی لڑنا کس بات کا۔ ایک کو پسند تھے ایک کو نہیں!

عائشے کمرے میں آئی ٹہلتے ہوئے سوچنے لگی مراد کو کیا بولے پھر خیالات جھٹکے اور کال ملا دی۔ فون کان سے لگا تھا بلاوجہ وہ گھبرا رہی تھی۔

"سنیں.." کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولی۔

"ہنہہ بولو..." وہ جیپ میں سوار تھا باہر سڑک پہ نظر جمائے کہا۔ عائشے نے گہری سانس لی اور سب بتا دیا۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ، کچھ بھی خریدنا ہو تو نیمل کا کریڈٹ کارڈ یوز کر لینا تمھارا ابھی میں بنوا دونگا۔ اور ڈرائیور کے ساتھ ہی جانا!" مراد نے سانس لیتے ہوئے کہا عائشے نے سر ہلایا۔

"تھینک یو..." اس نے کہہ کر کال کاٹ دی تھی اور کمرے سے خوش ہوتی باہر نکل گئی۔ مراد مسکراہٹ روک کر سانس بھرتا رہ گیا۔

رومائزہ کمرے میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے ٹہلے جارہی تھی۔ گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات آٹھ بجے تھے۔ اسکا دل تیزی سے دھڑکا۔ کیا اس نے ٹھیک فیصلہ کیا تھا؟ اپنے فیصلے پر ایک بار پھر نظرِ ثانی کیا۔ دل و دماغ دونوں لبیک کہہ اٹھے۔

سرد ہوا میں گرم سانس سپرد کی چہرے پہ ماسک لگایا اور کمرے سے باہر نکلی۔

وہ حلیمہ بی کے کمرے کے دروازے پہ کھڑی تھی۔ آہستہ سے دروازہ دھکیلتے اندر قدم رکھا۔

یہ کمرہ نسبتاً دوسرے کمروں سے چھوٹا تھا سارا فرنیچر لکڑی کا تھا پر خوبصورت!

کمبل اوڑھے ایک وجود بستر پہ سو رہا تھا۔ رومائزہ قدم اٹھاتی مسہری کے سرہانے تک پہنچی۔ وہ دروازے کی جانب کروٹ لیے سو رہی تھیں کمبل گردن تک تھا۔

کئی پل خاموشی کے نام ہوئے اور پھر رومائزہ کی سسکی نکلی جسے فوراً اس نے دبا دیا۔ آہستہ سے پنجوں کے بل بیٹھی حلیمہ بی کا چہرہ دیکھا۔ گول سفید چہرہ چاندنی بال،،

چہرے پہ نرمی۔

وہ نیند کی کچی تھیں اور اتنے دن انکے ساتھ رہ کر رومائزہ کو علم ہو چکا تھا۔ ہلکی سی سوئے وجود میں حرکت ہوئی انھوں نے دائیاں بازو کمبل سے باہر نکال لیا۔

روما نے چہرے سے ماسک پیچھے کیا۔ انکے جھریوں بھرے ہاتھ پہ اپنا مخملی ہاتھ رکھ دیا اور انھیں محسوس کرنے لگی۔ ہاتھ ہٹا کے اس نے انکے ہاتھ پہ بوسا دیا اور ہلکے ہاتھ سے سر کے بالوں کو چہرے سے پیچھے کرتی کھڑی ہوئی۔

"مجھے معاف کر دیے گا حلیمہ بی،، جانے انجانے میں کئی بار آپکا دل بھی دکھایا ہے اور شاید آج بھی یہی کرنے جا رہی ہوں۔ آپ میری زندگی کے سب سے برے وقت کی بہترین ساتھی ہیں۔ ہمیشہ میرے دل میں آپکی یادیں رہیں گی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا بی.... بس اتنا ہی ساتھ تھا ہمارا۔ میں جا رہی ہوں بہت دور.. اور اپنے چھوٹے سائیں کو سنبھال لیے گا۔ میرے پیچھے وہ نا آئے اب کبھی بھی..." وہ کھوئی کھوئی سی دل میں مخاطب تھی۔ بائیں ہتھیلی میں تہہ شدہ کاغذ اس نے بھاری دل کے ساتھ انکی سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔ اور بنا آواز کیے کمرے سے نکل گئی۔ جانے سے پہلے ایک خط اور اپنا لمس حلیمہ بی کے ہاتھ پہ چھوڑ دیا تھا۔ ڈھیر ساری اچھی یادیں،، باتیں...

اپنے کمرے میں واپس آ کے اس نے شال شانوں پہ ڈال کے سر پہ اوڑھی۔ ایک نظر ان تمام پینٹنگز پہ ڈالی جو ان کچھ دنوں میں وہ بنا چکی تھی۔ پرندے،، باغات،، جھولے پہ بیٹھی لڑکی،، خون سے لیس ہاتھ میں رکھا دل!

اور وہ مصافحہ والا ہاتھ۔ اس نے مطلوبہ شیٹ نکالی۔ اسکو پلٹا۔۔ دیکھا تھا۔ ایک بار نہیں دو بار نہیں کئی بار جب تک نظریں نا بھریں۔

اس نے پوروں سے لفظ چھوا۔ وہ لفظ 'روم' جس خوبصورتی سے لکھا تھا اسے بہت پسند آیا تھا۔ پر جس نے لکھا تھا اسکے بارے میں رائے شاید مختلف تھی۔

ایک بھرپور نگاہ اس نے کمرے پہ ڈالی اور دل پتھر کیے باہر نکل گئی۔

اسلام آباد سے کام نپٹا کے میران فوراً ہی لاہور واپس آ گیا تھا۔ زخم بھی کافی حد تک ٹھیک ہو چکے تھے وہ با آسانی سفر کر رہا تھا۔

فل وقت میران اور دائم کی بزنس کے سلسلے میں دوسرے بزنس مینز سے ہوٹل میں ملاقات تھی۔ کوئی بزنس ڈیل کے لیے نہیں کاروبار کے اوپر چرچہ اور اچھا ٹائم ساتھ گزارنے کے لیے سب کی سہولت کے حساب سے یہ دن طے ہوا تھا۔ اور اس میں تمام جوان کاروباری لوگ شامل تھے۔

دائم کے مطابق بحیثیت میران چیف گیسٹ کے طور پہ مدعو تھا۔ اور جس پہ میران کا چہرہ ہنسی میں تبدیل ہوا تھا۔

لاہور کے مہنگے ترین ہوٹل میں دوپہر کا کھانا ان سب نے ساتھ ہی کھایا سب کے درمیان مختلف اشوز پہ بات چیت ہوئی۔ ان میں سے کئی کو میران بخوبی جانتا تھا اور پچھلے وقتوں میں ان سے اچھی طرح مکالمہ بازی بھی ہوئی۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں فارغ ہو گئے تو گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ دائم کا گولف کھیلنے کا پلان تھا تو دونوں جاہ بنگلا ہی روانہ ہوئے۔

نیمل کے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد انوش اور عائشے ساتھ بیٹھیں۔

"تمھاری نند مجھ سے بہت مختلف ہے خبر دار آئندہ اسکے ساتھ مجھے ملایا۔" بیٹھنے سے پہلے انوش نے عائشے کا بازو کھینچ کے کان کے قریب سرگوشی کر دی۔ تف ہے.. وہ بات کو لے کر بہت ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ عائشے نے چکراتے سر کو تھامے اس دیکھا اور سر نفی میں ہلاتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

نیمل ان دونوں کو گلبرگ لے آئی۔ یہ مال تھا یا محل؟ عائشے کو بڑا تعجب ہوا۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ اس نے کبھی مال نا دیکھا ہو پر یہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اندر ہر چیز چمچماتی ہوئی تھی۔ لینا تو تینوں کو کچھ تھا نہیں بس اچھا وقت گزارنا تھا۔ عائشے کو بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ اتنے مہنگے کپڑے تھے وہ مڈل کلاس لڑکی صرف خریدنے کے لیے سوچ سکتی تھی۔ جب کہ انوش اور نیمل ساتھ مل کر سارے بوتیکس کھنگال چکی تھیں اور دونوں کو بے حد مزا آیا تھا۔ اسی دوران دونوں میں کافی بات چیت ہوئی اور تھوڑی بہت جو جھجھک تھی وہ ہوا میں غائب۔

عائشے کو فوڈولا میں چھوڑ چھاڑ وہ دونوں مزے سے گھوم رہی تھیں۔

وہ سموتھی اسٹرا سے لگا کر پی رہی تھی دونوں ہاتھوں میں چند بیگس لیے دور سے آتی نظر آئیں۔ اگلے کچھ سیکنڈ میں وہ دونوں اسکے سامنے ٹیبل کی کرسی پہ آرام سے براجمان کھانے کے لیے سینڈوچ منگوا چکی تھیں۔

"انتہائی بد تمیز ہو تم دونوں۔۔ شاپنگ کرنی تھی تو مجھے یہاں ہی چھوڑ دیا اور باقی پورا مال بلاوجہ گھمایا۔" عائشے نے خفت سے کہا تو دونوں ہنس دیں۔

"مجھے کچھ کپڑے پسند آ گئے تو لے لیے۔ بے فکر رہیں آپکے لیے بھی ایک ساڑھی لی ہے۔" نیمل نے مزے سے بتایا عائشے کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"ساڑھی؟ کس خوشی میں لی ہے۔ میں نہیں پہنتی یہ۔" نیمل نے بیگ ٹیبل پہ رکھا اور اس میں سے سرخ رنگ کی ساڑھی باہر نکالی۔

"یہ اتنی پسند آئی کہ چھوڑنے کا دل نہیں کیا۔ میری شادی نہیں ہوئی ایسے پہنونگی تو مام غصہ کریں گی وہ ویسے بھی مجھے خریدنے نہیں دیتیں پر آپکے نام سے لونگی تو کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ اب یہ آپکی ہے مرضی ہو تو پہن لیے گا کبھی۔ ورنہ ایک بار میں تو اسے ضرور ٹرائے کرونگی۔" اس نے ساڑھی پہ ہاتھ پھیرتے کہا وہ سلک کی سادھی سی ساڑھی تھی۔ جسکے پلو پہ نگینوں کا نفیس کام بنا تھا۔

عائشے سر ہلاتی رہ گئی۔

"یار تم فالتو چیزیں اسے دکھارہی ہو کام کی چیز دکھاؤنا۔"

"نہیں نہیں۔ بھائی جان غصہ کریں گے..."

"ارے تم بڑی ڈرپوک نکلی۔" انوش نے اسے ورغلایا عائشے کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"ڈرنے کی کیا بات... لیکن میں بھائی کو دونگی وہ بھابھی کو خود اپنے ہاتھ سے دینگے تو زیادہ بہتر رہے گا۔" نیمل کے کہنے کی دیر تھی عائشے کا تجسس ساتویں آسمان کو جالگا۔

"اب تو تم کو دکھانا پڑے گا کیا لیا ہے۔ ان کو پتا تھوڑی لگے گا میں نے پہلے سی دیکھ لیا۔" عائشے واضح طور پہ بولی۔

"نہیں بھئی..."

"چچچ.... تم مجھے اسکے ساتھ ملا رہی تھیں۔ تمھارے لیے میں کیا کچھ کر دیتی ہوں اور ایک یہ ڈبہ کھول کر نہیں دکھا سکتی۔" انوش گلزار کی زبان کبھی رک جائے ایسا ہوا ہے؟ نیمل نے دانت پیسے دل تو کیا تھا بال نوچ لے اسکے۔ ڈبے کا سن کر عائشے کو مزید تشویش ہوئی۔ کیا تھا ڈبے میں؟

"یہ لیں دیکھیں..." اپنے بینڈ بیگ سے ایک ٹرانسپیرنٹ شیشی نما باکس نکال کے عائشے کے سامنے کیا۔ عائشے نے اسے ہاتھ میں لیا۔

"کھول کے دیکھو۔" انوش بولی۔ "ہمم.." گنگ سی حالت میں عائشے نے جواباً کہا۔

باکس جتنا چمک رہا تھا اسکے اندر رکھی چیز کی چمک اور زیادہ تھی۔ عائشے نے آہستہ سے کھولا تو اندر نازک سے ایک نگینے پہ مشتمل انگھوٹی چمک رہی تھی۔ اس نے فام میں سے اسے نکال کے ہاتھ کے پوروں سے اٹھائی اور ان دونوں کو دیکھا۔

اسے اس بات سے سروکار نہیں تھا کہ ہیرا اصلی ہے کہ آرٹیفشل... وہ یہ سوچ رہی تھی اسکے لیے کیوں لی گئی؟ بے شک وہ انگھوٹی بہت خوبصورت تھی عائشے کی نظر پہلی اس پہ سے ہٹی نہیں تھی۔

"کیوں لی یہ؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تو وہ دونوں سر کے بل ٹیل پہ دھڑام جھکیں۔ دونوں کے شانوں پہ گرے بال منہ کو آئے۔ دن میں چڑیلوں سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔

انوش نے چہرہ اٹھایا کہنی ٹیبل پہ جما کے تھوڑی ہاتھ پہ ٹکائی۔

"دماغ گھٹنوں میں آگیا ہے کیا؟ بیوی ہو تم انکی اسلیے بولا ہے کہ ایک انگھوٹی خرید لینا۔ یا اللہ اسکا دماغ واپس لوٹا دے ورنہ میں پاگل ہو جاؤنگی۔ میرے پاس کم دماغ ہے ورنہ میں اسکو دے دیتی۔" انوش نے بے ساختہ ہو امیں ہاتھ اٹھا دیے اور دعا کی تھی نیمل ہنسنے لگی عائشے کی شکل پہ بارہ بجے۔

"ویسے یہ زیادہ قیمتی نہیں۔ میں نے کہہ دیا بھائی کو میں زنگر برگر کی اولاد تو ہوں نہیں جو کڑوڑوں کا کریڈٹ رکھتی ہوں۔ ابھی میں انگھوٹی لے رہی ہوں لیکن اگلی بار وہ خود اپنی پسند کی انگھوٹی لے کر آپکو دینگے۔"

عائشے نے جب مراد کو شاپنگ مال جانے کا بتایا تو تھوڑی دیر بعد مراد نے نیمل کو ٹیکسٹ کر کے انگھوٹی خریدنے کا بولا۔ جس پہ وہ غصہ بھی ہوئی کہ وقت نکال کر خود بھی وہ یہ کام کر سکتا تھا۔ اور اتنے پیسے اسکے پاس بھی نہیں تھے کہ اصلی ہیرے کی انگوٹھی خریدتی مراد نے کہا تھا وہ پے منٹ کر دیگا پر وہ نا مانی۔ صاف بھائی کو انکار کر دیا اور اسے خود خریدنے کا بول کر کال کاٹ دی تھی۔

"لائیں دیں اب.. اور بھائی جب آپکو یہ دیں تو بلکل ظاہر نا کرنا کہ پہلے ہی دیکھ رکھی ہے۔ ٹھیک ہے!" نیمل اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ حقیقتاً نیمل عمر میں تھوڑی بڑی تھی پر رشتے کے لحاظ سے عائشے کو پورا اس نے احترام دیا تھا۔ عائشے نے سر ہلاتے انگھوٹی واپس کر دی انوش کی شیطانی مسکراہٹ پر جھینپتی ہوئی عائشے سانس بھر کے رہ گئی۔ اندر دل میں کہیں ایک خوشی کی لہر دوڑی تھی جو نظروں سے صاف بیاں تھی۔

تین گھنٹے مال میں گزارنے کے بعد تینوں سینما پہنچ گئیں۔ان دونوں کا اتوار کی چھٹی منانے کا بھرپور ارادہ تھا پر جب مووی میں مزا آنا آیا تو درمیان میں ہی چھوڑ کر وہاں سے نکل گئیں۔عائشے چل چل کے تھک چکی تھی پر ان دونوں کے بیٹری سیل فل چارج تھے۔رومائزہ کی کمی نیمل نے پوری کر دی تھی۔اکثر وہ تینوں بھی اتوار کو باہر گھومنے کے لیے نکل پڑتے تھے۔انوش ڈرائیور کے ساتھ آتی تھی پہلے روما کو پک کرتی پھر عائشے کو۔اور وہ دونوں ہی گھومنے پھرنے کی بلا کی شوقین تھیں۔عائشے کو اتنا معلوم تھا جتنا لاہور اسکے ماں باپ نے نہیں گھمایا اس سے زیادہ وہ ان دونوں کے ساتھ گھوم چکی ہے۔خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی جو رومائزہ اور انوش اسے مل گئیں۔جی دار قسم کی اور وہ بے زار سی جسکو کافی حد تک دونوں نے بدل کے رکھ دیا تھا۔

"یہ گھر کا راستہ تو نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں؟" نئی صاف ستھری سڑکیں اور عمارتیں دِکھیں تو عائشے نے پوچھا۔

"لونگ ڈرائیو... یہاں سارے پولیٹیشنز کے بنگلے اور حویلیاں آئیں گی۔ہم اندر جا کے تو وہ محلات دیکھ نہیں سکتے پر باہر کے نظاروں سے کیوں محروم رہیں... مزا آئیگا آپ بس خاموشی سے بیٹھ کے انتظار کریں۔" اس نے اسے چوں چراں کرنے کا پہلے ہی منہ بند کر دیا۔عائشے نے کمر سیٹ سے چپکا لی۔

"کیا ہوا احمد بھائی گاڑی کی کیوں بند ہو گئی؟" نیمل نے ونڈو سے جھانک کے کہا۔ آگے انجن پہ جھکا احمد سیدھا ہوا۔

"بی بی گاڑی گرم ہو گئی ہے تھوڑی دیر صبر کریں ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اچھا چلیں ٹھیک ہے..." وہ واپس اندر ہو کے بیٹھ گئی۔

نئی نئی سڑکیں تھیں موسم بھی خوشگوار تھا انوش سے اندر اکیلے بیٹھا نا گیا وہ گاڑی سے اتر گئی۔

سناٹے دار جگہ تھی دیر دیر میں گاڑیوں کا گزر ہوتا۔ گاڑی کے قریب ہی انوش کمر پہ ہاتھ رکھ کر چکر کاٹ رہی تھی۔ اتنے میں کئی گاڑیاں قریب سے گزریں پر کوئی مدد کے لیے نا آیا۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟ میں مدد کر سکتا ہوں؟" اچانک کسی کے قریب سے کہنے پہ انوش بری طرح اچھل کے پلٹی بے ساختہ دل کے مقام پر اسکا ہاتھ بڑھا اور گہری گہری سانسیں لیں۔

"مسٹر آپ یہ دور رہ کر بھی پوچھ سکتے تھے۔" وہ آنکھیں دکھاتی بولی دائم نے بات ہوا میں اڑا دی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" اس نے احمد سے پوچھا اور آنکھوں سے چشمہ ہٹا کر ایک نگاہ گاڑی پہ ڈالی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے جائیں یہاں سے۔" انوش کو غصہ آیا۔

"اوہ میڈم تمیز رہیں مدد کا پوچھنے آیا تھا میں پر غلطی ہو گئی۔۔ کھڑی رہو سردی میں جم جاؤ۔" وہ بھی غصے میں سناتا پلٹ گیا۔

"ہاں تو تمیز میں آپ رہیں نا۔" وہ پیچھے سے دانت پیس کے چلائی گردن موڑ کے دائم نے انوش کے سراپے پہ نگاہ ڈالی۔ سمارٹ سی چھوٹے بالوں والی لڑکی بلکہ لڑاکہ لڑکی جسکی ناک سردی سے پہلے ہی لال تھی۔

"ارے جاؤ اپنا کام کرو میرے منہ نا لگو۔"

"میری جوتی تمھارے منہ لگنا پسند نا کرے۔" دائم کی آواز کے برابر ہی اس نے آواز نکالی۔ باہر شور ہونے پہ نیمل اور عائشے باہر نکل آئیں۔

" سمجھتی کیا ہو خود کو کوئی حور پری ہو؟" وہ غصے میں ابلتے قریب آیا۔

"تم خود کو کیا سمجھتے ہو کوئی ہیرو ہو یا ملک کے وزیر اعظم!" ابرو اچکا کے اس نے تنک نے جتایا۔

"پتا بھی ہے میں کون ہوں! اے ایس پی مراد میر کی سالی ہوں۔۔ اور یہ۔" مزید بولتے ہوئے انوش نے عائشے کو ساتھ کھینچا۔

"اے ایس پی صاحب کی بیوی اور یہ بہن۔" نیمل کی بھی کلائی دبوچ کے اسے قریب کیا۔

دائم لے ان دونوں لڑکیوں کو بھی دیکھا۔انوش نے مغرور انداز میں اسے دیکھا گردان تانے سینے پہ ہاتھ باندھ لیے۔دائم کے چہرے پہ ڈر کے آثار رونما ہوئے انوش کے دل کو تسکین ملی۔

"اور میں پتا ہے کون ہوں!"

"آوارہ لوفر آدمی.."

"ناٹ ایٹ آل۔۔دائم علی ہوں سلور ہولڈنگ کا مالک۔اور وزیر اعظم کا تو پتا نہیں پر فیوچر کے وزیر اعظم کا بھائی ہوں۔"اسکے چہرے پہ جھک کے چبا چبا کے استہزاء سے بولا اس سے پہلے انوش اسکا مذاق اڑاتی گاڑی سے میران اترا۔انوش کی نظر اس تک گئی یک دم اسکے تاثرات ڈھلیے پڑے۔اس نے کھلے منہ سے دائم کو دیکھا جو اسکی حالت دیکھ کر خوب محظوظ ہوا تھا۔

"از ڈیئر اینی پرابلم؟"آنکھوں سے کالا چشمہ اتارتے وہ قریب آیا۔وہ تینوں ہی دنگ تھیں۔وہ بھی بے حد دنگ... سڑک پہ میران جاہ مل جائیگا بھلا کبھی سوچا ہو گا۔ہاں صرف سوچا ہی ہو گا۔

"یس...کائینڈلی ٹیل ہر آور ریلیشن!"میران نے ناسمجھی سے دیکھا۔اسکی گاڑی دور تھی جب ہی ساری گفتگو سے بے خبر تھا۔

"یہ محترمہ کسی اے ایس پی مراد کی سالی صاحبہ ہیں میں نے کہا میں بھی تمھارا بھائی ہوں قریبی یار۔۔پر انکا تو منہ ہی کھل گیا ہے۔"

مزے لیتے ہوئے وہ چشمے کی ڈنڈی انگلیوں میں پھنسا کر بولا۔میران کی نظر ان تینوں پہ پڑی۔

جانے پہچانے چہرے تھے۔وہ بھولا نہیں تھا انھیں یاد تھیں دونوں۔رومائزہ کی دوستیں!

عائشے نے انوش کا کھلا منہ بند کیا اور اسے سنبھالا جس کو دھچکا ہی لگا ہوا تھا۔

"اسلام و علیکم سر... آپ واقعی انکو جانتے ہیں؟" دماغ واپس ٹھکانے لگا تو پوچھا۔

"جی بلکل۔آپ تینوں یہاں کیوں کھڑی ہیں؟سورج ڈھلنے لگا ہے اندھیرا ہو جائیگا اور یہ علاقہ مزید سنسان۔"

"سر وہ ہماری گاڑی خراب..."

"بی بی جی یہ ٹھیک ہو گئی ہے۔"احمد گاڑی بند کرتے بولا نیمل نے سر ہلایا۔

"مس نیمل آپ نے بتایا نہیں آپ کے بھائی اے ایس پیی ہیں۔" دائم نے پی کو کچھ زیادہ ہی جما کر نیمل کو دیکھتے کہا وہ الجھن کا شکار صرف مسکرائی۔

"سر فارم میں بھائی کے پروفیشن کا پوچھا نہیں تھا جو بتاتی۔"اسکے جتا کر کہنے پہ انوش کی ہنسی چھوٹ گئی۔وہ سارا معاملہ اخذ کر چکی تھی۔

"یہ تو بڑی ہیوی ڈرائیور نکلی۔ کب سے اسکے باس سے لڑ رہی ہوں مجال ہے اس لڑکی نے ایک بار جورو کا ہو الٹا کھڑے مزے لے رہی تھی۔" انوش عائشے کے کان میں جھک کے بولی عائشے نے اسے گھوری نوازی۔ انوش دل ہی دل میں نیمل کے گن مان چکی تھی۔ پورا دن ہی ساتھ گزارا تھا اچھے سے اندازہ ہو گیا تھا کس قسم کی لڑکی ہے۔

" کبھی ملوایئے گا اپنے بھائی سے مل کر خوشی ہو گی۔ "

"میں ملوا دونگا اب چلو یہاں سے۔" میران نے سنجیدگی سے لب ملائے کہا۔

"تم جانتے ہو کیا اسے ؟" اسکے پوچھنے پہ میران نے ہلکا سا سر ہلا کے ہاں کہا۔

"بھائی نے بتایا تھا وہ آپ سے ملے ہیں۔ آپ کو گولی لگی تھی نا اب ٹھیک ہیں آپ ؟" نیمل کو یاد آیا تو پوچھ لیا۔ میران مسکرایا۔ انوش اسکی مسکراہٹ دیکھ رہی تھی پھر لعنت دے کر ذہن جھٹکا۔

"الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔ بھائی کو سلام دینا۔" وہ مسکرا کر بولا اور نظروں میں ہی دائم کو چلنے کا کہا پر وہ بھی ڈھیٹ کا بچہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا وہیں کھڑا رہا اور دلچسپی سے نیمل کو سن رہا تھا۔

"میں بول دونگی۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں میری بہت خواہش تھی آپ سے کبھی مل لوں۔ایک تصویر لے سکتی ہوں کیا؟"خوشی سے بتاتے ہوئے نیمل نے اجازت طلب کی میران کی حامی پہ اس نے عائشے اور انوش کو بھی ساتھ لیااور دائم کو موبائل پکڑا کے تصویر کھینچنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

"یہ بلکل اچھی نہیں آئی ایک اور پلیز!"دائم نے انکو تصویر دکھائی تو انوش ناک چڑھا کے بولی دائم نے دانت پیسے۔

وہ تینوں واپس جگہ پہ کھڑی ہو گئی درمیان میں میران تھا۔کلک کی آواز آئی دائم نے چاروں کو کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

"بس یہ آخری تھی کوئی میں فوٹو گرافر نہیں جو رات تک کھڑا یہی کرتا رہوں۔ ہمیں دیر ہو رہی تھی چلو بھائی چلتے ہیں۔"نیمل کو موبائل اس موبائل لوٹایا اسکی بات پہ نیمل نے برا سامنہ بنایا تھا دائم کے نقش ڈھلیے پڑے دھیمے سے مسکرایا۔

میران نے شہادت کی انگلی سے ماتھا کھجایا۔

"تم دونوں کی ایک دوست اور بھی تھی نا..."لہجہ سرسری تھا۔

"جی....وہ کشمیر گئی ہے کچھ دنوں میں آجائے گی۔" انوش کی زبان سے بے ساختہ پھسلا عائشے نے جبڑے بھینچ کے اسے گھورا تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت تھی!

"اوہ اچھا۔اینی ویز..." کشمیر گئی ہے یعنی شنواری نے سب سنبھال لیا تھا سوچ کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"ٹھیک ہے مس نیمل آپ سے پھر آفس میں ملاقات ہو گی۔" دائم اسے نظروں میں لیے بولا۔اور میران کے پیچھے ہی ہو لیا۔

ان تینوں نے سانس بحال کی۔

"مجھے تو یہ خواب لگ رہا تھا۔۔اگر وہ سلور ہولڈنگ کا بندر نا ہوتا تو میں خواب ہی سمجھتی ہے۔" میران کے خیال پہ انوش بولی اور دائم کا سوچ کے غصہ چڑھا تھا۔اسکی پہلی ملاقات زیادہ تر ایسی بری ہی ہوا کرتی تھیں۔

"نیمل وہ تمھارے باس تھے تم نے بتایا ہی نہیں۔" عائشے نے اسکا کندھا پکڑا نیمل نے شانے اچکا دیے۔

"باس ہونگے آفس میں۔۔بہت اچھا کیا انوش تم نے۔خدا کی قسم دل باغ باغ ہو گیا۔اتنا اپنے ایمپلائز سے یہ کام کرواتے ہیں نا کہ بس...." وہ ابل پڑی۔

"اچھا اچھا ٹھیک۔اب ہم بس واپس گھر جائینگے۔احمد بھائی گاڑی واپسی موڑ لیں۔"عائشے احمد کو کہتے گاڑی میں بیٹھ گئی بال درست کر کے وہ دونوں بھی اسکے ساتھ ہو لیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟ سڑک پہ دھیان دو۔"گاڑی میں بیٹھنے اور اسٹارٹ کرنے کے بعد سے ہی دائم مسکراہٹ کے ساتھ بار بار میران کو دیکھے جا رہا تھا بلا آخر میران نے الجھ کے پوچھ ہی لیا۔

"کون تھی وہ جسکا تم نے ان لڑکیوں سے پوچھا؟"اسکے ذہن میں شک کا کیڑا پیدا ہو گیا تھا۔ہونٹ دبائے اس نے میران سے پوچھا جسکے تاثرات بدلنے میں کوئی فرق نا آیا وہ ہنوز ونڈو سے باہر دیکھتا رہا۔

"کوئی نہیں..."

"کوئی تو تھی وہ... تم کسی کو یاد رکھو اور اسکے بارے میں پوچھو دائم علی کو بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا! سچ بتاؤ کہیں وہی تو بھابھی جی نہیں؟"اسٹیرنگ پہ ہاتھ جمائے اس نے گردن میران کی طرف موڑے کہا۔میران نے ہنکارا بھرا۔

"تم ایک بات کے پیچھے پڑ جاتے ہو تمھاری یہ بری عادت مجھے بے حد زچ کرتی ہے... کہہ دیا کوئی نہیں ہے۔ایک جامعہ میں ونر تھی وہ... کافی اچھے خیالات تھے اسکے... بس اسی لیے پوچھ لیا۔"تپ کر کہتے وہ خاموش ہو گیا دائم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے کچھ نہیں کہتا مان لی تمھاری بات!"اس نے توجہ واپس ڈرائیونگ پہ مرکوز کر دی۔

لاؤنج خالی تھا وہ دل کی تیز رفتار پہ لگام ڈالتی ہوئی لان کے دوسرے دروازے پہ پہنچ گئی۔

دعا کر رہی تھی باہر کوئی موجود نا ہو، مشکل ہی تھا اس حصے میں شام کے وقت گارڈز کا آنا ویسے بھی منع تھا اور اب تو رات ہو چکی تھی۔اس نے ہلکا سا جھانکا راستہ صاف تھا پر ایک گارڈ دوسری طرف رخ کر کے ہاتھ میں گن لیے اپنی پوزیشن میں کھڑا تھا۔وہ دبے قدموں دروازے سے باہر نکل کر چھپڑے کے نیچے کو آ گئی۔لان کی داہنی سائیڈ تھی۔گارڈ درمیان میں کھڑا تھا دروازے کے سامنے آٹھ فٹ کی اونچی دیوار تھی۔پر اس تک پہنچنے کو بھی لان کا طویل راستہ طے کرنا تھا۔جب تک وہ پہنچتی گارڈ نے پلٹ کر دیکھ ہی لینا تھا۔

گملوں کے پاس پڑے لکڑی کے تختے پہ اسکی نظر پڑی اس نے گارڈ کو دیکھا۔اور پھر نا آؤ دیکھا نہ تاؤ اسکی طرف لپکی مضبوطی سے لکڑی ہاتھ میں دبائی اور گارڈ کے سر تک دبے پیر پہنچ کر کھینچ کے پوری طاقت لگا کر تختہ اسکے سر پہ دے مارا۔گارڈ سر پہ پڑتے تختے کی تکلیف سی تڑپتا سر پہ ہاتھ رکھ کے اسکی جانب پلٹا۔سر سے اسکے خون

بہنے لگا۔ اور چند ہی لمحوں میں اسکا ہاتھ خون سے رنگ گیا۔ رومائزہ خوف وہراس سے تختہ ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

گارڈ کچھ کرنا سکا چکراتے سر کے ساتھ زمین بوس ہو گیا۔ روما نے تختہ وہیں پھینکا اور اسٹول اٹھا کر دیوار کو لگایا۔ اور لمحوں میں وہ دیوار پہ چڑھ گئی۔

نیچے دیکھا اونچائی زیادہ لگ رہی تھی پھر بھی دل مضبوط کر کے دیوار سے چھلانگ لگادی۔ ہتھیلیوں کے بل وہ زمین پہ گری ہاتھوں پہ خراشیں آگئیں۔

سارے گارڈز فارم ہاؤس کے فرنٹ حصے پہ نافذ تھے وہاں سے فرار ہونا تو ناممکن تھا۔ میر ان کی ملی چھوٹ کا اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا اور دوسری طرف سے باہر بھاگ نکلی۔

رومائزہ نے سر اٹھایا ہاتھ میں جلن سے تکلیف ہو رہی تھی پر خود کو باہر آزاد دیکھ اسکے ہونٹوں پہ فاتح کن مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی کپڑے شال جھاڑی ماسک درست کیا۔ اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتی دیوار سے لگ کر ایک کنارے کو آگئی۔ اصلی امتحان تو اب تھا۔ نکل کر بھاگنا تو فارم ہاوس کے دروازے سے ہی تھا۔ باہر بھی گارڈز نافذ تھے۔ ان کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ کیا کرتی اب؟ دھیان بھٹکاتی؟

اگر انکو شک ہو جاتا اور وہ پکڑی جاتی تو... ارادہ بدل لیا انتظار کرنا تھا شاید وہ اندر جاتے۔

کچھ دیر اس نے انتظار کیا اندر سے جب وہ باہر نکلی تھی اسے لان کے سامنے والی طرف سے گارڈز کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔اس نے لاؤنج کی گلاس وال سے پردہ سرکا کے جھانکا تھا وہ سارے شطرنج کھیل رہے تھے۔

روما نے تھوڑی دیر بعد اب پھر جھانکا وہ دونوں نہیں تھے۔اس نے نکلنے کے لیے جیسے قدم بڑھائے وہ ٹہلتے ہوئے پھر دروازے سے تھوڑے آگے تک آگئے۔

وہ واپس ٹھہر گئی انکے جانے کا انتظار کیا پر انکی تو چہل قدمی شروع ہوگئی تھی۔اسے حلیمہ بی کے جاگنے سے پہلے ہی بھاگنا تھا۔

اس نے انکے چکر لگانے کی ٹائمنگ نوٹ کی۔

تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد وہ واپس باہر آرہے تھے۔

اس نے گہری سانس لی چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اللہ سے دعا کی اور گارڈ کے اندر کی طرف پلٹتے ہی سامنے کی پٹی پہ بھاگ نکلی جہاں گاڑیاں کھڑی تھیں اور تیزی سے ان گاڑیوں کی اوٹ میں فارم ہاوس کی حدود پار کرگئی۔

ایک جگہ ٹھہری سانس پھول بے حد چکی تھی۔گھٹنوں پہ جھک کے گہری سانسیں لیں پیچھے پلٹ کے دیکھنے کی اس نے غلطی کی بھی نہیں تھی تیزی سے وہاں سے فرار ہوئی تھی۔

چلتے چلتے فارم سے کافی دور آگئی ہر طرف تاریکی پھیلی تھی چاند بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا روشنی کیے ہوئے تھا۔

اب آگے جانا کہاں تھا یہ اسے معلوم نہیں تھا کیسے گھر پہنچتی ؟ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا کہ وہ لاہور میں ہے کہ نہیں یا کسی دوسرے شہر میں اسے یہ بھی نہیں پتا تھا۔ وہ ساری جگہ سناٹے میں ڈوبی تھی۔ کوئی راہ چلتا آدمی نا دکھائی دے جس سے جگہ کا معلوم کر سکے۔

چلتے چلتے ایک میدانی سے رستے پہ آگئی اسکا دل بیٹھے جا رہا تھا بس ساتھ خیریت سے بابا کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔

پیچھے کئی موڑ آئے تھے کہیں دائیں طرف اس نے راستہ اپنایا تو کبھی بائیں۔ آبادی والا علاقہ اسے مل ہی نہیں رہا تھا۔

"یا اللہ یہ مجھے کہاں لے آیا تھا مجھے تو لاہور لگ بھی نہیں رہا ہے۔" وہ تمام جگہیں نظروں کے لیے نئی تھیں راستوں سے نا آشنا بھٹکتی ہوئی ایک سڑک پہ آرکی۔

سامنے جیپ کھڑی تھی تین آوارہ لڑکے سگریٹ پی رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ پلٹ کے بھاگتی وہ اسی کی طرف آنے لگے۔ دل سوکھ کے لرزنے لگا۔

"ہیلو میڈم ادھر کدھر ؟ ہم راستہ بتا دیں کیا؟" وہ تین جوان اسکے سامنے آن کھڑے ہوئے نظروں سے خباثت جھلک رہی تھی اسکو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اکیلے بھاگنا اس قدر مشکل ہو سکتا تھا اس نے سوچا ہی

کہاں تھا۔ ایک ان میں ہٹا کٹا باڈی بلڈر سا لڑکا تھا اور باقی دو ڈالی کی طرح کمزور تھے پر تھے تو مرد ہی۔ آوارہ بدمعاش لڑکے دکھائی دے رہے تھے۔

رومائزہ نے خاموشی سے راستہ الگ کرنا چاہا آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

وہ ہٹا کٹا لڑکا اسکے راستے میں حائل ہوا اور ملاے خونخوار نگاہ اس پہ ڈالی۔

"کیا بدتمیزی ہے راستہ چھوڑو میرا۔" وہ پھنکاری۔ اس لڑکے کا قہقہ بلند ہوا اسکے ساتھی بھی ہنسنے لگے روما کے پیر ویسے ہی لرز رہے تھے چل چل کر ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔

"اور نا چھوڑیں تو؟" دلنشینی سے کہہ کر اس لڑکے نے رومائزہ کی کلائی دبوچ لی۔ اسکی آنکھیں باہر نکل آئیں دل میں بیٹ مس ہوئی۔

یہ کیا کر دیا اس نے عزت کے لالے پڑتے دیکھ اسکا روم روم کانپ اٹھا۔

رومائزہ کی ہتھیلیاں وحشت سے عرق آلود ہو گئیں۔ کلائی دبوچے وہ لڑکا خباثت سے تک رہا تھا اسے اسکی نظروں سے الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ کتنے دن سے اس فارم ہاؤس میں تھی نامیر ان کی نگاہوں میں اس نے یہ

حوس اور خباثت کے رنگ دیکھے نا ہی کسی ملازم کے ہر ایک سر جھکا کے رکھتا تھا۔ رومائزہ نے جبڑے بھینچ کے اسے دیکھا اور دوسرے ہاتھ کا مکہ بنا کہ اسکے منہ پہ جڑ دیا۔ وہ لڑکا اس حملے کے لیے بلکل تیار نا تھا۔ منہ پہ پڑتے گھونسے کی تکلیف پہ اس نے روما کی کلائی چھوڑ کے اپنے چہرے پہ ہاتھ رکھا۔ رومائزہ نے گھور کے باقی ان دو کو دیکھا۔

"راستہ چھوڑ دو ورنہ برا حال کر دونگی۔" اس نے کھلی دھمکی دی۔

"اتنی ہمت....." وہ لڑکا واپس اسکی طرف بڑھا رومائزہ پہلے ہی تھکن کا شکار تھی پھر بھی اس نے بچاؤ کی پوری کوشش کی پنجے سے اس لڑکے کو دھکا دیا۔

اکیڈمی میں پریکٹس کے دوران اس نے تمام داؤ پیچ جو سیکھ رکھے تھے انکا بخوبی استعمال کیا۔ اچھے سے ان لڑکوں کی ہڈیوں میں مصالحہ بھرا۔

اس لڑکے نے جب پوری قوت سے اسکی دونوں کلائیاں گرفت میں لیں تو وہ لرز اٹھی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جو بھی کرنا تھا اب خود نے ہی کرنا تھا وہ ہمت نا ہاری اس نے ٹانگ گھما کے اسکے پیٹ پہ مار کے خود کو چھڑایا۔ پر وہ ایک تھی مقابل تین۔

ایک سے خود کو بچاتی تو دوسرا سامنے آجاتا فرار کے راستے بند ہو گئے تھے دل بیٹھے جا رہا تھا۔

پیچھے سے جب لڑکے نے اسکا منہ بند کرنے کی کوشش میں منہ پہ ہاتھ رکھا تو اسے لگا بس اب وہ ہار جائیگی اسے سانس رکتی محسوس ہوئی خون رگوں میں جمنے لگا اسکا ماسک چہرے سے اتر کے وہیں کہیں گر گیا تھا۔

آنکھیں بند ہونے لگیں۔

گھنٹہ بھر بعد حلیمہ بی کی آنکھ کھلی۔ سوٹ کی میچنگ کا ہرا دوپٹہ سر پہ ڈالتی ہوئی وہ اٹھ بیٹھیں۔ وضو کیا عشاء کی نماز ادا کی رومائزہ کے خیال آنے پہ اسکے پاس جانے کا ارادہ ہوا۔ پر اس سے پہلے شوگر کی دوائیاں لینے کے لیے مسہری کے سرہانے کی دراز کھولی۔ مخصوص گولیاں نکال کر انھوں نے دراز پہ رکھ دیں۔ بس اسی اثناء میں انکی نظر سفید کاغذ پہ پڑ گئی۔ ماتھے پہ شکنوں نے جگہ لی دوائیاں ایک طرف کرتے انھوں نے تہہ شدہ کاغذ کھولا اور جوں جوں وہ پڑھتی گئیں چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑتا گیا۔

کاغذ انکے ہاتھ سے پیروں میں گرا تھا وہ فوراً ننگے پیر رومائزہ کے کمرے کی طرف دوڑیں۔

"رومائزہ بچے..." دھڑکتے دل سے انھوں نے پکارا کوئی جواب نا ملنے پہ پورا کمرہ کھنگالا کھڑکی کھول کے دیکھی شاید باہر ہو۔ وہ خط پہ ہر گز یقین نہیں کر پا رہی تھیں۔ پورے فارم ہاؤس میں تلاشنے کے بعد وہ باہر گارڈز کے پاس آئیں جو شطرنج کھیلنے میں مصروف تھے۔ لان خوب روشنیوں سے روشن تھا۔

"میڈم گھر سے باہر نکل گئیں اور تم لوگوں کو پتا ہی نہیں ہے۔" حلیمہ بی ان سب کو کھیل میں مگن دیکھ کر سر پہ جا کہ برس پڑیں۔ گارڈز ہڑبڑا اٹھے۔ دو تین فوراً لان کے دوسرے حصے میں پہنچے اور زخمی گارڈ کو بازو سے پکڑ کے گھسیٹتے ہوئے ان کے سامنے لائے گارڈ کی حالت دیکھ انھوں نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ لڑکی قابو سے بلکل باہر تھی۔ باقی گارڈز اندر سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنے پہنچے انکے پیچھے ہی حلیمہ بی پہنچیں۔

رومائزہ کی قسمت اچھی تھی اندر سیکورٹی مین بھی باقی گارڈز کے ہمراہ تھا۔ سیکیورٹی مین نے گھبرا کے کرسی سنبھالی اور کیبورڈ پہ تیزی سے انگلیاں چلائیں۔ حلیمہ بی کی نظریں ہی ان سب کو دہلا کے رکھ چکی تھیں۔ اندھیرے کے باعث باہر کا منظر دھندلا تھا۔ اسکرین پہ فارم ہاؤس کے سامنے پٹی والی پہ کسی ہیولے کی جنبش سی محسوس ہوئی۔ اور لان کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں وہ کلیئر فرار ہوتی نظر آئی تھی کس طرح اس نے گارڈ کے سر پہ وار کیا اور دیوار پھیلانگی....

"وہ تم سب کی موجودگی کے باوجود یہاں سے فرار ہو گئیں کس طرح تم لوگ کام کرتے ہو! جاؤ ڈھونڈو انھیں اور خالی ہاتھ مت لوٹنا!" شہادت کی انگلی اٹھا کے وارن کرتی وہ اندر دوڑی تھیں۔

دائم کے جانے بعد میران فریش ہونے کے لیے بنگلے چلے آیا۔ شاور لے کر باہر نکلا تھا فون کی بیل بجنے لگی۔ ڈریسر سے اس نے ہلکی آسمانی رنگ کی شرٹ نکال کے گردن سے اتاری اور ٹیبل کے پاس آیا۔ حلیمہ بی کا

نمبر دیکھ تھوڑی تشویش ضرور ہوئی اس نے کال ریسو کی فون کان سے لگایا بائیاں بازو آستین سے گزار کے بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"اسلام و علیکم،، حلیمہ بی سب خیریت ہے ؟" اسکے پوچھتے ہی حلیمہ بی بولنا شروع ہوئیں۔

"و علیکم السلام... رومائزہ بھاگ گئی۔" میران کو بتانے سے وہ خود بھی ڈر رہی تھیں ہر آگاہ تو کرنا تھا۔ وہ اسکے غصے سے اچھی طرح واقف تھیں اسکا چہرہ تن گیا بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا کہہ رہی ہیں کیسے نکل گئی وہ؟" اس نے فوراً پیروں میں جوتے ڈالے اور واپس کمرے سے باہر نکلا۔

"میں سو رہی تھی اس نے گارڈ کو بھی زخمی کر دیا۔ لان کے دوسرے حصے میں کوئی پھیرے دار اس وقت نہیں تھا اسی کا فائدہ اٹھایا اور دیوار پھلانگ گئی۔

مجھے ڈر ہے آگے زولفقار سائیں کی زمینیں ہیں انکے آدمی انکو.... یا کچھ اور نا ہو جائے۔"

"پاگل کر دے گی یہ لڑکی! آ رہا ہوں میں۔" حلیمہ بی تو غصے سے بچ گئی تھیں پر ملازموں کی خیر نہیں تھی۔

"حد کرتی ہو تم بے وقوف لڑکی۔ مل جاؤ اس بار چھوڑونگا نہیں تمھیں۔"

جبڑے بھینچے غصے سے پھولی ناک کے ساتھ وہ لمبے ڈگ بھرتا گاڑیوں کی پارکنگ کی طرف آیا۔

گارڈ نے دروازہ کھولا اس نے ہاتھ اٹھا کے اشارتاً منع کیا اور اس سے چابی لے کر وہاں سے نکل گیا۔ ساتھ ہی اس نے عزیز کو فون لگایا تھا جو کسی کام کے سلسلے میں باہر ہی تھا۔

سرد ہوائیں جسم یخ کر رہی تھیں۔ سانس بند ہونے سے سر بھی گھومنے لگا اس لڑکے کی گرفت بہت مضبوط تھی وہ خود کو چھڑا نہیں پا رہی تھی۔

دور سے کالی گاڑی پہیوں کی رگڑ کے ساتھ رکی چرچراہٹ پیدا ہوئی۔ ان چاروں کی توجہ اس گاڑی پہ مبذول ہوئی۔

رومائزہ ہاتھ پیر پھر ہلانے جھلانے چاہے اور اگلا منظر دیکھ اسکی اپنی روح فنا ہوئی تھی۔ تپش کے عالم میں غضبناک تیور لیے جب میران خاکی چادر بازو پہ درست کرتے گاڑی سے اتر کے انکی طرف بڑھا۔ روما کی ہی جان صرف خشک نا ہوئی ان تین لڑکوں نے بھی گلا تر کیا۔ گرفت جیسے ہی ڈھیلی پڑی رومائزہ نے پوری آنکھیں کھولیں میران کو دیکھ ویسے ہی ہوش جاگ گئے تھے۔ اس نے کہنی اس بلڈر لڑکے کے منہ پہ ماری اور جارہانہ انداز میں پلٹ کے لات مار کے اسے دور کیا تھا۔

میران نے اسکی ساری کاروائی اپنی آنکھوں سے دیکھی پر یہ وقت اس کی بہادری سے متاثر ہونے کا نہیں تھا۔ وہ تیزی سے اس لڑکے کی طرف بڑھا اور اسکا گریبان جکڑ کے بنا کچھ بولے ہی منہ ہی منہ پہ مکے برسا دیے

تھے۔ اسکی شولہ بار نظروں کا سامنا رومائزہ کرنا پائی تھی۔ ان لڑکوں پہ غصہ اسے بھی بہت تھا باقی دو کو اس نے خوب مارا۔ اور وہ خود کو بچا رہے تھے۔ ہاں وہ میران کو پہچان گئے تھے آگے بڑھنے کی کسی میں جرات نہیں تھی۔ اتنے میں تین کالی ہیلکس ایک ساتھ وہاں آرکیں سات آٹھ گارڈز ان میں سے نیچے اتر آئے میران کا چہرہ لال ہو چکا تھا اس نے جھٹکے سے اس لڑکے کا گریبان چھوڑا اور ایک غصیلی نگاہ ان سب پہ ڈالی اور رومائزہ بھی اس میں شامل تھی اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس نے ہاتھ جھاڑے بدحواسی کے عالم سے باہر نکلی جو ان لڑکوں کے مارنے سے ہوا تھا۔ میران کی سرد نظریں اس پہ جمی تھیں پھر اس نے گارڈز کو دیکھا۔

"لے جاؤ ان تینوں کو اور آئندہ یہ نظر نا آئیں۔" نظروں سمیت وہ انتہائی سرد انداز میں بولا کہ رومائزہ کو بھی جھر جھری آگئی۔ اب میران ان کے ساتھ کیا کرتا رومائزہ کو تشویش ہوئی کیا انکو مار دیتا؟ رحم کے قابل بھی نہیں تھے... پھر؟

اگر وہاں رومائزہ کی جگہ کوئی اور بھی لڑکی ہوتی تو میران انکے ساتھ یہی سلوک کرتا۔ کچھ گارڈز نے اسکے حکم پہ عمل کرتے ان تینوں کو ضبط کیا اور گاڑی میں بٹھا کے لے گئے۔ رومائزہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسکی زبان تو تالو سے جا چپکی تھی۔

وہ واپس وہیں کھڑی تھی۔ پھر وہی فارم ہاؤس کی قید دکھائی دی! بھاگنے کا نتیجہ دیکھ کر تو ذہن ہی ماؤف ہو گیا تھا۔ میران نے غصیلی نگاہ گارڈز پہ ڈالی اور رومائزہ کی طرف بڑھا اور بنا کچھ بولے اسکی کلائی جکڑی اور گاڑی میں

بٹھا کے دروازہ لاک کر دیا اور گھوم کے ڈرائیونگ سیٹ پہ آیا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی پر کچھ بول نہیں پائی اور نا ہی کوئی مزاحمت کی تھی۔ میران کی یہ خاموشی کسی طوفان کی آمد کا پتا دے رہی تھی۔

حلق میں گھٹلی بھر کے معدوم ہوئی۔ جبڑے بھینچے، ماتھے کی تنی ہوئی رگیں،، میران کی نظریں سامنے روڈ پر جمی تھیں اسٹیئرنگ پہ ہاتھ کی گرفت سے اسکے غصے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ روما نے کھڑکی سے باہر دیکھا ساری خالی زمینیں تھیں جس راستے سے وہ اسے فارم ہاؤس لے کر پہنچا تھا پورا راستہ خاموشی سے طے گیا۔

گاڑی فارم ہاؤس کے دروازے پہ رکی پیچھے ہی گارڈز کی دو گاڑیوں نے بریک لگایا تھا۔ سیکورٹی گارڈ نے دروازہ کھولا میران گاڑی اندر پارکنگ تک لے گیا۔

تقریباً وقت دس کے قریب تھا۔ لان بتیوں سے روشن تھا میران نے شال اتار کے گاڑی میں رکھی چابی مالی کی طرف اچھالی اور خود اتر کے گھوم کر رومائزہ کی جانب آیا اور دروازہ کھول کے اسے بازو سے پکڑا تھا۔ میران کے تیور ہی الگ تھے وہ رومائزہ کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتا تھا بہت کوئی مجبوری میں جب وہ یہاں پہلی بار آئی تھی تب ہی بس اسے اس طرح جکڑا تھا.. اور اب جب اسکا ہاتھ جلا تھا وہی تھاما تھا۔ کوئی حق تھوڑی رکھتا تھا پر رومائزہ کی حرکت پہ وہ خود پہ قابو نا کر سکا تھا نرمی سے چلنے والی وہ چیز تھی ہی نہیں۔

اس نے رومائزہ کو گاڑی سے اتارا۔ روما نے اسکی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی تھی پر میران نظریں نہیں ملائی۔ اسکا انداز ایک دم برف کی طرف سرد تھا۔

لمبے ڈگ بھرتا اسے اندر لے گیا اور لاؤنج میں جا کے اسکا بازو آزاد کیا اور پھنکارا۔ وہ بازو کی تکلیف پہ ہاتھ سے بازو رگڑنے لگی۔

"منع کیا تھا نا بھاگنے کی کوشش مت کرنا! اگر مرنے کا زیادہ شوق ہے تو میرے ہاتھوں مر جاؤ۔" دونوں ہاتھ ملا کر اس نے ماتھے سے گزار کے سر کو چھوتے کہا۔ حلیمہ بی شور سن کر فوراً کمرے سے نکل آئیں رومائزہ کو دیکھ کر دل کو تسلی ملی۔

"نہیں رہنا مجھے یہاں خود ہی مر جاؤنگی گھٹ گھٹ کے۔ میرا کیا قصور ہے میں کیوں ایک جگہ بند رہوں؟؟" آنسوؤں کا گلا گھوٹ کے اس نے دبی دبی آواز میں کہا لاؤنج کی خاموشی میں اسکی آواز باآسانی میران اور حلیمہ بی نے سنی تھی۔

"تمھیں یہاں ہر چیز کی آزادی دی ہے۔ امانت ہو تم میرے پاس شنواری کی!" وہ پھر اس پہ چیخا۔

"نہیں چاہیے یہ آزادی۔ اپنا گھر اپنا ہوتا ہے... کسی کو میری پرواہ نہیں بابا بھی مجھے بھول گئے۔ ایک ماہ ہو گیا ہے یہاں رہتے رہتے.. اپنی دنیا سے دور۔" اسکے ضبط کا آخری مرحلہ تھا وہ بری طرح چلا اٹھی میران نے مٹھی بھینچی اور اسکے قریب ہوا چہرے پہ جھکا۔

"آنکھیں کھول لو تو معلوم ہو جائے گا کس کو کتنی پرواہ ہے۔ میں وقت پہ نہیں پہنچتا تو وہ لوگ تمھارے ساتھ کیا کر دیتے کچھ اندازہ بھی ہے!" وہ دوگنی آواز میں غصے سے غرایا تھا ایک پل رومائزہ کو بھی اسکی شعلہ بار نگاہوں سے خوف آیا تھا۔

"میں لڑ لیتی ان سے اپنے بابا کے پاس چلی جاتی۔" اس نے نظریں جھکا کے کہا میران نے سانس بھری اور استہزاء سے ہنسا۔

"سب دیکھ چکا ہوں اپنی آنکھوں سے۔" اسکے طنز پہ رومائزہ کی آنکھ سے آنسو پھسلے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھا پر وہ بلکل نرم نہیں پڑا۔

"تم نے میری نرمی کا فائدہ اٹھایا ہے۔" میران نے افسوس سے سر ہلایا۔

"ان سے خود لڑ لیتی...! اندازہ بھی ہے وہ کون تھے... میرے باپ کے آدمی تھے میرے باپ کی زمین پہ تم کھڑی تھیں وہ شنواری کو تکلیف پہچانے کی موقع کی تلاش میں تھے اور تم خود چل کے وہاں پہنچ گئیں۔ کیا ان اوباش لڑکوں کو معلوم نہیں ہو گا تمھارا!

دنیا کتنی خطرناک ہے تمھیں اسکا اندازہ بھی نہیں ہے۔ کون کیسا ہے کیسا نہیں تم نہیں جانتی۔ تمہیں کوئی بھی لولی پاپ دے کر کہیں سے کہیں بھی لے جا سکتا تھا اور تم بے وقوفوں کی طرح چلی بھی جاتیں.. تمھارے دماغ کی چھوٹی سی دنیا نے کچھ ابھی دیکھا ہی نہیں ہے۔ بنا سوچے سمجھے باہر نکل گئیں کچھ ہو جاتا تو... کسی کو پرواہ نہیں

ہے رٹ لگا رکھی ہے یہاں سارے تمھارے لیے پاگل ہو رہے ہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اوہ میں تو بھول گیا رومائزہ بی بی کو اپنے علاوہ کچھ دکھتا ہی کہاں ہے!" غصہ تھم نہیں رہا تھا وہ اس پہ برسے ہی جا رہا تھا۔

اسکے لفظوں نے روما کو جھنجھوڑ دیا۔ اگر غلط ہاتھوں میں پڑ جاتی تو... اندر ہی کہیں اسے ان لڑکوں سے ڈر تو محسوس ہوا ہی تھا اگر میران نا آتا تو... پر زبان پہ یہ بات لانا انا کے خلاف تھا! وہ بلکل چپ رہی۔

" حلیمہ بی جب تک معاملہ حل نہیں ہوتا یہ اپنے کمرے سے ایک قدم باہر نہیں نکالے گی۔ بہت بری لگتی ہے نا تمھیں یہ قید اب رہنا ایک ہی کمرے میں۔ سہی معنوں میں تمھیں قید کا اب پتا چلے گا۔" نیا فرمان جاری کرتے ہوئے اس نے نگاہیں پھر رومائزہ پہ گاڑی تھیں۔ اسکے برف لہجے پہ روما کی بولتی بند ہو گئی میران کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اسے کہاں عادت تھی اتنا غصہ سہنے کی اور یہاں بھی میران نے کبھی ایسا رویہ اپنایا نہیں تھا۔ اسکے نرم لہجے کی وہ عادی ہو گئی تھی۔ اسکی محبت پہ جو یقین کیا تھا اس وقت جیسے اندر مان ٹوٹا تھا۔

وہ اسے تکلیف ہر گز نہیں دینا چاہتا تھا پر آج رومائزہ کی بھاگنے کی خبر سن کے جتنا وہ پریشان ہوا تھا وہ تھوڑی سمجھ سکتی تھی۔ جب اسے ان لڑکوں کی گرفت میں دیکھا تھا اسکا خون کیسا کھولا تھا،، جب وہ اسے مل نہیں رہی تھی اسکے دل پہ کیا گزر رہی تھی۔ وہ تو بھاگتے بھاگتے نا جانے کدھر چلی آئی تھی۔ گارڈز نے شہر کے راستے پہ ڈھونڈا پر وہ وہاں نا ملی پھر میران نے دوسرے راستے پہ گاڑی دوڑائی تھی۔ وہ ایک ایک لمحہ جب وہ غائب تھی

صرف چند گھنٹوں میں اسکی حالت کیا ہوئی تھی۔ جو دل کے قریب ہوتے ہیں انسان لمحوں میں ان کی دوری پہ گھبرا ہی تو جاتا تھا اپنوں کا دور جانا بڑی مشکل سے انسان قبول کرتا ہے۔ پھر وہ تو محبت تھی۔ فلحال امانت بھی....

"تم کتنی بھی زنجیریں میرے پیروں میں ڈال لو میں توڑ کے فرار ہو جاؤ نگی۔" تنکتے ہوئے اس نے جواباً کہا میران نے اسے غور سے دیکھا۔

"تم کہیں بھی چلی جاؤ لوٹ کے میرے پاس ہی آؤ گی تمہیں آنا پڑے گا!"

"مجھ پہ حق مت جمایا کرو،،، کچھ نہیں ہوں میں تمھاری کوئی رشتہ نہیں ہے۔" غراتے ہوئے اس نے میران کی آنکھوں میں دیکھے کہا۔ حلیمہ بی ان دونوں کے مکالمے کے درمیان بولنے کی جرات کر بھی نہیں پائی تھیں۔

"فکر کیوں کرتی ہو بہت جلد اس دل کے رشتے کو حقیقی رشتے میں تبدیل کرونگا۔" پھنکارتے ہوئے وہ دوبدو بولا رومائزہ لڑکھڑا کے پیچھے ہوئی۔

"حلیمہ بی اسے لے جائیں اور نرمی سے کام نا چلے تو آپ سختی کر سکتی ہیں۔ مہمان تین دن کا ہوتا ہے اسے تو ماہ ہو گیا ہے۔" وہ سکون سے طنز کے نشتر چلارہا تھا وہ اپنی بے بسی پہ رو دی کتنا شکوہ کرتی کتنا خود کے لیے لڑتی۔ تھک گئی تھی۔

وہ حلیمہ بی پہ شکوہ کناں نظر ڈالتی الٹے قدموں وہاں سے نکل کر تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر خود کو کمرے میں بند کر چکی تھی اور دروازے سے لگ کے آنکھوں سے بہتے سیال کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ حلق میں گویا آنسوؤں کی گٹھلی بھر کے معدوم ہوئی۔

مردوں کی جنگ تھی پر اسکا خمیازہ ایک لڑکی ذات کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھی خود میں مزید سمٹتی وہ خود کو تکلیف دینے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ ان آنسوؤں پہ آج جبر کرنا بے حد مشکل تھا۔ تھی تو وہ نازک گڑیا ہی پر شیرنی کی مانند دیدہ دلیر تھی۔ پر آج وہ شیرنی خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہی تھی کہ سانسیں تو تھیں پر کوئی زندگی نہیں تھی۔ وہ ریزہ ریزہ بکھرتی جا رہی تھی کمرے کی خاموشی میں بس اسکی ہچکیوں کا راج تھا۔

باہر ایک وجود اور تھا جس پہ بے چینی طاری ہو چکی تھی۔ میران حلیمہ بی کی طرف پلٹا۔

"چھوٹے سائیں..." حلیمہ بی مزید بولتیں اس نے انھیں خاموش کر دیا۔

"آپ پہ بھروسہ کر کے اسے یہاں رکھا ہے آپ اگر لاپرواہی کریں گی تو وہ موقعے کا فائدہ ضرور اٹھائے گی۔ سب جانتی ہے وہ اسے سارا علم ہے ہم اسے تکلیف نہیں دے سکتے میری محبت کا بہت فائدہ اٹھا لیا ہے اب مزید نہیں۔ آئیندہ کوئی کوتاہی معاف نہیں ہو گی۔" چہرے کے تنے نقوش،، لب بھینچے وہ بولا حلیمہ بی نے سر ہلایا۔

"معاف کر دیں مجھے بلکل اندازہ نہیں تھا وہ بھاگ جائے گی۔ شام تک بلکل ٹھیک تھی ہنس بول رہی تھی مجھے علم ہی نا ہوا اسکی خوشی کی وجہ کیا ہے..." حلیمہ بی نے تھوڑی صفائی پیش کی میران سانس لیتے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

باہر عزیز کھڑا تھا اور باقی گارڈز... بلخصوص زخمی گارڈ سر پہ پٹی باندھے کرسی پہ بیٹھا تھا میران کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

میران نے طائرانہ نظر ان سب پہ ڈالی عزیز تو وہاں سے ہٹ ہی گیا تھا۔

"عزیز ان سب کو فارغ کرو کسی ایسے فرد کی ضرورت نہیں جو زمہ داری چھوڑ چھاڑ کھیل میں وقت گزارے۔" میران نے شطرنج ٹیبل پہ رکھا دیکھا اس پہ نظریں جمائے بولا اور قریب جا کے ہاتھ سے اسے الٹ دیا۔ اسکے غصے کے آگے بولنے کی جرت کسی کی بھی نہیں ہوئی سارے سر جھکا کے کھڑے رہے۔ عزیز نے حکم سنتے ہی سر تابعداری سے جھکایا۔

آخری نگاہ ان سب پہ ڈال کے وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گیا تھا۔ عزیز نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی مالی نے اسے چابی دی تھی۔ اس نے گاڑی کے شیشے چڑھائے اور تیزی سے گاڑی وہاں سے نکالی۔ بیک مرر سے میران پہ نظر ڈالی تھی جو ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اسکا اپنا بازو گولی لگنے کی وجہ سے درد کر رہا تھا۔ پلاسٹر وغیرہ

اس نے اتار دیے تھے پر ڈاکٹر نے احتیاط کی تاکید کی تھی پر اس نے اس لڑکے کو اتنا مارا تھا بازو میں تکلیف بڑھنے لگی۔

سیٹ پہ پشت ٹکائے اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے آنکھیں موند لی تھیں۔

"سائیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہاسپٹل لے چلوں؟.."

"بکواس نہیں کرو... شنواری کا پتا کرو کب پیسے دے گا اپنی بیٹی کو بھول ہی گیا ہے..." سیدھے ہوتے اس نے انگھوٹے کی نوک سے آنکھوں کے کنارے مسلے۔ عزیز نے گاڑی کا رخ موڑتے ہوئے سر ہلایا۔ جب سے رومائزہ میڈم اسکے سائیں کی زندگی میں آئی تھیں عزیز کو میران کی ڈانٹ اور غصہ سننے کی عادت جو نہیں تھی اب ہو گئی تھی۔

گھر پہنچتے رات ہی ہو گئی تھی، عائشے تو سیدھا کمرے میں جا گھسی اور نیمل کی کلاس زرپاش صاحبہ نے لے لی تھی۔

"مام بھائی کو میں نے بتا دیا تھا اب انھوں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا یہ انکی غلطی آپ ان پہ غصہ کریں میرا کیا قصور۔" وہ بلکل مظلوم بن رہی تھی زرپاش نے اسے گھور کے دیکھا۔

"اسکو اپنے سو کام ہوتے ہیں وہ مجھے تمھاری خبریں دیتا رہے گا کیا! بہت بگڑ رہی ہو تم آنے دو تمھارے بابا کو وہی تم دونوں کی خبر لیں گے۔ تینوں کے تینوں اپنے باپ پہ گئے ہیں من موجی!" وہ غصے میں بڑبڑاتی کھانا کھانے لگیں۔

یہ منظر ڈائنگ ہال کا تھا۔

"اچھا چھوڑیں یہ سب... آپکو پتا ہے میں آج کس سے ملی..." وہ خوشی کی عالم میں چہکی زرپاش کی توجہ کھانے پہ ہی رہی۔

"اوہو مام دیکھیں تو سہی...." نیمل نے پلیٹ میں چمچ رکھا اور سائیڈ رکھا موبائل ان لاک کیا اور کچھ چھیڑ خانی کرنے کے بعد اسکرین ماں کی طرف گھومائی۔ زرپاش کا ارادہ سر سری سا دیکھنے کو تھا پر تصویر دیکھ کر نگاہیں ٹھہر گئیں۔ ماتھے پہ لاتعداد شکنیں نمایاں ہوئیں انھوں نے حیرت سے نیمل کو دیکھا جو کندھے چوڑے کیے بیٹھی تھی اور شان سے چاول چمچ میں بھر کے منہ میں ڈالے تھے اور مزے سے شانے اچکائے۔ جیسے کچھ جتا رہی ہو۔

"کہاں ملی تم میر ان جاہ سے؟" وہ حیرت زدہ تھیں۔ انکے پوچھنے پہ نیمل نے تفصیل بتائی۔

"اور یہ بھابھی کی دوست انوش ہے۔ ویسے سچ بتاؤں یہ میری جیسی ہی ہے بھابھی سے بہت مختلف ہے۔ اور بہت اچھی لڑکی ہے اگر آپ بھی اس سے ملیں گی تو متاثر ہو جائیں گی۔" اس نے موبائل زرپاش کے ہاتھوں میں دے دیا جو تصویر زوم کر کے دیکھنے لگیں نیمل ہنسنے لگی۔

"میری بڑی خواہش تھی ایک بار میران جاہ سے مل لوں دیکھیں پوری ہو گئی۔ الحمد اللہ.." زرپاش سے موبائل لیتے اس نے کہا وہ سر ہی ہلا سکیں۔

"بس اب یہ میران نامہ بند کرو کھانے پہ دھیان دو اور آئندہ بنا بتائے کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" وہ دو ٹوک کہتی کھانے میں مشغول ہو گئیں۔

مراد دیر رات گھر لوٹا تھا عائشے نیند کی کمی کی وجہ سے بیدار تھی اور کمرے کے چکر کاٹ رہی تھی۔ اسے اتنا معلوم تھا مراد کو آئے دس منٹ ہو چکے ہیں اور وہ ماں کے کمرے میں حاضری لگانے ہی سب سے پہلے گیا ہے۔ اور نیمل زرپاش کے ساتھ تھی یہ بھی اسے معلوم تھا۔

مراد کمرے میں آیا دونوں کے درمیان کوئی خاصی گفتگو نا ہوئی وہ سیدھا شاور لینے باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں تولیے سے بال خشک کرتے باہر نکلا تو عائشے نے نظریں جھکا لی اور بیڈ کی دوسری جانب جا کے بیٹھ گئی جہاں عموماً وہ سوتی تھی۔

وہ اپنے کام کرتا رہا ڈریسنگ کے پاس جا کے بال سنوارے سردیوں کی بدولت ہاتھ خشک ہونے کی وجہ سے لوشن بھی ہاتھوں اور چہرے پہ ملا عائشے کو شدید کوفت ہوئی۔ کمرے میں ہیٹر کی وجہ سے گرمائی تھی۔ رات کو مراد کے نہانے کی عادت عائشے کو بڑی چبھتی تھی۔ اتنی سردی میں رات کو نہانے کی کیا تک بنتی ہے؟ وہ تو ایسا مر کے بھی نا سوچے۔

اور پھر آخر کار صوفے سے شرٹ اٹھا کے اس نے وہ بھی پہن لی تو عائشے نے نظریں اٹھائیں اور کمرے میں دوڑائیں مراد کو دیکھا جو صوفے پہ لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔

عائشے کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے وجہ تحفہ تھا! نیمل نے یقیناً وہ انگھوٹی کا باکس اسے دے دیا ہوگا تو پھر وہ کب عائشے کو دیتا وہ بے حد چین ہو رہی تھی پتا نہیں کیوں.. اول تو اسے مراد برا لگتا تھا کیونکہ وہ پولیس والا تھا پھر اس نے تقدیر سے سمجھوتا کر لیا بس رہ رہی تھی دن کاٹ رہی تھی۔ پر آج جوانوش اور نیمل کے ساتھ دن گزارا اسے خود میں تھوڑی تبدیلی محسوس ہوئی۔ اور مراد کے سرپرائز کا جوانوش نے بھانڈا پھوڑا تھا اب وہ بے صبری ہو رہی تھی کہ مراد کب خاموشی توڑے گا۔

وہ کافی دیر اسے بیڈ سے پشت ٹکائے دیکھتی رہی مراد کو عائشے کی نظریں خود پہ جمی کافی دیر پہلے ہی محسوس ہو گئی تھیں پر وہ ہنوز اپنے کام میں لگا رہا تھا۔

"زیادہ ہی اچھالگ رہاہوں تو یہاں آ کے دیکھ لو شکل کی بہتر کو الٹی دیکھنے کو ملے گی۔" جب پانی سر سے گزر گیا تو مراد نے بھی عاجز آ کے کہا۔ پولیس والا تھا اتنی دیر کسی کی نظروں میں رہنا برداشت نہیں ہوا تھا۔ اسکی بات پہ عائشے جزبز سی ہو گئی۔

"آپکو تھوڑی دیکھ رہی ہوں۔ اندھیرے میں آپ تو کیا اپکی شکل بھی نہیں دکھ رہی۔" وہ ناخن چباتے خفت مٹاتے ہوئے بولی۔ کمرہ نیم روشن تھا۔ عائشے کی جانب کا لیمپ روشن تھا اور مراد کے لیپ ٹاپ کی اسکرین۔

"جب ہی کہہ رہاہوں ادھر آ جاؤ۔" اس نے صوفے کے برابر میں اشارہ کیا عائشے دانت پیستی رہ گئی۔ آج وہ اسے وہ سہی میں پولیس والا لگا تھا وہی جو اسے زہر لگتے تھے اور وجہ بہت ساری تھیں ایک وجہ یہی جو مراد نے ایسی بات کر دی تھی۔

"میں تو آنا نہیں چاہتی پر آپکی خواہش ہے بار بار کہہ رہے پاس بلا رہے ہیں تو ٹھیک ہے آجاتی ہوں،،" وہ ہو بہو جتاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی پاس بیٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کے رضائی کھولی تھی اور واپس بیٹھ گئی مراد کے ہونٹ مسکراہٹ میں بدل گئے اور جب وہ بیڈ پہ لیٹ گئی تو مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ مراد پہ آج کل ورک لوڈ کافی تھا۔ اس نے شاید ٹکٹس بک کروائی تھیں۔ لیپ ٹاپ بند کر کے اپنی جگہ پہ چلا آیا اور بیٹھ گیا۔ عائشے کی طرف اس نے گردن موڑی جو اسی کی طرف کروٹ لیے لیٹی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔

"صبح جلدی اٹھ کے کچھ سامان پیک کر لینا..." ٹانگیں بیڈ پہ رکھتے مراد نے رضائی خود پہ ڈالی۔ وہ فلحال بیٹھا ہی تھا. عائشے کی پٹ آنکھیں کھل گئیں۔

"کیوں ؟ کہیں جا رہے ہیں کیا؟"

"ہاں سوات دو دن کے لیے۔"

"پر کیوں ؟" اٹھنے لگی تھی کہ مراد کی اگلی بات پہ منہ پہ قفل لگ گیا اور شرمسار سی ساکت رہ گئی۔

"ہنی مون پہ نہیں لے کر جا رہا جو اتنے سوال جواب۔ ضروری کام ہے اس لیے جا رہا ہوں۔ اور تم اپنا سامان بھی پیک کر لینا وہاں سردی زیادہ ہو گی۔ تمھاری وہاں ضرورت تو نہیں ہر یہاں چھوڑنا مجھے مناسب نہیں لگ رہا تو تم میرے ساتھ ہی چلو گی۔" اسکا حکمیہ اٹل انداز تھا عائشے ساکت سی اسکی پیٹ دیکھتی رہ گئی پھر زرا سنبھلی۔

"اور پلیز کروٹیں کم لیا کرو... مجھے صبح ڈیوٹی پہ جانا ہوتا اسکے لیے فریش رہنا لازمی ہے۔ ایک رات کو انسان سو کے سکون حاصل کرتا اس میں بھی تم پورا بیڈ ہلا کے رکھ دیتی ہو۔" اسکی بات پہ عائشے کا منہ کھلا کا کھلا اور آنکھیں پھٹی رہ گئی اور وہ اب بھی خاموش نا ہوا مزید بولا۔

"خود تو چاہو دن میں بھی سو جاتی ہو گی ہم پورے دن کام میں لگ کے خوار ہوتے ہیں ایک رات نصیب ہوتی اس میں بھی بیگم صاحبہ کو سکون نہیں ہوتا۔" وہ تیز آواز میں ہی بڑبڑا رہا تھا جیسے ساری بھڑاس نکالی ہو۔ عائشے کو اسکے طنز پہ غصہ آنے لگا۔ کیا آدمی تھا کبھی اتنا اچھا اور کبھی طعنے دے کر ہی مار دے ایسا۔

"ٹھیک ہے پھر کل خود ہی دو دن کے لیے باہر چلے جایئے گا۔ اور آرام سے نیند پوری کر آیئے گا میں وہاں نہیں ہو نگی تو آپ بلکل ڈسٹرب نہیں ہونگے۔" رضائی کھینچتے عائشے نے کروٹ بھی بدل لی۔ اب مراد کی طرف اسکی پیٹ ہو گئی مراد جو چت لیٹ چکا تھا عائشے کی طرف مڑا۔

"تم سے پوچھا نہیں میں نے تم کو حکم دیا ہے۔ اول شوہر کا حکم ماننا بیوی کا فرض ہے اور میں نے صرف ساتھ چلنے کا کہا! اب بنا چوں چراں کیے سو جاؤ اور سونے دو... پتا نہیں کتنا بولتی ہو۔" مراد نے طاقت لگا کے رضائی کھینچ کے خود پہ ڈالی تھی عائشے بھن کے رہ گئی۔

وہ بول رہی تھی یا مسلسل وہ طنز کے تیر برسا رہا تھا۔ حد تھی...

دیر رات اس نے بنگلے میں قدم رکھا تھا ذولفقار صاحب کو جب معلوم پڑا کہ آج پھر بغیر سیکیورٹی کے نکل گیا انھوں نے گارڈز پہ بے حد غصہ کیا تھا۔ دونوں بار وجہ وہ لڑکی رومائزہ شنواری تھی۔ نا جانے اس میں ایسا کیا تھا جو

میر ان کو اسکے علاوہ اور کوئی دکھتی نہیں تھی۔ وہ اپنے دوست کی بیٹی سے اسکا رشتہ کرنا چاہ رہے تھے پر رومائزہ کے ہوتے ہوئے یہ کرنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

ان کو خبر مل گئی تھی وہ لڑکی بھاگ گئی ہے۔ فارم ہاؤس کے گارڈز میں سے ہی کوئی ایک انکا پالتو تھا جس نے خبر دی تھی۔ اور وہ انکے آدمیوں کے چنگل میں پھنس بھی چکی تھی اور پھر وہاں میر ان آگیا۔

میر ان نے رات کا کھانا کھایا۔ سونے سے پہلے اس نے لیپ ٹاپ کھولا تھا۔ انگلیوں کو حرکت دی اور تھوڑی دیر میں فارم ہاوس کے باہر کا منظر اسکے سامنے تھا۔

وہ اس لڑکی کی بہادری دیکھ رہا تھا کیسے اس نے گارڈ کو بے ہوش کیا اور مہارت سے دیوار پھلانگ کے بھاگی تھی۔ فوٹیج دیکھ وہ عش عش کر اٹھا۔ اسکی محبت کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔ آج میر ان نے اس پہ بلکل ترس نہیں کھایا تھا اور سخت فرمان جاری کر دیے تھے۔ پر اب غصہ کافی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

رومائزہ کی بھیگی آنکھوں کی پرچھائی نظروں میں گھوم گئی اسکا ہر درد وہ ختم کر دینا چاہتا تھا پر وہ لڑکی بہت پتھر دل بن رہی تھی۔ اسکے جذبات کی قدر کرتی پر قبول نہیں کرتی تھی۔ کچھ مغرور سی بھی تھی وہ۔ خیر دل میں دھڑکنے لگی تھی جلد از جلد اسے حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ ایک بار اس نے پھر اسکرین دیکھی باریک سی ہونٹوں پہ مسکراہٹ آئی۔

"میری شیرنی.. "مسکراہٹ روک کے لقب دیتے

اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

وہ ساری رات میران کے انتظار میں جاگتے رہے تھے جب اسکی گاڑی کی آواز آئی بالکونی میں جا کے اسے اندر بڑھتے دیکھا تب بستر پہ جا کے لیٹے۔ اب جب صبح وہ آفس میں شمس سے کل رات کے واقعے پہ گفتگو کر رہے تھے میران نک سک سا تیار انکے آفس میں آیا۔ بیٹے کو سامنے خوبرو دیکھ کر انکے جسم میں الگ ہی غرور و سرور اور سرشاری سرائیت کر جاتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ انکو میران سے محبت نہیں تھی۔ پر میران کے علاوہ انکو اپنے کالے دھندوں سے بھی محبت تھی۔

یہ انکی آفس کی عمارت تھی۔ وہ چلتا ہوا گلاس وال تک آیا کھڑکی کھول کے اس نے ٹھنڈی ہوا کے اندر آنے کا راستہ بنایا۔ وہ بہت پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔

"آپکے آدمیوں نے اچھا نہیں کیا۔" وہ گھوم کر انکے سامنے میز کے دوسری طرف ریوالونگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھا۔ شمس پہ نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہیں کی تھی۔

"وہ تم سے خود رہائی چاہتی ہے تو کیوں قید کرر کھا ہے؟ تمھارے قابل نہیں وہ۔" وہ سیدھے ہو کے بے تاثر انداز میں بولے میران نے کوئی تاثر نا دیا۔ نظریں ان پہ جمائیں۔

"زولفقار صاحب اپنی انا کو ختم کر دیں۔ اس جنگ میں اکیلے رہ جائیں گے چھوڑ دیں یہ سب۔ وہ لڑکی بے قصور ہے جو اتنا سب برداشت کر رہی وجہ ایک آپ اور دوسرا اسکا اپنا باپ ہے۔ میں اسے بس بڑے نقصان سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔" رومائزہ اسکے لیے کیا تھی اسکی گواہی وہ دینا ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ مختصر سی اس نے بات کہی اور کھڑا ہو گیا۔

"اور ہاں اگر یہ پالتو کتے زیادہ جمع ہو گئے ہیں تو نکال دیں ایسے مرنے کے لیے انکو میرے کاموں میں ٹانگ اڑانے کے لیے نا چھوڑیں۔" وہ آرام سے کہتا ٹھنڈے ٹھار لہجے میں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر باہر نکل گیا۔ پیچھے کمرے کا ماحول گرم ہو گیا تھا۔

زولفقار جاہ نے شمس کو دیکھا۔

"اس پولیس والے کے کیا حال چال ہیں؟"

"نئے کیس میں پھنسا ہے پر وہ چھوٹے سائیں سے تعلقات اچھے بنانے کی سہی کوششوں میں ہے۔"

"میران کو کچھ عرصے کے لیے باہر بھیجنا پڑے گا۔ اٹلی کی لیدر فیکٹری میں نقصان ہو رہا ہے۔ اپنے دادا کے کاروبار کے لیے وہ لازمی وہاں جائیگا۔" تسلی سے سر ہلاتے انھوں نے لمحوں میں پلان بنالیا تھا۔ نقصان تھا؟ یا کروایا جائے گا!

شمس کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ در آئی زولفقار صاحب ہنس دیے۔

کیونکہ بہت سے کام تھے جو میران کی غیر موجودگی میں ختم کرنا ضروری ہو گئے تھے۔

حلیمہ بی رات سے رومائزہ کے کمرے کا دروازہ کھٹکا کھٹکا کے تھک گئی تھیں اس نے دروازہ نا کھولا۔ انھوں نے کچھ دیر اسے اکیلے چھوڑنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ ساری رات انکی جاگتی آنکھوں میں گزر گئی۔ فجر ادا کی سورج نکلا انھوں نے ناشتہ بنایا۔ کمرے سے چابیوں کے گچھے سے مطلوبہ چابی نکالی اور روما کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ چابی کی آواز پہ اسکے وجود میں جنبش ہوئی۔ وہ زمین پہ بیڈ سے پشت ٹکائے گھٹنوں کے بل بیٹھی ساری رات روئی تھی۔

حلیمہ بی نے دروازہ اندر کی جانب دھکیلا اور اندر قدم رکھے پورا کمرا صاف ستھرا پڑا تھا بس ایک وہی بے جان سی سکڑی سمٹی ٹھنڈے فرش پہ بکھری حالت میں پڑی تھی۔ رومائزہ نے سر اٹھا کے دیکھا سرخی میں مائل، آنسوؤں کے دھبوں سے بھرا بھرا چہرا سوجے ہوئے آنکھوں کے پپوٹے۔ اسکی حالت پہ انھیں دکھ ہوا وہ اسکے

پاس آئیں پنجوں کے بل بیٹھیں۔ چہرے پہ چپکے بال پیچھے کیئے ہاتھوں سے ہی اسکا چہرہ صاف کیا تھا اس نے آنسو پہ قابو پاتے افسوس غم کے ملے جلے تاثرات سے انھیں دیکھا۔ اور جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ان سے ناراض تھی۔ ہونا تو حلیمہ بی کو چاہیے تھا وہ اسکے اقدام پہ خفا ہوئی بھی تھیں پر رات میران جو اس پہ اتنا برسا تھا اسکے آگے حلیمہ بی نے اپنی ناراضگی بھلا دی تھی۔

"اب کیوں محبت کا احساس دلا رہی ہیں۔ جب کل آپکی ضرورت تھی آپ ایک لفظ بھی میری حمایت میں نہیں بولیں۔ ہاں بولتی بھی کیوں آپ تو اسی کی ملازم ہیں اسی کا کہا مانیں گی چاہے وہ دوسروں کی زندگی کے کچھ بھی فیصلے کرتا پھرے۔ بلکہ مجھے معاف کر دیں آپکے سائیں کے خلاف بہت بکواس کر رہی ہوں۔" دبے دبے غراتے لہجے میں اس نے غصہ ظاہر کیا اور آخر میں تمسخر سے معافی مانگتے ہنسی۔

"میرا بچہ میں تم دونوں کے درمیان کیا بولتی۔ مجھے اتنی چھوٹ حاصل نہیں ہے۔"

"ساری چھوٹ آپکو حاصل ہے وہ سب کچھ آپکو بتاتا ہے۔ میں اندھی نہیں ہوں میں نے دیکھا ہے کتنی آپ سے محبت کرتا ہے کتنا اسے آپکا خیال ہوتا ہے۔ جب بھی آتا ہے میرے ساتھ ہمیشہ آپکی بھی خیریت دریافت کرتا ہے۔ باقی ملازموں کے ساتھ اسکا ایسا رویہ نہیں۔ آپکو وہ ماں کی طرح سمجھتا ہے اور آپ بھی بیٹا سمجھتی ہیں۔ چھوٹے سائیں چھوٹے سائیں کرنا میرے سامنے ایک بہانہ ہے۔" وہ بیڈ پہ بیٹھتی پھٹ پڑی حلیمہ بی تحمل سے سنتی رہیں پھر سانس بحال کی۔

"میں چلی گئی تھی پھر اس نے واپس مجھے یہیں لا کر پھینک دیا۔ اور میں اسکا کوئی حکم نہیں مانوں گی کمرے میں بند رہوں... ہنہہ.. ہوتا کون ہے مجھ پہ فیصلے تھوپنے والا۔ آپ اسے روک سکتی تھیں پر آپ نے اسے نہیں روکا مجھے آپ سے یہی شکایت ہے۔"

"کیوں روکتی ان کو؟ انکا فیصلہ ٹھیک تھا تم بھاگ نکلی سزا تو دیتے نا! اندازہ بھی ہے تمھاری فکر میں کتنا پریشان ہوئی ہوں۔ اگر وہ بیٹوں کی طرح ہیں تو تم بھی بیٹی جیسی ہو۔

بہت غصہ آیا تھا تمھاری حرکت پہ... میرے بھروسے کو تم نے ٹھیس پہنچائی ہے۔" وہ اسے دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ روما کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"میں ڈر گئی تھی اگر وہ نا آتا تو عزت بچاتے بچاتے مر جاتی۔"

ان غلیظ نظروں سے اسے خوف بھی آیا تھا۔ دوسری طرف میران کی نگاہیں زہن میں گردش کرنے لگیں جہاں ہمیشہ عزت و احترام ہوتا تھا۔ اور اسکے علاوہ محبت یا پھر غصہ!

"میں نے لڑنے کی بہت کوشش کی پھر بھی..." سر جھکائے وہ خاموش ہو گئی حلیمہ بی اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے نکلنے لگی تھیں پر اسکے دھیمے نم لہجے پہ قدم رک گئے وہ پلٹیں اسکے پاس واپس آئیں۔ اکیلا کیسے چھوڑ سکتی تھیں۔ اسے خود سے لگالیا وہ لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رودی اسکے بالوں پہ بوسہ دیا اسکے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"سوری..." پھر خاموشی میں آواز پھیلی حلیمہ بی نے اسکے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"کل بہت ستایا ہے تم نے... اب بھول جاؤ جو ہوا غلطی تمھاری تھی۔" اسکا ہاتھ پکڑ کے اسے کھڑا کیا۔ ساری رات جو وہ روئی وجوہات ایک میران کا لہجہ اور دوسرا ان لڑکوں کے ساتھ ہوا حادثہ تھا۔ انکی نگاہیں یاد آتے ہی پورا جسم اسے جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے جسم میں انگارے بھر دیے ہوں۔

"وہ کیا کرے گا ان کے ساتھ؟"

"وہ ایسے درندوں پہ رحم نہیں کریں گے جو کسی لڑکی کی عزت خراب کرنے کے درپے تھے۔" انکا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"مار دے گا؟" اسے حیرانی ہوئی حلیمہ بی خاموش رہیں۔

رومائزہ نے اپنا جلا ہوا ہاتھ آگے کیا جسکے زخم بلکل تازہ تھے اور چھالے پڑے تھے۔ حلیمہ بی سر پکڑے رہ گئیں۔

"پاگل لڑکی کیا کرتی ہو تم۔ رات سے تکلیف برداشت کر رہی ہو۔" وہ فوراً کریم اور پٹی لے آئی تھیں اور اسکے ہاتھ پہ لگانے لگیں۔ وہ انکے خیال کرنے پہ جی بھر کے مسکرائی۔

"ہاں تو مجھے غصہ تھا اس لیے نہیں بتایا۔ جب ان موالیوں سے دو دو ہاتھ کیے اس وقت تو بس میر اضبط تھا۔ اور اس نے جب بے دردی سے ہاتھ پکڑے تھے اتنی جلن ہو رہی تھی مجھے۔ اور جب چھلانگ لگائی تب بھی ہاتھوں کے بل ہی گری تھی۔ سب سے زیادہ اس ہاتھ پہ ظلم ہوا ہے۔" وہ دکھی انداز اپنا کر بولی۔

"خود ہی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی ہو بہت لا پرواہ ہو۔"

"نہیں بھئی میں اپنا بہت خیال رکھنے کی کوشش کرتی خود ہی دیکھ لیں۔" اس نے اشارہ چہرے کی طرف کیا۔ حلیمہ بی نے اسکی شکل دیکھی۔

"روتی شکل لگ رہی بلکل۔" انکی بات پہ وہ ہنس دی۔

"شکر میں نے مارشل آرٹس سیکھ لی تھی بچپن سے ہی شوق تھا دیکھیں کتنا کام آیا یہ سب سیکھنا۔ ہر لڑکی کو چاہیے اپنی حفاظت کے لیے کراٹے سیکھ لے۔" وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ زیادہ بول کر بھی وہ اپنی تکلیف کو چھپانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ حلیمہ بی تو بس اسکی سننے کے لیے رہ گئی تھیں۔ پٹی کر کے وہ فارغ ہوئیں۔۔ رومائزہ نے ہاتھ الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"تھینک یو۔"

"اب شاباش فریش ہولو ناشتہ بن گیا ٹھنڈا ہو جائیگا۔ ٹیبل سیٹ کر رہی ہوں تم فٹافٹ آجاؤ۔" مسکرا کر کہا تو اس نے سوجی ہوئی بڑی آنکھوں سے انھیں دیکھا۔

"اس نے منع کیا ہے آپ حکم عدولی کریں گی۔" اسے حیرت ہونے لگی۔

"اگر وہ میرے بیٹے ہیں تم میری بیٹی ہو۔ آخری فیصلہ ماں کا ہوتا ہے چلو جلدی سے آؤ۔"

"وہ آپ سے ناراض ہو جائیگا۔"

"نہیں ہونگے۔ البتہ اگر تم انکی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتی تو میں ناشتہ یہیں لے آتی ہوں۔" رومانے فوراً نفی کی۔

"ایسا نہیں ہے۔ میں آپکے کہے بغیر خود باہر نکل آتی۔ کیوں مانوں اسکی بات آیا بڑا اکڈ نیپر بنا پھرتا ہے۔" آخر میں بڑبڑاتی ہوئی وہ واش روم میں گھس گئی حلیمہ بی ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ اور رومائزہ شنواری کا بھی کوئی ثانی نہیں تھا۔

مراد فریش ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا اسے لگا عائشے اٹھ جائیگی پر جب وہ آدھے گھنٹے بعد واپس آیا تو وہ اب تک رضائی میں دبکے سو رہی تھی۔ اس نے سانس خارج کی گھڑی دیکھی۔ دس بجے تھے۔ اور دو بجے انکی فلائٹ تھی۔ سر جھٹکتے وہ اسکے پاس آیا۔

آج وہ پہلی بار اسے خود سے اٹھا رہا تھا اسے خود بھی سمجھ نہیں آیا کیا بولے۔

"سنو..." سرہانے کھڑے اس نے مخاطب کیا پر وہ ٹس سے مس نا ہوئی مراد نے چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور اسے بازو سے جھنجھوڑا۔

"بیگم صاحبہ اٹھ جایئے دیر ہو رہی ہے۔" ایسے بے دردی سے جھنجھوڑنے پہ وہ بوکھلا کے اٹھ بیٹھی تھی۔ آنکھیں ڈھنگ سے کھل بھی نہیں پائی تھیں اس نے انگلی سے آنکھیں رگڑ کے مراد کو دیکھا جو اسکے سر پہ قریب ہی تیور چڑھائے کھڑا تھا۔

"کیا آپ کو طریقے سے جگانا نہیں آتا؟"

"تم ہی بتا دو کس طریقے سے جگاتا!" عائشے پہ نظریں ٹکائے اس نے پوچھا۔

"آواز دے دیتے میں جاگ جاتی۔" خود پہ سے رضائی ہٹاتے ہوئے وہ بولی۔

"یہ طریقہ فیل ہو چکا تھا پھر مجھے اپنا طریقہ آزمانا پڑا۔ فٹافٹ تیاری کرو دو بجے کی فلائٹ ہے۔ زیادہ کچھ نا بھرنا بس گرم کپڑے رکھ لو دو دن کے حساب سے۔" مسہری سے اٹھ کے اسکے روبرو کھلے بالوں میں کھڑی تھی۔ وہ زیادہ تر اسے جگائے بنا ہی نیچے چلا جاتا تھا عائشے خود نیمل کے ساتھ ٹیبل پہ آجاتی تھی۔ شادی کی پہلی صبح کے بعد اس نے آج اسے جاگنے کے فوراً بعد دیکھا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ اسے اچھی لگنے لگی تھی۔

اس پہ سے نظریں ہٹائے وہ بالکونی کی طرف بڑھ گیا عائشے شانے اچکاتی فریش ہونے چلی گئی۔

ایک ہی سوٹ کیس میں ان دونوں کا سامان آسانی سے آگیا تھا۔ مراد سوٹ کیس لے کر باہر چلا گیا تھا۔ عائشے اپنی تیاری میں لگی تھی۔

اس نے انوش کو فون ملایا ہوا تھا۔

"کب تک واپس آو گی؟"

"بس دو دن میں..." آئینے میں اپنے سراپے پہ اس نے نگاہ ڈالی اور انگلیوں کی مدد سے سر میں آڑھی مانگ نکال لی۔ وہ مکمل تیار ہو چکی تھی۔

"لڑکی ایک بات بتاؤ.. "انوش جامعہ میں بیٹھی کینٹین میں موجود کافی کا گھونٹ بھرتے بولی۔ اردگرد کی دنیا میں خوب شور تھا عائشے سے بات کرنے کے لیے اس نے پرسکون سا کونا اپنے لیے تلاش کیا تھا اور وہیں ٹک گئی۔ سچ تو یہ تھا رومائزہ اور عائشے کے بغیر جامعہ میں بلکل اسکا دل نہیں لگتا تھا۔

"اسٹڈیز کب کنٹینیو کروگی؟ یونی آنے کا کب کا ارادہ ہے آنا بھی ہے کہ نہیں؟" وہ کھڑے تیور لیے بولی عائشے لب بھینچے۔

"مجھے نہیں پڑھنا مزید کچھ بھی۔ سسرال کی جھنجھٹیں دیکھوں یا اپنی پڑھائی!" اسکے بے نیاز صاف انکار پہ انوش کی آنکھیں باہر آئیں اسے خوب غصہ چڑھا۔

"عائش دماغ دہی بیچنے چلا گیا ہے؟ سسرال والے تم سے کون سا کوئی کام کرواتے ہیں۔ اور تم تو پہلے دن سے ہی شادی کے بعد بھی پڑھنا چاہتی تھیں پھر یہ اب کیا ہوا!؟" انوش نے فون کان کی دوسری طرف لگایا۔

"پہلے حالات کچھ اور تھے اب حالت نے رخ بدل لیا ہے۔ میرا دل سب سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ پڑھ کر میں نے کونسا جھنڈے گاڑ لینے۔" اسکا بجھا لہجہ انوش کے زیر غور تھا اسے اندازہ نہیں تھا عائشے پڑھائی سے یوں منہ موڑ لے گی۔ وہ زہین لڑکی تھی جب روما اور انوش اسے ملی تھی ابتدا کے دنوں میں تو کتابوں میں ہی اسکا سر ہوتا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ اسکی کبھی کسی سے دوستی نہیں ہوئی تھی۔

"ہاں دفع ہو جاؤ تم بھی۔ روما سے تو میں بات نہیں کرونگی سکون سے کشمیر میں بیٹھی ہے تمھاری بھی شادی ہو گئی تم بھی مجھے بھول جاؤ گی آہستہ آہستہ۔ ویسے بھی میر انعم البدل تم کو نند کی صورت میں مل گیا۔ اور میں دیواروں سے ٹکرے مارتی پھروں بس۔ اللہ حافظ!" اس نے تلملا کر کال منقطع کر دی عائشے ماتھا مسلتی گم سم سی پلٹی۔ بے ساختہ نظریں جھک گئیں۔ مراد اسے بلانے آیا تھا اور لاک پہ ہاتھ ٹکائے اسی کی جانب متوجہ تھا۔

"چلو.." وہ سر ہلاتی اسکے پیچھے ہولی۔ انوش کو ناراض چھوڑ کے جانے کا اسکا بلکل دل نہیں تھا۔ تبھی موبائل وائبریٹ ہوا۔

"مجھے آ کے شرافت سے منا لینا اور عقل تو میں اب تمھاری ٹھکانے لگا کے رہوں گی۔" اسکا میسج پڑھ کے اسکے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی جو مراد سے چھپی نہیں تھی۔ مراد کے دیکھنے پہ عائشے کے ہونٹ سکڑے وہ لاؤنج میں سب سے ملنے کے لیے آ گیا تھا۔ سجل بھی صبح ہی آئی تھی اور ساتھ مہمل کو بھی لے آئی تھی۔ اسکا ایک رشتہ بے شک نا ہوا پر بھانجی ہونے کا دوسرا رشتہ تو بر قرار تھا۔

"کام کے سلسلے میں جا رہے ہو گے..." مراد زرپاش سے مل رہا تھا تب مہمل کی آواز اسکے کانوں میں پڑی عائشے بخوبی اسکا طنز سمجھی تھی۔ مہمل کو دیکھ اسکا خون کھولنے لگا تھا اپنی تزلیل وہ بھولی تھوڑی تھی مراد سے جب وہ مخاطب ہوئی عائشے نے دانت پیسے اسے دیکھا۔

"دو دن کی چھٹی ہے سوچا عائشے کو باہر لے جاؤں ذہن بھی فریش ہو جائے گا۔" عائشے پہ نگاہ ڈالتے اس نے مسکرا کر کہا اور ماں کے سر پہ بوسہ دیا نیمل کی طرف بڑھا جو موبائل میں لگی ہنسی دبا رہی تھی۔ دوسری طرف عائشے نے بھی مہمل کے بھونچکائے چہرے کے اڑے رنگ دیکھ کر لب کترتے ہنسی دبائی۔ زرپاش صاحبہ اس حوالے سے واقف تھیں پر مراد کے سچ چھپانے پہ کچھ نہ بولیں۔ وہ گھر میں سکون کی خواہشمند تھیں بس۔

"بیگم کے لیے تم نے ٹائم نکال لیا اور ایک ہم جو فیملی ویکیشنز پہ تم کو چلنے کا بولتے اس وقت تمھارے پاس وقت کی قلت ہی رہتی تھی۔" سجل نے اسکے کندھے پہ ہاتھ مارتے شکوہ کیا تو وہ ہنس دیا۔ ان بہن بھائیوں کی گفتگو مہمل کو بلکل نا بھائی اس نے دانت کچکچاتے عائشے کو دیکھا۔ وہ مہمل جتنی حسین نہیں تھی پھر بھی مراد اپنی بیوی کے علاوہ کسی پہ نظر نہیں ڈالتا تھا۔ نفرت بھری نگاہیں اس نے عائشے پہ ڈال رکھی تھیں وہ بھی ڈھٹیوں کی طرح مراد کی اوٹ میں کھڑے اسکی آنکھوں میں دیکھے گئی۔

سجل نے بس ایک نظر ہی عائشے پہ ڈالی تھی اور واپس جگہ پہ بیٹھ گئی۔ زرپاش اور سجل کا انداز عائشے کے لیے مراد سے پوشیدہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا وہ دونوں عائشے کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔

فلحال بات نکالنے کی فرصت نہیں تھی اسے دیر ہو رہی تھی۔ الوداعی کلمات کہتا عائشے کو آگے چلنے کا کہتے ہوا لاؤنج کے دروازہ عبور کر گیا۔

ہنجرو والا گوٹھ۔

گارڈز کے ہمراہ اس نے اس گاؤں میں پہلی بار قدم رکھا تھا۔ اسکے حکم پہ گاؤں میں تعمیراتی کام فوراً شروع کر دیا گیا تھا۔ اور آج وہ گاؤں کے دورے کے لیے ہی چلا آیا تھا۔ گاؤں کا سردار اس کے پشت قدم تھا۔

میران نے اسکول اور ہاسپٹل کے تعمیر ہوتے ڈھانچے کا جائزہ لیا اور بلڈر کو کام جلد از جلد مکمل کرنے کی تاکید کی۔ اور پھر گاؤں کی بیٹھک کی طرف آ گیا جہاں گاؤں میں پنچایت لگا کرتی تھی اور لوگ جمع ہوتے تھے۔

سردار کے بلانے پہ رہائشی کسان مزدور اور دیگر لوگ سبھی وہاں جمع ہو گئے۔ گاؤں کے لوگ انپڑھ تھے کسی حکمران نے بھی اس گاؤں کی معاشی بحالی کے لیے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ بس کھیتی باڑی اور محنت مزدوری سے لوگ اپنا بیوی بچوں کو پال رہے تھے۔ اور جو وہاں کا سردار تھا وہ بھی کم پڑھا لکھا پر رئیس آدمی تھا۔ جسے دیکھ میران گاؤں کے حالات کا بخوبی اندازہ لگا چکا تھا۔

لوگوں نے میران کے بارے میں کافی سن رکھا تھا اسے نظروں کے سامنے پا کر انکے چہرے کھلتے گلاب ہو رہے تھے۔ ایک نئی امید نئی کرن۔

"سائیں آپ نے گاؤں آ کے اعزاز بخشا ہے۔ آج تک کسی حکمران نے یہاں نگاہ نا ڈالی اور اگر کبھی کوئی آیا بھی تو ووٹ لینے کے بعد اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا آپکے بارے میں کافی سن رکھا آپ غریبوں کے مسیحا ہیں۔ ہماری اب ساری امیدیں ہی آپ سے ہیں۔" بڑی عمر کے بزرگ نے اسکے سامنے ہاتھ جوڑ لیے تھے

میران نے آگے بڑھ کے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ عزیز میران کے بائیں طرف کھڑا تھا۔ دونوں ہی سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔

میران نے ان بزرگ کے ہاتھ سے ہاتھ نکالا پھر سن گلاسز اتار کے بارعب انداز میں مخاطب ہوا۔

"صرف میرے کام کرنے سے ترقی نہیں ہوگی اصل محنت آپ سب نے کرنی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اتنے عرصے یہاں سے بے خبر رہا پر اب میری کوشش ہے گاؤں کی بہتری کے لیے جو ہو سکا وہ کروں۔ کچھ عرصے میں اسکول تعمیر ہو جائے گا آپ لوگ اپنے بچوں کو پڑھائیں! اور خود بھی تعلیم حاصل کریں۔ تعلیم حاصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہے۔ ایک باشعور قوم برے وقت کا سامنا ڈٹ کر کر لیتی ہے۔ اچھے اور برے میں فرق کرنا سیکھیں۔ بڑے آقاؤں کی جی حضوری سے سوائے دو روٹی کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔" بولتے ہوئے اس نے نگاہ سردار پہ ڈالی جو اپنی جگہ پہ جز بز سا ہو گیا تھا۔

اسکا چاشنی جیسا نرم انداز لوگوں کو بات سننے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ وہ اس طرح اپنی بات کرتا لوگوں کو حوصلہ دیتا انکی قابلیت پہ ہمت افزائی کرتا کہ اگلا فوراً عمل میں لگ جاتا اور کام نکلوانا بھی وہ بخوبی جانتا تھا۔

"کاروبار خود کرنے کی ہمت کریں۔ اپنے حوصلے کو دبانے کی جگہ پروان چڑھائیں۔ انسان چھوٹے قدم لیتے لیتے آخر میں چھلانگیں لگانا تک سیکھ لیتا ہے۔ چھوٹے کاروبار سے شروع کریں باقی ترقی اور رزق دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" اسکے بولنے پہ ماحول میں ایک سحر وافسوں طاری ہو گیا۔ لوگ توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ ہشاش

بشاش اعصابوں پہ نرم تاثر لیے صوفے نما گدی پہ نشست کندھوں پہ سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ اسکا امید دلانا حوصلہ بڑھانا لوگوں کا خون بڑھا رہا تھا۔ کچھ دیر اس نے گاؤں والوں سے مزید بات چیت کی پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سردار صاحب آپکے ہوتے ہوئے بھی لوگ ہر چیز سے محروم ہیں! لوگوں کو بلکل اپنا ذہنی غلام بنا کر چھوڑا ہوا ہے۔" لوگوں کے جانے کے بعد اس نے سردار کی طرف چہرہ کے رخ کیا سوال کیا۔

"سرکار میں تو معمولی سا سردار ہوں میرے پاس جتنے وسائل ہیں کوشش کرتا ہوں لوگوں کو روزگار فراہم کروں۔ ہمارے گاؤں میں زراعت کا کام سب سے زیادہ ہوتا اور لوگ کھیتی باڑی،، مزدوری کرتے اور روزی کماتے ہیں۔"

"تم چاہو تو بہت کچھ کر سکتے ہو پورے گاؤں کے اختیارات تمھارے حوالے ہیں۔ اگلی بار جب یہاں میں قدم رکھوں تو لوگوں کے زہن غلامی میں جکڑے ملے نا مجھے۔" سنجیدگی سے سردار کو دیکھتے وہ بولا۔ سردار نے سر ہلایا میران اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں ایک گارڈ اس بچے خضر اور اسکی بڑی بہن انعمتہ کو لیے وہاں آیا۔ میران نے اسے پہچانتے ہی مسکراہٹ پیش کرتے اسکے بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور انگلیاں چلائیں تو وہ بچہ ہنس دیا۔ پچھلی بار مزار پہ وہ جتنی بری حالت میں ملا تھا اس دفعہ کافی توانا محسوس ہوا۔

خضر اسے اپنے چھوٹے سے مکان تک لے آیا تھا۔ میران نے باہر سے ہی کچے مکان کا معائنہ کیا۔

"سائیں آپ سے ایک بات کہنی تھی۔۔۔" اس نے ہچکچا کے سر جھکا لیا میران نے اسکی تھوڑی اٹھائی۔

"بولو میں سن رہا ہوں۔"

"ہم شہر میں رہنا نہیں چاہتے،، یہاں ہمارے دوست بھی ہیں اور گاؤں والے بھی ہمارا شہر میں دل نہیں لگتا۔ اور اب آپ اسکول بھی بنوا رہے ہیں ہم یہاں ہی اپنی پڑھائی شروع کر دیں گے۔"

"پہلے تو تم خوش تھے اب کیا ہوا؟"

"گاؤں یاد آتا ہے۔ ہڈیوں کو آرام کی عادت نہیں ہے یہاں پہ کام بھی کرتا رہونگا تو دل لگا رہے گا۔ اور ابھی رحیم چچا بھی بتا رہے تھے وہ آدمی بھی شہر چلا گیا ہے۔ تو اب مجھے اپنی بہن کے لیے کوئی خوف نہیں ہم آرام سے یہاں رہ سکتے ہیں۔" اسکی ننھی آنکھوں میں خوشی کے فوارے پھوٹ رہے تھے وہ یہاں رہنا چاہتا تھا میر ان کو انکار کرنا مناسب نالگا۔ اس نے عزیز کو دیکھا عزیز نے سر اثبات میں ہلا کے ایک گارڈ کو مخصوص اشارہ کیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے جیسا تم چاہو۔ اپنا اور اپنی بہن کا خیال رکھنا۔" ایک نظر انعمتہ پہ بھی ڈالی۔ اتنے میں ایک خاتون وہاں آگئیں جو ان دو بچوں کا مسلسل نام لے رہی تھیں ان سے ملیں۔

"یہ فرحین مائی ہیں میرا اور انعمتہ کا بہت خیال رکھتی ہیں۔" خضر نے انکا تعارف کروایا میر ان نے مسکرا کے انھیں نظروں میں ہی گویا سلام کیا۔

"بھلا ہو آپ جیسے لوگوں کا۔ ان دونوں کے غائب ہونے کی وجہ سے خاصی پریشان تھی پر ابھی اسکے مکمل واقعہ بتانے پہ دل کو تسلی ہوئی ہے۔ بہت شکریہ آپکا جوان دو بچوں کا خیال کیا۔" وہ بے حد مشکوریت سے بولیں۔ میران چونکہ ہنجروالا آرہا تھا تو اس نے خضر کو بھی دارالعلوم سے بلوالیا تھا وہ اسکے ساتھ اسکا گاؤں دیکھنا چاہتا تھا پر خضر کو لانے میں گارڈ نے دیر کردی تھی۔ اور پھر جب وہ آیا تو پہلے کچھ گاؤں والوں سے ملا جو اسکے اپنے ہی تھے۔ والدین نے تو پہلے ہی ساتھ چھوڑ دیا تھا پر انکے جانے کے بعد چند لوگ تھے جو ان دو بہن بھائیوں کے قریبی بن چکے تھے جن سے کوئی خون کا رشتہ تک نا تھا۔ بس غریب ہی غریب کا ہمدرد تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھر کے باہر ہی خضر کے قریبی لوگ جمع ہو گئے۔ میران کے چہرے پہ مسکراہٹ راج کر رہی تھی۔ ان سب کے محبت نچھاور انداز پہ اس کے تراش لبوں پہ گہری تبسم بکھری نظروں میں فتح کن تاثر سمیت اس نے عزیز کی نظروں میں دیکھا جسکے چہرے پہ بھی پراسراری مسکراہٹ کا عکس تھا وہ سر جھکا گیا۔ نا جانے دونوں کے دماغ میں کیس چل رہا تھا۔

"شہر سے تمام اچھے ٹیچرز کو یہاں پڑھانے کے لیے راضی کرو جو جتنا معاوضہ مانگے اسے دینگے پر وہ شخص قابل ہو! لوگوں کے ذہن کی نشو نما کر سکے۔" گاڑی میں بیٹھتے چادر درست کرتے اس نے عزیز سے کہا عزیز سر ہلاتے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

رات میں میران زولفقار کے کمرے میں داخل ہوا۔

وہ کمرے میں موجود نہیں تھے واش روم سے پانی گرنے کی آواز آئی۔ وہ صوفے پہ بیٹھ گیا۔ نظر بیڈ پہ پڑے موبائل کی چمکتی اسکرین پہ گئی۔ اسکی بھنویں سکڑیں وہ اٹھ کھڑا ہوا نظر واش روم کے دروازے پہ ڈالی اور بیڈ کی طرف قدم بڑھاتا آیا۔

اسکرین پہ نگاہ ڈالی......

دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ پیدا ہوئی دروازہ کھلتا دیکھ وہ واپس جگہ پہ سکون سے بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو شیر بیٹے؟" البتہ اگر وہ لومڑ بھی کہہ دیتے تو غلط نا ہوتا۔ وہ باہر سے شاید ابھی ہی آئے تھے اور فریش ہونے کے لیے چلے گئے تھے۔

انکو ہنستے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"پہلے سے کافی بہتر ہوں... آپ بتائیں کچھ نئی تازی۔" اس نے ناک انگلی کی پشت سے رگڑی۔ بلو شرٹ بلو ٹروزار میں ملبوس شانوں پہ سیاہ گرم چادر پھیلائی ہوئی تھی ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے وہ بہت وجیہہ محسوس ہو رہا تھا۔

"تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے..."

"جی شروع کریں آپ نے کب سے تمہید باندھنا شروع کر دی۔" وہ اسکے برابر ہی میں بیٹھ گئے۔ اور چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔

"جب سے ہمارے درمیان رنجشیں پیدا ہوئیں۔ خیر میں چاہتا ہوں ہمارے تعلقات بہتر ہو جائیں اسکے لیے مجھے جو کرنا ہو گا میں کرونگا۔" وہ حتمی انداز میں بولے صبح والی بدمزگی انھوں نے بھلا دی تھی اور اسے حیرانی میں ہی تو مبتلا کر دیا تھا۔

"پھر آپکو کیا کرنا ہے وہ آپ اچھے سے جانتے ہیں شنواری کے معاملے میں اپنی انا کو کچلنا ہو گا۔ اور میری شادی کے معاملے میں کوئی رکاوٹ نہیں لائیں گے خوشی خوشی رومائزہ شنواری کو اس گھر کی بہو تسلیم کریں گے۔" صوفے سے پشت ٹکاتے کہنی صوفے کے بازو پہ جماکے وہ مطمئن سا ہوتے بولا۔

"بہت بہتر... میں تمھاری بات مان لیتا ہوں پر تم کو بھی میری ایک بات ماننی ہو گی۔"

"ہاہاہہ..." فضا میں اسکا قہقہ خارج ہوا ہنستے ہوئے اسکی آنکھوں کے گرد کی کھال پہ بل پڑے۔ بڑے جاہ نے اسے ہنستے دیکھا تو لبوں کے کناروں پہ بھی مسکراہٹ نے رنگ بکھیر دیے۔

"بلکل... زولفقار جاہ بنا مقصد کے کسی کو اپنا بخار تک نا دیں اور یہاں آپ خود چل کر آئے میرے پاس میں سمجھ ہی گیا تھا کہ آپکو کچھ بڑا ہی مجھ سے چاہیے ہو گا.. اگر آپ میری بات مان لیں گے تو میں بھی آپکا کہا مان لونگا۔"

وہ اب سیدھا ہوا کمرے میں خاموشی ہوئی باہر اوس گر رہی تھی۔ اسے معلوم تھا اسکا باپ اس سے محبت تو کرتا ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ میران کے لیے بھی اسکا باپ اتنی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا جاہ صاحب کسی صورت اسے خود سے دور نہیں کرینگے۔ وہ غلط کام کرتے رہے میران نے کبھی انھیں روکا نہیں پر جب بات اسکی محبت پہ آئی تو گھر میں فساد ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

رات کی تاریکی تھی سناٹے میں سرگوشیاں!

صوفے پہ بیٹھے دو وجود.. جملوں کا تبادلہ۔

دس سے پندرہ منٹ گزرے.. باہر اوس گرتی رہی۔

گھڑی کی ٹک ٹک بڑھتی رہی۔

ایک بلند قہقہہ..

"تو پھر ڈیل ڈن! فخر ہے مجھے تم پہ۔" اور یہ زولفقار جاہ نے چھوٹے جاہ کو سراہا تھا۔

دونوں کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ آئی۔ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

دو چہرے ایک جوان دوسرا عمر رسید۔

مصافحہ... مضبوط گرفت تھی۔

سودابازی!! محبت کی؟ بلکہ عشق کی۔

رگوں میں ایک ہی خون... چہرے دو!

شادی کے بعد پہلی دفع وہ شوہر کے ساتھ شہر سے باہر جارہی تھی۔ اور حیران کن بات یہ تھی کوئی خورشید نامی شخص ائیرپورٹ پہ انکے ساتھ آملا تھا۔ کونسا وہ ہنی مون منانے جارہے تھے جو اکیلے جاتے۔

مراد نے اسے خورشید کے متعلق آگاہ کردیا تھا کہ وہ اسکا رائٹ ہینڈ ہے۔

انکی بزنس کلاس سیٹس بک تھیں۔ وہ پہلی بار جہاز کا سفر کرنے کو تھی۔ تھوڑی نروس تھی تھوڑی پرجوش۔ مراد نے اسے کھڑکی والی سیٹ دی تھی خود درمیان میں بیٹھا جب کہ خورشید مراد کے بائیں ہاتھ کی طرف۔

جہاز نے جب پرواز پکڑی عائشے کی جان سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگی۔ وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی مراد نے بے اختیار اسکے ٹھنڈے ہاتھ پہ اپنا گرم رکھ دیا۔ جسکی حرارت سے عائشے کچھ پرسکون ہوئی تھی۔ نا اس نے ہاتھ اسکے ہاتھ سے باہر نکالا تھا نا مراد نے اسکا ہاتھ چھوڑا نرمی سے ہتھیلی کی پشت سہلاتا رہا تھا جب تک اسکی آنکھ نا لگ گئی۔

"محترمہ جاگ جایئے۔" مراد نے ہلکے سے اسے آواز دی تو وہ نیند سے بیدار ہو گئی۔ نیند میں ڈوبی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ مراد کے کندھے پہ اسکا سر ڈھلکا تھا وہ جھٹ پٹ سیدھی ہوئی لب کاٹتے ہوئے اس نے مراد سے نظریں چرا لیں۔ مراد کی زندگی کا سب سے حسین منظر تھا یہ وہ بے اختیاری میں اسے دیکھتا رہا چہرے پہ چمک در آئی۔ اسکی لونگ اس شفاف چہرے پہ خوب دمک رہی تھی۔

"سوات اتنی جلدی آگیا؟" سیٹ بیلٹس کھولتی وہ بولی خورشید ان دونوں سے پہلے ہی جہاز سے اتر گیا تھا۔

"ہم سات سمندر پار کہیں نہیں گئے سوات آئے ہیں۔ چھ گھنٹے کی فلائٹ تھی جو پانچ گھنٹہ تم نے سو کے گزار دی۔" اسکے ساتھ ہی وہ اٹھا تھا اور باہر نکلا۔ اسکے طنز سننے کی عائشے کو عادت ہو گئی تھی۔ منہ بناتے وہ سب سنتی رہی۔

ائیر پورٹ سے انھوں نے ایک گاڑی لی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ آبادی کی جگہ پہ آگئے۔ عائشے کو اچانک گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ ٹھنڈ اس قدر تھی کہ اس نے گرم سوئٹر پہ ایک جیکٹ سر پہ ٹوپا ہاتھوں میں دستانے تک چڑھا لیے تھے۔ گاڑی کی کھڑکی سے باہر وہ سوات کے لوگ اور انکے مکان دیکھ رہی تھی۔ سبز پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا یہ علاقہ تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف کی چادروں میں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ گاڑی ایک پُل سے گزری جسکے نیچے سے نہر بہہ رہی تھی۔ اس نے فٹ موبائل نکال کے یہ منظر موبائل میں سیو کر لیا تھا۔ مراد نے ترچھی نگاہ اسکے موبائل پہ ڈالی اور سانس لیتے پشت ٹکا کے بیٹھ گیا۔

گاڑی بلا آخر ایک جگہ رک گئی۔ وہ دونوں باہر نکلے مراد نے اپنا سامان اٹھایا اور خورشید کو الوداع کہتا عائشے کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔

"یہ کہاں جا رہے ہیں؟" عائشے نے چلتے ہوئے مراد کی طرف گردن موڑے استفسار کیا۔ تقریباً رات نو بجے کے قریب کا وقت تھا۔

"اسکا یہاں ایک دوست رہتا ہے وہ وہیں اسٹے کرے گا۔ اگر تم ساتھ نا ہوتی تو میں بھی اسکے ساتھ رہ لیتا اب بھی اس نے آفر کی تھی پر میں نے انکار کر دیا۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔ وہ ایک چھوٹے سے کاٹیج کے سامنے آرکے۔ جسکے گرد تاروں پہ بتیاں روشن تھیں۔ عائشے نے غور سے اس کاٹیج کو دیکھا اسکی گھبراہٹ بڑھنے لگی۔

مراد نے دروازہ کھولا اور اسے اندر آنے کا کہا وہ خالی ذہن کے ساتھ مرے مرے قدم لے کر اندر آگئی پر جیسے جیسے اندر کا منظر دیکھتی گئی اسے سانپ سونگھتا گیا۔ اسکا چہرہ زرد پڑ رہا تھا مراد لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا عائشے سانس روکے کاٹیج کا اندرونی حصہ دیکھنے لگی۔ مراد نے جب تک روشن دان میں لکڑیاں جلائیں تب تک وہ پورا کاٹیج گھوم آئی اور خاموش سی مراد کے پاس بیٹھ گئی۔ مراد نے اسکے چہرے کے آتے جاتے رنگ بھانپ لیے تھے اسے تشویش ہوئی۔

"کیا ٹھنڈ لگ رہی ہے؟" وہ متفکر سا بولا۔

"ہنہہ.... نہیں۔" اسکی آواز پہ جیسے وہ خیالوں سے باہر نکلی مراد کو دیکھا جسکی نظریں اسی پہ ٹکی تھیں۔

"شاید نیند کی وجہ سے تھوڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ سو جاؤ نگی تو ٹھیک ہو...." مراد نے اسکی بات درمیان میں اچک لی۔

"کتنی نیند ہے تمھاری؟ ابھی پانچ گھنٹے تم فلائٹ میں سو گئی اب بھی تم کو نیند آرہی ہے؟" اسکی نیند سے وہ تنگ آکر بولا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا بس تھوڑی تھکن ہو رہی ہے۔" وہ بنا کوئی غصہ ظاہر کیے آرام سے بولی۔ اسے حیرت ہوئی اتنی شرافت کی اسے اپنی بیوی سے امید تھی ہی کہاں۔

"سوچا تھا باہر جا کے کھانا کھالینگے پر تمھارا دماغ ہلا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ تم فریش ہو جاؤ میں کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔" کاٹیج کے ارد گرد ہی بازار قائم تھا آتے ہوئے عائشے نے دیکھا بھی تھا۔

"آپ باہر مت جائیں۔"

مراد کا ماتھا سکڑا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ مزید صفائی میں بولی۔

"پر مجھے بھوک ہے۔ کوئی مسئلہ ہے کیا؟ مجھے بتا سکتی ہو۔" عائشے کی باتیں اسکے چہرے کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں وہ اسے گھبرائی ہوئی معلوم ہوئی۔

"اندر روم میں چلی جاؤ تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔" اسکی آنکھوں میں جھانکتے وہ بولا اور اسکے چہرے کے گرد بالوں کو اس نے نرمی سے ہاتھ سے سمیٹ کے پیچھے کیا اور کوٹ واپس پہن کر باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی کھٹاک سی آواز پہ عائشے ہل کے رہ گئی۔ آنکھیں ڈبڈبائیں۔

"اپنی بھوک کی فکر ہے بس..." جی کڑاتے وہ سامان لے کر بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے سامان باہر تو نہیں نکالا تھا۔ بس کچھ کپڑے نکال کر فریش ہونے چلی گئی۔

تھوڑی دیر میں مراد واپس آگیا تھا اس نے کچن میں کھانے کے بیگز رکھے اور اسکے بعد فوراً فریش ہوا۔ کاٹیج کا درجہ حرارت باہر سے زیادہ تھا۔ وجہ کمرے میں ہیٹرز کا چلنا اور باہر روشن دان کی آگ سے بھی گرمائی بڑھ رہی تھی۔ بھوک عائشے کو بھی لگی تھی اور کھانے کی خوشبو پورے گھر میں پھیل کر اس تک پہنچ رہی تھی۔ مراد سے جھوٹ بول کے وہ پچھتا رہی تھی۔

"باہر آجاؤ کیا کمرے میں بیٹھی رہو گی۔ کھانا نہیں کھانا تو مت کھاؤ کم از کم مجھے کمپنی ہی دے دو۔" وہ نہا کر نکلا تھا گیلے بال ماتھا چھو رہے تھے بلیک شرٹ بلیک ٹراؤزر پہ اسکی شخصیت مزید نکھری نکھری نظر آرہی تھی۔ جس پہ اس نے ایک ہلکی جیکٹ اوپر سے پہن لی تھی۔

عائشے گلابی رنگ کے جوڑے میں ملبوس تھی مراد نے اسے دیکھا اور اسے وہ رنگ بے حد پسند آیا۔

وہ دونوں ٹیبل پہ ساتھ ہی موجود تھے مراد مزے سے کھا رہا تھا جھوٹے منہ اس نے عائشے کو کچھ کھانے کا نا بولا وہ دل ہی دل میں اسے کوس رہی تھی۔ایویں اسے یہ پولیس والا زہر نہیں لگتا تھا۔

تلی ہوئی مچھلی،،پلاؤ اور میٹھے میں ربڑی اسکے سامنے رکھی تھی۔

"تم نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا ہے حیرت ہے تمہیں بھوک نہیں لگ رہی۔کھاتی پیتی نہیں ہو کیا؟"اسکی صحت پہ چوٹ کرتے وہ بولا تو عائشے تلملا گئی۔

"آپ کو اپنے کھانے سے فرصت مل جائے تو دوسروں کو دیکھیں۔مجھے تب بھوک محسوس نہیں ہوئی تھی پر اب تو لگ رہی ہے..."مراد کا پلاؤ سے بھرا چمچ منہ کے قریب ہی رک گیا اس نے سنجیدگی سے عائشے کو دیکھا۔

"تو میں تمہیں کھانے کی دعوت دوں؟تمھارے سامنے کھانا رکھا ہے نکال کے کھالو۔کوئی مہمان تو تم ہو نہیں بیوی ہو میری۔"اسنے جیسے یاددہانی کرائی تھی اور پھر چمچ منہ میں بھر لیا۔عائشے نے خفگی سے نظریں ہٹالیں اور پلیٹ اٹھا کے سامنے رکھی اور پلاؤ نکالا۔کیوں اس سے وہ اچھی امید لگاتی تھی اسے خود پہ ہی غصہ چڑھا۔

کھانے سے فارغ ہو کے عائشے نے برتن سمیٹے۔کھانے میں استعمال ہونے والے برتن سب ڈسپوزبل تھے برتن دھونے کی کوئی جھنجھٹ نا تھی۔وہ فارغ ہو کے کمبل اوڑھ کے لیٹ ہو چکی تھی۔گیارہ بج رہے تھے نیند کا نام و نشان اسکی آنکھوں میں نا تھا۔

"تم سو جاؤ گھبر انا مت۔ مجھے کام ہے آنے میں دیر ہو جائے گی جاگتی مت رہنا..!" آرام سے تاکید کرتے ہوئے اس نے بیگ سے کچھ نکالا تھا جو عائشے کی نظروں سے اوجھل رہا وہ انگلیاں مڑوڑتی اسے دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" اسے ٹکر ٹکر دیکھتے اس نے کہا اور سر خم کر لیا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"جی.." اب کی بار عائشے نے چہرہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چاہتی تھی مراد اسے یہاں اکیلا نا چھوڑے پر اسے روک بھی نہیں پائی تھی۔ اور وہ اسے پریشان دیکھ کر رکا بھی نہیں۔

دیر رات مراد جب واپس آیا اس نے سب سے پہلے بیگ میں کچھ مخصوص شے واپس رکھی۔

"بابا امی.... چھوڑو مجھے۔" اسکا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور وہ سوتے میں زیرِ لب مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ مراد کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی وہ اسکے قریب آیا اور سننے لگا۔

وہ خوف سے کانپ رہی تھی ماتھے پہ پسینہ نمودار تھا۔ پر ایسا کونسا خوف جو نیند میں بڑبڑانا شروع کر دے۔ وہ مسلسل اپنے امی بابا کو پکار رہی تھی۔

"مراد نہیں...." جملہ نکلنے کی دیر تھی مراد نے اسے جگانے کی کوشش میں جھنجھوڑ ہی ڈالا۔

"عائشے اٹھو..." اس نے اسکا کندھا جھنجھوڑا وہ پھر بھی بڑبڑاتی گئی اور اچانک اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ سانس کہیں دور جا اٹکی جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پہ آیا وہ سرخ ہو رہی تھی۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چھت کو گھورا مراد نے اپنی جگہ بنائی اور اسکے ساتھ بیٹھا۔ عائشے نے لاشعوری میں اسے دیکھا اور گنگ سی تکتی گئی آنسو ٹوٹ کے آنکھ سے پھسلا تھا جسم اب بھی خوف سے لرز رہا تھا۔

"عائشے ہوش میں آؤ... کیا ہوا ہے تمھیں؟" مراد عائشے کو کندھوں سے تھام کر اسکی بڑی بڑی آنکھوں میں دیکھتے فکرمندی سے بولا جن میں ویرانی سی امڈ آئی تھی۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آئی گہری گہری سانسیں کھینچتے ہوئے بڑی غور سے مراد کو دیکھا اور سانس بحال کی۔

مراد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عائشے نے مٹھی کمبل پہ بھینچ کر گرفت مضبوط کرلی۔ خشک سرخ ہونٹوں پہ زبان پھیری اسکی حرکت پہ مراد نے گلاس پانی سے بھر کے اسکے سامنے کیا وہ گلاس منہ سے لگا گئی اور ایک ہی سانس میں سب اندر انڈیل لیا۔

"برا خواب دیکھا ہے..." کپکپاتے ہونٹ ہاتھ کی پشت سے رگڑتے خود کو کمپوز کرتی وہ شرمندہ سی بولی چہرے کا پسینہ ہاتھ سے صاف کیا پر اسکا جواب تسلی بخش نا تھا مراد مطمئن نا ہوا۔

بھنویں چڑھائے غور سے اسکے چہرے کا جائزہ لینے لگا وہ اسکی نظروں سے بے خبر اپنی ہانپتی ہوئی حالت پہ قابو پانے کی کوشش میں لگی تھی۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی پریشان دکھائی دی اور خواب میں اسکا اس قدر گھبرانہ فکر کی بات تھی۔ اب وہ اس سے کچھ چھپا رہی تھی پر کیا مراد کو وہی جاننا تھا۔

"اتنا کون ڈرتا ہے خواب سے؟ حالت دیکھو اپنی." اسکے بکھرے سنہرے بھورے بال سرخ پڑتے نم چہرے کو نظروں میں لیے وہ بولا عائشے گھگیا گئی۔

"بہت برا خواب تھا شاید اس لیے۔" وہ شانے اچکاتے بولی جیسے جواب دینے سے کترا رہی ہو۔ اسکی ناک کی لونگ چمک رہی تھی مراد نے اسکے چہرے سے نظریں پھیر لیں۔ عائشے اب بھی گہری سانسیں بھر رہی تھی جیسے خوف کے زیر اثر ہو۔

"اب ڈرو تو مت،، خواب ہی دیکھا ہے اتنا سر پہ سوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ اسکے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا عائشے نے منہ چڑایا۔

"آپکا کام ہو گیا؟"

"ہو جائے گا۔" وہ اتنا ہی بولا۔ اور جیکٹ اتار کے بیڈ پہ سونے کے لیے دراز ہو گیا۔ عائشے کا خوف سے ہلتا وجود مسلسل اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ عائشے نے کروٹ بدل لی اسکی پیٹھ مراد کی جانب ہوئی وہ کمبل میں لپٹی عائشے کی پیٹھ کو گھورتے ہوئے خیالوں کی دنیا میں کافی دیر رہا اور پھر نیند اس پہ بھی مہربان ہو ہی گئی۔

صبح جب اسکی آنکھ کھلی تو مراد کسی سے فون پہ بات کرنے میں مشغول تھا۔ اسے جاگتا دیکھ فون بند کر دیا تھا۔ تاریخی طور پہ عائشے آج آٹھ بجے ہی اٹھ گئی تھی۔

"رات کیا ہوا تھا تمھیں؟" وہ کسی جن کی طرح اسکے سر پہ سوار ہوا عائشے لاجواب تھی۔

"بتایا تو تھا ڈراؤنا خواب دیکھا تھا بس۔"

"بس یہی وجہ ہے؟" عائشے نے سر ہلایا۔

"اگر بعد میں مجھے کچھ پتا چلا تو تمھارے لیے اچھا نہیں ہو گا۔" اس نے دھمکی دی تو عائشے نے نظریں چھوٹی کیے سے اسے دیکھا۔

"ناشتہ کرنے نہیں جائینگے کیا؟"

"تم اٹھو گی تو جائینگے نا۔ جاؤ ریڈی ہو آؤ۔" اسکے چہرے کو نظروں میں لیے وہ بولا اور عائشے کے اٹھنے کے بعد واپس موبائل میں لگ گیا۔

یہ ایک چھوٹا ساڈھابہ تھا پر پرسکون بہت تھا۔وہ دونوں لکڑی کی ایک بینچ پہ بیٹھ گئے۔

ارد گرد سبز پہاڑ تھے تھوڑے فاصلے پہ ایک لڑکا بھیڑ کے بال مشین سے اتار رہا تھا اور دوسرا بچہ وہ اٹھا کے جمع کرتا بوری میں بھر رہا تھا۔اسی طرح ہر ذی روح اپنے اپنے کاموں میں مصروف اور روزی کے لیے محنت کر رہی تھی۔

عائشے ارد گرد کے مناظر دیکھ محظوظ ہو رہی تھی۔وہ سب دیکھتے ہوئے گہرا سا مسکرائی تو مراد کے جی میں سرشاری دوڑ گئی۔بنا پلک جھپکائے وہ کئی پل اسے تکتا گیا۔جو پنک موٹی لیدر کی جیکٹ اور سر پہ سفید ٹوپی پہنی مٹی کے کپ کو ہونٹوں سے لگائے خوشگواری سے بائیں طرف دیکھ رہی تھی مراد نے بے ساختہ مسکراہٹ لبوں کے کناروں پہ ہی روکتے سر پہ ہاتھ پھیرا اور واپسی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ناشتے کے بعد وہ واپس کاٹیج چلے آئے اور پھر عائشے خوار ہی ہوئی۔مراد کے نا جانے کونسے نا ختم ہونے والے کام تھے جو ختم ہو کے نا دیے اور وہ بے زرایت سے اکتا گئی۔اور شام میں پھر وہ ضروری کام کا کہتا باہر نکل گیا اور اسکی آنکھیں پھر ڈبڈبا گئیں بہتر یہی تھا کہ وہ لاہور ہی ٹھہر جاتی پر اس پولیس والے سے بحث کرنا بے کار تھی اس نے اپنی ہی چلانی تھی۔

"حلیمہ بی بارش کب ہو گی روز موسم بن رہا ہے پر بارش ہو کے نہیں دے دہی۔" وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکاتے ہوئے بولی۔حلیمہ بی صوفے پہ بیٹھی تھیں جو بیڈ کے آگے لگا تھا اور دوسرا صوفہ کھڑکی کے ساتھ بچھا تھا جس پہ رومائزہ بیٹھی تھی۔

"مزید ٹھنڈ بڑھ جائیگی پھر۔" انھوں نے اسکی عقل میں اضافہ کیا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ ٹھنڈ کا بھی اپنا مزہ ہے اور اسکی سب سے اچھی خاصیت پتا ہے کیا! انسانی سردلباس! مجھے تو بہت اچھا لگتا چاہے کسی بھی کلچر کا ہو۔ انسان کی خوبصورتی اور بڑھ جاتی ہے موسم سے لطف لیتے چائے پینا اور باہر گھومنا پھرنا۔" چائے کے کپ سے بھانپ اڑاتی وہ بولی اور پھر چسکی لی۔ چائے تھی تو چاہ تھی۔

"آہہ حلیمہ بی ایک تو آپکے ہاتھ کی چائے بے مثال ہے آپ جیسی چائے اور کوئی نہیں بنا سکتا۔ نشہ لگ گیا ہے مجھے۔" اس نے کھلے دل سے تعریف کی حلیمہ بی نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔ دو دن پہلے جو گھر سے بھاگی ساری رات روتی رہی یہ وہ رومائزہ نہیں تھی۔ انھیں اس سے توقع نہیں تھی کہ اب وہ خود نارمل کر سکے گی۔

بلکل میران کے مطابق..

She’s an unpredictable!

وہ انیس بیس سالہ کم عمر لڑکی،، طبیعت میں شوخ چنچلاہٹ پہلے جو تھی اب کم ہوگئی تھی پر کسی وقت اسکا پرانا روپ ظاہر ہو جاتا تھا۔ وہ بابا سے ملنے سے پہلے ہارنا نہیں چاہتی تھی اس لیے ہر طرح سے خود کو نارمل ظاہر کرنے لگی اور خوش رہنے کی کوشش۔

"آپکو پتا ہے کل کیا تاریخ ہے؟" اس نے اپنی چہک چھپائی۔

"22 دسمبر... کوئی خاص دن ہے کیا؟" انھوں نے ہونٹوں پہ مسکراہٹ روکی۔

"Yes..It's a very special day for me..Coincidentally, Mama and I have the same date of birth!"

"میری اور مما کی برتھ ڈیٹ ایک ہی ہے۔ میں ہر سال اپنے ساتھ انکا کیک بھی کاٹتی ہوں۔ وہ میرے پاس نہیں بہت دور چلی گئیں پر خیالوں میں وہ ہمیشہ زندہ ہوتیں۔" کہتے کہتے وہ افسردہ سی ہوگئی۔

"میں بابا کے ساتھ ہی اپنا برتھ ڈے منانا چاہتی تھی.."

"جبھی بھاگ نکلی تھیں۔"

"ہاں شاید... میں نے سوچا موقع ہے اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ ایک بار تو کوشش کروں تاکہ بعد میں پچھتاوا نا ہو کے میں نے خود سے بھی فرار ہونے کی کبھی کوشش نہیں کی۔" کپ کے نوک پہ اس نے انگلی پھیری کیا کمال منطق تھی۔

"پتا ہے بہت ہی عجیب سی زندگی ہوگئی ہے۔ مجھے تو اب خود پہ ہنسی آرہی ہے۔ ایسا نا فلموں اور ڈراموں میں دیکھا تھا اور کڈنیپ ہونے سے پہلے انوش نے کسی ناول کی اسٹوری سنائی تھی اس میں لڑکی کو لڑکا پسند کرتا ہے تو اغوا کرلیتا۔ اور میں کہانی سن کے بہت ہنسی تھی۔ بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے؟

"جسکے ساتھ ہوتا ہو گا وہی جانے ہم کو کیا علم..." اور انوش نے منہ میں چپس بھرتے بات ٹال دی تھی۔ رومائزہ یاد کر کے ہنس دی۔

"شروع شروع میں تو مجھے لگا وہ ناول والی کہانی ہی میرے ساتھ ہو رہی ہے۔ پر شکر میران اتنا برا نہیں۔ خیر وہ بہت اچھا بھی نہیں ہے۔ جب تک بابا سے میری بات نہیں ہوئی میرے دل کو سکون نہیں ملا تھا۔ پر ایک چیز سیم ہے۔ اس لڑکے کو بھی ہیروئن سے محبت تھی اور اس نے اسی لیے اسے اغوا کیا اور میران کو مجھ سے ہے پر اس نے کسی اور کو اغوا کروایا پر نکلی وہ اسکی محبت... واٹ ایور۔ کیا فلمی زندگی ہے کب کیا ہو جائے پتا ہی نہیں چلتا۔" چائے کا کپ خالی کر کے وہ ٹیبل پہ رکھتی ہاتھ کھڑے کر کے ڈرامائی انداز میں بولی۔ وہ بار بار میران کی یہ ایک خاصیت دہراتی تھی۔

"یہ دنیا جھوٹی لوگ لٹیرے۔" تمسخر سے گونجتا قہقہہ۔

"اور اگر سائیں جان بوجھ کے تمھیں اغوا کرواتے پھر؟"

"تو میں اسکی محبت پہ لعنت بھیجتی۔ وہ کسی صورت مجھے یہاں قید نہیں رکھ پاتا۔" وہ بے دھیانی میں بس بولے جا رہی تھی۔ انکے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"چلو بس بہت کان کھالیے تم نے۔ میں سوئیٹر بن رہی ہوں آجاؤ سیکھا دونگی۔" وہ ٹرے اٹھاتی کھڑی ہو گئیں تو رومائزہ چاکلیٹی براؤن اونی فراک کی آستینیں چڑھاتی انکے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئی۔

"سر مجھے نہیں لگتا وہ یہاں آئے گا۔" خورشید باقی آفیسرز کے ساتھ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا۔

"کل وہ نہیں آیا پر آج لازمی آئے گا۔" مراد نے گن لوڈ کرتے انھیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

کسی بند چھوٹی سی فیکٹری کے باہر وہ کھڑے تھے اور لمحوں میں اس جگہ کو گھیر کر اپنے قبضے میں کیا۔

بنا جوتوں کی چاپ کیے مراد کے پیچھے ہی باقی آفیسرز اندر داخل ہوئے تھے۔ اسکی رگیں تنی ہوئی پر وہ پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ گن تھامے نشانہ بنائے وہ لوگ فیکٹری میں داخل ہوئے۔ پر اندر صرف صفائی کرنے والے موجود تھے۔ جو انھیں دیکھ گھبرا گئے مراد نے گن نیچے کی۔

"تم لوگ بند فیکٹری میں کیا کر رہے ہو؟" اسکا ماتھا ٹھٹکا اس نے اپنا پولیس شناختی کارڈ انکے سامنے لہرایا۔

"سر ہمیں تو فیکٹری کے مالک نے صفائی کے لیے بھیجا ہے ہم پیچھے دروازے سے آئے ہیں اپنا کام کر رہے تھے۔ آپ کس کہ تلاش میں ہیں؟" ان میں سے ایک نے فوراً زبان کھولی مراد کے ماتھے پہ سلوٹیں آئیں۔

"تمھارے مالک کی یہاں کوئی میٹنگ نہیں تھی؟"

"مہینے بھر سے یہ فیکٹری بند ہے اب کام دوبارہ شروع ہو گا۔ مالک تو ہمارا کوئٹہ گیا ہوا ہے۔ ہم کو اس نے چابی بھجوادی تھی۔" دوسرے شخص نے مزید بتایا۔

مراد نے خورشید کو دیکھا ہو جیسے کہہ رہا ہو اس کا خدشہ ٹھیک ثابت ہوا ہو۔

"ٹھیک ہے تم لوگ اپنا کام کرو۔" وہ لوگ باہر گرے ہوئے شٹر کا تالا توڑ کے اندر داخل ہوئے تھے اندر سرگوشیوں کی آواز سن کر مراد کا شک یقین میں بدل گیا تھا اسے شکار قریب ہی محسوس ہو گیا۔

"اس نے کھیل کھیلا ہے ہمارے ساتھ۔ ڈیم اٹ۔ پھر ہاتھ سے نکل کے چلا جائے گا۔"

غصے میں ہتھیلی اس نے گاڑی پہ ماری۔ یہ کیس مراد سے پہلے ایک اور انسپیکٹر کے حوالے تھا پر اسکے ہاتھ بھی وہ شخص نا لگا تو یہ کیس مراد کی پچھلے کیسز کی قابلیت دیکھ اسی کے حوالے کر دیا گیا۔

"اے ایس پی صاحب کنٹرول یور سیلف۔ انشاء اللہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑیں گے۔" ٹیم کے جوان نے پر اعتمادی سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا مراد نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"اسکا مطلب وہ یہاں آیا ہی نہیں اس نے ہمارا دھیان بھٹکانے کی کوشش کی۔ ٹھیک ہے اسے اب ہم لاہور ہی میں پکڑیں گے۔ جب تک چھپ سکتا ہے چھپے... اسکے بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔" اسکے ہونٹوں کے

قریب عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔باقی آفیسر ز بھی گاڑیوں میں بیٹھے وہ سب سیول ڈریسنگ میں تھے۔مراد اور خورشید ساتھ آئے تھے باقی جوانوں کی ان سے پہلے والی فلائٹ تھی۔

مراد جب گاڑی میں بیٹھنے لگا تو اسکا موبائل بجا۔

کسی پرائیویٹ نمبر سے میسج موصول ہوا تھا۔

"اے ایس پی جسکی تلاش میں تم لگے ہو وہ لاہور میں بیٹھا ہے۔کل رات آٹھ بجے اگر یہاں پہنچ سکتے ہو تو پہنچ جاؤ۔شکریہ کہنے کی ضرورت میں دوسروں کی مدد کرنا پسند کرتا ہوں...." مراد کو اچھنبا ہوا اس نے پھر آخری سطر پڑھی جس پہ ایڈریس ذیل تھا وہ سوچ میں پڑ گیا شہادت کی انگلی سے اس نے کنپٹی دبائی۔

یعنی چھپن چھپائی کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔پر یہ میسج کرنے والا کون ہو سکتا تھا؟ کوئی بھلا کیوں اسکی مدد کرے گا؟ بہت سے سوال ذہن میں گردش کرنے لگے۔کیا وہ اس میسج پہ یقین کر لیتا؟ کیا اسے ایسا کر لینا چاہیے تھا؟

"آفیسر ز اگلی فلائٹ سے ہم لاہور واپس جائینگے۔خورشید سب کی فلائٹس بک کر دینا۔" اس نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور بولا۔ان سب نے اسکا اگلا پلان سن کر سر ہلایا اور خورشید نے دھواں اڑاتی گاڑی وہاں سے نکال لی۔

دس بجے تک مراد کاٹیج واپس آگیا خاموشی سے عائشے سے چھپا کے گن اس نے واپس رکھ دی۔گن چھپانے جیسی کوئی بات تھی تو نہیں وہ ملک کا رکھوالا تھا ہتھیار اسکے پاس ہونا لازم تھا پر عائشے کو جس طرح وہ خوفزدہ دیکھ

چکا تھا فلحال کوئی رسک مول نہیں سکتا تھا۔ وہ کھانا اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا۔ دونوں نے کھانا ساتھ ہی کھایا اور پھر مراد نے کمرے میں جا کے لیپ ٹاپ پہ ایکشن مووی لگالی۔ عائشے باہر کا سب سمیٹ کر واپس آئی اور چپ چاپ جگہ پہ لیٹ گئی۔ مراد جب سے آیا تھا وہ خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئی تھی۔ مراد گر کچھ سوال کر لیتا تو وہ جواب دے دیتی اور پھر خاموشی۔

"مووی نہیں دیکھو گی؟" اسے کروٹ کے ساتھ لیٹے دیکھ کر مراد نے سر کے پیچھے ہاتھ ٹکا کر پوچھا۔

"نیند آرہی ہے مجھے۔" سنجیدگی برقرار۔ مراد نے توجہ اسکرین کی جانب مرکوز کرلی۔ دو ڈھائی گھنٹے اسکے مووی کی نظر ہو گئے۔ پر نیند کا ناموں نشان نہیں تھا۔ اسے عائشے کا کل رات کا واقعہ یاد آیا۔ مراد نے عائشے کو دیکھا جسکا ماتھا اب پسینے سے پھر بھیگ رہا تھا اور ہونٹ تیزی سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ مراد نے اسے آج جگانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے یقیناً خود ہی نیند میں سب کچھ بول جاتی۔

پر آج ایسا نا ہوا اسکا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا کمبل سے جھانکتی بند مٹھیاں بھیچ لی گئیں اور ایک دم سے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کے بیٹھ گئی۔

مراد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ عائشے کو اسکے جاگنے تک کا احساس نا ہوا۔ اس نے چہرے سے بال پیچھے کیے اور چہرا رگڑا۔ فوراً سے تعوذ پڑھی دل بہت گھبرا رہا تھا۔ جو اس نے دیکھا اگر وہ سچ ہوتا تو؟

جب وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی سوچ میں گم رہی تو مراد نے اسے آہستہ سے پکارا۔ عائشے چونک کر بھیگا چہرہ بے ساختہ اسکی طرف موڑا۔ اسکو روتا دیکھ مراد بے چین ہوا وہ اسکے قریب ہوا۔

"کیا ہو گیا ہے پھر برا خواب دیکھ لیا؟" عائشے جو اس نے بیڈ کی ساتھ بیٹھا اور خود اسکے پاس ہی بیٹھ گیا عائشے نے سر ہلایا۔ آج دوسری رات تھی جو وہ خواب کے زیرِ اثر اتنا گھبرا رہی تھی مراد کی فکر بڑھنے لگی۔

"پر کل والا زیادہ برا تھا بتاؤ کیا دیکھا تم نے؟" وہ بلکل نرمی سے پوچھ رہا تھا پچھلی رات وہ آج سے کئی زیادہ خوفزدہ تھی۔ عائشے کے زہن میں کل کے مناظر گھوم گئے اسکا چہرہ زرد پڑنے لگا وہ مزید رو دی۔

"عائشے مجھے بتاؤ کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو؟ میں تمھاری مدد کرونگا۔" اس نے پیار سے کہا تو عائشے اسے دیکھنے لگی۔

"کوئی میری مدد نہیں کر سکتا۔ سب پولیس والے ایک جیسے ہوتے ہیں کوئی میری آوازیں سن کر نہیں آیا تھا۔" وحشت سے اسے دور دھکیلتی وہ ہزیانی سی چلا کر بولی۔ مراد کا شک یقین میں بدلا۔

"کیا ہوا تھا تم نے کس لیے آوازیں دی تھیں۔ بتاؤ مجھے۔"

"کک کچھ نہیں ہوا تھا۔" وہ پھر خاموش ہونے لگی اسکے ہونٹوں کی کپکپاہٹ واضح تھی

مراد کو اب سہی معنوں میں غصہ چڑھا۔ اسکا بازو دبوچ کے اسکا چہرہ اپنے قریب کیا۔

"شرافت سے بتادو کیا ہوا تھا ورنہ تمھاری امی کو فون کر کے سب بتادونگا پھر وہی مجھے سچ بتائینگی۔"

"وہ مجھے ہی بے وقوف کہینگی کوئی میری تکلیف نہیں سمجھ سکتا۔" وہ منہ میں ہی بڑبڑادی پر اسکا چہرہ مراد کے قریب تھا مراد نے زور دے کر سنا تو سب سمجھ گیا۔ اسے مزید گھورا۔

"کس سے تم خود کو چھڑا رہی تھیں؟" مراد نے اسے واپس بیٹھایا اور خود اسکے پاس پنجوں کے بل نیچے جا کے بیٹھا اسکی آنکھوں میں دیکھے بولا اور اسکے ہاتھ تھام لیے۔

"وہ بہت برا تھا۔" مراد کے ہاتھ سے ہاتھ نکل کر اس نے جیسے اشارہ کر کے بتایا۔ نین کٹورے پھر پانی سے بھر گئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی مراد کی آنکھوں فکر مندی تھی وہ اسے سن رہا تھا۔

"کون؟ مجھے سب تفصیل سے بتاؤ۔" مراد اوپر اسکے پاس بیٹھا اور اسکے خوف سے لرزتے وجود کو آہستہ سے خود سے لگا لیا۔

"یہ کاٹیج.... بلکل ویسا ہی ہے جیسا دس سال پہلے والا کاٹیج تھا۔" تھوک نگلتے اس نے بتانا شروع کیا مراد کی گرفت مضبوط رہی اس نے اپنی تھوڑی عائشے کے سر پہ ٹکادی اور سنتا گیا۔

"امی بابا کے ساتھ میں پہلی بار شہر سے باہر سردیوں میں چھٹیاں منانے آئی تھی۔" وہ ہولے ہولے کانپتی ہوئی اسے مزید بتانے لگی مراد اسکے بال سہلاتا رہا۔

"ہم جہاں ٹھہرے تھے اس جگہ حادثہ ہوا تھا۔ ہمارے برابر والے کاٹیج میں کسی کا مرڈر کر دیا گیا تھا۔

پولیس شک کی بنا تمام لوگوں کو پوچھ گچھ کے لیے لے گئی تھی۔ امی نے مجھے کاٹیج سے باہر نکلنے سے منع کیا تھا میں اکیلی تھی۔" عائشے نے اسکے کندھے سے سر اٹھایا اور خاموش ہو گئی۔

"پھر؟" مراد کے چہرے پہ پریشانی و فکر دیکھ وہ مزید بولی۔

"پھر جو ہوا بہت برا ہوا۔" اسکے آنسو سوچ کر ہی بہہ نکلے۔

"کوئی سب انسپیکٹر آیا تھا۔ پہلے تو میں نے دروازہ نہیں کھولا پر جب بہت دیر تک وہ بجاتا رہا تو میں نے کھول دیا۔ وہ خود ہی اندر گھسا چلا آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ میں دس سال کی تھی۔ میرے ذہن میں جھماکے ہو رہے تھے۔ اس انسپیکٹر کے انداز سے مجھے خوف آیا تھا۔"

"تمھارے امی بابا تو تمھیں اکیلا چھوڑ گئے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے ہوس بھری نظروں سمیت میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں چھوٹی تھی پر کم عقل نہیں۔ اسکی نگاہیں فوراً پہچان لی میں نے دروازہ کھول کر باہر بھاگنے کی کوشش کی تھی پر اس نے مجھے پکڑ کے کمرے میں بند کر دیا۔ وہ میری طرف بڑھ رہا تھا اور پھر میں چیختی گئی چیختی گئی.......ہہہہ" وہ مراد کا چہرہ دیکھتی ماؤف ذہن سے کہہ گئی آنسو روانی سے اسکی آنکھوں سے پھسلتے ہوئے تھوڑی سے گر رہے تھے عائشے کی تکلیف پہ مراد کی آنکھیں کب بھیگ گئیں اسے خود بھی پتا نہیں چلا اس نے سختی سے عائشے کو خود سے جا لیا اور اسے بھینچے رکھا جیسے اسے تحفظ کا احساس دلا رہا ہو۔

"آگے نہیں سنیں گے کیا؟ جب میری آنکھیں کھلیں تو امی میرے پاس تھیں۔ میں کچھ دیر ہی میں ہوش کھو بیٹھی تھی۔ اس درندے نے مجھ پہ بلکل رحم نہیں کیا۔

مراد اس نے مجھ سے میری معصومیت چھین لی۔" اس نے مراد کا کالر سختی سے دبوچے بتایا تو مراد کا دل کٹ کے رہ گیا۔ اسکی بیوی کتنا درد خود میں سمیٹے ہوئی تھی۔

"امی بابا نے یہ بات سب سے چھپالی تھی۔ مجھے نہیں پتا امی بابا کب آئے اس پولیس انسپکٹر کا کیا ہوا۔ ہم بس پھر لاہور واپس آگئے۔ امی نے مجھے بہت سنبھالا۔ میں کم سن بچی تھی خوف میرے دل و دماغ میں جم گیا۔ وقت گزرتا گیا میرے زخم پہ مرہم تو لگ گئے پر وقت نے مجھ سے میرا اپنا آپ چھین لیا۔ اس دن کے بعد سے عائشے بلوچ بلکل بدل گئی۔ جسکا دنیا میں بلکل دل نہیں لگتا تھا بس ایک زندہ لاش بن گئی تھی اکیلے کمرے میں پڑی رہتی خود کو سب سے دور رکھتی تھی اسکول میں بھی چپ چپ پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا... بار بار وہ رات ذہن میں گھوم جاتی تھی۔ ٹیچرز میری کمپلین کرتی تھک گئیں۔ اور ایک دن امی نے بھی جھڑک دیا کہ جس بات کو وہ لوگ دنیا سے چھپا رہے میں کیوں اسے اپنے رویے سے سب کے سامنے عیاں کر رہی ہوں۔ انکا دل بھی میری حالت دیکھ کر دکھتا ہی تھا۔ انھوں نے کہا ظالم اپنے ظلم کا اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ تم سب اللہ پہ چھوڑ دو.. میں نے چھوڑ دیا.... امی نے پھر کہا زندگی سے بھاگو مت اسکا سامنا کرو۔ کسی نے تم سے جینے کا حق نہیں چھینا یہ ظلم میں خود پہ نا کروں۔ اور پھر میرے دل کو یہ بات متاثر کر گئی میں جو پہلے ڈر ڈر کے سانس بھرتی تھی میں نے کھل

کر سانس لینا شروع کر دی ہر طرح کا سوگ بھی ختم کر دیا آنسو تو پہلے ہی آنکھیں خشک کر چکے تھے۔ آہستہ آہستہ بڑی ہوتی گئی خود کو خود تک محدود کر لیا اور ذہن سارا پڑھائی میں وقف کر دیا۔ پر اس سب میں خاموشی میرے اندر سرائیت کر چکی تھی۔ میرے دل میں پولیس کا ایک بہت ہی برا نقشہ کھنچ گیا۔ اور جب جب کسی پولیس والے کو دیکھتی مجھے نفرت ہونے لگتی۔ جب آپ بھی ملے تھے تو میں آپ سے بھی بات کرنے میں کترا رہی تھی۔" وہ آنسو رگڑ کے بولی۔ مراد کے پاس لفظ نہیں تھے اس نے نرمی سے عائشے کا ماتھا چوما۔ عائشے کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کے پھسلا۔

اگر وہ شخص اسے مل جاتا تھا وہ اسکی گردن مڑوڑ دیتا۔ وہ شخص انسان نہیں حیوان تھا جس نے ناجانے اور کتنے معصوموں کے ساتھ زیادتی کی ہوگی۔

"تم بہت بہادر ہو جس نے تمھارے ساتھ برا کرنے کی کوشش کی مجھے یقین ہے اللہ نے اسکے گلے میں بھی رسی ڈالی دی ہوگی۔ اب تم اپنے خوف کو نکال پھینکو۔ بھول جاؤ سب۔" اسکے گرد مراد نے بازو پھیلا دیے اور پیار سے سمجھاتے ہوئے بولا ہاتھ سے اسکے آنکھوں میں بھرے آنسو صاف کیے عائشے نے گردن اٹھائی۔۔

"میں نے نکال دیا ہے خوف پر جب یہاں آئی تو وہ سب پھر ذہن میں فلم کی طرح چل پڑا۔ جب میں پریشان ہوتی تب مجھے ایسے ہی برے خواب آتے ہیں۔ پر یہ سب جاننے کے بعد آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دینگے؟" اسکے ذہن میں ناجانے کیا سمائی پوچھ بیٹھی۔ وہ اسکے اتنے قریب بیٹھی تھی اسے اندازہ ہی نا ہوا۔

بے اختیار سے لمحے تھے وہ۔ مراد نے اسکا جھکا سر دیکھا جو جواب کی طلب میں اسکا تھاما ہاتھ دیکھے پوچھ بیٹھی تھی۔

"میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑونگا پاگل لڑکی۔ اور سب پولیس والے برے نہیں ہوتے۔" اس نے پر یقین نگاہوں سے عائشے کی آنکھوں میں دیکھے کہا اور ہاتھ پہ گرفت مضبوط کر دی پہلی بات سن کے جہاں اسے تسلی نصیب ہوئی مراد کی دوسری بات پہ نفی میں سر ہلایا۔

"سب برے ہوتے ہیں آپ بھی برے ہیں۔" وہ اپنی پوزیشن دیکھتی اس سے پیچھے ہٹی تو مراد ہنس دیا عائشے دمیر کا نیا روپ اس پہ ظاہر ہوا تھا۔ آج اسے بے حد معصوم لگی تھی ایک چھوٹے بچے کی طرح جو اسے اپنی غمگین کہانی سنا رہا ہو۔

"ہیرو بن کے بلاوجہ مجھ سے شادی کر لی۔ امی بابا کی شکل دیکھ کر میں نے نکاح کے کاغذ سائن کیے تھے ورنہ مر کے بھی پولیس والے کی بیوی نا بنتی۔" اسکا رونا بند ہو گیا۔

"اچھا.. اور ابھی چند سیکنڈ پہلے تم چاہتی تھی کہ میں تمھیں کبھی نا چھوڑوں۔" لب دانتوں تلے دبائے مراد نے کہا تو عائشے نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دھیان ہی نہیں گیا وہ کیا پوچھ بیٹھی تھی اور پھر لب بھی بھینچ لیے۔

"تم روتے ہوئے بہت اچھی لگ رہی ہو پر تم ہنستے ہوئے بھی اچھی لگتی ہو ہنستی رہا کرو۔" گھٹنوں پہ کہنیاں جمائے بیٹھا گردن ہلکی سی موڑے اسے نظروں میں لیے ہوئے تھا۔ وہ اب زیادہ فری ہو رہا تھا۔

"ویسے اب تو پتا چل گیا ہو گا مجھے پولیس والے کیوں برے لگتے ہیں۔"

"ہاں اور سب سے زیادہ تمھیں اپنا شوہر زہر لگتا ہے۔" وہ طنزیہ برابری سے جواب دیتے بولا۔ ایسا نہیں تھا کیا؟

"چلو مجھے تمھیں سوات لا کر فائدہ ہوا۔ تمھارا پاسٹ بھی معلوم ہو گیا اور پتا بھی چل گیا تم کو میں برا کیوں لگتا ہوں۔ ورنہ مجھے غم ہی کھاتا رہتا ہینڈسم اے ایس پی مراد دمیر کی بیوی اسے پسند نہیں کرتی جب کہ دوسری طرف وہ مہمل ہے۔"

"اس مہمل چڑیل کا نام مت لیں۔ ایک بار موقع مل جائے میں اسے گنجا کر دوں گی۔" مٹھیاں بھینچ کے وہ غراتے ہوئے بولی مراد کا قہقہ بلند ہوا۔ کچھ دیر پہلے والے ماحول میں اداسی کے بادل چھنٹ گئے تھے ماضی کو یاد کر کے خود کو تکلیف دینا دونوں کے نزدیک بے وقوفانہ عمل تھا دونوں نے ہی جلد موزوں تبدیل کر لیا۔

تلخ یادیں جتنا چاہیں ہم بھلا نہیں سکتے پر انکو خود پہ حاوی بھی نہیں ہونے دینا چاہیے۔

جو ماضی تھا وہ گزر گیا اسکا اثر حال اور مستقبل پہ نا آئے یہی ہماری زمہ داری ہے۔

"خیر مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔" وہ مدعے پہ آیا۔

"تم یونیورسٹی اسٹوڈنٹ ہو.." مراد نے اسے دیکھتے کہا وہ سمجھ نہیں پائی یہ سوال تھا یا وہ بتا رہا تھا۔

"ہاں..." اسکا چہرہ سنجیدہ ہو گیا جیسے وہ اسکا اگلا سوال بھی جان چکی ہو۔

"میرے ذہن میں آیا نہیں پر تم مجھے کہہ دیتیں۔ اتنے دن سے تم یونیورسٹی نہیں جا رہی..." اسکے پاس سے اٹھ کر وہ ہیٹر کے پاس جا کے بیٹھ گیا اور ہاتھ سینکنے لگا۔ اس نے انوش اور اسکی درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی کیا؟ وہ خود بھی ہیٹر کے پاس صوفے پہ جا بیٹھی۔

"مجھے مزید نہیں پڑھنا جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا بہت ہے۔" وہ صاف گویا ہوئی۔ مراد نے جو اپنے ہاتھ ہیٹر کے آگے سیدھے کر رکھے تھے پیچھے ہٹائے اور اسے دیکھا جو ہاتھ گرم کر رہی تھی۔ ہیٹر کی روشنی میں اسکا چہرہ بھی چمک رہا تھا اور بھوری آنکھیں بھی۔

"کیوں نہیں پڑھنا تمھیں؟ تمھارے بابا تو بتا رہے تھے تمھیں پڑھنے کا کافی شوق ہے ضد کر کے ہی تم نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔" مراد اسکی طرف مڑا تھا اور بھنویں اچکا کر پوچھا پر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔

"عائشے۔" وہ برہم ہوا۔

"بولیں کانوں سے سنتی ہوں آنکھوں سے نہیں۔"

"نا پڑھنے کی وجہ بتاؤ گی مجھے!"

"میرا دل پڑھائی سے اٹھ گیا ہے بس یہی وجہ ہے۔ پڑھ کے میں نے کونسا تیر مار لینا ہے۔ شادی ہو گئی ہے اب۔"

بے نیازی سے پڑھائی سے جان چھڑاتے وہ بولی۔ مراد کو اسکی سوچ جان کر افسوس ہوا عائشے کے یہ خیال ہونگے اسے یقین نہیں آیا۔ پرانوش نے ایک بار اسے بتایا تھا عائشے شادی کے بعد بھی پڑھنا چاہتی تھی۔

"شادی کے بعد ہی بڑے بڑے سے بڑے تیر مارے جاتے ہیں۔ تم پہ میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی تم پڑھ سکتی ہو میں چاہتا ہوں تم پڑھو ایک قابل لڑکی بنو۔ اے ایس پی مراد کی بیوی صرف انٹر پاس ہو یہ مجھے قبول نہیں۔" عائشے نے منہ بسورا اسے مراد کی خود غرضی دکھائی دی۔

"تو آپ کو ایک موسٹ ایجوکیٹیڈ بیوی چاہیے جسے اپنے سرکل میں انٹروڈیوس کروا سکیں..."

وہ تلخی سے کہتی استہزائیہ ہنسی۔

"شٹ اپ!" مراد نے درشتگی سے کہا۔

"اچھا تو بتائیں قابل بن کے کیا کرونگی؟" پچھلی بات بھلا کے اسکی آنکھوں میں سوالوں کا جہان امڈ آیا۔

"تم بزنس جوائن کر سکتی ہو۔ جو میرا ہے وہ سب تمھارا بھی ہے۔ اور اگر بزنس جوائن کرنا نا بھی چاہو تو پڑھائی اِیٹلیسٹ نا چھوڑو۔ خود کو مصروف رکھا کرو اور علم کے دروازے کبھی خود کے لیے بند نا کرو۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے سمجھانے لگا۔

"اففف..."

"بس تم یہاں سے واپس جانے کے بعد یونیورسٹی جوائن کروگی۔ میں خود چھوڑ آؤنگا۔" اس نے اپنا آخری فیصلہ سنادیا عائشے بے بس ہوگئی۔ منمنا کے اسے دیکھا.

"اب میں اپنی زندگی کے فیصلے خود کر بھی نہیں سکتی۔" اس نے دانت پیسے۔

"ایسے فضول فیصلے تو بلکل نہیں۔" وہ جتاتا ہوا بولا۔

"میں اپنی بیوی کو ایک ایک مضبوط عورت کے طور پہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ پڑھائی سے منہ موڑلینا محض بے وقوفانہ فیصلہ ہے۔ تم کیوں ہر چیز سے جان چھڑا رہی ہو۔ ماضی میں جو ہوا اور پھر شادی والے دن جو ہوا مجھے اندازہ ہے دونوں واقعات سے ذہن پہ اثر ہوا ہوگا..."

"ہاں پر دل پہ زخم تو لگ جاتے ہیں نا۔"

"اللہ مرحم بھی تو دیتا ہے۔ میں ان زخموں کا مرہم بننا چاہتا ہوں عائشے دمیر کو ہر خوف سے نکال کے مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہماری شادی جیسے بھی ہوئی اسے بھی بھول جاؤ سمجھو ایک نارمل شادی ہے۔ میں نے تو تم کو اسی وقت زندگی میں قبول کر لیا تھا جب نکاح کے کاغذات پہ دستخط کیے پر تم نے نہیں کیا تھا۔"

"اب تو کر لیا نا..." وہ فٹ بولی مراد کے لبوں پہ تبسم کے پھول بکھر گئے۔ اسکا اتنا کہنا ہی بہت تھا۔

"ٹھیک ہے پھر ہم رشتے کی شروعات دوستی سے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مزید جان بھی لیں گے۔ تو مجھ سے دوستی کرو گی عائشے مراد دمیر؟" مراد نے اسکے سامنے ہاتھ پھیلایا عائشے کی گردن اکڑی وہ سیدھی ہوئی اسے دیکھا جسکا چہرہ نرمی کے عناصر میں ڈوبا ہوا تھا۔ کس طرح وہ عائشے کو اپنے رشتے اپنے ہونے کا احساس دلا چکا تھا۔ اس رشتے کی طاقت کا احساس!

عائشے نے ناز سے اسکے پھیلائے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا مراد نے ہاتھ تھام لیا۔

"پھر اب آپ مجھے طعنے بلکل نہیں دیں گے۔"

"استغفر اللہ.. میں نے کب طعنے دیے۔"

"ہاں ہاں مکر جائیں۔" عائشے نے ہاتھ چھڑا لیا۔

"وہ طعنے تھوڑی ہوتے۔ ہمارے درمیان ہوتی ہی طنزیہ گفتگو ہے.. تم نے کبھی خود پہ غور کیا تم کیا کرتی ہو؟ شوہر سے کتنی زبان چلا کر گناہ سمیٹتی ہو اول تو شوہر کو شوہر بھی نہیں مانتی تھیں۔" اسکی باتیں عائشے کے دل پہ جا لگیں اسکی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

شرمندہ تو وہ ہوئی تھی۔

"چلو بس سو جاؤ بہت باتیں کر لیں۔ اور یہ آنسوؤں انکو اتنا بے مول نا کرو۔" انگلی سے اسکی آنکھ سے آنسو چن کے وہ بستر پہ لیٹ گیا۔

"اچھا سنیں۔ اب کل ہم سوات گھوم سکتے ہیں نا؟"

"میں تم کو بتانا ہی بھول گیا آٹھ بجے کی فلائٹ ہے۔ ایک کام کرو سو مت اگر آنکھ نا کھلی تو فلائٹ مس ہو جائے گی۔۔ واپس جانا بہت ضروری ہے۔" آنے کی بھی جلد بازی مچار کھی تھی اور جانے میں بھی اس نے یہی کیا عائشے تپ کر رہ گئی۔

"پر مجھے سوات دیکھنا ہے۔" وہ احتجاج میں بولی۔

"بعد میں آئیں گے پھر دیکھ لینا ابھی مجبوری ہے اس لیے جلدی جانا پڑ رہا ورنہ ایک دن تم کو ضرور گھماتا ہی میں۔" لیمپ آف کرتے وہ بولا تو وہ منہ بسور کے لیٹ گئی۔

کمرے میں اب خاموشی تھی پر دونوں کے دلوں کی گونج باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ آج رات وہ دونوں اطمینان سے مطمئن ہو کے سوئے تھے۔ جیسے دونوں کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا ہو۔

سامان ان کا تقریباً پیک ہی تھا۔ دو بجے دونوں سوئے تھے اور چھ بجے مراد نے اسے جگا دیا۔ ناشتہ کرتے ہی وہ سوات سے لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔

وہ اپنے آفس میں موجود فائلز کا جائزہ لے رہا تھا۔ عزیز نے دروازہ ناک کیا۔

"یس کم ان۔" اسکی توجہ فائلز پہ ہی جمی رہی بھنویں سکڑیں وہ پڑھ کے فارغ ہوا عزیز ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے ؟"

"شنواری سے مل کے آیا ہوں۔"

"پھر کیا بتایا اس نے کب رقم ادا کرے گا؟" میران نے فائلز بند کر دیں اور اٹھ کے کھڑکی کا شیشہ اوپر کی طرف کھولا اور باہر کا منظر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

میں نے اسے بتا دیا کہ اسکی بیٹی بھی اس سے خفا ہو رہی ہے کہ وہ اسے بھول ہی گیا۔ کہہ رہا تھا فیکٹری بیچ کے جو رقم ملے گی وہ ادا کر دے گا۔ قرض تو تقریباً ادا ہو جائیگا پر سالانہ جو انٹرسٹ اس پہ لگا ہے وہ قرض کی قیمت کے برابر ہی ہے اسکے لیے وقت لگے گا۔ وہ بھی اپنی بیٹی کا یاد کر کے کافی ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔" عزیز نے بات مکمل کی انٹرسٹ کا سن کے میران سیگریٹ سلگا کر اسکی طرف مڑا اور کش بھر کے مرغولہ ہوا میں اڑاتے ٹیبل کے قریب آیا۔

"کچھ سوچا ہے میں نے اگر وہ میری بات پہ راضی ہو جائے تو اسکا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا اور میرا بھی۔ پر ابھی اسے کرنے دو کر رہا ہے۔" بات مکمل کر کے اس نے سیگریٹ پھر لبوں سے لگالی۔ آنکھوں میں انوکھی چمک تھی۔

"کیا سوچا ہے مجھے نہیں بتائیں گے کیا؟" عزیز کے ماتھے مسل کے تجسس سے پوچھنے پہ وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

"وقت آنے پہ سب جان جاؤ گے۔" اس نے کہا ہی تھا کہ دائم گھوڑے پہ سوار تیزی میں دروازہ دھکیلتے اندر داخل ہوا۔ میران نے سر جھٹکا اور سیگریٹ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

"آنے سے پہلے اجازت بھی لیتے ہیں۔" عزیز نے اسے دیکھے باور کیا تو وہ ہنس دیا اور میران کی چئیر کے سامنے والی چئیر اپنی طرف گھسیٹ کے بیٹھ گیا میران نے اپنی جگہ سنبھالی اور عزیز کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ صوفے پہ جا بیٹھا۔

"اگلی بار اجازت طلب کر کے ہی آؤنگا بس ٹھیکلک ہے۔"

گردن پھیر کے اس نے عزیز کو دیکھا جس نے انکھ جھپک کے ہاں کیا تھا۔

"کیسے آنا ہوا؟" میران نے کمر کی پشت چئیر پہ ٹکالی اور کش بھرتے پوچھا تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ سیگریٹ کے مرغولے ہوا میں چھوڑ رہا تھا۔ سفید چہرے کے مقابل ملگجی سی دھندلاہٹ آجاتی۔

"دل چاہ رہا تھا اپنے یار سے ملنے کا۔ چائے کافی ہی منگا لو۔ باہر ٹھنڈ دیکھ رہے ہو کس قدر ہو رہی ہے۔" وہ بولتے ہوئے واپس عزیز کی طرف مڑا تو عزیز چائے اور کافی کا کہنے کے لیے اٹھنے لگا۔ میران نے فوراً سیور اٹھا کے عزیز کو نظروں ہی میں بیٹھے رہنے کی تنبیہ کی۔

"مس نشاء ایک کافی اور دو کپ چائے میرے آفس میں بھیج دیں۔" دائم اسکی حرکت پہ مسکراہٹ روک رہا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا عزیز کو تنگ کرنے کا موقع نہیں چھوڑ تا تھا۔ عزیز نے تیور چڑھائے کہ تمسخر سے دائم کو دیکھا۔ کیا غرور تھا عزیز کو اپنے سائیں پہ۔

"سنا ہے تم نے راحیم ٹیکسٹائل کا پروجیکٹ حاصل کر لیا ہے۔"

"ہاں آج کل بس اسی میں مصروف ہوں۔ ویئر ہاؤس (گودام) کے لیے بھی ایک جگہ خرید رہا ہوں۔" وہ مزید بتانے لگا تو میران کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

"کوئی فیکٹری ہے شنواری گارمنٹس.."

"اوہ... کتنے میں ڈیل کر رہے ہو؟" اس نے بنا دلچسپی ظاہر کیے عام انداز میں ناک رگڑتے پوچھا۔

"اس جگہ کی قیمت گر گئی ہے پر جو اسکا اونر ہے وہ منہ مانگی قیمت پہ ہی فیکٹری بیچنا چاہ رہا ہے۔ ساڑھے چار کڑوڑ میں ابھی بات چل رہی۔ پر جگہ کی نسبت تین کڑوڑ بھی بہت ہیں ویسے ہی وہ فیکٹری نقصان میں جا رہی ہے۔ اب دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔" ٹیبل پہ ہاتھ رکھ کے وہ انگلیاں چلاتے بولا۔

"تم خرید لو.. زمین کی قیمت جب بڑھ جائے تب بیچ دینا اور کوئی دوسرا گودام سستے دام میں خرید لینا۔" کیونکہ ابھی دائم کو گودام کی سخت ضرورت تھی تو میران نے مخلصانہ مشورہ دیا دائم نے سر تاسف سے ہلایا۔

اتنے میں سیکریٹری چائے اور کافی رکھ کے چلی گئی تھی۔ میران نے چائے کا کپ اٹھا کے کچھ سوچتے ہوئے عزیز کو دیکھا۔

"اور سناؤ بھابھی کیسی ہیں؟" عزیز جو کپ لینے کے لیے ٹیبل کے پاس آیا تھا اور کپ اٹھا کے دوسری چیئر کھینچ کے بیٹھا تھا دائم کے سوال پہ لب دبا کے میران کو دیکھنے لگا۔ میران نے سگریٹ پھینک دی تھی۔

"میں نے تم کو منع کیا ہے نا اس بارے میں سوال نا کیا کرو۔" وہ سنجیدگی سے بولا پر دائم علی کو کونسا فرق پڑنا تھا۔

"سائیں میں نے آپکا کام بھی کر دیا ہے۔" گھونٹ بھرتے عزیز نے کہا تو میران سانس بھر کے رہ گیا۔ دائم نے گھور کے اسے دیکھا اسکا تجسس بڑھ چکا تھا۔

"کونسا کام؟ کیا بھابھی جی کو پھول وغیرہ بھجوائے ہیں؟" اسکے کہنے کی دیر تھی کہ عزیز کو بری طرح سے پھندا لگا۔

"میرے بھائی کیا ہو گیا؟ کیا میری بات سچ ہے جو تم کھانسنے ہی لگ گئے۔" مسکراتے ہوئے دائم نے آخر میں نگاہ میران پہ ڈالی جسکو عزیز پہ غصہ آرہا تھا۔

گیارہ بج گئے تھے اور وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ حلیمہ بی دروازہ کھول کے اسکے کمرے میں داخل ہوئیں جو ہیٹر چلنے سے کافی گرم ہو چکا تھا انھوں نے ریموٹ سے ٹیمپریچر کم کیا۔

اور اسکے آئیں۔

"لڑکی جاگ جاؤ آج تو تمھارا خاص دن ہے کیا سو کر منانے کا ارادہ ہے؟" حلیمہ بی نے اس پہ سے کمبل ہٹا کے کندھے سے ہلایا تو وہ کروٹ بدل گئی۔ رات وہ کوئی انگلش بک پڑھتے پڑھتے سو گئی تھی۔ کتب گردانی کا خاصہ شوق تو نہیں تھا پر کبھی کبھار وہ پڑھ لیا کرتی تھی۔ اور یہ کتاب میران کی تھی جو اس نے ٹی وی لاؤنج کے شیلف سے حلیمہ بی کو بتا کر اٹھائی تھی۔

"باہر چھوٹے سائیں آئے ہیں۔" جب وہ نیند میں غرق رہی تو حلیمہ نے لاپرواہی سے اسکے سر پہ بم پھوڑا انکے کہنے کی دیر تھی وہ پٹ آنکھیں کھول کے اٹھ بیٹھی۔

"کس خوشی میں آیا ہے میرا دن خراب کرنے؟" چہرے پہ گرتے بھورے بالوں کو اس نے پونی کی مدد سے پیچھے جوڑے کی شکل میں باندھا۔ حلیمہ بی اسکی حالت پہ ہنسنے لگی۔

"نہیں آئے وہ...."

"یار حد کرتی ہیں ایک پل کو مجھے بس غصے سے ہارٹ اٹیک ہی آنے والا تھا۔"

"بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔" انھوں نے اسے ڈپٹا اور سائڈ ٹیبل پہ سے ٹرے اٹھا کے اسکے سامنے کی۔

یہ ایک پاونڈ کا خوبصورت سا کیک تھا جس پہ اردو ہی میں سالگرہ مبارک رومائزہ لکھا تھا۔ اور اسکے گرد چاکلیٹ کی ڈیکوریشن تھی۔

رومائزہ دیکھ کر مسکرادی اور بازو انکے کندھے پہ پھیلائے ان سے لگی۔

"تھینک یو... آپ بہت اچھی ہیں۔"

"میری بیٹی بھی بہت اچھی ہے.." اسکا ماتھا چوم کے انھوں نے ٹرے بیڈ پہ رکھ دی اور چھری اٹھا کے رومائزہ کو پکڑائی۔

"یہ کیک آپ نے بیک کیا ہے؟" چھری تھامے اس نے بھنوا چکائے چہک کے پوچھا۔

"ارے میں کہاں اتنا اچھا اسے سجا سکتی تھی۔ بیکری سے منگوایا ہے چلو اب جلدی سے کیک کاٹو۔" رومائزہ نے سر ہلایا اور آنکھیں میچیں۔ وہ انوش عائشے نعمت بی اور اپنے بابا کے ساتھ ہمیشہ کیک کاٹا کرتی تھی۔ اس نے سب کو خود میں محسوس کیا اور آنکھیں کھولنے کے بعد چھری کیک پہ پ "ہمیشہ خوش رہو اللہ تمھارا نصیب اچھا کرے اور آسانیاں پیدا کرے۔" حلیمہ بی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا رومانے کیک کا ٹکڑا اٹھا کے انکی طرف بڑھایا اور پھر خود نے بھی کھایا۔ آنکھوں کے کٹورے کناروں سے بھیگ گئے تھے۔

کیا ہی ہوتا وہ سب کے ساتھ ہوتی۔ اس بار تو اس نے سوچ لیا تھا بر تھڈے پر یونی فیلوز کو بھی انوائیٹ کرے گی۔ پر یہی قسمت ہے انسان سوچتا تو بہت کچھ پر تقدیر کے آگے چلتی کس بشر کی ہے۔

آسمانی رنگ کا کاٹن کا سادھا پر خوبصورت جوڑا اس نے پہنا تھا۔ بال ہمیشہ کی طرح کندھے سے تھوڑا نیچے گر رہے تھے۔ ظہر پڑھ کے وہ کمرے سے باہر نکلی۔ قدرتی گلابی ہونٹ جنھیں کسی قسم کے بناوٹی رنگ کی ضرورت نہیں تھی۔ بلاشبہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔

"میڈم یہ آپکے لیے آیا ہے۔"

مالی بابا نے پھولوں کا ایک گلدستہ اسکے آگے کیا۔ حلیمہ بی تھیں نہیں وہ دروازے کے باہر کھڑے ہی آوازیں لگا رہے تھے رومائزہ پیروں میں چپل اڑس کے شانوں پہ شال درست کرتی دروازے کے پاس گئی اور ان سے گلدستہ لے لیا۔

"کس نے بھیجا ہے یہ ؟" اسے تعجب ہوا۔ پھولوں سے لدا ہوا کافی بھاری گلدستہ تھا۔ مالی بابا نے لاعلمی کا اظہار کیا تو سر اثبات میں ہلاتی گلدستہ اٹھائے لاؤنج میں آگئی۔ گلاب اور دھتورہ کے لال اور سفید پھول اور فاصلے فاصلے پہ لیوینڈر کے پھول بھی لگے تھے۔

وہ خوبصورت سا گلدستہ اپنی جانب اسکی توجہ کھینچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس سے اٹھتی خوشبو سے رومائزہ کے اندر بے چینی بڑھ گئی اس نے ایک جست میں چہرہ قریب کر کے خوشبو خود میں اتاری تو نظر سائیڈ میں ٹیپ سے چسپاں چھوٹے سے کارڈ پہ گئی۔ اس نے گلدستہ دائیں بازو میں پکڑا اور بائیں ہاتھ سے کارڈ نکال کے بھنویں ماتھے کے درمیان لائے کارڈ نگاہوں کے سامنے کیا۔

"HAPPY BIRTHDAY MY LOVE"

پہلی سطر پڑھ کے اسکی سانس تھم سی گئی اگلی سانس اس نے زبردستی کھینچ کے لی تھی۔ پھولوں کی بہار دل پہ پڑتی محسوس ہوئی۔ نہ

"HAPPY TWENTIETH BIRTHDAY"

یہ دوسری سطر تھی جو کارڈ کے دوسرے حصے پہ لکھی تھی۔ اسے کیسے پتا کہ وہ اب بیس کی ہوئی ہے۔ پھر اسے خیال آیا اسکو سب ہی معلوم ہو گا سارا بائیو ڈیٹا نکلوا چکا ہو گا۔

"عمر کیا ہے تمھاری؟"

"بیس.."وہ منظر ذہن میں گھوما تو ہونٹوں کے قریب مسکراہٹ آگئی اس نے سر جھٹکا۔اور آخری سطر پڑھی۔سطر نہیں بس انگریزی میں ایک لفظ لکھا تھا۔

"SORRY...."

اس نے پڑھا اور برا سامنہ بنایا یہ بھی کوئی طریقہ تھا؟اتنا کچھ سنانے کے بعد آخر میں سوری بول دو۔میر ان پہ غصہ تو بہت چڑھا ہوا تھا پر گلدستہ دیکھ کر پتا نہیں کیوں اسکا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔قدرتی چیزوں سے اسے بڑی انسیت تھی۔وہ گلدستہ سے اٹھتی خوشبو سے محظوظ ہو رہی تھی کچھ بھی سوچ کے دماغ خراب کرنے کا ارادہ قطعی نہیں تھا۔وہ ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا کچھ بھی بولو پر اسکی محبت کم ہونے کی بجائے بڑھتی جارہی تھی۔اور محبت دیکھانے کے اسکے بڑے سادھے سے طریقے تھے۔

رومانے کارڈ بن کیا تو پیچھے بھی کچھ لکھا تھا۔

"FROM KIDNAPER.......TO"

نظر نے مزید نیچے سفر کیا...اردو میں بلکل پہلے جیسا ہی "روم" لکھا تھا۔بے ساختہ اسکے چہرے پہ مسکراہٹ گھل گئی۔

"واٹ دا ہیل وائے آئی ایم اسمائلنگ...ہی مسٹ گو ٹو ہیل اینڈ....."کارڈ واپس گلدستے میں لگا کے وہ الجھ کے گلدستہ صوفے کے سامنے بچھی میز پہ رکھ کے بیٹھ گئی۔گلدستہ مسلسل اسے اپنی جانب راغب کر رہا تھا وہ ایک نظر گلدستے کو دیکھتی پھر سر جھٹک کے نگاہ ہٹا لیتی آخر کو اس نے دانت پیسے۔اتنے میں حلیمہ بی بھی آ گئی۔

"تو تمھارا تحفہ آ گیا۔کیسا لگا تمھیں؟"

"آپ کو معلوم تھا؟"ناخن چبا کے وہ اپنی بے چینی چھپا رہی تھی۔

"ہاں۔آج سائیں مصروف ہیں ورنہ لازمی آتے اور خود وش کرتے۔بتاؤ گی نہیں تحفہ کیسا لگا؟"اس نے حلیمہ بی کو دیکھا جو جان بوجھ کر اس سے پوچھ رہی تھیں وہ سب سمجھ رہی تھی۔

"اچھا ہے..."اس نے بے تاثر انداز میں شانے اچکا دیے اور کھڑی ہو گئی۔

"میں پانی پی کے آتی ہوں۔"وہ بالوں کو کانوں کے پیچھے کرتی کھڑی ہو گئی۔

"یہ گلدستہ تو لے جاؤ اپنے کمرے میں رکھ لو۔تحفے کی بے قدری نا کرو نا جانے انھوں نے کتنے جذبات سے تمھیں بھیجا ہو۔"

"اللہ اللہ.. حلیمہ بی بس کریں لے جاتی ہوں میں یہ۔ویسے اسکے دیے تحفے کی ضرورت نہیں مجھے۔اگر تحفے میں آزادی دے دیتا تو کیا ہی بات ہوتی..."پیر پٹخ کے وہ گلدستہ اٹھاتی لاؤنج سے نکل گئی۔

دوپہر تک وہ دونوں گھر پہنچ گئے تھے مراد عائشے کو گھر ڈراپ کر کے واپس چلا گیا۔شام میں اس نے چکر لگایا تھا فریش ہوا اور دس پندرہ منٹ زرپاش کے پاس بیٹھ کے ان سے دعائیں سمیٹتا پلان کے مطابق مشن کے لیے نکل گیا۔

عائشے نیمل کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی موم پھیلیاں کھارہی تھی اور نیمل نے کوئی ایکشن مووی لگادی تھی۔وہ ان دونوں سے بھی مل کر گیا تھا۔

"سر آر یو شیور؟"پولیس پتے پر پہنچ گئی تھی اور اسی طرح خفیہ طریقے سے مشن کو سرانجام دینا تھا۔

"ہنڈریڈ اینڈ ٹین پرسنٹ شیور۔تم اس میسج کو بے پر کی نا سمجھو۔یقیناً مارگن کے کسی قریبی دشمن کا یہ کام ہے اور ہمارا کام آسان ہو گیا۔میری چھٹی حس کہہ رہی ہے وہ یہاں لازمی آئیگا۔پر اب واپس صرف جیل جاسکے گا۔"مراد نے گن لوڈ کرتے کہا۔وہ اور اسکی ٹیم بناء بوٹوں کی چاپ کے اس سنسنان جگہ بنے گودام کی طرف قدم بڑھارہے تھے۔

مراد نے میسج موصول ہونے کے بعد اپنے خبری کو اطلاع دی تھی جس نے پتا لگا کے معلوم کیا تھا وہ میسج کوئی فریب نہیں سچ ہے۔

یہ مارگن نامی شخص ملک کا سب سے بڑا اسمگلر تھا جو انسانی اعضاء کی اسمگلنگ کرتا تھا۔ جن کا نشانہ کئی ملکی اور غیر ملکی معصوم لوگ بنتے تھے۔

پولیس پوری تیاری کے ساتھ آئی تھی اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا باہر کھڑے گارڈز کو بھی چالاکی سے ان لوگوں نے گرفتار کیا۔

"تین کے اشارے پہ ہم اندر داخل ہونگے۔" مراد نے گن سامنے کی طرف کرتے کہا اور پلٹ کے تاکید کرتا دروازے کی طرف بڑھا جو ہلکا سا کھلا تھا اندر تین چار نفوس گول ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے اور درمیان میں ایک سفید بلب روشن تھا۔

آج صرف وہ مارگن کو ہی نہیں پکڑتا بلکہ اسکے ساتھ سودا کرنے والے کی بھی گرفتاری لازم تھی۔

اس معمولی سی کھلی جھری میں سے چہرے تو نظر نا آئے پر سرگوشیوں کی آوزیں سنائی دے رہی تھیں۔

"نو بج گئے یہ بے وقوف اے ایس پی اب تک نہیں آیا۔" سفید شلوار قمیض میں ایک شخص سوچتے ہوئے وہاں آیا اور ان سب کے درمیان بیٹھ گیا۔

"یہ تمھاری رقم،، بس دھیان رکھنا کسی کو میرے آنے کی خبر نا ہوئے۔"

"مارگن کے کام کی کبھی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔" اس نے جیسے فکر سے آزاد کرنا چاہا تو مقابل نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ویسے مجھے یہ سودا بنتا نظر نہیں آرہا تھا پر تم نے آکے تو مجھے حیران کر دیا کافی سمجھدار ہو گھاٹے کا سودا نہیں کر سکتے۔"

"اپنا منہ بند رکھو۔ یہ آرگینز ہم رکھ نہیں سکتے تم انکی ڈیلوری سیدھا ہسپتالوں میں کرو گے۔" اس شخص نے تحکم سے اسے آگے کی آگاہی دی۔ وہ یہ آرگینز مارگن سے بلیک میں خرید کے ہاسپٹل والوں کو شناخت بدل کے آرگینز زیادہ دام میں بیچتا اور بلیک مال کو وائٹ میں تبدیل کرتا۔ مارگن کو سب سمجھ آگیا ایسا وہ کئی دوسرے گاہکوں کے لیے کر چکا تھا اور کسی کو اس پہ شک ہوا بھی نہیں تھا۔

"ٹھیک اس کے بعد اگلی سپلائے کب کروں؟" مارگن مسکرا کے بولا تو مقابل کا قہقہہ گونجا۔

"پہلے یہ کام کر دو۔ میں یہاں صرف تمھاری بے حد عجیب ضد پہ آیا ہوں ورنہ میرے آدمی رقم تم تک پہنچا دیتے۔" میز پہ وہ تھوڑا جھکا تھا لب میں اسکا چہرہ مزید روشن ہو گیا۔

"صاحب جی میرے دھندے کے بھی کچھ اصول ہیں۔ پیسہ اسی کے ہاتھ سے لیتا ہوں جسکو مال بیچ رہا ہوں میں کسی کے بھی آدمیوں سے سودے بازی نہیں کرتا جسکا سودا ہے اس سے ملے بغیر میں ڈیل پکی نہیں کرتا اور آپ کو تو پھر بھی رعایت دی۔ ہاتھ کے ہاتھ سپلایے کرتا ہوں۔ باہر مال لوڈ ہے تم جہاں کہو گے ہم پہنچا دیں

گے۔ اسکے بعد حساب بند اور نیا حساب شروع۔" ٹیبل پہ کئی گلاس رکھے تھے جس میں ایک مخصوص حرام جام موجود تھا اپنے آگے رکھا گلاس اٹھا کے مارگن نے منہ سے لگایا اور قہقہہ مارتے بولا۔

"میرے بھی کچھ اصول ہیں میں اپنے کام ایسے انجام دیتا ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اگلی بار پیمنٹ میری جگہ میرے آدمی ہی تم تک پہنچادیں گے۔" وہ شخص بول کے کالی چادر خود پہ ڈالتے حکم دیتی نگاہوں سے کہتا کھڑا ہو گیا۔ تیسرے شخص کی نگاہیں اسکے ارتقاب میں اٹھیں۔

"ون ٹو تھری.... فائر" مراد کے اشارے پہ پولیس دروازے کو دھکا مارتی اندر داخل ہوئی اور اپنی آمد کا بتانے کے لیے دو تین فائر کیے اور اندر بھی پھیل گئی۔ اس ملگجے روشن گودام میں اب پولیس کی تیز ٹارچ کی روشنی کی شعائیں ان چاروں کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

مراد نے ٹارچ نیچے کی تو مارگن کا چہرہ اسکے سامنے تھا۔ مارگن نے بھی بندوق اس پہ تان لی تھی وحشت اسکی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔

"تو بلی ڈھونڈتے ہوئے آگئی۔" وہ طنزیہ گن سے نشانہ لیتے بولا۔

"مارگن خود کو ہمارے حوالے کر دو تم چاروں طرف سے گھیرے جا چکے ہو۔" پیچھے سے آفیسر نے بلند آواز میں کہا۔ مراد کی نظر ان باقی نفوس پہ پڑی اس نے سب کے چہرے پہ لائٹ ماری تھی اور دوسرے ہاتھ سے گن کا

نشانہ مارگن تھا اور باقی آفیسرز کے نشانے پہ دو لوگ۔ ایک اور تھا وہ مارگن کے پیچھے تھا۔ اور کسی ہیولے کی طرح وہ مارگن کی اوٹ سے ہاتھ کھڑے کرتا سامنے آیا تھا۔

ٹارچ کی روشنی اسکی آنکھوں میں گھستی چلی جا رہی تھی۔ مراد نے چہرے دیکھنے کی چاہ میں ٹارچ آہستہ نیچے کی۔ اور سامنے بے خوف شخص کو دیکھ اسے چار سو چالیس والٹ کا جھٹکا ہی لگا۔

جس نے بے نیازی سے باقی کے تمام اہلکاروں پہ نگاہ ڈالی تھی انکھوں میں غرور اور بھی بہت کچھ تھا جو پہلے کبھی دیکھا نا گیا ہو۔

"میران جاہ"

اسے دیکھ مراد زیر لب بڑبڑایا اسکا وجود ساکت ہو گیا یہ منظر بھی اسکو کبھی دیکھنے کو ملے گا یہ خیال اسکے وہم و گمان میں بھی نا آیا تھا وہ بے یقینی حیرت کے ملے جلے تاثر کے ساتھ وہ اسکے قریب بڑھتا گیا۔

میران کی ادھر موجودگی سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی وہ بھی یہاں آرگینز کی سوداگری کرنے آیا تھا۔ فل وقت سوچ کے کسی بھی نتیجے پہ پہنچا نہیں جا سکتا تھا۔

میران کا یہاں ہونے اور سوچ کے کئی پہلو چھوڑ رہا تھا۔ مراد آواز تو پہچان نہیں سکا تھا پر باہر سے دبی دبی سرگوشیاں سن لی تھیں وہ تنی رگوں کے ساتھ میران کی طرف بڑھتا گیا مارگن جس پہ نشا طاری ہونے لگا تھا اس نے مراد پہ فائر کیا پر قبل از پیچھے سے خورشید نے اسکے بازو پہ گولی ماردی جس کے نتیجے میں مارگن کا نشانہ چوک گیا۔

مراد کو کسی کی نظریں خود پہ جمی محسوس ہوئی اس نے بائیں جانب دیکھا تو ایم این اے طفیل تمسخر سے اسے اور میران کو دیکھ رہا تھا۔ جب کہ پولیس اہلکار اسکے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال رہا تھا۔ بازو کی تکلیف میں تڑپتے مارگن کو بھی اریسٹ کر لیا گیا۔

اور باقی آفیسرز گودام کی پچھلی طرف گئے اور ٹرک کے ڈرائیور کو بھی حراست میں لیا اور پوری جگہ سیل کر دی۔

"تو میران صاحب پوری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ سب کرتے پھر رہے ہیں۔" مراد کا لہجہ تلخ اور طنزیہ تھا۔ اسے بے حد افسوس ہو اتھا۔ پر ذہن یہ سب قبول کر بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ بری طرح الجھ گیا تھا۔ میران کے لبوں پہ قفل لگ چکا تھا وہ مراد کو دیکھتا رہا۔ ماحول میں عجیب سا سناٹا راج کر رہا تھا۔

یہ رات جیسے لوگوں کے چہرے پہ سے نقاب ہٹانے کے کام آئی تھی۔

"تم مجھے جانے دو تم جو مانگو گے تمھیں دے دیا جائے گا۔ تمھاری پروموشن بھی ہو سکتی ہے۔" میران ٹیبل کی طرف سے گھومتا ہوا اسکی طرف آیا مراد نے گن جو اس پہ تان رکھی تھی ہاتھ نیچے کر لیا۔

"ہنہہ... دنیا کی ایسی کوئی دولت نہیں جو میرے ایمان کو خرید سکتی ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا بڑا شکار اس طرح یوں آسانی سے مجھے مل جائے گا۔" وہ پھنکارا تو میران نے توقف سے سانس خارج کی۔

"جانتا ہوں تم میرے باپ کے پیچھے پڑے ہو اور اب تو تم نے مجھے بھی نا بخشنے کا فیصلہ کر لیا ہو گا پر میری مانو ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ... سوائے خواری کے تمھارے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا اے ایس پی۔۔" میران کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی مراد کا لہو چہرے پہ چھلکنے لگا اس نے درشت نگاہ اس پہ ڈالی۔

"میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" اسکی پر سکون نگاہوں میں دیکھتے ہوئے مراد نے پر یقینی سے کہا۔ اور طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ہتھکڑی نکال کے میران کے سامنے کی۔

"کتنا اچھا ہو گا جب تمھارا اصلی چہرہ سب کے سامنے آئے گا۔" وہ آنکھیں چھوٹی کرتے بولا تو میران ہنس دیا۔ اسکا یہ اطمینان مقابل کو تپانے کے لیے کافی تھا۔

مراد نے ہتھکڑی اسکے ہاتھ میں ڈالنی چاہی تھی پیچھے سے ڈی آئی جی کی آواز نے اسے روک دیا۔

"واٹ آر یو ڈوئنگ مراد! جانے دو انھیں۔" وہ چلتے ہوئے قریب آئے تو مراد کو انکی بات پہ اچنبھا ہوا۔

"سر مجرم کی اصلی جگہ جیل ہے۔" اس نے باور کروایا۔

"شٹ اپ مراد... میران صاحب معذرت جوان خون ہے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ آپ جاسکتے ہیں۔" ڈی آئی جی ابراہیم نے عاجزی سے کہا میران نے آنکھ جھپکائی اور بنا کوئی وضاحت دیے وہاں سے اپنی مخصوص چال چلتا نکل گیا۔ پیچھے کھڑے طفیل نے نفرت سے اسے دیکھا۔

"سر آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" وہ بھونچکا یا ہوا تھا۔

"تم کیوں انکے پیچھے پڑے ہو۔ یہ سہی وقت نہیں ہم نے اسمگلر کو پکڑنے کے لیے یہ کیس تمھیں دیا تھا نا کہ زولفقار جاہ کے بیٹے کو۔"

"پر سر ہمارا اگلا کیس انھی سے جڑا ہے۔"

"تم میران جاہ کے خلاف کچھ نہیں کرو گے!" وہ اشتعال انگیزی سے اسکو باور کرانے لگے مراد دیکھتا رہ گیا۔

میران نے دروازے سے پلٹ کے نگاہ ڈی آئی جی پہ ڈالی اور گہری مسکراہٹ چھوڑ کے مراد کو جلاتا ہوا نکل گیا۔ مراد نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

ڈی آئی جی کا حکم بجالانا ضروری تھا فلحال وہ اپنی پوسٹ کے ساتھ کوئی رسک نہیں لے سکتا آگے اسے مزید ان جیسے سانپوں کے چہرے دنیا کے سامنے لانے تھے۔ ڈی آئی جی کو ذولفقار صاحب کی پشت پناہی حاصل تھی اسے اب یقین ہو چلا تھا۔

ٹیم کا حصہ تو وہ پہلے دن سے تھے پر کئی بار انکی مشکوک باتوں اور حرکات کو مراد نے نوٹ کیا تھا۔

میران کے حوالے سے ایک اندیشہ اسکے ذہن میں امڈ آیا وہ سوچنے پہ مجبور ہو گیا۔ دل کچھ اور کہہ رہا تھا پر دماغ کچھ اور.. اور آنکھوں نے جو دیکھ لیا تھا میران پہ یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ اسی کشمکش میں اسٹیشن پہنچا۔ اور مزید پوچھ گچھ کی کاروائی کے لیے تمام افراد سے پوچھ گچھ کی۔ آخر میں وہ ایم این اے طفیل کے پاس آیا تھا۔

مراد نے کرسی کھینچی اور ٹیبل پہ کہنیاں جما کے بیٹھ گیا۔ طفیل کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔

"ایم این اے صاحب آپ پہ تو باخدا پہلے سے ہی نظریں جمی تھیں زرا خود بتانا پسند کریں گے کہ وہاں کیا کر رہے تھے ؟"

"اے ایس پی زیادہ خوش نا ہو۔ میں نے ہی تم کو وہاں بلایا تھا۔" اسکی بات پہ مراد نے کوئی تاثر نا دیا پر دل پہ ایک گھونسا سا پڑا۔ وہ شاید کچھ اور سمجھ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"میسج بھول گئے کیا۔"

"اور تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ بظاہر خود کو نارمل رکھے ہوئے تھا۔ اور انگلیاں چلاتا ٹیبل پہ وقفے وقفے سے ٹھونک رہا تھا۔

"چھوٹے جاہ کو پکڑوانے کے لیے لیکن وہ بچ نکلا۔ اسکا اصلی روپ دیکھانا تھا جو تم دیکھ چکے ہو"..

"پوری بات بتاؤ۔۔ تم نے بلایا اور خود بھی وہاں چلے آئے یہ دلیری ذرا ہضم نہیں ہوئی۔"

"وہ بڑے سائیں کے ساتھ مل چکا ہے اور ایسا کب کیسے ہوا اسکا علم مجھے نہیں۔ جب مجھے بھی ساتھ چلنے کا کہا تو میں نے سوچ لیا تھا اپنی تمام بے عزتی کا جواب بھرپور طریقے سے دونگا۔" مراد کی پرسوچ نگاہیں اس پہ جمی تھیں جو طفیل کی نفرت کی آگ پہ حیران بھی تھیں۔

"کس بات کا بدلہ؟" وہ ٹیبل پہ جھکا۔

"اس نے ہمیشہ مجھے دس لوگوں میں بے عزت کیا ہے۔ اسکے مطابق میں غدار ہوں اور اب وہ خود کیا کرتا پھر رہا ہے وہ کچھ نہیں۔ میں نے پتا لگا لیا تھا اس گودام سے ایک سورنگ تھوڑے فاصلے پہ کھلتی ہے۔ میں نے ساڑھے نو بجے تک تمھارا انتظار کیا میں بہانے سے وہاں سے اٹھ گیا تھا اور چھپ چکا تھا پر تم نا آئے۔ خیر تم اب بھی مجھے

زیادہ دیر یہاں نہیں رکھ سکتے۔ بڑے سائیں مجھے چھڑا لیں گے۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے اطمینان سے سب سچ سچ بتا گیا۔ مراد کا اعتبار کرچی کرچی ہوا تھا۔ ایک ننھی امید تھی کہ شاید میسج میران نے کیا ہو۔ کیس اب ایک پہیلی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

ناجانے اسکا دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ میران ذولفقار کے نقشِ قدم پہ چلنے لگا ہے۔ پر کیسے اسکے قدم بھٹک گئے؟ پہلے تو ذولفقار بھی ایک اچھا آدمی تھا پھر اسکے بعد انھیں دولت کے نشے نے اندھا کر دیا سہی غلط میں وہ اب فرق ہی ختم کر بیٹھے۔

"تم نے اپنے سائیں کے ساتھ اس بار غداری کر دی ہے۔ انکے چہیتے کے خلاف کام کیا ہے،، ایسی خوش فہمی نا رکھنا کہ وہ تم کو بچا لیں گے۔" اسکی آنکھوں میں سرد پن اتر آیا۔

"یہ جو ہے نا... یہاں انکے کئی راز دفن اگر میں نے زبان کھول دی تو انکا تختہ الٹ جائے گا۔" وہ دل کے مقام پہ انگلی ٹھونک کر بولا مراد کچھ پل ویسے ہی بیٹھا شاکی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر مزید کچھ کہے طفیل کے سیل سے نکل کر وہ مارگن کے پاس انوسٹیگیشن کے لیے دوسرے سیل میں داخل ہوا۔ مارگن تمسخر سے ہنسا۔ مراد نے اسکی ہنسی گھول کے پی لی تھی اور بوٹوں کی ٹک ٹک کرتا اسکے سامنے آن کھڑا ہوا سر سے کیپ اتار کے ٹیبل پہ رکھا۔

"   کیا جاننے آئے ہو مجھ سے ؟" اس نے نظروں سے اوپر تا نیچے مراد کا جائزہ لیا۔ وہ آفیسر جس نے مارگن نامی ہوشیار اسمگلر کو آخر کار رنگے ہاتھوں حراست میں لیا تھا۔ اس نے جبڑے بھینچ لیے مراد کے چہرہ پر سکون تھا۔

"جس جس کو تم مال بیچتے ہو ان سب کے نام ہمیں بتاؤ اور اس سے پہلے یہ کہ..." وہ ابھی اپنی بات مکمل کرتا مارگن بول اٹھا۔

"میران جاہ کے بارے میں پوچھنا ہے نا!" لبوں کی تراش پہ مسکراہٹ رک گئی۔

"حیران تو میں بھی ہوا تھا اسکے آنے کا سن کر۔ اسکا باپ آنا نہیں چاہ رہا تھا اور میں ڈیل کینسل کرنے لگا تھا پھر اس نے رقم سمیت اپنے بیٹے کو بھیج دیا۔ تم نے ہم کو اریسٹ کر لیا ہے پر کیا لگتا ہے کب تک یہاں رکھ سکو گے ؟"

"کیا تمھیں معلوم نہیں میران کو اریسٹ نہیں کیا گیا لگتا ہے نشا ڈھنگ سے اترا نہیں۔" مراد اسکے چہرے کے رنگ اڑا کے سکون سے کرسی پہ براجمان ہوا۔

"اسکا مطلب کہ اس نے ڈھونگ رچایا ہے۔" مارگن نے مٹھی بھینچ کے مراد کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ہمم مزا اب آیا۔ تم یہاں بیٹھ کے سوچتے رہو کہ تمھارے ساتھ ہوا کیا ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا.

"تمھارے خریداروں کی لِسٹ اگلی ملاقات میں تم سے لونگا! اور باہر نکلنے کا خواب نا دیکھنا۔ تمھارے جیسے مجرموں کے لیے جیل میں خصوصی انتظامات کیے ہوئے ہیں۔" مراد آنکھ دبا کر کہتا مارگن کو سوالوں کے گھیرے میں ڈال کے باہر نکل گیا۔

مارگن اور طفیل دونوں سے پوچھ کچھ کرنے کے بعد اب سوچ کا رخ کہیں اور مڑ گیا۔ وہ اپنے کیبن میں چلا آیا اور چائے منگوائی۔

" سر باہر میڈیا والے آچکے ہیں۔" خورشید نے آ کے بتایا مراد نے سرد آہ بھری۔ دو دن کی سفر کی تھکن اور پھر اب یہ سب۔ آج رات تو وہ گھر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"مارگن کے ساتھ ایم این اے بھی پکڑا گیا ہے کیا انکو اس بات کی خبر ہے؟" اس نے سر دباتے پوچھا۔ خورشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو انکو بے خبر ہی رکھو... کچھ دیر میں طفیل کی ضمانت ہو جائیگی میں روک نہیں سکتا۔ اسکو اور ذولفقار جاہ کو اگلی بار نشانے میں لونگا ہو سکتا ہے یہ طفیل نفرت کی آگ میں ہمارے لیے آسانیاں پیدا کر سکتا ہے،، خیر تمھیں معلوم ہے ڈی آئی جی صاحب بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔" وہ فائل میں سر دیے ہوئے تھا خورشید نے سن کے نچلا لب دانتوں سے کچلا۔

"شک تھا مجھے۔ وہ ہماری ٹیم میں ہیں۔ انکے ہوتے ہوئے ہم اپنے کیس پہ کام کیسے کرینگے؟"

"میران کو انھوں نے جانے دیا ظاہر ہے وہ اسکے ساتھی ہیں۔ اگر میں طفیل کی بات نا سنتا تو کہہ دیتا کچھ ہم سے چھپا ہے۔ پر اب سب سامنے ہے۔ ہر ایک یہاں بڑی گیم نکل کے آتا ہے ہم باقی سیاستدانوں پہ تو ہاتھ مار لیں گے پر زولفقار جاہ کے لیے ڈی آئی جی مشکلیں پیدا کر سکتا ہے۔"

"سر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف میران کے ساتھ ہوں جیسے ہم بھی تو میران جاہ پہ بھروسہ کرتے تھے۔ میران کے علاوہ بہت کم لوگ ہیں جو ملک کے لیے خون پسینہ بہا رہے ہوں۔"

"یہی تو! تم خود سوچو ایک شخص جو اپنے ایکسیڈنٹ کے وقت تک سچا اور اچھا رہا۔ اس سے پہلے ہی دونوں باپ بیٹے کے درمیان اختلافات چل رہے تھے۔ اور پھر اس نے خود اپنے باپ کی منی لانڈرنگ رکوا دی اور اب ایسا کیا ہو گیا جو وہ انکے ساتھ مل گیا؟ مجھے یہ سب ہضم نہیں ہو رہا۔"

چائے کا کپ اس نے لبوں سے لگا لیا خورشید سوچ میں پڑ گیا۔

"اب ہم کسی پہ یقین نہیں کر سکتے سر".

"بلکل... زولفقار جاہ کی تمام پراپرٹی کالے دھندوں کا علم میران کو لازمی ہو گا پر اب وہ کسی قیمت ہماری مدد نہیں کریگا یہ بات واضح ہے۔ اب ہم ہی ثبوت ڈھونڈیں گے اور اس کیس سے ہٹ کے ایک کام اور وہ وجہ تلاشنی ہے جسکے لیے میران اور زولفقار میں صلاح بندی ہوئی ہے! ہو سکتا ہے اسکے جاننے کے بعد ہمارا کام آسان ہو جائے۔ اس سب تبدیلی کے پیچھے لازماً کوئی وجہ ہے۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کے مکمل وثوق سے کہہ رہا تھا۔ دماغ اب بھی میران پہ اٹکا تھا آخر وہ کیسے ذولفقار جاہ کے ساتھ مل گیا۔ کیا وجہ ہو گی جو میران نے انکے ساتھ ہاتھ ملا لیا۔ اسے میران کی آنکھوں کی سچائی بھولتی نہیں پر دوسری جانب وہ مغرور مسکراہٹ بھی ذہن میں برف کی طرف جم گئی تھی۔ یقین کرتا تو آخر کس پہ!

مسجد سے فجر کی اذانوں کی آوازیں آرہی تھیں کچھ ہی دیر میں سورج نکل آیا۔ بنگلے کے ملازم حسبِ معمول کاموں میں لگ گئے۔ باہر نکھرتا موسم کافی دلعزیزی کا نظرانہ پیش کر رہا تھا۔

پر اندر زولفقار جاہ غصے سے بھرے ہوئے ہال میں صوفوں کے گرد کمر کے ساتھ ہاتھ باندھے بنا رکے کافی دیر سے چکر کاٹ رہے تھے۔

طفیل کی ضمانت ہو چکی تھی۔ میران نے فون کال پہ سارا واقعہ انھیں سنا ڈالا تھا اور صبح فجر کے بعد بنگلے میں اس نے قدم رکھا تھا۔

زولفقار کو دیکھ ہال میں ہی رک گیا گردن سے چادر اتار کے صوفے پہ رکھی کمر ٹکا آنکھ موند کر صوفے پہ دراز ہو گیا۔ زولفقار جاہ نے ہنکارتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیا کیا ہے تم نے یہ؟" وہ غصے سے لبریز استفسار کرنے لگے۔

"کیا بابا سائیں ؟میری کوئی غلطی نہیں ہے۔ غلطی آپکی ہے جو اس طفیل کو ساتھ لے جانے کا کہا۔ مجھ پہ بھروسہ نا کیا اور اس دو غلے انسان پہ کر لیا جس نے مجھ سے نفرت کی خاطر آپ کے نقصان تک کا نا سوچا۔ میں نے مخبری نہیں کی تھی طفیل نے کی تھی۔" آنکھوں کے پپوٹے چھوتا وہ آرام سے بولا قہ کچھ نا بھی کرتا تب بھی باپ کو اسی پہ شک ہوتا تھا۔ زو لفقار جاہ نے ایک پل خود کو کوسا کہ کیوں اپنے چراغ کے جن بیٹے سے ڈیل کی۔

"شکر ہے ڈی آئی جی وہاں تھا ورنہ معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر لیتا۔ "صوفے پہ دراز حالت میں ہی تھوڑی سہلاتے وہ بولا۔ اسے اپنے علاوہ جیسے کیسی چیز سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

"طفیل کی ضمانت کروالی ؟میرے حساب سے تو اسے سڑنے دیں وہیں۔ "اس نے کنپٹی سہلائی زو لفقار نے غصے سے اسے دیکھا۔

"خاموش ہو جاؤ بلکل۔ کئی راز اسکے سینے میں دفن ہیں اگر اس نے دشمنی میں آ کے اس اے ایس پی کے آگے راز اگل دیے تو بربادی سے کوئی بچا نہیں پائے گا۔ "پہلے تو وہ میران پہ غصہ تھے اور اب جب معلوم ہوا کہ طفیل نے غداری کی ہے تو اب انکا بی پی شوٹ ہونے لگا۔

"ریلکس۔ کچھ نہیں بگڑے گا آپکا۔ میں امید کرتا ہوں ہماری ڈیل اب بھی قائم ہو گی۔ "وہ اٹھ کے انکے سامنے آن کھڑا ہوا۔ زو لفقار نے کچھ اسکی آنکھوں میں کچھ کھوجنا چاہا۔

"یہ تم پہ منحصر ہے کہ تم طفیل جیسی حرکت نا کرنا"!

"آپ نے کہا کہ مارگن سے ملاقات کروتا کہ آپکو یقین آجائے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ صرف آپکو یقین دلانے کی خاطر میں وہاں گیا میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اب آپ اپنی بات پہ قائم رہیں گے "!

"مجھے میرے بیٹے کی خوشی قبول ہے۔" انھوں نے مسکرا کے اسکا کندھا تھپکا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"ویسے مجھے افسوس رہے گا آپ نے مجھ پہ اعتبار نہیں کیا۔" اسکا چہرہ رنجیدہ ہو گیا تھا اپنی غلطی مانتے ہوئے زولفقار جاہ کے لب سکڑے۔

باپ بیٹے نے مقمقہ کر لیا تھا ایک ہاتھ دو ایک ہاتھ لو۔

تبھی شمس طفیل کو اپنے ساتھ لیتا ہوا اندر آیا زولفقار کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میران نے سرد نگاہ اس پہ ڈالی وہ تسمخر سے ہنسا۔

"طفیل تمھارے خون میں نمک حرامی کب سے آگئی؟ تم نے میرے بیٹے کو نقصان پہچانے کا سوچا بھی کیسے؟" وہ غصے سے پھنکارے۔

"سائیں میں نے آپکے لیے خود کی جان بھی کئی بار خطرے میں ڈالی پر آخر مجھ کو کیا ملا؟ مجھے ہمیشہ اس نے پارٹی سے باہر نکالنا چاہا۔ میں چور ہوں میں گھٹیا ہوں میں بے ایمان پر یہ خود کیا ہے؟ یہ وہی ہے نا جو دنیا کے سامنے اچھائی کا ڈھونگ رچاتا اور پیٹ پیچھے آپکے ساتھ مل کر تمام غلط کاموں کا حصہ بن رہا ہے۔ غلط تو یہ آپکو بھی کہتا

تھا پر اب اس نے اپنا ایمان بیچ ڈالا صرف کسی لڑکی کی وجہ سے۔"اور آخر میں طفیل نے کئی الزامات کے ساتھ زہر بھرا تیر جو آخر میں چلایا وہ میران کا دل چیر گیا تھا وہ دانت پیس کے اسکی طرف لپکا۔

"بکواس بند کرو اپنی"!

"کیا ہوا چھوٹے سائیں سچ زیادہ ہی کڑوا لگ گیا کیا نام ہے اس لڑکی کا.."ابھی طفیل منہ سے مزید زہر اگلتا میران نے اپنے مضبوط ہاتھ کا گھونسا اسکے منہ پہ جڑ دیا۔

"ہاں میں بے ایمان ہوں بیچ دیا میں نے اپنا ضمیر۔پر کسی کو حق نہیں کے وہ میری محبت کا زکر اپنی گندی زبان سے کرے۔"اسکا گریبان میران نے دبوچ لیا تھا جھٹکے سے دور پھینکا اور زولفقار جاہ کو دیکھا۔

"دیکھ لی اسکی اصلیت!میں تو ہمیشہ بکواس کرتا آیا ہوں کہ نکالیں اسکو بلاوجہ سر پہ چڑھایا ہوا ہے آج اپنی اوقات بھول گیا ہے۔"طفیل کی طرف اشارہ کرتے کہا اس کا تیش تھا اور دوسری طرف زولفقار جاہ کا صبر۔اسکی محبت کے آگے انھوں نے گھٹنے ٹیک دہے تھے اور اپنی محبت کے حصول کے لیے اس نے باپ کے آگے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔پر پھر بھی ہر بات میں اسکی منمنانی چل رہی تھی لگ تو ایسا ہی رہا تھا۔وہ غصہ جتنا کرنے سے گریز کرتا تھا اسکے گرد لوگ اسکے غصے کو اتنا ہی بھڑکاتے تھے۔اول تو وہ پر سکون دکھائی دیتا تھا پر چند معملات میں اسکا غصہ اس پہ حاوی ہو جاتا تھا جیسے ایک اسکی ذات پہ کوئی انگلی اٹھائے دوسرا رومائزہ!

عزیز جو اس تمام واقعے سے بے خبر تھا شور سن کے اندر داخل ہوا۔اور اسے حیرت کے جھٹکے لگتے رہے۔

طفیل نے ہونٹ سے رستے خون پہ ہاتھ رکھا اور اسکے مقابل آیا۔

"جس چڑیا کو پانے کی تم کوشش کر رہے ہو وہ تمھارے ہاتھ کبھی لگے گی نہیں میران جاہ اور یہ جو تمھارا باپ ہے نا یہ بھی تمھارے کچھ کام نا آئے گا۔اور دنیا تم باپ بیٹوں کا اصلی روپ دیکھے گی۔"خود پہ اٹھے ہاتھ کا بدلا لینے کی غرض سے وہ نفرت انگیزی سے بولا۔میران کے نتھنے پھول رہے تھے ماتھے کی رگیں تن گئیں اس نے گہری سانس بھر کے خود کو نارمل کیا۔۔

اور زولفقار طفیل کی بدزبانی پہ ششدر تھے۔

"ٹھیک ہے لوگ دیکھ لیں گے۔کینیڈا کی جس یونیورسٹی میں تمھاری بیٹی پڑھتی ہے مجھے معلوم ہے۔تمھارا بیٹا کونسے اسکول میں جاتا ہے کدھر اٹھتا بیٹھتا ہے یہ بھی میرے علم میں ہے۔تمھاری بیوی کونسا انسٹیٹیوٹ چلاتی ہے وہ بھی معلوم ہے۔"میران اسکے شانے جھاڑتے ہوئے طمانیت سے بولا اور صوفے پہ بیٹھ گیا طفیل کے چہرے کے رنگ پھیکے پڑے۔

"تم جاسکتے ہو میں تم سے بعد میں بات کرونگا حساب دینا ہوگا طفیل تمھیں ہر چیز کا!"میران کی دھمکی کے بعد زولفقار نے ٹھنڈا ہو کر کہا طفیل تیور چڑھاتا تن فن کرتا باہر نکل گیا۔میران کی نظر عزیز پہ پڑی جو دنگ کھڑا تھا۔

"فرید دس منٹ میں چائے کمرے میں پہنچا دینا۔" خانساماں کو حکم سناتے وہ اوپر سیڑھیوں کی جانب اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ عزیز اسکے پیچھے ہی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

میران نے کمرے میں جا کے کرتے کے بٹن کھول کف کے لنکس جو اوپر چڑھا رکھے تھے وہ نیچے کیے بالوں میں ہاتھ چلا ہی رہا تھا عزیز کمرے میں اجازت طلب کرتے آگیا۔ وہ کئی سوالوں میں گھرا تھا۔

"جو بھی تم نے نیچے دیکھا اور سنا سب سچ ہے۔" میران نے جیسے اسکے لیے آسانی کر دی۔

"آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"

"میں ایسا کر چکا ہوں!" کوٹ جو وہ کندھے پہ ڈال کے لایا تھا اسکی جیب سے اپنا موبائل نکالا اور کہا۔

"خیر تم قسمت دیکھو میرے ہاتھوں بابا سائیں کا کام پورا ہو ہی نا سکا۔" وہ ہنس دیا۔

"وہ آگے جو بولیں گے اسی طرح آپ کرتے جائیں گے؟"

"ہاں... پر میں انکی طرح اپنی زمہ داریوں سے منہ پھیرنے والوں میں سے نہیں۔ ڈیل کی ہے میں نے انکے ساتھ۔ وہ بہتر تعلقات امن چاہتے ہیں تو ہم نے متفقہ کر لیا۔ وہ رومائزہ کو بخوشی قبول کریں گے اور جو بدلہ لینے کا جنون ان کے سر پہ سوار تھا اسے ختم کریں گے اور میں انکی اس عنایت پہ تھوڑی نرمی کر ہی سکتا ہوں آخر کو میرے باپ ہیں وہ۔"

"یہ خود غرضی ہے آپکی۔ میں نہیں مانتا یہ آپکے الفاظ ہیں۔"

"عزیز محبت اور جنگ میں سب جائز ہیں۔ میں محبت کی جنگ لڑ رہا ہوں اور اب مجھے ہر صورت فتح کا جھنڈا محبت کی دہلیز پہ لہرانا ہے۔ اگر میں خود غرضی دکھا رہوں تو ایسا ہی سہی۔ بے فکر رہو نقصان کسی کا نہیں ہو گا"!

"نقصان آپکے ضمیر کا ہو رہا ہے۔ کیا یہ آپکے اندر شور پیدا نہیں کر رہا؟ میں فخر سے کہتا ہوں میرے سائیں ایماندار ہیں مجھ سے یہ حق مت چھینیں۔"

"عزیز بس جذباتی مت ہو میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ ایک بار تمھاری میڈم اس گھر میں آجائیں پھر بعد کی دیکھی جائے گی۔"

"ابتداء میں قدم ایسے ہی لڑکھتے ہیں وفاداری حق کے راستے پہ چلنا مشکل ہے ایسے ہی شیطان کئی روکاوٹیں لے آتا ہے۔ آپ زولفقار کا ہی خون ہیں انھی کے نقشِ قدم پہ چلنے لگیں گے۔" وہ روکنا چاہتا تھا۔

"تم میرے قریبی ہو میں نے تم کو کافی وضاحت دے دی ہے۔ باتوں کو دہرانے کا میں قائل نہیں ہوں۔

میں اسے پانے کے لیے جتنی تڑپ برداشت کر رہا ہوں کوئی نہیں جانتا میری محبت کو سب نے کھلونا سمجھ رکھا ہے پر میں اس کھلونے کی حفاظت خود کرونگا"!

"ٹھیک ہے پھر میری آپکے ساتھ وفاداری ضرور ہے پر آپکے کسی غلط کام میں ساتھ نہیں دونگا۔"

"میں تمھیں فورس بلکل نہیں کرونگا جیسے تمھیں مناسب لگے۔" میران نے بات ختم کی فرید کی جگہ شمس چائے لے آیا تھا۔

"سائیں نے حکم بھجوایا ہے جب آپ فارغ ہو جائیں تو انکے کمرے میں چلے جائیگے گا بات کرنی ہے کچھ۔" شمس نے کہتے ہوئے نظر پریشانی میں مبتلا عزیز پہ ڈالی اور افسوس اسے دیکھا عزیز نے مٹھیاں ضبط کی۔

"ٹھیک ہے۔" میران نے موبائل سے توجہ ہٹا کے کہا تو وہ سر ہلا کے کمرے سے نکل گیا۔

اسکے تھوڑی دیر بعد عزیز بے چین سا سیڑھیاں اترتے ہوئے کوریڈور سے نکل کے ہال کی طرف آیا جہاں سے باہر کا راستہ تھا۔ زولفقار اسے وہیں بیٹھے ملے وہ رکنا نہیں چاہتا تھا پر زولفقار کے مخاطب کرنے پہ رک گیا۔

"تم میرے بیٹے کے لیے مشکل پیدا مت کرو۔" انکا انداز یخ تھا عزیز نے نگاہیں جھکائی رکھیں اسکا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ اسے اپنے سائیں سے بلکل یہ توقع نہیں تھی۔

وہ بچپن سے اسکے ساتھ رہا تھا اسے غلط قدم اٹھاتا دیکھ بے بسی پہ غصہ آرہا تھا۔ وہ میران کو تکلیف پہچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"میرے بیٹے نے بچپن سے مجھ سے جو چیز مانگی میں نے اسکے سامنے لا کر رکھ دی تو پھر اب کیسے اس لڑکی کو اس سے دور رکھ سکتا ہوں۔ میرے لیے میرا بیٹا اہم ہے!" وہ جیسے واضح کر رہے تھے۔

"اور جو اسکے اہم ہیں جن کو وہ چاہتا ہے میرے لیے وہ بھی اہمیت رکھتے ہیں جیسے تم! میران نے کہا بابا سائیں عزیز کا اسکول میں داخلا کرا ایں میں نے کروادیا عزیز کو جاب بھی دی اپنے بیٹے کا محافظ بنادیا۔ اور اب وہ شنواری کی بیٹی ہے تھوڑی انا تو میں مار ہی سکتا ہوں۔" سگار لبوں سے ہٹا کے دھوئیں کا مرغولہ ہوا میں اڑایا عزیز نے سانس بھری اور نظر اٹھا کے انھیں دیکھا۔ اسکی آنکھوں کا کرب وہ دیکھ چکے تھے۔

"میں مشکل پیدا نہیں کرونگا۔ پر اتنا جانتا ہوں میران جاہ اور زولفقار جاہ ایک ہی رستے پہ زیادہ دیر نہیں چل سکتے۔" وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں طنز مار گیا تھا۔ زولفقار خاموش رہے اور عزیز شمس پہ نگاہ ڈالتا پلٹ گیا۔

رفتہ رفتہ جس طرح دن گزر رہے تھے بیٹی کے غم میں شنواری صاحب کی حالات بھی گرتی جارہی تھی۔ پہلے جو کافی تندرست دکھائی دیتے تھے اب بہت کمزور نظر آنے لگے تھے۔ نعمت بی انکے اور روما کے لیے بہت متفکر تھیں۔ ناجانے یہ پریشانی کے بادل کب چھنٹتے۔

آزمائش نے انھیں چاروں طرف سے آن گھیر اتھا۔

دائم کے ساتھ فیکٹری بیچنے کے لیے بات چیت چل رہی تھی وہ جگہ کی مناسبت پیسے کم دے رہا تھا اور شنواری صاحب کو پانچ کروڑ میں ہی فیکٹری بیچنی تھی۔

"شنواری صاحب آپ نے دوائی نہیں کھائی اب تک ؟" نعمت انکے کمرے میں داخل ہوئیں۔

" کھالونگا تھوری دیر میں۔ "

" وقت پہ کھایا کریں۔ ہمت ناہاریں اللہ ہماری مدد ضرور کرے گا۔ "

" نعمت بی میں انٹرسٹ لگی رقم کہاں سے لاؤنگا بینک سے بھی قرضا نہیں لے سکتا اور کوئی قرضا دینے پہ آمدہ نہیں۔ دن رات اپنی بیٹی کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ نا جانے وہ وہاں کیسے خود پہ قابو رکھے ہوئے ہو گی۔ "

وہ ہاتھوں میں سر دے کر بولے رومائزہ کی یاد پہ نعمت بی کے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

" وہ وہاں ٹھیک تو ہو گی نا۔ "

" ہاں مجھے یقین ہے میران وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ " کنپٹی سہلاتے انھوں نے کہا۔ عزیز اکثر میران کے پیغام لے کر آتا تھا تو رومائزہ کے بارے میں بھی انکو باخبر کر دیا کرتا تھا۔ اسکی آنکھوں سے سچائی جھلکتی تھی اس پہ اعتبار کرنے کے علاوہ انکے پاس دوسرا کوئی آپشن بچتا نہیں تھا۔ دل کو بس ایک ننھی تسلی مل گئی تھی۔ کم اس کم وہ انکی بیٹی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا یہ بات انکے لیے کافی تھی۔

جامعہ کے عین دروازے پہ گاڑی رکی تھی وہ بیگ کندھے پہ ڈالے ہاتھ میں ایک دور جسٹرز سنبھال کے منہ بسور کے گاڑی سے اتری تھی۔ بلوچی ڈزائن کی کرتی اور شلوار اس نے پہن رکھی تھی ناک میں لونگ ہمیشہ کی طرح چمک رہی تھی اور کاندھوں پہ شال پیچھے سے ڈال رکھی تھی جسکے کناروں پہ کڑاہی کی ہوئی تھی۔

وہ اتر کے گاڑی کی دوسری طرف آئی چونکہ جامعہ کا دروازہ بھی اسی طرف تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے پولیس وردی میں ملبوس شوہر صاحب اسکی پشت تک رہے تھے جو بہت چیخ پٹاخ کر کے گاڑی سے اتری تھی۔ یک دم وہ رکی اور پلٹ کے اسے دیکھا نیم سوجی اور رات جگ آنکھیں کالے سن گلاسز سے چھپا رکھی تھیں۔ وہ چونکہ کیس میں مصروف تھا اسکے باوجود اس نے جامعہ کے لیے تیار رہنے کا پیغام دے دیا تھا۔ عائشے کا کورس سارا اسکے گھر تھا جو وہ پچھلی رات کو نیمل اور ڈرایور کے ساتھ جا کے لے آئی تھی۔ اور صبح مراد نے اسے پک کر لیا تھا۔

ریشمی بالوں کو کان کے پیچھے اڑس کے وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی جسکے چہرے پہ اطمینان بھرا تھا وہ مزید عائشے کے معاملے میں لاپرواہی کرنا چاہتا ہی نہیں تھا بیوی تھی اب ذمہ داری تھی!

مراد نے بھنوا چکا کے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا وہ دانت پیس کے پیر پٹختی اندر چلی گئی۔

تقریباً ایک ماہ بعد اس نے جامعہ میں قدم رکھا تھا۔ فاصلے فاصلے سے اسٹوڈنٹس بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ کلاس کا ٹائم ہو گیا تھا وہ خراب موڈ کے ساتھ ہی کلاس کی جانب چل پڑی۔ بیچ راستے میں ہی کچھ فیلوز نے اسے شادی کی مبارکباد دی تھی۔ وہ تو شکر تھا کسی کو ارغن کا نام اس نے بتایا نہیں تھا ورنہ ایک مسئلہ اور کھڑا ہو جانا۔ اس نے

کلاس میں قدم رکھا اور ڈیکسز کی جانب نظر گھومائی سب ہی اسے اتنے دن بعد دیکھ کر چونک گئے تھے۔ دوسری ڈیسک پہ بیٹھی نیند میں اونگھتی انوش پہ جب اسکی نظر گئی تو تیز قدم اٹھاتی اسکے سر پہ جا پہنچی اور کندھے پہ رجسٹر مار کے اسے ہوش کہ دنیا میں لائی۔ وہ ہڑابڑا کے اٹھی اور عائشے کو دیکھ کر چیختی ہوئی خوشی سے پھولے ناسماتی گلے لگی۔

"جنگلی بے وقوف بتا نہیں سکتی تھی تم کہ آرہی ہو۔" اسکے گلے لگے ہی وہ بول رہی تھی عائشے مسکرادی۔ اس سے دور ہٹ کے اس نے بلند آواز میں سب کو سلام کیا۔

"عائشے شادی مبارک ہو تمھیں۔" پیچھے سے اریکہ کی آواز پہ وہ چونک کے پلٹی۔

"تھینک یو۔" اس نے مصافحہ کیا۔

"عائشے بلوچ صاحبہ آپ کس کی مسز بنی ہیں؟ دلہا بھائی کا نام ہی بتادیں۔" پلر کی اوٹ میں سے جانی پہچانی آواز آئی تھی۔ عائشے نے ایک نظر انوش کو دیکھا اور پھر سامنے.. ہمایوں ڈیسک سے نکل کے انکی طرف ہی آیا تھا۔

"میں بتاتی ہوں کس کی مسز بنی ہیں۔ ہماری کلاس میں بہت بڑے بڑے لوگوں کی بیویاں پڑھنے آتی ہیں۔" انوش سب کو جگہ پہ ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کرتے اور خود ڈیسک کے اوپر چڑھ کے بیٹھ گئی جب کہ عائشے اب بھی کھڑی تھی بیگ کندھے سے اتار کے نیچے رکھا۔

"بیویاں نہیں بیوی!" عائشے نے اسکے کان میں تصیح کی تو وہ پلک جھپک کے مزید بولنے لگی کیونکہ سب کا تجسس اب بڑھ رہا تھا۔

"لاہور کے بہت قابل آفیسر اے ایس پی مراد دمیر ہمارے دلہا بھائی ہیں۔ مسز عائشے دمیر! وہی آفیسر جنہوں نے کل رات ایک اسمگلر اور اسکے گینگ کو پکڑا ہے۔" انوش نے بہت چہچہاہٹ سے اعلان کیا تھا اور سب ستائش بھری نظروں سے عائشے کو دیکھنے لگے۔

"سچی؟" ہمایوں کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"تو کیا جھوٹ بولونگی؟ تمھارا میر انداق ہے؟" وہ جب اپنے پہ آتی تھی تو آنکھیں چڑھا کر کہتی تھی۔ پھر اس نے اپنا موبائل کھول اور عائشے کی نکاح کی تصویر نکالی۔ جس میں گنگ سی عائشے اور مراد بھی کافی سنجیدگی سے کھڑا تھا۔ وہ تھوڑی بدمزہ ہوئی کوئی ڈھنگ کی تصویر نہیں تھی۔ ایک اور تلاش پہ ملی جس میں مراد نکاح نامے پہ دستخط کر رہا تھا دونوں تصویریں اس نے پوری کلاس کو کچھ لمحوں میں دکھا ڈالیں۔ سب کی بے یقینی کا خاتمہ ہوا۔

"واہ بھئی واہ عائشے۔ بتاؤ نا کیسے انکا رشتہ آیا؟ انھوں نے پہلے تم کو کبھی دیکھا تھا؟" سوال کا صاف مطلب تھا کہ یہ پسند کی شادی ہے۔ عائشے لاجواب تھی چہرہ بجھ گیا۔ انوش نے اسکا ہاتھ دبایا اور مسکرائی۔

"بلکل راہ چلتے انھوں نے کہیں دیکھ لیا تھا اور پھر رشتہ بھجوا دیا۔"

"یار تم نے ہمیں شادی پہ بلایا نہیں۔ اور رومائزہ کے بغیر ہی نکاح کر لیا۔" تھوڑے فاصلے پہ سے ایک اور آواز آئی۔

"نکاح کے لیے دوست کی نہیں دلہا کی ضرورت تھی۔ اور رومائزہ جب آئیگی تب ہم ایک پارٹی آرگینائز کریں اس میں تم سب کو دعوت ملے گی۔ جب روما ہی نہیں تھی تم لوگوں کو بھی کیوں بلاتے۔" وہ کھٹاک سے بولی اس نے سب اچھے سے سنبھالا تھا۔ روما اور انوش باتیں بنانے میں ماسٹر تھیں۔

"ویسے کب آئیگی رومائزہ؟ کافی ٹائم ہو گیا ہے اب تو یونی میں ایک اور فنکشن منعقد ہونے کی خبر سننے میں آرہی ہے۔ اسے بلاؤ بھئی وہ سب اچھے سے ہینڈل کر لیتی ہے۔" ہمایوں نے مزید کہا تو انوش نے چبا کے اسے گھورا عائشے خاموش سی تھی۔

"تم نا اسے بھول جاؤ"!

"استغفر اللہ ہمیشہ غلط ہی سمجھنا۔ تم لوگوں سے تو اسکی بات چیت ہوتی ہو گی۔ کیسی ہے وہ؟"

"بلکل پہلے جیسی زوردار چماٹ مارنے والی۔" اب کی بار جواب عائشے نے دیا تھا پوری کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی۔ وہ دونوں کو مسلسل زچ کر رہا تھا اور رومائزہ کے بارے میں کریدنا چاہ رہا تھا۔

سر نفی میں ہلاتا کان چھوتے ہوئے واپس جگہ پہ بیٹھ گیا۔ "بھلائی کا زمانہ نہیں"!

"کونسی بھلائی؟ پنچائیت کر رہے ہو تم دس منٹ سے!" انوش ڈیسک سے اتر کے بولی اور جگہ صاف کر کے ڈیسک پہ عائشے کے برابر میں بیٹھی۔ سب واپس اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔

"تم نے تو آنا نہیں تھا؟" انوش طنزیہ ہوئی۔

"انھوں نے بھیجا ہے زبردستی۔ انکو بہت پڑھی لکھی لڑکی چاہیے۔" کہنی ڈیسک پہ جماتے اس نے جھنجھلا کے کہا انوش کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"کس نے بھیجا ہے؟ تمھاری ساس نے؟" اسکی سوال میں الجھی شکل دیکھ عائشے سانس بھر کے رہ گئی۔

"انھوں نے..... اے ایس پی صاحب!" وہ لفظ جما کر بولی۔

"اوہہ... بہت اچھا کیا ورنہ میں تمھارے سسرال پہنچ جاتی تمھاری خبر لینے۔" عائشے کی شکل پہ بارہ بجے تھے جب کہ انوش کی خوشی کا پارہ ساتویں آسمان پہ تھا۔ ٹیچر کے آدھا گھنٹہ دیر سے آنے پہ انوش کی طرف سے اسے پڑھائی کے متعلق لمبا لیکچر موصول ہوا تھا۔ دل کا تو پتا نہیں پر بے زار ہو کے عائشے نے کہہ دیا تھا وہ واپس دل لگا کر پڑھائی پہ فوکس کرے گی۔ اور انوش کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ اسکی بات سمجھ گئی ہے۔

یونی آف ہوئی تو نیمل کے آفس کا بریک ٹائم تھا ڈرائیور کی جگہ نیمل نے عائشے کو پک کیا تھا اور اسی میں انوش سے بھی ملاقات ہو گئی۔ عائشے اور نیمل کی کافی اچھی دوستی ہو چکی تھی اور رہی بات انوش کی وہ بھی اب نیمل

سے سیدھی طرح بات کرنے لگی تھی یہ دیکھنے کے بعد کے انوش کے تنک کے جواب دینے کے باوجود نیمل کا رویہ برا نہیں ہوا تو وہ کیوں بلاوجہ دل میں جلن کا شکار رہتی۔

فارم ہاؤس،، دوپہر کا وقت تھا قریباً ڈھائی سے اوپر۔

کھانا کھالیا تھا اب وہ بہرائی بہرائی لاؤنج کے چکر کاٹ رہی تھی۔ موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ گلاس وال پہ سے پلاسٹک کا پردہ ہلکا سا سرکا ہوا تھا جس سے چمچماتی دھوپ سیدھا صوفوں پہ گر رہی تھی۔

بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنا کے گرے گھٹنوں کو چھوتی کرتی کے اوپر کالی ہوڈی میں ہاتھ ڈال کے گلاس وال کے پاس آگئی اور باہر باغ پہ نگاہ ڈالی۔ قدرت سے اسے خاصا لگاؤ تھا فوراً اچھا موسم ہر چیز اسے اٹریکٹ کرتی تھی۔ وہ کئی پل مالی بابا کو کیاریوں میں پانہ ڈالتے دیکھتی رہی تھی۔ تازہ گلاب کے پھول جگہ جگہ کھلے ہوئے تھے۔ ایک گلابوں سے بھرا گلدستہ تو اسے کل ہی موصول ہوا تھا جو کمرے میں اس نے نگاہ کے سامنے سجا کے رکھا تھا۔ دروازے کے پاس گارڈز کھڑے تھے۔ وہ سائیڈ سے ہی باہر کے نظارے دیکھتی تھی۔ اس قدر حسین باغ تھا اگر میران نے منع نا کیا ہوتا اور گارڈز بھی نا ہوتے تو وہ ضرور باغ دیکھتی۔

اور پھر خلافِ توقع گارڈز نے کسی گاڑی کی آواز پہ دروازہ کھولا تھا اور کالی ہیلکس پارکنگ تک گئی۔

میران کی گاڑی تھی۔ اور دو منٹ بعد میران بھی پارکنگ کی طرف سے باغ میں گارڈز کے پاس آیا۔ عزیز اسکے ساتھ تھا۔ میران نے سفید کرتے شلوار پہ نیلی چادر گردن میں فولڈ کر کے ایک بل سے بائیں کندھے پہ ڈالی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہی پر وقار شخصیت بے داغ چہرہ۔ پر کشش!

صبح گھر لوٹنے کے بعد پہلے تو کچھ گھنٹے اس نے آرام کیا تھا اور پھر یہاں آنے سے پہلے زولفقار جاہ سے مل کے آیا تھا۔

"اچھا کیا آپ نے نقصان کے بارے میں بتا دیا۔ میں سوچ ہی رہا تھا ایک چکر لگا آؤں۔"

"مینیجر بتا رہا تھا۔ کینڈا اسے آئی کمپنی سے ڈیل کرنا بہت فائدہ مند ثابت ہو گا۔" کچھ فائلز انھوں نے اسکے آگے کی تھیں اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں جاؤنگا تو دیکھ لونگا۔ اور کوئی خدمت میرے لائق؟" اس نے سر جھکا کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے پوچھا زولفقار جاہ کا قہقہ بلند ہوا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے بس تم خوش ہو کافی ہے۔ یاد رکھنا یہ سارا ایمپائر میرے بعد تم نے ہی سنبھالنا ہے۔" مونچھوں کو تاؤ دیتے انھوں نے کہا تو وہ دھیما سا ہنسا۔

"سائیں کھانا لگوادوں ؟" فرید کھانے کا پوچھنے آیا تھا۔ بڑے جاہ نے چھوٹے جاہ کی جانب دیکھا۔

"بابا آپ کھالیں مجھے ایک ضروری کام ہے۔" وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ بڑے جاہ ہنسنے لگے۔

"بہو سے ملنے جارہے ہو۔" میران نے انکی آنکھوں میں دیکھا جدھر خوشی کے رنگ تھے وہ بڑی باریک بینی سے دیکھ رہا تھا پھر سرہاں میں ہلا دیا۔ آخر کو اسکے باپ نے اپنی انا کو مار لیا تھا۔

وہ ان سے بغل گیر ہوا جاہ نے اسکی پیٹ تھپکی اور عزیز کو ساتھ چلنے کا حکم دیتے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

عزیز نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی فارم ہاؤس کے رستے پہ دوڑادی۔

وہ باہر نا جانے کدھر کھو گئی تھی میران کے اندر آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

"کیا تانکا جھانکی ہو رہی ہے ؟" وہ جب بلکل گلاس وال کے پاس آکر مخاطب ہوا تو چونک کے پلٹی اور پردہ چھوڑ دیا۔

"تم... انسانوں کی طرح مخاطب نہیں کر سکتے کیا۔ بلکہ آئے ہی کیوں ہو؟ میں بھی بلاوجہ تم سے بولے جارہی ہوں۔" میران کا تیش بھولی تھوڑی تھی غصے میں بھری ہوئی تھی جب کہ غلطی خود کی تھی۔ پر عادت کہاں تھی اسے اس طرح سختیوں کی۔

وہ مڑ کے جانے لگی تھی وہ اسکے آگے حائل ہوا اور اسکے بازو سے دور اپنے ہاتھ سے اسے روکا۔ رومائزہ نے ٹکر ٹکر اسے دیکھا۔

"آئی ایم سوری۔" اسکی آنکھوں میں دیکھے میران نے کہا۔

"بس؟ دل توڑوں اتنا کچھ سنادو اور پھر روکھا پھیکا سوری بول دو اور اگلا معاف کر دے۔ ایک بار معاف کیا تھا اب نہیں کرونگی۔"

"تو کیسے سوری بولوں کیا پوری بارات لے کر آتا؟" ایسے چیخ سے تنکتا جواب آنے کی اسے امید نہیں تھی،، نا اسکے بولنے کے انداز کی کس طرح وہ بھن کے بولا تھا۔

"اصولاً تو غلطی تمھاری اپنی ہے۔۔ پر عورتوں نے مجال ہے جو کبھی اپنی غلطی مان لی ہو۔"

"تم نے مجھے معافی کا موقع دیا ہی کہاں تھا بس غصے میں پھٹ پڑے تھے۔ میرے بابا نے کبھی مجھ سے روڈ یلی بی ہیو نہیں کیا اور نا کبھی کسی ٹیچر نے مجھے ڈانٹا۔۔ میں ہی جانتی ہوں تمھارا غصہ کس طرح میں نے پیا تھا۔" وہ بچوں کی طرح بحث پہ اتر آئی تھی مقابل کو تو بس اس سے بات کرنے کا منتظر ہو تا تھا۔ جیب میں ہاتھ ڈالے وہ اسکی سن رہا تھا۔

"اچھا تو اب کر لو اکسکیوز۔" اس نے آپشن رکھا۔ رومائزہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے ہونٹوں کو عجیب سی شکل میں ڈھال کے صاف انکار کیا تھا۔ میران جو ہنسنا نہیں چاہتا تھا ہنس پڑا۔

"ہاں تم بہت لائق فائق اسٹوڈنٹ! خیر مجھے تم سے اب بھی شکایت ہے۔ بھاگنے والی تم نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ خدا نخواستہ کچھ ہو جاتا تو"..

"دوبارہ شروع مت ہو." اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

میران نے سر جھٹک کے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سفید کانچ کا باکس اب اسکے ہاتھ میں تھا رومانے اسکے ہاتھ پہ توجہ نہیں دی واپس باہر دیکھنے لگی۔

میران نے باکس کھولا تھا اس میں سے ایک گول چھلّا جس کے درمیان میں نازک سا ایک ہیرا جڑا تھا کیس میں سے نکال لیا اور باکس واپس جیب میں ڈال لیا۔

کچھ پل اس نے رومائزہ کو دیکھتے ہوئے لب دانتوں تلے کترائے اور پھر ہاتھ بڑھا کے روما کے بازو کے گرد لپٹا بایاں ہاتھ پکڑ کے اسکا رخ اپنی جانب کیا تھا۔ جب تک وہ کچھ سمجھ پاتی اس نے تیسری انگلی میں انگھوٹی پہنا دی تھی اور ستائشی نگاہ سے مسکرا کے اسکا انگلی میں انگھوٹی والا ہاتھ دیکھا۔ اور پھر اڑے رنگ والے اسکے چہرے کو... اسکی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ میران نے مسکرا کے اسکی نظروں میں دیکھا۔

"Happy birthday.."

"روم"...

اسے سانس بند ہوتی محسوس ہوئی تھی وہ لفظ جب کاغذ پہ لکھا ہوتا تو وہ بے خود ہو جاتی تھی آج تو اسکی کان کے قریب میٹھی آنچ دیتی آواز میں سرگوشی سن لی تھی۔

وہ دور ہو گیا تھا پر روما کا ہاتھ اب بھی ہوا میں رہا۔

"کیا حرکت تھی؟" صدمے اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں بولی اور انگلی سے انگھوٹی اتارنے کی کوشش کی میران نے سرد نگاہ سے اسے گھورا تو اسکا ہاتھ رک گیا۔

"یہ مت بولنا تحفہ ہے تو اتارو مت!" اسکے ذہن سے وہ بھی واقف ہو چکی تھی۔

خیر کل مصروف تھا ورنہ سالگرہ کے دن ہی تمھیں یہ دیتا۔"

"گلدستہ بھجوا دیا تھا کافی تھا۔" سورج کی کرنیں ان دونوں کے صاف چہرے کی رنگت پہ پڑ رہی تھی۔ دھوپ میں روما کے بال گولڈن براؤن سے دکھ رہے تھے۔

"ہمم... ہاتھ ٹھیک ہو گیا؟"

"بہتر ہے۔" اسکی الجھن میران سے چھپی نہیں تھی زیر لب وہ مسکرا رہا تھا۔

"آج موسم کافی حسین نہیں؟" ایک نظر باہر آسمان کو اور رومائزہ کے چہرے پہ نظر جما کے وہ بولا۔

"ہاں خوبصورت ہے۔ سورج نکل آیا ورنہ بارش آج ہو ہی جانی تھی۔" بارش نا ہونے کا اسے غم کھائے جارہا تھا۔

"میرے بابا ٹھیک ہیں؟" اسکا لہجہ بھیگ گیا۔ میران نے سر ہلایا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

"گھر جانا ہے۔" اس بار تو رومائزہ نے معصومیت کی انتہا کردی تھی۔ بے ساختہ میران کو ملامت ہوئی تھی۔ کتنی آس سے وہ بار بار اس سے درخواست کرتی تھی۔

"بہت جلد۔"

"کتنا جلد؟ ڈیڑھ مہینے سے تم نے یہی رٹ لگائی ہوئی ہے۔ پر یہ بہت جلد آکے نہیں دے رہا۔"

"مسئلہ کیا ہے یہاں رہنے میں؟ کسی چیز کی پریشانی ہے کیا؟"

"ہاں ہے ایک نہیں ہزاروں پریشانیاں ہیں۔ پہلی بات یہ گھر میرا نہیں میرا گھر وہ ہے جہاں سے مجھے تم نے اغوا کروالیا تھا۔"

"گھر سے تو نہیں اٹھوایا تھا راستے میں روکا تھا اور تمھاری حفاظت کے لیے ہی اٹھوایا تھا"!

"فالو تو وہ لوگ گھر سے ہی کر رہے ہونگے نا۔"

"اوہ ہاں مجھے داد دینی تھی تمھیں اچھے کراٹے کر لیتی ہو۔" وہ ابنِ ڈھیٹ مسکرا رہا تھا اور اسکو تپا رہا تھا اور وہ تپ بھی جاتی تھی۔

"یا اللہ مجھے صبر دے۔"

"یا اللہ مجھے رومائزہ شنواری دے دے۔" وہ دوبدو ہاتھ کھڑے کرتے بولا تو بے ساختہ روما ہنس دی۔

"خود کو تھکا رہے ہو تم جب میں یہاں سے جاؤنگی تو پلٹ کہ تم کو دیکھونگی بھی نہیں۔" ایک ادا غرور سے اس نے کہا میران کے نقوش تن گئے۔

"اپنی چیزوں کو حاصل کیسے کرنا ہے میں جانتا ہوں۔

تمھارا دل میری محبت کی زد میں آجائے گا۔" وہ بہت آرام سے بولا تھا آخر کیوں کرتا تھا اتنی محبت اسے نہیں چاہیے تھی۔

"میرے زہن سے یہ بات نہیں نکلتی کہ تم اغوا کروانے کے پیچھے ملوث تھے۔ کیسے ایسے شخص سے محبت کرلوں جو مجھے بہت برا ظالم جابر لگتا تھا.. یہاں بند ہوں اکتا چکی ہوں ایسا لگ رہا ہے اللہ بھی مجھ سے خفا ہو گیا ہے۔ پتا نہیں میں نے ایسا کیا کر دیا جو یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ ہر چیز میری سکت سے باہر ہے۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے کافی رنجیدہ ہو گئی تھی میران اسکی حالت سمجھ رہا تھا۔

"وقت جیسے رک گیا ہو میری زندگی کہیں رک گئی ہے بابا یونی دوستیں باہر گھومنا پھرنا زندگی جینا ایسا لگ رہا کسی چڑیا کی طرح یہاں بند کردی گئی ہوں۔" درختوں کی ٹہنیاں باہر ہوا سے ملنے لگیں تھیں۔ رومائزہ نے آنسوؤں کی لہر اندر ہی پی لی۔ میران اسکی پشت تک رہا تھا گہری سانس بھری۔

"میں بہت نیک انسان نہیں ہوں پر اتنا ضرور کہونگا جب تک آخری سانس ہو شکر ادا کرتی رہو۔ شکر کرو تمھاری سانسیں نہیں کھینچیں،، تمھارے پیروں پہ کھڑی ہونے کی طاقت سلامت ہے۔ جیسے لائی گئیں تھیں اب بھی ویسی ہو۔ تمھارا برا تو کوئی نہیں چاہتا سب تمھاری بہتری چاہتے ہیں۔ اللہ نے اگر مجھے تمھارا محافظ بنایا ہے تو اس بات کو قبول کرلو۔ وہ ایسے ہی کسی پہ اتنی خاص ذمہ داریاں نہیں ڈالتا۔ اپنا نظریہ بدلو۔ کھل کے سانس لو اور دیکھو کیا باہر آسمان پہلے جیسا نیلا نہیں؟ کیا یہ ہریالی پہلے جیسی نہیں۔ سب وہی ہے صرف تم نے سوچ لیا ہے غم کی حالت میں رہ کر خود کو تکلیف پہنچاؤ گی اگر یہ بادل برسیں گے تو تم کو لگے گا تمھارے غم میں شریک آنسو بہا رہے ہیں۔ فار گاڈ سیک نظریہ بدل لو ورنہ ایسی ہی پریشان رہو گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں سب ٹھیک کردونگا تمھاری زندگی پھر لوٹ آئے گی۔ مجھے ہم قدم پاؤ گی تم!" وہ اسکے برابر میں آن کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔ رومائزہ نے چہرہ اسکی طرف پھیرا۔

وہ ایک سیاستدان تھا اسکی زندگی پہ کوئی اثر نہیں ہوا سارے کام ویسے ہی چل رہے تھے وہ یہ سب آسانی سے کہہ سکتا تھا جس پہ گزر رہی ہوتی ہے اسکا دل ان باتوں کو تسلیم بڑی مشکل سے کرتا ہے۔پہلے وہ بھی دوسروں کو ایسے ہی مشورے دیا کرتی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔میں کوشش کر رہی ہوں نارمل رہنے کی۔ تھوڑا مشکل ہے پر کر رہی ہوں۔ تم سے لڑ رہی ہوں سمجھو نارمل ہوں۔" وہ اسکی جانب دیکھتی کہہ رہی تھی۔ سیسہ مانو پگھل رہا ہو تیز دھڑکنوں سے اس نے نظر اسکے چہرے سے ہٹالی۔

"مجھ سے محبت کرلو سب آسان ہو جائیگا۔ دیکھنا چاہو تو تمھیں میری برائیوں کے علاوہ اچھائیاں بھی نظر آجائیں گی۔" وہ دھیمے سے مسکرادی۔ وہ مانتی تھی وہ اچھا آدمی بھی ہے۔ پر کبھی اسکے ساتھ زیادتی کر دیتا ہے۔ دونوں کی سوچ اس معاملے میں مختلف تھی۔ پر اسکی نظروں میں روما کے لیے احترام اسے سرخرو کر دیتا تھا۔وہ اسکی مشکور تھی پر زبان پہ یہ بات لاتی نہیں تھی۔

"محبت زبردستی نہیں ہوتی۔"

"لمحے میں ہو جاتی ہے اور پتا بھی نہیں چلتا!" اس نے روما کی آنکھوں میں دیکھتے کہا وہ پزل ہو رہی تھی آخر کیوں۔ یہ شخص تو اب مجاز بنا چکا تھا اسکا دل پگھلا کر رہے گا۔ وہ موم ہوتی دھڑکنوں کو روک نہیں پا رہی تھی۔ آخر یہ نگاہیں بار بار اس کی طرف کیوں اٹھ رہی تھیں۔

وہ کبھی کبھی چکر لگاتا تھا اور دونوں کے درمیان سوائے بمباری کی گفتگو کے کچھ نا ہوتا تھا۔

"اب تم پھر محبت نامہ لے کے بیٹھے تو میں تمھاری جان لے لونگی۔" وہ تلملا اٹھی۔ الجھا کے رکھ دیتا تھا وہ اپنی شخصیت سے۔ ایک پل میں اچھا اور ایک پل میں زہر بھی وہی لگتا تھا۔

"آج تم اپنی خواہش پوری کر ہی لو۔" میران نے چادر کے نیچے پہنے کوٹ کی جیب سے گن نکال کے اسکا ہاتھ میں تھما دی تھی۔ پہلے تو رومائزہ کی آنکھیں چندھیا گئیں حیرت سے منہ کھلا اس نے گن تھام کے چیلینجنگ انداز سے میران کو دیکھا۔

"سوچ لو میں گن پکڑ سکتی ہو۔ تو چلا بھی لونگی ایک موقع دو۔"

"ہاں معلوم ہے اور پہلا نشانہ تمھارا میں ہی ہونگا... چلاؤ" اس نے اطمینان سے بازوں پہ ہاتھ لپیٹ کر کہا۔

"میں چلادونگی سچ میں۔" بھنویں چڑھاتے اس نے دھمکایا پر اسکا سکون قابل دید تھا۔ وہ کئی پل سوچتی رہی پھر گن اسکے ہاتھ میں پٹخ کے رکھ دی۔

"مجھے قاتل بننے کا شوق نہیں..." نظر وہ ملا نہیں پائی تھی میران کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی ہنوز اسے دیکھتے اس نے سیٹی بجانے کے لیے ہونٹ گول کیے۔ اور اگلے لمحے روما کے کان سے تھوڑا اوپر سر کی طرف گن رکھ دی۔

اس نے آنکھیں پھاڑ کے منہ کھول کے اسے دیکھا۔

اور لمحہ ضائع کیے بغیر میران لے ٹریگر دبا دیا۔

ماحول میں سناٹا چھایا تھا صرف ٹریگر کی آواز گونجی۔ روما نے تھوک نگل کے آنکھ کھولی۔

حواس جب واپس آئے تو اس نے دانت کچکچا کے اسے دیکھا۔ گولیوں سے بھری گن وہ آخر اسے دیتا ہی کیوں! خالی گن دیکھ بنا کچھ مزید کہے وہ پلٹ گئی۔ یہ خاموشی میران پہ بہت کچھ عیاں کر گئی تھی اور اسی بات کا اسے افسوس ہو رہا تھا۔

شام کا وقت کالے بادل آسمان پہ چھا گئے تھے بس انکے برسنے کی دیر تھی۔ میران عزیز کا منتظر تھا جو ایک فائل وہ جاہ بنگلے بھول آیا تھا اسے ہی لینے گیا تھا اسکے ساتھ ہی وہ سیدھا اسلام آباد کے لیے نکلتا۔

وہ لیپ ٹاپ میں مصروف اپنے کام نپٹا رہا تھا ماحول کی خوشگواری دیکھ لاؤنج میں ہی آگیا جہاں حلیمہ بی ٹی وی کھولے بیٹھی تھیں اور رومائزہ پینٹنگ میں مشغول تھی۔

لال رنگ سے کسی لڑکی کے گھومتے وجود میں رنگ بھر رہی تھی۔

خبروں میں شہر بھر میں بارشوں کے متعلق ہی رپورٹنگ جاری تھی۔

"لاہور اور اسلام آباد کے بیشتر علاقوں میں بارش ہو رہی ہے۔اور یہاں بھی بادل برسنے کو ہیں۔مطلب میں ان دونوں میں سے کسی ایک جگہ ہوں۔"نیوز چینل پہ نظریں جمائے اس نے کہامیران نے سر اٹھاکے اسے دیکھا اور واپس لیپ ٹاپ پہ جھک گیا۔

"اپنادماغ زیادہ ناچلاؤ..."عادتاًناک رگڑتے ہی اس نے کہا۔رومائزہ نے بات ہوامیں اڑانی بہتر سمجھی بار بار الجھنے کاشوق تھوڑی تھا۔

"حلیمہ بی آپ ہی بتادیں۔کیایہ فارم ہاؤس اسلام آباد میں ہے؟میں سچ بتاؤں مجھے اسلام آباد بہت پسند ہے۔لاہور میرا شہر ہے پر اسلام آباد سے کافی لگاؤ ہے یہ بہت خوبصورت ہے"....

وہ ایک سانس میں شروع ہوگئی تھی۔میران کا ذہن کام سے بھٹک رہاتھااس نے باہر آکے ہی غلطی کردی تھی۔

"کتناپٹر پٹر بولتی ہو تھوڑازبان کواور دوسرے کے کانوں کو سکون بخش دو۔"رومائزہ کے جان بوجھ کے اونچا بولنے پہ اس نے لیپ ٹاپ سے سر اٹھاکر کہا۔

"میری پٹر پٹر تم ساری زندگی یادرکھوگے بھلے میں تمھارے ساتھ ہوں یانہیں۔"اسے نظر انداز کرتی وہ واپس پینٹنگ میں لگ گئی پر اسے اندازہ نہیں تھاوہ کیابول گئی ہے میران کے دل میں شور مچاتھا۔

"تم بول سکتی ہو میں ساری زندگی سننے کے لیے تیار ہوں البتہ گفتگو کامرکز ہم ہوں۔"

"تم تو لازمی ہوتے ہو حلیمہ بی بتائیں نا اسے۔" وہ دانت چبائے بولی حلیمہ بی کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی تھی میران نے انھیں دیکھا اور شانے اچکائے۔ اسے بھی یقین تھا میران کی برائیاں ہی اسکی گفتگو کا حصہ ہوتی ہو نگی۔

"نا تمھاری زندگی حرام کی میں نے میرا نام بھی رومائزہ شنواری نہیں"!

"یاد رہتا ہے تمھارا نام بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں۔" وہ مصروف سا ہی بولا اور ایک نگاہ باہر ڈالی۔ مینا برسنے لگا تھا۔ ہوا کا شور اندر تک آرہا تھا۔

"کرتے رہو تم اپنا کام میں جا رہی ہوں.." بارش کی شوقین لڑکی بنا کچھ سوچے سمجھے وقت ضائع کیے پینٹنگ چھوڑ چھاڑ کھڑی ہو گئی۔

"حلیمہ بی اسے روکیں باہر اتنی ٹھنڈ ہے بارش میں بھیگے گی بیمار پڑ جائے گی۔" وہ تو لاؤنج سے نکل کے لان کے دوسرے دروازے کے پاس پہنچ چکی تھی۔ میران متفکر سا سیدھا ہوا۔

"رہنے دیں میری بات نہیں مانے گی بہت دنوں سے بارش کی دعائیں کر رہی تھی۔" حلیمہ بی کو جو بہتر لگا وہی بولیں پر وہ مطمئن نہیں ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی چوکھٹ کے پاس گیا۔ جہاں وہ کھڑی آنکھیں بند کیے ٹھنڈی ہوا خود میں اتار رہی تھی۔

"بس یہیں کھڑی رہنا نیچے مت اترنا! بھیگنے کی ضرورت نہیں۔" پیچھے سے آتی آواز پہ وہ پلٹی آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔

"اٹس مائے لائف آئی ول فالو آنلی مائے رولز! ناٹ یورز!.. گاٹ اٹ!" وہ بلند آواز میں بڑبڑائی۔

"تم سے زیادہ ضدی لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔" میران نے ہاتھ بلند کرتے روکنے کی کوشش کی۔

"ہاں بس کبھی غرور نہیں کیا۔" وہ جتاتی ہوئی چھپڑے سے باہر نکل کر لان میں آگئی۔ بارش کی بوندیں اسکا وجود بھیگانے لگیں اور وہ اس سے سیر ہو رہی تھی۔

"حد ہوتی ہے بچپنے کی بھی۔" ضبط سے کہتا نظریں پھیر کر وہ اندر کی اور پلٹ گیا۔

پیچھے بارش تھی اور رومائزہ شنواری۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے عرصے بعد کسی نے اندر جلتی آگ کے طلسم میں پانی کا چھڑکاؤ کر دیا ہو۔ یہ آب اسے سکون پہچانے کا باعث بنا تھا۔ لان کے اس حصے میں کوئی نفس موجود نہیں تھا وہ اکیلی بارش میں بھیگ کر اپنا سر آسمان کی جانب اٹھائے گول چکر لے رہی تھی دل ہی دل میں اللہ سے رجوع کرتی کہ جلد از جلد وہ اس قید سے نکل جائے۔ آنکھ سے نکلتے آنسو بارش کی نذر کب ہونے لگے اسے خود بھی پتا نہیں چلا۔ وہ کہاں سب کے سامنے روتی

تھی۔ اس نے گال رگڑے اور آنکھیں کھول کے ارد گرد دیکھا تھا کوئی وہاں نا ہی موجود تھا نا ہی دیکھ سکتا تھا میران کی پابندی کی وجہ سے۔

اس نے دیکھا کوئی نہیں دیکھ رہا تو واپس اطمینان سے آنکھیں موندے گول گول جھومنے لگی آنسوؤں کی قطاریں تیزی سے غلافی گالوں سے پھسل کر تھوڑی تک کا سفر طے کر رہی تھیں۔ آج اس نے کھلے آسمان کے نیچے بھی رو کر دل ہلکا کر لیا تھا۔

اور دل کے بوجھل پن میں افاقہ بھی ہوا تھا۔ پھر دوبارہ وہ دنیا کو پر شوق نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ ہر چیز میں اسے حیات محسوس ہوئی۔ اسکے اندر کی سوئی ہوئی رومائزہ بھی جیسے جاگ چکی ہو۔ کیا یہ صرف بارش میں بھیگنے کا اثر تھا؟ یا میران کے کہے لفظوں نے اسے جوڑ دیا تھا۔

میران کو بارش خاصی پسند نہیں تھی کیونکہ اسے فوراً زکام ہو جاتا تھا پر اس نے اوپر کسی دوسرے کمرے میں جس کی بالکونی لان کے مشترکہ حصے میں کھلتی تھی وہاں جا کر چند پل اس خوبصورت منظر کو آنکھوں میں قید کیا جہاں وہ ہر شئے سے بے خبر اپنی دھن میں ہوا میں بجتی موسیقی کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا واپس نیچے چلا آیا۔

"چھوٹے سائیں آپکو بھیگنے کی کیا ضرورت تھی؟ کسی چیز کی ضرورت ہے؟" اسے جب سیڑھیوں سے اترتا دیکھا تو حلیمہ بی نے استفسار کیا وہ دھیمے سے مسکرایا۔

"مجھے جو چاہیے وہ فلحال کوئی بھی نہیں دے سکتا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"آپ جائیں اور اسے اندر لے آئیں بارش کا پانی کافی ٹھنڈا ہے کہیں وہ بیمار ہی نا پڑ جائے۔ آچھیی۔" بارش کی چند بوندوں نے اس پہ اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ حلیمہ بی ہنستی ہوئی رومائزہ کو بلانے گئیں اور میران بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

رات کا کھانا حلیمہ بی نے شام سات بجے ہی ٹیبل پہ لگا دیا تھا کیونکہ میران کو واپس لوٹنا تھا وہ صرف سے ملاقات کی غرض سے چکر لگا لیا کرتا تھا۔ وہ عزیز اور راستے کھلنے کا منتظر تھا۔

میران کھانا کھاتے ہوئے بھی مسلسل زکام سے پریشان تھا۔ حلیمہ بی نے ٹیبل سے اٹھ کے زکام کا سیرپ اسکے سامنے لاکر رکھا۔ میران نے سوالیہ انداز میں انھیں دیکھا۔

"پی لیں ورنہ بیمار پڑ جائیں گے۔" وہ تاسف سے کہتیں واپس جگہ پہ بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گئیں۔ رومائزہ بھی خاموشی سے سر جھکائے کھانے میں خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی میران نے ایک نظر اس پہ ڈالی جو سکون سے کھانے میں مصروف تھی۔ اسے حیرت کا احساس ہوا کہ اس لڑکی کو ایک چھینک تک نہیں آئی تھی اور وہ جو صرف چند پل بالکونی میں ٹھہرا تھا بمشکل شرٹ اور ہلکے سے بال گیلے ہوئے تھے اور اب زکام کا شکار ہوئے بیٹھا تھا۔ ویسے اصل وجہ یہی تھی جو اسے بارش زیادہ پسند نہیں تھی۔

کھانے کے بعد حلیمہ بی نے دونوں سے پوچھا تھا کہ چائے لیں گے یا کافی!

"حلیمہ بھی مزیدار سی چائے۔" اور دونوں کے منہ سے چائے کی فرمائش بروقت نکلی میران نے گردن موڑ کے رومائزہ کو پرستش مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا جو دانت کچکچانے میں مصروف تھی اور پیر پٹختی صوفے سے کھڑی ہوگئی۔

"آیا بڑا چائے پینے والا۔" رومائزہ کی آواز میران کے کانوں تک کا سفر طے کر چکی تھی اسکے لبوں کے کنارے پہ مسکراہٹ مزید پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے میں دونوں کے لیے چائے ہی بنا دیتی ہوں۔" وہ کہتی سرعت سے کچن کی طرف بڑھ گئی اور رومائزہ انکے پیچھے پیچھے۔

"آپ چائے نہیں پئیں گی؟" اس نے پوچھا تو وہ ہنس دیں۔

"میں تو کافی پیونگی۔ چائے تو تمھیں اور چھوٹے جاہ کو پسند ہے مجھے نہیں۔" وہ یقیناً اسکو چھیڑنے کی کوشش کر رہی تھیں اور وہ تپ بھی چکی تھی۔

"آگ لگا دوں آپکے اس ننھے کاکے سائیں کو۔"

"اے لڑکی چل چپ کر جو منہ میں آتا ہے بولتی جاتی ہے۔" حلیمہ بھی نے اسے فوراً جھڑکا تو وہ منہ بنا کر ایک طرف کھڑی ہوگئی اور پھر حلیمہ بی کے لیے کافی اس نے خود بنائی تھی۔

کافی اور چائے کے تیار ہوتے ہی وہ رومائزہ کو لاؤنج میں ہی لے آئیں۔ میران نے ٹرے سے کالا ماربل کا مگ تھام کے لبوں سے لگایا تھا۔

"ویسے انسان کو اتنا نازک بھی نہیں ہونا چاہیے دو بوندوں سے ہی زکام لگا کے بیٹھ جائے" لاؤنج کی خاموشی رومائزہ کے طنز پہ ٹوٹی۔ دوپہر کی گن والی حرکت کا حساب بھی تو برابر کرنا تھا۔

اتنی دیر سے جلی کٹی اسی لیے تو سنائے جا رہی تھی۔

"پتا نہیں کون کہتا کے کہ لڑکیاں نازک ہوتیں ہیں۔" جب میران کی طرف سے خاموشی ہی جواب میں موصول ہوئی تو وہ پھر بولی۔ بھڑاس تو نکالنی تھی اور وہ میران پہ ہی نکلتی جو ضبط سے سنتا اور کبھی پلٹ کے منہ بند کرنے لائق جواب پکڑا دیتا تھا۔

"وہی لوگ کہتے ہیں جنھوں نے نزاکت دیکھی ہو۔"

"سنو مسٹر نازک ہونے اور نزاکت میں فرق ہے۔" وہ پلٹ کر بولی۔

"واقعی! خیر تم میں تو دونوں ہی نہیں۔" میران نے چائے کے گھونٹ بھرے۔

"مجھ میں نزاکت ہے یہ لڑکیوں کی خوبصورتی ہوتی ہے۔بس نازک نہیں ہونا چاہیے کہ چیونٹی بھی کانٹ لے تو رونے بیٹھ جاؤ۔"نینوں کے ڈورے گھومائے اس نے جیسے بہت بڑی بات بتائی تھی میران جو اپنی کمر صوفے سے لگائے بیٹھا تھا اب سیدھا ہوا۔

"بلکل!یاد رکھنا رونے سے سوائے دل ہلکا ہونے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بعض اوقات تکلیف بڑھ جاتی ہے انسان کو ہر حالت میں خود کو مضبوط رکھنا چاہیے۔"میران نے اس پہ نظریں جمائے کہا اسکا لہجہ سنجیدگی سے بھرپور تھا رومائزہ کو کرنٹ سا چھو گیا۔کیا اس نے بارش میں روتے ہوئے دیکھا تھا؟وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

"چائے پی لو ٹھنڈی ہو جائے گی نازک کلی۔"اسنے مگ خالی کر لیا تھا اور ٹیبل پہ رکھتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔پیچھے رومائزہ اپنے لیے لقب سن کر مچل گئی تھی۔

"میں سر پھاڑ دوں گی اسکا۔خود ہو گا نازک!بس ڈان بنا پھرتا ہے اب دیکھو زکام کے شربت پینے پڑ رہے۔"وہ حلیمہ بی کو دیکھ کر زور سے بولی تاکہ میران کے کمرے تک آواز پہنچ جائے اور رات کی اس خاموشی میں آواز کا پورے فارم ہاؤس میں پھیلنا کوئی مشکل نہیں تھا۔

"بس بس جب دیکھو کچھ نا کچھ کرنے کی دھمکی۔اب سو جاؤ۔"حلیمہ بی نے اسکے ہاتھ پہ اپنا دائیاں ہاتھ رکھا جو انھیں گرم محسوس ہوا۔

راستے بند ہو چکے تھے عزیز کو واپس لوٹنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ اور پھر آگے اس علاقے سے باہر بھی کافی ٹریفک تھا تو میران جانے کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

عزیز باہر لان میں تھا۔ اسکا میسج موصول ہوا تو وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

حلیمہ بی کو اس نے آواز دی تھی۔ جاتے ہوئے ان سے مل کے جایا کرتا تھا۔ وہ رومائزہ کے کمرے سے نکل کر آئی تھیں۔

"حلیمہ بی میں جا رہا ہوں ضروری کام ہے دعا کریے گا کامیاب ہو جاؤں۔" سینے پہ ہاتھ رکھتے وہ بولا حلیمہ بی مسکرا دیں۔

"اللہ کے امان میں رہیں آپکی منزلیں آسان ہوں۔" وہ دعا دیتے بولیں۔ میران انکی اولاد کی طرح تھا۔

"اسکا بھی خیال رکھیے گا اب اس طرح چند ملاقاتیں ہی رہ گئیں ہیں کرنے کو پھر وہ اپنی اصل جگہ پہنچ جائے گی۔"

"انشاء اللہ... محترمہ کو بہت تیز بخار چڑھ چکا ہے اور اپنے بابا سے بات کرنے کی ضد لگائے بیٹھی ہے۔" اسکی ضد سے پریشان ہو کے انھوں نے بتا دیا۔ حلیمہ بی کو بتانا ضروری لگا تو اسے آگاہ کر دیا وہ سانس بھر کے رہ گیا میران اٹھ کے حلیمہ بی کے پشت قدم کمرے کی طرف بڑھا۔ حلیمہ بی نے ڈور لاک گھمایا اور اندر داخل ہوئیں۔ رومائزہ نے

بخار میں جلتی آنکھیں کھولیں۔ چند پل میران دروازے کے باہر رکا تھا۔ حلیمہ بی نے اشارے سے اسے کچھ کہا وہ لحاف اوپر تک کھینچ کے اٹھ کے بیٹھ گئی اور تکیے کے پاس پڑا دوپٹہ اٹھا کے اوڑھا۔

حلیمہ بی نے دروازہ مزید کھولا تو وہ اندر آ گیا ایک نگاہ اس پہ ڈالی۔ بخار کی شدت سے چہرہ سرخی میں مائل تھا۔ ہونٹ سوکھے پڑے تھے۔

"منع کیا تھا روکا بھی تھا ٹھنڈ کی برسات میں مت بھیگو پر تمھیں میری باتیں بکواس لگتی ہیں۔"

وہ خفا ہو رہا تھا۔ برہمی سے بولا۔ رومائزہ نے اسے دیکھا جسم کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں اس برسات نے میرے اندر کی آگ بجھا دی ہے۔ جواب اس طرح باہر نکل آئی۔ صبح تک بخار اتر جائیگا۔ تم بس میرے بابا سے میری بات کروادو۔"

لہجے میں کوئی منت نہیں تھی اٹل انداز تھا۔ میران نے ہاتھ میں پہنی گھڑی میں وقت دیکھا اسے دیر ہو رہی تھی۔

پھر اپنا فون نکال کے نمبر ڈائل کر کے فون کان سے لگایا۔ رومائزہ کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔

"بابا کو کال کی ہے؟" وہ پرجوشی سے بولی۔ میران نے کمرے میں رکھی اسکی پیں ٹنگز کو ایک نظر دیکھا۔ انھیں کبھی فرصت سے دیکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"ڈاکٹر کو"!

"مجھے ڈاکٹر کی نہیں بابا کی ضرورت ہے پلیز بات کروادو۔" اب کی بار لہجے میں نرمی اتر آئی۔ اس نے وقت دیکھا۔

"رات ہو چکی ہے کیا معلوم وہ سو گئے ہوں۔ بعد میں بات کروادونگا۔" موبائل کان سے ہٹا کے بولا۔ ڈاکٹر نے کال اٹھائی نہیں تھی۔

"انتہائی ظالم ہو تم! سینے میں دل نہیں پتھر لگا ہے۔ ایک بندہ کہہ رہا ہے تم سے کچھ مانگ رہا ہے اور تم دے بھی سکتے ہو پر نہیں۔ تم کو تو دھونس جمانا آتا ہے۔" بخار سر پہ ہی چڑھنے لگا تھا حلیمہ بی اسکے پاس بیٹھیں۔

"تمھاری زبان کی جگہ اللہ نے قینچی لگا دی ہے۔" افسوس سے کہتے ہوئے پھر کوئی نمبر ڈائل کر کے اس نے موبائل حلیمہ بی کی طرف بڑھایا تھا۔

"صرف دس منٹ! مجھے دیر ہو رہی ہے..." اپنی بات کہتا وہ کمرے سے نکل گیا۔ رومائزہ نے بے یقینی سے موبائل کان سے لگایا اور گرم ہونٹوں کو چھوا۔

رِنگ ٹون بج رہی تھی... کیا بابا اتنی جلدی سو گئے ہونگے؟ انکے متعلق کئی سوچیں دماغ میں گھومنے لگیں... سوچوں کا ارتکاز تب ٹوٹا جب مقابل سے آواز ابھری۔

"ہیلو... اسلام و علیکم۔ خیریت ہے میران صاحب؟" اپنے بابا کا مخصوص انداز سن کر خوشی سے اسکی آنکھیں بھیگ گئیں وہ آگے کو جھکی۔ آنسو صاف کرتے رندھی آواز میں بولنے کی سعی کی۔

"بابا میں ہوں رومائزہ۔ مجھے آپ بھول گئے نا..." فوراً اس نے شکوہ کیا تھا۔ بیٹی کی آواز سن کر شنواری صاحب بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خوشی سے انکی آواز لڑکھڑائی پیر لڑکھڑائے۔ بے یقین سی کیفیت تھی۔

"میرا بچہ کیسی ہو تم؟ تمھارے بابا تمھیں بھلا کیسے بھول سکتے ہیں۔" بالوں میں ہاتھ چلاتے انھوں نے خوشی دباتے کہا اور خوشی سے سنبھلتے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

اتنے عرصے میران نے انکی رومائزہ سے بات نہیں کرائی تھی۔ وہ دونوں کو ہی تکلیف سے بچانا چاہتا تھا بار بار ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے تو تڑپ بڑھتی۔

"بابا میں بلکل ٹھیک ہوں میری وجہ سے پریشان مت ہوں۔ بس قرض ادا کر دیں جلد از جلد اس بوجھ سے جان چھڑالیں۔" روما نے کراؤن سے کمر ٹکالی آنکھیں موندے کہا۔

"بہت جلد میں اپنی بیٹی کو اپنے پاس بلا لونگا۔ انٹرسٹ کی رقم اتارنے میں مشکل پیش آرہی پر میں کچھ نا کچھ کر لونگا۔" وہ کوئی بڑا قدم اب اٹھاتے۔

"انٹرسٹ؟" سود دینے کا سن اسے کپکپی طاری ہو گئی۔

"ہنہہ.. "وہ مزید کچھ نہیں بولے روما کی خوشی میں جیسے بھنگ پڑا تھا اس نے دکھتے سر کو دبایا۔

"آپ کیسے ہیں طبیعت ٹھیک ہے؟ عائشے اور انوش سے ملاقات ہوئی کیسی ہیں وہ دونوں؟ نعمت بی کیسی ہیں؟"خود کو کمپوز کر کے اس نے پوچھا۔

"بچیوں سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔ دونوں بار بار پوچھتی ہیں تمھارے واپس آنے کا۔ اور یہاں سب ٹھیک ہیں۔"

"آپ کی آواز سے نہیں لگ رہا کہ آپ ٹھیک ہیں۔"

"بیٹا جس باپ کی بیٹی اسکے گھر میں نا ہو وہ اسکا تحفظ نا کر سکے اور کوئی غیر اسکو پناہ دے وہ باپ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔"آنکھوں کے کنارے سے انھوں نے نمی صاف کی روما نے سر اثبات میں ہلایا تو بیڈ کراؤن سے ٹکرایا۔

وہ ایک خود دار لڑکی تھی یہاں رہنا اسکے لیے بڑا مشکل کام تھا۔

پورے دس منٹ تک مزید اس نے بات کی اپنی بیمار حالت کی انھیں خبر نہیں ہونے دی تھی بس بار بار یہی کہا کہ مزید یہاں نہیں رہ سکتی جلد از جلد پیسوں کا بندوست کریں بھلے سب کچھ بیچ دیں۔

اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ فیکٹری کا دیوالیہ نکل چکا ہے اب وہ سیل ہی ہو گی۔

یہ قرض کی وجہ سے ہوا تھا۔ اچھے خاصے حالات تھے پھر سب ریزہ ریزہ ہو گیا۔ شنواری صاحب نے قرض اتارنے میں جو دیر کی۔ بوجھ ان پہ اس طرح آن پڑا تھا اور اسکا دماغ اسی سوچ پہ اٹک گیا تھا۔

بعض اوقات انسان انجانے میں ایسے اقدام اٹھالیتا ہے جو بعد میں ناسور بن جاتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارا مستقبل سنوارنے کے لیے ہوتے پر یہ چار دن کی چاندنی آگے اندھیری رات کا روپ دھار لیتی ہے۔

احتشام شنواری سے بات کرنے کے بعد وہ اداس ہو گئی تھی۔ حلیمہ بی کو مزید کچھ کہے اس نے کروٹ بدل لی۔ وہ کمرے کی لائٹس آف کر کے میران کا موبائل لیے باہر نکل آئیں۔

"صبح تک بخار نا اترے تو لازمی ڈاکٹر کو بلا لیجیے گا۔" اس نے موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالا اور انکے گلے سے لگا۔ ہمیشہ کی طرح انھوں نے اسے دعاؤں میں رخصت کیا تھا۔

ہفتوں میں وہ یہاں آتا تھا اور جب آتا تو اسے باہر کی فکر نہیں ہوتی دنیا میں کیا چل رہا ہے چند پل وہ اور سوچ و افکار سے جان چھڑا لیا کرتا تھا۔ وہ یہ کچھ لمحے صرف دومائزہ شنواری کے نام کرنا چاہتا تھا۔

عائشے کو جامعہ جاتے دو دن ہو گئے تھے مراد کیس کے سلسلے میں مصروف ہو گیا تھا صبح جاتا رات کو لوٹتا عائشے تب تک سو جاتی تھی اور صبح بھی کوئی خاصی گفتگو انکے درمیان نہیں ہو پا رہی تھی۔

عائشے کی زندگی میں جیسے سب نارمل ہونے لگا تھا سوائے ایک دو چیزوں کے۔ایک وہ محمل نامی چڑیل اور دوسرا بڑی نند اور ساس! باقی مراد اور نیمل کا رویہ تو پہلے سے ہی ٹھیک تھا۔

مغرب کے وقت وہ ڈیوٹی سے واپس آ گیا تھا۔ فریش ہو کے وہ باہر نکلا عائشے نیمل کے پاس سے کمرے میں آئی تھی اسکی شکل پہ بجے بارہ دیکھ مراد کو تشویش ہوئی۔

"خیریت ہے اب کیا کارنامہ انجام دیا ہے؟" عائشے کو لگا تھا دونوں کے درمیان طنزیہ گفتگو ختم ہو جائے گی ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ پر اسے سمجھ آ گیا تھا یہ طنز نہیں تھے اسے اب برے نہیں لگتے۔ ہر وقت کی جی حضوری بھی بھلا کہاں اچھی لگتی۔ تھوڑی بہت چیخ پٹاخ اسے بھی پسند تھی۔

انکا بلکہ رشتہ ہی ایسا بنا تھا۔

"آپ سے مطلب!" چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ صوفے پہ بیٹھ گئی مراد نے تولیہ ایک طرف رکھا اور اسکے برابر میں آ کے بیٹھ گیا۔ گیلے بال ماتھے پہ گرے تھے کالی ہالف سلیوز شرٹ سے کسرتی بازو نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

"سارے مطلب ہی مجھ سے شروع ہوتے ہیں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ اسکا اترا ہوا چہرہ دیکھتے بولا۔

"آپکو بتا بھی دونگی کونسا آپ نے میری مدد کر دینی ہے۔" وہ بے تکلفی سے شانے اچکا کے بولی۔ بات کو لمبا کرنے پہ مراد جھنجھلایا عائشے کو اسکی نظریں خود پہ جمتی محسوس ہوئیں۔

"اچھا اچھا بتاتی ہوں۔ آپکی مام نے مجھے کہا ہے گھر کا کھانا میں بناؤ نگی۔" انگلیاں مڑوڑتے اس نے کہہ ہی ڈالا مراد کو سب ٹھیک لگا۔

"تو بنالو،، اور آپکی مام نہیں ہماری مام!" مراد نے اسکے گرد شانے پھیلائے عائشے نے سانس بھری۔

"کیسے بناؤں مجھے کھانا بنانا نہیں آتا۔" اس نے بچوں کی طرح اپنا پھوہڑ پن بتایا تھا۔

" حد ہے عائشے،، تو اس میں پریشان ہونے والی کونسی بات ہے؟ مام کو تم بتادیتیں کے کھانا بنانا نہیں آتا۔ وہ خود ہی بنالینگی۔ ایکچولی مام کو خانساماں وغیرہ کے ہاتھ کا کھانا پسند ہی نہیں وہ شروع سے کوکنگ خود کرتیں ہیں۔" عائشے کی بچوں جیسی بات سن کے وہ اسکے شانے پہ سے بازو ہٹاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے عائشے کی بات کو سیریس نہیں لیا تھا۔ عائشے کو یہ سب معلوم ہوچکا تھا۔ حتی کہ نیمل بھی کھانا بنانا جانتی تھی۔

"مسئلہ یہ ہے کہ میں نے انکو بول دیا ہے مجھے کھانا بنانا آتا ہے پر مجھے کھانا بنانا نہیں آتا اور کل پر سوانکل واپس آرہے ہیں مام نے کہا ہے کھانا میں ہی بناؤ نگی۔" اس نے جھنجھلا کر چہرے پہ سے بال پیچھے کر کے بتایا عائشے کے مسئلے بھی نرالے تھے۔ مراد تو بیوی اور ماں کی کھانا پکانے کی کہانی پہ لاجواب تھا۔

"تم جھوٹ بھی بول لیتی ہو..."عائشے اسکے جملے پہ سرخ ہو گئی۔

"اور آپکو جھوٹ بولنے والی لڑکیاں بھی بری لگتی ہو نگی۔پر بے فکر رہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ایک پھوہڑ جھوٹ بولنے اور رونے دھونے والی لڑکی ہی آپکے نصیب میں لکھ دی گئی ہے۔"

"نصیب کو تین بار اور آزما سکتا ہوں آخر کو شرعی حق حاصل ہے۔"وہ ٹی وی آن کر چکا تھا۔پہلے تو عائشے اسکی بات سمجھی نہیں پھر جب سمجھ آئی تو اسکا دل ڈوب گیا وہ چار شادیوں کی بات کر رہا تھا۔

"ویسے خود کو اتنا ڈی گریڈ کرنے کی ضرورت نہیں تمھارا شوہر جانتا ہے تم کتنی بہادر ہو۔اور میرے لیے یہی کافی ہے۔رہی بات کام کی تو تم میرا کام کر دیا کرو۔باقی گھر میں ملازم موجود ہیں۔اور میری ماں کا خیال رکھو گی تو مجھے اچھا لگے گا۔"وہ لب ملاتے بولا عائشے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔مجھے کام سے مسئلہ نہیں پر مجھے آتا ہی نہیں اب کیا کرونگی۔مجھے پتا تھا آپکے پاس کوئی حل نہیں ہو گا آپ صرف میری پریشانی کے مزے لیں گے۔"

تپ کے اس نے اپنا بیگ کھول دیا تھا اور ٹیبل پہ کتابیں بکھیر دیں۔اسائنمنٹ بنانے کی غرض وہ ٹیبل پہ جھک کے اب کتابوں کے ساتھ کشتی کر رہی تھی۔وہ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد بولا۔

"ہاں سن کے مزہ تو بہت آرہا ہے۔ جھوٹ بولنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ تمھیں کیا لگا مام تمھیں میڈل نوازیں گی کہ میری بہو کو کھانا بنانا آتا ہے!" اب مراد کو کون بتاتا اسکی بیوی کو زرپاش صاحبہ سے کتنا ڈر لگتا تھا۔ اسکی نظر میں وہ ایک اچھی خاتون تھیں پر اسے غصے کی تیز لگتی تھیں جب کہ انھوں نے کبھی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ پتا نہیں اسے بہو مانتی تھیں بھی کہ نہیں۔

"کرلونگی میں ہی خود کچھ۔ آپ بس بیٹھ کے باتیں بنائیں۔ پولیس والے کہیں کہ۔" وہ بڑبڑائی۔

"کچھ کہا تم نے؟" اسکرین سے نظر ہٹا کے اس نے عائشے کی آنکھوں میں دیکھے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہا۔" آنکھیں چڑھا کے وہ واپس اسائمنٹ میں لگ گئی۔ اے ایس پی کے کان بہت تیز تھے وہ اسکی بڑبڑاہٹ پہلے ہی سن چکا تھا۔ اسکی بڑبڑاہٹ سوچ کر مسکراہٹ لبوں پہ برابر کر دی۔

اٹلی جانے سے پہلے میران یہاں کے سارے کاموں سے فراغت چاہتا تھا۔ روز کے دورے بزنس میٹنگز سیاسی ملاقاتیں وغیرہ تو ویسے بھی زندگی کا عام سا حصہ بن کے رہ گئیں تھی۔ وہ وزیر اعلی کا بیٹا تھا اور اگلا الیکشن خود لڑنے کے لیے تیار تھا۔ باپ کی مزید سپورٹ اسے حاصل ہو چکی تھی۔

وہ عوام کے لیے کام کرتا تھا اور لوگ اسکے کام سے خوش تھے اسکا اخلاق اسکی شخصیت سب متاثر کرتی تھیں۔

کسی ہوٹل کی افتتاحی تقریب میں وہ مدعو تھا۔ اسکی موجودگی سب کے درمیان کشش کا باعث بنی تھی۔ ایک تھا اسکا انوکھا انداز خود اعتمادی چٹان سی جسامت گہری بھوری آنکھیں جب ہنستیں تو ارد گرد کی کھال نرم پڑتی جاتی۔ لبوں پہ مسکراہٹ کا قیام تھا جب وہ ہنستا تو مقابل دیکھنے پہ مجبور ہو جاتا کوئی مسحور کن لمحہ ہوتا تھا۔

اسکے پاس سفید کرتا شلوار بڑی تعداد میں تھے۔ یا سفید رنگ اسکا پسندیدہ تھا۔ اور آج بھی سفید کرتا شلوار پہ بھوری گرم چادر گلے میں ڈال کے گھومار کھی تھی۔

دائم بھی وہاں موجود تھا گھمتا گھماتا وہ میران کے پاس پہنچ ہی گیا۔

"اتنے ہیرو بن کے آجاتے ہو تمھارے علاوہ لوگوں کو دوسرے دکھتے ہی نہیں۔"

اپنی نیلی شرٹ کے اوپر جیکٹ کو درست کرتے اس نے کہا میران نے اسکا بن ٹھن کے آنا دیکھا اور پھر اپنی سادہ سی تیاری دیکھ کے سر جھٹکا۔

"شادی کی تم کو اتنی بھی کیا جلدی ہے؟" میران نے سوفٹ ڈرنک کا گلاس لبوں سے لگایا۔ جگہ پہ ہجوم تھا ہوٹل کے مالک کے کئی دوست وہاں جمع تھے فاصلے فاصلے پہ ٹیبلز اور صوفوں کے گرد کھڑے اور بیٹھے تھے۔ وہ دونوں بھی انھیں کے درمیان کھڑے تھے۔

"میں چاہتا ہوں یہاں سے واپس جانے سے پہلے شادی کرلوں"..

"مجھے سو پر سنٹ یقین ہے تم نے کوئی پسند کرر کھی ہے۔"میر ان چھوٹتے ہی بولا تو وہ واضح طور پہ گڑبڑا اٹھا۔

"دعا کرو لڑکی مان جائے۔" پریشانی سے اس نے انگشت انگلی سے ماتھا رگڑا میر ان کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"اچھے خاصے گڈ لکنگ ہو مشکل ہے وہ منع کرے۔"وہ پہ زور دیتے اس نے کہا۔ اسے معلوم تو نہیں تھا کس لڑکی کو دائم نے پسند کرر کھا تھا ہی وہ وقت سے پہلے جاننے کا خواہشمند تھا پر اسے اپنے دوست کی صلاحیتوں پر بھی پورا یقین تھا۔

"فیکٹری کی ڈیل فائنل ہو گئی؟"اس نے سر سری سا پوچھا۔

"ہو گئی پر شنواری گارمنٹس سے نہیں۔ سستے دام میں دوسری جگہ مل گئی ہے اور وہ صاحب بھی کم دام میں دینے کو تیار نہیں تھے تو انکے ساتھ بات نہیں بنی۔"ناک کی سیدھ میں وہ دیکھ رہا تھا میر ان نے اسکی نگاہ کا تعاقب کیا۔

"سہی"..

"پر اب انھوں نے اپنے اپارٹمنٹ کو سیل کرنے کی آفر سامنے رکھی ہے۔ اور مجھے اپارٹمنٹ پسند بھی آگیا ہے۔"دائم نے اسے بتایا تو میر ان کو حیرانی ہوئی۔ اس نے دائم کی طرف چہرہ کیا اور بھنووا چکائے سوال کیا۔

"پہلے فیکٹری اور اب اپارٹمنٹ بیچ رہا ہے وہ... کیوں؟"

"شہر سے رہائش بدل رہے ہیں۔" دائم نے جواباً کہا میران سوچ میں پڑ گیا سوفٹ ڈرنک کا گلاس لبوں سے لگالیا۔

"تمھیں اپارٹمنٹ کی کیوں ضرورت پڑ گئی؟" سوال کرتے اس نے حیرانی چھپائی۔

"وہ اپارٹمنٹ اچھی سوسائٹی میں قائم ہے جہاں کافی رونق لگی رہتی ہے۔ڈیڈ کو بھی جگہ اچھی لگی اس لیے خرید رہا ہوں۔ کیا تمھیں بھی اس اپارٹمنٹ میں دلچسپی ہونے لگی ہے؟" وہ پوچھتے ہوئے مسکرایا۔

اسے اس اپارٹمنٹ میں دلچسپی نہیں تھی اس میں رہنے والی میں تھی۔

"بنا دیکھے میں کسی چیز میں انٹرسٹ بھلا کیسے لے سکتا ہوں۔ خیر بیسٹ آف لک سودا تمھارے حق میں ہو۔" میران نے مسکرا کے اسکا کندھا تھپکا تو وہ سر خم کر گیا۔

ہوٹل کے اونر ریاض صاحب انکی طرف چلتے ہوئے آرہے تھے اور پاس آ کے شور کی باعث کان میں سرگوشی کی تو وہ دونوں ہی ان کے ساتھ چل دیے۔

چند لوگ مزید انکے ہمراہ تھے۔

ریاض صاحب نے انھیں ہوٹل کا پورا گراؤنڈ فلور دکھایا تھا۔ وہ ایک کامیاب بزنسمین تھے اور اب فائیو سٹار ہوٹل کی اوپننگ کی تھی۔

آخر وہ صوفے پہ آ کے بیٹھ گیا ایک پچیس سالہ لڑکی ایک کم عمر بچے کے ساتھ اسکے پاس آئی۔ اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے سلام کیا تو میران جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم اسلام۔" وہ اسے پہچان گیا تھا۔ یہ وہی مصیبت تھی جس سے زولفقار میران کی شادی کروانا چاہتے تھے۔ اسکے ساتھ جو بچہ تھا وہ اسکے بھائی کا بیٹا تھا۔ اسکے والد کو وہ اچھے سے جانتا تھا زولفقار جاہ کے دوست تھے۔

"مجھے معلوم نہیں تھا آپ بھی یہاں ہونگے۔ کافی عرصے بعد آپکو دیکھا ہے۔" گود میں چڑھے چھوٹے بچے کے بال ٹھیک کرتے اس نے کہا۔ وہ شاید اس بچے کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ میران نے ہاتھ بڑھایا تو وہ بچہ خوشی خوشی اسکی گود میں اچھل کر آ گیا میران مسکرایا اور اسکے گال کھینچے۔ عزا کی بات کا جواب اسکے پاس نہیں تھا۔ اپنے لیے اسکی پسندیدگی سے وہ واقف تھا۔

"اسکے بابا کدھر ہیں؟" بچے کے اس نے بال ٹھیک کیے۔ وہ کیوٹ سا بچہ تھا خوش مزاج۔ بھرے بھرے گال گلابی ہونٹ کالی بڑی آنکھیں اور سلکی بھورے بال جو ماتھے پہ گرے تھے۔ میران نے پوچھتے ہوئے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

"وہ ریاض انکل کے ساتھ ہیں۔ آپ کبھی آئیں ہمارے گھر۔" وہ مسکراتے ہوئے بے ساختہ ہی بولی۔ میران مسکرا نا سکا۔ عزا کی نظریں اسکے شفاف چہرے پہ جمی تھیں جو ایک دم پتھریلا ہوا تھا۔

"ضرور آؤنگا۔"

"شادی کے بعد بھابھی کے ساتھ ہی آئینگے یہ۔ میں بھی اتنا بولتا ہوں پر یہ میرے گھر بھی نہیں آتا۔ بھابھی ہی اسے لے کر آیا کریں گی۔" دائم جو نا جانے کہاں سے واپس آیا تھا بیچ میں بول پڑا۔ عزہ کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اس لے بے یقینی سے میران کو دیکھا۔ دوسری طرف میران نے دائم کی نظروں میں دیکھتے اسے دل ہی دل میں شاباشی سے نوازا تھا۔

عزہ جانتی تھی میران کے سامنے انکے رشتے کی پیش کش رکھی جا چکی ہے اور زولفقار انکل نے کہا تھا وہ اسی سے شادی کرے گا۔

"اس چھوٹے حسام کا کیا نام ہے؟" بچے کے اس نے گال چومے کہا وہ موضوع بدل رہا تھا۔ دائم تو بچے کو لے کر اسکی محبت دیکھ رہا تھا۔ تو میران جاہ کو چھوٹے بچے پسند تھے۔ عزہ نے بمشکل سانس لی۔ اسکے چہرے کی چمک ہلکی پڑ گئی۔

"اسمائیل نام ہے۔" زبردستی بھی وہ مسکرا نا پائی دائم اسکے تاثرات دیکھ کر اندر خود کو داد دے رہا تھا۔

"کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔" وہ اسے اپنی جگہ دے رہا تھا وہ پھیکا سا مسکرا دی ایک نگاہ اس شخص کو دیکھا جسکے خواب اس نے سجا رکھے تھے۔ وہ اسمائیل سے کھیل رہا تھا۔ مغرور کھڑی ناک عزہ کے لیے بے توجہی وہ یہ سب برداشت نا کر سکی۔

"میں چلتی ہوں میری فرینڈ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔" اسمائیل کو اس نے میران کی گود سے لیے تھا اتنے میں حسام اسکے پیچھے ہی آگیا۔

"بابا ہو ہو..." اسمائیل اپنے باپ کو دیکھ کر مچلا تو وہ ہنس دیا اور اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ بچہ میران کی طرف انگلی اٹھا کے جیسے کچھ کہہ رہا تھا۔ میراں تو سمجھ نہیں پایا۔

"میرا بیٹا تمھاری تعریف کر رہا ہے۔" بات کی ابتداء ہی حسام نے یوں کی میران ہنسنے لگا۔ اور اس سے مصافحہ کیا۔ عزہ سے مزید کھڑا نہیں گیا۔ میران اسکی بے چینی دیکھ سمجھ گیا تھا کوئی طوفان کھڑا ہونے والا ہے اور بخوشی طوفان کا منتظر تھا۔

جب سے محبت ہوئی تھی زندگی میں طوفان ایک بعد ایک آئے جا رہے تھے پر اس طوفان کا اسے خود انتظار تھا۔

"تمھارا بیٹا بہت پیارا ہے... ماشاء اللہ سے.. اور یہ تم پہ بلکل بھی نہیں گیا۔" اس نے آہستہ سے اپنے ماتھے پہ گرے بال پیچھے کیے تھے عزہ کا دل ڈوب گیا بنا کچھ مزید کہے وہ پلٹ گئی دائم نے میران کو کہنی ماری تھی۔ میران کے لب سی گئے۔

عزہ کے جانے بعد حسام اور میران نے کافی دیر بات کی پر شادی کا ذکر دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں چھیڑا تھا۔ حسام عزہ کی یک طرفہ پسندیدگی سے واقف تھا پر وہ میران کو بھی اچھے سے جانتا تھا۔ اسے محسوس ہو چکا تھا عزہ میں میران بلکل بھی دلچسپی نہیں رکھتا تو وہ کسی صورت شادی بھی نہیں کرے گا۔

اتوار چھٹی کا دن آج ارباز دمیر پاکستان واپس آ رہے تھے۔ دمیر ہاؤس میں انکی آمد کی تیاریاں چل رہی تھیں۔ سب بے حد خوش تھے پر عائشے حواس باختہ پھر رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کھانے میں کیا بنائے ایک تو مراد نے بھی کوئی مدد کے لیے مشورہ نہیں دیا وہ جھوٹ بول کر سخت پچھتائی تھی۔

اس نے فون پہ انعم بیگم سے چکن کڑاہی بنانے کی ریسپی پوچھی تھی۔ اور وہ اسے کوئی دس بار سمجھا چکی تھی اور خوب اچھی خاصی سنا ڈالی تھیں کہ گھر میں کام کروالیتی تو سسرال جا کے یہ نوبت نا آتی۔

عائشے شدید جھنجھلاہٹ کا شکار تھی۔ وہ صرف کڑاہی بنا رہی تھی باقی کی ڈشز زرپاش صاحبہ نے اپنے ذمے ہی لی تھیں انھوں نے فوراً عائشے پہ بوجھ نہیں ڈالا تھا۔

وہ چاہتی تھیں جب ٹیبل پہ لوازمات رکھے جائیں تو ایک ڈش اس گھر کی بہو کی بنائی ہوئی بھی موجود ہو۔

عائشے نے ریسپی ایک نوٹ بک میں اتار لی تھی مراد آج گھر پہ ہی تھا صبح چلا گیا تھا دوپہر میں واپس آ گیا۔ وہ عائشے کی بھاگم دوڑی سے محظوظ بھی ہو رہا تھا اور عائشے اسکو پر سکون دیکھ کر تپ رہی تھی۔

وہ پہلی بار کچھ بنا رہی تھی اس لیے سب بہت مشکل لگ رہا تھا اور ڈر بھی رہی تھی۔ اس نے ریسپی اچھے سے رٹ لی تھی انعم صاحبہ نے اسے اہم پوائنٹس بتائے تھے وہ بھی ذہن میں تھے۔

جب اس نے کچن میں قدم رکھا تو زرپاش پہلے سے موجود تھیں انکو دیکھ اسے ہٹلر کی یاد آتی تھی۔

"ارباز شام تک آجائینگے تم بھی کھانا بنا کے جلدی تیار ہو جانا۔ میں نے چکن نکال دی ہے۔" بریانی کی گریوی کا چولہا انھوں نے بند کر دیا تھا۔ میٹھا بنا کے وہ ٹھنڈا کرنے کے لیے فریج میں رکھ چکی تھیں۔ سلاد وغیرہ بھی کاٹ لیا تھا اور بریانی میں چاول وہ آخر میں ڈالتیں۔ اور کباب بنا کے ڈی فروز وہ پچھلی رات کر چکی تھی۔

"جی.. آپکا کام ہو گیا؟" زبان کی لڑکھڑاہٹ قابو کر کے اس نے پوچھا وہ کافی سنجیدہ تھیں۔

"ہاں میں نے اپنا کام کر لیا اب تم فٹافٹ کر لو۔ کوئی مسئلہ ہو تو مجھ سے پوچھ لینا۔" انکے کہنے پہ عائشے نے سر ہلایا اور وہ کچن سے باہر نکل گئیں۔

چکن دھلی ہوئی تھی یہ دیکھ عائشے کی جان میں جان آگئی پھر بس اس نے اپنی امی کی باتوں کو دھیان میں رکھتے مصالحے بنانے کے لیے چیزوں کی کٹائی شروع کر دی اور اسکے دو تین گھنٹے کہاں گئے تھے اسے خود بھی پتا نہیں چلا۔

تھک کر اس نے کمرے میں قدم رکھا مراد نے پورے بیڈ پہ سامان بکھیرا ہوا تھا۔ اسکے کپڑے اور بے شمار فائلز جو پتا نہیں کمرے کے کونسے حصے میں اس نے رکھی ہوئی تھیں عائشے تو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اور خود جناب وہ صوفے پہ بیٹھا لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔ اسے اپنے مطلب کی فائل مل گئی تھی جسے وہ آگے بھیج رہا تھا۔ دوسری طرف فون پہ بھی کسی سے گفتگو جاری تھی۔ عائشے دروازے کے پاس کھڑی تھی کمرے کا پھیلا

منظر دیکھ آنکھوں میں حیرانی رقم تھی مراد نے فون بند کیا اور لیپ ٹاپ ٹیبل پہ رکھا۔عائشے نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔تو مراد نے فائل کی جانب اشارہ کیا۔عائشے نے پسینے میں بھیگی ماتھے پہ چپکی لٹیں کان کے پیچھے اڑس دیں۔

اسے شدید بھوک لگی تھی اس لیے چڑچڑا پن بھی ہونے لگا۔دو گھنٹے کے کام میں اسکی حالت بری ہو گئی تھی وہ بیڈ پہ کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔

چند سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کی تھیں پھر گھڑی میں وقت دیکھا ساڑھے چار ہو گئے تھے۔آنٹی نے جلدی تیار ہونے کا کہا تھا تو مطلب اس نے تیار ہو کے باہر جانا تھا۔پر کمرے کا حسین منظر دیکھ کر کڑہ گئی۔

"یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ایسے کوئی سامان پھیلاتا ہے اور اتنے کپڑے کیوں نکالے ہیں؟" چلو فائلز کا تو وہ سمجھ گئی تھی پر کپڑوں کا بکھیڑا دیکھ پریشان ہی ہو گئی۔

"میرے سمجھ نہیں آرہا کیا پہنوں۔تم ہی بتادو مدد کردو میری۔" عائشے نے سانس لیتے بے یقینی سے اسکو دیکھا۔

"کسی دعوت میں نہیں جارہے ہم جو آپ اتنا کپڑوں کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔حد ہو گئی ہے۔یہ آپ نے جان بوجھ کے کیا ہے نا!" وہ اٹھی اور اسکے صوفے کے پاس آئی مراد کے چہرے پہ کمال کا اطمینان تھا۔

"تمھیں پریشان کرنے کے لیے کپڑے پھیلا کر کیا کرونگا۔بیوی کو پریشان کر کے گناہ نہیں سمیٹنا مجھے۔"وہ شیو پہ ہاتھ مسلتے آنکھ دبا کر اسکی آنکھوں میں دیکھے بولا عائشے نے دانت پیس لیے۔

"اب یہ سمیٹے گا کون؟"کمر پہ ہاتھ رکھے وہ بیویوں والے روپ میں پوچھ رہی تھی۔مراد کی نگاہیں اسکی نوز پن پہ جا ٹھہریں عائشے کی آواز پہ اسکی محویت ٹوٹی۔

"بتائیں"!!

"آف کورس تم!میں کر دیتا پر مجھے ڈیڈ کو پک کرنے جانا ہے۔سوری.."اٹھتے ہوئے اسکے کان کے پاس سرگوشی کر کے وہ کپڑے اٹھا کے واش روم گھس گیا۔عائشے کا سر چکرا کے رہ گیا۔بے بسی ہی بے بسی تھی۔ابھی اس نے بھی تیار ہونا تھا اسکے لیے اتنا کام بہت تھا کہ کھانا بنایا اور پورا کچن سمیٹا۔اب مزید کچھ کرنے کی نا ہمت تھی نا دل کر رہا تھا بھوک نے الگ اعصاب ڈھیلے کر دیے تھے۔پیر پٹخ کے بیڈ کی طرف بڑھی مرتی دھرتی کمرہ تو سمیٹنا تھا۔

آج واقعی اسے مراد کی حرکت پہ غصہ آیا تھا۔شادی شدہ زندگی اسے آج محسوس ہو ہی گئی تھی اسے شدت سے انعم بیگم کی باتیں نصیحتیں یاد آئی تھیں۔پھر ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی بکھر گئی۔

میران واپس آ کے فریش ہوا اور چھت پہ چلا آیا۔سگریٹ سلگا کے اس نے لبوں سے لگالی۔

فرید نے اسے آ کے زولفقار جاہ کا حکم سنایا تو وہ نیچے آ گیا۔ اسکا رخ انکے کمرے کی جانب تھا۔ سگریٹ کا دھواں وقفے وقفے سے ہوا میں چھوڑ رہا تھا۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہ فون پہ کسی سے بات کر رہے تھے۔ دوسری طرف کون تھا اسے اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جب تک فون پہ لگے تھے اس نے کھڑکی سے باہر باغ کا منظر دیکھا پھر ٹھنڈی ہوا آنے کی وجہ سے کھڑکی بند کر دی۔ اس وقت وہ کوئی جیکٹ یا چادر بھی نہیں اوڑھے ہوئے تھا۔

پھر آرام سے صوفے پہ جا ٹکا۔ زولفقار جاہ نے فون بیڈ میں پھینکا اور اسے دیکھا۔

"تم نے کیا قسم کھا رکھی ہے میرے لیے مشکلات پیدا کرنے کی؟ کیا ضرورت تھی عزہ کو بتانے کی تم کسی اور سے شادی کرو گے۔" بیڈ پہ بیٹھے ہاتھ گدے پہ جما کے آگے کی طرف جھک کے برہمی سے وہ بولے۔

"باباسائیں آپکو بتا دینا چاہیے تھا میں اس سے شادی نہیں کرونگا۔ مجھے لگا وہ جانتی ہو گی میرے فیصلے کے بابت۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"میں اسے بتاتا خود اپنے طریقے سے۔ تمھیں اندازہ بھی ہے گھر جا کے عزہ نے کتنا تماشا کھڑا کیا۔" اسکی ڈھٹائی دیکھ انھوں نے ماتھا مسلتے کہا۔

"واٹ ایور۔ میری بلا سے جہنم میں جائے۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے اور سیگریٹ سلگاتا ہوا ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"میران!" زولفقار نے اسے ٹوکا۔

"اچھا بتائیں اب کیا ہوا؟ معاملہ کس نتیجے پہ پہنچا؟ آپ اچھے سے جانتے ہیں میں کسی صورت اسے نہیں اپناؤں گا اگر میری زندگی میں کوئی آئے گی تو وہ رومائزہ احتشام شنواری ہے!" اس نے باور کرانا ضروری سمجھا۔

"میں اپنی بات پہ قائم ہوں یہ مسئلہ تم نے ہی آج کھڑا کیا ہے۔ خیر میں نے رحان کو سمجھا دیا ہے۔ دس پرسنٹ اسے مزید شئیر دینے پڑ رہے جب ہی وہ خاموش رہے گا اور اپنی بیٹی کو سنبھالے گا۔" بالوں میں انھوں نے ہاتھ پھیرا۔

"چلیں آئیں باہر گھوم آتے ہیں کافی عرصے سے ساتھ گھومے پھرے نہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا زولفقار کو اسکے رویے پہ حیرانی ہوئی تھی۔ پھر انھوں نے سکون کا سانس خارج کیا۔ وہ اپنے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتے تھے اسکا ساتھ چاہتے تھے۔ پر جو کام وہ کرتے تھے میران کبھی اس میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا اب جو ہو رہا تھا تو اسکی مجبوری انکے ہاتھ میں تھی۔ پر وہ اسے کوئی اپنے دو نمبر کاموں کی ذمہ داری دینے سے گریز ہی کر رہے تھے۔

انھوں نے اسے روک دیا تھا انھیں شک تھا کہیں وہ اے ایس پی کے ساتھ نا مل جائے۔اب تک سب نارمل تھا باپ بیٹے دونوں ہی اس ڈیل سے مطمئن تھے۔دونوں کے تعلقات بہتر ہو رہے تھے۔اس کے پاس بھی باپ کے علاوہ اور کوئی قریبی رشتہ موجود نہیں تھا۔

ایک پہ دولت کا نشہ طاری تھا دوسرے پہ محبت کا!

اور یہ نشہ ان کو کہاں لے جاتا دونوں بے خبر تھے۔

غلط راستوں پہ نکلنے والے کبھی کامیابی چین وسکون کی منزل پہ پہنچ سکتے ہیں؟

اسے رومائزہ سے محبت تھی اسکے بغیر رہنے کا تصور اسکی سانسیں مدھم کر دیتا تھا اسے نہیں پتا کب اسے اتنی شدت سے محبت ہو گئی بس اسے اب ہر صورت میں اسے پانا تھا چاہے وہ اپنے اصولوں کے خلاف جائے۔اور یہی بات ذولفقار کے حق میں ہوئی تھی۔

پر وہ یہ بات واضح کر چکا تھا سیاسی فرائض سے وہ کبھی لاتعلقی نہیں برتے کرے گا۔اس نے کوئی غلط کام نہیں کرنا بس خاموشی برتنی ہے ہر چیز جانتے ہوئے۔ذولفقار جاہ نے اسکی خوشی قبول کر کے اسکے پر کاٹ دیے تھے۔

لاؤنج میں نیمل زرپاش اور سجل اور اس کا شوہر محب سب موجود مراد اور ارباز صاحب کے انتظار میں تھے۔ تقریباً کوئی چار ماہ بعد وہ پاکستان واپس آرہے تھے۔ عائشے مہرون رنگ کی گھٹنوں سے نیچے تک شیفون کی فراک پہ مہرون ہی دوپٹے کو کندھے کے دائیں جانب پھیلائے ہوئے تھی۔ وہ تیار ہو کے کمرے سے نکلی تو اس نے دوپٹہ سر پہ رکھ لیا تھا۔ نیمل نے اسے اپنے ساتھ لا کر بیٹھایا۔ زرپاش کی محب سے گفتگو جاری تھی۔ عائشے کی ساری توجہ دیوار میں نسب آن اسکرین پہ تھی۔

پارکنگ میں گاڑی کے رو کنے کی آواز آئی۔

"مام...ڈیڈ آگئے۔۔" نیمل فوراً بیرونی دروازے کی جانب بھاگی جہاں سے باپ اور بھائی آتے دکھائی دیے۔

"ڈیڈ آئی مسڈیو سوچ۔" باپ کو دیکھ کر وہ خوشی سے لپٹ گئی۔

ارباز دمیر! نیلی جینس پہ جنھوں نے لائٹ پنک کلر کی شرٹ پہنی تھی۔ سر کے بال اور داڑھی کے بالوں میں چاندی بھری تھی۔ بڑھتی عمر کے ساتھ چہرے کی کھال نرم پڑ چکی تھی۔ چست و توانا جسامت! سیاہ آنکھیں چہرے پہ بجا کی نرمی رقم تھی۔ مراد نے بیگز ایک طرف رکھے۔ اور عائشے کو کہنی سے پکڑ کے اپنی جانب کھینچا تھا وہ ٹوٹی ڈالی کی طرح لڑکھڑا کے اسکے بازو سے لگی اور گھور کے اسے دیکھا۔ وہ ناراض تھی اس سے اتنا بکھیڑا جو اسکے لیے وہ جان بوجھ کے چھوڑ گیا تھا۔ بس روٹھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

نیمل باپ کے ساتھ لگی تھی۔ وہ گھر کی چھوٹی اور سب سے لاڈلی تھی ارباز صاحب نے مسکرا کے اسکے سر پہ پیار کیا وہ ان سے دور ہوئی۔

"آئی مسڈ یو ٹو۔ اور سلام دعا کیا آپ بھول گئیں ہیں؟" اسکے دور ہٹنے سے انھوں نے یاد دلاتے کہا نیمل نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

"اسلام و علیکم بابا جان۔ کتنا ٹائم لگا دیا واپس آنے میں۔" سجل انکے گلے لگی شکوہ کر رہی تھی۔ پھر وہ محب سے ملے اور گود میں اپنی نواسی منتہیٰ کو لے کر خوب پیار کیا۔ بالا آخر نظر شریک حیات پہ پڑی جو اس فیملی کے مکمل منظر کو دیکھ کر خود میں مسکرا رہی تھیں۔

چند جھائیوں نے انکی خوبصورتی میں کمی کر دی تھی پر ارباز صاحب کی نظر میں وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھیں۔ وہ آگے بڑھ کے ان سے بھی ملے اور انھیں گلے لگایا۔

"آپکی اولاد نے بہت پریشان کیا ہے مجھے۔" وہ مسکرا کر مخاطب ہوئیں۔ آنٹی ہنستی بھی تھیں عائشے کو اچھنبا ہوا پر وہ ہنستے ہوئے اچھی لگتی تھیں اس نے انکے ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہنے کی دعا کی تھی۔ وہ سب کتنے مکمل تھے عائشے کو ایک بار ان سب کی قسمت پہ رشک آیا رشتے مال و دولت عزت اللہ نے سب نوازا تھا۔

"آپکے چہیتے نے زیادہ ہی پریشان کر دیا شاید۔" انھوں نے زرپاش کے گرد بازو پھیلائے تو نیمل ہنس دی سجل کی مسکراہٹ مدھم پڑ چکی تھی۔

"بہو سے تو مجھے ملواؤ کدھر ہے وہ؟" انھوں نے بے تابی سے پوچھا مراد مسکراتے ہوئے نیمل کو سائیڈ کرتا عائشے کو آگے لایا۔ عائشے سخت کنفیوز تھی۔ دوپٹہ سر سے سرک کے کندھے پہ پھیل گیا مراد بلکل اسکے پیچھے کھڑا تھا ذرا سا بھی ہلتی تو اس سے ٹکرا جاتی۔

"السلام و علیکم۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر جھکا کے سلام کیا ارباز صاحب نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو ہمیشہ خوش رہو۔" وہ اسے دعا دیتے بولے عائشے کی جان میں جان آگئی۔ اسکے بابا سہی کہتے تھے ارباز صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔

انھوں نے اسے قبول کر لیا تھا سوچ کر ہی اسکے گال گلابی ہو گئے۔

"ماشاءاللہ مراد تمھاری بیوی تو بڑی پیاری ہے۔ اچھی پسند ہے تمھاری۔" انھوں نے بیٹے کے کندھے پہ ہاتھ رکھے کہا اس نے ترچھی نگاہ سے عائشے کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

"ڈیڈ عائشے بھابھی بہت اچھی ہیں میری تو ان سے کافی اچھی دوستی ہو گئی ہے۔" نیمل انکو لاؤنج میں لاتے ہوئے بولی۔ سب جگہ پہ بیٹھ گئے تھے۔ مراد نے عائشے کو اپنے ساتھ ہی رکھا تھا تاکہ گھر میں موجود ہر شخص اسکی اہمیت جان جائے۔

"میں نے صاحب زادے کو پہلے ہی کہہ دیا تھا شادی کا فیصلہ غلط نہیں کیا ہے تو نکاح فوراً کر لے۔" ہنستے ہوئے عام سے لہجے میں بتاتے ارباز صاحب نے بمب پھوڑا تھا۔ سجل اور نیمل کے تو پیروں تلے یہ بات نا بجھی زرپاش نے گردن موڑ کے انھیں دیکھا۔

"آپ پہلے سے اسکے نکاح کے بارے میں جانتے تھے؟" ارباز میر نے اثبات میں سر ہلایا زرپاش حیران رہ گئیں۔

"وہاں جو بھی معاملہ طے ہوا تھا مراد نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ نکاح سے پہلے اس نے مشورہ کیا تھا۔ عائشے کے والد بہت اچھے انسان ہیں میری ان سے ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ نہایت شریف اور خوددار!" ارباز نے صوفے سے کمر ٹکائی مراد کی نظروں کا ارتکاز عائشے کا چہرہ تھا جو آج خاصا ٹمٹما رہا تھا۔ اس نے ایک نگاہ اسکے سراپے پر ڈالی شادی کے بعد وہ پہلی بار اتنا تیار ہوئی تھی۔

"بابا بھی آپکی کافی تعریف کرتے ہیں۔" بل آخر عائشے کے منہ سے پہلی بار سب کے درمیان جملہ ادا ہو گیا ورنہ وہ بس خاموش رہا کرتی تھی۔ اسکے چہرے کی مسکراہٹ کسی کے دل میں سکون اتار چکی تھی۔

زرپاش صاحبہ اس سب گفتگو میں خاموش رہیں۔ اور سجل کی بیزاری بھی واضح تھی۔ نیمل نے منتہیٰ کو گود میں لے رکھا تھا۔

"مراد پریشان تو نہیں کرتا نا؟" انھوں نے بیٹے کی طرف باتوں کا تیر گھمایا اور اس پہ نظر جمائی مراد گلا کھنکار کے سیدھا ہوا اور چور نگاہ سے برابر میں عائشے پہ ڈالی جسکے برابر میں نیمل ساتھ بیٹھی تھی۔

"میں نے کیوں ہریشان کرنا ہے بھلا!" وہ شانے اچکاتے بولا عائشے کا دل کیا اسکی تازی تازی حرکت بتادے۔

اور مراد کو اس بات پہ شبہ نہیں تھا کہ وہ چپ رہے گی۔ اسے تو جیسے بڑی سپورٹ مل گئی تھی۔

"تم چپ رہو۔ میں نے اپنی بیٹی سے سوال کیا ہے۔" مراد کو جھڑکنے پہ عائشے کھل کے ہنسی مراد نے حیرانی سے اسے دیکھا شوہر کو ڈانٹ پڑنے پہ بیوی کے کیسے دانت نکل رہے تھے پیچھے سے نیمل بھی ہنس رہی تھی۔

مراد نے معصوم سی شکل بنا کے اسے دیکھا عائشے نے نفی میں سر ہلا دیا مراد کے سر سے بوجھ اترا۔

جب کہ سجل تو عائشے کو بیٹی کہہ کر پکارنا سن کے تلملا گئی تھی اسے بیٹی کہنا پسند نہیں آیا تھا۔ اس لڑکی نے مہمل کا حق مارا تھا وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی۔ محب نے کوئی بر ارد عمل نہیں دیا تھا۔

اسی ہنسی مذاق میں کھانے کا دور شروع ہوا تھا سب ڈائینگ ہال میں بیٹھے تھے۔ خواہش کے مطابق سب نے پلیٹ میں کھانا نکالا۔ ارباز صاحب اور سجل کو جب پتا چلا کے کڑاہی عائشے نے بنائی ہے تو انھوں سب سے پہلے وہی نکالی تھی۔ عائشے نے کڑاہی ڈش میں لا کر سرو کی جسکی شکل تو بہت اچھی دکھائی دے رہی تھی۔ ادرک اور حیدر آبادی مرچوں کا اوپر سے چھڑکاؤ کیا تھا۔

تھوڑی جھجھک کے ساتھ وہ مراد کے برابر میں ہی بیٹھ گئی۔ سجل نے کڑاہی کی ڈش محب کی طرف بڑھائی۔ ارباز صاحب نے پلیٹ میں کڑاہی نکال لی تھی۔

" یا اللہ پلیز عزت رکھ لیے گا۔ بہت محنت سے بنائی ہے ٹیسٹ اچھا نکل آئے بس۔ اللہ پلیز آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولونگی توبہ کرتی ہوں۔" اس نے اپنی پلیٹ میں بھی تھوڑی سی کڑاہی نکال لی تھی پر نظریں سسر کے نوالے پہ ٹکی تھیں جو اب منہ میں جانے والا تھا۔ مراد کڑاہی پلیٹ میں نکال رہا تھا اسکی بند آنکھوں کو دیکھ ہنسی روک نہیں پایا۔ اسکی کھن کھن پہ عائشے نے دعا مکمل کر کے آنکھیں کھولی۔

اور ہاتھ میں بنا نوالا منہ میں ڈالا۔ منہ میں رکھا ہی تھا کہ اسے لگا کسی نے زبان پہ مرچیں مل دی ہوں اور حلق میں نمک کی کڑواہٹ اتر گئی۔ وہ بری طرح کھانسنے لگی۔

"کیا ہوا؟" مرچوں کی وجہ سے اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے مراد متفکر سا اسکی طرف پلٹا۔ ادھر ارباز صاحب کو بری طرح پھندا لگا تھا۔ زرپاش نے فوراً پانی کا گلاس انکے آگے کیا۔ عائشے گلے پہ ہاتھ رکھے کھانس رہی تھی۔ مراد نے پانی کا گلاس اسے دیا جسے وہ منہ سے لگا گئی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے ارباز انکل کو دیکھا۔

زرپاش صاحبہ کھانے میں گڑبڑ سمجھ چکی تھیں ایک چھوٹا سا نوالہ بنا کر انھوں نے منہ میں رکھا اور سجل نے وہیں ہاتھ روک لیا تھا۔ چند لمحوں میں ان دونوں کی کھانس کھانس کے حالت بری ہوئی تھی۔

"آنٹی مت کھائیں مرچیں اور نمک تیز ہو گیا ہے۔" ہونٹوں سے پانی خشک کر کے عائشے نے رندھی آواز میں کہا۔اس قدر شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی۔مراد نے سن کے لب بھینچ لیے۔خود کو سنبھال کے وہ فوراًاٹھ کے ارباز صاحب کی طرف بڑھی مراد کچھ سمجھ نہیں پایا وہ کیا کرنے والی تھی۔

ارباز صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا بلڈ پریشر کے وہ مریض تھے اس قدر مرچیں اور نمک نے انکی حالت خراب کر دی تھی۔

"آئی ایم سوری انکل،، مرچیں پتا نہیں کیسے زیادہ ہو گئی اور نمک شاید بے دھیانی میں دوبارڈال دیا میں نے۔" اس نے خود میں تمام تر ہمت جمع کر کے کہا۔گھر میں دعوت سی ہی تھی وہ اتنے لمبے عرصے بعد آئے تھے اور عائشے کو سخت شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا ہو جاتا ہے اکثر میں ٹھیک ہو آپ پریشان مت ہوں۔مراد تمھاری بیوی تو بہت نازک دل کی ہے رونے لگی ہے۔" وہ بڑے دل سے بولے۔حرکت ہی ایسی کی تھی اسے رونا آنے لگا تھا۔سجل کی طرف بے ساختہ نظریں اٹھیں تھیں اسے لگا تھا وہ ابھی اسے کھا جائیگی۔سجل نے سر جھٹک لیا۔جب کہ محب بھائی کچھ نا بولے وہ اسے شریف النفس لگے تھے۔

ارباز کے مخاطب کرنے پہ مراد جگہ پہ سے اٹھا۔

"میری غلطی ہے میں نے آنٹی سے جھوٹ کہا تھا کہ کھانا بنانا آتا ہے۔ مجھے نہیں آتا۔ یہ بھی امی سے پوچھا تھا اور سب خراب ہو گیا۔" حلق میں ابھری گٹھلی سٹکی وہ مزید جھوٹ پہ پردہ نہیں ڈال سکتی تھی۔ زرپاش صاحبہ نے ماتھا پیٹا۔

"تو مجھے بتا دیتیں کوئی زور زبردستی تھوڑی کی تھی میں نے۔ مجھے لگا تم بنالو گی اس لیے تمھیں صرف ایک ہی ڈش بنانے کا کہا۔" وہ دبے دبے غصے میں کہہ رہی تھی عائشے کو پھر رونا آیا۔ یہ کمبخت آنسو پتا نہیں کیوں رک نہیں رہے تھے اسے آنسوؤں پہ غصہ چڑھ رہا تھا۔ سب کیا اسکے بارے میں سوچ رہے ہونگے۔

"بچی آپ سے ڈر گئی ہو گی نا۔" ارباز صاحب نے بات سنبھالتے ماحول ٹھنڈا کرنا چاہا زرپاش کا منہ کھلا۔

"میں بھلا اسے کھا جاتی جو یہ ڈر گئی۔ حد ہوتی کسی چیز کی۔ چلو بیٹھو جگہ پہ کچھ نہیں ہوتا آہستہ آہستہ سب سیکھ جاؤ گی۔" نفی میں سر ہلاتے انھوں نے ارباز واحب کی پلیٹ بدلی تھی۔

"مام آپ عائشے کو کھانا بنا سیکھا دیں۔ عائشے ممی بہت اچھا کھاںا بناتی ہیں تھوڑی بہت کلاسز لے لو تم جلد ہی کڑاہی بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گی۔" نیمل ارباز کی سربراہی کرسی کے سب سے قریب بیٹھی تھی اور وہیں عائشے اور مراد کھڑے تھے۔ نیمل نے سر اٹھا کے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں مام آپ اپنی بہو کو کھانا بنانا لازمی سیکھا دیے گا۔" وہ مسکرا کے بولا زرپاش نے ایک نگاہ اس لڑکی پہ ڈالی جو انکے بیٹے کے ساتھ کھڑی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ عائشے سے اتنی بے وقوفی کی امید نہیں رکھتی تھیں۔ ایک لمحے کو انھیں اس میں نیمل اور سجل دکھائی دی تھیں جب انھوں نے بھی شروع میں کوکنگ سیکھتے ہوئے کھانے خراب کیے تھے۔

"میری بیگم نے بھی آنٹی سے کوکنگ سیکھی ہے تم بھی جلدی سیکھ جاؤ گی۔ کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے کھانا کنٹینو کرتے ہیں۔" محب نے تسلی بخش جملہ کہا سجل نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ محب نے نظروں میں ہی اسے خود پہ قابو رکھنے کی تاکید کی۔

"ہاں بلکل۔ چلو آؤ۔" مراد زرا سا پیچھے ہوا۔

"ایک منٹ رکو۔ عائشے نے پہلی بار کچھ بنایا ہے اسکا انعام تو ملنا چاہیے۔ اسے بنانا نہیں آتا پر بچی نے کوشش ضرور کی ہے۔" ارباز دمیر نے پینٹ کی جیب سے والٹ نکالا اور اس میں سے دو بڑے لال پانچ ہزار کے نوٹ نکال کے عائشے کی جانب بڑھائے نیمل کی آنکھیں چمکیں۔

"بھابھی جلدی سے لے لیں دیر نا کریں.." نیمل نے خود ہی اسکا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ مراد کھڑا ہنس رہا تھا۔

"اسکی کیا ضرورت ہے.." وہ منمنائی۔

"منع نہیں کرتے رکھ لو۔ آئیندہ خیال رکھنا!" جب زرپاش صاحبہ نے کہا تو وہ جی جان سے مسکرادی۔ جب کہ انکا انداز مصروف سا تھا۔

اس نے پیسے لے لیے اور واپس اپنی نشست پہ بیٹھ گئی۔

"تھینک یو..." نم آنکھوں سے ہلکا سا مسکرادی۔

"اوہہ تو تم پیسوں کی وجہ سے وہاں سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔" کان میں مراد کی سرگوشی سنائی دی اسکا حلق کڑوا ہوا۔

"آپ سے میں نے بات نہیں کی خاموش رہیں۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا اور کھانے میں لگ گئی بھوک بھی بڑی زوروں کی لگی ہوئی تھی۔

کھانے کے بعد نیمل کافی بنانے کے لیے اٹھ گئی تھی سب لاؤنج میں بیٹھے تھے مردوں کے درمیان عورتیں خاموش ہی تھی محب اور ارباز بزنس کی ہی باتیں کررہے تھے اور مراد بھی انکی گفتگو کا درمیان میں حصہ بن جاتا۔ زرپاش اور سجل کی عائشے کی تلفی ان تینوں مرد حضرات نے نوٹ کی تھی پر بولا کوئی کچھ نہیں۔ زرپاش کا لہجہ پھر بھی ٹھیک تھا عائشے انھیں سمجھ نہیں پائی تھی۔ پر سجل نے اس سے بلکل بات چیت نہیں کی تھی۔ محب کو سجل کی بات پسند نہیں آئی تھی اسکی بیوی اس طرح کی بلکل نہیں تھی پھر کیوں اپنی بھابی کے ساتھ بیگانہ سلوک

کررہی تھی۔ وہ محمل والے معاملے سے لاعلم تھا۔ پر جانتا ہوتا بھی تب بھی سجل کا ساتھ نہیں دیتا اسے سجل سے سمجھداری کی امید تھی۔

شاید اسکا، اکلوتا بھائی تھا وہ اپنی پسند کی بھابھی لانا چاہتی تھی اور جو کہ محمل تھی۔

مراد نے منتہیٰ کو گود میں لیا ہوا تھا عائشے جو لیڈیز کی طرف صوفوں پہ بیٹھی تھی تھوڑا سا کھسک کے مراد کی طرف ہوگئی۔ اور مسکرا کے منتہیٰ کے گال چھوئے۔

" مانو بے بی کیسی ہو؟" اس نے پچکارتے ہوئے ہوئے پوچھا مراد کی طرف وہ جھکی ہوئی تھی۔ مراد نے گرفت ڈھیلی چھوڑ کے منتہی کو اسکی گود میں دیا سجل نے ایک نگاہ اس منظر کو دیکھا وہ کچھ بولتی زرپاش صاحبہ نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے نفی میں سر ہلا دیا۔

" سجل میرے گھر کا سکون کسی صورت خراب نہیں ہونا چاہیے۔ جو بھی ہے اب وہ اس گھر کا حصہ ہے!" زرپاش کی بات پہ چونک کے رہ گئی۔ اس لڑکی نے اسکی ماں کو بھی اپنی طرف کر لیا تھا۔

"شکر ہے تم میری گود میں آکے روئی نہیں ورنہ سارے بچے میرے پاس آکے رونے لگ جاتے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی یہ بھول کے برابر میں دشمن بیٹھا ہے اور کان لگائے اسکی سن رہا تھا۔ بظاہر وہ خود کو ارباز اور محب کے ساتھ باتوں میں مصروف شو کروا رہا تھا۔

"ڈراؤنی چیزوں سے ظاہر سی بات ہے بچے ڈریں گے ہی۔"بھانجی کی تھوڑی اوپر نیچے ہلاتے عائشے کے کان میں بولا۔وہ منتہٰی کو لے کر دانت پیستی کھڑی ہوگئی مراد کی جانب دیکھا تک نہیں اور زرپاش کے برابر میں جا بیٹھی۔زرپاش صاحبہ نے چونک کے اسے جگہ دی تھی۔

مراد اسے آج بہت زچ کر رہا تھا۔

وہ منتہٰی کے ساتھ کھیلنے میں لگی رہی مراد گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈال دیتا۔دوپٹہ سر سے اترا ہوا تھا پر شانوں پہ پھیلا تھا۔کچھ آوارہ لٹیں چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔لال چوڑیوں کی کھنکھناہٹ اسے دل میں بجتی محسوس ہو رہی تھی۔اسکا دل بے لگام ہو رہا تھا۔

وہ سب آپس میں باتوں میں لگے تھے پر ایسا نہیں تھا کہ عائشے سے انجان ہوں۔وہ سب کی سن رہی تھی۔نیمل ہوتی تو وہ اسکے ساتھ باتیں کر لیا کرتی پتا نہیں اسکی کافی بند کر کے کیوں نہیں دے رہی تھی۔کڑاہی کا سوچ کے اسکا دل واپس ڈوب گیا۔کیا ہو جاتا اگر نمک مرچیں سب سیٹ ہو تیں باقی تو سب ٹھیک تھا۔

"آنٹی...."اس نے خود سے ہی بولنے کی کوشش کی ورنہ ان دونوں میں سے تو کوئی اسکو بات کا حصہ نہیں بنا رہا تھا۔زرپاش اسکی دھیمی سے آواز پہ اسکی طرف گھومیں۔

"میں کمرے میں چلی جاؤں؟سر میں درد ہو رہا ہے۔"اسے ہی اٹھ کے جانا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا وہ اس گھر میں اپنی جگہ خود بنانا چاہتی تھی۔اسی لیے پہلی بار انھیں مخاطب کر لیا۔

"ہاں چلی جاؤ۔ جا کے آرام کرو میڈیسن لے لینا۔" انھوں نے منتہیٰ کو اپنی گود میں لیا اور آرام سے اسے کہا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ مراد نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا۔ پانچ بعد ہی نیمل کافی لے آئی تھی۔

مراد نے گرم گرم کافی انڈیلی تھی اور کھڑا ہو گیا۔ نیمل کی شرارتی نگاہوں سے بچنا مشکل تھا وہ بہت دیر سے اپنے بھائی کی بے چینی نوٹ کر رہی تھی۔ اور ابھی ٹیکسٹ کیا تھا کہ بھابھی کہیں کمرے میں رو نا رہی ہوں جا کے دیکھ لیں۔ اور آگے ایک آنکھ دباتا ایموجی تھا۔ مراد نے اسے گھورا تو وہ شانے اچکا کر لاتعلق ہو کے بیٹھ گئی۔ مراد محب اور سجل سے مل کے کمرے میں آگیا۔

کمرا اندھیرے میں ڈوبا تھا بس عائشے کے پاس کا لیمپ آن تھا وہیں روشنی تھی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گھٹنے خود میں سمیٹے خود پہ دوپٹہ پھیلائے بیٹھی تھی۔ چہرے پہ اداسی دیکھ مراد نے اسکی طرف قدم بڑھائے۔

"اب کیا ہوا؟" وہ اسکے پاس بیٹھ گیا۔ عائشے نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا پر بولی کچھ نہیں۔ مراد نے جھنجھلاہٹ سے سر کے بالوں میں ہاتھ چلایا۔

"عائشے تمھیں پتا ہے مجھے بلاوجہ کا رونا دھونا نہیں پسند کیوں تم آج ٹسوے بہا رہی ہو؟ اتنی سی بات تھی سب بھول گئے اور تم آ کے ایسے بیٹھی ہو۔ چھوٹی بچی تو نہیں ہو تم!" ہاں عائشے بلوچ رونے والوں میں سے نہیں تھی پر

بعض اوقات حالات کے ہاتھوں انسان خود پہ قابو نہیں رکھ پاتا۔جب سے عائشے دمیر بنی تھی بہت تبدیلیاں اس میں آگئی تھیں۔اسے لگتا تھا اسکا دل کمزور ہو گیا ہے۔

"آپ کو تو میری ہر چیز سے پرابلم ہے۔میں آپکے قابل ہوں ہی نہیں وہ محمل ہی اچھی ہے اسی سے شادی کرلیں جاکر۔"وہ بھری یوئی بیٹھی تھی سجل کی نظر اندازی کا یہ سارا نتیجہ تھا۔اور مراد سے تو پہلے ناراضگی چل رہی تھی۔اسکی بات پہ مراد نے ٹھنڈی آہ بھری۔

اور آگے بڑھ کے بغیر کچھ کہے آہستہ سے اسے خود سے لگایا۔

"کچھ بھی سوچتی رہتی ہو۔محمل سے شادی کرنی ہوتی تو پہلے ہی نا کرلیتا۔"وہ آہستہ آہستہ اسکا سر سہلا رہا تھا۔عائشے کے آنسو اسکی شرٹ بھیگونے لگے۔

یہ بات بھی تھی عائشے جب روتی تھی تب مراد نرم پڑ جاتا تھا کوئی ایسی بات مذاق میں نہیں کرتا تھا جسکا وہ الٹا مطلب نکال لے۔وہ چاہتا تھا عائشے اس پہ بھروسہ کرے۔بعد میں بھلے وہ اسے باتوں سے کتنا ہی پریشان کرتا رہے۔

"میں آپ سے ناراض ہوں۔!"وہ اس سے دور ہو گئی سر اٹھا کے کہا۔

"میں منالونگا۔ "اسکے چہرے پہ بکھرے بال پیچھے کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ڈریسنگ روم میں گیا تھا الماری کے پٹ کھلنے کی آواز آئی پھر بند ہونے کی آئی۔

عائشے نے اسے واپس آتے دیکھا جو سفید پینٹ پہ کالی پوری آستینوں کی شرٹ پہنا تھا اور کف کہنیوں سے نیچے فولڈ ہوئے تھے۔

دل میں ہی اس نے لقب دیا تھا۔"ہینڈ سم اے ایس پی۔"

وہ اسکے برابر میں واپس آکے بیٹھ گیا۔اور وہی چمکتی شیشی اسکے ہاتھ میں تھی جو عائشے پہلے ہی دیکھ چکی تھی فوڈ کورٹ میں۔پر اس نے کچھ بھی پتا چلنے نہیں دیا۔وہ اس وقت اس لمحے کے زیر اثر تھی اور مزید کچھ سوچنے کی صلاحیت زیرو تھی۔

وہ مدھم ہوتی سانسوں سے باکس کو دیکھتی اور پھر مراد کا روشن چہرہ جس پہ لیمپ کی زرد روشنی پڑ رہی تھی۔

مراد نے باکس کھول کے انگھوٹی نکالی اور ہلکا سا دائیں طرف عائشے کی جانب مڑا اور اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

"مے آئی ؟"عائشے نے نروٹھے پن سے کوئی جواب نا دیا تو وہ مسکرایا اور اسکا ہاتھ تھام کے انگھوٹی پہنا دی۔وہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

قیامت تو تب یوئی جب اس نے ہاتھ چوما تھا عائشے کانپ کے رہ گئی۔ آنکھیں پھیلائے بڑی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ خوش تھا مسکرا رہا تھا۔ کمرے میں صرف ان دونوں کے قریب چہروں پہ لیمپ کی زرد روشنی پھیلی تھی باقی کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ دلوں کی دھڑکن اور گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز تھی۔ دونوں کی زبان تالو سے لگی تھی۔

کمرے میں سحر قائم ہو گیا۔ عائشے کو کسی مووی کی وائبز آرہی تھیں۔ وہ ارد گرد دیکھنے لگی۔ مراد نے اسکا ہاتھ تھامے رکھا۔

"نوک جھوک زندگی کا حصہ ہے۔ اس طرح پوری زندگی ایسے ہی آسانی گزر جائیگی۔ تم روٹھو گی میں بار بار منانے کو تیار ہوں۔ اگر میں کہوں مجھے عائشے دمیر سے محبت ہو گئی ہے تو یہ غلط نا ہو گا۔ نظریں تم پہ سے ہٹتی نہیں ہیں تمھاری طلبگار ہو گئی ہیں۔ یہ معصومیت مجھے لے ڈوبے گی کسی دن۔ مجھے معلوم ہے تم معصوم ہر گز نہیں ہو پر کبھی کبھی جو یہ بھولا پن معصومیت تم پہ طاری ہوتی ہے نا میں دل کھو بیٹھتا ہوں۔ میں نے تمھیں آن بان شان سے نکاح کر کے زندگی میں ساتھ رہنے والا ہمسفر بنایا ہے۔ تم پہلی اور آخری ہو جس کے آگے مراد دمیر نے گھٹنے ٹیکے ہیں۔" وہ ایک جست میں ماحول کی خاموشی توڑتے بغیر کوئی تمھید باندھے مدھم اور گھمبیر آواز میں اعتراف کر چکا تھا عائشے کو اپنی سماعت پہ یقین نہیں آیا دل اچھل کے حلق میں آیا ہوا تھا۔ وہ بے یقینی

سے مراد کو دیکھ رہی تھی جس نے آگے بڑھ کے اسکے ماتھے پہ مہر ثبت کی تھی وہ ٹھنڈی پڑ گئی نظریں جھک گئیں۔ مراد جی جان سے مسکرا دیا۔

"تھینک یو مجھے مکمل کرنے کے لیے۔" مراد نے اسکے اطراف بازو پھیلا دیے۔ عائشے کی آنکھیں خوشی سے نم ہو گئی۔ اللہ نے کیسے اسے اتنا نواز دیا۔ وہ ناشکری تو اسے پہلے شوہر مانتی ہی نہیں تھی۔ اس نے توبہ کی تھی۔ ندامت نے اسے آن گھیرا شکر کے لیے الفاظ کم پڑ گئے تھے۔ اسکے حصار میں وہ خود کو محفوظ محسوس کرتی تھی۔ اس نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"مذاق تو نہیں کر رہے نا؟" وہ نمی صاف کرتے ہنستے ہوئے بولی۔

"لڑکی اس معاملے میں تم سے مذاق کرونگا۔" اسکے سر پہ اس نے تھوڑی ٹکا دی۔

"عائشے تم اس رشتے سے خوش ہو نا؟" اس کے ذہن میں سوال اٹھا تھا۔ عائشے نے سر ہلایا۔

"ہوں..." اسکی دھیمی سی آواز مراد کے کانوں تک سفر کرتی دل میں اطمینان ڈال گئی تھی۔

"کچھ بھی ذہن میں الٹا سیدھا نا سوچنا۔ ہمارے رشتے میں باتیں نکالنے کے لیے فلحال کئی لوگ بیٹھے ہیں۔ کوئی بھی ایسی بات ہو اسے مجھ سے شئیر کر لینا۔"

"ہوں"...

"ویسے مجھے اچھا لگا تم نے سب کو خود سچ بتا دیا۔"

"ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے دس جھوٹ اور بول کے نہیں پھنسنا چاہتی تھی.....ویسے آپ اتنے اچھے کب سے ہو گئے؟" دبے ہونٹ وہ مسکرا رہی تھی۔

"میں خطرناک بھی بہت ہوں." وہ ہنس کر ہی بولا۔

"اچھا چلیں بس بہت ہو گیا مجھے نیند آ رہی ہے۔" اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے وہ فوراً اس دور ہونے لگی مراد کی گرفت مضبوط تھی اس نے گھور کے دیکھا تو مراد نے ہنس کے اسے چھوڑ دیا اور بیڈ پہ اپنی جانب آ کے لیٹ گیا۔عائشے اپنا سر درد تھکن سب کچھ بھول بھال کے مراد کی قربت اسکی باتوں کے حصار اور اس لمحے کے زیر اثر تھی۔وہ جتنا شکر ادا کرتی اتنا کم تھا۔اسکے لفظ آبِ حیات کا کام کر گئے تھے وہ جی اٹھی تھی۔انکا رشتہ آخر کار اب نارمل ہو ہی گیا تھا۔اسے خود سے زیادہ مراد پہ یقین تھا کہ وہ کبھی اسے بگڑنے نہیں دے گا۔

عزیز نے اپنے کسی قریبی بندے کے ہاتھ رومائزہ کا دیا خط احتشام شنواری تک پانچ دن بعد پہنچا دیا تھا اپنے کاموں کے درمیان اس خط کو پہچانے کا کام ذہن سے نکل گیا تھا۔یہ خط والا معاملہ میران کے علم میں نہیں تھا۔رومائزہ

نے میران سے چھپ کے اپنے کمرے کی کھڑکی سے عزیز کو یہ خط دیا تھا اس وقت اسے اندازہ نہیں تھا رات ہی وہ ان سے فون پہ بات کر سکے گی۔

"عزیز بھائی یہ میرے بابا کو دے دیجیے گا پلیز۔ اپنے چھوٹے سائیں کو مت ہی بتائیے گا پتا نہیں وہ کیساری ایکٹ کرے۔ کہیں خط دینے سے انکار نا کر دے۔ اور آپ چاہیں تو پڑھ سکتے ہیں میں نے ایسا کچھ نہیں لکھا جو میران کے خلاف ہو۔" اس نے نہایت سادگی سے گزارش کی تھی۔ عزیز نے سوچنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور خط لے لیا۔

"پڑھنے کی ضرورت نہیں... آپ بے فکر رہیں میں پہنچا دونگا۔" اسے مطمئن کر کے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔

شنواری صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے اس خط کو پڑھ رہے تھے۔

"اسلام و علیکم بابا جان۔" اکثر شنواری یا احتشام صاحب کہا کرتی تھی۔ بابا جان وہ صرف کوئی بات منوانے مکھن لگانے کی صورت میں اسکے منہ سے نکلتا سنتے تھے۔

"امید کرتی ہوں آپ ٹھیک ہونگے پر آپ سے خفا ہوں۔ میں روز انتظار کرتی ہوں کب آپ قرض اتاریں اور میں یہاں سے نکل سکوں۔ آپ سب مجھے بہت یاد آتے ہیں۔ میرے سمجھ نہیں آرہا مزید کیا لکھوں سامنے ہوتے تو ڈھیر ساری باتیں کر لیتی آپ کو گلے لگا لیتی۔ کبھی سوچا نہیں تھا خط لکھنے کی نوبت آئے گی۔ میں یہاں

ٹھیک ہوں۔ مجھے کسی نے نقصان نہیں پہنچایا پر یہ قید بہت بھاری لگ رہی ہے۔ اللہ آپکے لیے راستے کھولے۔ آمین..... 'کچھ سطر چھوڑ کے نام ذیل تھا۔'

آپکی رومائزہ!" جلدی میں وہ جتنا لکھ سکی تھی لکھ کر عزیز کو دے دیا تھا۔

سانسوں کی رفتار پہ قابو پاتے انھوں نے پرچہ تہہ کر لیا۔ ہلکی بڑھی داڑھی پہ ہاتھ پھیرا۔ اس میں وہی باتیں تھیں جو تقریباً چھ دن پہلے وہ فون پہ کر چکے تھے۔ پر ان لفظوں میں چھپا کرب انکے دل میں چبھ رہا تھا۔ انھوں نے اپنی کنپٹی سہلائی۔

ایک نگاہ کمرے میں گھمائی۔ بل آخر انکے اپارٹمنٹ کا سودا ہونے جا رہا تھا۔ دائم علی کے منتظر بیٹھے تھے۔ اور فیکٹری بھی ایک زمین دار آدمی انکی منہ مانگی رقم میں خریدنے کو تیار تھا۔

ان دونوں جگہ سے رقم کی وصولی ہوتے ہی وہ قرض اتارنے والے تھے۔

"شنواری صاحب میر ان جاہ آئے ہیں۔ میں نے اندر بٹھا لیا ہے آپکے۔ں تظر ہیں وہ۔" نعمت بی کھلے دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی بتا کے مڑ گئیں۔ شنواری صاحب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اسکے آنے کی انھیں حیرانی ہوئی تھی آخر اب کیا کہنے لینے آیا تھا۔

وہ دروازے کے باہر سن گلاسز لگائے کھڑا تھا۔ عین گاڑی میں بیٹھتے وقت اس نے عزیز کو کہا تھا شنواری کے گھر لے چلے۔ جب کہ وہ گھر سے نکلا تھا کسی سایسی عہدے دار سے ملنے کے لیے۔ خاتون نے دروازہ کھولا میران نے آنکھوں سے گلاسز ہٹائے۔

"شنواری صاحب سے ملنا ہے۔" عزیز نے تھوڑا جھک کے بتایا۔ نعمت بی ان دونوں جوانوں کو چبھتی نظروں سے دیکھ رہیں تھیں پھر سر ہلا کے دروازے پورا کھولا اور انھیں اندر آنے دیا۔

"آپ بیٹھیں میں انھیں بلا کر لاتی ہوں۔" میران گلاسز اسکی ڈنڈی سے پکڑ کے گھماتا پورے گھر کا جائزہ لیتے ہوئے اندر آیا تھا۔ ان خاتون کی آواز پہ وہ چونک کے سر ہلاتا بیٹھ گیا۔ عزیز کا کھچاؤ بھی وہ نوٹ کر چکا تھا۔ اس نے اس معاملے میں آنکھیں بند کر لیں تھیں کسی سے اسے کچھ فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

لاؤنج میں خاموشی تھی۔ شنواری صاحب آئے تو وہ کھڑا ہوا ان سے مصافحہ کیا۔ پچھلی ملاقات کے بر عکس آج وہ کافی پر سکون تھا۔

احتشام نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا وہ اسکی آمد سمجھنے سے قاصر تھے۔ میران نے انکے چہرے پہ رقم سوالات دیکھ کر اپنی بات کی شروعات کر دی۔

گفتگو کی طویل جنگ چھڑ گئی تھی۔ عزیز کو بھی معلوم نہیں تھا وہ یہاں کیا کرنے آیا ہے پر جوں جوں میران اپنی بات مکمل کرتا گیا اسکی آنکھیں کھل گئیں۔ لب بھینچے وہ سن رہا تھا۔

شنواری صاحب کے بھی اس نے برہم کبھی نرم پڑتے تاثر دیکھے تھے۔ اور بلا آخر میران اپنی بات منوا کر وہاں سے کھڑا ہوا تھا۔ احتشام صاحب کے زہن میں جنگ چھڑی تھی بری طرح الجھ گئے تھے۔ میران نے انکے آگے جو معاہدہ رکھا تھا پتا نہیں رومائزہ اس پہ راضی ہوتی کے نہیں۔ پر میران کے زور دینے پہ انھوں نے میران کے مطلب کی بات کر دی تھی وہ مان گئے تھے۔ جس کام کے لیے وہ آیا تھا وہ مکمل ہو گیا تھا۔

بہت مشکل سے میران نے انکو فیصلے پہ راضی کیا تھا۔

"اپنی بیٹی کی طرف سے بے فکر رہیں۔ اور آرام سے یہاں رہیں بہت جلد آپکو اس سے ملوا دونگا۔" اسکے اٹھنے کے بعد احتشام شنواری بھی کھڑے ہو گئے۔ میران نے گلاسز واپس آنکھوں پہ لگا لیے اور پلٹ گیا۔ احتشام صاحب کے پاس الفاظ ادا کرنے کے لیے نہیں بچے تھے۔ انھوں نے دروازے تک اسے چھوڑا اور جب پلٹے تو ایک آنسو کا قطر آنکھ سے پھسل کے داڑھی میں جذب ہو گیا۔

"اب تو آپ مجھے کچھ بتانا پسند ہی نہیں کرتے۔" عزیر کی خفت پہ میران زیر لب مسکرایا۔ وہ گھوم کے ہیلکس کا دروازہ کھول کے بیٹھا۔

"پھر بھی تم کو سب پتا چل جاتا ہے سائے کی طرح میرے ساتھ ہوتے ہو۔ کہہ دو تمھیں اس بات سے بھی اعتراض ہے جو میں نے شنواری سے کی۔" وہ کھلا طنز کر گیا عزیز کا سر جھک گیا اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور سوال کیا۔

"بنگلے واپس؟"

"نہیں فارم ہاؤس..." موسم میں کم ٹھنڈ کے باعث آج اس نے چادر وغیرہ نہیں اوڑھ رکھی تھی۔ سیٹ سے پشت ٹکائے بیٹھا تھا۔ عزیز نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"پانچ چھ دن پہلے ہی تو گئے تھے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"اب تم دن بھی گنو گے... واہ عزیز میاں!" میران عش عش کر اٹھا۔ عزیز جھینپ گیا۔ بات تو یہ بھی تھی یہ پانچ دن بڑی تیزی سے گزر گئے تھے۔ پھر بھی ملاقاتِ یار کی طلب تو ہوتی ہی تھی۔

"شاید یہ آخری چکر ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ جب آزاد ہو تو مجھ سے نکاح کرنے کے لیے باخوشی راضی ہو جائے۔ اسکے دل میں میری محبت کے نغمے گونجنے لگیں۔ موم پگھل رہا ہے۔ اس موم کو سمیٹنا میرا کام ہے۔ اب مزید میں انتظار برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ باہر سڑک پہ غیر مرئی نقطے پہ نظر جمائے کھویا کھویا سا کہہ رہا تھا بعض اوقات عزیز کو اسکا جنون دیکھ کر خوف آتا تھا۔ اور جو وہ کرتا پھر رہا تھا اب تو اسکی بھلائی کی دعائیں مانگنا بڑھا دی تھیں۔

عزیز نے گاڑی کے اگنیشن میں پھر چابی گھمائی اور گاڑی فراٹے بھرتی نکل گئی۔ جسکے جانے کے کچھ دیر بعد دائم وہاں آیا تھا۔

"ارے یار رومائزہ سب خراب کر دیا تم نے۔" وہ لاؤنج میں پینٹنگ بورڈ کو اسٹینڈ پہ فٹ کر کے اسٹول پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دو برشز الگ الگ رنگوں سے رنگے ہوئے تھے۔ اس نے لال کی جگہ ہرے رنگ میں لت پت برش بے دھیانی میں گلاب کی آؤٹ لائن پہ پھیر دیا تھا۔ بے ساختہ اس نے سر پہ ہاتھ مارا۔

آج کل اسکا دھیان ہی دوسری دنیا میں ہوتا تھا کام کچھ ہوتا تھا کر کچھ اور رہی تھی۔ حلیمہ بی اگر اسے کچھ کہتیں آدھی بات سمجھ آتی آدھی پھر انکے ہاتھ ہلانے پہ واپس پوچھتی۔

"رومائزہ جس کو سوچ رہی ہو دفع کرو اسے۔ محبت کچھ نہیں ہوتی سب وقتی لگاؤ ہوتا ہے۔" برش کو کان پہ پھنسائے وہ چکر کاٹنے لگی۔

"اللہ مجھے اس مشکل سے نکال دے ساری امیدیں تجھ سے ہیں میرے مالک۔ خیر کر دے میرے لیے۔" بے بسی سے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

باہر گاڑی کی آواز بھی وہ اپنی جھنجھلاہٹ میں سن نا سکی۔ تیز تیز قدم لے رہی تھی کہ بے ساختہ کسی سے تصادم ہوتے بچا۔ اس نے سر اٹھایا وہم سمجھ کے سر جھٹکا۔ پر جب وہ حقیقت میں جگہ بناتا صوفوں کی طرف بڑھا تو اسکی آنکھوں میں بے یقینی اتر آئی۔

صرف سوچا تھا اور وہ حاضر ہو گیا تھا۔ ابھی تو وہ آیا تھا... ہاں ابھی چھے دن پہلے۔ پر دل میں خوشی کی کلی پھوٹی تھی۔

"زرا مجھے بھی تو دکھاؤ اپنے ہاتھ کے جلوے۔" صوفے کی ٹیبل کی طرف سے مڑ کے وہ اسٹینڈ کے پاس آیا۔ خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا اور جب تھوڑی سہلاتے پینٹنگ شیٹ دیکھی۔ وہ ہنسا تھا اسکا قہقہہ پورے لاؤنج میں گونجا۔

"کیا ہے؟"

"تم بتاؤ یہ کیا ہے؟ گلاب لال کی جگہ ہرا کب سے ہونے لگا؟" وہ ہنستے ہوئے ہی اسکے پاس واپس آیا رومائزہ ساکت کھڑی اسکی نظروں میں دیکھ رہی تھی۔

"غلطی سے ہو گیا۔" آرام سے کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑنے لگی میران اسکے آگے آیا۔ وہ ذہنی کشمکش کی شکار صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"آج تو لگ رہا یے سورج مغرب سے نکلا ہے۔"اس کے تاثرات پہ چوٹ کرتا وہ بولا۔وہ نہیں چاہتی بے دھیانی میں کچھ الٹا سیدھا اسے بول دے۔پچھلی بار بھی یہی ہوا تھا۔

"چلو تم نے تو نا بولنے کا روزہ رکھا ہے۔پر تمھارے لیے میرے پاس ایک خوشخبری ہے۔"اس نے جینس میں ہاتھ ڈالے۔آج وہ فارمل ڈریسنگ میں تھا۔ناوہ کرتا شلوار نا ہی چادر تھی۔ہاتھ میں سن گلاسز تھے جو اس نے آتے ہی ٹیبل پہ رکھے تھے۔اسکے بدلے حلیے کا جائزہ لینے سے فرصت ملی تو رومائزہ نے اسکی بات پہ غور کیا۔

"کیا خوشخبری؟وہی جو میں چاہتی ہوں؟آزادی؟"ویران آنکھوں میں چمک در آئی۔وہ مبہم سا مسکرانے لگا۔

"جو میں چاہتا ہوں۔بلاوجہ تمھیں یہاں رکھنے کا مقصد نہیں تھا۔جس بنا تمھیں روکا تھا وہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔تمھارے بابا بھی قرض اتارنے والے ہیں۔"

"آہہ... پھر میں کب گھر جاؤنگی؟"خوشی سے وہ چہکی موڈ میں ایک دم بہتری آئی تھی۔

"صرف دو ہفتے!انھی کے درمیان۔"لب ملا کے اسکی آنکھوں میں دیکھتے یقین سے بولا رومانے نظریں نہیں پھیریں۔

"حلیمہ بی نہیں ہیں کیا؟"اس نے کمروں کی طرف نظر گھمائی۔

"آج پہلی بار مجھے اکیلا چھوڑ کے باہر گئی ہیں کسی رشتے دار کی عیادت کے لیے۔"

"اوہ اچھا۔" اس نے گردن ہلائی۔

"زیادہ بنو مت تم کو جیسے پتا نہیں ہو گا۔ ایسے ہی تم انکے جاتے ہی آ گئے۔" اسے گھور کے تیئں چڑھا کے اس نے جتایا۔

"آج ہو سکتا ہے یہ آخری ملاقات ہو فارم ہاؤس کی میں چاہتا ہوں کوئی بحث نا ہو۔ دو تین گھنٹے کے لیے آیا ہوں کیا ہم نارملی بات نہیں کر سکتے؟ آخر کو دشمن تھوڑی ہیں اور مستقبل میں ایک مضبوط رشتے میں بندھ جائیں گے۔" وہ پلک جھپکا کر ایک ہاتھ بازو پہ لپیٹے دوسرا بات کی نسبت ہلا کر بولا۔ رومانے گہری سانس لی اور گنگ ہو کے اسے دیکھا۔ مستقبل میں کیا ہو تا وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اسکو بس اپنے گھر جانا جانا تھا۔

"تو پھر؟" اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"آؤ لان میں چلتے ہیں۔" رومائزہ نے اسے دیکھا وہ باہر سامنے والے حصے کی بات کر رہا تھا جہاں قدم رکھنے کی رومائزہ کی خواہش تھی۔

"ٹھیک ہے۔" سر گھماتی وہ اسکے پیچھے چل دی۔

باہر کسی گارڈ کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھوں سے اتر کے نیچے آئی۔ پیروں سے چپل اتار کے سبز گھانس پہ اس نے قدم رکھ دیے۔ میران نے بھی اپنے جوتے اتار دیے تھے۔ گھانس کی ٹھنڈک دل میں اتر رہی

تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ رومائزہ نے ہر کیاری کے پاس کے پودوں اور درختوں کو دیکھا۔ پھولوں کو پوروں سے چھو کے خوشبو خود میں اتاری۔

کھلی جگہ میں آسمان کی جانب سر اٹھا کے اللہ کا شکر ادا کیا واپس میران کے پاس آگئی جو سیڑھوں کے پاس پلر سے ٹیک لگائے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا اسے پر سکون دیکھ اسکے لبوں میں جنبش ہوئی تھی۔

"فضا میں کتنا سکون ہوتا ہے نا بس ایک ہمارے دل میں طوفان ہر وقت زور و شور سے اٹھا رہتا ہے۔ کبھی ایک خواہش کے پیچھے اسکے حصول کے بعد دوسری چیز کی خواش کے پیچھے۔" سیڑھوں کے دونوں اطراف آخری سیڑھی پہ پلر کھڑے تھے اور اوپر پلر کے ساتھ چھت بنی تھی۔ وہ اسی چھپڑے کے نیچے دوسرے پلر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میران کھڑا تھا اسکی بات سن کے نیچے بیٹھ گیا۔ ہلکی ہلکی ہوا ان دونوں کے سر کے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ میران نے آج دیکھا تھا اسکے بال کندھے سے تھوڑا نیچے آتے تھے جب کہ جامعہ میں جب دیکھا تھا تب اسکے لمبے بال تھے۔ کیا اس نے اس دوران بال چھوٹے کیے تھے؟ یا وہ ہیئر ایکسٹینشن یوز کرتی ہو۔ وہ تھوڑے فاصلے پہ ہی بیٹھی تھی۔

سفید قمیض شلوار پہنی تھی بال کھلے تھے دوپٹہ بھی سفید ہی تھا جسکے گرد سرخ پیکو ہوئی تھی۔

دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا میران نے نظریں ہٹا کے اپنے ہاتھوں کی جانب مرکوز کرلیں۔ پھر دھیمے سے بے خودی میں ہنسا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کونسا رنگ تم پہ سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ہر رنگ میں جچتی ہو۔" نادانستہ طور پہ دل کی بات زبان پہ آہی گئی وہ مسکرا کے اسے دیکھنے لگی آج آزادی کا فرمان سن کے بہت خوش تھی۔ میران کو اسکے بدلے رویے پہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"میرے بابا بھی یہی کہتے ہیں۔ پر سفید رنگ کی بات الگ ہے۔" سامنے کیاریوں میں دیکھتے اپنی ہتھیلی مسلتی روانی میں کہا۔ میران متفق تھا۔

"میں جب چھوٹی تھی میری ممی نے سفید رنگ کی کئی فیری فراکس بنائی تھیں۔ اور میں اتنی جھلی تھی خود کو پری ہی سمجھتی تھی۔ اور پھر جب ہم باہر ملک گئے وہاں سے آئی تھی تو انکا بریٹش ایکسنٹ سیکھ آئی تھی۔ جب بات کرتی تھی تو ممی میری انگلش کی روانی سن کر بہت خوش ہوتی تھیں اور مجھے خود سے لگا لیتی تھیں۔ اس وقت مجھے لگتا تھا ایک چھوٹی سی پری کو اسکی ماں نے اپنی آغوش میں چھپا لیا ہے۔" ماضی میں کھوتے ہوئے وہ سفید رنگ سے نا جانے کدھر نکل گئی تھی۔ میران کو احساس ہوا تھا وہ اپنی ممی کو بہت یاد کرتی ہے۔ آج تو اس نے زکر بھی کر دیا تھا۔

اسکی توجہ رومائزہ کی جانب تھی۔

"لڑکیاں اپنے گھر میں پریاں ہی ہوتی ہیں جو ایک مقرر وقت آنے پہ وہاں سے اڑ جاتی ہیں۔"

"پریاں نازک ہوتی ہیں"!

"پر اگر وہ چاہیں تو اپنی طاقت کا استعمال بخوبی کر سکتی ہیں۔"

"میں اپنی ممی کی بات کر رہی تھی تم کیا بیچ میں لا رہے ہو۔" اسے ٹوک کر خاموش رہنے کا کہا تو ہلکا سا مسکرایا۔

"میں سننے کے لیے تیار ہوں۔ پہلے تم اپنا پاسٹ بتاؤ پھر میں بتاؤنگا۔" دونوں ہی ایک دوسرے کو جاننے کے لیے بے تاب تھے۔ خاص کر میران وہ تو چاہتا رومائزہ اور اسکے درمیان جو دیواریں کھڑی ہیں بے اعتباری کی انھیں ختم کر دے۔

وہ بھی اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی تھی کوئی تھا جو صرف اسکی سنتا تھا تو پھر کیسے خاموش رہ لیتی۔

"میں بابا اور ممی! ہماری ایک مکمل فیملی تھی۔ ہم لاہور میں نہیں رہتے تھے ہماری رہائش اسلام آباد میں تھی۔ ممی کشمیر سے تھیں۔ میری ممی بہت خوبصورت تھیں مجھ سے بھی زیادہ۔ ممی بابا نے میرے بے حد لاڈ اٹھائے ہیں۔ کافی عرصہ ہم اسلام آباد میں رہے جب ہی مجھے اس سے بے حد انسیت ہے۔ اور پھر کاروبار کے لیے بابا لاہور شفٹ ہو گئے۔"

"انکا کوئی اور بھائی بہن نہیں ہے؟"

میران نے مداخلت کی۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ نفی میں سر ہلایا پھر ہاں میں میران سمجھا نہیں۔

"ہیں تو سہی۔ پر وہ باہر ہیں اور کافی عرصے سے لاتعلقی ہے۔ یو نو خاندانی مسئلے بس ہم ملتے نہیں۔"

اس نے بات ٹالی۔

"بابا نے فیکٹری بنائی۔ اور اسی وقت زولفقار جاہ سے قرض لیا ہو گا۔ اسلام آباد میں وہ اچھی پوسٹ پہ ہی لگے تھے۔ پتا نہیں انکو بھی کیا سمائی لاہور چلے آئے۔ شاید ممی جانتی ہوں انھوں نے قرض لیا تھا پر میں تو سب سے نا آشنا تھی۔ میں بارہ سال کی تھی جب ممی ہمیں اکیلا چھوڑ گئیں۔ لاہور انکو راس نا آیا۔" لہجے میں تلخی ابھر آئی۔ میران نے گہری سانس بھری۔ ماحول گھٹن کا شکار ہوا تھا۔

"اب تو انکے بغیر رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ وہ بہت ڈرتی تھیں۔ میں ایک مرتبہ پارک میں کھو گئی تھی بابا بتاتے ہیں کہ انھوں نے رو رو کے برا حال کر لیا تھا وہ مجھے کبھی خود سے دور نہیں کرتی تھیں۔ سب کہتے تھے ناز نے رومائزہ کو ہتھیلی کا چھالا بنایا ہوا ہے۔ انھوں نے مجھے ساری محبت دے ڈالی تھی۔ انکو جانے کی جو جلدی تھی۔"

وہ مسکرا رہی تھی؟ درد چھپا رہی تھی!

"وہ ابھی زندہ ہوتیں تو نا جانے کیسے خود کو سنبھالتیں۔ پر اگر وہ زندہ ہوتیں تو بابا کو بھی زور دیتیں کے قرض اتار دیں۔ ورنہ یہ ہمیں کھا جائیگا۔

پھر انکے جانے کے بعد کچھ عرصہ میں ٹراما میں رہی پھر سوچ لیا خود کو اس فیس سے باہر نکالونگی۔ میں نے کم عمری میں ہی ممی کے جانے کے بعد مارشل آرٹس سیکھی تھی بابا سے بے حد ضد کر کے وہ کہتے تھے تھوڑی بڑی

ہو جاؤ۔ انکے لیے تو میں ہمیشہ چھوٹی ہی رہی۔ پر تیرہ چودہ سال کی لڑکی تھی میں بڑی اسی دن ہو گئی تھی جب میں نے خود کو ٹراما سے نکالا۔

بابا نے ممی کے جانے کے بعد بہت محبت دی۔ ہمارا اسلام آباد والا گھر بہت خوبصورت جگہ پہ قائم تھا پر لاہور میں جو بابا نے اپارٹمنٹ لیا اسکی لوکیشن بھی اچھی تھی اور وہ اندر سے بھی بہت اچھا فرنشڈ کیا گیا تھا۔ مجھے ہر چیز کی خوبصورتی بہت اٹریکٹ کرتی ہے کسی بھی چیز میں خوبصورتی نکال لیتی ہوں۔ وہ گھر میرے لیے جنت سا ہے۔ بابا اور میری کئی یادیں ہیں۔ مجھے وہاں ہی کسی کمرے میں بند کر دیتے تو خوشی خوشی رہ لیتی۔"

اس نے ہنستے ہوئے مزاحیہ طور پہ کہا میران بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا نگاہوں کا مرکز صرف وہی تھی۔ جسکے چہرے ہی شادابی میران کے دل میں پھوار کی طرح برس رہی تھی۔ چلتی ہوا اسکے بالوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ رومانے اسکی طرف چہرہ کیا تو نظریں ٹکرائیں اسکے دل میں ولولہ سا مچا میران کی محبت لٹاتی نگاہوں میں دیکھنا بڑا مشکل کام تھا۔ اس نے پلکیں بچھالیں۔ میران کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ رومائزہ نے سانس بحال کی اسے دیکھا جو مزید سننے کے لیے بے تاب دکھ رہا تھا۔

"پھر اسکول سے کالج،، کالج سے یونی۔ اچھی دوستیں مل گئیں۔ زندگی میں مصروف ہو گئی۔ اور پھر تم آ گئے۔ اور ایک بار پھر زندگی کا بھیانک روپ سامنے آیا۔ اور لاہور مجھے بھی راس نہیں آیا۔"

اپنا ہاتھ اوپر کر کے اس نے ناخن دیکھے اور عام انداز میں کہا میران نے آخری بات پہ سر جھٹکا مسکراہٹ سمٹ گئی۔ سمجھدار لڑکی تھی کبھی کبھی میران کو اسے ساتھ جو ہو رہا تھا اس پہ بے حد افسوس ہوتا تھا۔ کاش کے پہلے ہی سب ٹھیک کر پاتا اسے مزید دکھ ملنے سے بچا لیتا۔ پر آزمائشیں بھی اللہ کی جانب سے آتی ہیں۔ اور نا جانے وہ مزید کتنا آزمائی جاتی۔ اس نے اچھا اور برا وقت دونوں ہی دیکھے تھے۔ اب بھی وہ خود کو سنبھالتی تھی خودداری بہت تھی یہاں رہنا اسے سب سے دشوار لگتا تھا۔ پر اسے یہاں محبت لٹانے والی حلیمہ بی مل گئی تھیں جو اسکے دماغ میں غلط سوچیں ابھرنے نہیں دیتیں تھیں کیونکہ خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔

وہ یہ بات واضح کر دیتی تھی اسے اغوا کر کے نہیں رکھا ہوا مہمان ہے وہ یہاں!

"اور اسی سب میں پینٹنگ کا شوق چڑھ گیا تھا وہ بھی سیکھ لی پھر مہارت آ گئی.... اب تم بتاؤ اپنی کہانی میں کافی بول چکی ہوں۔ اتنی تو میری کوئی سنتا ہی نہیں بڑی بات ہے تم نے سب سن لیا۔" سانس لیتے وہ ہلکا سا اسکی طرف پلٹی جیسے اپنی بات مکمل کر لی ہو۔ میران نے اس پہ نظریں جما دیں وہ اسکا ماضی جاننے میں دلچسپی دکھا رہی تھی۔

"میرے بارے میں جان کر کیا کرو گی۔ کچھ خاص نہیں ہے بتانے کے لیے۔ تمھاری ممی کا سن کے افسوس ہوا اللہ انکی مغفرت فرمائے۔" وہ کہتے ہوئے آستین فولڈ کرنے لگا رومائزہ نے آمین کہہ کر اسے گھورا۔

"یہ غلط بات ہے تم نے میری پوری کہانی سنی اپنا اب بتا نہیں رہے۔ کہانی سب کی ہی خاص ہوتی ہے۔" اس نے پلر سے سر ٹکا لیا میران کی نظر اسکے ہاتھ پہ پڑی وہ اسکی پہنائی انگھوٹی کو تھامے بیٹھی تھی اسکے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی پھر اسکے بے حد اسرار پہ میران بتانے کو راضی ہو گیا۔

" میرے دادا شہوار جاہ وڈیرے جاگیر دار تھے ہم جدی پشتی اچھے دولت مند گھرانے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ سرداری بھی انکو حاصل تھی۔ بہت اچھے انسان تھے کبھی کسی کا حق نہیں مارتے تھے۔ مام کا نام گل تھا۔ جب میں تین چار سال کا تھا وہ اپنی بیماری کی زد میں دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ذولفقار صاحب ان سے بہت محبت کرتے تھے سب نے کافی کہا پر انھوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجھے میرے باپ پہ مان ہے"۔۔۔۔۔

"تم تو بہت چھوٹے تھے۔" وہ گھٹنوں پہ جھکی افسوس سے بولی چہرے پہ دکھ بھی نمایاں تھا اور ہاتھ کے نیچے تھوڑی ٹکا دی میران کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھری۔

"ہاں۔ میری مام کے ساتھ اتنی یادیں نہیں ہیں۔ عمر ہی اتنی کم تھی زیادہ کچھ یاد ہی نہیں۔ بابا نے پہلے ہی سیاست میں دلچسپی ظاہر کی تھی وہ سیاسی سرگرمیوں مصروف رہا کرتے تھے۔"

"تمھیں تنہائی محسوس نہیں ہوتی تھی؟ اگر ایک بندہ بھی گھر کا کم ہو جائے تو بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ اور ماں کی کمی تو بہت محسوس ہوتی ہے۔" اس نے ہنوز اسکی آنکھوں میں دیکھے سوال کیا۔ میران نے شرٹ کا بٹن کھول کالر کر ڈھیلا کیا۔

"ہوں..." وہ اپنی بری یادیں بتانے سے گریز کر رہا تھا۔ ماں کی یاد پہ بند کمرے میں کس قدر روتا تھا۔

"میرے باپ نے میرے آگے دنیا جہاں کی نعمتیں لا کر رکھ دی تھیں کہ مجھے کسی چیز کی کمی نا ہو۔ پر ماں کہ کمی تھی جو کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ لیکن وقت سب کا استاد ہے سب بھلا دیتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کسی بھی سوچ کو لمبے عرصے تک اون نہیں کر سکتا۔ خیالات بدلتے ہیں۔ کوئی نا کوئی ہوتا ہے جو آپکو برے وقت سے باہر نکال لے آتا ہے اور اگر کوئی نا ہو تو خود کو شش کرنی پڑتی اور جو ایسا نہیں کرتے وہ وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں۔ میں زولفقار جاہ کا بیٹا اور شہوار جاہ کا پوتا تھا"....

"ہاں مغرور تو تم بچپن سے ہی ہو گے۔" آنکھیں گھما کر جب وہ بولی تو وہ ہنسی پہ قابو نا کر سکا۔ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی۔

"شکر تم نے یہ نہیں کہا مرد روتے نہیں۔"

اسے دلکشی سا ہنستے دیکھ کر وہ بولی۔ پرکشش مسکراہٹ تھی سامنے والے پہ اپنا اثر چھوڑ دینے والی!

"میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا"!

"وہی تو شکر تم نے خود کو بچہ ہی سمجھا۔" وہ اپنے حساب پورے کر رہی تھی۔

"اے پی جماعت کے لیڈر ذولفقار صاحب نے بہت جوش و جذبے سے عوام کی خدمت کے لیے یہ جماعت بنائی اور کئی الیکشن لڑے۔ کافی محنت بھی کی۔ کامیابی بھی ملی پر جلد ہی شیطان پیروں سے چمٹ گیا اور اب تک چمٹا ہی ہے۔" اسکے آگے اس نے خاموشی برت لی۔

"پر وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ میرے باپ نے مجھے کسی قدم پہ تنہا نہیں چھوڑا دادا کے بعد تو وہ مزید قریب ہو گئے تھے۔ ہم باپ بیٹوں کی بہت بنتی تھی۔ بڑا ہوا پھر میں تعلیم کے لیے باہر چلا گیا واپس آیا تو دادا کے بزنسز کو مزید بڑھایا اپنے دم پہ اپنے لیے بھی کافی کچھ کیا۔ پر کچھ زندگی میں چھوٹ رہا تھا۔ مزہ نہیں آرہا تھا۔ ایک دن مزار پہ راشن کی تقسیم کی تھی اس وقت جو مجھے خوشی ملی مجھے اپنا راستہ دکھائی دیا۔ پھر بابا کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا شروع کیا پر انکی سیاست کی دنیا الگ تھی۔ میں شہوار جاہ کا پوتا اس میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتا تھا مجھے سب غلط لگتا تھا۔ جو کام میرے باپ نے کرنا بھلا دیے انکی ذمہ داری میں نے لی اور صوبے کے لیے کام کرنا شروع کر دیا اور کرتا رہونگا۔"

اپنی بات مکمل کر کے اس نے سیڑھی کے فرش پہ ہاتھ جما دیے۔ ہوا کے ساتھ دھول بھی اڑنے لگی تھی۔

رومائزہ کو بیٹھنے میں دشواری ہونا شروع ہوئی پر اس نے گہری سانسیں لے کر خود کو نارمل رکھا تھا۔

"اور ہاں پھر ایک لڑکی میری زندگی میں آئی جس نے پہلے میری سوچوں پہ قبضہ کیا پھر میرے دل پہ! مجھے چاروں شانے چت ہی کر دیا۔" مزید یاد آنے پہ وہ سامنے نیلے آسمان پہ بکھرے سفید بالوں کو دیکھتے بولا۔ روما نے سر جھکا لیا۔ بالوں کی کچھ لٹیں کان کے پیچھے سے چہرے پہ گریں اس نے انھیں پیچھے کیا۔ میران نے چہرہ اسکی طرف موڑ کے دیکھا۔

"میں نے تو چاہا تھا اسکے گھر والوں سے رشتے کی بات کرونگا۔ میں زولفقار صاحب سے بھی بات کرنے والا تھا پر اس سے پہلے ہی ایسے واقعات پیش ہوئے کہ سب بگڑ گیا۔ تمھیں کوئی تکلیف دے وہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

اسکے قریب عجیب سے سحر کا حصار کھینچ کے وہ بولا۔ وہ چپ رہی۔

"اگر مام ہوتیں تو مجھے یقین ہے وہ سب ہینڈل کر لیتیں۔ بابا تمھارے لیے کچھ بھی غلط نہیں سوچتے۔" وہ باپ کی انا کا سوچ شرمندگی سے گویا ہوا۔ دونوں ہی ایک ہی کشتی کے مسافر تھے۔ بن ماں کے پلنے والے۔ ایک دوسرے کو دلاسہ دینے کے لیے دونوں کے پاس لفظ نہیں تھے۔ دونوں نے ہی ماضی ایک دوسرے پہ عیاں کر دیا تھا۔

"تمھیں کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی؟"رومائزہ کو لگا زندگی کا سب مشکل سوال اس نے پوچھ لیا ہے۔ اگلی سانس بمشکل لی۔

"کبھی کسی کے بارے میں ایسا سوچا ہی نہیں۔" سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر کوئی محبت کرے تم سے پھر؟"

"تم کہتے ہو محبت کرتے ہو۔ جواب بھی تم کو معلوم ہو گا۔ بتاؤ کیا ملا مجھ سے محبت کر کے؟خواری،، میری بے رحمی؟"

"نہیں۔ محبوب محبت کی خاطر تھوڑی محنت کرلے تو خواری نہیں کہہ لاتی۔ محبوب کے لیے تو سینکڑوں چکر بندہ خوشی خوشی لگالیتا ہے۔ میں تو خوش نصیب ہوں جس کو بار بار دیدارِ یار نصیب ہو جاتا ہے۔ تمھاری بے رحمی کا شکوہ نہیں ہے تمھاری حالت سمجھ سکتا ہوں مشکل وقت سے گزر رہی ہو ہر اتنا کہونگا جو آپکے مشکل وقت میں ساتھ ہو اسے کبھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔ کاش یہ سب جھنجھٹیں نا پلی ہوتیں میں سیدھا تمھیں فوراً اپنا لیتا تم آج جاہ بنگلے کی مکین ہوتیں اور مجھے یقین ہے اس وقت انکار کی تمھارے پاس کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی۔ متاثر تو تم تھیں مجھ سے، میران جاہ سے۔"وہ مسکرا کے سن رہی تھی آخری بات پہ سر نفی میں ہلایا۔"جی نہیں"!

"تم بھی اگر محبت کرلو آگے راستہ آسان ہو جائیگا۔ پر تم ہو کہ"....

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ سننا چاہتا تھا کہ وہ بھی دل ہی بات زبان پہ لے آئے۔

"تم مجھے اچھے اور برے دونوں لگتے ہو۔ پر مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔"

وہ سنبھل کے نظریں چرا کے بولی۔ وہ اسکی سوچوں کا مرکز بن چکا تھا پر ان احساسات کو اس نے کوئی نام نہیں دیا تھا وہ ڈرتی تھی کہیں وہ اسکی سوچیں نا پڑھ لے۔

"مجھے تمھیں شکریہ کہنا ہے۔ تمھیں لگتا ہے میں اپنے علاوہ اور کسی کا نہیں سوچتی میں مجبور ہوں حالات ہی ایسے ہیں۔ کسی پہ یقین کرنا مشکل ہے پر تم پہ یقین کرتی ہوں۔ اگر اس دن تم وقت پہ نہیں پہنچتے تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔ تم نے مجھے تحفظ دیا ہے اپنے بابا کے شر سے بچایا۔" وہ اسکی مشکور تھی۔

اس نے آہستہ بے حد دھیمی آواز سے کہا میران کا شکریہ ادا کرنے میں اسکی انا ہمیشہ آڑے آتی تھی۔ پر آج جب اتنا دل کھول دیا تھا تو جاننے کا بھی وہ حق رکھتا تھا۔ جانے سے پہلے وہ شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی اسکا ہر قرض اتار دینا چاہتی تھی۔ میران اسکی بات پہ بے تاثر ہی رہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی رومائزہ جو کھانسی کا ٹھسکا بڑی مشکل سے روکے بیٹھی تھی زیادہ دیر روک نا سکی اس نے بری طرح کھانسا شروع کر دیا۔

"تم کو بیٹھنا ہے تو بیٹھو میں مزید نہیں بیٹھ سکتی۔"

پھندوں کے درمیان بڑی مشکل سے اس نے کہا اور منہ پہ ہاتھ رکھ کے واپس اندر بھاگی۔ اور یوں اتنی تفصیلی بات صرف اسکے ایک پھندے پہ ختم ہو گئی۔

میران اسکے پیچھے اٹھا تھا۔ اندر آیا تو اسکے چہرے پہ دوپٹے کا نقاب تھا۔ ماسک ختم ہو گئے تھے۔

سفید نقاب سے گہری بھوری آنکھیں جھانک رہی تھیں جن کے کناروں پہ موتی جما تھے۔

"چائے پیو گی؟"

"تم بناؤ گے؟" نقاب سے جھانکتی آنکھوں نے حیرانی سے پوچھا۔ اس نے ہاتھ سے ہی نقاب کو روکا ہوا تھا۔ میران نے سر اثبات میں ہلایا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"ایک بات بتاؤ تم نے یہ فلاسفی کہیں سے سیکھی ہے؟"

"کونسی فلاسفی؟"

"عشق معشوقی کی.." ہاتھ بلند کرتے وہ بھنوو چڑھا کے بولی میران ساکت نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"معشوقی؟ فضول تم ناہی بولا کرو۔"

معشوقی لفظ اسے غیر مہذب لگا تھا جب ہی چڑ کے بولا۔

"تم تو برا ہی مان گئے۔" وہ کاؤنٹر کے ساتھ ٹک کر کھڑی تھی۔ میران نے ساس پین میں پانی اور چینی پتی ڈال دی تھی۔

" تم نے اس دن اسپیچ بہت اچھی کی تھی۔"

"ہاں مجھے پتا ہے جب ہی جیتی بھی تھی۔ لیکچر دینے کا تو ویسے بھی بہت ہی شوق ہے۔"

"لمبے لیکچرز کی تم کو بھی ضرورت ہوتی ہے جب تک ملتا نہیں تمھاری عقل ٹھکانے نہیں لگتی۔" اسکے چوٹ کرنے پہ وہ سمجھ گئی کس لیے بول رہا ہے۔

وہ انجان بنتی تھی۔

"کچھ دنوں کے لیے اٹلی جا رہا ہوں۔ تمھیں تمھارے بابا کے پاس چھوڑ دونگا اس عرصے کے لیے۔ واپس آ کے نکاح کرونگا۔ میں چاہتا ہوں تم اپنی رضامندی سے پورے دل کے ساتھ اس رشتے کو قبول کرو۔ ہم دونوں کی منزل نکاح ہے۔" اسکی طرف بڑھتے ہوئے میران نے اپنے ارادے بتائے۔

"اور اگر راضی نا ہوئی تو زبردستی نکاح کرو گے؟" اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنجنگ انداز میں پوچھا۔

"اگر یہی کرنا ہوتا تو تم ابھی میرے نکاح میں ہوتیں۔ میرے پاس سارے اختیارات موجود ہوتے۔ پر ایسا کچھ نہیں ہو گا مجھے میری محبت پہ یقین ہے۔" وہ پورے وثوق سے اسکی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے بولا تھا روما ئزہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہوئی۔ کیا اسکے دل میں لگی آگ سے وہ واقف تھا؟ ابھی تو وہ خود بھی کچھ قبول نہیں کر پائی تھی۔

"تیار رکھنا خود کو سب بھلا دینا جامعہ کی ملاقات کے بعد جو کچھ ہوا۔ مشکل ہو گا پر کرنا پڑے گا۔ سب تمہارے لیے کیا گیا ہے با خدا میں تمہارا مجرم نہیں ہوں۔ خوشی سے تم کو ادھر نہیں رکھا میں نے۔ اور مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ تم نے بنا کسی جھجھک کے میرے سامنے اپنا ماضی کھول کے رکھ دیا۔ اس قابل تو سمجھتی ہو مجھے۔" پلٹ کر کہتا وہ چولہے کی طرف بڑھ گیا اسکا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ روما اسکی پشت دیکھتی رہی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی آگے کیا فیصلہ کرے گی۔ کب تک دل پہ و دماغ پہ پہرا بٹھا سکتی تھی۔ اپنی جگہ غلط وہ بھی نہیں حالات نے اسے بھی مجبور کیا تھا۔

"ہر محبت کی منزل نکاح نہیں ہوتی۔ بعض محبتیں درمیان میں ہی دلوں میں رہ جاتی ہیں ایک کنارہ کر لیتی ہیں۔" وہ دم سادھے قدرے تلخی سے بولی۔ میران نے ساس پین ہلا کر اسے دیکھا۔

"بلکل۔ پر ہم ان 'کچھ' میں سے ہونگے جن کی منزل نکاح ہے۔" اس نے باور کیا۔ وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"چینی کتنی؟"

"تم پہلے ہی ڈال چکے ہو!" آنکھیں چھوٹی کر کے پین کی طرف اشارہ کرتے کہا تو وہ ہنس دیا۔

وہ اپنی انگھوٹی کو مسلسل انگلی میں گھمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسکے ہاتھ میں انگھوٹی اب بھی تھی میران کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔

"ویسے میں نے تمھیں ایسے ہی انگھوٹی پہنادی۔"

"ہاں تو۔ زبردستی پہنائی ہے تم نے"!

"تو یہ کہ لڑکیاں چاہتی ہیں کہ کوئی انکو اچھے سے پرپوز کرے۔" اب وہ یقیناً اسے زچ کر رہا تھا۔

"پتا ہے میرے کلاس فیلو نے بھی ایسا ہی کچھ کیا تھا۔ بلکہ وہ مجھ سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر پتا ہے میں نے کیا کیا"!

"میں نے اسکے منہ پہ تھپڑ مار دیا۔ کیونکہ وہ مجھے بار بار پریشان کرتا تھا۔ سوچ لو تم بھی!" اس شیرنی کی دھمکی سے وہ ڈرنے ہی کہاں والا تھا۔

"کام تو تم نے بہت اچھا کیا۔ تمھارا یہی ایٹیٹیوڈ مجھے پسند ہے"!

وہ مصروف سا بولا کبرڈ سے کپ نکال کے سلیپ پہ رکھے۔ اس نے گردن موڑ کے دیکھا تو وہ اسکی بات پہ کھکھلا کے ہنس رہی تھی۔

پہلی بار اسے اتنا خوش دیکھا تھا۔ سر جھٹک کے وہ چائے نکالنے لگا ہونٹوں کی تراش پہ مسکراہٹ جما ہوگئی۔ روما نے ہنستے ہوئے اسکی پشت کے چوڑے شانے دیکھے۔ کچن کے ماحول کی ٹھنڈک میں اسکی کھلکلاہٹ نے جیسے اضافہ ہی کردیا تھا۔

کوئی ایسی راہ پہ ڈال مجھے

جس راہ سے وہ دلدار ملے

کوئی تسبیح دم درود بتا

جسے پڑھوں تو میرا یار ملے

چائے کا کپ اسکی جانب بڑھاتے دلکشی سے مسکرایا۔ روما نے ہنستے ہوئے ہی کپ تھام لیا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں۔ کتنے دن بعد کھل کے ہنسی تھی۔ اسے خوش دیکھ میران دوسرا کپ اٹھاتا ناک شہادتِ انگشت سے رگڑ کے مسکراہٹ دباتا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔

وہ دل کو مٹھی میں قید رکھنے والا بندہ کسی کی محبت میں یوں گرفتار ہوا کہ دل مٹھی سے کب نکلا معلوم ہی نا ہوا،،

اگر وہ جھلی تھی تو میران وہ سمندر تھا جو اسکی تمام شوخیوں کو خود میں بھینچ لینا چاہتا تھا۔بے شک اس نے محبت کا اعتراف نہیں کیا تھا یا شاید اسے محبت ہو ہی نا پر اسکے جذبات وہ سمجھ گیا تھا۔اب اسکے اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔اس لڑکی نے آرام سے اپنا ماضی اپنے احساسات سب اسے سنا ڈالے تھے۔

دیڑھ ماہ کی مسافت کے بعد میران کے مطابق منزل اب بے حد قریب تھی۔

کھڑکی سے گرزتے دھوپ سیدھی بیڈ پہ گر رہی تھی۔کئی کتابیں بیڈ پہ پھیلی تھیں اور وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے انوش سے باتوں میں محو تھی۔

"مبارک ہو تم کو۔"فون کی دوسری پار سے انوش کی خوشگوار آواز سنائی دی تھی۔عائشے نے اسے اتنا بتا دیا تھا کہ مراد اور اسکے درمیان سب ٹھیک ہو گیا ہے۔

"اب باقی گھر والوں کی ٹینشن مت لینا تم۔آہستہ آہستہ وہ سب بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔میں نے کہا تھا نا کہ مشکل وقت گزر جائے گا۔"منہ میں گول گپا رکھتے اس نے کہا۔عائشے اسکی آواز پہ بدمزہ ہوئی۔

"پہلے کھالو پھر بول لینا۔ یہ بتاؤ سر نے جو اسائمنٹ دیا ہے کب تک جمع کروانا ہے؟"

"ایک ہفتے کا ٹائم دیا ہے آرام سے بنالیں گے۔ اچھا تم وہ بات بتاؤ جو تم یونی میں بتانے لگی تھیں۔" اس نے پھر گول گپے کے پانی میں گول گپہ ڈبویا تھا اور منہ میں رکھا۔ عائشے اسکے یاد دلانے پہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میری بات کو سیریس لو گی اور غصہ بلکل نہیں کرو گی!" اس نے انگلی اٹھا کے کہا جیسے انوش فون کے پار نہیں سامنے بیٹھی ہو۔

"تمھاری بات پہ ڈیپینڈ کرتا ہے۔ چلو بتاؤ،، کہیں محمل کی بات تو نہیں؟" اس نے اچھنبے سے پوچھا۔

"نہیں،، اسکو تو میں اب خود ہینڈل کر لونگی۔ میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ ابھی کچھ دن پہلے سوات جب گئی وہاں۔" وہ ناخن چبانے لگی۔

"تو؟" انوش نے آنکھیں چڑھائیں۔ عائشے نے سانس فضا کے سپرد کی۔ اس نے رومائزہ اور انوش کو بچپن کا واقعہ نہیں بتایا تھا نا ہی وہ اس خواب کا ابھی اس سے ذکر کرنے والی تھی۔ اسکا بھیانک ماضی صرف اسکا شوہر جانتا تھا۔ کبھی روما اور انوش کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اسے معلوم تھا اگر وہ بتا بھی دیتی تو اسکی دوستیں اسکے ساتھ کھڑی ہوتیں۔ پر وہ ماضی کو ادھیڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

عائشے نے کچھ دیر سوچا۔ یہ دوسری رات کا خواب تھا جو وہ بری طرح حواس باختہ سی اٹھی تھی۔

"یار میں نے ایک بہت برا خواب دیکھا تھا۔ اور تمھیں پتا ہے میرے خواب تقریباً سچائی کا روپ دھار لیتے ہیں۔"

"کوئی آستانہ لگا کے بیٹھ جاؤ تم۔ یار بتا بھی دو کیا دیکھا۔ اور رہنے دو تمھارے خواب سچ ہو جاتے ہیں۔" اسکی نقل اتار کے انوش نے کہا عائشے نے تیوری چڑھائی۔

"ہوا تھا جو شادی والی رات دیکھا تھا ایسا ہی تھا کہ وہ روغن مجھے چھوڑ رہا ہے۔ اور دیکھو کیا ہوا تھا۔"

"اتفاق بہن اتفاق! اکثر ہو جاتا ہے اللہ سگنلز دے دیتا ہے اچھا چلو اپنا خواب سناؤ۔"

"یار مجھے لگتا ہے روما کسی مشکل میں ہے۔"

"واٹ؟"

"میں نے اسے ایک بند کمرے میں دیکھا اور ایک جھری میں سے سفید روشنی آرہی تھی اور وہ روشنی کسی کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ جس کرسی پہ بیٹھی تھی اسکے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔ اور وہ...." اس نے سٹکی نگلی۔

"بولو..." انوش کو تجسس ہوا۔

"وہ پتا ہے کون تھا! میران جاہ۔" اس نے ناخن چبائے دوسری پار انوش کا قہقہہ گونجا عائشے نے دانت پیس کے فون دیکھا۔

"یار میں سیریس ہوں بہت۔ اسکے بعد سے یہ سوچ کے میرا دل بھی خراب ہوتا ہے۔ روما سے کوئی کانٹیکٹ نہیں ہمارا پتہ نہیں وہ کیسی ہو۔ انکل بھی زیادہ کچھ نہیں بتاتے۔"

"یار عائشے کیا ہو گیا وہ صرف ایک خواب ہے۔"

"ہاں تو ایسا خواب کیوں آیا۔ چلو آ گیا پر میران جاہ ہی کیوں نظر آیا۔ وہ ایک مشہور سیاستدان ہے ہم غریبوں کے خواب میں اس طرح کیوں آئے گا؟"

"یار ایسا ہو جاتا ہے۔ سوات جانے سے پہلے ہماری میران جاہ سے ملاقات ہوئی تھی نا۔ وہی تمھارے ذہن میں ہو گی جب ہی ایسا خواب آیا۔"

"نہیں انوش۔ میرا دل نہیں مانتا۔ مجھے شادی سے پہلے بھی خواب ہی آیا تھا اور ویسا ہی ہوا۔"

"عائشے ہم جو سوچ رہے ہوتے اکثر وہی سب ہمیں خواب میں دکھتا ہے۔ میں نے تم کو ایک لڑکی کے اغوا ہونے ناول کی کہانی سنائی تھی تم نے سب ایمیجن کر لیا ہے اور کچھ نہیں۔ الٹا سید حامت سوچو۔ میں احتشام انکل سے ملنے جاؤنگی روما کی خیریت پوچھنے بسس۔"

"اچھا..." اسکا اتنا سمجھانے پہ وہ خاموش ہو گئی پر دل کو تسکین نہیں ملی تھی کچھ بھی برا ہونے سے پہلے اسکا دل عجیب وسوسوں کا شکار ہوتا تھا۔ جس دن اسکا نکاح تھا خواب دیکھنے کے بعد وہ ذہنی کشمکش کی شکار تھی۔ پر انعم

بیگم نے اسے سمجھا بجھا دیا تھا کہ تھکن کی وجہ سے الٹے سیدھے خواب آجاتے ہیں اور اب چند دن تک وہ اپنے معاملات میں الجھ کر یہ خواب بھول گئی تھی پر چونکہ مراد اور اسکا تعلق مزید بہتر ہو گیا تھا الٹی سیدھی سوچیں سوچنے کو ختم ہو گئی تھیں تو رومائزہ والا خواب بے وقت یاد آنے لگتا۔

انوش نے فون رکھ دیا تھا کافی دیر کے مراقبے سے وہ باہر نکلی۔ رومائزہ کو لے کر فکر مند وہ بھی ہوئی تھی۔

"افففف... اللہ ہم تینوں دوستوں کی حفاظت فرما۔" خیالوں کو جھٹک کے وہ واپس گول گپوں میں لگ گئی تھی۔

زرپاش نے عائشے کو کچن میں بلایا تھا اب وہ گھر داری سیکھ رہی تھی۔ زرپاش اسے ہدایتیں کر رہی تھیں اور اسکا سر مسلسل اثبات میں ہل رہا تھا کہتے ہوئے۔ "جی آنٹی.. اوکے آنٹی... سہی سہی.... میں سمجھ گئی آنٹی۔"

آلو گوشت کے لیے پیاز فرائی کر کے انھوں نے پین ایک طرف کیا تھا۔ عائشے نے سنہری بھوری پیاز الگ ڈش میں نکالی اور گرم تیل والا پین سنک میں ڈال کے اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی کا نل کھول دیا۔ گرم تیل میں پانی گرنے کی دیر تھی پانی کا ناچ شروع ہو گیا سب دھواں اڑاتا شور مچا کے چھلکنے لگا۔ عائشے چیخ مار کے پیچھے ہٹی۔ زرپاش بھی گھبرا کے اسکی طرف متوجہ ہوئیں۔ سنک میں پڑے پین کو دیکھا نل سے پانی بہتا پین میں گر رہا تھا ارد گرد دھواں جمع ہو گیا۔ پین جب ٹھنڈا ہوا زرپاش صاحبہ نے جا کے نل بند کیا ایک نظر عائشے پہ ڈالی جو ہکا بکا ڈانٹ سننے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تیل میں پانی گرنے سے ایسا تہلکا کچن میں مچ جانا ہے۔ پتا تو تھا گرم تیل میں پانی گرنے سے کیا ہوتا ہے پر اس وقت بے دھیانی میں کچھ سوچا ہی نہیں۔

"گرم تیل سے لت پت پین پہ پانی نہیں ڈالتے۔ تھوڑی تو عقل استعمال کر لیتیں۔ صرف وہی کرو جو میں کہوں ورنہ کیا سے کیا کر دو گی۔ حد ہوتی ہے اتنا بھی معلوم نہیں۔" اسے ڈانٹتے ہوئے آخر میں وہ بڑبڑائیں عائشے کی سٹی گم ہو گئی۔ باقی پھر وہ چپ چاپ انکے ساتھ لگی رہی اور تھک کے کمرے میں آ کے اوندھے منہ بیڈ پہ گر گئی۔

آنٹی کی ڈانٹ دل پہ لگی تھی اس نے فوراً انعم کو فون لگایا۔ چند بیلز کے بعد کال ریسیو ہو گئی تھی۔

"آ گئے تمھارے سسر؟ اور کل کھانا کیسا بنایا؟" انکا سوال سنتے ہی اسکا منہ اتر گیا۔ اور پھر اس نے الف سے یے تک پوری کہانی سنا ڈالی۔

"امی انھوں نے اتنا ڈانٹا ہے مجھے۔ بندا تھوڑا تو لحاظ کرتا ہے۔" منہ بسورے وہ بتانے لگی۔ انعم نے فون پہ ہاتھ جمایا۔

"اس میں برا لگنے والی کونسی بات ہے؟"

"پر امی..." اس نے بات درمیان میں کاٹی۔

"میں تمھیں نہیں ڈانٹتی کیا؟ ماں اگر اولاد کو ڈانٹ دے تو مسئلہ کیا ہے! اولاد کی اصلاح ہی کر رہی ہوتی۔ تم انکو ساس کے علاوہ ماں کے طور پہ دیکھو پھر تمھیں کوئی شکوہ نہیں ہو گا۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں عائشے کی طرف سے کوئی جواب نا آنے پہ مزید کہا۔ وہ غور سے سن رہی تھی۔

"عائشے میری سنو اب تم بیاہ دی گئی ہو اس گھر کو اپنا سمجھو ان سب کی ہو جاؤ اور انکا اپنا بنالو۔ ایسے تم بات بات پہ مجھ سے شکایتیں کرو گی تو تمھارا رشتہ خراب ہو گا۔ جن رشتوں میں بیٹیاں ماؤں کو درمیان میں لاتیں اور مائیں اگر سمجھداری کا مظاہرہ نہیں کرتیں تو رشتے بگڑتے ہیں۔ ہم نے تم پہ اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کیے۔ پر اب اصلی گھر تمھارا وہ ہے تم کو جیسے میری ڈانٹ سننے کی عادت ہے میرے ڈانٹنے کا برا نہیں لگتا کیونکہ مجھے حق حاصل ہے ایسے ہی وہ بھی ڈانٹ دیں تو منہ مت پھلاؤ۔

صرف اگلا ہی رشتوں کے استحکام کے لیے نہیں بدل سکتا ہمیں خود کو بھی بدلنا پڑتا ہے۔" عائشے غور سے انکی نصیحتیں سن رہی تھی جب وہ خاموش ہوئی تو مسکرا دی۔

"تھینک یو امی۔" اس نے اتنا ہی کہا انعم مسکرا دیں انکی بیٹی سمجھدار ہو گئی تھی فوراً ہی سمجھ گئی۔

"بیٹا گھر بسانے کے لیے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ شادی کے شروع کے سال تھوڑے مشکل ہوتے ہیں پر اگر لڑکیاں سسرال میں گھل مل جائیں تو باقی زندگی آسانی سے کٹ جاتی ہے۔"

" سمجھ گئی امی میں سب۔ اور مجھے یہ سب پتا تھا میں نے تو بس آپکو ایسے ہی بتا دیا۔" اس نے سر کھجایا انعم بیگم ہنس دیں۔

"اچھا چلو میں فون رکھتی ہوں پڑوس میں جانا ہے انیسہ کی بیٹی کی آج منگنی ہے۔ تمھیں بھی وہ یاد کر رہی تھی۔" وہ گود میں کپڑے پھیلائے ہی بیٹھی تھیں۔

"اوہہ... میری طرف سے مبار کباد دے دیجئے گا۔ اللہ حافظ۔" کال منقطع کر دی اور آرام سے بیڈ پہ سیدھے بیٹھ کے موبائل میں لگ گئی۔

زرپاش فارغ ہو کے کمرے میں داخل ہوئیں ارباز دمیر خبریں سن رہے تھے۔ زرپاش نے آتے ہی عائشے کے متعلق بولنا شروع کر دیا تھا۔ ارباز صاحب لب دبائے بیوی کی سنتے رہے پھر سائڈ دراز سے اپنا چشمہ اٹھا کے ناک پہ بٹھایا۔

"بچی ہے سیکھ جائے گی آپ اتنا غصہ مت کریں۔" ارباز نے تسلی دی زرپاش صاحبہ بیڈ پہ بیٹھ گئی تھیں پیٹ موڑ کے انھیں دیکھا۔

"غصہ نہیں بس ذکر کر رہی ہوں۔" انھوں نے تصیح کرتے کہا۔

"آپ اتنی سخت ساس بنیں گی مجھے امید نہیں تھی۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ آپ سے ڈرتی آپکے کچھ کہنے پہ گھبرا جاتی ہے۔ ایسا وہ ہمارے ساتھ تو نہیں کرتی۔" انھوں نے اسکرین سے نظریں پھیر کے انکے چہرے پہ مرکوز کر لیں۔ جامنی کاٹن کے سادھے سے جوڑے میں ملبوس تھیں بھورے لال مکس بال تھے جو کیچر میں مقید کیے ہوئے تھے۔

"بلاوجہ ڈرتی ہے میں نے اسے کچھ کہا ہی کہاں ہے۔"

"خیر جو بھی ہو میں چاہتا ہوں عائشے کو وہی عزت ملے جو مراد کی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ اسکے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اور آپ کا کل بھی اسکے کافی روکھا سوکھا رویہ تھا اور سجل نے تو حد کر دی۔ یہ لڑکی مجھے ملے تو میں اس سے بات کروں۔ کل محب موجود تھا اس نے بھی نوٹ کی ہو گی یہ بات۔" وہ ذرا آگے کو ہوئے زرپاش نے لب ملا کے سامنے دیکھا پھر اٹھ کے بیڈ کراؤن کے ساتھ لگ کے بیٹھیں۔

"ہمم... آپ پریشان مت ہوں۔"

"اچھا میں کیا کہتا ہوں عائشے کے والد اور والدہ کو ڈنر پہ بلا لیں؟ ملاقات ہو جائے گی۔ تا کہ سب جان لیں عائشے ہی اس گھر کی بہو ہے۔" انکے آخری اشارے پہ زرپاش نے گھور کے ارباز کو دیکھا۔

"میں محمل کو لے کر پریشان تھی، میری اسے ہی بہو بنانے کی خواہش تھی۔ میں نے ہی اسکے دل میں مراد کا نام ڈالا اور پھر جب عائشے آئی تو مجھے برا لگا اس نے جیسے میری بھانجی کا حق مار لیا ہو۔ غلطی میری بھی ہے مراد کی مرضی کے بغیر محمل کو اسکے خواب نا دکھاتی۔ کیا کرتی عقل پہ محبت کا پردہ ڈلا تھا اکلوتی بھانجی بن ماں کی بچی ہے۔"

"یہ سب ٹھیک ہے پر عائشے کو اسکا حق دیا جائے۔"

"ارباز صاحب آپ نے تو مجھے ہٹلر سمجھ لیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"چلیں یہ تو اچھی بات ہے آپ نے دیکھا ہے وہ سب کا خاص کر آپکا دل جیتنے کے لیے کتنی محنت کر رہی ہے۔" مسکرا کر انھوں نے ٹی وی چینل تبدیل کیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ کل جو اس نے اپنی چھوٹی سی کاوش کی مجھے پسند آئی۔ اور پھر ابھی بھی میرے ساتھ لگی رہی جلد ہی سب سیکھ جائیگی۔ اور عائشے کی فیملی کو مراد کی فراغت کے دن کے حساب سے ڈنر پہ بلا لینگے۔" وہ چہرا سائڈ ٹیبل کی طرف کیے ہوئے تھی ارباز انکی آنکھوں میں دیکھ نا سکے۔ انکے کہنے پہ تبسم ہونٹوں پہ جمع ہو گئی۔

رومائزہ بہت اٹھلائی اٹھلائی پھر رہی تھی۔ کافی دیر سے گنگنا رہی تھی حلیمہ بی کی نظروں سے اسکی خوشی بے پردہ نا تھی۔

"آج تو محترمہ کے مزاج الگ چل رہے ہیں۔" سوئیٹر بنتے انھوں نے کہا اسکے لبوں کی مسکراہٹ مزید پھیل گئی۔

"حلیمہ بی یہ گھر جانے کی خوشی ہے۔" آنکھیں مٹکا کے وہ بولی۔

"اور کوئی وجہ ؟" انکی گہری نظریں اسے کنفیوز کرنے لگیں۔

"نہیں۔ اسکے علاوہ اور کیا بات ہونی ہے۔"

"وہی جس بات کو سوچ سوچ کے مسکرا رہی ہو۔ بلکہ جس شخص کو سوچ کر مسکرا رہی ہو۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے حلیمہ بی۔" اس نے سرے سے صاف انکار کیا۔

"میری آنکھوں میں دیکھنا زرا۔ یہ تمھارا چہرا اچانک اتنا گلابی کیسے ہو گیا؟" انکی تجربہ کن نظروں سے وہ بچتی بچاتی کھڑی ہو گئی اور کمرے سے نکل کے اپنے کمرے میں آگئی جواب تھا ہی کہاں اسکے پاس۔

"مانا وہ ہینڈسم ہے سب کا آئیڈیل ہے تو کیا محبت ہو جائے گی اس سے؟ وہ کرتا ہے ناکافی ہے میرے محبت کرنے سے کیا ہو گا۔ نہیں نہیں میرا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔" وہ بار بار دہرا کے ذہن نشین کر رہی تھی پر دل یہ بات مان لیتا کیا۔ رٹی رٹائی بات قبول کرنے سے جیسے انکار کر دیا تھا۔ بہت بے لگام ہو گیا تھا دل۔

"مطلب میں کیسے محبت کر سکتی ہوں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"کیوں تم انسان نہیں ہو کیا؟" دل سے آواز آئی۔

"ہر میران سے محبت نہیں کرنی۔" وہ اٹل لہجے میں خود سے گویا ہوئی۔

"میران میں برائی کیا ہے؟ اسکی غلطی ہے کہ اس نے تم سے محبت کی تمھارا تحفظ کیا۔" دل نے اسکے ضمیر پہ گھونسا مارا تھا۔ وہ شدید جھنجھلا گئی۔ ذہن یہ بات قبول کرنے کو راضی ہی نہیں تھا اسکی انا محبت لفظ سے آڑوں آ رہی تھی۔ وہ اپنے اس احساس کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

پھر سوچیں جھٹک کے اس نے خوشی سے واپس کمرے میں گول جھومنا شروع کر دیا تھا اور کھڑکی کے پاس آ کے آسمان کو تکنے لگی۔

اندر ہی اداسی مانو ختم ہو گئی تھی وہ سوچوں میں گم گنگناتی گئی گنگناتی گئی۔ فلکی تارے بھی ٹمٹمار ہے تھے ہر چیز اسے خوشی دے رہی تھی۔

لائبریری سے نکل کے سیگریٹ جلاتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ کمرے میں داخل ہو اگلاس گیٹ کھول کے بالکونی میں قدم رکھا اور چاند کو تکتے اس نے کش لگائے تھے۔

"رومائزہ شنواری صرف چند دن کا مزید حجر پھر تمھارا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے پاس آنے کا بندوست ہو چکا ہے۔" سوچوں میں وہ نازک سراپا گھوما تھا۔ وہی بارش میں بھیگتی جھومتی ہوئی رومائزہ... کچن میں کھلکلانے والی رومائزہ... نڈر سی رومائزہ۔ وہ جی جان سے مسکرایا آنکھوں کی کشش بڑھتی گئی۔

آفس ڈریسنگ میں ملبوس بلیک کوٹ کا بٹن درست کرتے وہ اپنے باس کے روم کی طرف کچھ فائلز لے کر بڑھ رہی تھی۔

اجازت طلب کر کے اس نے دروازہ دھکیلا اور اندر قدم رکھا۔ اندر موجود شخص کو دیکھ چونک گئی۔

"مرتضی انکل آپ یہاں..." اپنی حیرانی پہ قابو پاتے اس نے پوچھا۔

"دائم میرا بیٹا ہے۔" انکل کے اتنا کہنے کی دیر تھی وہ اسکا دماغ تیزی سے چلا تھا۔ اسکا ذہن ٹھٹکا پھر رگیں تنی۔

"کیسے ہیں آپ؟" اشتعال پہ اس نے قابو کیا اور آرام سے پوچھا۔ زبردستی مسکرائی۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ بابا واپس آگئے کیا؟"

وہ اٹھ کے اسکے مقابل آن کھڑے ہوئے۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس ارباز صاحب کے ہم عمر ہی معلوم ہوتے تھے۔

"جی وہ آگئے۔ بابا نے انسسٹ کیا تھا نا آپکو مجھے ہائر کرنے کے لیے۔" وہ بلا طاق الجھن کو پست پشت ڈال کے پوچھ بیٹھی۔ مرتضی نے لب بھینچ لیے۔ پیچھے سے دائم کمرے میں داخل ہوا۔ نیمل اور مرتضی کو ساتھ دیکھ اسکا ماتھا ٹھٹکا چبھتی نگاہ سے نیمل کو دیکھا جو اسے گھورنے رہی تھی۔ آنکھوں میں غصے سے سرخی اتر آئی۔

"نہیں بیٹا ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ نے اپلائے کیا تھا تو دائم نے ہائر کرلیا ہو گا۔ میں تو اب کم ہی یہاں آتا ہوں دائم نے سب سنبھال رکھا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا تھا یہ آپکی ہولنڈ گز ہے اور یہ آپکے بیٹے۔" وہ صاف گوئی سے بول کے پلٹ گئی۔ دائم نے باپ کو دیکھا جنہوں نے اسے اسکے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ الٹے قدموں اسکے پیچھے روانہ ہوا۔

وہ راہداری میں ہی تھی تیز قدم لے رہی تھی دائم اسکی جانب لپکا اور راستے میں حائل ہوا۔

"کدھر؟"

"ختم سب۔ ریزائن دیتی ہوں میں۔ نہیں چاہیے ایسی کوئی سفارشی جاب مجھے۔" دونوں ہاتھوں کو آپس میں جھڑک کے تالی بجا کے وہ بولی وہ شدید غصے میں تھی دائم حیران تھا۔

"آپکا استعفیٰ میں قبول نہیں کرتا اور دو سال کا آپکے ساتھ کانٹریکٹ طے ہوا تھا بلاوجہ آپ بلکل ریزاین نہیں دے سکتیں۔ فائلز جو مجھے دینے آرہی تھیں دیتی جائیں۔" اس نے سختی سے کہا نیمل نے تیور چڑھائے۔

"پہلے مجھے یہ بتائیں آپ میرے باس بات کر رہے ہیں یا ڈیڈ کے دوست مرتضی انکل کے بیٹے"!

"باس بات کر رہا ہوں۔ اپنے کیبن میں جائیں فوراً!" اس کا حکمیہ انداز تھا۔

"نہیں جارہی! مجھے نہیں کام کرنا یہاں..." خونخوار نگاہوں سے دیکھتے اس نے فیصلہ سنا دیا وہ آگے بڑھی تھی دائم نے اسکا بازو تھام کے چہرہ قریب کیا۔

"مسٹر دائم علی بی ان یور لمٹس!" بازو چھڑا کے وہ واک آوٹ کر گئی۔ لمحے کو دائم نے خود کو اس بے اختیاری پہ کوسا اور اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

مرتضی صاحب سکون سے بیٹھے تھے دائم بالوں میں ہاتھ پھیر کے انکے سامنے صوفے پہ ٹک گیا۔

"کیا ہے یہ سب؟"

"میرے دوست کی بیٹی ہے کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ملی تھی ارباز کے ساتھ جب ہی پہچان لیا۔ اسکے والد بزنس سرکل کے ہی ایک اچھے دوست ہیں زیادہ گہری دوستی نہیں پر اچھی بات چیت ہے۔ اسے یہ لگ رہا ہے اسیے بابا نے سفارش کروائی اسکی۔ اب بتاؤ تم کیا ایسا ہے؟"

"میں نے اپنی مرضی سے اسے رکھا ہے ذاتی طور پہ میں اسکے والد کو جانتا تم نہیں، مجھے اندازہ نہیں تھا یہ ان ارباز دمیر کی بیٹی ہے۔" وہ انھیں بزنس مین کے طور پہ جانتا تھا پر زیادہ نہیں نا ہی کبھی انکو روبرو دیکھا تھا۔ نیمل کا معلوم تھا، اور اتنا پتا چلا تھا اسکا بھائی اے ایس پی ہے۔

"اور وہ بے وقوف ریزائن دے کر گئی ہے۔" وہ طنزیہ بولا۔

"وہ غلط فہمی کا شکار ہے ارباز صاحب اسے سمجھا دیں گے۔" اسکے چہرے پہ رقم پریشانی کو بھانپ کے انھوں نے کہا۔

"ویسے ماشاء اللہ سے اسکی بیٹی ہے بہت پیاری۔" دائم پہ نظریں جما کے کہا جس نے گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔

"پیاری تو وہ ہے پر ایٹیٹیوڈ بہت ہے۔" بے ساختہ اسکے منہ سے پھسلا مرتضی نے اسے گھورا تو باپ بیٹے ہنس دیے۔ سر پہ ہاتھ پھیر تا وہ کھڑا ہوا اور ٹیبل کی طرف جا کے کچھ فائلز اٹھائیں۔

نیمل کے آنے کا وقت ہو چکا تھا عائشے کمرے سے باہر نکلی۔ ابھی راہداری میں ہی تھی محمل اسے زرپاش کے کمرے کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔ محمل نے اس دیکھ قدم روک لیے اور اسکی جانب بڑھی۔ عائشے کی بھنویں چڑھی۔ محمل پاس آ کے رک گئی۔ اس نے سر تا پیر عائشے کا جائزہ لیا اور تمسخر سے ہنسی۔ عائشے طمانیت سے مسکرانے لگی اسکی مسکراہٹ مقابل کے دل میں لگی آگ میں اضافی کر گئی تھی۔

"بہت خوش نظر آ رہی ہو۔ اپنی دو نمبر ڈرامے بازیوں سے سب کو اپنا دیوانہ بنالیا ہے پر یہ سب زیادہ عرصے نہیں چلے گا۔ مراد تمھیں خود اس گھر سے دھکے مار کے نکالے گا!" وہ غرور سے مخاطب ہوئی عائشے نے دانت پیسے بظاہر پر سکون ہی رہی۔

"میرا تو نہیں پر تمھارا وہ دن قریب ہے جب تمھیں یہاں سے دھکے دے کر نکالیں گے۔ پتا ہے کس سے بات کر رہی ہو! اس گھر کی اکلوتی بہوہوں میں مراد کی بیوی! اور میرے شوہر مجھ سے پیار کرتے ہیں!" اسکی آنکھوں میں دیکھ کر عائشے نے چبا چبا کر کہا محمل کلس گئی۔ اسکی چہرے پہ مراد کی دی محبت کے رنگ نمایاں تھے۔ محمل کا ہاتھ فضا میں اٹھا تھا۔ اس سے پہلے وہ عائشے کے چہرے تک سفر کرتا عائشے نے اسکا ہاتھ جکڑ کے جھٹک دیا اور غصیلی نگاہ سے اسے دیکھا ایک لمحے محمل بھی ڈر گئی تھی۔

"آئیندہ ہاتھ اٹھانے کی غلطی مت کرنا! میں نے پچھلی بار لحاظ کیا تھا کہ تمھارا اس گھر سے تعلق ہے مراد کی کزن لگتی ہو۔ بڑی سمجھ کے عزت بھی دی اور آگے بھی دے دیتی پر تم نے اپنے ہاتھوں سے عزت گنوائی۔

آئیندہ ہاتھ اٹھایا توڑ کے رکھ دو نگی!" اس نے کھلی دھمکی دی تھی۔ چہرے پہ کسی ڈر کے آثار رقم نہیں تھے۔

"مجھے تمھاری عزت کی ضرورت بھی نہیں۔ بہت گھمنڈ آگیا ہے تمھیں تو، اسے میں توڑ کے رہو نگی۔ جس شوہر پہ تم ناز کر رہی ہو وہی جب تم سے چہرہ موڑے گا تب تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گا۔" عائشے کے کٹھور لہجے سے اسکے تن میں طوفان سا مچا تھا۔ اپنا جواب دے کر وہ زرپاش سے ملے بغیر چلی گئی تھی۔ عائشے نے سر جھٹکا۔ کیا اسکی دھمکی کو سیریس لینا چاہیے؟ کوئی احتیاطی تدابیر لوں کیا؟

مجھے مراد پہ یقین ہے وہ اس لومڑی کے کہے میں کبھی نہیں آئینگے،، خود کو تسلی دے کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

دمیر ہاؤس میں فلحال سناٹا چھایا تھا۔ اور یہ سناٹا ختم کرے والی بس آگئی تھی۔ خراب موڈ کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی اور لاؤنج میں چلی آئی۔ زرپاش اور ارباز ابھی کمرے سے باہر نکلے تھے رعائشے نے محمل کی آمد کا ان سے ذکر نا کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"ارے لڑکی کیا ہوا ہے اتنا غصہ کس بات کا چڑھا ہے؟" نیمل کے آکے بد تمیزی سے بیگ صوفے پہ پھینکنے پہ زرپاش نے سختی سے کہا۔ اس نے ایک نگاہ سے باپ کو دیکھا جو انجان بنے بیٹھے تھے۔

"ڈیڈ آپ نے میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔ میں اپنی محنت سے کچھ کرنا چاہتی تھی پھر بھی آپ نے سفارش لگا دی۔ آپ نے جان بوجھ کے مجھے سلور ہولڈنگز میں جاب کا کہا تھا نا! کیونکہ اسکے اونر آپکے دوست ہیں مرتضی انکل!" وہ میں بولے گئی عائشے اسکی بلند آواز سن کے کچن سے لاؤنج دوڑی چلی آئی۔

"بیٹا میں نے صرف آپکو کمپنیز کے نام بتائے تھے۔ میں چاہتا تھا جس جگہ کام کرو وہ محفوظ ہو۔ اور اتفاق سے وہیں تمھیں ہائر کر لیا گیا۔" انھوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی پر غصے میں عقل پہ تالے پڑ جاتے ہیں اور نیمل کا دماغ بھی کام کرنا بند کر چکا تھا۔

"میں نے اب ریزائن دے دیا ہے! میں اب کہیں اور اپلائی کرونگی!" صوفے پہ ٹکتے کہنیاں گھٹنوں پہ گرا کے اس نے فیصلہ بتا دیا۔ ارباز نے گہری سانس بھری۔

مراد ڈیوٹی سے آف کر آیا تھا لاؤنج میں قدم رکھا تھا نیمل کی بات پہ چونک کے اسکے پاس پہنچا اور برابر میں بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے بھئی کیوں شور شرابہ مچایا ہوا ہے؟" نیمل کے کندھے پہ بازو پھیلا کے اس نے استفسار کیا۔ زرپاش نے نفی میں سر جھٹکا۔ اس نے عائشے کو دیکھا جو شانے اچکا گئی تھی۔ اور پھر نیمل نے خود ہی ساری کہانی سنا ڈالی۔

"ڈیڈ کہہ تو رہے ہیں انھوں نے تمھاری جاب کے سلسلے میں ان سے کوئی بات نہیں کی۔ ایسے تو ڈیڈ کافی لوگوں کو جانتے ہیں تم کہیں بھی جاؤ گی وہاں کا مالک ہو سکتا ہے ارباز دمیر نام سے روشناس ہو۔"

مراد نے اسے پیار سے کہا اس نے سر اٹھایا۔

"بھائی میرا انٹرویو اتنا خاص نہیں گیا تھا مجھے امید نہیں تھی وہ ہائر کرلیں گے پھر بھی انھوں نے ہائر کیا۔ ہاؤ از ڈیٹ پاسیبل! ڈیڈ نے ہی ان سے بات کی ہو گی نا۔"

"نیمل کنٹرول یور سیلف! ارباز جب منع کر رہے ہیں تو اسکے باوجود تم یقین نہیں کر رہی ہو۔" زرپاش کے ڈانٹنے پہ اسکے بل ڈھیلے پڑے۔ ڈیڈ کو دیکھا جو اب بلکل خاموش تھے۔

"انھوں نے کوئی تو قابلیت تم میں دیکھی ہو گی جو متاثر ہو گئے۔ اس لیے ہائیر کرلیا۔ اور تم بلاوجہ ریزائن دے آئی ہو صرف غلط فہمی کی بنا پہ۔" مراد نے اسے خود سے لگاتے مزید کہا۔ اسکی نظریں ارباز صاحب پہ جمیں تھیں۔ اب وہ کچھ بول کیوں نہیں رہے تھے وہ اٹھی اور انکے پاس پیچھے سے انکے کندھے پہ سر رکھ دیا۔

"آئی ایم سوری ڈیڈ۔ میں نے بدتمیزی کی ہے آپ دونوں سے۔ غصے میں مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آیا اور آپکا یقین بھی نہیں کیا۔ رائی کا پہاڑ بنا کے بیٹھ گئی اور ریزائن بھی دے دیا۔" انکے کندھے پہ تھوڑی جمائے رکھی تھی ارباز دمیر مسکرا دیے اور اسکا دائیں ہاتھ سے چہرہ تھپکا۔

"مرتضیٰ صاحب نے فون کر کے مجھے سب بتا دیا تھا۔ انھوں نے ریزائن قبول ہی نہیں کیا اور ایسے منہ بولے ریزائن مانا جاتا بھی نہیں۔ تمھارے باس نے کہا ہے تم کل سے واپس جوائن کرو گی۔" اسکو ہاتھ سے پکڑ کے

صوفے کے پیچھے سے انھوں نے سامنے کیا وہ خوشی سے گلے لگ گئی۔ عائشے انھیں دیکھ مسکرا رہی تھی اور مراد کے برابر میں بیٹھ گئی وہ وردی میں ملبوس تھا۔ نیمل نے واپس مراد کے برابر میں جگہ سنبھالی۔

"ہو گیا مسئلہ حل؟" مراد کے ٹھوکو مارنے پہ وہ لڑک گئی تھی۔

"بھائی کیا کر رہے ہیں.." وہ اٹھ کے بیٹھی اور گھور کے بولی۔

"عائشے جاؤ چائے بنا دو۔" مراد نے آہستہ آواز سے کہا۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" نیمل فٹ بولی۔

"میں نے اپنی بیوی سے کہا ہے تم بیٹھی رہو یہاں!" اسے ٹوک کے بیٹھے رہنے کا کہا عائشے منمنائی۔

"میں اچھی چائے نہیں بناتی۔"

"ہاں بھابھی ابھی اچھی چائے بنانا سیکھ رہی ہیں میں بنا دیتی ہوں آپکو مسئلہ کیا ہے"!

"میری بیوی زہر بھی پلائے گی تو پی لونگا تم کو چائے بنانے کا کیا اتنا شوق چڑھا ہے! عائشے تم کچن میں جاؤ۔" وہ تینوں ایک ہی صوفے پہ بیٹھے کھسر پھسر کرنے میں مصروف تھے۔ ارباز اور زرپاش نے اپنے بچوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور واپس اپنی باتوں میں لگ گئے۔

"یار بھائی یہ آج بتادیں شادی کے بعد کہاں سے آپ نے ڈائلاگ مارنا سیکھ لیے ہیں؟یوں بیوی کی محبت میں لٹو ہو جائینگے ایسی بھی امید نہیں تھی۔یار ایسے کرنجی ڈائیلاگز مت مارا کریں۔"

"بہت زبان چل رہی ہے تمھاری بتاؤں ابھی!"مراد نے اسے گھورا وہ دونوں نند بھابھی دبی دبی ہنسی سے ہنسنے لگیں۔

"مام ایک کپ چائے ملے گی۔"اس نے اچانک انکو مخاطب کیا اسکی فرمائش پہ زرپاش کی نظریں مراد سے اٹھ کے عائشے کی طرف بڑھیں۔

"ہاں میں بنادیتی ہوں۔"زرپاش پلکیں جھپک کے اٹھنے لگیں کہ عائشے درمیان میں بول پڑی۔

"آنٹی آپ بیٹھیں میں سب کے لیے چائے بنا کرلاتی ہوں۔"مراد کے یوں کہنے پہ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔بیوی کے برابر میں موجود ہوتے ہوئے بھی وہ ماں سے فرمائش کرتا اچھا لگا تھا کیا!

"مراد کے لیے بنادو باقی بس اب کھانا لگے گا۔اور ہاں میں سوچ رہی ہوں کہ ایک دو دن میں تمھارے امی بابا کو ڈنر پہ بلالیں۔"کافی خوشگواری انکے لہجے میں اُمڈ آئی تھی عائشے کی سماعت کو یقین کرنا مشکل ہوا۔

زرپاش نے مراد کی طرف نظر گھمائی۔

"ہاں یہ اچھا آئیڈیا ہے دونوں فیملیز ایک دوسرے سے مل لینگی!" وہ راضی تھا عائشے نے بھی فٹ ہاں میں سر ہلایا اور خوشی سے چائے بنانے کے لیے بھاگ گئ۔

"ایسے کوئی چائے کے لیے بیوی کو پھنساتا ہے!" نیمل افسوس سے کہتے عائشے کی مدد کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"الائچی لازمی ڈلوانا!" آخر آخر میں بھی اس نے تاکید کی۔

"نہیں بھائی اس میں اب زہر ہی ڈلے گا"!

"حلیمہ بی ایک بات بتائیں یہ سب پینٹنگز یہیں رہ جائیں گی آپ انکا کیا کریں گی؟ کباڑے میں تو نہیں ڈالیں گی نا؟" وہ پینٹنگ کا سارا سامان سمیٹ رہی تھی حلیمہ بی اسکی برق رفتاری پہ سر ہلاتی رہ گئیں۔

"تم چاہو تو یہ سب ساتھ لے جاؤ۔"

"نہیں میں کچھ لے کر نہیں جاؤنگی،، بادل دیکھیں کتنے زوروں سے برس رہے ہیں۔" بجلی کی کڑک پہ اسکا دھیان کھڑکی جانب مبذول ہوا۔ حلیمہ بی نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔لان کی لائٹس روشن تھی رات کا وقت تھا برسات زور وشور سے ہو رہی تھی۔

"پتا ہے دو ہفتے میں سے دو دن تو گزر گئے۔ بس اس دن کا انتظار ہے جب گھر جاؤنگی۔ اپنا کمرہ ہو گا اپنا بستر اپنی چیزیں۔ اور میرا موبائل وہ تو میران کے پاس ہے۔ اپنے سائیں کو کہہ دیں گا میرا موبائل لوٹا دے۔" کمرہ

صاف کر کے وہ فارغ ہوئی اور بیڈ کے کنارے پہ بیٹھ گئی ہاتھ بھی میٹریس ارد گرد جما لیے۔ حلیمہ بی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھیں جیسے کسی کی منتظر ہوں۔ رومائزہ نے انکے اس عمل پہ تفتیشی نگاہ سے دیکھا دماغ نے ایک میسج چھوڑا تھا۔ اسکے لب کھل گئے۔

اتنے میں باہر سے اسے گاڑی کے ہارن کی آواز بھی آئی۔ کان جیسے باہر ہی لگے ہوں۔ وہ اچھل کے اٹھی۔ حلیمہ بی نے چونک کے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا تمھیں؟"

"شاید میران آیا ہے.. "خوشی سے اسکے پیر زمین پہ ٹک نا سکے۔

"سائیں کے آنے کی بڑی خوشی ہو رہی ہے۔" انھوں نے معنی خیزی سے کہا۔

"ہاں آج پہلی بار بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ شاید وہ مجھے آج گھر چھوڑ وادے۔ بابا نے پیسے ادا کر دیے ہوں! کیونکہ وہ پورے ہفتے بعد آتا ہے اتنی جلدی تو نہیں۔" میران کے متعلق اسے ساری خبریں تھیں۔ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی حلیمہ بی کو وہیں بیٹھا چھوڑ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے نکل کے بھاگی۔ دوپٹہ بھی گلے میں آڑا تر چھا پڑا تھا۔ وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں کوئی نفس موجود نا تھا۔ شاید وہ ابھی باہر ہی تھا۔ اتنی تیز بارش میں آیا تھا بے وجہ تو وہ نہیں آتا۔

لاؤنج سے نکل کر وہ راہداری کے پاس گئی گلاس وال سے جھانکا تھا وہ دروازے کے پاس عزیز کے ہمراہ کھڑا باتوں میں مصروف تھا۔

رومائزہ کو تو پر لگ چکے تھے وہ بس اندھا دھن دروازے کی طرف لپکی۔خوشی اسکے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی دل مسلسل دعا کر رہا تھا کہ جو وہ سوچ رہی ہے میران اسی کام کے لیے آیا ہو۔

آزادی آزادی!

خوشی سے بڑھتے اسکے قدم یک دم دروازے کے پاس ہی رک گئے وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

چہرے کا رنگ اڑا تھا،، لمحوں میں!

بادل گرجے اسے کپکپی آئی۔

باہر بارش کا شور بھی موبائل کی آواز کو دبا نہیں سکا تھا۔وہ دم سادھے ساکت نظروں سے میران عزیز اور عزیز کے ہاتھ میں موجود موبائل کو دیکھ رہی تھی جس میں کوئی ویڈیو پلے تھی۔وہ مزید آگے بڑھ نہیں پائی۔دروازے پہ اسکی انگلیوں کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

"سائیں مجھے معاف کر دیں آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کرونگا۔ یہ ظلم نا کریں...." کوئی شخص مسلسل روتا ہوا اسکے پیروں میں پڑا التجا کر رہا تھا پر مقابل پتھر وجود میں کوئی حرکت نا ہوئی اسکے چہرے کا پتھریلا پن بتا رہا تھا اس سے کسی قسم کے رحم کی توقع نا کی جائے۔

"رحم کے تم قابل نہیں ہو... تمھیں تمھاری اوقات معلوم ہونی چاہیے"...

میران نے اسکا کالر دبوچ کے اسکا چہرہ اٹھایا اور اپنی خون میں اتری آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ رومائزہ تاثرات نہیں دیکھ پائی تھی پر اس آدمی کی سسکیاں اور تڑپ دیکھ کر اسکے بدن میں جھرجھری دوڑ گئی۔ دور سے ہی وہ دیکھ سکتی تھی جیسے اسے بہت پیٹا گیا ہو۔ ہونٹ سے خون رس رہا تھا۔ چہرے پہ ہاتھ سے پڑنے والی مار کے نشان تھے۔

"سائیں میں نے کچھ نہیں کیا چھوڑ دیں معاف کر دیں مجھے۔ ایک موقع اور دے دیں.." وہ آدمی مزید سسکا۔ میران نے اسکی گردن پہ ہاتھ جما دیا۔ رومائزہ کے چہرے پہ درد نمایاں ہوا۔

میران نے اسے دور پھینک کے گن نکالی تھی وہ آدمی ساکن نگاہوں سے اسے دیکھتا گیا اور روما اسکرین پہ ساکن نظروں سے دیکھے گئی۔ ایک بار اس نے سامنے کھڑے میران کو دیکھا جس کے چہرے پہ بروقت سکون تھا۔ کسی پہ تشدد کرنے کے بعد وہ کیسے سکون میں ہو سکتا تھا؟

عزیز نے ویڈیو اسٹاپ کی۔ میران نے اسے کچھ ہدایت کی تھی۔

"یہ کمال سردار کو دکھانا اسے اندازہ ہو جائے کہ میران جاہ کون ہے! اور اسکے بعد یہ ویڈیو ڈیلیٹ کر دینا کسی کے ہاتھ نا لگے!" میران نے سختی سے تاکید کی رومائزہ نے پھٹی نظروں سے اسے دیکھا۔ کسی پہ ظلم اسے برداشت ہوتا ہی کہاں تھا۔

میران اتنا ظالم کیسے ہو سکتا تھا اسے یقین نہیں آیا۔

عزیز نے پھر ویڈیو چلادی۔ وہ آدمی بہت منتیں کر رہا تھا اسے چھوڑ دیا جائے اسکی غلطی نہیں پر میران نے اسکی ایک نہیں سنی تھی۔ ایسا بھی اس نے کیا کر دیا ہو گا؟ غداری؟ تو اس پہ اتنی بڑی سزا بنتی تھی کہ اسے مار دیا جائے؟ اسکا دماغ نا جانے کیا کیا سوچنے لگا تھا۔

"سائیں نہیں.." آخری بار وہ آدمی چلایا۔

"منہ بند رکھو اپنا۔ مجرم ہو تم۔ آئندہ ایسی غلطی کرنے کا کوئی سوچے گا بھی نہیں! سزا کی شروعات میں تم سے کرونگا۔ رحم لفظ میری ڈکشنری میں نہیں ہے"!

اس نے چبا چبا کر غصے سے پھنکارتے گن تان لی تھی۔ اور پھر ایک فائر ہوا تھا اور روما منہ پہ ہاتھ رکھ کے پیچھے ہوئی۔ دروازے کے ساتھ رکھا گلدان اسکے ٹکرانے سے زمین پہ گرا میران اور عزیز دونوں چونکے عزیز نے موبائل بند کر کے فوراً جیب میں ڈالا۔

میران کی نگاہ رومائزہ کی طرف اٹھی وہ سانس بھر کر رہ گیا۔وہ ساکن کھڑی ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔الٹے قدموں اندر بھاگی حلیمہ بی گلدان ٹوٹنے کی آواز پہ کمرے سے نکل کے آئی تھیں اسے بھاگ کر آتے دیکھا تو ٹھٹھک گئیں اسکے تاثرات ہی اب بدل گئے تھے۔گئی تو بڑی خوش خوش تھی اب چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

"حلیمہ بی اس نے اسے مار دیا۔"وہ کھوئی کھوئی سی انگلی کے اشارے ہی مدد سے بولی حلیمہ بی سمجھ نا سکیں۔

"حلیمہ بی مم میران نے اس آدمی کو مار دیا ووہ رحم کی بھیک مانگ رہا تھا پر اس نے ایک نا سنی گولی چلا دی وہ مر گیا۔"اب وہ چلا اٹھی تھی حلیمہ بی نے اسے بازو سے سنبھالا نا جانے وہ کیا دیکھ آئی تھی۔

میران تبھی تن فن کرتا اندر آیا تھا وہ کچھ بولتا اس سے پہلے وہ چلا اٹھی۔

"کس قدر ظالم انسان ہو تم۔میں تو تم کو ایک اچھا اور رحم دل شخص سمجھتی تھی جو میرے لیے اتنا کچھ کر رہا تھا پر تم نے سب غلط ثابت کر دیا۔سب اچھا بننے کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے نا!

دل ہے کہ پتھر ہے؟تم کیسے کسی کو مار سکتے ہو؟"اسکے قریب جا کر بلند آواز سے چیخی۔میران نے ضبط سے مٹھی بھینچی۔

"اپنی بکواس بند کر لو تم!"اس پہ نظریں جمائے کہا اور اپنے شانے جھاڑے۔

"بکواس نہیں ہے یہ سچ ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی ہوں تم نے گولی چلائی تم نے اسے مارا پیٹا۔ قاتل ہو تم! مجھے میرے گھر بھیجو اور جو خواہشات تم نے ذہن میں میرے حوالے سے پال رکھی ہیں بھول جاؤ۔ میں کبھی کسی قاتل کی بیوی نہیں بنو نگی نا ہی اسکی دی ہوئی چھت قبول ہے! مجھے میرے بھیجو!" اس نے آگے بڑھ کے میران کا گریبان جکڑ لیا تھا اسکے زہر بھرے لفظ میران کے غصے کو ہوا دے گئے۔ وہ کافی اسکی بکواس سن چکا تھا۔ اسکی ذات پہ وہ ہمیشہ ایسے ہی نشتر چلا دیا کرتی تھی۔ سوچنے سمجھنے کے لیے دماغ کا استعمال اس نے جیسے کبھی کیا ہی نا ہو، جنون تھا صرف ایک میں نہیں دونوں میں! اور ایک میدان میں دو تلواریں بھلا کیسے رہ سکتیں ہیں!

میران نے اسے دیکھا جسکی نگاہوں میں پچھلی بار والی کوئی نرمی نہیں صرف بے اعتباری تھی۔ باہر بجلی کے کڑکنے اور بادلوں کے گرجنے کے ساتھ اسکے دل میں بھی چھن سے کچھ ٹوٹا بس آواز صرف وہی سن سکتا تھا۔

"اتنی بے اعتباری پچھتاؤ گی تم اب! کسی کو صفائی دینے کا میں پابند نہیں ہوں جو سمجھنا چاہتی ہو سمجھو۔ اور یہی قاتل کڈنیپر دنیا کا سب سے برا انسان تمھارا شوہر بن کے رہے گا۔"

لفظوں پہ زور دیتے اس نے کہا۔ لب و لہجے میں جنون ضد واضح تھی ایک پل رومائزہ کا روم روم کانپ گیا بادلوں کے گرجنے کی آواز آئی۔ میران کی اشتعال بھری نگاہیں جسم جھلسا رہی تھیں۔ وہ ضبط کر رہا تھا بلکل نہیں چاہتا تھا کوئی نقصان کر بیٹھے۔

"مر جاؤنگی پر تم سے نکاح نہیں کرونگی۔ یہاں سے جانے کے بعد پلٹ کے تمھاری شکل بھی نہیں دیکھونگی!" وہ مزید چہرہ اسکے قریب کیے غرا کے بولی ماتھے پہ پسینے کی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں میران نے جھٹکے سے اسکی کلائی دبوچ کے اپنا گریبان چھڑایا۔

"اچھا پھر تم دیکھتی جاؤ کیسے میں تم پہ قبضہ کرونگا۔ نا میرے نا ہی اپنے الفاظ بھولنا مت!" انداز میں صاف وارننگ تھی۔

"کیا کروگے زبردستی نکاح کروگے!" وہ پھنکاری میران بنا جواب دیے پتھریلی نگاہوں سے اس دیکھتا باہر کی طرف پلٹ گیا روما تیش کے عالم میں کھڑی رہ گئی۔

حلیمہ بی غصے سے اسکی طرف بڑھیں اور بازو سے کھینچ کے اسکا رخ اپنی جانب کیا۔

"پاگل ہو کیا تم بنا بات جانے اس قدر فضول بکواس کر دی جھوٹے الزام لگائے ہیں تم نے ان پر! انھوں نے کسی کا قتل نہیں کیا وہ آدمی اس سزا کا حق دار تھا ایک معصوم لڑکی کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تھی اس نے اسکی زندگی جہنم بنا رکھی تھی!" حلیمہ بی آج پہلی بار شدید غصے میں اس سے مخاطب ہوئیں تھیں وہ بے یقینی سے انھیں دیکھے گئی دل پہ جیسے کسی نے ہتھوڑا مارا تھا قدم لڑکھڑائے۔

"اتنی بے اعتباری کی مجھے تم سے امید نہیں تھی تمھیں معلوم نہیں ہے کیا وہ انصاف پسند ہیں کسی کے ساتھ برا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے !وہ برے ہیں صرف بروں کے ساتھ ایسے لوگوں کے لیے حد درجہ تک برے ہیں"!

ایک بار پھر اسکے دل پہ جیسے کسی نے مکہ مارا باہر کڑا کے کی بجلی کڑکی وہ مزید پیچھے کی طرف لڑکھڑائی آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی حلیمہ بی پہ اسے یقین تھا۔ دروازے سے ایک چھوٹا بچہ اور ایک لڑکی تب ہی اندر داخل ہوئے حلیمہ بی انھی کی منتظر تھیں اسے زیادہ دیر مزید سمجھنے میں نہیں لگی وہ اندھا دھن ہی دروازے کی طرف لپکی۔

میران نے غصے میں عزیز سے گاڑی کی چابی لی تھی اور اسے کچھ کہا۔ عزیز نے پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا وہ دم سادھے کھڑا تھا۔ بارش نے میران کے ساتھ عزیز کو بھی مکمل بھیگو دیا تھا رومائزہ باہر آئی تو وہ گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا۔

"میران..." اس نے آواز دی پر وہ ٹھہرا نہیں بارش کی باریک بوندیں ہوا کے دباؤ سے اسکے چہرے پہ پڑنے لگیں وہ چھپڑے کے نیچے جا کھڑی تھی۔ عزیز نے اسے باہر دیکھا نظریں جھکا لیں تمام گارڈز نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ وہ اندر اسکے زہر بھرے لفظ چھوٹے سائیں کے لیے سن آیا تھا۔

اس لڑکی پر غصہ اسے بھی آیا تھا۔ کیسے بنا تصدیق کیے وہ الزام لگا سکتی تھی۔ پر اسے کچھ بولنے کا حق حاصل نہیں تھا۔

"میران آئی ایم سوری میں غلط سمجھی۔ میری غلطی ہے۔ میران!!!" وہ بلند آواز سے چیخی پر جیسے اس نے کان سیسہ پلا کے بند کر دیے تھے گاڑی میں بیٹھا زور دار آواز میں گاڑی کا دروازہ بند ہوا تھا جبڑا بھینچا ہوا تھا رگیں تنی ہوئی تھیں اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی وہ پیچھے چلاتی رہ گئی سوری کرتی گئی پر اس نے ایک نا سنی گارڈز نے دروازہ کھول دیا اور گاڑی حدود سے باہر نکل گئی۔ وہ بے ساختہ ٹھنڈے فرش پہ گرنے کے انداز میں بیٹھی۔

"آئی ایم سوری میران میں بہت بے وقوف ہوں معاف کر دو مجھے۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ اسے کوئی ہوش نہیں رہا تھا کہ کہاں بیٹھی ہے اسے اپنے لفظوں پر شرمندگی نے آن گھیرا۔ حلیمہ بی کو اس پہ غصہ تھا پر اسکو سنبھالنے کا کام انکا تھا وہ باہر آئیں وہ گنگ بیٹھی اب تک مین دروازے کو تک رہی تھی حلیمہ بی نے بازو سے پکڑ کے اسے اٹھایا وہ انکے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

اندر آئی تو ان دونوں بچوں کو دیکھ اسکا ذہن بھک سے جاگ گیا اس نے تھوک نگلا۔

"وہ میران سائیں بہت اچھے ہیں انھوں نے ہماری مدد کی۔ میری بہن کو اس آدمی سے بچایا ہے۔" خضر اسکے پاس آ کے بولا ان دونوں کو حلیمہ بی صوفے پہ بیٹھنے کا بول گئیں تھی اسکی بہن ژالے بھی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی بہت کنفیوز سی نظر آ رہی تھی۔

رومائزہ بمشکل مسکرائی۔ اپنی ڈبڈباتی آنکھوں کا پانی اندر اتارا تھا۔

"ہاں میں ہی پاگل ہوں جو اسے غلط سمجھتی ہوں۔ حلیمہ بی وہ اب کیا کرے گا شدید غصے میں آگیا اور آپ نے اسکی دھمکیاں سنی ہیں نا۔ جب میری اتنی بکواس سن لی تو معافی بھی سن لیتا۔" اسے پہلی بار میران کے لہجے سے خوف آیا تھا کچھ تھا جو اسے ڈرا رہا تھا وہ بے حد شرمندہ تھی رہ رہ کر خود پہ غصہ آرہا تھا۔ وہ غلط کام کہیں بھی ہوتا دیکھتی تھی تو آواز اٹھایا کرتی اور یہی کام اس نے یہاں کیا پر اصل حقیقت کچھ اور ہی تھی۔

اس بار اس نے اپنے پیر پہ خود کلہاڑی مارنے کا کام کیا تھا۔

"اب پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہو گا تمھارا معاملہ پہ سائیں کچھ نہیں کریں گے۔ انسان اگر کسی کی بارے میں سن لے دیکھ لے تو فوراً نہیں مان لیتے پہلے تحقیق کرتے ہیں۔ تم نے حد کر دی! اتنا تو تم وقت گزار چکی ہو انکے ساتھ اب تک انکو نہیں سمجھیں!" اسے لاکر انھوں نے صوفے پہ بیٹھایا اور پانی کا گلاس اسکی طرف بڑھایا۔ ایک سانس میں وہ گٹاگٹ سب پی گئی۔

لاؤنج میں بلکل خاموشی چھائی تھی۔

عزیز باہر کھڑا تھا۔ میران اور عزیز ساتھ ہی اسلام آباد جا رہے تھے۔ بارش کی تیزی کی وجہ سے ان دونوں کو کچھ دیر یہاں ٹھہرنا پڑا تھا۔ پر میران کا ارادہ اندر جا کے کسی سے بھی ملنے کا ہرگز نہیں تھا رومائزہ سے ملتا تو دل بے قابو ہو جاتا۔ خضر اور ژالے کو گارڈز یہاں لا رہے تھے۔

ان دونوں کی حفاظت کے لیے دورے والے دن ہی میران نے کچھ گارڈز وہاں متعین کر دیے تھے۔ آج جب وہ آدمی آیا تو گارڈز کے ہتھے لگ گیا تھا۔ پر اس سے پہلے ہی اس نے ژالے کے ساتھ زبردستی کرنے کوشش کی تھی اسکے شور مچانے پہ سب جمع ہوئے تھے اور گارڈز دروازہ توڑ کے گھر میں داخل ہوئے۔ خضر نے اپنی بہن کو بری حالت میں دیکھا تو اسکا جی کانپ گیا وہ ژالے سے لپٹ گیا تھا۔ ژالے بہت سہمی ہوئی تھی۔

اسکی خوبصورتی اسکے لیے خطرہ بن گئی تھی۔ گوٹھ میں یہ خبر تیزی سے پھیلی تھی وہاں کا سردار معاملہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا پر میران کے بندوں نے اسکی ایک نا سنی۔ وہ آدمی بے انصافی کر رہا تھا۔

اور پھر گارڈز ان تینوں کو اپنے ساتھ ہی لے آئے۔

میران چاہتا کہ کچھ وقت وہ دونوں بہن بھائی رومائزہ اور حلیمہ بی کے ساتھ گزار لیں وہ دونوں انکو اچھے سے سنبھال لیتیں انکا مائنڈ بھی فریش ہوتا اور رومائزہ پہ اسے پورا بھروسہ تھا کہ وہ ژالے کو اچھے سے سمجھا لیتی اسے عورت کی طاقت کا بتاتی۔ اسی لیے انھیں یہاں بھجوایا تھا حلیمہ بی کو اس نے سارے معاملے کی خبر کر دی تھی۔ رومائزہ کے شور مچانے پہ فوری طور پہ وہ سب سمجھنے سے قاصر تھیں پر بعد میں جیسے سب سمجھ آگیا پر وہ لڑکی کسی کی سن ہی کہاں رہی تھی اور اب پچھتا رہی تھی۔

اچھا خاصا موڈ تھا سب بیڑا غرق کیا تھا اس نے اپنا بھی اور میران کا بھی۔ میران کا سوچ سوچ اسکا دل لرز رہا تھا وہ خاموش نہیں بیٹھتا۔ پتہ نہیں اسکے ساتھ کیا کرے گا، ایک ڈر یہ تھا کہ ہمیشہ کے لیے یہیں نا روک لے۔ اس نے

اسکی ذات پہ انگلی اٹھائی تھی کوئی بھی شخص کیسے اتنا برداشت کر سکتا تھا۔ پھر اس کے دل نے ملامت کی کہ وہ ایسا ہر گز نہیں کرے گا۔

"اب تم اپنے گلٹ سے باہر نکل آؤ دیکھو مہمان آئے ہیں۔" حلیمہ بی نے اسکا دھیان سوچوں سے ہٹانے کی کوشش کی وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

وہ لڑکی اپنے ساتھ ہونے والے آج کہ واقعہ سنا رہی تھی۔ زیادہ عمر کی نہیں تھی رومائزہ سے چار پانچ سال چھوٹی معلوم ہو رہی تھی۔

"سائیں نے اس آدمی کو جان سے نہیں مارا صرف پیر پہ گولی ماری تھی کہ جن پیروں پہ چل کے وہ مجھ تک پہنچا تھا۔ وہ بہت برا آدمی تھا جو ویڈیو آپ نے دیکھی اس میں خضر اور میں بھی تھوڑی فاصلے پہ کھڑے ہیں۔ میر ان سائیں بہت غصے میں تھے اور غصہ بلکل جائز تھا وہ درندہ اسی قابل تھا اس نے میرے علاوہ بھی کئی لڑکیوں کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ حد درجے تک زندگی عذاب کر دی تھی۔ وہ گوٹھ سے چلا گیا تھا کل رات ہی واپس آیا تھا اور آج اپنی حوس مٹانے کا اس نے پورا ارادہ کیا ہوا تھا۔" ژالے خاموش ہو گئی۔ بارش بھی ہلکی ہو گئی تھی روما کو گھٹن ہونے لگی وہ گلاس وال کے پاس چلی گئی پر سن وہ ژالے کی رہی تھی۔

"اگر آج اسے سزا نا ملتی تو گاؤں میں سب کو شئے ملتی۔ وہاں کا سردار ویسے ہی اپنی من مانی کرتا ہے وہ عورتوں کو اتنی عزت دیتا بھی نہیں وہ لوگ بے انصافی کرتے ہمارے ساتھ اور معاملہ دبا دیتے۔" خضر رومائزہ کی پشت

دیکھے کہہ رہا تھا رومالپلٹی بے بسی سے حلیمہ بی کو دیکھا۔ حلیمہ بی نے اسے پر سکون رہنے کی نظروں میں تاکید کی وہ سر ہلا گئی گہری سانس فضا کے سپرد کرتی ان دونوں کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔ خضر چھوٹا بچہ تھا پر اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار دکھائی دیتا تھا۔

"ہمم.. "اس نے ژالے کو دیکھا اسکی خوبصورتی سے تو وہ سب سے پہلے مرعوب ہوئی تھی۔ جان اور عزت کی حفاظت کرنا کتنا مشکل ہو گیا تھا ژالے کی عزت کو خطرہ تھا اور اسکی جان کو اور باقی وہ سوچ نہیں سکتی تھی۔ وہ اتنا ضرور سمجھ گئی تھی میران جاہ عورتوں کے احترام میں کمی برداشت نہیں کر سکتا اور یہ سوچ کے اسکے لبوں کی تراش پہ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اسے اپنی غلطی کا فوراً احساس ہوا تھا سب جلد بازی میں ہوا تھا۔

"باجی آپکا نام کیا ہے؟" ژالے کی بڑی میں سوال تھا باجی لفظ سن کے وہ اچھل پڑی۔

"مجھے باجی تو مت بولو کتنا عجیب ساؤنڈ دے رہا ہے۔" اپنا دوپٹہ درست کیا۔

"بی بی سرکار کہہ لیں؟" حلیمہ بی نے عرض کیا تو وہ انھیں گھور کے دیکھنے لگی۔

"دادیوں جیسا لگتا ہے یہ۔ میرا نام رومائزہ شنواری ہے تم مجھے رومائزہ آپی کہہ سکتی ہو۔" اس نے اسکی مشکل آسان کرتے کہا حلیمہ بی ہنس رہی تھی کچھ دیر پہلے یہاں جو جنگ چھڑی تھی اسکے اثرات جیسے ختم ہو گئے تھے۔ ماحول بلکل ٹھنڈا تھا پر کون جانے میران کے دل میں جو اس نے آگ لگائی تھی اسکا نتیجہ کیا ہونے والا

تھا۔ اسکے لفظوں نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا اسکی انا پہ وار کیا تھا۔ ایک بار اس پوچھ لیتی کہ کیوں کیا اس نے ایسا پر اس نے ہمیشہ وہی کیا جو اسے سہی لگا چاہے وہ غلط ہی کیوں نا سوچ رہی ہو۔

یہ بے اعتنائی رومائزہ شنواری کو بہت بھاری پڑنے والی تھی۔ سب ٹھیک ہو گیا تھا پر واپس بگاڑنے والی وہ تھی۔ دنیا کا ہر رشتہ بھروسے پہ قائم ہے انکے درمیان بھی تو کچھ قائم ہو گیا تھا وہ بھلے ہی جذبات کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی پر بھروسہ کرتے کرتے کیسے کنارہ کر لیا! ایک ہی کشتی کے مسافر منزل پہ ساتھ پہنچ سکتے ہیں ورنہ درمیان میں خود علیحدہ ہو کے ڈوبتے یا دوسرے کو ڈوبا دیتے۔

نہایت رش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ گھر پہنچا تھا عزیز مسلسل کالز کر رہا تھا پر اس نے ریسو ونا کی الٹا موبائل آف کر دیا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا ملازم اسکو بھیگا دیکھ چونک گئے تھے۔

کالے گھنے بال پانی سے لت پت ماتھے پہ گرے تھے اسکی دماغ کی شریانیں پھول رہی تھیں۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ملازنوں نے اسکے اس حالت میں آنے کی فوری خبر زولفقار جاہ کو دی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد خضر اور ژالے کو عزیز اپنے ساتھ لے گیا تھا رومائزہ کو بھی حلیمہ بی نے سو جانے کا کہا پر اسکی سوئی میران کے اگلے قدم پہ اٹک گئی تھی۔

اسکے لفظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

وہ کمرے میں چلی گئی کمبل کھینچ کر سر تک چڑھا لیا تھا کروٹیں بدلتی رہی پر نیند آنے سے قاصر تھی بمشکل ہی اسکی آنکھ لگی۔

حلیمہ بی ہلکی سی آہٹ پہ بیدار ہوئیں انھوں نے ہتھیلی سے آنکھ مسلی تو رومائزہ انکے برابر میں بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ متفکر سی گویا ہوئیں۔

"ڈر لگ رہا ہے۔" ماتھا رگڑ کے پسینہ صاف کیا حلیمہ بی نے باریک بینی سے اسے دیکھا۔

"کس سے ڈر رہی ہو؟"

"میران،، اسکے لہجے میں کچھ تھا وہ اپنی تزلیل کا حساب ضرور لے گا اور حلیمہ بی اب میں تھک گئی ہوں اس سب سے۔ مزید کچھ برداشت نہیں کر سکونگی۔" انکے کمبل پہ ہاتھ پھیر کر وہ کہہ کر رہی تھی۔

"لڑکی تم واقعی سر پھری ہو۔ اتنا الٹا سیدھا کیسے سوچ لیتی ہو؟ دماغ اور زبان دونوں کو کم چلایا کرو تم.. لمبی زبان ہے اور اندھا دھن چلتا دماغ! بولنے سے پہلے سوچ لیتی تو اب پچھتانا نا پڑتا۔"

"آپ بھی ناراض ہیں نا کہ اسے اتنا کچھ بول دیا۔ میں واقعی بہت شرمندہ ہوں آپ اسے بتائیے گا میں معافی مانگ رہی تھی۔"

"غصہ تو مجھے تم پہ آیا تھا پر تم سے کہاں ناراض رہ سکتی ہوں۔ اب جا کے سو جاؤ اور ان فکرات سے باہر نکلو اب سب ٹھیک ہونے والا ہے۔" اسے پر سکون کرتے انھوں نے اٹھ کے اسکے چہرے پہ بکھرے بال پیچھے کیے۔ وہ لب کترنے لگی۔

"اچھا ایک کام کرو میرے پاس سو جاؤ بس۔" اسکی نیند سے جاگتی خمار آلود آنکھیں دیکھ کر کہا انھوں نے تو مشکل حل کر دی تھی وہ یہی تو ان سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ فٹ انکے برابر میں تکیے درست کرتے کمبل ڈال کے لیٹ گئی۔ اس نے کروٹ لی۔ حلیمہ بی کی کھڑکی سے آسمان بیڈ کے پاس سے دکھتا تھا۔

آج آسمان پہ چاند نہیں تھا صرف تاریکی اور دور دور ستارے۔ سوچوں میں غرق نیند نے اس پہ مہربانی کر دی اور پلکوں کی باڑ بجھ گئی۔

"تم مجھے ہر قدم ساتھ پاؤ گی۔" شاید وہ اسکے خوابوں میں بھی یہ بات دہرا رہا تھا۔

فرش پہ جگہ جگہ راکھ اور کئی جلی ہوئی سگریٹ پڑیں تھیں انھیں پینے والا بھی خیالوں میں غرق قریبی بامبو کی کرسی پہ بیٹھا، جوتوں میں قید پیر میز پہ رکھے سیگریٹ سے بنتے مرغولے اڑا رہا تھا۔

مرکزِ نگاہ آسمان جب کہ سوچ مرکز..

رومائزہ شنواری!

ٹھہروں نا گلی میں تری وحشت نے کہا تھا

میں حد سے گزر جاؤں محبت نے کہا تھا

اسکے دل میں ٹھیسیں اٹھ رہی تھی۔رومائزہ کی آنکھوں میں بے اعتنائی زہن سے نکلتی نہیں۔اس ظالم کے لفظ دل میں چبھ رہے تھے۔اس لڑکی سے محبت نہیں عشق تھا اور وہ اس سمندر کی گہرائی میں پورا ڈوب گیا تھا۔اسکی چاہ اسکا حصول ہی اسکا اگلا قدم تھا۔فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا اب وقت عمل کا تھا۔

غصہ بھی بہت تھا پر اب تھم گیا تھا زہن میں اسکا سراپا لہراتے ہی لبوں پہ مسکراہٹ بکھری۔

زیرک انداز سے اس نے چاند پہ نظر ڈالی۔آنکھوں کے گرد بل پڑنے لگے، نظریں کچھ عجیب سی تھیں زہن میں جیسے کچھ چل رہا ہو۔

گویا رومائزہ کی بے اعتباری کا جواب دینے کی سوچ!...

گویا مستقبل کو سوچ کر آجانے والی لبوں پہ مسکراہٹ۔

میز سے پیر ہٹا کے کرسی سے کھڑا ہوا اور چھت کے کنارے پہ جا کے ایک ہاتھ کی ہتھیلی دیوار پہ جما کے اس نے باغ پہ نظر گھمائی۔

دھند کی بدولت منظر میں دھندلاہٹ تھی۔

پلر کے ساتھ ہی عزیز شمس کے ساتھ کھڑا تھا۔ وقفے وقفے سے اسکے لب ہل رہے تھے۔ میران نے نگاہ پھیر لی۔ موسم میں میٹھی میٹھی چاشنی تھی، ٹھنڈی ہوا جسم کو چھوتے ہوئے وجود میں لگی آگ کو ٹھنڈا کر گئی تھی۔

دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں جو سیگریٹ جکڑ رکھی تھی نیچے پھینکی اور زمین پہ دیکھتے ہوئے سیگریٹ کو پیر سے مسل دیا۔ جبڑے کس گئے۔ چہرے پہ سنجیدگی قائم تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر اتاری روح میں الگ قسم کی تقویت سرائیت کر گئی۔ پلکیں اٹھا کر اس نے سانس باہر چھوڑا اور حسبِ عادت ناک انگلی کی پشت سے رگڑ کر چھت سے نیچے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک دن کے وقفے سے اگلے دن نیمل آفس گئی تھی۔

کچھ پیپرز اس نے فائل کوور میں رکھے اور اپنے کیبن سے نکل کے دائم کے آفس کی جانب بڑھ گئی۔ چہرہ اور اندازِ چلن پر اعتماد تھا۔ وہ دروازے کے باہر آر کی۔

دروازے پہ تختی لگی تھی دائم علی کے نام کی۔ ایک بار اس نے زیرِ لب پڑھی۔

"مے آئی کم ان سر؟" آنکھیں چڑھا کے اس نے پوچھا۔

"یس کم ان۔" کچھ دیر بعد اندر سے بھاری مردانہ آواز آئی۔ وہ شیشے کے پار سے اچک کے دیکھ چکی تھی کہ ٹیبل کے کنارے پہ ٹک کے بیٹھا وہ موبائل فون پہ کسی سے بات کرنے میں مصروف ہے۔ لاک گھما کے وہ اندر آگئی۔ دائم کا چہرہ داہنی دیوار پہ کھڑکی کی طرف تھا جہاں سے دھوپ اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور پھر گزرتے ہوئے نیمل پر۔۔

اس نے چہرہ پھیر کے نیمل کو دیکھا جو فائل کو ور ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔ وہ مزید آگے ہوا دھوپ اسکی پشت پہ رک گئی۔ کان سے فون ہٹا کے ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"ریزائن دینے آئی ہیں کیا؟" وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا مخاطب ہوا بس فرق یہ تھا کہ وہ اسکی طرف مڑ گیا تھا۔ نیمل نے دانت پیسے۔

"نو سر۔ یہ ریکارڈز میں نے پڑھ لیے ہیں سب ٹھیک ہیں۔"

"اوکے۔ ایک کام کریں ان دو فائلز کو بھی ایک بار پھر چیک کر لیں۔" اس نے اپنی سربراہی کرسی کے پاس رکھی دو فائلز اور اٹھا کے اسکے سامنے کی۔ نیمل کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"سر"۔۔۔

"جی؟ کوئی مسئلہ ہے آپکو؟"

"آف کورس! یہ پچھلے سال کے ریکارڈز ہیں۔" اس نے پہلا صفحہ پلٹ کر سر اٹھایا۔

"آپکو جو کہا ہے وہ کریں۔ اور بہت نان پروفیشنل انداز ہے کام کرنے کا آپکا۔ یہ دیکھیں اور سیکھیں!" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کوٹ درست کرتا اسکے سامنے ہی اپنی ریوالونگ چیئر پہ بیٹھ گیا نیمل کا چہرہ اتر گیا تھا۔

وہی جانتی تھی ان موٹی فائلز میں کتنی متھاماری کرنی پڑے گی۔

"مجھے آج پانچ بجے تک آف چاہیے۔" ہمت کرکے اس نے کہہ دیا۔ دائم کے تاثرات آج کافی بدلے بدلے تھے۔

"ابھی آپکو جوائن کیے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ کبھی آپ کو لیو کبھی ہالف ڈے اور کبھی ریزائن!" اوہ تو طنز مار رہا تھا۔

"میں آپکے طعنے سننے کی سیلری نہیں لیتی۔" اسکا چہرہ لال ہو گیا دائم کہنیاں ٹیبل پہ جمائے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ ریکارڈز شام تک کمپیوٹر پہ چڑھا دیں پھر آپ جا سکتی ہیں۔ آپکو ایکسپیرینس نہیں ہے آہستہ آہستہ سب سیکھ جائیں گی۔" اسکے چہرے پہ صرف سنجیدگی تھی۔ نیمل نے ہاتھ میں پکڑی فائل دیکھی اور حلق میں اٹکی گٹھلی سٹک لی۔ جب وہ پہلا انٹرویو دینے آئی تھی اس نے بتا دیا تھا اسے جاب کا بلکل ایکسپیرینس نہیں ہے۔ انٹرویو بھی خاص نہیں گیا تھا پھر بھی اسے جاب مل گئی تھی۔ جس پہ خوش ہونے کے ساتھ تھوڑی بھی ہوئی تھی۔

"آپ میری مجبوری کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔" سرخ کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔

"آپکو کام کرنا بھی ہے کہ نہیں؟ یا صرف اپنے ایڈوینچر کے لیے آپکو میرا ہی آفس ملا!" اب کی بار دائم کے لہجے میں غصے کی جھلک عیاں ہوئی۔

"مجھے کام کرنا ہے پر آپ کئی دنوں سے مجھ سے یہی سب کروا رہے ہیں۔ میں پاگل دکھتی ہوں جو ری ریڈ فائلز پھر پڑھتی جاؤں"!

یہ فائل جو اسے ملی تھی ایک بار وہ پہلے ہی پڑھ چکی تھی۔ اب کی بار اسکے لہجے میں سختی آگئی۔

"بی ہیو یور سیلف آپ میرے آفس میں کھڑی ہیں۔ اگر ایسے ہی کام کرنا ہے تو اپنے بابا کے آفس میں کام کریں۔ میں اپنے کام میں کوتاہی برداشت نہیں کرتا۔

فائلز پڑھوانے کا مقصد یہی تھا کہ آپ طریقہِ کام جان جائیں۔ امید کرتا ہوں اب تک آپ سمجھ گئی ہونگی سب!" وہ لفظ جما جما کے بولا نیمل کو کہاں کسی کی اتنی سننے کی عادتیں تھیں

اسکی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔ دائم یک دم گڑبڑا اٹھا۔ اور ٹشو پیپر کا باکس اسکی طرف بڑھا دیا۔ نیمل نے ٹشو کھینچ کے آنکھوں کا پانی صاف کیا۔

"سوری وہ دھوپ کی وجہ سے پانی آگیا۔" دائم کا متفکر انداز یک دم ٹھنڈا پڑا اس نے کھڑکی سے آتی دھوپ کو دیکھا۔

"مجھے سارا کام سمجھ آگیا ہے اگر آپ مجھے اس قابل سمجھیں تو اسکے علاوہ وہ کام دے دیں جس لیے مجھے ہائر کیا گیا ہے!" وہ آنکھیں جھپکا کر بولی۔ دائم نے موبائل سائیڈ بٹن سے کھول کے وقت دیکھا۔

"شیور۔ شام پانچ تک آپ جا سکتی ہیں۔ پر کام مکمل کر کے۔" اپنی بات مکمل کر اس نے لب ملا لیے۔ نیمل کی شکل اتر گئی۔ وہ دل ہی دل میں اسے کوس رہی تھی۔

جب وہ واپس نا مڑی تو دائم نے سوال کیا۔

"کیا کوئی خاص کام ہے؟" لہجے میں بے چینی سی تھی۔

"ہاں سسرال والے آرہے ہیں۔" وہ بے چارگی سے بولی دائم کے پیروں سے زمین کھسکی۔ بھونچکا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آر یو اینگیجڈ؟" اس نے حیرت چھپا کے پوچھا نیمل نے چونک کے اسے دیکھا۔

"نو سر۔ میرے بھائی کے سسرال والے آرہے ہیں۔ گھر میں دعوت ارینج ہے بس اسی لیے جلدی جانا ہے۔" اس لیے تفصیل سے بتایا تو دائم کو سانس آئی۔

"تو پھر ٹھیک۔اے ایس پی صاحب کے سسرالی؟"

"جیسی سر!"جی پہ زور دیتے کہا جانے کے لیے پلٹی تھی دائم نے چاکلیٹ باکس اسکی طرف بڑھایا اس نے انکار کر دیا۔

"تھینکس۔پر مجھے چاکلیٹ نہیں پسند۔" کہتے ساتھ اس نے گولڈن فوائل میں پیک دو چاکلیٹ بالز اٹھالیں۔

"جب ہی اتنی کڑوی ہو۔" وہ بڑبڑایا اور باکس اپنے سامنے رکھ کے ایک چاکلیٹ خود نے بھی اٹھائی

"آپ نے کچھ کہا؟"

"نہیں۔" اسکی نگاہ اسکی مٹھی میں قید چاکلیٹ پہ تھی نیمل نے جیسے اسکی سوچ پڑھی ہو۔

"یہ فلزہ اور ادھیم کے لیے!" مسکرا کے بتا کر وہ پلٹ گئی۔دائم بس اسکے سحر میں جکڑ گیا تھا۔

کتنا ہی اسکے سامنے سخت رہتا پر نرمی آہی جاتی تھی۔نیمل کے جانے کے بعد اس نے ریپر کھول کے چاکلیٹ بال منہ میں رکھ لیا۔

"سر آپ نے مجھے بلایا؟" بزنس مینجر شہزاد صاحب اسکے آفس میں آئے تھے۔انگریزی میں مخاطب ہوئے تھے۔میران نے سر اٹھایا۔

"جی، آپ نے اٹلی کی ٹکٹس کنفرم کر دیں؟" جواباً اس نے بھی انگریزی میں ہی استفسار کیا شہزاد صاحب گڑبڑائے۔ وہ واپس لیپ ٹاپ پہ جھک گیا تھا تیزی سے انگلیاں حرکت میں تھیں۔

"آئی ایم سوری سر میں بھول ہی گیا۔"

"ٹھیک ہے آپ دو ٹکٹس بک کروا دیں۔" اس نے مصروف سے انداز میں کہا شہزاد صاحب 'او کے سر' کہتے سر اثبات میں ہلا کے آفس روم سے باہر نکل گئے۔

انوش شنواری ہاؤس کے دروازے پہ پچھلے دس منٹ سے کھڑی تھی پر اندر سے کوئی رسپانس نا ملا۔ وہ انکل اور رومائزہ کی خیریت دریافت کرنے آئی تھی۔

اس نے احتشام انکل کو کال ملائی گھنٹی جا رہی تھی پر کوئی کال اٹھا نہیں رہا تھا۔ اس وقت کالونی میں بھی سناٹا تھا۔ تھک ہار کے وہ واپس اپنی گاڑی کے پاس آگئی۔ آگے سیٹ پہ ڈرائیور بیٹھا تھا۔ پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھولا سامنے سیٹ پہ چاکلیٹس اور کافی چیزیں رکھی تھیں اسکے ذہن میں کچھ دیر پہلے کا منظر گھوم گیا۔ یونی سے آف کے بعد وہ مال گئی تھی اور تب کسی سے اسکا سامنا ہوا تھا۔ بے اختیار سوچ تھی جھٹک کے وہ واپس بیٹھ گئی۔

ہاتھ میں اشیاء سے لیس باسکٹ پکڑے وہ بل پیمنٹ کے لیے کاؤنٹر کے پاس آگئی۔ لمبی قطار بنی دیکھ اسے کوفت ہوئی تھی۔ درمیان میں ہی کہیں جگہ بنا کے وہ گھس گئی۔ کسی کی نظروں کے عقاب سے بچ کے وہ یہاں آئی تھی۔

جب کاؤنٹر پہ اس نے پیسے بڑھائے تو برابر والی لائن میں وہی پروقار سا بندہ آفس ڈریسنگ میں کھڑا تھا۔

اس نے انوش کو دیکھ کر سمائل پاس کی اس نے لب پیوست کر لیے۔ پیمنٹ پے کر کے وہ باہر کی طرف بڑھ گئی اسکے قدم اچانک رکے جب وہ راستے میں حائل ہوا۔ انوش کی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ دائم جیب میں ہاتھ ڈالے اسکے ساتھ چلنے لگا وہ پریشان ہو رہی تھی۔

پہلی ملاقات کچھ خاص نہیں تھی اس لیے اس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ پہلے انوش میٹل ڈیٹیکٹر سے گزری اسکے پیچھے دائم۔ مال کے دروازے کو دھکیلتی وہ باہر نکلی سیڑھیاں اتر رہی تھی تب بھی وہ اسکے پیچھے تھا۔ وہ تیوری چڑھا کے اسکی طرف پلٹی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے لڑکی کو چھیڑ رہے ہو، ابھی شور مچا کے سب کو بلا لونگی۔" اس نے غصے سے کہا دائم کو جیسے فرق نا پڑا۔

"میں یہ بات پروف کر دونگا میں نے کوئی چھیڑ خانی نہیں کی۔ صرف ساتھ ہی تو چل رہا ہو۔"

"کیوں بھئی کیوں چل رہے ہو؟" وہ جھنجھلا کے بولی۔

"کیونکہ میں میران کا بھائی ہوں۔"

"اوہ کین یو پلیز شٹ آپ؟ سگے بھائی نہیں ہو۔ خیر آئی ڈونٹ کیئر۔ میرے راستے میں اب مت آنا ورنہ میرے شوز ہی تمھارے لیے کافی ہیں۔" دائم نے بے ساختہ اسکے پیروں کی طرف دیکھا۔ سفید موٹے اسنیکرز تھے بے ساختہ اسے جھرجھری سی آگئی۔

"مجھے تمھارا نمبر چاہیے۔" بغیر بات لمبی چوڑی کیے وہ مدعے پہ آیا انوش نے بھنوو اچکائی۔ وہ چونکی ضرور تھی۔

"زیرو تھری ٹو ون جب ملاؤ تب بند۔ منہ توڑ دونگی اگر آئندہ نمبر مانگا تو۔" زبان کی لگام اس نے ڈھیلی چھوڑ دی۔

"مادام مجھے آپکی ہیلپ چاہیے اس لیے نمبر مانگ رہا ہوں۔"

"اور مجھے آپکی کوئی ہیلپ نہیں کرنی! ایدھی سینٹر نہیں کھول رکھا میں نے۔" وہ صاف منع کرتی سیڑھیاں اتر گئی اور فٹ سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ دائم چبھتی نگاہ سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا پھر سر جھٹک کے نفی میں سر ہلاتا پارکنگ میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"میں نے انھیں بہت سمجھایا تھا گھر کے کام وغیرہ سیکھ لیں پر ہماری صاحبزادی نے بھی قسم کھائی ہوئی تھی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ہی کچن میں قدم رکھیں گی۔ پر عائشے ہیں ہونہار چیزیں جلدی پک اپ کر لیتی ہیں۔" انعم آنٹی زرپاش کو بتارہی تھیں جو مسکرا کے سن رہی تھی۔

"ہاں ماشاءاللہ کچن میں اب مجھے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہوتی ایک بار ہی سب بتایا تو یہ سمجھ گئی۔ اور کھانا بنانا بھی سیکھ جائیگی۔ پہلی کوشش بھی بری نہیں کی تھی۔" یہ لفظ زرپاش کے تھے؟ عائشے کی سماعت کو یقین نہیں آیا وہ سن رہ گئی دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ دونوں سامنے بڑے صوفے پہ ساتھ بیٹھی تھیں اور عائشے سنگل صوفے پہ۔ جینٹس حضرات باہر لان میں تھے۔ مراد تو اسکے مطابق پتا نہیں کدھر مصروف ہوتا تھا آج بھی اسے عائشے نے تاکید کی تھی جلدی آنے کی۔ وہ اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ چہرے پہ ہلکا سا میک اپ اور لال نیمل کی خریدی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ انعم تو اسے دیکھ کر واری جارہی تھیں۔

نیمل نے ہی اسے کہا تھا وہ ساڑھی پہن لے۔ جب عائشے نے انکار کر دیا تو اس نے زرپاش کے منہ سے یہ بات کہلوادی۔ انکے ایک بار کہنے پہ بنا چوں چراں کیے اس نے ساڑھی پہن لی تھی۔ ہاتھ میں مراد کی پہنائی انگھوٹی تھی۔ بہت سادھا سی تیار ہوئی تھی بس آنکھوں کا میک اپ لائٹ سموکی تھا شانوں پہ سیاہ بال کھلے تھے۔

انعم بہت خوش تھیں انکی بیٹی کافی اچھے طریقے سے رہ رہی تھی انکو اسکے علاوہ اور کسی چیز سے کیا سروکار۔ عائشے نے انکو سسرالی معاملات سے بے خبر ہی رکھا تھا۔ زرپاش صاحبہ بھی انعم سے مل کر خوش تھیں دونوں خواتین

کی آپس میں کافی بن رہی تھی۔اور زرپاش کے منہ سے اپنے لیے جھڑتے پھول دیکھ عائشے حیرت میں مبتلا تھی۔ایک تو انکا گفتگو کا انداز بہت ڈیسنٹ تھا جو اسے بہت متاثر کرنے لگا تھا جب کہ اسکی ماں کا بھی سلیقہ مند انداز تھا۔

عائشے صرف انکی باتیں سن کے مسکرا رہی تھی لاؤنج میں مراد یونیفارم میں ملبوس داخل ہوا۔اس نے سلام کیا اور انھی کے درمیان آگیا۔اس نے سر جھکایا انعم نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔وہ عائشے کے برابر والے صوفے پہ جا کے بیٹھا گیا انعم اور زرپاش سے کچھ مکالمات کا تبادلہ ہوا۔پھر عائشے کو روم میں آنے کا کہہ کر اٹھ گیا۔

عائشے کمرے میں گئی اسے ڈر تھا آج بھی اسکے آنے سے پہلے اس نے کپڑوں کا انبار باہر نا لگا دیا ہو۔

"آپ فریش ہو جائیں میں آپکے کپڑے نکال دیتی ہوں۔" اسکے آگے سے ہی وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھنے لگی۔مراد نے اسے بازو سے پکڑ کے روکا اور اسے اپنے سامنے کیا۔

"کیا پہنا ہے یہ؟" اس نے نا سمجھی سے مراد کو دیکھا لب ترکیے۔

"ساڑھی ہے۔" اسکی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

"کپڑے ختم ہو گئے ہیں جو یہ پہن لی؟ ساڑھی ہی رہ گئی تھی کیا پہننے کو۔" وہ اسکے چہرے پہ تھوڑا سختی سے جھکا عائشے گڑبڑائی۔کچھ کہنے کے لیے اس نے لب کھولے تھے کہ مراد بول اٹھا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" کان میں کہہ کر وہ دور ہو گیا۔ عائشے نے سانس بحال کی۔ ایک پل کو اس نے عائشے کی جان نکال دی تھی بری طرح وہ چڑی اسکے ہاتھ پہ مکہ مار کے اپنا بازو چھڑایا مراد ہنستا ہوا پلٹ گیا اور وہ اسکے کپڑے نکال کے واپس باہر چلی گئی۔

کھانے کا دور چلا اس سے فارغ ہو کے سب لاؤنج میں ہی واپس آ گئے۔ معین اور انعم سے مل کر دمیر فیملی کافی خوش تھی۔ عائشے اور زرپاش کے درمیان کچھ ہچکچاہٹ تھی اگر وہ ختم ہو جاتی تو عائشے کہہ سکتی تھی اب سب نارمل ہو گیا ہے۔ پر وہ کافی حد تک زرپاش کو متاثر کر چکی تھی۔

"مراد کی بڑی بہن اور ہے سجل... میں نے انوائیٹ کیا تھا پر کچھ مصروفیات کی وجہ سے وہ آ نہ سکی۔" زرپاش اور انعم سے ہی باتیں کر رہی تھی۔ مرد حضرات کے درمیان سیاسی موضوع چھڑا تھا۔

نیمل اور عائشے دونوں موبائل میں سر دیے ہوئے تھیں۔ نیمل نا جانے اسے کیا دکھا رہی تھی جس پہ عائشے کا ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا تھا کافی دیر اس نے اپنی ہنسی پہ کنٹرول کیا تھا۔ ہنسنے سے اسکی آنکھوں میں پانی تک آ گیا۔ مراد نے چونک کر اسے اتنا ہنستے دیکھا ساتھ میں بہن بھی ہنس رہی تھی اس نے واپس چہرہ پھیر لیا۔

"بھابھی جان اتنا مت ہنسیں آنسوؤں سے آئی شیڈ خراب ہو جائیگا۔" نیمل نے اسے ٹوکا کیونکہ آئی میک اپ اسی نے کیا تھا عائشے نے بس آنکھوں پہ لائنر لگا کے چھوڑ دیا تھا۔ وہ محترمہ بہت دیر سے ان کیل کانٹوں سے لیس

مراد کو پریشان کر رہی تھی۔ہاں وہ زچ ہی ہو رہا تھا۔اے ایس پی کو اسکی بیوی نے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔نکاح کے وقت اسکے گمان میں بھی نہیں تھا وہ اسکا یوں عادی ہو جائے گا!

" نیمل تم دیکھ رہی ہو امی اور آنٹی کی باتیں ختم نہیں ہو رہی ہیں۔"عائشے نے ٹشو کی نوک سے آنکھوں کے گرد بھرا پانی صاف کیا۔نیمل اسکی بات پہ ہنسنے لگی آنکھیں چھوٹی کیے دونوں خواتین کو دیکھا۔

"مام کو آپکی فیملی بڑی پسند آئی ہے۔میری مام بری نہیں ہیں بس حالات ایسے بن گئے اور انھوں نے آپکے ساتھ زیادتی کر دی۔"نیمل کے کہنے پہ عائشے نے لب بھینچ لیے۔

"مام ہم بھی بیٹھیں ہیں ہمیں بھی گفتگو میں شامل کر لیں۔"وہ بول ہی پڑی عائشے نے اسے گھورا۔زرپاش کی سماعت سے اسکی بات گزری انھوں نے اطمینان سے دیکھا۔

"آپکو موبائل پہ کھی کھی کرنے سے فرصت مل جائے تو ضرور۔"انکا جواب سن کر عائشے ہنسی دبانے لگی نیمل نے آنکھیں چڑھا کے اسے دیکھا۔

"ہنسیں آپ پھنسوں میں۔واہ بھئی۔"ابھی وہ شکوہ بھری نظروں سے کہہ رہی تھی کسی کی پرجوش آواز لاؤنج میں گونجی۔

"اسلام و علیکم خالہ۔" محمل اندر صوفوں کے پاس آئی۔ تینوں خواتین کے چہرے پہ سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"امی کو دیکھو زرا کیسے خوش ہو کے اس چڑیل سے مل رہی ہیں۔ اللہ اللہ یہ کرنے کیا آئی ہے۔" انعم بیگم کے مصافحے پہ سوچ میں بڑبڑا رہی تھی۔ مراد باتوں میں مصروف رہا تھا محمل پہ توجہ ہی نہیں ڈالی۔

"کیسے آنا ہوا بیٹا؟" خالہ اپنی بھانجی پہ نچھاور ہی ہو جاتی تھیں وہ مسکرائی۔

"کیا میں آ نہیں سکتی۔ مجھے نہیں پتا تھا آپکے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں۔ پر مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے کچھ دکھانا ہے۔" زرپاش اسکو بتاتیں کہ عائشے کی فیملی آئی ہے وہ پہلے ہی اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوئی۔ ایک نگاہ اس نے عائشے کو دیکھا... عائشے کو اسکے تیور بھلے نہیں لگ رہے تھے۔ پچھلی بار وہ ویسے ہی دھمکی دے کر گئی تھی جسے عائشے نے رتی بار سیریس نہیں لیا تھا۔

"بعد میں دکھالینا۔" نیمل نے عائشے کا ہاتھ تھامے کہا محمل کے چہرہ اب بے تاثر تھا اس نے اسکا ہاتھ دیکھا جو عائشے کے ہاتھ پہ تھا۔

"یہ عائشے کی امی ہیں اور وہ والد صاحب ہیں۔"

زرپاش نے انکا تعارف کروایا محمل چونک گئی۔اس نے بے یقینی سے خالہ کو دیکھا۔یعنی وہ عائشے کو بہو تسلیم کر چکی تھیں گھر میں دعوتیں چل رہی تھیں۔اس لڑکی نے اسکا حق مارا تھا اور اب خالہ اسی کے گن گاتیں سوچ کر وہ سلگ گئی۔بدلہ بدلہ اندر بس یہی لفظ سرائیت کرنے لگا تھا۔

"یہ میری بھانجی محمل ہے۔"انھوں مسکرا کے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھا انعم نے پلکیں جھپکائیں۔بے حد خوبصورت لڑکی تھی وہ۔

محمل جس ارادے سے آئی تھی مہمانوں کو دیکھ اس نے ارادہ ترک کیا تھا، پر یہ جاننے کے بعد کے عائشے کی فیملی بھی موجود ہے اسکے چہرے پہ شیطانی مسکراہٹ رینگ گئی۔یہی اچھا وقت تھا۔

اس نے موبائل نکالا سب واپس باتوں میں محو تھے پر عائشے کا دھیان اسی پہ تھا اسکی سانسیں اٹک گئی تھیں۔محمل نے فون آن کر کے موبائل زرپاش کے سامنے کیا۔

اسکے موبائل سامنے کرنے پہ وہ چونکیں پر جب اسکرین پہ دیکھا تو انکا دم سن ہو گیا۔یک دم ماحول میں خاموشی چھائی تھی۔اور پھر محمل نے اپنا زہر اگلنا شروع کیا۔

"یہ ہے آپکی بہو کی اصلیت۔اس نے مراد کو بھی ایسے ہی پھنسایا ہو گا۔یہ دیکھیں یہ لڑکا کیوں اسکے اتنا قریب آتا ہے۔"وہ تصویریں ایک بعد ایک دکھا رہی تھی۔زرپاش کچھ بولنے کے قابل نا رہیں۔انعم اور معین کے چہرے کا رنگ اڑا سب جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔عائشے نے بے اختیار مراد کو دیکھا۔

انعم نے موبائل اسکے ہاتھ سے جھپٹ کے تصویریں دیکھیں انکے پیر لڑکھڑائے۔ معین کے دل پہ بوجھ بڑھ رہا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ مخمل نے سب کو یہ تصویریں دکھادیں۔

نیمل کے ہاتھ میں موبائل تھا عائشے نے قریب ہو کے تصویریں دیکھیں۔ کسی میں ہمایوں نے اسکا ہاتھ پکڑا تھا ایسے ہی اتنی ٹائمنگ میں تھوڑی بہت حرکت ہوتی دو تین اور تصوریں تھی۔ ایک میں وہ بلکل اسکے چہرہ پہ جھکا محسوس ہو رہا تھا۔ عائشے کا سر گھوم گیا۔

"میری بیٹی ایسی نہیں ہے یہ جھوٹی تصوریں ہیں۔" انعم نے فوراً عائشے کی طرف داری کی وہ سن کھڑی تھی تصوریں اصلی ہی تھیں۔ اسکے رونگھٹے کھڑے گئے۔ کوئی بھی یہ تصوریں دیکھتا تو وہی مطلب نکالتا جو مخمل نے نکالا تھا۔

"آنٹی یہ ساری اصلی تصوریں ہیں۔ پوچھیں اپنی بیٹی سے یونی میں کیا گل کھلاتی پھرتی ہے۔ اتنا اچھا سسرال مل گیا ہے آزادی کا غلط فائدہ اٹھا رہی ہیں محترمہ۔" وہ طنز کے تیر برسا رہی تھی۔ عائشے کی عزت سب کے درمیان اس نے دو کوڑی کی کردی تھی۔ کسی کے پاس بولنے کو کچھ نا تھا صرف مخمل تھی جو بولے جا رہی تھی۔

"امی میں نے کچھ نہیں کیا۔ بابا۔" اس نے بڑی آس سے انھیں دیکھا اور یقین دلانا چاہا آواز ڈگمگائی تھی۔ مخمل نے نیمل کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"عائشے یہ سب کیا ہے؟" زرپاش نے سختی سے پوچھا وہ کانپ گئی۔

"کیا یہ سچ ہے؟"

عائشے نے آنسو اندر اتارے۔وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"یہ کیا بتائے گی۔یہ لڑکا ہمایوں ہے اسکا کلاس فیلو اور دونوں کا افیئر"...

"بکواس بند کرو اپنی۔"نیمل اس پہ چیخی اسکا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"میری بہن مجھے خاموش کروا کے کیا ملے گا اپنی بھابھی کے کرتوت کیسے چھپاؤ گی؟"وہ تمسخر سے بولی۔عائشے صوفے پہ گری تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیا وضاحت دے۔ہمایوں قریب تھا اسکے۔اس نے موقع کیسے فائدہ اٹھایا۔

مراد جو کافی دیر سب کی سن رہا تھا محمل کی طرف بڑھا اور موبائل لیا۔

عائشے نے آس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔اسکے تصویریں دیکھنے کے بعد اسے مراد کا غصہ بھی دیکھنے کو ملتا۔اسے محمل کا منصوبہ کامیاب ہوتے نظر آرہا تھا۔وہ کہہ گئی تھی اسے گھر سے نکلوا کے رہے گی۔کاش وہ مراد کو یہ سب بتا دیتی۔

کیا وہ یقین کر لیتا ان تصاویر پہ؟'اللہ پلیز میری عزت بچا لے۔'

مراد نے اسکرین کو دیکھا پھر عائشے کو جو رو رہی تھی۔ بہت آس لیے مراد کو دیکھ رہی تھی جیسے شوہر پہ بھروسہ ہو وہ شک نہیں کرے گا وہ اس وضاحت نہیں مانگے گا وہ تو اس سے محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والے یقین کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنی عائشے کو جانتا نہیں تھا؟

"کیا ہے یہ؟" اس نے غصے سے پوچھا عائشے کے دل پہ بوجھ بڑھا وہ مزید کچھ سن نا سکی۔ سنسنی سی جسم میں دوڑ گئی محمل نے فتح کن مسکراہٹ اس پہ اچھالی۔

"مم مراد ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے اٹک اٹک کے کہا۔ مراد کے یوں پوچھنے پہ اسکا مان غرور دونوں ٹوٹے تھے۔ اس نے شکوہ کناں نظر اس پہ ڈالی۔ مراد کے تاثرات بے حد سخت تھے جبڑا بھینچا ہوا پتھریلا انداز۔

"بس ٹھیک ہے میری بیوی نے کہہ دیا ایسی کوئی بات نہیں تو پھر نہیں ہے۔ مجھے اسکی وضاحت کی ویسے بھی ضرورت نہیں۔ ان تصویروں کو غور سے دوسرے رخ سے دیکھو تو معلوم ہو دونوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔" اس نے ایک نگاہ عائشے کے ہاتھ پہ ڈالی جو گرم کافی گرنے سے جلا تھا۔ سفید بائیں ہاتھ پہ باریک سی پٹی بندھی تھی۔

"ہاتھ کیسے جلا تمھارا؟" اب کی بار مراد کے لہجے میں بے حد نرمی تھی۔ عائشے کو ڈھارس ملی۔

"کافی کر گئی تھی اسی لیے ہمایوں مدد کے لیے"..

"بس بہت ہے۔ سن لیا سب نے۔ اب تم بتاؤ یہ تصویریں تمہارے پاس کیسے آئیں؟ عائشے کو پھنسانے کے لیے تم نے یہ حرکت کی ہے؟" وہ سیدھے اور کڑک انداز میں مخاطب ہوا چند لمحوں میں عائشے کا خون بڑھا تھا محمل گڑبڑا گئی۔ عائشے نے مسکراتی ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اللہ نے اسکا مان نہیں توڑا تھا اسکے شوہر کو اسکے لیے ڈھال بنا دیا تھا۔ نیمل کچن میں گئی اور پانی لے کر آئی عائشے کو پلایا اسکی کمر سہلائی۔

اس سارے معاملے میں ارباز میر بھی خاموش تھے۔

"محمل جواب دو کیوں کیا یہ سب!" انھوں نے غصے سے کہا زرپاش صدمے کی حالت میں تھیں۔

"اس نے یہ سب کیوں کیا جواب ہم سب جانتے ہیں۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی پہ گھٹیا الزام لگانے کی۔ معافی مانگو عائشے سے!" مراد کے برہم حکمیہ انداز پہ محمل کانپ کے پیچھے ہٹی۔ وہ عائشے کو صوفے سے اٹھا کر اپنے ساتھ لایا اسے شانوں سے تھام لیا۔ وہ اسی کے رحم و کرم پہ کھڑی تھی۔ دل تو کیا تھا اس چڑیل کو گنجا کر دے۔

"معافی وہ بھی اس سے۔ مائی فٹ!" اس نے تنفر سے پھنکارا۔

"محمل زبان سنبھال کے بات کرو۔" پیچھے سے زرپاش کی آواز آئی۔ اسکے دل میں کچھ ٹوٹا اسے اپنی خالہ سے یہ امید نہیں تھی اسے لگا کہ وہ اسکا ساتھ دینگی۔

پر اس گھر کے لوگ مراد پہ بھروسہ کرتے تھے۔ خاص کر زرپاش اپنے بیٹے پہ اعتماد سب سے زیادہ رکھتی تھیں جو وہ کہہ دیتا تھا پھر وہی ہوتا تھا۔ کاش وہ اسکی محمل سے شادی نا کرنے کی بات بھی مان ہی لیتیں۔

"میں نے تمھیں آج تک صرف مام کی وجہ سے برداشت کیا ہے آئندہ یہاں بھٹکنے بھی مت آنا۔"

"تم اس دو کوڑی کی لڑکی کے لیے مجھے اتنا سنا رہے ہو۔" غصے سے وہ چلائی سب ہی فریقین اس بدتمیز بداخلاق لڑکی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"بکواس بند کرلو! میں عورت پہ ہاتھ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں مجھے مجبور مت کرو۔ دو کوڑی کے وہ لوگ ہیں جو ایسی گری ہوئی حرکتیں کرتے ہیں اور تم نے اپنی حیثیت سب پہ واضح کردی۔ میری بیوی کے خلاف ایک لفظ بولنے کی جرت مت کرنا۔" اسکی دھاڑ پہ وہ خاموش ہوگئی۔

"تمھیں کیا لگا الٹی سیدھی تصاویر دکھا کے سب کو اپنے قابو میں کرلوگی۔ تم سب کو بے وقوف بنا سکتی ہو محمل بی بی پر اے ایس پی مراد کو نہیں۔ بھول گئیں تھیں کیا اسکا شوہر کون ہے!" اس نے جیسے باور کردیا آنکھوں سے مراد کی شعلے برس رہے تھے۔ بس چلتا تو محمل کو لمحوں میں منظر سے غائب کردیتا۔

"واہ اے ایس پی صاحب مزا ہی کرادیا آپ نے۔" نیمل دل میں اسے داد دے رہی تھی۔ محمل مزید کچھ بولتی نیمل نے اسکا بازو پکڑا اور کہا۔

"محمل چلو یہاں سے ورنہ برا ہو گا." وہ زبردستی سے لاؤنج سے باہر لے گئی۔ مراد نے اسکا موبائل صوفے پہ پھینک دیا۔ عائشے نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"انکل آنٹی آئی ایم رئیلی سوری۔ جو بھی ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے عائشے کے کردار پہ پورا یقین ہے۔ آپ نے اپنی بیٹی مجھے سونپی ہے اسکی حفاظت میرا فرض ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں اس سب کے لیے۔" وہ معین صاحب کی طرف ہلکا سا بڑھا۔ انعم فوراً عائشے کے پاس آئیں۔

"اس لڑکی نے حد پار کر دی ویسے۔ پر ہمیں پتا چل گیا ہماری بیٹی ایک سمجھدار فیملی کا حصہ ہے۔ آپ لوگوں نے اس پہ یقین کیا۔ اگر بیٹا تم نا ہوتے تو شاید ہم بھی تصاویر پہ یقین کر لیتے۔" انھوں نے اسے گلے لگا لیا کیونکہ تصویریں سچی تھیں اور کوئی ایڈیٹنگ نہیں ہوئی تھی۔ بس اینگل ایسا تھا کہ تصویر کا مطلب کچھ اور نکل رہا تھا۔

"ہاں ہمارا بیٹا بہت ہونہار آفسر ہے۔" ارباز صاحب نے ہنستے ہوئے ماحول کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔ زرپاش عائشے کے پاس آئیں۔ اسکے سر پہ ہاتھ رکھا عائشے نے چونک کے انھیں دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ اس سے بولیں کچھ نہیں تھیں۔

"عائشے بیٹا آپ بلکل پریشان مت ہونا آپکا جو مقام ہے آپکی عزت ہے اس پہ کوئی آنچ نہیں آئی۔" ارباز دمیر کی طرف سے ملی تسلی اس کے لیے بہت تھی۔

"اب ہم بھی چلتے ہیں کافی دیر ہو گئی ہے۔"

انعم نے میاں کے کہنے پہ سر ہلایا عائشے کو پیار کیا۔

"تم خوش قسمت ہو جسے اتنا اچھا شوہر ملا ہے۔ جسے تمھاری وضاحت کی ضرورت نہیں تم پہ بھروسہ کرتا ہے۔ اسکا دیا بھروسہ ہمیشہ سنبھال کے رکھنا۔ اور آئندہ احتیاط تم بھی برتنا"!

عائشے نے سر ہلایا ان سے گلے لگی پھر بابا سے۔ ارباز اور مراد انکو باہر تک چھوڑ آئے تھے۔ نیمل محمل کو اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ جو بھی تھا اسکی کزن تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے۔ پر اسکی حرکت پہ نیمل کو شدید غصہ چڑھا تھا کمرے میں جا کے اس نے خوب اسے کھری کھری سنائی تھیں۔ ان دونوں کی آواز بلند ہوئیں تو زرپاش سر پہ ہاتھ مارتیں کمرے کی طرف بڑھیں ارباز صاحب لائبریری کی جانب جا چکے تھے۔ سب ایسے ہو گئے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو۔

"تھینک یو۔" وہ نم آنکھوں سے مراد کا ہاتھ تھامے بولی۔ مراد مسکرا دیا۔

"یہ تو میرا فرض تھا۔ پر ایک شکوہ ہے۔ اپنے لیے تم آواز نہیں اٹھاتی ہو۔ آج ایک تھپڑ اسکے منہ پہ مارنا بنتا تھا۔ میں نہیں مار سکتا تھا پر تم مار دیتیں۔ اس نے اتنے جھوٹے الزام لگا دیے پر محترمہ کو رونے سے فرصت ملے تو کچھ کریں۔" تھوڑے غصے سے اس نے کہا عائشے کو دیکھا جو منہ بنائے کھڑی تھی۔ پھر اس نے اسکا ماتھا چوما اور اسکی نظروں میں دیکھا نگاہیں نرم چاشنی سی تھیں۔

"بہادر بنو!" عائشے ہنس دی۔

"آپ کو برا نہیں لگا اس نے میرا ہاتھ واقعی پکڑا تھا۔"

"وہ مدد کی غرض سے بڑھا تھا۔"

"میں نے ہاتھ جھٹک دیا تھا پر پتا نہیں کیسے کسی نے اتنی جلدی تصویریں بنا لیں۔ وہ صرف ٹیبل پہ بیٹھا انوش اور میرا دماغ کھا رہا تھا۔ ہماری اس سے کوئی دوستی وغیرہ نہیں ہے۔" عائشے نے بات کلئیر کر دی مراد نے توقف سے سینے پہ ہاتھ باندھ کے اسے دیکھا۔ آنکھوں کا میک سارا بہہ کر نیچے آگیا تھا اسے ہنسی آگئی عائشے اسے گھورنے لگی۔ کمرے سے آتے شور پہ دونوں چونکے اور وہاں لپکے۔

"خالہ آپ نے مجھے بلکل پرایہ کر دیا۔ آپ نے ہی مجھے مراد کے خواب دکھائے تھے اور اب آپ ہر چیز سے بری الذمہ ہو گئی ہیں۔"

" میری غلطی تھی میں مانتی ہوں۔ پر مراد نے شادی اپنی مرضی سے بنا بتائے کی ہے! اور میں تمھاری وجہ سے عائشے کے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکتی۔ میں نے تمھیں اپنی اولاد سے بڑھ کے محبت دی پر تم نے ایک پل کو ہماری عزت کا نہیں سوچا سب کے سامنے نیلام کر دی۔ تم نے زرا لحاظ نہیں کیا عائشے کے گھر والے موجود ہیں اور اتنی گھٹیا حرکت کی ہے میں نے تمھاری یہ تربیت تو نہیں کی تھی۔"

زرپاش صاحبہ غصے سے کہہ رہی تھیں۔ عائشے اور مراد اندر آئے۔ نیمل بھی وہی کھڑی تھی۔

"آپکی محبت کا میں کیا کروں گی اپنی بات تک پہ تو آپ قائم رہ نا سکیں۔ آپ پہ مجھے کبھی اعتبار کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ آپ اس قابل ہی نہیں۔" وہ نہایت بدتمیزی پہ اتر آئی عائشے اسکے لفظوں پہ ششدر تھی اس نے زرپاش کو دیکھا جن کے چہرے پہ صرف افسوس اور ندامت تھی۔

وہ آگے بڑھی اور زوردار تھپڑ محمل کے منہ پہ جڑ دیا۔ محمل نے بے یقینی سے منہ پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھا۔ اپنی ماں کے لیے اسکے منہ سے بکواس سن کر جوان دونوں بہن بھائیوں کو تیش آیا تھا عائشے کے تھپڑ سے ٹھنڈے ہوئے مسکراہٹ لبوں پہ رینگ گئی۔

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بکے جاتی ہو۔ بن ماں کی بچی ہو آنٹی نے تم کو ماں کتنا پیار دیا وہ سب تمھیں یاد نہیں؟" عائشے شدید غصے سے بولی۔ اسکے لہجے نے محمل کو مزید چونکا دیا۔

"تمھاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پہ ہاتھ اٹھانے کی۔" محمل کا ہوا میں اٹھتا ہاتھ عائشے نے جکڑ لیا۔

"محمل بی بی میں نے کہا تھا آئیندہ ہاتھ مت اٹھایا توڑ بھی سکتی ہوں میں یہ ہاتھ۔ سمجھی!" اسکی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر کہا۔ زرپاش نے بے تاثر سی محمل پہ نگاہ ڈالی آج اس نے ساری حدیں پار کر دی تھیں۔

"تمھاری اصلیت میں سب کو بتا کے رہونگی"

"میری چھوڑو تم اپنی اصلیت سب کو دکھا چکی ہو۔" عائشے نے جھٹکے سے اسکا جکڑا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"کیا دھمکی دے کر گئیں تھیں مجھے گھر سے دھکے دے کر نکلواؤ گی۔" عائشے نے اسکا جیسے بھانڈا پھوڑا۔ زرپاش کی آنکھیں پھیل گئیں مخمل کے چہرے پہ کسی قسم کی شرمندگی نہیں تھی۔

"مخمل چلی جاؤ بس، کہیں تمھاری دھمکی الٹا تمھارے گلے کا ہار نا بن جائے!" نیمل گویا ہوئی وہ غصے سے ان سب کو دیکھتی پلٹ گئی۔ مراد سے ٹاکرا ہوا۔

"تمھارا ثبوتوں سے خالی موبائل صوفے پہ پڑا ہے لیتی جانا۔" مراد ماتھے پہ آنکھیں چڑھا کے کہتا اسکے سائیڈ سے نکل کر زرپاش کے پاس بڑھ گیا وہ پیر پٹخ کے وہاں سے نکل گئی۔ شاید انکی زندگی سے بھی۔

عائشے کافی بہادری دکھا چکی تھی اس نے ہڑبڑا کے ان تینوں کو دیکھا جو رشک سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تم نے تو میری بات بڑی سیریس لے لی فوراً عمل۔" مراد نے پیچھے بچھے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ عائشے کنفیوز سی ہو گئی زرپاش اسکے پاس بڑھیں اور خود سے لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دینا میں نے تمھارے ساتھ بھی ناانصافی کی ہے۔" وہ شرمندہ سی بولیں۔ اپنے برتاؤ پر بھی انھیں شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"آنٹی آپ معافی مانگ کے مجھے شرمندہ کر رہی ہیں میں آپکی کنڈیشن سمجھ سکتی ہوں۔ آپ بڑی ہیں ڈانٹتے ہوئے پیار کرتے ہوئے اچھی لگتی ہیں معافی مت مانگیں۔" اس نے زور سے انھیں بھینچ لیا وہ مسکرانے لگیں پھر دور ہوئیں۔

"تمھارے والدین نے بہت اچھی پرورش کی ہے تمھاری، ہمیشہ خوش رہو۔" عائشے جی جان سے مسکرائی۔

اسے جو کمی محسوس ہوتی تھی زرپاش نے آج پوری کر دی تھی۔ عائشے نے کبھی ان سے زبان درازی نہیں کی جو وہ کہتیں وہی کرتی۔ اور آج جب انکے بچے بھی بول نا پائے تو وہ انکے حق میں بولی تھی۔ محمل کے لیے وہ خود کو بھی قصوروار سمجھتی تھیں۔

"ہاں مجھے آنٹی نہیں مام کہا کرو جیسے مراد اور نیمل کہتے۔"

"جی آنٹی.. سوری مام۔" وہ ہنس دی۔ اسکے ہاتھ میں ہلکی ہلکی جلن ہو رہی تھی پر پرواہ کسے تھی اب۔

"میرے خیال سے اب جب سب ٹھیک ہو گیا ہے ہمیں موو آن کر لینا چاہیے۔" مراد پیچھے بیٹھا بولا زرپاش نے سر ہلایا۔

"ہم نے تو پہلے دن ہی سب تسلیم کر لیا تھا۔ اب زرا سجل آپی کو بھی انکی چہیتی کا کارنامہ سنادوں.۔" اسکے چہرے پہ شیطانی مسکراہٹ لپکی۔

"تم نے سب ریکارڈ کیا ہے؟" عائشے نے حیرانی سے پوچھا نیمل نے مؤدب انداز میں سر جھکا لیا۔ زرپاش نے اسے گھور کے منع کیا پر وہ ریکارڈنگ بھیج چکی تھی۔

"کل سجل آپی بھی آئینگی اب دوڑی دوڑی.." وہ آنکھ دبا کے ہنس دی اور موبائل ایک طرف رکھا۔ زرپاش نے ان تینوں کو گلے لگا لیا۔

"میں تمھاری کبھی نہیں ہو سکتی بھول جاؤ مجھے۔"

"کوئی ممکن بات کرو!

کوشش کی تھی بھلانے کی پر ہار ملی۔ ہار کے بھی تمھاری محبت میں جیت گیا تمھیں پالینے کے بات جیت مکمل ہو جائے گی۔"

"تمھاری ضد ہے اور کچھ نہیں۔"

"مجھے اپنی محبت کے قصیدے نہیں سنانے جو سمجھنا ہے سمجھو"

"ڈائیلاگز ہیں یہ بس" میران نے ضبط کر کے اسکا بازو پکڑ کے رخ اپنی طرف کیا۔

"محبت کرنے والوں کی زبان تم سمجھ نہیں سکتیں۔ ذہن میں بٹھالو تمھاری تمام راہیں میران جاہ کی طرف ہی آئیں گی۔ یہ دنیا ہی رکاوٹ ہے نا یہی لوگ ہمیں ایک کریں گے۔" وہ چپ ہو گئی میران کو اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تھا اس نے اسکا بازو آزاد کر دیا۔ وہ شخص اسے لفظوں میں مات دے دیتا تھا ضمیر اسکی محبت کے چیتھڑے اڑانے کا حق دیتا بھی نہیں پھر بھی بہت کچھ بول کر اسے خود سے بد ظن کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ پر وہ بھول رہی تھی وہ میران تھا جو اسکی محبت میں اسے مکمل پور پہ پڑھ چکا تھا۔

"انشاء اللہ اب ملیں گے تو تمھیں بی بی سرکار کے روپ میں دیکھوں گا۔"

"وہیں رہنا کبھی مت آنا"!

یک دم رومائزہ نے خیال جھٹکا۔ اب تو اسے خود سے بھی ڈر لگ رہا تھا اسکا دل کس جانب چل پڑا تھا۔

آج وہ اپنے گھر واپس جا رہی تھی۔ خوشی سے اسکے پیر زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے لگا تھا میران اس سے ملنے آئے گا پر وہ نہیں آیا۔ اسے اسکی جانب سے ڈر بھی لگا تھا پر حلیمہ بی نے اسے کافی پر سکون کر دیا تھا۔ وہ سب ایک جذباتی عمل تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا جب بھی اگر میران سے ملاقات ہوئی تو اپنے رویے کی معافی ضرور مانگے گی۔ آخر اس نے اسکے لیے اتنا کچھ کیا اور الٹا وہی اس پہ شک کر بیٹھی غلطی اسکی تھی جس پہ وہ دل سے شرمندہ تھی۔

"آپکے چھوٹے سائیں نہیں آئیں گے ؟" سر پہ اسکارف لینے کے بعد اس نے اپنے شوز پیروں میں ڈالے۔ وہ اسی لباس میں تھی جس میں وہ یہاں آئی تھی۔ اس نے سرسری سا پوچھا۔

"وہ نہیں آئیں گے، مصروف ہیں آج وہ۔" حلیمہ بی اسکی تیاری دیکھ رہی تھی جسکے چہرے پہ مسکراہٹ رقم تھی۔

"جلدی کرو باہر عبدل تمھارا انتظار کر رہا ہے۔" وہ صوفے سے کھڑی ہوئیں رومائزہ نے جوتوں کے لیس باندھ لیے تھے۔ انکے ہیچھے ہی وہ کھڑی ہوئی ان سے ملی گلے بھی لگی۔ حلیمہ بی کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں رومائزہ کی آنکھوں میں بھی نمکین پانی ابھر آیا۔

"آپ نے میرا بہت خیال رکھا ہے اللہ آپکو اسکا اجر دے گا۔" وہ ان سے دور ہٹی دونوں نے نم آنکھیں پونچھیں۔

"آگے فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے سائیں اٹلی سے واپس آ کے نکاح کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔"

"حلیمہ بی مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا کروں۔" وہ بے بس سی گویا ہوئی۔ وہ مسکرادیں۔

"اتنا یاد رکھنا وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور یہ سب تمھارے لیے کیا تم انکے لیے بہت خاص ہو تمھارے لیے اپنے بابا سے بھی انھوں نے اختلاف کیا ہے۔" انھوں نے اسے سمجھایا وہ سر ہلا گئی۔

"جو دل میں چل رہا ہے اسے قبول کر لو." اس نے چونک کے سر اٹھایا اور پھر آگے بڑھ گئی۔

وہ دروازے پہ کھڑی تھی اس نے پلٹ کر فارم ہاؤس نہیں دیکھا تھا۔ پارکنگ میں گاڑی کھڑی تھی گارڈز اسکے منتظر تھے۔

اس نے دھیرے دھیرے قدم اٹھائے۔ دروازے سے پورا باغ دکھتا تھا اس نے نظر گھمائی۔ ہریالی ہی ہریالی تھی۔ دل کی رفتار نے تیزی پکڑ لی تھی۔ دروازے پہ گارڈز کھڑے تھے جن کے سر جھکے تھے۔ مالی بابا اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ایک دو بار ہی انکی اس سے بات ہوئی تھی۔ وہ چھپڑے کے نیچے سے باہر نکلی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

"میران جاہ میں جا رہی ہوں تم نے میری جان اور عزت دونوں کو محفوظ رکھا ہے۔ شکریہ تمھارا۔" پہلی سیڑھی سے اتری۔

"تم نے اپنا وعدہ پورا کیا مجھے تم پہ یقین ہے۔ پچھلی غلطی پہ مجھے معاف کر دینا میں نے واقعی بہت غلط الزامات لگا دیے تھے۔" دوسری اور آخری سیڑھی سے اتری۔ دل سے جیسے بوجھ اترا تھا من ہلکا ہوا قدموں میں تیزی آگئی وہ پارکنگ کی طرف بڑھی گارڈ نے دروازہ کھولا۔ حلیمہ بی اسکے پیچھے کھڑی تھیں وہ بے اختیار ایک بار پھر انکے گلے لگی اور بنا پیچھے مڑے گاڑی میں بیٹھی گئی۔ آنکھ سے آنسو ٹوٹ کے پھسل کے تھوڑی کے نیچے گرا۔ ڈیڑھ ماہ کا صبر تھا یہ جو ایسے بہہ نکلا۔ خوشی کے موتی آنکھوں میں ٹمٹما رہے تھے۔

حلیمہ بی نے دروازہ بند کر دیا۔ گاڑی کے کالے شیشے چڑھے تھے وہ اندر اسے دیکھ نہیں سکیں۔ ڈرائیور نے جیسے ان سے اجازت طلب کی حلیمہ بی سر ہلایا تو ڈرائیور نے گاڑی اگنیشن میں چابی گھما کر اسٹارٹ کر دی۔ عبدل نامی گارڈ انکے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ آگے ہی بیٹھا اور پھر ڈرائیور نے گاڑی ریورس گئیر پہ ڈال کے باہر نکال لی۔

حلیمہ بی گاڑی کو دروازے سے نکلتا دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ گہرا اکتھئی رنگ بیرونی دروازہ بند ہو گیا۔ ماحول میں سکوت طاری ہو گیا انکا دل جیسے ڈوبا۔

گزرے دنوں میں انھوں نے اسے ماں جتنا پیار دیا تھا بیٹی کی طرح اسے رکھا تھا۔ بہت قریب ہو گئی تھی وہ۔ اسکی تکلیف پہ وہ بھی تڑپ اٹھتی تھیں۔ آج اسے اسکے صبر کا پھل مل گیا تھا۔ اس جنونی سی لڑکی کو انھوں نے کیسے سنبھالا تھا وہی جانتیں تھیں۔ وہ ان سے اپنے آنسو چھپاتی تھی پر وہ اسکی کیفیت سب جان لیتی تھیں۔

وہ اپنی نم آنکھیں پونچھ کر اندر کی طرف پلٹ گئیں۔

یہ اگلا دن تھا عائشے بھنبھناتی ہوئی ہمایوں کے سر پہ پہنچی جو لائیبریری میں بیٹھا کتابوں میں چھپا موبائل یوز کر رہا تھا۔ انوش عائشے کے ہم قدم تھی۔

عائشے نے لائبریری کے رولز کا لحاظ کیے بغیر اسکی ٹیبل پہ اپنا رجسٹر پٹخا تھا۔ ہمایوں نے اچھنبے سے سر اٹھایا۔ عائشے کی حرکت پہ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بے شرم شخص ہو تم.. انتہائی گرے ہوئے انسان ہو۔ بلکہ تم انسان ہو کہ بھی نہیں؟" عائشے کا پارا ہائی تھا اسکے اونچا بولنے پہ آس پاس کی ٹیبلز پہ بیٹھے طلبہ ڈسٹرب ہونے لگے تھے۔ کچھ نے سر اٹھا کہ اسے دیکھا اور اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔

بیگ گود میں رکھ کے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ انوش کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی مسلسل پیر ہلا رہی تھی جیسے آج تو ہمایوں کا فیصلہ کر کے رہے گی۔

"کیا ہو گیا کیوں تم دونوں مجھے کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہو؟"

"تمھیں نہیں پتا! زلیلوں والی تم نے کل حرکت کی ہے نا۔ بتاؤ محمل چڑیل نے تم کو وہ سب کرنے کے لیے کتنے پیسے دیے تھے؟" اب یہ محمل چڑیل کون تھی؟ اور کون سے پیسے کاہے کے پیسے! ہمایوں کے تاثرات عجیب سے ہوئے۔

"بھولا پن تو دیکھو کیسے ٹپک رہا ہے پر کرتوت انتہائی!!" انوش دھیمی آواز میں دانت کچکچاتی غرائی۔

"میری بہنوں مجھے بتادو میں نے کیا کیا ہے!" اب کی بار وہ بول اٹھا وہ بلکل سمجھ نہیں پا رہا تھا وہ دونوں کس بارے میں اس سے جواب طلب کرنے آئی تھیں۔

"کل تم نے کہا تھا تم کبھی ہمیں تنگ نہیں کرو گے نا ہی روما کو! پھر تم کافی دیر ہماری ٹیبل پہ بیٹھ کے ہمارا سر کھاتے رہے۔ تم نے کافی بھی منگوائی اور پھر وہ گر گئی تو تم میری مدد کے لیے بڑھے اور ہاتھ پکڑا تھا۔" عائشے ایک سانس میں کھینچ کر بولی اور سب یاد دلایا۔

"تو مدد کرنے میں کیا برائی تھی!" اس نے تیور چڑھائے۔

"سنو ہمایوں سعید یہ بتاؤ تم نے یہ سب کس کے کہنے پہ کیا؟"

"بات کیا ہے یہ بتاؤ میں نے قسم سے کچھ نہیں کیا اور یہ محمل کون ہے؟"

"تمھیں واقعی محمل کو نہیں جانتے؟" انوش نے بھنوواچکائی۔

"نہیں بھئی۔ آج تک محمل نام کی کسی لڑکی تک سے ٹاکرا نہیں ہوا۔" عائشے نے گردن اوپر کر کے انوش کو دیکھا اس نے آنکھ جھپکی۔

"تم نے کل عائشے کی مدد کی۔ تم ہماری ٹیبل پہ یوں بیٹھے تھے اس بات کا کسی نے فائدہ اٹھایا اور تمھاری اور عائشے کی تصویریں لی اور انکو غلط بات کو رخ دے دیا۔"

"استغفر اللہ۔ محمل نامی لڑکی نے۔ پر یہ ہے کون؟" وہ سمجھتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

"چڑیل ہے چڑیل!" عائشے نے آنکھیں بڑی کر کے منہ بگاڑ کے بتایا۔ انوش کا قہقہہ چھوٹا۔

"اوہ تو تم لوگوں کو لگا کہ"...

"ہاں ہمیں وہی لگا۔ سچ بتاؤ تم اسکے ساتھ ملے ہوئے تو نہیں؟ ہم ڈین سے کمپلین کر دینگے"!

"معاف کرو بھئی مجھے۔ مجھے یہ سب کر کے کیا ملے گا۔ اور تم تو اے ایس پی کی بیوی ہو تم پتا کر والو کس نے اسکو تصویریں کھینچی"!

"او گاڈ ہاں وہ مسکان وہ کسی محمل نامی لڑکی کا زکر کر رہی تھی کچھ دن پہلے اسکے منہ سے میں نے سنا تھا میں کینٹین جا رہا تھا تب وہ اپنی دوست کو کچھ بتا رہی تھی۔" ہمایوں کو جیسے ہی یاد آیا تو بول پڑا۔ عائشے اور انوش کا ماتھا سکڑا۔

"کنفرم کر لو پھر ہم اسکی ڈین سے شکایت کریں گے۔" عائشے نے جیسے فیصلہ سنا دیا۔ ان دونوں نے سر ہلایا۔ انوش نے ایک نظر ہمایوں کو دیکھا اب دشمنوں سے مدد لینی پڑ رہی تھی۔

ہمایوں اپنا سامان سمیٹ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے جانے کے بعد ان دونوں نے سانس خارج کی۔

"اگر یہ مسکان کی حرکت ہوئی تو میں اسے یونی سے نکلوادو نگی۔ اتنی گری ہوئی حرکت کی ہے اس نے۔ لوگوں کو کچھ خدا کا خوف ہی نہیں رہا۔ اگر تمھارے سسرال والے سمجھداری سے کام نہ لیتے تو..." اسے جھرجھری آگئی۔

"پر انوش محمل کی اس حرکت سے میری انکے درمیان مزید عزت بڑھ گئی ہے۔ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ سب نے اسکا اصلی روپ دیکھ لیا۔ اس سے اب جان چھوٹ گئی۔" عائشے مطمئن تھی۔

"ہاں پر میں اس مسکان کو ایسے ہی نہیں چھوڑنے والی"!

"اچھا مت چھوڑنا۔ انوش تمھیں پتا ہے میں روما کو آج سب سے زیادہ مس کر رہی ہوں۔ تم دونوں کے آنے سے میری دنیا بدل گئی ہے۔ آج میں مکمل ہوں اور وہ نہیں ہے یہاں، وہ خواب بھی میرے ذہن سے جاتا نہیں۔"

عائشے خواب کے اثر میں کھوئی کھوئی بول رہی تھی۔ وہ اپنے دل کے احوال کے علاوہ ان سے ہر بات شئیر کرتی تھی، کیونکہ ہر چیز بتانے کے لیے نہیں ہوتی کچھ آپ صرف دل تک ہی رکھیں تو زیادہ بہتر ہوتا ہے جیسے وہ لوگ اسکے لیے کتنی خاص تھیں ان سے محبت تھی۔ انکے لیے وہ ایک غلط لفظ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی انوش نے ناخن چباتے ہوئے اس پہ نگاہ ڈالی۔

"پتا نہیں اسکی خالہ کو کیا ہو گیا ہے جو اتنا لمبا روک لیا۔ مجھے لگا تھا ہفتہ دو ہفتے تک آ جائیگی۔ یہاں دوسرا مہینہ چل رہا ہے۔ اسکے گھر گئی تھی احتشام انکل گھر پہ نہیں تھے نعمت بی نے بھی دروازہ نہیں کھولا تھا۔" اسکے چہرے پہ فکر و پریشانی صاف واضح تھی۔

"امید ہے وہ ٹھیک ہی ہو گی اپنی ننجا کا کوئی بھلا کچھ بگاڑ سکتا ہے کیا!" انوش نے دونوں کے درمیان ٹینشن کم کرنے کے لیے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ شاید دوستی تھی جو وہ تینوں محسوس کرنے لگی تھیں۔ خون کا رشتہ نہیں تھا پر دلی رشتہ بن گیا تھا۔

"عائش تمھیں پتا ہے میں تمھارے لیے بہت خوش ہوں۔" ٹیبل پہ سر جھکائے انوش نے ہلکے سے کہا عائشے کے ہونٹوں پہ تبسم بکھر گیا۔ وہ سر ہلا کہ رہ گئی۔

کون تھی وہ ایک مڈل کلاس عام لڑکی؟ جسے دوستوں کی محبت نے زندگی جینا سکھایا،، پھر شادی کے بعد جس نے زندگی سے کئی سبق سیکھ لیے! مراد جیسا ہمسفر مل گیا جس نے یقین کرنا سکھایا۔ اور پچھلی رات کے واقعے سے تو اسے شوہر پہ غرور سا ہو گیا تھا۔

کافی دیر وہ دونوں ساتھ بیٹھے باتیں کرتی رہی تھیں پھر جب کلاس کا ٹائم ہوا تو لائیبریری سے اٹھ گئیں۔

گاڑی سڑک پہ رواں دواں تھی، پچھلے دس منٹ سے وہ خالی زمینوں کا سفر طے کر رہے تھے جہاں کسی قسم کی آبادی نا تھی۔ البتہ فاصلے پہ کہیں درخت نظر آتے تو کہیں مکمل ہری گھاس، کچھ باغات تھے تو آگے جا کے بنجر زمین۔ اتنا اسے سمجھ لگ گئی تھی لاہور سے باہر کا یہ علاقہ ہے۔ اچانک گاڑی رکی۔ اس نے چونک کے گارڈ کو دیکھا جو اسکی طرف چہرہ موڑ کے پلٹا۔

"گاڑی کیوں روکی ہے؟"

"میڈم آپکو اترنا پڑے گا۔" عبدل نے نظریں جھکا کے کہا اس نے نا سمجھی سے اسے دیکھا پھر باہر۔

"کیا مطلب ہم گھر جا رہے ہیں نا،" اس نے گھبراہٹ چھپاتے کہا۔

"جی، آپ اتریں مجھے جو چھوٹے سائیں سے حکم ملا ہے اسی کی تابعداری کر رہا ہوں۔" اسکی نظریں گارڈ کے چہرے پہ جمی تھیں۔ عزیز کے بعد میران کا سب سے قریبی بندہ تھا وہ۔ سیکورٹی کے وقت وہی اسکے سب سے پاس ہوتا تھا۔

رومائزہ اس کی بات پہ پریشان ہوئی تھی اسکی نظریں گارڈ سے ہوتے ہوئے سامنے ونڈ اسکرین پہ پڑی۔ سامنے ایک گاڑی رکی ہوئی تھی جس میں سے گرے شرٹ بلیک پینٹ میں ملبوس احتشام شنواری چہرے کی بڑھی داڑھی پہ ہاتھ پھیر کے گاڑی سے اترے تھے۔ اس کے چہرے پہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ فوراً سے وہ گاڑی کے لاک پہ لپکی اس نے ہینڈل گھمایا پر دروازہ کھل نہیں سکا۔ اس نے الجھ کے گارڈ کو دیکھا۔ ڈرائیور نے آگے سے

گاڑی آن لاک کی۔ رومائزہ نے پھر جب ہینڈل پہ قوت لگائی تو دروازہ کھلتا چلا گیا وہ گاڑی سے اتر کے دوڑتے ہوئے شنواری صاحب سے جا لگی۔

"میرا بچہ آگیا۔" شنواری صاحب نے اسکے ماتھے پہ پیار کیا وہ نم آنکھوں سے ہنسنے لگی۔ اتنے دن بعد اپنے باپ کو دیکھا تھا چہرہ کتنا اترا ہوا تھا کافی کمزور ہو گئے تھے۔ اسکی فکر اور قرض چکانے کی ٹینشن سے ہی انکی یہ حالت ہوئی تھی۔

"احتشام صاحب میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔" انکا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ انگریزی کے فقروں میں بولی۔

"میں نے بھی اپنی روما کو بہت یاد کیا۔" انھوں نے اسکے سر کے بال سہلائے۔

"آپ مجھے لینے آئے ہیں۔"

اس نے انکا ہاتھ تھام لیا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"چلیں؟ باقی باتیں گھر جا کے کریں گے۔" روما نے پوچھا۔ اور انکے ساتھ ہولی۔ شوز کے لیس کھل کے اسکے پیروں میں آنے سے اسکے قدم لڑکھڑائے۔ احتشام کے ہاتھ میں سے ہاتھ نکال کر وہ لیس باندھنے کے لیے جھکی۔ احتشام صاحب گاڑی کے دروازے پہ پہنچے پلٹ کے اسے دیکھا جس نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ انھوں نے سانس بحال کی۔ وہ اٹھی۔ احتشام شنواری گاڑی میں بیٹھے۔ اس نے قدم بڑھائے گارڈ نے گاڑی کا دروازہ بند

کر دیا۔ وہ گھوم کر دوسرے دروازے کی طرف جانے لگی۔ عبدل نے آگے بڑھ کے ہاتھ بڑھا کے اسکا راستہ روکا رومائزہ نے کھلے منہ سے اسے دیکھا، وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ روما کے گلے میں گٹھلی معدوم ہوئی آنکھوں میں حیرت ابھرنے لگی۔

"میں بابا کے ساتھ اسی گاڑی میں جاؤنگی۔" اسے لگا شاید وہ اسے دوسری گاڑی میں بیٹھنے کا کہہ رہا ہو۔

اسے کچھ غلط محسوس ہوا، چھٹی حس نے تیزی سے کام کیا اس نے پلٹ کے دیکھا۔

"بابا.." نو ریسپانس گاڑی کا دروازہ بند رہا اسکا دل بند ہو رہا تھا۔

"آپ واپس فارم ہاؤس چلیں گی۔ مجھے سائیں کی طرف سے یہی حکم ملا تھا آپکے والد سے ملوادوں۔" روما کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے اس نے پھر پوچھا گارڈ نے بات دہرادی۔ روما پہ گویا قیامت ٹوٹی تھی وہ جگہ پہ جم گئی خون سرد ہو گیا، سانس جو لی وہ بحال نہ ہو سکی۔ عبدل کا چہرہ سنجیدگی سے بھرپور تھا۔ پھر وہ نفی میں گردن گھماتی پیچھے ہوئی اور شنواری صاحب کی جانب گاڑی کے دروازے کی طرف لپکی۔ کالے شیشے چڑھے تھے اندر بس تاریکی نظر آرہی تھی۔ اس نے شیشہ پیٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں دو لڑکیاں تیسری گاڑی سے اتر کے اس کے پاس آئیں۔

"بابا یہ پتا نہیں کیا کہہ رہا ہے مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مجھے بچا لیں۔" اپنے ہاتھوں کی پرواہ کیے بغیر وہ بری طرح شیشہ پیٹ رہی تھی ان دونوں لڑکیوں نے اسے قابو میں کیا اور گاڑی پہ سے ہٹایا۔ ڈرائیور نے گاڑی دوڑا

دی وہ حواس باختہ چلانے لگی۔ سمجھ ختم ہوگئی تھی۔ اس نے غصے سے ان دونوں کو جھٹکا۔ انکے چہرے پہ نظر پڑی یہ جانے پہچانے چہرے تھے۔ وہی لڑکیاں تھیں جو اسے پہلے بھی اپنے ساتھ لائی تھیں۔

انھوں نے اسے واپس بازوؤں سے پکڑ لیا۔ رومائزہ مچل رہی تھی قابو سے بلکل ہی باہر ہوگئی۔

"لڑکی ہم تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتے ہمارے لیے مشکل مت پیدا کرو۔" ایک لڑکی اسکے کان میں اسے سمجھاتے ہوئے بولی وہ سن ہوگئی۔

"چلو.." عبدل نے چلنے کا کہا اسکا وجود سن ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے بے ساختہ سر آسمان کی جانب اٹھایا... اللہ یہ سب اسکے ساتھ کیا ہو رہا تھا، کیوں ہو رہا تھا۔

"میران ایسا کچھ نہیں کر سکتا تم جھوٹ بول رہے ہو مجھے چھوڑ دو اسے پتا چل گیا تو وہ تم لوگوں کو نہیں چھوڑے گا۔" اس نے بازو چھڑانے کی کوشش کی پر ناکام ہوئی۔ اسکے کانوں میں عجیب سی ہنسی گھلی۔ وہ سیدھی ہوئی۔ ان کی گاڑی کے برابر ایک اور گاڑی کھڑی تھی۔ پہلے نہیں تھی شاید اسی ہنگامے کے دوران آئی تھی۔ اسکے پہیوں کی چرچراہٹ رومائزہ نے سنی تھی۔

کالی پراڈو میں سے سفید کرتے میں زیب کوئی نفس اترا۔ جس کی ہنسی اسکے کان کے پردے سے ٹکرائی تھی۔ یہ ہنسی اس وقت اسے بے حد بری لگی تھی جیسے اسکی حالت اسکی بے بسی پہ کوئی ہنس رہا ہو۔

وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے بہت ہی آرام سے گاڑی سے اتر کے اسکے روبرو آئے۔ رومائزہ کی زبان تالو سے چپک گئی حیرت ہی حیرت تھی۔ دل کو جھٹکے ہی جھٹکے لگ رہے تھے۔ انکی ہنسی مدھم ہوگئی۔ مونچھوں کو تاؤ دیا۔ آنکھوں میں تپش اور معنی خیزی تھی۔

"تو تم ہو رومائزہ جس کے لیے میر ابیٹا دیوانہ ہو چکا ہے۔ تمھیں روبرو دیکھنے کے بعد اندازہ ہو گیا ہے میران تمھارے لیے اتنا پاگل کیوں ہے۔" انھوں نے آنکھوں سے چشمہ اتارا۔ جس شخص کو وہ صرف ٹی وی اسکرین پہ دیکھتی آئی تھی آج اسکے روبرو کھڑا تھا۔ اور وہ لڑکی بھی گویا ایک تصویر سے نکل کے جیسے انکے مقابل تھی اب۔

وہ ایک برے آدمی تھی۔

"آپ نے کیا ہے نا یہ سب۔ آپ کو بدلے سے کیا مل جائیگا؟ میرے بابا نے قرض اتار تو دیا ہے پھر یہ دشمنی کیسی اور کیوں!" انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے گویا ہوئی۔ زولفقار شیر کی بچی، اس شیرنی کی جرت پہ ششدر تھے۔ آنکھوں میں طوفان سا اٹھ گیا۔ کسی کی اتنی جرت نہیں تھی کہ ان سے اتنے سخت لہجے میں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرلے۔

"یہ میرے کہے پر نہیں میران کہے پہ ہو رہا ہے۔ فارم ہاؤس چلو سب بتادونگا یہاں تماشا کھڑا کرنا اچھا نہیں لگتا۔" آنکھوں پہ چشمہ لگا کے وہ غصہ دبا کر مڑ گئے۔

"اللہ آپ سے ہر ظلم کا حساب لے گا۔" انکے پشت دیکھتے ہوئے وہ چلائی۔ وہ جاتے ہوئے ہنس رہے تھے۔

"میں تمھارے ساتھ برا کچھ کر ہی نہیں سکا۔ میں صرف اپنی ہونے والی بہو سے ملنے آیا ہوں۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولے۔ انکے لفظ اسکی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ لڑکیاں اسے گھسیٹتی ہوئی دوسری گاڑی میں بٹھا کر واپس لے گئیں۔

وہی دس منٹ کا سفر طے ہوا۔ چیخ پکار... آنکھوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ سسکیاں بڑھ گئی۔ بل آخر وہ پھر اس فارم ہاؤس میں آگئی تھی۔ یہ جگہ بہت خوبصورت تھی پر اسکے لیے ایک بدصورت برا خواب بن کے رہ گئی تھی۔

حلیمہ بی اسے دیکھ پریشان ہو گئیں.. انھوں نے ہی اسے سنبھالا۔ اور جب زولفقار جاہ کو اندر آتا دیکھا تو حیرت آسمان کو جا پہنچی۔

"حلیمہ بی میران کو بلائیں یہ لوگ پتا نہیں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ رو رہی تھی بچوں کی طرح اس نے التجا کی۔

"وہ اٹلی صبح کی فلائٹ سے جا چکا ہے۔ جب تک واپس نہیں آتا تم یہی رہو گی۔ چاہو تو بنگلے چل سکتی ہو۔ حلیمہ اسکا خیال رکھنا تمھارا فرض ہے۔ جاہ خاندان کی ہونے والی بہو ہے یہ۔ مجھے غلط مت سمجھنا کہ یہ سب میں اپنے بدلے اور انا میں آ کے کر رہا ہوں۔ مجھے تم سے بدلہ لے کر کچھ حاصل نہیں ہونا۔ مجھے میران کی خوشی سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔ وہ میرا گدی نشین ہے، جو وہ کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

اس نے جو کہا عبدل نے کیا۔ مجھے نہیں معلوم تم دونوں کے درمیان کیا نوک جھوک ہوئی جو اس نے یہ قدم اٹھایا میں پر اسکے غصے سے واقف ہوں۔" ہاتھ پیچھے باندھے وہ کہتے جا رہے تھے، چہرے پہ کسی قسم کی نرمی نا تھی۔ انکی آخری بات پہ اسکا ذہن اٹک گیا۔ پھر بھی اس نے خیال کو جھٹکا ایک بار بے یقینی کی تھی اب نہیں۔

"آپ انتہا کے جھوٹے فریبی انسان ہیں میں آپ کی باتوں پہ یقین نہیں کرتی۔ مجھے میرے گھر بھیجیں۔ میران بلاوجہ مجھے کبھی یہاں نہیں رکھ سکتا۔ میرے بابا نے قرض دیا ہے سارا حساب ختم"!

"لڑکی آرام سے بات کرو۔ تمھارے باپ نے قرض اتارا ہے پر سود کی رقم میران نے مجھ سے معاف کروائی ہے۔ میں نے معاف کر دی صرف چند کڑوڑ تمھارے باپ نے واپس ادا کیے۔ تمھارا باپ فیکٹری کے ساتھ اپارٹمنٹ بھی بیچ رہا تھا میران نے انھیں اپارٹمنٹ بیچنے سے روکا ہے۔ اور سود معاف کرنے کے بدلے میں میران نے تمھیں تمھارے باپ شنواری سے مانگ لیا۔"

"میرے پاس ثبوت نہیں ہیں یقین کرنا ہے تو کرو ورنہ ایک اور الزام مجھ پہ لگ جائیگا تو مجھے فرق نہیں پڑے گا۔ یہ یاد رکھنا تمھارے باپ نے واپس تمھیں پلٹ کے دیکھا تک نہیں وہ صرف ملنے ہی آیا تھا۔" اس کے دل پہ دباؤ بڑھتا جا رہا تھا رونے سے سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ حیرت کا پتلا بنے سنتی گئی تھی۔ ساری دلیری پاش پاش ہو گئی۔

زولفقار جاہ مزید رکے نہیں چلے گئے۔وہ پھر حلیمہ بی کی قدموں کے قریبی گری بیٹھی تھی۔ حلیمہ بی کو انکے ایک بھی لفظ پہ یقین نہیں تھا میر ان اتنا نہیں گر سکتا تھا۔

صرف بدلے کی غرض سے وہ اس لڑکی پہ اتنے ظلم نہیں ڈھا سکتا تھا۔

انھوں نے فون اٹھایا اسے کال لگائی۔ بیل جاتی رہی کئی دیر تک کئی بیلیں گئیں پر اس نے فون ریسو تک نا کیا۔وہ پریشان ہو گئیں۔

"چھوٹے سائیں یہ آپ نے کیا کر دیا۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائیں۔

"میں بتاؤں اس نے اس دن کا حساب لیا ہے۔بڑی خاموشی سے چلا گیا تھا نا طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی وہ۔میں نے اس پہ یقین کر کے غلطی کی۔وہ بڑے جاہ سچ کہہ رہے ہیں۔اس نے سب کو اپنے قابو میں کر لیا۔میرے بابا انکو بھی اس نے مجبور کیا ہو گا۔میرے بابا ورنہ مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے۔میں نے انکی آنکھوں میں درد دیکھا تھا حلیمہ بی۔اسے لگتا ہے وہ مجھے پالیگا یہ اسکی غلطی ہے۔میں مرنا پسند کرونگی پر اسکی زندگی میں قدم نہیں رکھونگی"!

"ہاں مجھ سے غلطی ہوئی میں نے بنا سوچے سمجھے اس پہ غصہ کیا الزام لگا دیے۔معافی بھی تو مانگی تھی نا۔پر میں بھول گئی جب مردوں کی انا پہ بات آجائے تو وہ صرف وہی کرتے جو انہیں سہی لگتا۔میں کوئی بھیڑ بکری ہوں جو

ہر کوئی مجھ پہ اپنی مرضی چلاتا ہے۔" ٹیبل پہ ہتھیلی رکھ کے وہ اٹھ بیٹھی اور غصے میں زور زور سے ہاتھ ٹیبل پہ مار رہی تھی۔ آنسوؤں کے بہتے نشان گالوں پہ رقم ہو گئے تھے۔ حلیمہ بی نے اسے روکنا چاہا پر وہ بے قابو تھی۔

"رومائزہ سنبھالو خود کو سائیں جب آئیں گے تب ہی سچ پتا چلے گا۔"

"حلیمہ بی یہی سچ ہے۔" اسکا سر انکے کندھے پہ تھا۔

"اس نے میرا بھروسہ توڑا ہے۔ پہلے مجھے بھروسہ کرنے پہ مجبور کیا اور پھر خود نے ہی وار کیا۔" انکی آغوش میں سمٹ کے وہ روتی چلی گئی۔ اس بار تکلیف، درد کی شدت زیادہ تھی۔ اسے ملامت ہو رہی تھی دل اسکی جانب گامزن جو ہو گیا تھا۔

"حلیمہ بی میں مر جاؤنگی اب، دم گھٹ رہا ہے میرا۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے میں ہر گز نہیں کرونگی۔ میران سفاک ہے بہت سفاک۔ انا کا پجاری ہے۔" آنسو بہاتے سسک سسک کر اسکے منہ سے لفظ نکلے تھے۔ حلیمہ بی آج لاجواب ہو گئی تھیں۔ رومائزہ کا دل درد کی شدت سے چکنا چور ہو گیا تھا، سوچوں میں صرف میران کے الفاظ تھے، اسکے ساتھ گزارے کچھ لمحے، کچھ خوبصورت یادیں قابض تھیں۔ وہ کہتا تھا 'رومائزہ مجھ پہ بھروسہ کر لو تمھاری زندگی سے ہر غم نکال دونگا...' تو اسے بھروسہ کرنے کی یہ سزا ملی تھی؟۔ اب تو اس لفظ سے ہی اسکا اعتبار اٹھ گیا تھا۔

وہ باپ بیٹے دونوں ہی ایک جیسے تھے۔ اپنی انا کو تسکین پہچانے والے۔ اور ان دونوں کی انا کے آڑوں نقصان رومائزہ شنواری کا ہوا تھا۔

مراد کے سامنے ایک فائل رکھی تھی۔ مراد نے اٹھا کے پڑھنا شروع کر دی۔ اسکی چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"جاہ بنگلے کے ہر ملازم کے نام کا بینک اکاونٹ چیک کروان سے جڑے ہر شخص کا اکاؤنٹ دیکھو۔ زولفقار جاہ کے گرد ایسا جال بچھاؤنگا کے نکل نہیں پائینگے۔ ان کے یہ وکیل اس بار کسی کام نہیں آسکیں گے۔ انکی تمام ترپراپرٹی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی ہے۔ ابھی صرف انکی دولت کی بہتی گنگا کا ایک سرہ ملا ہے۔ دیکھتے ہیں کدھر ختم ہوتی ہے یہ۔" وہ خورشید سے مخاطب تھا۔ دروازے پہ دستک ہوئی۔

"آجایئے۔" دروازہ اندر کی جانب کھلا اسے طفیل کے آنے کی توقع ہر گز نہیں تھی۔ ایک تو وہ اسکے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اب کھلے عام دندناتا پھر رہا تھا۔ مراد نے مٹھی بھینچ کے ضبط کیا۔

"سلام۔ اے ایس پی۔" وہ کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔ وہی مغرورانہ انداز۔

"کیوں آئے ہو سابق ایم این اے؟" مراد نے طنزیہ لفظوں پہ زور دیا۔ وہ استہزائیہ ہنسا۔

"تمھاری جاہ خاندان میں اتنی دلچسپی اب مجھے بہت کچھ سوچنے پہ مجبور کرتی ہے۔مجھے پارٹی سے نکال دیا گیا ہے اور اب ملک میں مزید رہ بھی نہیں سکتا سو چاجاتے جاتے ایک راز بتاتا جاؤں۔پر یہ زولفقار جاہ کا نہیں چھوٹے جاہ کا ہے۔" ٹیبل پہ انگلیاں چلاتے وہ سنجیدگی سے بولا۔مراد نے ریوالونگ چیئر پہ کمر ٹکادی۔ٹیبل سے بال پین اٹھا کے انگھوٹھے سے کھول بند کرنے لگا۔دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔

"کہو۔"

طفیل ہلکا سا ہنسا۔

"چھوٹے جاہ نے ایک لڑکی کو اغوا کر کے اپنے کسی فارم ہاؤس میں رکھا ہوا ہے۔اور شاید جاہ صاحب اس پہ فریفتہ بھی ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم!"مراد کی پیشانی پہ سلوٹیں پھیل گئیں۔

"اے ایس پی،یقین کرو میرا۔خیر مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔ویسے بھی کچھ عرصے بعد یہاں سے چلا جاؤنگا۔"وہ اٹھ گیا مراد نے اسکی جاتے ہوئے پشت دیکھی تھی۔خورشید اسکے سامنے والی کرسی کھینچ کے جلدی سے بیٹھا۔مراد سوچ میں گم تھا۔

"یہ کیا بتا کے چلا گیا۔ میران جاہ کیا واقعی ایسا کر سکتا ہے؟"خورشید نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔ مراد نے چہرہ رگڑا۔

"سمجھ نہیں آتا میران پہ بھروسہ کروں کہ نہیں۔ بہت پر اسرار بندہ ہے یہ اگر اس نے کسی لڑکی کو اغوا کیا ہو گا خدا کی قسم اسکی قبر میں خود کھودونگا۔ زولفقار جاہ کے ساتھ مل کر پتا نہیں یہ کیا کر رہا ہے۔ ایک صرف اسی پہ مجھے یقین تھا یہ غلط کاموں سے پاک ہے پر اس نے بھی مجھے غلط ثابت کر دیا۔"اس نے کالر لوز کیا۔ خورشید سر ہلا رہا تھا۔

"پہلے پتا کرنا پڑے گا طفیل کی بات میں کتنی سچائی ہے۔ اسکے دل میں ویسے ہی میران کے لیے نفرت بھری پڑی ہے۔"سامنے گھڑی کو تک رہا تھا خورشید کھڑا ہوا مراد نے نگاہ گھڑی سے ہٹائی۔

"میں گھر جا رہا ہوں طبیعت کچھ بہتر نہیں۔ اور فلحال کوئی کام نہیں۔ اس بارے میں آفیسر ابراہیم کو بھنک بھی نا پڑے۔"وہ تاکید کرتا کھڑا ہو گیا سر پہ کیپ پہنتا روم سے باہر نکل گیا۔

نیمل کو آج باقاعدہ طور پہ بزنس اکاؤنٹنٹ کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ پچھلی اکاؤنٹنٹ نے اپنی شادی کی وجہ سے ریزائن دیا تھا کچھ عرصہ دائم خود ہی اکاؤنٹس ہینڈل کرتا رہا حتی کہ نیمل کے آنے بعد بھی۔

اسکے کیبن کی ونڈو بلائینڈز کھلی تھیں۔

دائم اپنے روم سے نکل کے باہر آیا درمیان میں راہداری سے گزر کے نیمل کا کیبن تھا۔ وہ رکا ونڈو بلائینڈ کی جھریوں سے اندر کام میں مصروف نیمل کو دیکھا۔ آنکھیں خیرہ ہوئیں لبوں پہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ سیاہ سلکی بال آڑھی مانگ سے نکلے ہوئے اسکے دائیں کندھے پہ گر رہے تھے۔ کہنی ٹیبل پہ جما کے اور ہتھیلی کو تھوڑی کے نیچے ٹکائے وہ کام میں بے حد مگن تھی۔ نیمل کو کسی کی نظریں خود پہ جمی محسوس ہوئیں تو اس نے سر اٹھایا باہر دیکھا پھر ونڈو بلائینڈز کی طرف دیکھا۔ جھریوں میں سے ان دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔ نیمل نے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے سر جھکا لیا۔ دائم بھی گڑبڑا گیا تھا اور آگے بڑھ گیا۔

"یہ کیوں کھڑے دیکھ رہے تھے؟" اس نے سوچا ہی تھا وہ دروازہ دھکیل کے اسکے کیبن میں آیا۔ جاتے ہوئے اس نے قدم واپس موڑ لیے تھے۔ اسکے کیبن کے آگے سے بڑھ ہی نہیں پایا تھا۔ اسکے آتے ہی وہ کھڑی ہوگئی۔ دائم نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھی رہیں۔ کام میں کوئی مسئلہ تو پیش نہیں آرہا آپکو؟" خاکی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کے وہ کھڑا تھا نیمل اس سے نظریں ملا نہیں سکی۔ عجیب سی رمق اسکی آنکھوں میں تھی۔ وہ للجھائی۔

"نو سر۔ آپ نے ویسے ہی اتنی پریکٹس کروادی ہے۔" اسکے کڑوے طنز پہ وہ ہنس دیا۔ اپنی بات کہنے کے لیے وہ لفظ طول رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا اس معاملے میں اسے اتنی دشواری ہوگی۔

"کافی پینے چلیں گی؟"کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے نہایت سر سرے انداز میں دوسرا ہاتھ بھی جیب سے نکال کر پوچھا۔

"کیا سر؟"

"بریک ٹائم ہے سوچا آپ کے ساتھ کافی پی لوں۔اور آپ کو جو مجھ سے شکوے ہیں وہ بھی تو ختم کرنے ہیں۔"اس نے سینے پہ ہاتھ لپیٹ لیا۔

"اور مجھ پہ یہ مہربانیاں کس لیے؟"کم سن بچی تو وہ بھی نہیں تھی۔ تیئیس سال کی سمجھدار لڑکی تھی۔

"یہ مہربانیاں ہر ایک کے لیے نہیں ہوتیں۔ آپ چل رہی ہیں؟"

ہاتھ نکال کے اس نے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔ٹھنڈ میں بھی اسے پسینے آ گئے تھے۔نیمل نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔

"میں کافی نہیں چائے پیتی ہوں۔"ایک قدم بڑھا کے وہ اسکی ٹیبل کے نزدیک آیا۔نیمل کا صبح سے ہی سر دکھ رہا تھا۔کام سمیٹ کے اسکا اپنا ارادہ چائے پینے کا تھا۔

"ٹھیک ہے چائے ہی لینگے۔پسند بدل لیں گے ہم اب اپنی۔"

زیر لب وہ بڑبڑایا۔ نیمل کھڑی ہو گئی۔ کرسی کی پشت سے اس نے کوٹ اٹھا کے کندھوں پہ ڈال لیا اور ٹیبل سے ہینڈ بیگ اٹھا کے اسکے قریب سے آگے بڑھ گئی۔ دائم گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ اسکے پیچھے ہو لیا۔

یہ اگلا منظر کیفے کا تھا۔ درمیان کی ہی ٹیبل تھی جسکے اطراف صرف دو ہی کرسیاں تھی جن پر وہ دونوں بیٹھے تھے۔ دائم نے بھی اپنے لیے چائے آرڈر کی تھی۔

بیرا انکی ٹیبل پہ آرکا۔ ٹرے سے دو چائے کے کپ ان دونوں کے سامنے رکھے اور چلا گیا۔ اتنی دیر دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ دائم نے چائے کا گرم کپ اٹھالیا۔ نیمل چائے ٹھنڈی کرنے کے لیے کپ میں چمچ چلا رہی تھی۔ اتنی دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

"مس نیمل۔" کپ واپس ٹیبل پہ رکھتے اس نے مخاطب کیا۔ نیمل نے اسے دیکھا۔

"سر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہہ دیں۔" وہ کافی دیر سے اسکی الجھن نوٹ کر رہی تھی۔ دائم کا انداز عجیب تھا وہ یہی جاننے کے لیے اسکے ساتھ آگئی تھی۔

"کہنے کی کوشش کر رہا ہوں پر کہہ ہی تو نہیں پا رہا۔" وہ سوچ ہی سکا۔ دائم کیا ہو گیا کہہ دو اتنا بھی مشکل نہیں۔ ایک اظہار کے لیے تم اتنا گھبرا اؤ گے۔ ون ٹو تھری! کم آن دائم..

"میں آپکو پسند کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے فوراً چائے کا گھونٹ بھر لیا۔ نیمل کے ارد گرد سب ٹھہر سا گیا۔ وہ جھینپ گئی۔ بے اختیار ری ایکشن تھا۔ کپ لبوں سے ہٹایا چائے اندر اتارنے کے بعد دائم کی مسکراہٹ میں اضافہ ہوا۔

"آپ مجھے مشکل میں ڈال رہے ہیں۔" وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ کندھے سے گزرتے بیگ اسٹریپ کو مضبوطی سے پکڑا۔

"ارے تم بیٹھو تو سہی۔" وہ لمحے میں آپ سے تم پہ آیا۔ نیمل کو حیرانی نہیں ہوئی تھی۔

"سر میرے مام ڈیڈ نے مجھ پہ بھروسہ کیا ہے اور مجھے جاب کی اجازت دی۔ میں انکا بھروسہ نہیں توڑ سکتی۔ میری غلطی ہے جو میں آپکے ساتھ چایے پینے آگئی۔" دائم اسکی بات سنتا کھڑا ہو گیا۔

"میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ تم سے شادی ہی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اسکے لیے آپ میرے مام ڈیڈ سے بات کریں۔ میں جاب کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلی ہوں نا کہ"...

"مس نیمل بس۔ ٹھیک ہے آپ بیٹھیں چائے پی کر جایئگا۔"

"آپ مجھ سے آئندہ یہ بات نہیں کریں گے۔" اس نے آنکھیں دکھا کر کہا۔

"او کے او کے۔" اس نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ پر وہ مطمئن تھا۔ کم از کم نیمل نے انکار تو نہیں کیا تھا۔ چائے کے ختم ہوتے ہی نیمل اٹھ گئی تھی۔

اور اس درمیان دونوں اجنبیوں کی طرح بیٹھے رہے تھے۔

عائشے یونی سے واپس آ کے زرپاش کے پاس چلی گئی تھی۔ مراد سیدھا زرپاش کے کمرے میں آیا۔ عائشے کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اسکے لیے کھانا گرم کرنے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

اسکی زندگی میں محمل کے جانے کے بعد گویا سکون سا آ گیا تھا۔ اب سب ٹھیک تھا بس ایک روما کا خواب تھا جو اسے ستا رہا تھا۔

"مراد کیا ہوا ٹھیک نہیں لگ رہے ہو۔" وہ دونوں بیڈ پر ہی بیٹھے تھے۔ مراد نے سر انکی گود میں رکھ لیا۔ سانس خارج کی۔ زرپاش متفکر ہوئیں۔ انھوں نے اسکا ماتھا چھوا۔ وہ بخار میں جل رہا تھا۔

"بخار ہو رہا ہے تمھیں تو۔" اسکی تھوڑی انھوں نے تھام لی۔

"بیٹا کیا بات پریشان کر رہی ہے مجھے بتاؤ۔ میں دیکھ رہی ہوں کافی دنوں سے تم دیر رات تک گھر آرہے ہو۔ کونسے کیس میں مصروف ہو؟" انھوں نے اسکی پیشانی پہ سے بال ہٹائے۔ ماں کے لمس پہ اس نے آنکھیں موند لیں۔

"کوئی بات نہیں ہے"...

"جھوٹ نہیں سچ کہو۔ ماں ہوں تمھاری شکل سے پریشانی صاف جھلک رہی ہے۔" وہ کتنا ہی پریشانی چھپالیتا پر ماں کی نظروں سے کیسے چھپ سکتا تھا۔ وہ جائزہ لیتی نگاہوں سے اسکا چہرہ تکنے لگیں۔

"مام.... مجھے یہ خبر ملی ہے کہ جاہ نے ایک لڑکی کو اغوا کر رکھا ہے۔" اس نے سرخ ہوتی آنکھیں کھول لیں۔ زرپاش کا اسکے بالوں میں چلتا ہاتھ اچانک تھم گیا۔

"وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے"..

"پسند کرتا ہے شاید اسے۔" وہ اٹھ کے بیٹھ گیا پیر بیڈ سے لٹکا لیے۔

"تو تم اس لیے پریشان ہو؟" وہ اسکے تاثرات کا جائزہ لینے لگیں۔

"مام سمجھ نہیں آرہا کس پہ بھروسہ کروں۔ کیس کے بارے میں بعد میں بتاؤنگا دعا کریے گا کامیاب ہو جاؤں۔ یہ کیس میرے لیے بہت اہم ہے۔" اسکی آنکھوں میں جنون دیکھ زرپاش ٹھٹک کے رہ گئیں۔

"مراد.... کس کے متعلق کیس ہے؟" انکی چھٹی حس تیزی سے پھڑکی۔ مراد کھڑا ہو گیا۔

"بہت جلد پتا چل جائیگا۔ میں زرا فریش ہو لوں۔" وہ مزید اب بیٹھ نہیں سکتا تھا کیونکہ زرپاش سوال جواب کر کے اس سے اگلوانے کی کوشش ضرور کرتیں۔ وہ باہر نکل گیا۔ اسکے جانے کے بعد زرپاش گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

"مراد آپکو اتنا تیز بخار ہو رہا ہے۔" کھانے کے بعد وہ لیٹ گیا۔ عائشے نے تھرمامیٹر سے بخار چیک کیا۔ اسے تو پارا ہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہاں ٹھہرا ہے۔ مراد نے خود دیکھ کر بتایا تھا۔

"چلیں ڈاکٹر کے کلینک چلتے ہیں۔" وہ دوپٹہ سنبھالتی کھڑی ہو گئی۔

"ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں آرام کرونگا تو بخار اتر جائیگا۔" اس نے آنکھوں کے پپوٹے دبائے عائشے سوچ میں پڑ گئی۔ وہ باہر چلی گئی۔ مراد نے آنکھیں موند لیں۔ تھوڑی دیر بعد اسے پیشانی پہ ٹھنڈی سی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو عائشے ٹھنڈی پٹیاں کر رہی تھی۔

"ڈاکٹر کے پاس آپکو جانا نہیں تو پٹیوں سے گزارا کرنا پڑے گا۔ مجھے جب بھی بخار ہوتا تھا امی بھی میرے ٹھنڈی پٹیاں رکھتی تھیں۔" اس نے پٹی ہٹا کر دوسری پٹی پانی کے باؤل میں نچوڑ کے اسکے سر پہ رکھی اور ہلکے ہلکے سر

دبانے لگی۔ مراد کے اندر سکون اتر ا بنا کچھ کہے مسکراتے ہوئے اس نے عائشے کا ہاتھ تھام کے دل کے مقام پہ رکھا تھا۔ عائشے نے اسے آنکھیں دکھائیں پر اس نے ہاتھ نہیں چھوڑا اور آنکھیں بند کر لیں۔ عائشے مسکراتے ہوئے کافی اسکی پٹیاں کرتی رہی جب تک مراد سونا گیا۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے نکالا۔ اذانیں ہو رہی تھیں۔ پھر وہ مغرب پڑھنے کے لیے اٹھ گئی۔

نیلے سوٹ کی میچنگ کا دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ سلام پھیر کے اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ تمام چیزوں کا اللہ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ کئی دعائیں مانگیں، اسکے اور مراد کے ہمیشہ ساتھ کی... اور خاص کر رومائزہ کے لیے۔ اسکے بارے میں سوچ کے دل پھڑکنے لگتا تھا۔ یہ سب نارمل نہیں تھا۔

دعامانگ کے وہ کھڑی ہو گئی۔ واپس مراد کے پاس آئی۔ کچھ پڑھ کے اس پہ دم کیا تھا۔ اسکی پیشانی پہ بال گرے تھے ہٹا کے پیچھے کیے۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ کافی دیر اسے ایسے ہی دیکھنے کے بعد اپنی شش و پنج سے باہر نکل کر جھک کے اسکی پیشانی چومی اور کھڑی ہو گئی۔ بخار کم ہو گیا تھا۔ اسے اسائمنٹ بنانا تھا کمرے کی لائٹس بند کر کے اپنا سامان لے کر باہر نکل آئی۔

"مام..." نیمل آفس سے آ کے فریش ہو کے سیدھا انکے کمرے میں آئی۔ ارباز دمیر اپنے دوستوں کے ساتھ ڈنر پہ گئے تھے۔

"آجاؤ کھڑی کیوں ہو۔ آج تو میرے دونوں بچوں کے تاثرات ہی بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔" اپنا خیال زبان پہ لاتے کہا۔

"مام آئی وانٹ ٹو ٹیل یو سمتھنگ۔" وہ ہچکچاتی ہوئی سامنے صوفے پہ جا کے بیٹھ گئی۔

"بتاؤ کیا بات ہے۔" انھوں نے اسکے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا۔

"مجھ پہ غصہ بلکل نہیں کریں گی؟"

"نیمل!" انھوں نے گھورا تو وہ برا سا منہ بنا کر سیدھی ہوئی۔ لب کترے۔

"مام.. میرے جو باس ہیں مسٹر دائم علی انھوں نے مجھے کہا ہے کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا آپ لوگوں سے بات کریں۔" ڈرتے ڈرتے ہمت کر کے اس نے بتا دیا۔

"ادھر تو آؤ زرا۔" انکے چہرے پہ کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا وہ پریشان سی ہو گئی۔

"مام میں نے کچھ نہیں کیا۔ اسی لیے فوراً آپکو بتانے آئی ہوں۔" وہ اٹھ کے انکے پاس آئی۔

"تمھیں پسند ہیں وہ؟" زرپاش نے اسکے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"نن نہیں تو..." وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"مرتضیٰ صاحب نے کل ہی تمھارے ڈیڈ سے اس سلسلے میں بات کی تھی۔" انکے بتانے پہ وہ لاجواب ہوگئی۔ حیرت سے ماں کو دیکھا۔ کیسے دائم کو بول آئی تھی رشتہ بھیجیں۔ اسے سوچ کر خفت ہوئی۔

"ڈیڈ نے کیا کہا؟"

"انھوں نے فلحال کوئی جواب نہیں دیا۔ مراد سے بھی بات کرینگے۔"

"بھائی آگئے ہونگے ویسے۔" اسکی بے چینی پہ زرپاش نے مسکراہٹ روکی۔

"بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ایک دو دن میں بات کرونگی۔ تمھارا فیصلہ جاننا بھی ضروری ہے۔"

"جو آپ لوگ فیصلہ کریں گے مجھے قبول ہے۔" اسکا مشرقی لڑکیوں والا انداز تھا۔ پھر کچھ انکے پاس بیٹھی رہی۔

ہم نے مانا کے تغافل نہ کروگے لیکن

خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

دن گزرتے جارہے تھے۔ ایک کے بعد ایک زندگی کا صفحہ پلٹتا گیا۔ ارباز صاحب نے نیمل اور دائم کے رشتے کی بات مراد سے کی تھی۔ مراد نے انکار کردیا تھا۔ دائم میران کا قریبی دوست تھا وجہ یہی تھی بس۔ پر اس نے گھر والوں کو یہ وجہ نہیں بتائی تھی۔ یہی کہا کہ وہ مطمئن نہیں۔ اسکے جواز پہ کوئی بھی مطمئن نہیں ہوا

تھا۔ پر جب وہ منع کر رہا تھا تو کوئی وجہ ضرور ہونی تھی۔ ارباز دمیر اور زرپاش اسی لیے خاموش ہو گئے تھے۔ وہ بے شک بتا نہیں رہا تھا پر وہ اپنے بیٹے کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پر اس سب میں نیمل کافی چڑچڑی ہو گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا بھائی کیوں رشتہ سے راضی نہیں۔

دائم کے سامنے اس نے اعتراف نہیں کیا تھا پر حقیقت یہی تھی دائم کے لیے اسکے دل میں آہستہ جگہ بن چکی تھی اسکے پرپوزل کے بعد۔ خوش مزاج اور ڈیسنٹ سالڑ کا تھا۔ کوئی برائی نہیں تھی۔ پر یہ پسندیدگی اس نے خود سے بھی چھپا رکھی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کوئی ایسا فیصلہ ہو جو اسکا دل توڑ دے۔ اسے امید تھی مراد راضی ہو جائے گا۔ دنیا امید پہ ہی تو قائم ہے۔ دوسری طرف دائم کو اے ایس پی پہ غصہ چڑھا ہوا تھا۔ نیمل اور اسکے درمیان باس اور ایمپلائے کا رویہ ہی تھا۔ نیمل نے ہرگز اپنی حدود پار نہیں کی تھی نہ ہی دائم کو کرنے کی اجازت دی تھی۔

پر دائم اس پر اپنے لیے اسکی پسندیدگی بھانپ چکا تھا۔

میران بھی یہاں موجود نہیں تھا جو وہ اسکی مدد مانگ لیتا۔ فلحال دونوں جانب سے صبر سے کام لیا جا رہا تھا۔ اور میران کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

دلِ گمشدہ! کبھی مل زرا

مجھے وقت دے میری بات سن

میری حالتوں کو تو دیکھ لے

میرا حال پوچھ، بتا مجھے

میرے کس گناہ کی سزا ہے یہ؟

تو جنون ساز بھی خود بنا

مری وجہِ عشق یقین ترا

دلِ گمشدہ؟ یہ وفا ہے کیا؟؟؟

اسے کس ادا میں لکھوں تو بتا

اسے قسمتوں کا ثمر لکھوں..؟

یا لکھوں میں اسکو دغا، سزا...؟

دلِ گمشدہ...دلِ گمشدہ

رفتہ رفتہ یہ بیس دن پر لگا کے اڑ گئے۔ آج وہ اٹلی سے واپس آرہا تھا۔ صبح گیارہ بجے کی فلائٹ تھی۔ ڈریسنگ فارمل تھی، سفید شرٹ پہ نیوی بلو کورٹ پہنا تھا۔ جہاز کے دروازے تک پہنچ کے اس نے کورٹ کے بٹن کھول دیے۔ کھلی فضاء میں سانسیں اندر اتاریں۔ لبوں پہ پر تپش مسکراہٹ پھیلی تھی۔ جسم میں سرشاری کی لہر دوڑ گئی۔ ماتھے پہ بکھرے بال چلتی ہوا کی وجہ سے تھوڑے اڑ رہے تھے۔ وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا اور ساتھ ہی عزیز سے ہم کلام تھا۔

واپس آ کے اسکا ارادہ رومائزہ سے فوراً نکاح کرنے کا تھا۔ اب مزید وہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

چھنچھاتی دھوپ کی تپتی کرنیں اسکے سفید پاک چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔ میران نے آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھا لیے۔

اور ائیر پورٹ سے وہ اپنی منزل کی طرف گاڑی میں بیٹھ کے بنگلے کیلئے روانہ ہو گیا۔

زولفقار جاہ اسی کے منتظر تھے۔ فرید نے ناشتے کے لوازمات سے ٹیبل سجادی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی پارکنگ میں روکی۔ اسی کے پیچھے ہی تین چار حفاظتی گاڑیاں بھی رکی تھیں۔

کوٹ کندھے پہ ڈال کے وہ گاڑی سے اترا۔ آگے سیاہ، ہیلکس اور پراڈو کھڑی تھیں۔ یہ دونوں ہی اسکی اپنی پسندیدہ گاڑیاں تھیں جو اسکے ذاتی استعمال میں رہا کرتی تھیں۔ ایک نگاہ انھیں بخشتا وہ سیڑھیاں چڑھ کے بنگلے کے اندر مخصوص چال چلتا ہوا داخل ہوا۔

ملازم اسکے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ سلام کا اجتماعی طور پہ جواب دیتا وہ اندر داخل ہوا۔

ذولفقار جاہ ہالف وائٹ کرتا شلوار میں ملبوس اس کو اندر آتا دیکھ کھڑے ہو گئے۔ پرجوشی سے اسکا استقبال کیا تھا۔ موسم کافی بدلہ بدلہ تھا۔ ٹھنڈ بھی ختم ہو رہی تھی بہار کا موسم لگ چکا تھا۔

" وہاں کے معاملات اب کیسے ہیں؟" ناشتے کے بعد لاؤنج میں دونوں باپ بیٹا بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور دونوں کے صوفوں کے پیچھے شمس اور عزیز کھڑے تھے۔ میران وہی اپنے شاہانہ انداز میں صوفے سے کمر لگائے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔

"سب انڈر کنٹرول ہے۔ مینیجر کی لاپرواہی کی وجہ سے نقصان ہو رہا تھا۔ اکاؤنٹس میں گھپلا تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ اچانک حادثہ ہو گیا۔ مینیجر تو اب ٹھیک ہے اور اس نے جو اٹلین کمپنی کے ساتھ معاہدہ طے کیا تھا میں نے ختم کر دیا ہے۔ اسی کی وجہ سے نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔"

ذولفقار نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ پیر ہلا رہا تھا۔ پھر انگوٹھے سے پیشانی رگڑی۔

" تمھاری امانت کا ہم نے بہت دھیان رکھا ہے۔ اب تم آ گئے ہو تو خود سنبھال لو گے اسے۔ تم سے ایک کام ہے یلدیز کے ذریعے پیسے باہر بجھوانے ہیں پر وہ مان نہیں رہی میں چاہتا ہوں تم اس سے بات کرو اور سمجھاؤ مجھے یقین ہے تمھاری بات وہ ٹال نہیں سکے گی۔" مونچھوں کو تاؤ دیا عزیز نے میران پہ نگاہ ڈالی اسکے جواب کا بے صبری سے انتظار کیا تھا۔ جیسے وہ منع کر دے گا۔

"ٹھیک ہے میں بات کرلونگا۔"

چہرے پہ سنجید گی قائم تھی۔عزیز نے سرد آہ بھری۔

"ڈیل کافی اچھی ثابت ہوئی ہے۔اس لڑکی کے لیے میرا بیٹا اب میرے ساتھ کھڑا ہے۔"وہ مغرور ہوئے۔میران مسکرایا تھا۔عزیز نے اس پہ سے نظر ہٹالی۔اسکی تمام حرکات شمس ترچھی نگاہ سے نوٹ کررہا تھا۔

شام کے وقت میران فارم ہاؤس پہنچا۔اس نے قدم رکھا۔لان میں ہی کھڑا تھا۔وہاں صرف خاموشی کاراج تھا۔ماتم ساسماں،باغ میں موجود چڑیائیں جو بہت چہچہاتی تھیں آج بلکل خاموش تھیں۔اسکے قدم بھاری ہوگئے۔اندر کی طرف اٹھ نہیں پارہے تھے۔وہ جانتا تھاوہ اسکی منتظر ہوگی کیسے اسکا سامنا کرے گا۔چیخے گی چلائے گی اور پھر کیاہو گا....؟

ان بیس دنوں میں اسکی کمی اس نے بہت محسوس کی تھی۔نگاہیں دیدار کے لیے پیاسی تھیں۔ہمت کرکے وہ اندر آگیاساتھ عزیز اور شمس بھی تھے۔

حلیمہ بی جو دال چن رہی تھی ٹرے سائیڈ میں کر دی۔ ان پہ سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ انکے پہلو میں فرش پہ بیٹھی رومائزہ گھٹنوں میں سر دیے ہوئے تھی۔ میران کے دل میں چنگاری سی لگی۔ آنکھوں میں خود بخود سرخی اتری۔ جبڑے بھینچ گئے۔

" آپ نے میری امانت کا خیال رکھا مجھے اچھا لگا۔ تھوڑا خیال پہلے ہی کر لیتے تو یہ نوبت نا آتی۔ "بیٹھے ہوئے اس نے طنز کیا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟ مجھے تم نے یہی سب کرنے کے لیے روکا اور خود نے اسے اسکے باپ سے دور کر دیا۔ "ماتھیں پہ شکنیں لائے وہ سوال کر رہے تھے۔ میران کی سانس کی رفتار مدھم پڑ گئی۔ عزیز جگہ پہ گڑبڑایا تھا۔

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔ "وہ یقیناً انجان بن رہا تھا۔

شمس نے ساری روداد سنا دی۔ جوں جوں وہ اسے بیس دن پہلے پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتاتا گیا میران کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ وہ ہکا بکا جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"عزیز.. "وہ باقاعدہ دھاڑا عزیز صوفے کے پیچھے سے اسکے سامنے آیا۔

"اس رات آپ نے ہی مجھے حکم دیا تھا کہ میڈم اب گھر نہیں جائینگی اب کافی غصے میں تھے۔" عزیز نے بنا ہچکچاہٹ کے اسے یاد دلایا۔ وہ ساکت رہ گیا اس نے آنکھیں میچ لیں۔ اسے وہ رات یاد آئی پھر اپنے لفظ۔

ایک نگاہ اس نے اپنے باپ پہ ڈالی جن کے عنابی لبوں کے کونے پہ مسکراہٹ دِکھ رہی تھی۔ اسے وہ منظر بھی یاد آیا جب وہ چھت پہ کھڑا تھا۔ اور نیچے عزیز اور شمس باتیں کر رہے تھے۔

"میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کے میں نے کیا کہا تھا۔ گاڑی نکالو ہم فارم ہاؤس جائینگے۔" وہ الجھا ہوا نظر آیا تھا عزیز سر ہلا کے چلا گیا۔

"بابا سائیں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ غصے میں آکر میں نے اتنا سخت فیصلہ تو سنا دیا تھا پر اب احساس ہو رہا ہے کہ کس قدر غلط فیصلہ کر چکا ہوں۔ وہ نفرت کرے گی مجھ سے۔" جلدی میں کہتا وہ پلٹ گیا۔ زولفقار نے شمس کو فوراً اسکے پیچھے بھیجا تھا۔

پارکنگ میں جیسے کھلبلی سی مچ گئی تیزی سے دو تین گاڑیاں بنگلے کا دروازہ عبور کرتی راستے پہ نکل گئیں۔

آہٹ پہ اس نے سر اٹھایا۔ سامنے میران مجرموں کی طرح کھڑا تھا، اسکا سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔ وہ جگہ سے اٹھی اور اسکے مقابل جا کھڑی ہوئی۔ ایک دم اسکا ہاتھ اٹھا تھا اور خاموشی کی دیوار توڑتا ہوا نیچے واپس آیا۔ ماحول میں

اچانک اسکے تھپڑ کی گونج گونجی تھی۔ میران ٹھنڈا پڑ گیا۔ وقت وہیں ٹھہر گیا۔ حلیمہ بی جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آئیں۔ رومائزہ پھنکارتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

"اب مجھ پہ اور غصہ آرہا ہو گا نا۔ اب اس غصے میں آکے تم میرا گلا دبا دو۔" وہ جگہ پہ جامد رہ گیا۔ اسکے ہاتھ کا لمس اسکے گال پہ تھے۔ شمس بگڑے تیور کے ساتھ اسکی طرف لپکنے لگا عزیز نے اسے روکا۔

"اس لڑکی کی اتنی ہمت کہ سائیں پہ ہاتھ اٹھائے۔" شمس کی آنکھوں میں تپش تھا عزیز نے پھر بھی اس کو روکا۔

"یہ ان دونوں کا معاملہ ہے چپ کر کے کھڑے رہو۔" اس نے تنبیہہ کی۔ شمس خاموش ہو گیا۔

"دباؤ میران میرا گلا دبا دو۔" بپھری ہوئی وہ چلائی۔

"چپ کیوں ہو، کچھ کہو گے نہیں کیا؟ مل گیا سکون اپنی انا کو تسکین پہنچا کے؟ میں تو ایک کھلونا ہوں جو دل میں آتا ہے ہر ایک میرے ساتھ اپنی مرضی کرتا ہے۔ نا ہی تو میرے کوئی جذبات ہیں نا کوئی اہمیت۔" اسکا چہرہ آنسوؤں سے خشک تھا۔ میران لاجواب کھڑا تھا۔ وہ اسے اس حالت میں دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ اسے اپنے غصے کا اب احساس ہو رہا تھا اور ندامت۔ رومائزہ کے قہر کو آج وہ روکنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

"بتاؤ میں کیسے کسی پہ یقین کر سکتی ہوں؟ اس دن نہیں کیا مجھے غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے معافی مانگی پر تم نے اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد بنالی۔ پھر میں نے تم پہ ہی بھروسہ کیا۔ میری نظر میں تمھارے لیے عزت بڑھ گئی اور میرا اصل قصور یہی تھا تم پہ یقین کرنا۔ سب پاش پاش کر دیا تم نے میران۔"

"میری غلطی تھی جو تمھاری محبت کو سچ سمجھتی رہی۔ فریبی محبت ہے یہ! میری غلطی جو تمھاری جانب راغب ہونے لگی دل نرم پڑ گیا اور....." اسکا وجود ڈھیلا پڑ گیا لفظوں کو غصے سے ادا کرتے روانی میں وہ اعتراف کرنے لگی تھی۔ جسم سے جان نکل رہی تھی۔ تھوڑا پیچھے ہوئی۔ میران کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔

اس نے ہمیشہ اسکے اعتراف کا انتظار کیا پر اسے یوں سننے کو ملے گا ایسا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"بتاؤ میں کیسے تم پہ یقین کروں، کہہ دو تم نے نہیں کیا یہ سب۔ کہو۔" سینے پہ اسکے ہاتھ مار کے اسے دھکیلنے کی کوشش کی۔ میران کے لب پیوست ہو گئے۔ اس نے اسکی نگاہوں میں دیکھا جہاں کرب ہی کرب تھا۔ سانس لیتے اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ حلیمہ بی کو جو تھوڑی بہت امید تھی آج وہ بھی اسکے اعتراف کرنے پہ ختم ہو گئی۔ انھوں نے افسوس سے اسے دیکھا وہ ان سے نظریں نہیں ملا سکا تھا۔ وہ دل برداشتہ ہو گئیں۔

اسکے اقرار نے رومائزہ کے دل میں خنجر ہی گھونپا تھا۔ وہ اسکے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا جس میں ہیرے کی اسکی دی انگوٹھی اب بھی تھی۔ اس نے اب تک اتار کے نہیں پھینکی تھی۔ شاید دل میں امیدیں اسکے بھی زندہ تھیں۔

غصے میں اس نے انگھوٹی زبردستی کھینچ کے انگلی سے نکال کے اسکے سامنے پھینکی تھی۔ انگوٹھی ماربل پہ گھومتے گھومتے گر گئی۔ میران کا دل بند ہوا۔ اس نے نزدیک آکر اسے تھامنا چاہا۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے! میں نے کہا تھا مر جاؤنگی پر تم سے شادی نہیں کرونگی۔ نہیں کرونگی میں نکاح۔ تم جھوٹے ہو دھوکے باز ہو فریبی ہو۔" اسکی آنکھوں سے آنسوؤں ٹوٹ کے پھسلنے لگے وہ اسکے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی۔ میران جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

"سنبھالو خود کو، میں غصے میں تھا۔" وہ اتنا ہی بول سکا۔ رومائزہ نے اسکی بات کاٹی۔

"تو غصے میں آکے کچھ بھی کروگے۔ اب غصہ نہیں آرہا کیا؟" میران گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس نے اسکی تھوڑی اٹھانے کی سعی میں ہاتھ بڑھایا تھا جسے وہ بری طرح جھٹک گئی تھی۔ اگر وہ اسے روکنے کی غلطی نا کرتا تو اسے یقین تھا رومائزہ آرام سے نکاح کرلیتی۔

"نہیں۔ کوئی حق نہیں مجھ پہ تمھارا۔" لہجہ انتہائی سخت تھا میران نے مٹھی بھینچ لی۔

"مجھے معاف کردو۔"

"تم نے معاف کیا تھا؟" وہ دوبدو بولی۔ میران کو اس وقت بے حد بے بسی محسوس ہوئی تھی۔

"میرے بابا کو اتنا مجبور کر دیا کہ وہ مجھے بیچ راستے میں چھوڑ گئے۔ تم میری تکلیف سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تم نے مجھ سے کبھی محبت کی ہی نہیں۔ یہ صرف تمھارا جنون اور ضد تھی۔ تم ہو تو ایک جاگیر دار ہی اپنی غلام ہی تو سمجھ رکھا ہے مجھے.. "اس نے ٹھنڈے ہاتھ فرش پہ جما کے رکھ دیے۔ میران نے کالر کا بٹن کھولا۔ اسکا دم گھٹنے لگا تھا۔

"محبت کرنے کا دعوہ کرتے تھے نا۔ مبارک ہو تمھاری انا محبت کے آڑے آ کے جیت گئی۔ بکھر گئی ہوں میں، پوری طرح توڑ دیا ہے تم نے۔ اعتبار لفظ سے یقین ہی اٹھ گیا ہے میرا۔ "آنسو کی بوند فرش پہ گری۔ میران نے جبڑا کس لیا۔

"اٹھو، تم گھر جا رہی ہو میں خود چھوڑ کے آؤنگا۔"

"اب اس سب کا کیا فائدہ۔ وقت تو نکل گیا۔ گھر تو میں جاؤنگی پر جو تمھارے دماغ میں مزید فطور چل رہا ہے اب میں وہ ہونے نہیں دونگی۔ اور تمھارے ساتھ تو ہرگز نہیں جاؤنگی۔ "آنسوؤں سے تر چہرہ اس نے ہاتھ سے صاف کرتے کہا۔ پیر اسکے بے جان ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میران کی ملامتی نگاہوں نے اسکا جائزہ لیا۔

یہ وہ رومائزہ شنواری کہاں تھی جسے وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد ہلکے کمزور پڑتا جسم۔

میران کی نگاہ فرش پہ پڑے اسکے دوپٹے پہ گئی۔ اسکی رگیں تنی تھیں فاصلے پہ ہی اسے عزیز اور شمس محسوس ہوئے تھے۔ اس نے دوپٹہ اٹھا کر اسکی پشت سے گزار کے اسکے شانوں پہ پھیلا دیا اور اسکے پلو تھامنے کے لیے چھوڑ دیے۔ وہ چبھتی نگاہ سے اسے دیکھتی رہی۔

"اس سارے ڈھونگ سے کچھ حاصل نہیں ہو گا تمھیں۔" اس نے پلو تھام لیے۔ میران نے لب پیوست کیے۔ چہرے کے تاثرات پتھریلے تھے۔ پر آج اس نے اس پہ زرا غصہ جو کیا ہو۔ کیونکہ اس بار غلط وہ تھا رومائزہ نہیں۔

"عزیز میڈم کو انکے گھر چھوڑ آؤ۔" اسکے حکم کے تابع عزیز باہر کی طرف بڑھنے لگا مگر رومائزہ نے اسکے پیروں میں زنجیریں ڈال دی تھیں۔

"نہیں انکے ساتھ بھی نہیں جاؤنگی۔ سب میرے دشمن ہیں۔ میں خود چلی جاؤنگی۔" اسکا پتھریلا چہرہ ہر نرمی سے پاک تھا۔ حلیمہ بی اب اٹھ کے اس کے پاس آئیں۔

"میران جاہ تمھارے اور میرے راستے جدا ہیں۔ کوشش بھی مت کرنا پھر میری زندگی میں آنے کی۔ یا تو تمھیں جان سے ماردونگی یا خود مر جاؤنگی۔ سب ختم۔"

اسکے قریب جا کے اسکی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اس نے حتمی فیصلہ سنا دیا۔ صرف فیصلہ نہیں تھا میران کی موت کا فرمان تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب صرف نفرت ہے مجھے تم سے۔ بے حد!" کہتے ساتھ وہ اسکے سائڈ سے گزر گئی۔ میران نے آنکھیں موند لیں وہ جیسے اسکی سانسیں چھین کر جا رہی تھی۔

"حلیمہ بی اسکے ساتھ گارڈز بھیجیں۔" ان سے بنا نظریں ملائے ان سے کہا۔ رومائزہ کے پیچھے ہی وہ گئی تھیں۔

آج پھر اس نے یہ دہلیز پار کی پر جذبات بدل گئے تھے۔

محبت نرمی سب ختم ہو گئی تھی۔ احساسات مر چکے تھے۔ اب صرف نفرت تھی جو اسکا تن من جلا رہی تھی۔ حلیمہ بی کے اسرار پہ وہ گارڈ کے ساتھ جانے پہ راضی ہو گئی تھی۔ ایک بار اکیلے بھاگنے کا انجام بھی ذہن میں بری یاد بن کر آیا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ حلیمہ بی نے گارڈز اور ڈرائیور کو مخصوص تنبیہہ کی تھی۔

اسکے جانے کے بعد میران اپنی جگہ سے ہل نا سکا تھا۔

"چھوٹے سائیں آپ نے نا صرف اسکا دل توڑا ہے میرا بھرم بھی توڑا ہے۔ ان دنوں میرے پاس اسکو دینے کے لیے تسلی کے لفظ تک نہیں تھے۔ کس منہ سے اسے صبر کرنے کا کہتی۔ آپ نے ثابت کر دیا ہے آپ ذوالفقار سائیں کے ہی بیٹے ہیں۔ سخت اور پتھر دل۔" وہ اسکے مقابل کھڑی ہو گئیں۔ میران شدید پریشان تھا۔ وہ عزیز کی طرف گھوما۔

"تم نے اسکے بعد ایک بار بھی مجھ سے پوچھا؟ میں نے تم کو پہلے ہی کہہ دیا تھا جانے سے پہلے اسے گھر بھجوا دینا۔ اس پہ تم نے سو سوال کیے تھے۔ اور یہاں فوراً تم نے عمل کر لیا۔ غصے میں آ کے میں تو بکواس کر گیا تھا۔ تم ہی مجھے روک لیتے" وہ عزیز پہ دھاڑ رہا تھا۔ شمس اور عزیز دونوں ہی جذبذب ہو گئے۔ رومائزہ کے الزامات سن کے اس دن عزیز کو غصہ بے حد آیا تھا۔ اور اس نے بھی کچھ سوچا سمجھا نہیں تھا اور شمس کو اس بارے میں خبر کر دی تھی۔ اور ایک دن کے وقفے سے ہی وہ اٹلی گئے تھے۔

"سائیں اسکا کیا قصور، یہ مردوں کی انا ہی ایسی ہوتی ہے کچھ سوچتی سمجھتی نہیں۔ اسکو بھی میں اچھے سے سمجھتی ہوں۔" انھوں نے عزیز کی طرف اشارہ کیا وہ نادم سا کھڑا تھا۔

"اب پچھتانے سے کیا فائدہ۔" حلیمہ بی نے طنز کیا۔ میران نے خالی خولی نگاہوں سے انھیں دیکھا۔ جہاں ہمیشہ اسکے لیے پیار تھا آج وہ آنکھیں بے تاثر تھیں۔

"سائیں کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں کر لیے گا آپ کو کون روکے گا۔"

"شمس دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ بری طرح سے دھاڑا۔ عزیز نے مداخلت کی۔ اس نے اسے بھی نکل جانے کو کہا تھا۔

فارم ہاؤس کے در و دیوار اس حادثے کے گواہ تھے۔ حادثہ ہی تو تھا جب سب برباد کر چکا تھا۔ میران صوفے پہ پریشان سا بیٹھ گیا۔ حلیمہ بی نے ناگواری سے اسے دیکھا اور کچن میں چلی گئیں۔

اس نے سر اٹھایا اسکے سامنے پانی کا گلاس رکھا تھا۔ اس نے ایک سانس میں اندر لگی آگ کو بجھانے کے لیے پانی گٹا گٹ پی لیا۔ آگے اب کیا کرنا تھا وہ یہی سوچ رہا تھا۔ سب سے پہلے تو شنواری صاحب سے اسکا ملنے کا ارادہ تھا۔ وہ اپنی محبت کو دور جاتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ضد تھی ضد ہی سہی۔ رومائزہ شنواری سے محبت بے پناہ تھی، اسے۔ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مراد کو فارم ہاؤس کا ایڈریس پتا لگ گیا تھا۔ اس نے وہاں چھاپہ مارنے کی دیر نہ کی۔ اپنی جیپ نکالی اور کچھ حوالداروں سمیت وہاں کے لیے روانہ ہو گیا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے کر کے آخر وہ منزل کو پہنچ گیا تھا۔ اسکا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ باہر گارڈز نے اسے روکنے کی کوشش کی پروہ بنا کچھ سنے ہی اندر کی طرف بڑھتا گیا۔ کافی عالیشان فارم ہاؤس تھا۔ کسی عام شخص کا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ جگہ ہر ایک کہ علم میں تھی بھی نہیں اسے بھی ایڈریس معلوم کرنے میں کافی مشکل پیش آئی تھی۔ اسی میں وقت لگا تھا۔

حوالدار باہر کی طرف پھیل گئے اور ایک حوالدار اسکے ساتھ اندر آگیا۔ اندر بلکل سناٹا تھا۔ ایک خاتون اسکے پاس چلی آئیں۔

"جی فرمایئے کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے اپنے سر کا دوپٹہ درست کیا۔

"اماں جی ہمیں یہاں کی تلاشی لینی ہے۔ خبر ملی ہے یہاں ناجائز کام ہوتے ہیں۔ آپ پلیز کاپریٹ کریں۔" وہ کہتا آگے بڑھنے لگا۔

"ایک منٹ آفیسر، آپکو کس نے کہا یہاں ناجائز کام ہوتے ہیں۔ میں یہاں کی مکین ہوں اور ادھر میرے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔" وہ کاٹ دار لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"جو بھی ہے تلاشی تو ہم لیں گے۔" اس نے حوالدار کو اشارہ کیا اور انکو تلاشی کے وارنٹ دکھائے۔ تب جا کے وہ خاموش ہوئی تھیں۔ حلیمہ بی سمجھ گئیں تھیں وہ کیوں آیا ہے۔ کافی دیر اسے غور سے دیکھتی رہیں چہرے پہ کسی کی شبہات تھی۔ اس چہرے پہ سے وہ نگاہیں ہٹا نا سکیں۔ حوالدار ناکام لوٹ آیا۔ تین حوالدار مزید اندر آئے۔

"سر کونا کونا چپا چپا چھان مارا ہے پر کچھ نہیں ملا۔ نا ہی ایسا سوراخ جو شک پیدا کریں۔"

"ہاں تو یہاں ایسا کچھ ہوتا ہی نہیں تو کیسے کچھ ملے گا۔ آفیسر آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ آپکو کسی نے خبر ہی غلط دی ہے۔" انکے سخت لہجے پہ مراد نے کنپٹی سہلائی۔

"میں معذرت چاہتا ہوں آپکو تکلیف ہوئی۔ پر یہ ہمارا کام ہے چھان بین کرتے رہنا۔" وہ لب ملا کے کہتا حوالداروں کو اشارہ کرتا نکل گیا۔

اسکے جانے کے بعد حلیمہ بی نے کھل کے سانس لی۔

اسکے آنے سے پہلے ہی میران گیا تھا اور تو اور اگر یہاں رومائزہ موجود ہوتی تو قیامت برپا ہو جانی تھی۔

مراد کشمکش کا شکار جیپ میں بیٹھ گیا حوالدار نے جیپ سڑک پہ دوڑا دی۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا اس لڑکی کو اس نے یہاں سے پہلے نکال لیا ہو۔ یا پھر طفیل نے جھوٹ کہا۔

"سر طفیل کہیں جھوٹ تو نہیں کہہ گیا؟"

"نہیں... اماں جی کا اتنا کانفیڈنٹ ہونا بتا رہا ہے وہ یہاں تھی، انھیں میرے آنے کی خبر تھی۔ پر اصل بات کیا ہے وہ ابھی تک پردے میں ہے۔" مراد نے ہاتھ ٹانگ پہ رکھ لیا تھا۔

"سر انشاءاللہ یہ پردہ ہم ہٹا دینگے۔" حوالدار پر امیدی سے بولا۔ مراد نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میران اب تم سے ملنا پڑے گا تب ہی مجھے میرے سوالوں کے جواب ملیں گے۔" سوچوں کے گھیرے سے وہ باہر نکلا۔ موبائل کی گھنٹی بجی۔ اس نے کال ریسوو کی۔

"کہو۔" فون کان سے لگالیا۔ سب کے درمیان اسکا نام لینے سے اس نے گریز کیا تھا۔

"مراد آپ کب آئینگے؟"

"کیوں کیا کام ہے؟" وہی روکھا سوکھا انداز۔ عائشے تلملا گئی۔ اپنی ڈیوٹی کے وقت یہ آدمی بلکل ہی بدل جایا کرتا تھا۔

"بات کرنی ہے آپ سے۔" وہ منمنائی۔

"اگر وہی دائم علی والا ٹاپک ہے تو مجھے کچھ نہیں سننا۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"آپ کو میری بات سننی پڑے گی۔" وہ ڈھٹائی سے ضدی انداز میں بولی۔ مراد نے سڑک کے پار دیکھا۔

"فون رکھ رہا ہوں گھر آکے بات کرونگا۔" فون کٹ کردیا۔ ادھر وہ ہیلو ہیلو ہی کرتی رہ گئی۔

"نو چانس۔" نیمل اسکے سامنے بیٹھی تھی۔ عائشے کے کہنے پہ اسکا چہرہ بجھ گیا۔ دائم کے پرپوزل کے بعد وہ تھوڑا سخت ہو گیا تھا۔

"تمھیں دائم پسند ہے نا؟" عائشے نے اسکی آنکھوں میں دیکھا نیمل نے سر ہلا دیا۔

"یہ بات آپ کسی کو نہیں بتائیں گی آپ کے پاس میرا یہ راز رہے گا۔ پتا نہیں کب کیسے میرا دل انکی جانب راغب ہو گیا۔ میں نے اس بات کو خود سے بھی بہت چھپا رکھا تھا۔" آڑھی مانگ سے نکلے بال اس نے دوسری طرف کیے۔

"اگر دائم میں کوئی خرابی نہیں ہے تو میں مراد کو راضی کرنے کی پوری کوشش کرونگی۔" اس نے نیمل کو جیسے یقین دلایا۔ وہ مسکرا دی۔

"اچھا چلو اٹھو۔ صبح سے میرا دل خراب ہو رہا ہے۔ باہر واک پہ چلتے ہیں۔" دوپٹہ تکیے کے اوپر سے اٹھا کر وہ کھڑی ہو گئی اور اسے بھی زبردستی کھڑا کر لیا۔

یہ چند گھنٹوں کا سفر اسے بے حد طویل لگا تھا۔ اس بار گھر جانے کے لیے کوئی بے تابی نہیں تھی۔ اسے تو اپنے باپ سے بھی جواب لینے تھے کیوں اسے آدھے راستے میں چھوڑ کے چلے گئے؟ بیٹی سے زیادہ اور کیا ضروری تھا! اس نے اپنا حلیہ تک درست نہیں کیا تھا۔ بکھری ہوئی حالت میں بیٹھی تھی۔ الجھے ہوئے بھورے بال، سیال سے خشک آنکھیں شانوں پہ دوپٹا پھیلا جسے آگے سے پلوؤں سے تھاما ہوا تھا۔

اس نے باہر نگاہ ڈالی جانا پہچانا راستہ بلا آخری آ ہی گیا تھا۔ وہی رستے جہاں وہ دوڑی دوڑی پھرتی تھی۔

"بس یہیں روک دو۔" اپنے گھر سے کچھ فاصلے پہ اس نے گاڑی روکنے کا کہا۔ڈرائیور نے اسپیڈ سلو کر دی۔

"آپکو گھر تک چھوڑ کے آنے کا حکم ہے۔"

"میرے پیر سلامت ہیں میں خود چلی جاؤنگی۔" وہ کاٹ کھانے کو آئی۔ گارڈ کے اشارے پہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ گاڑی سے اتر گئی۔ گارڈ اور ڈرائیور دونوں کی نگاہوں نے اسکا تعاقب کیا۔ پھر گاڑی سے اتر کے اسکے پیچھے چل دیے۔ وہ چلتے چلتے کالونی کے دروازے پہ پہنچ گئی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ اسے تو لگتا تھا وہ کبھی یہاں واپس نہیں لوٹ سکے گی جیسے امید ہی ہار گئی تھی۔ زندہ لاش بن کے اس نے بیس دن کاٹے تھے۔

گارڈز اسکے پیچھے کالونی تک آئے۔ وہاں تو سناٹا پڑا تھا۔ وہ گھر تک جا چکی تھی۔ گارڈز کو تسلی ہوئی تو دونوں واپس مڑ گئے۔

چھوٹی سی راہدری کے بعد اپارٹمنٹ کا مین دروازہ تھا۔ اس نے بھاری دل سے بجانا شروع کیا۔ بیل بھی بجائی۔

رومائزہ کا جسم کانپ رہا تھا۔گھر کی دہلیز کے پار کھڑے بے چینی بڑھ سی گئی۔اس نے بے ساختہ دل کے مقام پہ رکھ کے ضبط کیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ اندر کی طرف کھلا۔کسی اجنبی کو دیکھ کر وہ چونکی۔

"جی آپ کون؟" مقابل نے سوال کیا۔رومائزہ کے ماتھے پہ ان گنت بل پڑے۔

"میں رومائزہ ہوں۔احتشام شنواری کی بیٹی۔بابا کدھر ہیں۔اور آپ کون ہیں؟"اس آدمی کو اس لڑکی کی عقل پہ شبہ ہوا۔

"میں اب اس گھر کا ملک ہوں۔شنواری صاحب آپکے والد نے یہ گھر سیل کر دیا ہے۔"اس آدمی نے جیسے اسکے علم میں اضافہ کیا۔رومائزہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"میرے بابا کہاں ہیں؟انھوں نے کب سیل کر دیا یہ گھر؟"وہ حیران و پریشاں ہوگئی۔زولفقار جاہ نے اسے بتایا تھا میران نے انھیں اپارٹمنٹ سیل کرنے سے روک دیا تھا۔پھر اب کیوں بیچا گھر؟اب تو قرضا بھی اتر گیا تھا۔وہ کڑی سے کڑی ملانے لگی۔اتنے میں کالونی کہ ایک دو لوگ جمع ہو گئے۔

"توبہ یہ لڑکی باپ کے مرنے تک پہ نہیں آئی اب یہاں کیا لینے آئی ہے!"دو خواتین نے آپس میں گفتگو شروع کر دی۔رومائزہ نے پلٹ کے انھیں دیکھا۔

"یہ کیا بکواس کر رہی ہیں آپ۔ میرے بابا کہاں ہیں؟" وہ الٹا ان پہ چڑھ دوڑی۔ دوسری خاتون نے بڑی مشکل سے اسے ان پہ سے ہٹایا۔ شور کی آواز پہ کالونی کے مزید لوگ جمع ہو گئے۔ بھیڑ بڑھتی گئی۔ اب منظر یہ تھا راہداری کی بجائے وہ کالونی کے درمیان میں کھڑی تھی۔ نیا مالک مکان بھی وہیں تھا۔

"بابا مجھے چھوڑ کے نہیں جاسکتے۔ آپ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔" پھڑ پھڑاتے لبوں سے اس نے لفظ ادا کیے۔ ہونٹوں پہ انگلیاں جمالیں۔ اردگرد جمع لوگ افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کسی کی نگاہوں میں ترس تو کسی کی نگاہوں میں ناگواری تھی۔

"تمھارے ناٹک پہ کون یقین کرے گا۔ مجھے لگتا ہے احتشام بھائی اسی کی ٹینشن میں چلے گئے۔ یہ یقیناً بھاگ گئی ہو گی وہ بے چارے اپنی عزت بچانے کے لیے کہانیاں ہی گڑھتے رہے۔"

"چچچ کیا زمانہ آگیا ہے۔ اکلوتی بیٹی تھی وہ بھی جنازے میں موجود نا تھی۔" ہجوم میں طرح طرح کی باتیں بننے لگیں۔ اسکے کردار کو داغ دار کہا جارہا تھا۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے ساتھ ایک عرصہ وہ رہی۔ سب بدل گئے تھے۔ وہ نہیں رہے جو اس پہ جان نچھاور کرتے تھے۔ کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنا کیا آسان ہوتا ہے؟ وہ تو بہت آسانی سے کر چکے تھے۔ اسکا دل ریزہ ریزہ ہو گیا گہرا صدمہ لگا تھا۔ لوگ مسلسل آپس میں باتیں کرتے رہے پر وہ اب کسی کی سن نہیں رہی تھی نا ہی اس نے اپنی کوئی صفائی پیش کی۔ کیا بتاتی اغوا ہو گئی تھی؟ کس مشکل میں پھنس چکی تھی؟ یا کوئی امیر زادہ اس پہ دل ہار بیٹھا تھا؟ بے قصور ہو کے بھی سزا کاٹ رہی تھی..! آنسوؤں کی

قطار چھونٹ گئی، حلق بھر آیا۔ وہ سناٹے میں کھڑی تھی۔ بابا اسے اکیلا چھوڑ گئے؟ اس نے انکا چہرہ تک نہیں دیکھا۔ غم کی شام بہت لمبی تھی۔ سورج ڈھلنے کو آیا تھا۔

کھوئی کھوئی سی وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی کالونی سے باہر نکل گئی۔ پست پشت لوگوں کا شور تھا جو اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں کھڑے فریقین نے اسکی پشت دیکھی۔ اسے جاتے دیکھا اور پھر سب شانے جھاڑ کر گھروں میں چلے گئے۔

اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔ جسم ٹھنڈا پڑ گیا رونے سے آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ یقین ہی نہیں کر رہی تھی کہ احتشام شنواری اب دنیا میں نہیں رہے۔ سر چھپانے کو چھت تو اب رہی نہیں تھی، باپ کا سایہ بھی چلا گیا وہ یقین ہی نہیں کر سکی... اس نے جھٹکے سے سر نفی میں ہلایا۔ آنسوؤں پونچھے۔ دل ڈوبے جا رہا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا جائے تو جائے کہاں؟ اتنے عرصے کدھر تھی سب کو کیا جواب دے گی۔ پہلے ہی اسکی غیر موجودگی پہ لوگوں نے اتنی باتیں گڑھ لی تھیں۔

وہ خالی سڑک پہ چلتی گئی۔ بہار کا موسم تھا پر اسکی زندگی سے بہار جیسے رخصت ہی ہو گئی تھی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہڈیوں میں گھسنے لگی۔

وہ چلتے چلتے کدھر پہنچ گئی تھی اسے خود بھی علم نہیں ہوا۔ شام سے رات ہو گئی۔ سڑکوں پہ اسٹریٹس لائٹس جل رہی تھیں۔

خیالوں میں گم سی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ بھوک کا احساس بھی ہوا تھا۔ درد سے سر پھٹنے کو تھا۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ بے بسی ہی بے بسی تھی۔ کدھر جاتی۔

قدم جب بے جان ہو گئے تو وہ کنارے پہ بیٹھ گئی۔ یہ پل تھا جدھر وہ موجود تھی۔

دوپٹے کو اس نے اچھے سے پھیلایا ہوا تھا سمٹ کر بیٹھ گئی۔ پورا جسم دکھنے لگا تھا۔ چل چل کر پیر الگ شل ہو گئے۔ گرم سیال اشکوں سے بہہ نکلے۔ تر چہرہ اس نے اٹھایا سامنے گاڑیاں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ دھول اسکی سانسوں میں جب شامل ہوئی تو اسکا سانس اکھڑا وہ بری طرح سینے پہ ہاتھ رکھ کے کھانستی گئی۔

اسے کچھ ہوش نہیں تھا پھر پھندا رکا تو اٹھ کھڑی ہوئی چلنے لگی۔ وہ پل کے کنارے پہ چل رہی تھی۔ باؤنڈری پہ اٹھی دیوار کچھ جگہوں سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ ناک کی سیدھ میں ہاتھ بازو پہ لپیٹے سر جھکائے چلے جا رہی تھی کہ چپل پتھر سے ٹکرانے پہ اسکا توازن بگڑا سہارے کے لیے جب دیوار پہ ہاتھ رکھنے کی کوشش کی ادھر کچھ نہیں تھا۔ وہ بلندی پہ کھڑی تھی۔

نیچے گرتا ہوا وجود تھا، دل خراش چیخ بر آمد ہوئی۔ پر کوئی جیسے اس پہ نظر رکھے ہوئے تھا جب اسے گرتے دیکھا تو فوراً گاڑی کے پاس سے ہٹ کے اسکی مدد کے لیے بڑھا۔ اور اسکا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ہوا میں جھول رہی تھی۔ اسکا ہاتھ اس اجنبی کے ہاتھ میں تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی اتر آئی۔ وہ تو کلمہ پڑھ چکی تھی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ گردن موڑ کے نیچے دیکھا۔ نیچے چلتا ہوا روڈ تھا۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

اس شخص نے جھٹکے سے پورا زور لگا کے اپنی جانب اوپر کی طرف کھینچا وہ کھنچتی چلی گئی۔ وہ سلامت تھی۔ اسکے دونوں ہاتھ اس شخص کے کندھوں پہ تھے اور درمیان میں فاصلہ قائم تھا۔ آنکھوں میں اجنبیت کی دیوار کھڑی تھی۔ مقابل ماتھا سکیڑ کے اسے دیکھتا گیا۔ چہرے پہ شناسائی تھی۔

"رومائزہ۔" وہ دھیرے سے نام منہ میں ہی بڑبڑایا۔ اسکی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی رومائزہ کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔ زرد چہرہ روشن ہو رہا تھا۔ قریب ہی اسکی گاڑی کھڑی تھی۔

رومائزہ نے اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ ذہن پہ زور ڈالا تھا کہ چکراتے سر کے ساتھ اسکے ہاتھوں میں جھول گئی۔

وہ گڑبڑا گیا۔ اسے لے کر زمین پہ بیٹھا۔ اسکا سر اپنے گھٹنے پہ رکھا اور چہرہ تھپکا۔

"رومائزہ آنکھیں کھولو کیا ہوا ہے تمھیں۔" اسکے چہرے پہ فکر مندی کے تاثرات ابھر گئے۔ روما کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے وقت ضائع نہیں کیا اسے اٹھا کہ گاڑی میں بٹھایا۔

سیٹ بیلٹ باندھی۔ اگنیشن میں چابی گھمائی گاڑی اسٹارٹ ہوگئی تھی۔ اس نے گاڑی گھر کی جانب دوڑادی۔

چوکیدار نے اسکے لیے دروازہ کھولا۔ گاڑی اس نے باہر ہی چھوڑ دی۔ رومائزہ کو اٹھاتا اندر بڑھ گیا۔

اس نے لاؤنج میں لا کر اسے صوفے پہ لٹا دیا۔ کمرے کی لائٹس کھولیں۔ وہ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہوئی تھی۔ جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کے اس نے رومائزہ کے چہرے پہ چھڑکنا شروع کیا۔

آہستہ آہستہ رومائزہ کی آنکھیں کھلنا شروع ہوئیں۔ پر بے تاثر تھیں۔ نا ہی جسم نے کوئی حرکت کی نا ہی اس کی نظروں میں جنبش ہوئی۔ وہ یک ٹک چھت کو دیکھ رہی تھی۔

"رومائزہ آر یو او کے؟" وہ اسکے پاس گھٹنے کے بل بیٹھ کے پوچھ رہا تھا۔ روما نے پلکوں کی باڑ جھکا لی۔ آنسو کے قطرے آنکھوں سے نکل کے بالوں میں جذب ہونے لگے۔ اس شخص کو تشویش ہوئی۔ اس نے اسکی بکھری حالت کا جائزہ لیا۔ وہ پریشان ہوا۔ جیب سے پھر موبائل نکال کے اس نے کسی کو کال ملائی۔

رات ساڑھے دس کا وقت تھا۔ انوش کمرے میں نیم اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ ٹانگوں پہ رکھے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں لیس کا پیکٹ تھا اور بائیں ہاتھ کی انگلی لیپ ٹاپ پہ وقفے وقفے سے چلتی۔ اسکی تر توجہ اسکرین پہ تھی۔ منہ میں چپس ڈالی تھی کہ موبائل بج پڑا۔ گھنٹی کی آواز سے خلل ہوا اس نے منہ بگاڑ کے بیڈ پہ پڑا موبائل اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔ یہ دیکھے بنا کہ اسکرین پہ کس کا نام چمک رہا ہے اور کال میسینجر پہ آرہی تھی نا کہ نمبر پہ۔

اکثر عائشے اسے اس وقت فون کر لیا کرتی تھی۔

"ہیلو..." اس نے پھر منہ میں چپس بھری۔

"انوش... میں سفیر بات کر رہا ہوں۔" دوسری پار سے مردانہ آواز گونجی۔ وہ چونک اٹھی۔

"کون سفیر؟" وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔ وہ صوفے کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔

"سفیر احمد۔" اس نے ماتھار گڑا اور کر خنگی سے جما جما کر کہا۔ انوش جگہ پہ سے اچھل پڑی۔ اسکے کھکھلانے کی آواز مقابل نے بھی سنی تھی۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے کیا تم گھر آسکتی ہو؟"

"آپ پاکستان آئے ہیں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ انوش نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور بیڈ سے اترنے لگی۔ پریشانی میں سفیر سے بات ہو بھی نہیں پا رہی تھی۔

"ہاں.. میں ایڈریس بھیج رہا ہوں۔"

"پر میں ایسے کیسے گھر آجاؤں۔ بات کیا ہے؟" سفیر نے فون دوسرے کان پہ لگایا۔ چہرہ موڑ کے رومائزہ کو دیکھا جو غنودگی میں تھی۔

"رومائزہ کی حالت بہت خراب ہے میں اکیلے اسے ہینڈل نہیں کر سکتا۔ ایک کام کرو تم کسی فیملی ممبر کے ساتھ آجاؤ۔ تمھاری دوست عائشے بھی تو ہے اسے لے آؤ۔" انوش کے پیر اسکی بات سن کر جم گئے۔

"روما واپس آگئی؟ کیا ہوا ہے سفیر اسے؟ اور شنواری انکل کہاں ہیں؟"

"مجھے وہ سڑک پہ سے ملی ہے، اور چاچو کا کچھ دن پہلے ہی انتقال ہو گیا۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ وہ بہت ڈسٹرب سی لگ رہی ہے اسے کسی اپنے کی ضرورت ہے۔ تم پلیز آ جاؤ۔" وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا انوش کو اپنی سماعت پہ یقین نہیں آیا۔ انکل اب نہیں رہے تھے؟ اور رومائزہ کا سڑک سے ملنا! معاملہ سنگین تھا۔ گڑبڑ ہی گڑبڑ محسوس ہوئی۔

وہ بوکھلا گئی۔

"اا آپ مجھے ایڈریس بھیج دیں میں آتی ہوں۔" اس نے کپکپی لیتے کہا۔ سفیر نے لائن کاٹ دی۔ انوش حواس باختہ اپنے کمرے سے نکل کے سیڑھیاں اتر کے نیچے بھاگی۔

"ممی مجھے اپنی دوست کے گھر جانا ہے۔" دروازہ کھول کے وہ ناہید کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بیٹا وقت دیکھا ہے"!

"ممی اسکی حالت بہت خراب ہے۔ میں رومائزہ بات کر رہی ہوں۔ اسکے بابا کا انتقال ہو گیا ہے۔" وہ ہڑبڑائی ہوئی تھی۔ چڑھتی سانسوں کو مدھم کرتے کہا۔ ناہید حیرت و افسوس کرتے اٹھ کے بیٹھیں۔ رومائزہ اور انوش کی دوستی کا انہیں بھی معلوم تھا اسکول کے زمانے سے ان دونوں کی گہری دوستی تھی۔ دو تین بار وہ احتشام شنواری سے بھی ملی تھیں۔

"بیٹا اکیلے کیسے بھیج دوں تمھارے ڈیڈ گھر پہ نہیں ہیں۔"

"تو آپ چلیں، اور میں عائشے کو بھی ساتھ لے کر جاؤ نگی۔" وہ دروازے کے پاس کھڑی ہی گفتگو کر رہی تھی۔ ناہید نے اسے دیکھا اور انوش نے انکا پلاسٹر میں چھپا پیر۔

"اچھا تم چلی جاؤ، ڈرائیور کے ساتھ جانا۔ اور میری طرف سے بھی تعزیت کر لینا۔ میرا پیر ٹھیک ہو گا تو میں اس بچی سے خود ملنے جاؤ نگی۔ اللہ اسے صبر دے، اللہ نے کتنی آزمائشیں رکھی ہیں اسکے لیے، بچپن میں ماں گزر گئی اور جوانی میں باپ۔" وہ افسوس سے کہہ رہی تھیں انوش نے سر ہلایا اور واپس اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

عائشے نیمل کے ساتھ واک پہ گئی تھی واپس آئے ہوئے بھی گھنٹے گزر گئے تھے۔ پر ٹانگوں میں درد شدید ہو رہا تھا۔ وہ پیروں پہ بام لگا رہی تھی تبھی انوش کی کال آئی۔ عائشے نے کال ریسیو کر کے فون کان سے لگایا۔

"جتنا مراد مجھے پورے دن کالز نہیں کرتے اس سے زیادہ تم کر لیتی ہو۔" فون کان سے لگاتے عائشے نے سر جھٹکتے کہا۔

"عائشے روما آگئی ہے اور اسکی حالت بہت خراب ہے اور پتا ہے احتشام انکل کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے ابھی سفیر نے بتایا وہ پاکستان آئے ہوئے روما انھی کے گھر پہ ہے۔" اسکی بات سن کے عائشے بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔

"دیکھا میں کہہ رہی تھی کچھ تو برا ہو رہا ہے روما ٹھیک نہیں ہے پر تم مان کے نہیں دے رہی تھیں۔"

"اب ان باتوں کو چھوڑو تم ریڈی رہو میں تمھیں لینے آرہی ہوں۔" انوش نے اپنا اسکارف اٹھا کے گلے میں ڈالا۔ بلو جینس پہ اس نے گھٹنوں سے اونچی نارنجی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پیروں میں سلیپر اڑس کے بیگ اٹھائے وہ کمرے سے نکل گئی۔

"ہاں ٹھیک ہے پر میں یہاں کیا بولوں؟ گیارہ بجنے والے اس وقت گھر سے نکلنا مناسب نہیں۔"

"یار تم مراد بھائی سے بات کرو۔ یا انھی کے ساتھ آجاؤ۔"

"ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔"

"میں آرہی ہوں۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ عائشے نے فون رکھ دیا۔ پھر مراد کو کالز ملائیں اسکا نمبر بزی جارہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ کمرے سے نکل کے وہ زرپاش کے پاس چلی آئی جو آرام کی غرض سے کمرے میں جاچکی تھیں۔ اسے رات میں کمرے میں آتا دیکھ تعجب ہوا۔

"مام ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ میری دوست رومائزہ اسکی طبیعت بہت خراب ہے۔ اسکے والد کا انتقال ہو گیا ہے وہ بلکل اکیلی ہے۔ مجھے اس کے پاس جانا ہے۔ اور مراد کال نہیں اٹھا رہے۔" وہ بے چارگی سے بولی۔ زرپاش نے کچھ سوچا.

"انوش مجھے لینے آ رہی ہے، کیا میں چلی جاؤں؟" اس نے ہچکچاہٹ سے پوچھا۔

"تمھاری دوست کو اس وقت تمھاری ضرورت ہے چلی جاؤ۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔ مراد آئے گا تو میں اسے بھیج دونگی۔" زرپاش کا سنجیدگی اور افسوس کا ملا جلا تاثر تھا عائشے سر ہلا کے انکا شکریہ ادا کرتی کمرے سے باہر آ گئی۔

گاڑی کسی انجان ایڈریس پہ رکی تھی۔ وہ دونوں اتریں۔ راستے میں ہی سفیر نے انکو ویڈیو کال کی تھی۔ رومائزہ کے پاس پہنچنے کے لیے دونوں مزید بے تاب ہو گئیں۔ چوکیدار سے انوش نے ایڈریس پوچھا۔ جب وہ مطمئن ہو گئی تو اندر بڑھ گئی۔ یہ چھوٹا سا بنگلہ تھا۔ دو پورشن پہ مشتمل، بیرونی حصے پہ چھوٹا سا لان تھا پھر اندر کی عمارت۔ راہداری عبور کرتی وہ اندر چلی گئیں۔ دل تیز رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ لاؤنج میں قدم رکھا سفیر سنگل صوفے پہ سر ہاتھوں میں دیے ہوئے بیٹھا نظر آیا، اور دوسرے صوفے پہ رومائزہ تھی۔ انوش دوڑ کے اسکے پاس گئی۔ سفیر نے سر اٹھایا۔ عائشے مرے مرے قدم لیتی اسکی جانب بڑھ رہی تھی۔

"روما میری جان یہ کیا حالت کر رکھی ہے اٹھو نا۔" انوش اسکے ساکن پڑے وجود کو دیکھ کر رونے کو آئی۔ اسکے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ آنسوؤں کے خشک ہونے سے لمبی قطار کے نشان موجود تھے۔ عائشے نے گلاس اٹھا کے اسکے چہرے پہ پانی ڈالا۔ سفیر صوفے سے اٹھ گیا تھا۔

"اسکو ہاسپٹل لے چلیں۔" عائشے نے پانی چھڑکتے متفکر انداز سے کہا۔

انوش نے اسکے چہرے پہ سے بال پیچھے کیے اسکا ہاتھ سہلانے لگی۔ اس نے آنکھیں کھول لیں۔ قریب ہی اسکو جانی پہچانی آوازیں سنائی دیں تو آنکھوں کو حرکت دی۔ انوش اور عائشے کے متفکر چہرے دکھائی دیے۔

"عائشے..." زیرلب اس نے پکارا، نقاہت بہت تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ انوش نے اسے سہارا دے کر بیٹھنے میں مدد کی۔ گہری گہری سانسیں لینے کے بعد وہ ہوش کی دنیا میں آئی تھی۔ عائشے نے اسے پانی پلایا۔ سفیر ٹیبل کھینچ کے اسکے سامنے آن بیٹھا۔

"سفیر بھائی آ آپ کب آئے؟" اس نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ جسم بے جان ہو رہا تھا۔

"کچھ دن پہلے ہی آیا ہوں تم بتاؤ تمھاری حالت کیسے ہوئی؟"

"روما تم تو کشمیر گئی تھیں نا۔ دیکھو سچ بتاؤ تم کہاں تھیں؟ کیا ہوا ہے تمھارے ساتھ۔" عائشے نے اسکے ہاتھ تھام لیے۔ عائشے کے سوال پہ اسکی جان نکلی تھی۔ پر اب وہ مزید کچھ دل میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس نے چہرے پہ جھولتی لٹیں پیچھے کیں بھیگے لبوں پہ ہاتھ پھیرا۔

اور پھر شروع سے لے کر آخر تک ساری روداد سنادی۔

بابا کا قرض، زولفقار کی انا، اسکا اغوا ہونا، میران سے ملنا، اسکی محبت، اور پھر ایک مرد کی انا کو ٹھیس پہنچا کر اسکا عتاب! لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ وہ تینوں نفوس جگہ پہ منجمد رہ گئے۔ دل کٹ کے رہ گیا تھا۔ مانو حلق کو آیا تھا۔

اور وہ ایسے باتیں کر رہی تھی جیسے شنواری صاحب زندہ ہوں اس نے انکی موت قبول ہی نہیں کی تھی۔

"میری گاڑی پل پہ بند ہو گئی تھی میں اسی کو اسٹارٹ کرنے کی کوششیں کر رہا تھا تب ایک لڑکی کو دیکھا۔ مجھے نہیں پتا تھا وہ یہی ہو گی۔ آگے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور یہ چلے جا رہی تھی۔ مجھے تو ہوش میں نہیں لگی اسی لیے گاڑی سے اتر کے اسے دیکھنے لگا۔ اور اگر میں وقت پہ آگے بڑھ کے نہ اسے تھامتا تو یہ گر جاتی۔" سفیر نے اسے یہاں لانے سے پہلے کی کہانی صدمے کی سی کیفیت میں سنائی۔ رومائزہ نے انھیں بتایا تھا وہ کالونی گئی تھی۔

"یہ سارے سیاستدان ایسے ہی برے ہوتے ہیں۔ انکے پاس دل تو ہوتا ہی نہیں۔ دوسروں کی زندگی سے کھیلنا انکا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ بھلا کبھی سوچا کہ میران جاہ ایسا کر سکتا ہے! ہم بے وقوفوں کی طرح رول ماڈل سمجھتے رہے اسے۔"

انوش نے ہی بمشکل تنفر سے کہا۔ باقی عائشے اور سفیر تو گنگ صدمے میں تھے۔

"مجھے تو اس پہ یقین کرنے کی سزا مل رہی ہے انوش۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کرونگی۔ اللہ اس سے حساب ضرور لے گا۔" کہتے ہوئے وہ کھانسنے لگی۔ بہت تکلیف سے گزر رہی تھی وہ۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اسے کیسے بتاتے کہ احتشام انکل اب انکے درمیان نہیں رہے تھے۔

"سفیر بھائی بابا کو بلائیں، وہ مجھے چھوڑ کے نہیں جاسکتے وہ لوگ جھوٹ بول رہے تھے۔ سب میران کے ساتھ ملے ہیں۔" وہ بچوں کی طرح بولی۔ سفیر میز پہ مزید سمٹ گیا۔

"رومائزہ چاچو اب نہیں رہے۔ دس دن پہلے ہی انکا انتقال ہوا ہے۔" اس نے ہمت کر کے آگے بڑھ کے بتادیا۔

"ننن نہیں وہ نہیں مر سکتے، وہ مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ سفیر بھائی بابا کو بلائیں پلیز۔" وہ بپگر گئی۔ اسکے چیخنے پہ عائشے نے اسے سینے سے لگالیا۔ وہ ہاتھ چلاتی ہوئی روتے ساتھ بولی۔ سفیر نے اسکے شانے تھامے۔

"رومائزہ میں انکے جنازے کے وقت تھا۔ تم میری بات کا یقین نہیں کرو گی کیا؟ اللہ کی یہی مرضی تھی اسے قبول کرلو۔" رومائزہ نے خالی نگاہوں سے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ اسکے سینے پہ ہاتھ رکھ کے وہ خوب ہچکیوں سے رونے لگی پھر ماتھا انھی ہاتھوں پہ ٹکا دیا۔ انوش اور عائشے کی آنکھوں میں بھی پانی تھا۔ سفیر نے اسے خود سے لگا کے تسلی دی۔ تسلی لفظ ہی اسکے لیے چھوٹا تھا۔ اس پہ تو آسمان ٹوٹ گرا تھا۔ رومائزہ نے چہرہ اٹھایا۔ اسکا سر چکرایا سانس اکھڑنے لگی۔ سر میں درد کی ٹھیس سی اٹھی اس نے آنکھیں میچ کے کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ وہ تینوں اسکی حرکت دیکھ ہی رہے تھے کہ وہ سامنے دیوار پہ لگی سینری کو ہوا میں تحلیل ہوتا دیکھ چکراتے سر کے ساتھ سیدھی پیچھے صوفے پہ جا گری۔

انوش چیخ کر اس پہ جھکی۔ سفیر نے آگے بڑھ کے اسے اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑا۔ اب وہ مزید اسکی حالت کو لے کر رسک نہیں لے سکتا تھا وہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھی یقیناً کوئی تو وجہ تھی۔

وہ لوگ اب ہاسپٹل جا رہے تھے۔ انوش نے ڈرائیور کو ساتھ آنے کا ہی کہا وہ اپنی گاڑی انکے پیچھے رکھے ہوئے تھا۔ سفیر نے فل اسپیڈ میں گاڑی سڑک پہ دوڑائی ہوئی تھی۔

"اگر اسے کچھ ہوا نا میں میران اور اسکے باپ کو نہیں چھوڑونگی۔ یہ سب انھی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ کاش وہ ہماری روما کی زندگی میں کبھی آتا ہی نہیں۔ اسکی بہار جیسی دنیا اجاڑ کے رکھ دی ہے۔"

عائشے اسکا سر گود میں رکھے بول رہی تھی۔ اور مسلسل اسکے ہاتھوں کو سہلا کے گرمائش پہنچا رہی تھی۔ انوش فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی پیچھے کی طرف مڑی ہوئی تھی۔

"میری سمجھ نہیں آرہا کہ چاچو نے یہ سب کیسے چھپالیا۔ کب سے قرض دار تھے اتنے مشکل حالات آگئے پر ہمیں کسی بات تک کی اطلاع نہ کی۔ ایسی بھی کیا ناراضگی!" وہ تو سب جاننے کے بعد حالات قبول نہیں کر پایا تھا۔ اسے تو سب ہی قصوروار محسوس ہو رہے تھے۔ زیادتی تو بس اس معصوم کے ساتھ ہوئی جو ہوش سے بیگانہ بے جان پیچھے گاڑی میں لیٹی تھی۔

آئی سی یو میں وہ زیر علاج تھی وہ تینوں راہداری میں بچھی بینچز پہ بیٹھے ڈاکٹر کے باہر آنے کے منتظر تھے۔ انوش گھٹنوں پہ کہنیاں جمائے ہاتھ جوڑے بیٹھی تھی، ہاتھوں پہ چہرہ ٹکایا ہوا تھا دل ہی دل میں اس کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ نرس انجیکشن لینے کے لیے باہر نکلی۔ سفیر فوراً کھڑا ہوا۔

"پیشنٹ کو ہوش آیا کیا؟ کیا ہوا ہے اسے ؟"

"مسٹر وہ کافی اسٹریس میں ہیں۔یہی وجہ ہے انکا زہن سہی طرح کام نہیں کر رہا۔ آپ لوگ دعا کریں باقی اللہ بہتر کرے گا۔"

نرس عاجزی سے بتا کر نکل گئی وہ واپس جگہ پہ بیٹھ گیا۔

انوش کی نگاہیں سفیر کے چہرے پہ تھیں۔ اس بندے سے رومائزہ کے ذریعے ہی اسکا رابطہ ہوا تھا۔وہ سڈنی کا رہائشی تھا۔ احتشام انکل اور اسکی فیملی کے معاملات بہتر نہیں تھے پر سفیر اور رومائزہ ایک دوسرے کے کانٹیکٹ میں تھے۔اور یہ بات شنواری صاحب کے علم میں بھی تھی۔رومائزہ اور سفیر کی اچھی دوستی تھی۔ سفید اسکے بھائیوں کی طرح تھا۔کافی سال پہلے ہی میسینجر پہ ہی وہ اسے ملا تھا۔ اکثر وہ یونی میں ہوتی تھی تو اسے ویڈیو کال کیا کرتی تھی۔ اسی طرح وہ عائشے اور انوش کو بھی جان گیا تھا۔انوش سے ایک دوبار اسکی پرسنل اکاؤنٹ پہ بات چیت بھی ہوئی تھی۔یہی وجہ تھی جو اس نے اسے میسینجر کی مدد سے با آسانی کانٹیکٹ کر لیا تھا۔

سفیر نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔وہ افسردہ دکھائی دی۔وہ تو مرد تھا خود پہ قابو کیے ہوئے تھا پر وہ دونوں تو اسکے مقابلے جذبات دکھانے میں کمزور تھیں۔

عائشے جگہ سے اٹھی اس نے مراد کو کال ملائی تھی۔ اسکا دل بیٹھے جا رہا تھا۔دوسری گھنٹی پہ ہی مراد نے کال اٹھا لی۔

"عائشے کہاں ہو تم؟" وہ شاید ابھی گھر آگیا تھا اور زرپاش سے ملا نہیں تھا جو اسے بتا سکتیں کہ عائشے دوست کے ہاں گئی ہے۔ جب فری ہو کے اس نے عائشے کی کالز دیکھیں تو اسے کال بیک کی پر وہ اٹھا نہیں رہی تھی۔

اسکا موبائل سائیلنٹ بیگ میں پڑا تھا۔

"مراد میں سٹی ہاسپٹل (فرضی نام) میں ہوں۔ میری دوست کی کنڈیشن بہت خراب ہے۔ آپ یہاں آجائیں مجھے آپکی ضرورت ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مراد پریشان ہو گیا۔

"اچھا ر کو بس میں آتا ہوں۔ پریشان مت ہونا۔" اس نے فون رکھ دیا۔ وہ آنسو پوچھتی واپس بیٹھ گئی۔

دس پندرہ منٹ بعد وہ وہاں حاضر تھا۔ اسے دیکھتے ہی عائشے اس سے لگ کے رونے لگی۔ انوش نے سرد آہ بھری۔

"شادی شدہ ہونے کا فائدہ تو ہے کہ میاں کے کندھے پہ سر رکھ کے رو لو۔ ادھر تو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔" اتنے نازک حالات میں بھی بے ساختہ انوش کی زبان پھسل گئی۔ سفیر اسکے برابر میں ہی کھڑا تھا۔ چونک کے اسے دیکھا۔ اسکے دیکھنے پہ وہ سٹپٹا گئی اور نفی میں سر ہلانے لگی۔

"مراد اسے کچھ ہو گا تو نہیں ؟ وہ میری سب سے اچھی دوست ہے میں اسے بلکل کھونا نہیں چاہتی۔" مراد نے اسے شانوں سے تھام لیا۔ سفیر اور انوش ان دونوں کی طرف آگے بڑھے۔ اس نے سفیر کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انوش اسکا تعارف کرانے لگی۔

"یہ سفیر ہیں۔ رومائزہ کے فرسٹ کزن۔ اور یہ اے ایس پی مراد میر جو کہ عائشے کے ہزبنڈ بھی ہیں۔" اب وہ سوچ میں پڑ گئی کہ مراد کو رومائزہ کے بارے میں مزید بتائے کے نہیں۔ اسکے ساتھ جو حادثہ ہوا اسکی خبر کرنی چاہیے تھی کہ نہیں۔ ابھی تو اس نے سوچ ترک کر دی رومائزہ کی ٹینشن سر پہ سوار تھی۔

"عائشے چپ ہو جاؤ رو رو کہ خود کو ہلکان مت کرو۔ اللہ سے دعا کرو وہ اسے صحت دے گا۔" اس نے اسکا سر کندھے سے ہٹا کر اسے سیدھا کھڑا کیا۔

"اسے ہوا کیا ہے ؟" وہ سفیر سے مخاطب ہوا۔

"یہ تو ڈاکٹرز ہی بتائیں گے۔ اسٹریس کی وجہ سے دماغ سہی طرح کام نہیں کر رہا۔ اس کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ خبر بھی اسے اب پتا چلی اسکے بعد سے ہی وہ ہوش میں نہیں آرہی۔" سفیر متفکر سا جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہہ رہا تھا۔

"انکے انتقال کے وقت وہ ساتھ نہیں تھی کیا؟"

مراد کے ماتھے پہ شکنیں ابھر آئیں۔ سفیر کے بولنے سے پہلے ہی عائشے بول اٹھی۔

"وہ کشمیر گئی ہوئی تھی، اس سے کانٹیکٹ نہیں تھا وہ آ بھی نا سکی۔ ہمیں بھی انکل کے بارے میں اب پتا چلا ہے۔ انکل بہت اچھے تھے۔ روما سے بہت پیار کرتے تھے۔ انکی شیرنی تھی وہ۔"

بات کو سنبھالتے ہوئے عائشے نے بتایا۔ مراد مطمئن نہیں ہوا تھا۔ پر مزید سوال جواب کرنے کا یہ سہی وقت نہیں لگا۔ عائشے کی سنائی کہانی بڑی کمزور تھی۔ وہ پولیس والا نا ہوتا تو شاید یقین کر بھی لیتا۔

آئی سی یو کی جلتی بتّی بجھ گئی۔ وہ چاروں دروازے کی طرف مڑے۔ ڈاکٹر باہر نکل آیا چہرے سے ماسک ہٹایا۔

"شدید اسٹریس ہونے کی وجہ سے پیشنٹ کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ انھیں کسی چیز سے الرجی بھی ہے یہی وجہ ہے کہ انھیں سانس لینے میں دشواری ہو رہی۔ دل کی دھڑکن بہت کم ہے۔" وہ پروفیشنل انداز میں گویا تھے۔ انوش نے انکی بات کاٹی۔

"اسے ڈسٹ الرجی ہے۔ سانس لینے میں مسئلہ ہو جاتا ہے اور فلو وغیرہ بھی ہوتا ہے۔"

"ڈاکٹر وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟" عائشے نے بڑی امید سے پوچھا۔

"انھیں باقاعدہ ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے وہ ملے گی تو ٹھیک ہو جائینگی۔ ذہنی سکون دینا ہوگا ایسی کوئی بات نا کہ جائے جس سے وہ ڈسٹرب ہوں۔" وہ اپنا اسٹیتھواسکوپ ہلا رہے تھے۔

"ہوش کب تک آئیگا؟ کیا ہم مل سکتے ہیں؟"

سفیر نے سینے پہ ہاتھ پلیٹ کر پوچھا۔

"ذہنی دباؤ کی وجہ سے انکی حالات خراب ہوئی ہے۔ انھیں پر سکون رکھنے کیلئے انجیکشن لگا دیے گئے ہیں۔ جب تک انکا اثر رہے گا وہ ہوش میں نہیں آئینگی۔ اس طرح ذہن بھی پر سکون ہو گا۔ اور معذرت ابھی آپ ان سے نہیں مل سکتے۔"

"پریشان مت ہوں علاج ہو گا تو وہ ٹھیک ہو جائینگی۔" ڈاکٹر صاحب سفیر کی پیٹ تھپتھپا کے اپنا فرض پورا کر کے نکل گئے۔

میران رات کو بنگلے لوٹا تھا۔ زولفقار جاہ اس کے انتظار میں جاگتے رہے۔ وہ اپنے بیٹے کی حالت سے بخوبی واقف تھے اور فکر مند بھی تھے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جا رہا تھا۔ پیچھے سے انکے مخاطب کرنے پہ رک سا گیا۔

"کب تک چلے گا چھوٹے جاہ یہ سب؟ میں تمھیں اب مزید تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم پہ کئی ذمہ داریاں عائد ہیں انکی فکر کرو، چھوڑ دو اس محبت کو اس میں کچھ نہیں رکھا۔"

وہ مہرون نائٹ گاؤن میں سیڑھی کا پلر تھامے کھڑے تھے۔ میران پلٹ کے نیچے اترا۔

"اوہہ، محبت کی بات کون کر رہا ہے جس نے گل کی محبت میں کبھی کسی کو شریک نہیں کیا۔ آپ محبت کے بارے میں اچھے سے جانتے ہیں یہ چھوڑی نہیں جاتی۔ میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک سانسوں کی ڈور چل رہی ہے میری محبت بھی مجھ میں سرائیت کرتی رہے گی جس دن ڈور کٹی اس دن محبت آزاد۔" اس نے دو انگلیوں کو اڑا کے کہا۔

"اور میں اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی واقف ہوں کسی چیز سے منہ نہیں پھیرنے والا۔ کیا اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے میران کو!" وہ طنزیہ گویا ہوا۔ زولفقار سر جھٹک کے رہ گئے۔

اسکے تن میں آگ سی لگی تھی۔ بس وہ خود پہ قابو کیا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گوشے سرخ ہو رہے تھے۔

"تم اکیلے آئے ہو عزیز نہیں آیا کیا؟" زولفقار نے ویسے ہی سوال کر لیا تھا جیسے بات کا رخ بدل رہے ہوں۔

"نکال دیا اسے۔" وہ سنجیدگی سے بولا زولفقار نے حیرت سے اسکے چہرے کو دیکھا۔

"وہ تمھارا سب سے قریبی آدمی ہے۔"

"آپ بھی ایسا چاہتے تھے۔ کھٹکتا ہی تھا وہ آپکو بھی۔" وہ بلا طاق بولا۔

"اس کے ہونے سے مجھے اطمینان رہتا ہے۔ تم سے وہ وفادار ہے۔ کیوں نکالا اسے؟" انھوں نے کڑے تیور لیے پوچھا۔ میران نے مٹھی بھینچ لی۔

"وہ میرے اور رومائزہ کے معاملے کے بیچ میں آیا۔ اس نے مجھے فیصلے سے روکا نہیں.. مسئلہ یہ نہیں! اس نے خود بھی یہی چاہا کہ اسے روک لیا جائے۔ اسے اس چیز کا کوئی حق حاصل نہیں۔ مجھے اب اسکی ضرورت نہیں۔"

اس نے درشتی سے کہا۔ باپ کی مونچھوں کے تلے لبوں پہ تبسم پھیلی۔

"یہ تمھارا معاملہ ہے۔ تمھیں کوئی بھی کام ہو شمس سے کہہ دینا۔ پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائیگا۔"

اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ کر وہ کمرے میں چلے گئے میران انکی پشت دیکھتا رہا۔

"سب تو ٹھیک ہو گا ہی۔" اس نے خود کو یہ بات جیسے باور کرائی اور کمرے کی جانب اوپر بڑھ گیا۔ شرٹ اتار کے اس نے کرتے سے تبدیل کرنی تھی۔ پھر شاور ہی لینے چلا گیا واپس باہر آیا تو وہ کرتا شلوار میں تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ گرے سے اس نے تولیے سے خشک کر کے تولیہ ایک جانب رکھا اور فون کی طرف بڑھا۔

"سائیں میں اسکے گھر گیا تھا تو معلوم ہوا اشنواری نے گھر بیچ دیا۔ اور وہ مر چکا ہے۔ میڈم آج کالونی گئیں تھیں پر وہاں سے نکل گئیں۔ اب معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ وہاں کے لوگوں سے اتنا ہی میں معلوم کر سکا۔" مقابل ایک ہی جست میں کہتا چلا گیا تھا۔ میران نے سانس کھینچی۔

"اناللہ وانا الیہ راجعون.." زیرِ لب وہ پیشانی سے بڑبڑایا۔ ماتھے پہ ہاتھ رکھا جو گزرتا ہوا کنپٹی تک آیا تھا۔

"رومائزہ کہاں گئی یہ پتا کرو فوراً۔ مجھے ہر حال میں اسکا پتا چاہیے۔" وہ غصے سے دھاڑا۔ آخری امید بھی جیسے شنواری صاحب کے مرنے پہ دم توڑ گئی تھی۔ اسے معلوم تھا شنواری صاحب ہی اسکی مدد کر سکیں گے رومائزہ کو منانے میں پر اب وہ نہیں رہے تھے۔ اور سب کا قصور وار وہ اسے ہی ٹھہراتی۔ نفرت کم ہونے کی بجائے بڑھ ہی گئی ہو گی۔

اسے اسکی نفرت کی اتنی پرواہ نہیں تھی اسکی جان کی تھی کہ بس وہ سلامت ہو۔ وہ جانتا تھا وہ لڑکی لاپرواہ بھی بہت ہے۔

موبائل پھر بجا اس نے کال اٹھائی اور غصے میں مخاطب ہوا۔

"تمھیں کہا تھا اسے گھر تک چھوڑ آنا پھر تم لوگ ایسے کیسے لوٹ کے آ گئے!" وہ گارڈز پہ برہم ہوا انکی سٹی گم ہو گئی۔

"سائیں وہ چلی گئیں تھیں ہمیں لگا اب نظر رکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے ہم آ گئے۔" مقابل نے وضاحت دینی چاہی۔

"تم لوگوں کو لگتا بہت ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا تو میں تم لوگوں کی جان نکال لونگا۔ ڈھونڈوں اسے ہر جگہ آخر وہ کہاں جا سکتی ہے۔" اس نے غصے سے دھاڑ کے فون بند کر دیا۔ اسکا شہر میں اور کوئی نہیں تھا جدھر وہ چلی جاتی۔

تقریباً ایک گھنٹہ اس نے انتظار کیا تھا۔ وہ بے تابی سے کمرے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ بے چینی سے وہ پاگل ہو رہا تھا۔ بالوں میں ہاتھ چلا کے اس نے بال ماتھے سے پیچھے کیے۔ وارڈروب سے اس نے اپنی شال نکال کے شانوں پہ ڈالی۔ پیروں میں چپل ڈال کے موبائل اور والٹ لیتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ سیڑھیاں اتر رہا تھا اس کا موبائل پھر بجا۔

"ہاں کہو کچھ معلوم ہوا میڈم کا؟" فون کان سے لگاتے ہی اس نے بڑھتی دھڑکنوں سے سوال کیا۔

"سائیں میں نے تمام دارالعلوم اور ہسپتالوں میں پتا کیا ہے۔" ہسپتال سن کے میران کا ماتھا ٹھٹکا۔ بھنویں سمٹ کے پیشانی کی درمیان میں آگئیں۔

"اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ رومائزہ احتشام شنواری کے نام سے ایک لڑکی کچھ گھنٹوں پہلے ہی اسپتال منتقل کی گئی ہے۔ جسکی حالت تشویشناک ہے۔"

مقابل نے بتاتے ہوئے لب تر کیے۔ میران جو سیڑھیوں سے اتر رہا تھا اسکے قدم ڈگمگائے وہ خود کو سنبھال نہیں سکا۔

"کون سا ہسپتال ہے؟" اس نے فون پہ گرفت بڑھا دی۔ دوسری پار سے ہسپتال کا نام سماعت سے ٹکرایا۔ وہ فون رکھ کے باہر آگیا۔ اسکی جان خشک ہونے لگی۔ وہ کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا جتنا یہ جان کہ ہوا کہ رومائزہ نامی لڑکی ہسپتال میں موجود ہے۔ اسے سو فیصد یقین تھا وہ اسکی ہی رومائزہ ہے۔

باہر آیا تو عبدل نے گاڑی تیار کر رکھی تھی۔

"چلیں سائیں۔" اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو میران فوراً بیٹھ گیا۔

پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ بھیس بدلنے کے لیے اس نے اپنی گاڑی میں رکھی پشاوری ٹوپی اور آنکھوں پہ گلاسز چڑھا لیے تھے۔ رات کا تیسرا پہر تھا۔ وہ ریسپشن پہ پہنچا، ریسپشنسٹ لیڈی کو مخاطب کیا اس نے سر اٹھایا تو بغور اسے دیکھنے لگی۔ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میران نے مشکل آسان کرتے آنکھوں سے اپنا چشمہ اتار دیا۔ گراؤنڈ فلور کا یہ حال تھا۔ لوگوں کی چہل قدمی بھی کم تھی۔

میران کو دیکھتے ہی وہ لیڈی جگہ سے کھڑی ہو گئی ابھی اسکا نام لیتی میران نے اسے ٹوک دیا۔

"رومائزہ شنواری کس روم میں ایڈمٹ ہیں؟" چہرے پہ بلا کی سنجیدگی تھی۔ اٹھی ہوئی ناک، کشادہ پیشانی بے داغ چہرہ جہاں زمانوں کی سختی تھی۔

"وہ ابھی آئی سی یو میں ہیں".

"اور؟" اس نے لفظ پہ زور دیا تو لیڈی نے گلا تر کیا۔

"آپ انکے ریلیٹو ہیں؟ کسی غیر کو انفارمیشن دینا پالیسی کے خلاف ہے۔" ریسپشنسٹ کو اچھنبا ہوا۔ میران کی جانب سے خاموشی تھی۔

"ان کے ساتھ اور کون کون موجود ہے ؟" اس نے کہنی ریسپشن کی باؤنڈری پہ رکھ کے بات جاری رکھی۔ لیڈی کا سوال سرے سے نظر انداز ہی کیا تھا۔

"فیملی ممبر ز ہیں۔ دوستیں اور انکے کزن۔ وہی انھیں لے کر آئے۔ سفیر احمد۔" میران کو دیکھتے ہوئے ہار مانتے اس نے ساری معلومات دے دی، اسے یہ معلومات نرس کے ذریعے ملی تھی، اسے وہ پیشنٹ کا خیر خواہ ہی لگا تھا جب ہی سب بتا دیا۔ ریسپشنسٹ کو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ میران جاہ سے مخاطب ہے اس کے پر کیف چہرے پہ سے نگاہیں ہٹانا اسکے لیے دوبھر ہو گیا۔ اگر یہ نازک لمحہ نا ہوتا تو وہ اسکے ساتھ ضرور ایک تصویر لیتی۔

سفیر احمد نام سن کے وہ چونکا۔ آخر وہ کون تھا۔ پھر وہ ریسپشن پہ تھوڑا جھکا اور اسے کچھ ہدایت کی وہ لیڈی سر ہلا کے وہاں سے نکل گئی۔ میران نے واپس آنکھوں پہ چشمہ چڑھالیا رخ موڑ کے کھڑا ہو گیا۔

دس منٹ بعد وہ لیڈی واپس آئی تھی اپنے مخصوص لباس میں ملبوس تھی۔ اسکی شخصیت کے سحر میں کھوئی ہوئی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کے گفتگو کر تا تھا۔ مقابل اسکے سحر میں جکڑ جاتا تھا۔

" آپ جا سکتے ہیں۔" لیڈی نے سر ہلا کے اسے راستہ دیا۔ اسکے سائیڈ سے ہو تا وہ نکل گیا۔ ہال سے نکل کے گئی وارڈز بنے تھے اور سامنے آئی سی یو تھا۔ اس نے راہداری کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہاں کوئی ذی النفس موجود نا تھا۔ بس ایک ڈاکٹر کھڑا تھا جس نے اسے اندر جانے دیا تھا۔ آئی سی یو کا دروازہ اندر کی طرف دھکیل کر اس نے بڑھتی دھڑکنوں کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ سامنے منظر دیکھ اسکی روح فنا ہوئی۔ ارد گرد مشینوں کی ٹوں ٹوں

جاری تھی۔ وہ ارد گرد سے بے خبر نیند کی وادی میں کھوئی ہوئی تھی۔ ہاتھوں سے نلکیاں گزر رہی تھیں۔ ناک پہ نیبولائیزر لگا تھا سر پہ پلاسٹک کا ہئیر کیپ تھا۔ وہ قدم بڑھاتا اسکے پاس آگیا۔ لفظ منہ میں خاک ہو گئے۔ کیا حال ہو گیا تھا اس بہادر سی لڑکی کا۔ میران اسکے بیڈ کے نزدیک کھڑا تھا۔ اس نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔ بے ساختہ اسکی آنکھ سے آنسو نکل کے رومائزہ کے سفید لباس پہ گرا۔ بے خودی میں اسے کئی پل دیکھے گیا۔ سفید رنگ اس پہ خوب کھلتا تھا پر آج میران کو وہ رنگ اس پہ بے حد برا الگ رہا تھا۔ اسکا دل سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگا۔ رومائزہ کے زرد پڑتے ہونٹوں کو دیکھا جو ہمیشہ لال گلال ہوا کرتے تھے۔

"ٹھیک ہو جاؤ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکونگا۔ رومائزہ مجھے معاف کر دینا۔ مجھے لگ رہا ہے میری سانسیں تنگ ہو گئی ہیں۔" اسکے پاس کھڑے ہو کر اسکے تکیہ کے پاس ہاتھ رکھے اس پر تھوڑا جھک کر کہا۔ وہ نیند کی گہرائیوں میں تھی۔ اسکو محسوس تک نہیں کر سکتی تھی میران کے چہرے پہ کرب کی ضربیں تھیں۔ دل خواہش کر رہا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے پر وہ تو ہر چیز سے بے خبر چت لیٹی تھی۔ ہوش میں ہوتی میں تو میران کو اپنے اتنا پاس برداشت بھی کہاں کرتی.. وہ محویت سے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے دیکھتا رہا۔

ڈاکٹر یحییٰ اندر داخل ہوا تو اس نے آنسو اندر اتار لیے اور شال درست کرتا پیچھے ہاتھ باندھے کے انکی جانب پلٹا۔

"کیا ہوا ہے اسے؟ یہ ہوش میں کیوں نہیں ہے؟"

اسکے چہرے پہ فکر کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

"نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ ہم نے ٹریٹمنٹ دے دی ہے دوائیوں کے زیر اثر ہیں صبح تک ہوش آجائیگا۔ ٹریٹمنٹ کے دوران یہ غنودگی میں تھیں مسلسل اپنے بابا کو پکار رہی تھیں۔ باپ کی موت کا گہرا صدمہ لگا ہے۔"

ڈاکٹر سفید کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔ میران نے سانس لی، ہوا میں اکسیجن کی کمی ہوگئی تھی۔

"اسے ٹھیک کرو، بہتر سے بہتر علاج دینا۔ جتنے دن یہاں رکھنا ہے رکھو پر یہ مکمل طور پہ صحت یاب ہونی چاہیے۔" گردن موڑ کے میران نے رومائزہ کا چہرہ دیکھا تھا۔

"سر آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟" ڈاکٹر اپنی حیرانی نہیں چھپا سکا۔

"اٹس نان آف یور بزنس، جتنا کہا ہے اس پہ عمل کرو۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو اس نمبر پہ مجھ سے کانٹیکٹ کرلینا۔" اس نے رومائزہ کے پیروں کی طرف رکھی ٹیبل پہ سے فائل اٹھائی۔ قلم ڈاکٹر کی شرٹ کی جیب سے نکال کے فائل میں سے ایک کاغذ نکال کے نمبر لکھ کر اسے تھما دیا۔

"اور میرے آنے کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے!" میران رومائزہ کی طرف پلٹا۔ ڈاکٹر کی جانب اسکی پشت تھی۔

"سر یہ ٹھیک ہو جائینگی زیادہ پریشانی کی بات نہیں بس ہر قسم کی ڈسٹربنس سے دور رکھنا ہو گا انھیں۔ دل کمزور ہو گیا ہے جگر کم کام کر رہا جسکی وجہ سے خون کی کمی ہو رہی ہے۔ ہم نے ایک بوتل خون چڑھا دیا ہے۔" ایک ہاتھ پہ دوائیوں کی نلکی لگی تھی اور دوسرے سے خون پہنچایا جا رہا تھا۔

"خون کس نے دیا ہے؟" پیشانی پہ بل سے پڑے۔

"انکے کزن نے، انھی کا بلَڈ میچ ہوا ہے۔"

ڈاکٹر نے سر کھجایا۔ میران کا جبڑا بھینچ گیا۔ ریسپشنسٹ لیڈی نے ڈاکٹر کو میران کے آنے کی اطلاع فوراً کر دی تھی۔ اور میران سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر کو اندازہ ہو گیا تھا پیشنٹ میران جاہ کے لیے بہت خاص تھی، ویسے تو ہاسپٹل کا قائدہ تھا کسی غیر کو بنا پہچان کے مریض کی اتنی انفارمیشن نہیں دی جاتی تھی۔ پر سامنے وزیر اعلی کا بیٹا کھڑا تھا جسے دیکھ لیڈی سے لے کر ڈاکٹر تک کی زبان فر فر سب کچھ اگلتی گئی تھی، ریسپشنسٹ نے اسکی ہدایت پہ سفیر لوگوں کو راہداری سے اٹھا کے ویٹنگ ایریا میں بھیج دیا تھا۔

ڈاکٹر اسے اپنے کیبن میں لے گئے۔ وہاں بیٹھ کے اس نے تھوڑی دیر ان سے گفتگو کی۔ ڈاکٹر نے چائے منگالی تھی۔ میران کا درد سے سر پھٹ رہا تھا۔ اسے کل ایک ضروری کام سے بھی جانا تھا۔ سوچیں زہن پہ سوار تھیں۔ اس نے کپ لبوں سے لگالیا۔ دروازہ ناک ہوا۔ ڈاکٹر نے 'کم ان' کہا تو باہر موجود شخص اندر چلا آیا۔

"ڈاکٹر یحییٰ رومائزہ کو ہوش کب تک آئے گا؟ فجر ہونے کو ہے۔"

"مسٹر سفیر آپ پریشان مت ہوں دو تین گھنٹے تک وہ ہوش میں آجائیں گی۔ اور آپ لوگ بھی گھر جا سکتے ہیں عملہ ہے انکی دیکھ بھال کرنے کے لیے انھیں جیسے ہی ہوش آئے گا ہم آپ کو انفارم کر دیں گے، تب آپ آجایئے گا۔" ڈاکٹر نے اطمینان سے اسکی آسانی کے لیے کہا۔ سفیر میران کی پشت پہ کھڑا تھا۔ وہ میران کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ ڈاکٹر کی کرسی کے داہنی پشت پہ دیوار میں شیشہ نصب تھا۔ چائے کا کپ اس نے ہونٹوں سے لگا رکھا تھا۔ شیشے میں اس نوجوان کا عکس دیکھا۔ پچیس چھبیس سالہ لڑکا تھا۔ خوب شکل وصورت تھی، سیاہ بال تھے اٹھی ہوئی ناک، باریک ہونٹ، فارمل ڈریسنگ، ڈیسنٹ سا بندہ لگا تھا۔ میران نے گہری نظروں سے اسکا جائزہ لیا۔

"اسے اکیلا چھوڑ کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ ڈاکٹر کی جانے کی بات کا سنتے انکار کرتے بولا۔

"کہنے سے مراد یہ کہ ایک دو بندے رک جائیں باقیوں کو بھیج دیں۔ بلا وجہ یہاں رش لگانے کا کیا مقصد۔ آپ یہیں ٹھہر جائیں۔" ڈاکٹر کی نگاہ میران کی چہرے تک گئی۔ ڈاکٹر کی بات سن کے اسکے چہرے پہ ناپسندیدگی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت کچھ بھانپ لیا تھا وہ میران کے ساتھ اسی لیے کارپوریٹ بھی کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔"

وہ کہتا پلٹنے لگا۔ میران نے کپ ٹیبل پہ رکھا اور کمر کو کرسی سے ہٹا کے آگے ہوا۔ سفیر کی اس کی پشت پہ نگاہ گئی اور پھر وہ سر جھٹک کے باہر نکل گیا۔ فجر کی اذانوں کی آوازیں کئی مسجدوں سے آنے لگیں۔ اسکے دل کو سکون پہنچ رہا تھا۔ کافی دیر سے جو بے چینی تھی اس میں افاقہ ہوا اور چائے پی کر میران بھی وہاں سے نکل گیا تھا۔

سفیر نے انوش، عائشے اور مراد کو گھر بھیج دیا تھا۔ ناہید کو انوش نے ہاسپٹل میں رومائزہ کی کنڈیشن کے بارے میں اطلاع کر دی تھی۔ فجر کے وقت ہی وہ گھر پہنچی۔ بابا دیر رات کو آئے تھے اس نے انکو بھی ساری کہانی سنائی۔ رومائزہ کا اغوا ہونا اس بات کا اس نے پردہ ہی رکھا تھا۔

صبح یونیورسٹی جانا تھا اس نے تو جانے کا ارادہ ترک کر لیا تھا تھوڑی دیر سکون لینے کے لیے کمبل تان کے سو گئی۔

مراد بیڈ پہ بیٹھا اسے کافی دیر سے دیکھ رہا تھا جو دعائیں مانگتے ہوئے مسلسل رو رہی تھی۔ دعا سے فارغ ہو کے اٹھی اس نے جاء نماز تہہ کر کے صوفے پہ رکھ دی۔ رونے سے آنکھوں کے پپوٹے سوج گئے تھے۔ مراد اٹھ کے اسکے پاس آیا۔ دوپٹہ چہرے پہ لپٹا تھا گرہ ڈھیلی ہو گئی تھی۔ مراد نے ناٹ ٹھیک کی اور اسے آہستہ سے خود سے لگا لیا۔

"خدا کے لیے اپنی آنکھوں پہ رحم کرلو۔ کتنا رو لیتی ہو تھکتی نہیں ہو کیا!" عائشے اس سے لگے کھڑی تھی مراد نے اسکے سر پہ بوسا دیا۔

"مراد مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ وہ بہت تکلیف میں ہے بلکل اکیلی رہ گئی ہے کیسے سب برداشت کرے گی۔"

مراد کے دل کی بڑھتی دھڑکنوں کی گونج وہ سن رہی تھی۔ عائشے خود کو مضبوط ظاہر کرتی تھی پر اتنی مضبوط نہ تھی۔

"وہ اکیلی نہیں ہے ہم سب اسکے ساتھ ہیں۔" مراد نے اسکا چہرہ اٹھایا۔ چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ مراد کے کہنے پہ اسے ڈھارس ملی۔

"میں کل بھی اسکے پاس جاؤنگی۔" اس نے نم آنکھوں سے کہا۔

"ہاں چلی جانا۔ اب چل کے سو لو۔"

وہ جا کے بیڈ پہ لیٹ گیا۔ اسے خوشی ہوئی تھی مراد اس مشکل وقت میں اسکے ساتھ تھا۔ اسکی دوستی کو سمجھ رہا تھا۔

وہ جا کے بستر پہ لیٹ گئی۔ مراد نے اسکی جانب چہرہ کیا کہنی سر کے نیچے رکھ لی۔

"اب مجھے سچ بتاؤ تمھاری دوست کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ کوئی حادثہ ہوا ہے؟ تھیں لگتا ہے میں تمھاری اس بھونڈی سی کہانی پہ یقین کر لونگا تو عائشے یہ خیال دماغ سے نکال دو۔"

اسکے لہجے میں سختی در آئی تھی۔ انداز ایسا جیسے کسی ملزم سے پیش آرہا ہو۔ عائشے اپنی جگہ پہ سمٹ گئی۔ وہ مراد کے اسی سوال سے بچ رہی تھی اسے یقین تھا وہ اس ضرور پوچھے گا۔

"میں نے بتایا تو ہے وہ کشمیر میں تھی آخری وقت میں اپنے بابا کے پاس نہیں تھی نا ہی انکا چہرہ دیکھا۔ یہ صدمہ ایک اولاد کے لیے کم ہے کیا؟" اس نے مراد کی آنکھوں میں دیکھے یقین سے کہا۔ اس بات پہ تو وہ مطمئن تھا لیکن کشمیر والی بات پہ اسے گڑبڑ محسوس ہو رہی تھی۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ باپ کی موت کا صدمہ تو ضرور ہے پر اسکے علاوہ بات کچھ اور بھی ہے۔"

"اے ایس پی صاحب یہی بات ہے۔ ہاں بہت عجیب سا سین ہوا ہے پر حقیقت یہی ہے۔"

رومائزہ کی مرضی کے بغیر وہ کوئی بھی خود سے قدم نہیں اٹھانا چاہ رہی تھی۔ اگر مراد کو معلوم پڑ جاتا اتنا عرصہ وہ میران کی حفاظت میں تھی اور پھر میران نے ہی اسے خود روک کر لیا، وہ تو الگ طوفان برپا کر دیتا۔ ہوئی تو آخر وہ کڈنیپ ہی تھی، حقیقت تھوڑی بدل جانی تھی۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ۔ اگر مجھے پتا چلا کچھ تو تم اپنی خیر منا لینا۔" اسے ٹینشن میں ڈال کے وہ کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

"لو بھلا اب ناراض ہو گئے ہونگے۔" وہ دل میں بڑبڑائی۔

"کچھ ہو گا تو پتا چلے گا نا۔" کہتے ہوئے اس نے کمبل منہ تک چڑھا لیا۔

صبح ہوتے ہی انوش اور عائشے ہسپتال پہنچی تھیں۔ زرپاش صاحبہ نے بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا پر عائشے نے انھیں روک لیا کہ جب وہ گھر آ جائیگی تب مل لیے گا۔ رات کو ہی مراد نے سفیر سے نمبر شئیر کیا تھا۔ سفیر نے رومائزہ کے ہوش میں آنے کی اسے خبر کر دی تھی۔

ڈیوٹی پہ جانے سے پہلے مراد عائشے کو ہاسپٹل چھوڑتا ہوا گیا تھا۔ سفیر سے بھی اس نے ملاقات کی تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد سے وہ ہنوز کمرے کی چھت کو تک رہی تھی۔ جینے کی جیسے چاہ ہی نہیں بچی۔ وہ اب تک کیوں زندہ تھی!..

"سفیر بھائی وہ چلے گئے میں نے انھیں دیکھا بھی نہیں۔ کتنی بدنصیب ہوں نا میں، اس سے بہتر تھا میں ہی مر جاتی۔" درد برداشت کرتے اس نے آنکھیں میچ لیں۔ اسے پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ انوش اور عائشے اسکے پاس کھڑی تھیں۔ اسکی بات سنتے ہوئے سفیر کاؤچ سے اٹھ کے اسکے پاس آیا۔

"جو اللہ کو منظور وہی ہوا ہے۔ روما تم اسٹریس مت لو طبیعت خراب ہو جائیگی۔"

اس نے اسکے چہرے پہ آئے بال پیچھے کیے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ ٹھنڈے مزاج کا بندہ تھا۔ انوش لب کاٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ رومائزہ نے اٹھنے کی کوشش کی انوش نے آگے بڑھ کے اسے سہارا دیا۔ انوش کا ہاتھ اسکی کمر کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ کندھوں کو ریشمی بال چھو رہے تھے۔ نلکیاں ہاتھوں کی وجہ سے اسکی گود میں ہی آگئیں۔ سفیر اسکے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"سفیر بھائی۔ مجھے بابا کے پاس جانا ہے۔"

وہ اس سے لگ کے رونے لگی۔ ان دونوں کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ سفیر اسکے بالوں پہ ہاتھ پھیر تا رہا۔ آنکھ سے آنسو پھسل کے رومائزہ کے بالوں میں جذب ہو گیا۔ اسے اپنا حوصلہ ختم ہوتے محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بھی چاچو کے ساتھ زیادہ وقت گزار نہیں سکا تھا۔ جس دن وہ ان سے ملنے آیا تھا اسی دن انکی حالت خراب ہوئی۔ سفیر کی فیملی پاکستان شفٹ ہو رہی تھی۔ اپنے بھائی کی طبیعت کا سن کے غضنفر شنواری دوڑے دوڑے ہسپتال پہنچے تھے۔ وہ آخری وقت میں انکے ساتھ تھے۔ شنواری صاحب کے دوست میاں حسن بھی تھے۔ دونوں بھائیوں میں جو بھی ناراضگی تھی دونوں نے ختم کر دی، ایک دوسرے کی خطاؤں کو معاف کر دیا تھا۔ پر شنواری صاحب اتنی ہی زندگی لکھوا آئے تھے۔ اپنے بچھڑوں سے ملنے کے بعد بیماری کی زد میں آکے دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ انکا جنازہ تو شنواری ہاؤس سے ہی اٹھا تھا۔ سفیر اور غضنفر صاحب کو بعد میں پتا چلا کے وہ گھر سیل کر چکے ہیں۔ وجہ

یہی سنی تھی کہ شہر بدل رہے ہیں۔ رومائزہ غائب تھی اسکی یہ خبر ملی تھی کہ کشمیر گئی ہے۔ پر اس سے کسی کا کوئی کانٹیکٹ نہیں تھا۔ وہ لوگ تھوڑا پریشان بھی ہوئے تھے۔ سوئم کے بعد غضنفر اپنی اہلیہ کے ساتھ واپس سڈنی روانہ ہو گئے تھے۔ وہ اپنا سارا بزنس پاکستان میں شفٹ کر رہے تھے۔ سڈنی کا انکا آخری چکر تھا۔ تمام کاروباری معاملات نپٹا کر انکی اب واپسی ہونی تھی۔ سفیر کو رومائزہ جب سڑک پہ بے یارو مددگار ملی، اسے کافی حیرت ہوئی تھی۔ اچانک اسکا کشمیر سے آجانا اور پل پر سے ملنا۔ اسکی غیر ہوتی حالت دیکھ وہ بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

انوش نے رومائزہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا جب وہ اپنی دوست سے ملے گی تو کس حالت میں ہو گی۔ وہ تو اسی کھکھلاتے ٹمٹماتے چہرے کی منتظر تھی۔

"روما جان تمھیں بہت یاد کیا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس انتظار کے بعد تم ہمیں یوں ملو گی۔" سفیر نے رومائزہ کو واپس لٹا دیا۔ انوش اسکے پاس بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی سفیر روم سے باہر جا چکا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے آنسو بہاتی رہی۔ میران کا دھوکہ، بابا کی موت سب نے اسے جھنجھوڑ کے رکھ ڈالا تھا۔

شام تک اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ سفیر بل کی ادائیگی کرنے ریسپشن گیا تھا۔ وہ چونکا۔ ریسپشنسٹ نے اسے پیمنٹ کرنے سے روک دیا۔

"سر آپکی پیمنٹ ہو چکی ہے۔" لیڈی مصروف سی بولی۔ سفیر نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

"میں نے پیمنٹ نہیں کی تو کس نے کی ہے؟"

اسکے پوچھنے پہ لیڈی نے شانے اچکا دیے۔

"آپکو پیسے رکھنے ہونگے ایسے کیسے کوئی اور بل ادا کر سکتا ہے۔ کیا مجھے بتا سکتی ہیں پیمنٹ کس نے کی ہے؟"

لیڈی نے پھر سے شانے اچکا دیے۔ سفیر کو گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"سر کسی اور ریسپشنسٹ نے پیمنٹ ایکسیپٹ کی ہے میں نہیں جانتی کون بل پے کر گیا ہے۔ آپ اپنے پیسے رکھ لیں۔" وہ ایمانداری سے بولی۔ سفیر کا ذہن ٹھٹکا۔

ذہن میں میران جاہ کا پہلا خیال آیا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا تا لب پیوست کر کے نکل گیا۔

وہ پہلے سے بہتر تھی۔ پہلے جو نڈھالی چھائی تھی اب کم ہوگئی تھی۔ گھر میں اسے الگ کمرے میں سفیر نے منتقل کیا تھا۔ ساری میڈیسن وغیرہ وہیں تھیں۔ باقی ضرورت کا سامان کپڑے وغیرہ انوش عائشے کے ساتھ جا کے لے آئی تھی۔ دیوار میں نصب الماری میں اس نے اسکے گنتی کے چار پانچ سوٹ ٹانگ دیے تھے۔ اسکا سامان تو سارا اُس گھر میں تھا اور اب نا جانے وہ کدھر بے مول ہو رہا ہو گا۔

وہ بس اپنے بابا کی موت کا غم منا رہی تھی۔ رو رو کے آنکھیں سوکھ گئیں تھیں۔ پپوٹے بری طرح سوج رہے تھے۔

عائشے نے اسے کافی دیر سمجھایا بجھایا۔ پھر وہ فریش ہونے کے لیے چلی گئی۔ نہا دھو کر پنک کاٹن کے سوٹ میں باہر نکلی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے تھے۔ خشک لبوں پہ زبان پھیرتی وہ بالوں کو تولیے سے خشک کرتے ہوئے آئینے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

یہ ایک فرنشڈ روم تھا پر فرنیچر برائے نام تھا۔ دیوار میں الماری بنی تھی۔ ایک صوفہ بیڈ کے آگے بچھا تھا اور ایک عدد ڈریسنگ تھی۔

اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ اسکی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ کتنی خود پسند تھی وہ اپنی ہر چیز کا خیال رکھتی تھی۔ اپنی صورت دیکھ اسے یقین نہیں آیا کہ وہ رومائزہ ہے۔

اندر اسکا دم گھٹنے لگا تو باہر چلی آئی، اشک بار بار وقفے وقفے سے بہہ رہے تھے ان پہ اسکا کنٹرول نہیں تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا ہے یہ ہماری روما ہے۔ اس عرصے میں پورا بدل گئی ہے۔ اسکی حالت دیکھ دل تڑپ جاتا ہے۔ میران جاہ نے آخر میں بہت برا کیا۔ عائش محبت کرنے والے تو درگزر سے کام لیتے ہیں۔"

"اگر وہ واقعی اس سے محبت کرتا تو ایسا نہیں کرتا انوش۔"

"اللہ بہتر جانے، نظر لگ گئی ہے روما کو۔ سہی کہتے ہیں مرد کی انا پہ جب بات آجائے تو وہ کچھ نہیں سوچتا سمجھتا۔" انوش اور عائشے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے اسی کے متعلق گفتگو کر رہی تھیں۔ وہ دونوں کے درمیان میں آکے بیٹھ گئی۔

عائشے نے اسے گلے سے لگالیا اور انوش نے بھی چمٹنے میں دیر نہیں کی۔

"بہت مس کیا تمھیں، جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔"

انوش دور ہٹی تو عائشے نے بھی اسے چھوڑا۔ وہ خاموش سی رہی۔ آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا وہ دونوں بے بس سی ہو گئیں۔

"روما کسی کے بھی جانے سے زندگی نہیں رکتی ہمیں جینا پڑتا ہے۔ تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا ہم میں سے کوئی اسکا ازالہ نہیں کر سکتا۔ تم نے بہت کچھ خود پہ جھیلا۔ جتنی پہلے ہمت کی اب بھی کرنی ہو گی۔ اب تم واپس آگئی ہو نا، قید سے آزاد ہو اب جیو زندگی اپنی مرضی سے۔"

"انوش بابا کسی نہیں تھے۔ وہی تو میری زندگی تھے، میرے سائباں تھے۔ آزاد کرنے سے پہلے اس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ وہ شخص محبت کا دعوے دار تھا مجھے بھی اپنی محبت کی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ اس نے ایک بار بھی اپنے فیصلے پر نہیں سوچا۔ بابا اسی کی وجہ سے مرے ہیں۔ اس نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا بلکل خالی ہاتھ کر دیا۔"

"میران اللہ کرے تم مر جاؤ مر جاؤ مر جاؤ۔ اللہ تم سے ہر ایک چیز چھین لے جو تمھیں عزیز ہے۔"

وہ شدت سے درد سے بال نوچتی چیخ اٹھی۔ انوش نے اسکے ہاتھ تھامے۔ اسے قابو میں کرنا ہی تو بے حد مشکل تھا۔

"مر گئے میرے بابا۔ میران تمھاری وجہ سے مر گئے۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے تھے۔ اتنی بڑی سزا کوئی دیتا ہے۔ تم نے اپنی انا کو تسکین دی صرف و صرف۔" انوش کے بازوؤں پہ ہاتھ مارتے وہ مسلسل روتے ہوئے بول رہی تھی۔ سفیر اسی اثناء میں گھر آیا۔ اسکی چیخوں کی آواز پہ گھبراتا ہوا تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"رومائزہ میں نے کہا ہے نا خود کو تکلیف مت دو صبر کرو، ہم تمھیں نہیں کھو سکتے خدا کے لیے ہمت کرو۔" انوش کے دور ہوتے ہی سفیر نے اسے شانوں سے تھاما تھا۔

"اب مزید صبر نہیں ہوتا ڈھائی مہینوں سے صبر ہی تو کرتی آئی ہوں کیا ملے مجھے؟ بابا کی موت کی خبر؟ مجھے بابا کے پاس جانا ہے۔" وہ ہوش کھو رہی تھی روتے پیٹتے بولی۔ الٹا خود کو کوسنے لگی تھی جب زیادہ ہی اس نے خود کو کوسا تو سفیر اس پہ دھاڑا۔ انوش اور عائشے بھی کانپ کے رہ گئیں۔

"بلکل منہ بند بہت اول فول بک لیا۔ چپ کر کے بیٹھو، خانساماں نے تمھارا کھانا بنا دیا ہے دوائی لینے سے پہلے کھانا کھاؤ گی۔ بلکل حلق سے آواز نا نکلے۔" سفیر نے آنکھیں دکھا کر اسے گھورا۔ وہ ہچکیاں لینے لگی۔ عائشے تو کچن کی طرف بڑھ گئی۔

سفیر کے بیٹھنے کے اشارے پہ وہ بیٹھ گئی۔

"بابا سے ملنا ہے۔ انکی قبر پہ جانا ہے۔" اس نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

"ہاں چلیں گے پہلے تم ٹھیک ہو جاؤ۔" وہ صوفے پہ دراز بیٹھا پیر ہلا رہا تھا۔ انوش کی نگاہیں گاہے بگاہے اس پہ اٹھتیں۔

"مم میں بلکل ٹھیک ہوں۔ کل لے چلیں نا۔" گیلے بالوں کو کان کے پیچھے اڑس کے وہ بولی سفیر سر ہی ہلا سکا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں اسے کمرے میں لے گئیں۔ اسے دوائیاں کھلائیں۔ اسکا ذہن ابھی صرف ایک ہی چیز سوچ رہا تھا اور اس سے ذہنی دباؤ بڑھتا۔ اسکا دھیان ان خیالات سوچوں سے ہٹانا تھا۔

انوش بیڈ پہ اسکے سامنے گرنے کے انداز میں لیٹی۔ عائشے صوفے پہ بیٹھی اس کی طرف مڑی ہوئی تھی۔

"روما عائشے کی شادی ہو گئی ہے۔" انوش نے مسکرا کے بتایا۔ رومائزہ خوشی کی خبر سن کے مسکرا بھی نا سکی۔

"تو وہ ارغن بھائی تھے؟" بے حد دھیمی آواز میں حیرت سے پوچھا۔ وہ یقیناً مراد کو ارغن سمجھ بیٹھی تھی۔ عائشے نے چیخ مار کے استغفار پڑھا۔

"اوہ ہاں تمھیں تو پتا ہی نہیں عائشے کے نکاح پہ کیا فلم ہوئی۔ ارغن ایک مجرم تھا۔ لڑکیاں بیچنے کا کاروبار کرتا تھا۔ شکر عائشے بچ گئی۔ اسکے نکاح سے پہلے ہی مراد بھائی آگئے تھے۔ کیا ہیرو کی طرح اینٹری ماری انھوں نے.. "وہ فخر سے بتا رہی تھی رومائزہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"مراد بھائی اے ایس پی ہیں۔ وہ ارغن کو اریسٹ کرنے آئے تھے۔ اور پھر عائشے کا نکاح ان سے ہی ہوگیا۔ ماشاء اللہ سے عائشے اپنے سسرال میں بہت خوش ہے۔"

انوش کے بتانے پہ رومائزہ پھیکا سا مسکرا دی۔ عائشے کو اشارے سے اپنے پاس بلا لیا اور اسے خود سے لگا لیا۔ وہ صرف اسے محسوس کر رہی تھی بولنے کی ہمت بلکل نہیں ہو رہی تھی۔ دل ہی نہیں تھا کہ کچھ بولے۔ بے جان سی تو ہو گئی تھی۔ بابا پہ سے ذہن ہٹتا تو میران یاد آجاتا۔ دل اسکا بھی ٹوٹا ہی تھا۔ وہ بھی نئی منزل کی جانب چل پڑی تھی۔ خواب بھی دیکھ ہی لیے تھے، بس منزل بے نام تھی۔ اور یہ بات اس نے ابھی سب سے ہی چھپائی تھی۔

"اپنی شادی پہ میں نے تمھیں اتنا یاد کیا۔ میری زندگی شادی کے بعد پوری طرح بدل گئی ہے، تم کو اتنا یاد کیا کہ تم سے باتیں شئیر کروں اور اس پھول جھڑی کو اکیلے بہت برداشت کیا ہے۔" اشارہ انوش کی جانب تھا، انوش نے ناک چڑھا کے نظر انداز کیا۔

"میرے لیے یہ ایک زبردستی کا رشتہ تھا، پر آہستہ آہستہ سمجھ لگ گئی کہ میں اللہ کے فیصلے کی خلاف ورزی کر رہی تھی۔ مراد بہت اچھے شوہر ثابت ہوئے انھوں نے میرا نظریہ بدل دیا اور میرے سسرال والے بھی بہت اچھے ہیں.." وہ مسکراتے ہوئے بتانے لگی۔

"ہاں خاص کر تمھاری نند نیمل۔" انوش جتا کر بولی رومائزہ دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"جینے کے لیے عائش بدلنا تو پڑتا ہی ہے۔" اس نے مدھم سا کہا۔

"تم نے دوائی لی ہے نا اب نیند آرہی ہو گی۔ سو جاؤ۔ ہم بھی بس گھر جائینگے۔"

"تم دونوں نے مشکل وقت میں میرا بہت ساتھ دیا، پریشانی اٹھائی ہے۔ شکریہ۔" وہ اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"اپنے پاس رکھو اپنا یہ شکریہ۔" انوش اسے ٹھکوہ مار کے اٹھ گئی۔ رومائزہ بستر پہ لیٹ گئی۔ اسکی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اداسی کا فسوں قائم تھا۔

"کوئی ایک رک جاؤ میرے پاس۔ مجھے اکیلے پن سے خوف آرہا ہے۔" عائشے نے پر امید نظروں سے انوش کو دیکھا وہ پلکیں جھپک گئی۔

"تم پریشان مت ہو میں تمھارے پاس ہوں کہیں نہیں جا رہی۔" انوش اسکے سرہانے بیٹھ گئی۔ عائشے کو باہر ڈرائیور لینے آگیا تھا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر الوداعی کلمات کہتی نکل گئی۔

رومائزہ سوگئی تھی۔ انوش نے اسکے چہرے کو کافی دیر دیکھا۔ اسکا دل اسے گم سم سا دیکھ کر ٹوٹ سا جاتا۔ وہ بولتی ہوئی اچھی لگتی تھی یوں خاموش نہیں۔

اس نے ناہید کو کال ملائی اور اپنے یہاں ٹھہرنے کی اطلاع دی۔ اول تو ناہید صاحبہ اسے انکار کر رہی تھیں۔ پر اس نے انھیں راضی کرلیا کہ صرف ایک دن کی بات ہے رومائزہ کو اسکی ضرورت ہے کوئی عورت ہی اسکی دیکھ بھال کرے گی۔ ذہنی طور پہ وہ بہت پریشان ہے اسے اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا۔

میران اپنے کام نپٹا کے بنگلے آگیا تھا۔ کمرے میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ سر جھکائے کام میں مصروف تھا۔ وہ شہر کی ایک اہم خراب سڑک واپس بنوا رہا تھا۔ آج ہی اس نے آرڈر پاس کروایا تھا۔ اس نے آرکیٹیکچر کو سختی سے تاکید کی روڈ ڈالنے کے لیے سامان بلکل اے ون استعمال ہو گا۔ یہ سڑک کوئی تیسری چوتھی بار بن رہی تھی۔ ایک بار بارش ہو جانے سے ہی سارا روڈ اکھڑ جاتا تھا۔ روز ہزاروں لوگوں کا اس روڈ سے گزر ہوتا تھا۔ بعض اوقات حادثات کا بھی سامنا کرنا پڑ جاتا تھا۔

شمس دروازہ ناک کرتا اجازت طلب کر کے اندر آیا۔

"چھوٹے سائیں اے ایس پی مراد آپ سے ملنے آیا ہے۔" شمس نے اپنا تجسس چھپا کر بتایا۔ میران نے بھنویں اچکائیں۔

"میں نے ہال میں اسے بٹھا دیا ہے۔ آپکا انتظار کر رہا ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے اس نے نظریں جھکا لیں۔

"میری لائبریری میں بٹھا دو... میں آرہا ہوں۔" شمس نے عجیب نظروں سے اسکا فرمان سنا پھر سر ہلا کے نکل گیا۔

شمس اسے اوپر لائبریری میں بٹھا کر چلا گیا۔ مراد نے اندر آ کے لمبی سانس اندر اتاری۔ اس نے جاہ بنگلے میں آج قدم رکھ ہی لیا تھا۔ یہ بڑی سی لائبریری تھی جسکی اونچی دیواریں تھیں، کتابوں سے بھرے شیلف چھت چھو رہے تھے۔ درمیان میں فانوس ٹنگا تھا اور ہر دیوار پہ بلب لگے تھے۔ ہر چیز شاہانہ تھی۔ وہ ایک نرم وملائم گدی والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ جب پوری

لائبریری کا جائزہ اس نے لے لیا تو نظر ایک طرف گئی جہاں کا دروازہ کھلا تھا اور اندر بھی لائبریری کا شاید دوسرا حصہ تھا۔ اسے تجسس ہوا ایک بار اس نے باہر کی طرف دیکھا۔ کوئی نہیں آرہا تھا۔ وہ اٹھ کے بغیر قدموں کی چاپ پیدا کیے اندر بڑھ گیا۔ اندر آفس بنا تھا۔ بڑی سی ٹیبل بچھی تھی اور اسکے ساتھ ایک ریوالونگ چیئر رکھی تھی۔ ادھر بھی کتب سے بھرے شیلف تھے۔ کھلا کشادہ کمرہ تھا۔ عین سامنے والی دیوار پہ شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جو بند ہی رہا کرتی تھیں۔ پر وہاں سے باہر کا منظر دکھتا تھا۔ رات کا وقت تھا چاند کی ہلکی سی روشنی اس حصے میں گر رہی تھی۔ اس کمرے میں صرف ایک بلب جل رہا تھا نیم اندھیرا تھا باقی پورا بنگلا روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔

کمرے میں سب کچھ نارمل تھا پر ایک چیز جس پہ اسکا ذہن اٹکا۔ ایک پینٹنگ اسٹینڈ کھڑا تھا جس پر لال ریشمی کپڑا ڈال کے رکھا ہوا تھا، وہ میران کی ٹیبل کے ہی قریب تھا۔ کھڑکیوں کے نزدیک اسکی ٹیبل تھی درمیان میں وہ بورڈ کھڑا تھا۔

مراد کو نا جانے کیوں لگا جو وہ جاننے آیا اسکا جواب اس پردے کے پیچھے ہے۔ تیز دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھا اور لال پردے کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ ویسے تو غیر اخلاقی حرکت تھی پر شک کا کیڑا اسے یہ حرکت کرنے پہ مجبور کر رہا تھا۔ اور یہ تو اسکا فرض تھا انویسٹیگیشن کرنا۔

پر سوچ نگاہوں سے ایک ہی جھٹکے میں اس نے پردہ الٹ دیا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا، حیرت سے سامنے دیکھنے لگا۔

یہ کسی لڑکی کی آدھی شکل کی پینٹنگ تھی، اتنی شباہت! جانا پہچانا چہرہ تھا جیسے ابھی نظروں سے گزرا ہوا۔ مراد کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

اس نے سختی سے مٹھی بھینچ لی۔ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو وہ پردہ واپس ڈال کے باہر آگیا اور جگہ پہ بیٹھ گیا۔

میران اندر آیا تو وہ کرسی پہ بیٹھا تھا۔

مراد کی نظروں میں اسکے لیے نفرت تھی۔ اسے طفیل کی بات میں سچائی معلوم ہوئی۔ کسی لڑکی کی پینٹنگ کا اسکے پاس ہونا اس بات کا ایک ہی مطلب تھا۔ جب کہ اسے پینٹینگز کا اتنا شوق نہیں تھا صرف ایک ایک ہی پینٹنگ تھی بس اسکے پاس۔

اور وہ لڑکی کون تھی یہ بھی وہ جان گیا تھا۔ اب تو سوالوں کی لمبی لسٹ تھی اور اسکے جواب اسے آج چاہیے تھے۔ وہ سوچ کے آیا تھا اس سے صاف دوٹوک بات کرے گا۔ اسے میران میں بے حد دلچسپی تھی اور یہی چیز زولفقار جاہ کو کھٹک رہی تھی۔

میران سلام کرتا ہوا اندر آیا اور اسکے سامنے والی لال مخملی گدی کی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ صوفے نما کرسیاں تھیں۔

"خیریت ہے اے ایس پی؟" اسکی نظریں مراد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ یونیفارم میں تھا۔ مراد نے سانس خارج کی۔

"میران صاحب مجھے کچھ سوالات کے جواب چاہیے۔" سنجیدہ اور دوٹوک لہجے میں اس نے کہا۔

"اور یہ سوال میری پرسنل لائف کے متعلق ہیں۔" میران نے سانس بھر کر سنجیدگی سے اسکے چہرے پہ نگاہ جما لی۔ مراد پر اعتماد تھا۔

"سنو آفیسر مجھ میں زیادہ دلچسپی مت لو"!

"اور اگر یہ بات کسی اور کے متعلق ہو اور اسکی کڑی آپ سے ملتی ہو پھر تو میں سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ میں چاہوں تو اپنی ٹیم کے ساتھ بنگلے میں داخل ہوتا پر ابھی صرف میں آپ سے معلومات لینے آیا ہوں۔ میں جس میران کو جانتا ہوں وہ آپ نہیں ہیں۔"

"اے ایس پی تم مجھے جانتے ہی نہیں ہو۔" وہ تمسخر سے پھنکارا۔

"جانتے تو آپ بھی مجھے نہیں۔" وہ استہزایہ دوبدو بولا۔ میران کے چہرے کی مسکراہٹ مزید پھیل سی گئی۔

"تمھیں جو کرنا ہے کرو۔ میرے پاس فالتو وقت نہیں کے تمھارے سوالوں کے جواب دیتا پھروں۔ تم تو سر پہ ہی چڑھ گئے۔ لوگوں کو اوقات میں رکھنا بھی میں جانتا ہوں۔ شمس"...

"جی سائیں۔" وہ باہر ہی کھڑا تھا اندر چلا آیا۔

"صاحب کو چائے پانی پلا کر رخصت کرنا۔ مجھے ضروری کام سے باہر جانا ہے۔" آستین کے کف کہنیوں تک فولڈ کرتے کھڑا ہو گیا۔ مراد کا چہرہ تذلیل کے احساس سے سرخ ہو گیا۔ میران اٹھ کے مغرور چال چلتا نکل گیا۔ شمس مراد کے پاس بڑھا اور چائے کا پوچھا۔ مراد نے قہر آلود نگاہ اس پہ ڈالی اور واک آؤٹ کر گیا۔ شمس کا قہقہہ لائبریری میں گونجا تھا۔

وہ اس سے بات کرنے آیا تھا پر اب سوچ لیا تھا میران جاہ کو اپنی طاقت دکھائے گا۔ اسکا گھمنڈ اب وہ توڑ کے رہے گا۔

اگلا دن تھا سفیر رومائزہ کو شنواری صاحب کی قبر پہ لے آیا۔ وہ قبر پہ جھکے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی۔ گلاب کی پتیوں کو قبر کی مٹی سمیت مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔ گھنٹہ بھر اس نے رو کے دل کا غبار نکالا تھا۔ سفیر اسے ساتھ لگاتا اپنے سہارے سے گاڑی تک واپس لایا تھا۔ یہ منظر جب دو نگاہوں نے دور سے دیکھا تو اسکے تن بدن میں آگ لگی تھی۔ بس چلتا تو وہ ہر چیز تہس نہس کر دیتا۔

سفیر نے رومائزہ کی جانب کا دروازہ کھولا اسکے بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کرتا گھوم کے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ کوئی شعلہ بار نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اسکی گاڑی کے جانے کے بعد آنکھوں پہ چشمہ لگاتے اس نے بھی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

سفیر نے رومائزہ کو گھر چھوڑا اور خود کسی ضروری کام کا کہتا وہاں سے نکل گیا۔

میران نے آفس میں قدم رکھا تو سیکریٹری کچھ فائلز لے کر اسکے پاس آئی۔ بزنس کے متعلق اس سے ڈسکس کر رہی تھی وہ اسے ضروری ہدایتیں کرتا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔ عزہ اسکی کرسی کے سامنے والی کرسی پہ

بیٹھی موجود ملی۔ سیکریٹری نے اسکے آنے کی اطلاع کردی تھی۔ اسے دیکھ میران کا مزید موڈ بگڑا تھا۔ عزہ اسکے آنے پہ جگہ سے اٹھ گئی۔ میران زبردستی بھی مسکرا نہ سکا۔ اپنی کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔

اسکے بیٹھتے ہی کچھ شور سا برپا ہوا۔ ایک نوجوان بنا اجازت کے دروازہ کھولتا اسکے کمرے میں آیا اور پیچھے ہی سیکریٹری اسے آنے سے روک رہی تھی۔

"سوری سر۔ میں نے انھیں روکا بھی پر یہ اندر گھسے چلے آئے۔"

اس نے گھبراتے ہوئے بتایا۔ میران نے سر ہلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ واپس پلٹ گئی۔ میران تیور چڑھاتا اٹھ کے اسکے سامنے آیا۔

"رومائزہ سے آج کے بعد سے دور رہنا۔ اور یہ ہاسپٹل کے بل کے پیسے۔ وہ کوئی لاوارث نہیں جو تم نے بل پے کردیا۔ اسکے اپنے ابھی زندہ ہیں۔" سفیر نے چبا چبا کے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ میران نے اسکی دھمکی کو خاطر میں نالا کر ناک پہ سے گویا مکھی اڑائی۔ سفیر نے جیب سے پیسے نکال کے آگئے بڑھائے۔ میران نے ہاتھ پیچھے باندھ لیا اور اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"اب تم میری بات سنو آئیندہ اسکے قریب مت جانا۔ بے شک اسکا خیال رکھو پر اپنی حدود میں رہ کر!" وہ انتہائی پرسکون کھڑا تھا۔ سفیر کلس گیا۔ ایک قدم مزید آگے بڑھا کر فاصلہ کم کیا۔

"اگر وہ مجھے روکتی نہ تو میں تمھیں کورٹ تک لے جاتا۔" سفیر نے افسوس سے کہا۔ میران کا قہقہہ بلند ہوا۔

"اس سے پوچھا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا؟" اسکی آنکھوں کی تپش اتنی تھی سفیر زیادہ دیر ان آنکھوں میں دیکھ نہیں پایا۔ نظریں گھمالیں۔ سانس خارج کی۔

"وہ تمھاری شکل ہی نہیں دیکھنا چاہتی اس لیے۔ میری کزن سے تم اب دور رہنا۔ وہ شاید ڈرتی ہے کہ تم ہمیں نقصان نا پہنچادو پر میں نہیں ڈرتا۔" اسکی بات سن کے میران نے استہزاء سے ناک رگڑ کے اسے دیکھا۔ سفیر نے لب پیوست کر لیے۔ شمس دروازہ کھلا دیکھ اندر آیا تھا۔ سفیر نے لفافہ ٹیبل پہ اچھال دیا۔ عزہ نے چونک کے ٹیبل پہ پڑا لفافہ دیکھا اور پھر میران کی پشت جو اسکی طرف تھی۔ سفیر تنفر سے بھری نگاہ ڈال کر واک آوٹ کر گیا۔ میران کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ سج کر واپس سمٹ گئی۔ اس نے غصہ پی لیا۔

"شمس یہ پیسے خیرات کر دو۔"

انھیں بنا دیکھے ہی اس نے حکم سنایا شمس لفافہ اٹھا کے نکل گیا۔ وہ گہری سانسیں لے کر خود کو نارمل کر رہا تھا۔ سفیر کو رومائزہ کے اتنے پاس دیکھ کر اسکے بدن میں کانٹے سے لگ گئے تھے۔ آج تک وہ اسکے اتنے قریب نہیں گیا پھر یہ سفیر احمد کون تھا کس حق سے اتنا بے تکلف ہوا تھا۔ اسکی رگیں تن گئیں۔

"آپ اس لڑکی کے لیے اتنا پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اگر وہ آپ سے محبت کرتی تو آپکو سمجھتی آپکے کیے احسانات پہ مشکور ہوتی۔" وہ یک دم جگہ پہ منجمد ہو گیا جب عزہ کے ہاتھ کی گرمائش اسے کندھے پہ محسوس

ہوئی۔وہ جھٹکے سے پلٹا تھا اور اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔عزہ کی زبان چلتے چلتے رک گئی۔میران کی غضب نگاہوں سے اسے خوف آیا۔

"گیٹ لاسٹ فرام ہیئر!"وہ دبے دبے غصے میں بولا۔عزہ نے منمنا کے اسے دیکھا۔

"میں آپکو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی میران۔"وہ اسکی طرف بڑھنے لگی۔میران نے قدم پیچھے لیا۔

"شٹ اپ۔اور آئیندہ میرا سامنا مت کرنا۔"

"آپکو میری محبت نظر نہیں آتی؟"وہ غصے سے چلائی۔

"یہ محبت نہیں ہے ضد ہے۔"

"تو آپ بھی تو یہی کر رہے ہیں وہ لڑکی آپکا ساتھ چاہتی نہیں تو کیوں اسکے پیچھے پڑے ہیں۔ایسا کیا ہے جو اسکے علاوہ کوئی دکھتا نہیں۔"وہ بھی زبان درازی پہ اتر آئی۔میران نے اسکے چہرے کے نقوش دیکھے۔

"میرے سامنے اپنا اور میرا موازنہ مت کرنا۔جانتی ہو اس نے کبھی خود سے مجھے اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ پھنکارتا ہوا درشتگی سے بولا۔

بس ایک ہی جملے کی مار تھی عزہ۔ میران گھوم کے اپنی کرسی کی طرف چلا گیا۔ وہ سکتے میں کھڑی رہ گئی۔ وہ واضح کرچکا تھا کسی صورت اسے نہیں اپنائے گا پھر بھی وہ بار بار میں راستے میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ صبر کا گھونٹ پی کر وہ نکل گئی۔ اسکے جانے کے بعد میران نے ہنکارا بھرا اور سگریٹ جلالی۔

عزہ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی دائم اسکے پاس حاضر ہوا۔

"ہاں تم رہ گئے تھے بس۔ کہو جو کہنا ہے۔" اس نے سخت بے زاری سے کہا، دائم ٹیبل پہ تھوڑا جھکا۔

"یار مجھے اے ایس پی کی بہن پسند ہے۔ وہ میری ایمپلائے بھی ہے پہلی بار جب دیکھا تھا تب سے ہی پسند ہے۔ اور وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔"

دائم کا انداز ایسا جیسا کوئی بڑا راز کھول رہا ہو۔ میران کا سگریٹ والا ہاتھ ہوا میں رک سا گیا۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" اس نے سیگریٹ لبوں سے لگالی اور کش بھر کے چھوڑا۔

"مسئلہ میرا سالا ہے وہ مراد۔ دو محبت کرنے والوں کو دور کر رہا ہے کباب میں ہڈی بنا ہے۔ سالا رشتے پہ راضی ہی نہیں ہو رہا۔ تم ہی بتاؤ مجھ میں کوئی ایسا عیب ہے جس کی بنیاد پہ وہ اپنی بہن دینے سے انکار کر رہا ہو۔" وہ بچوں کی طرح تپا ہوا اسے بتا رہا تھا۔ میران نے ایش ٹرے میں سیگریٹ جھاڑ کے اسے دیکھا۔

"جس طرح تم سالا سالا کر رہے ہو اس نے یہ تمھارے منہ سے سن لیا ہو گا۔" وہ بے زاری سے آنکھیں چڑھاتا بولا۔

"یار میں تمھارے پاس اپنا مسئلہ لے کر آیا یوں تم مجھے ہی طعنے سنانے لگے۔ بیس دن تڑپ تڑپ کے میں نے تمھارا انتظار کیا ہے۔ میرے بھائی کچھ مدد کر دو۔ سمجھاؤ اس بد دماغ اے ایس پی کو میں اسکی بہن سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ خوش رکھونگا۔" دائم التجا کرنے لگا میران کو اس پہ ترس آیا تھا۔

"یہ دعوے جو تم میرے سامنے کر رہے ہو اے ایس پی کے سامنے جا کر کرو۔ وہ اپنی بہن کا ہاتھ ایسے ہی تو کسی کو نہیں دیگا۔ ثابت کرو اسے کے تم سے زیادہ کوئی اسکی بہن کا خیال نہیں رکھ سکتا، تم سے زیادہ اسے چاہ نہیں سکتا۔" وہ سیدھا سیدھا حل بتا رہا۔ دائم جگہ پہ بدمزہ ہوا۔

"اگر تم میرا فائدہ اٹھانا چاہ رہے ہو تو یہ بات ذہن سے نکال دو کہ میں اس سے بات کرونگا۔ میری شکل دیکھ کر تو اس نے کبھی اپنی بہن نہیں دینی۔" وہ طنزیہ دائم کو حقیقت سے روشناس کرانے لگا۔ دائم سمجھ نہیں سکا۔

"میرے بھائی انتظار کرو، جلد بازی نا کرو کونسا لڑکی بھاگے جا رہی ہے۔" میران اسے اطمینان دلاتا بولا دائم نے ناک سکوڑی۔

"تمھارے یہ پر سکون انداز ہی مجھے پسند ہے۔زندگی کی بجی پڑی ہو پر میران جاہ کے اطمینان کے لیول کا کیا کہنا۔"وہ ہنکارتے ہوئے بدمزگی سے بولا۔میران سمجھ نا سکا وہ تعریف کر رہا تھا یا طنز؟تعریف ہی تھی رومائزہ والے واقعے سے بے خبر تھا جانتا ہوتا تو شاید طنز ہی کرتا۔

"مجھے تمھیں ایک ضروری بات بتانی ہے اور میں امید کرونگا تم اسے کہیں نشر نہیں کروگے۔"وہ سنجیدگی سے کرسی ہلکی سی گھوما کر بولا دائم کے لبوں پہ مسکراہٹ سج گئی۔دائم نے آنکھیں گھومائیں تو میران سانس بھر کے رہ گیا۔

سفیر آفس سے آیا رومائزہ کچن سے پانی کا گلاس ہاتھ میں لیتی نکلی تھی۔وہ جس نے پانی اپنے لیے بھرا تھا سفیر کو دیکھ اسکی طرف بڑھا دیا۔وہ صوفے پہ سر ٹکا کے چھت گھور رہا تھا۔ماحول میں خاموشی طاری تھی حتی کہ دلوں کی دھڑکن سنی جاسکتی تھی۔

رومائزہ اسکا انداز نوٹ کر رہی تھی۔اس نے گلاس لے کر لبوں سے لگالیا۔وہ تھکا ہوا پریشان سا محسوس ہوا تھا۔گلاس ٹیبل پہ رکھ کے اس نے رومائزہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ اپنا جامنی دوپٹہ سنبھال کر اس سے تھوڑا فاصلے پہ بیٹھ گئی۔

"شکر تم کمرے سے باہر تو نکلیں۔"رومائزہ انگھوٹا بائیں ہاتھ کی انگلی سے رگڑتے ہوئے رکی۔چہرہ بے تاثر تھا۔

"پانی پینے آئی تھی۔" اس نے حلق تر کیا سفیر نے سانس بھر کے سر ہلایا۔ وہ بہت خاموش مزاج ہو گئی تھی صرف ہاں، ہوں میں اسکی طرف سے جواب موصول ہوتے تھے۔ تنہائی پسند ہو گئی تھی۔ اور یقیناً بند کمرے میں روتی ہی رہا کرتی تھی۔

"روما جو چلا گیا وہ لوٹ کے نہیں آسکتا پر جو ہے اس کے لیے جینا پڑتا ہے۔"

"کچھ نہیں رہا میرے پاس، سب چھوڑ کے گئے۔ پہلے ماما، پھر بابا اور۔۔۔" (جس سے شاید محبت ہو گئی وہ بھی دھوکہ دے گیا۔) آخری لفظ ادا کرنے سے پہلے اس نے لب سی لیے صرف خیال میں سوچ ہی سکی۔ یہ سوچ اسے اذیت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ اسکی محبت صرف اذیت ہی بن کے رہ گئی تھی۔ میران جاہ نے جتنی شدت سے اسے چاہا تھا اتنی ہی شدت سے توڑ کے رکھ دیا۔

"یہ زندگی ہے تمھارے پاس، تم خود ہو۔ اپنے لیے جینا ہو گا۔ صبر سے کام لو۔" وہ اسکی طرف گھوما تھا۔ رومائزہ انگھوٹا رگڑنے میں مصروف رہی۔

"جب صبر آجائے گا تو سوچونگی ابھی تو میں اس درد سے باہر نہیں نکلنا چاہتی۔ بابا کا چہرہ ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ چلے گئے میں نے انکو دیکھا تک نہیں۔ کتنی تکلیف میں ہونگے وہ۔" اس نے سر اٹھا کے سفیر کی آنکھوں میں دیکھا۔ لہجہ درد سے بھیگا تھا۔ سفیر خاموش ہو گیا۔ کیسے ایک اولاد کو باپ کی موت کا غم منانے سے روک سکتا تھا۔ وہ اٹھنے لگی۔

"آپ پریشان لگ رہے ہیں، کیا کوئی بات ہے جو میرے علم میں ہونی چاہیے؟ کچھ چھپا رہے ہیں آپ.." آگے بڑھ کے اس نے ٹیبل سے گلاس اٹھایا اور سفیر کی طرف پلٹی۔ جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ سفیر نے کنپٹی کو چھو کر چہرہ ہاتھوں سے رگڑا۔

"شنواری ہاؤس میران نے ہی خریدا ہے۔"

سفیر کی بات مکمل ہوئی تھی کہ رومائزہ سکتے میں گئی۔ گلاس چھوٹ کے زمین پہ گرا۔ سفیر کھڑا ہوا۔ وہ سر ہلانے لگی۔ کنپٹی میں درد کی ٹھیسیں بڑھنے لگیں اس نے قدم پیچھے کی طرف لیا۔

"رومائزہ۔ میں بتانا نہیں چاہتا پر چھپانا بھی غلط تھا۔ میں اپارٹمنٹ گیا تھا۔ رہائشی نے مجھے یہی بتایا کہ اس اپارٹمنٹ کا مالک وہ نہیں میران ہے۔ میں نے کاغذات کی کاپی بھی دیکھی اس پہ میران کے ہی دستخط تھے۔"

اسے مکمل بات سے آگاہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگا، رومائزہ نے انگلی کے اشارے سے روکا اور صدمے کی حالت میں ہچکی لیتی مرے مرے قدم اٹھا کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازہ بند کر کے وہ اسی سے لگ کے بیٹھتی چلی گئی۔ گھٹنوں میں سر دے کر کافی دیر تک روتی رہی۔ اسکی ہچکیوں کی آواز اسکے کمرے کے باہر کھڑا اسفیر سن رہا تھا۔ اسے رومائزہ سے بے حد ہمدردی تھی۔ وہ اسکو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

تو میران جاہ نے اس سے اسکی بچپن کی یادیں، بابا کی آخری نشانی تک خرید لی؟ بلکہ چھین لی۔ وہ نہیں جانتا تھا کیوں چاچو نے اسے ہی گھر سیل کیا میران تو بیس دن یہاں تھا ہی نہیں۔ یا پھر میران نے جانے سے پہلے ہی رومائزہ کے ساتھ اس اپارٹمنٹ کا بھی سودا کیا تھا!

وہ اسکے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

دوسری طرف وہ میران سے کی نفرت میں سلگ رہی تھی۔ سب ہی کچھ تو چھین چکا تھا، اسے بھی زندہ کیوں چھوڑا! یہ مشکل بھی آسان کر دیتا۔ وہ اذیت کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ زہن بار بار باور کروا رہا تھا خودکشی حرام ہے۔ پھر بھی سوچ ایک نقطے پہ ٹھہرے جاتی۔ زخموں پہ جیسے اس بار نمک مرچ چھڑک گیا تھا۔ بیڈ کے سرہانے پلیٹ میں سیب اور چھری پڑی تھی رومائزہ کی نظریں اس پہ جم گئیں۔

سفیر کو اسکی حالت کی سنگینی کا احساس ہوا اور اپنی غلطی کا بھی اسے اسٹریس سے دور رکھنا تھا اسے اندازہ نہیں تھا وہ اتنی جذباتی ہو گی اس اپارٹمنٹ کو لے کر، شاید کوئی اور خرید تا تو اسے اتنا دکھ نہیں ہوتا پر یہ معاملہ سرے سے ہی الگ تھا، اسکی قیمتی چیز اس شخص کے پاس تھی جس سے وہ نفرت کرتی تھی۔

سفیر لاک گھماتا اندر داخل ہوا۔ اور سر پکڑ کے رہ گیا۔ دروازے سے آگے ہی اسکا بے جان وجود پڑا تھا۔ جامنی دوپٹا زمین پہ پڑا ہوا تھا اسکا دایاں بازو سر کے نیچے تھا۔ اور دوسرا ہاتھ پیٹ کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ پلکوں کی باڑ

جھکی ہوئی تھی، بھورے بال اوندھے منہ پہ گرے ہوئے تھے۔ اور ہاتھ کے قریب ہی چھری پڑی تھی۔ سفیر کو اچانک ہی اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا، آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے تیز تیز سانسیں لیں، بوکھلاتا ہوا اس کی طرف جھکا۔

خزاں کی دھوپ سے شکوہ فضول ہے

میں یوں بھی پھول تھا، آخر مجھے بکھرنا تھا

ڈاکٹر یحییٰ نے اسکا چیک اپ کیا۔

"مسٹر سفیر یہ بہت اسٹریس لے رہی ہیں۔ اگر ایسا ہی چلتا رہا تو بات انکی جان پہ بن آئے گی۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا انھیں ٹینشنز سے دور رکھیں۔ بلڈ پریشر بلکل لو تھا میں نے انجیکشن لگا دیا ہے، کوشش کریں انھیں اس فیس سے باہر نکالنے کی۔" ڈاکٹر یحییٰ کو ہی اس نے گھر بلا لیا تھا۔

وہ اپنا بریف کیس بند کرتے ہوئے ہدایت کر رہے تھے۔ ملازمہ جوس لے آئی تھی۔ پانچ دس منٹ مزید رکنے کے بعد وہ چلے گئے۔ سفیر بھی کمرے سے نکل گیا۔ اور فون اٹھا کے کسی کو کال ملائی۔

پھر تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ رومائزہ ہوش میں آگئی تھی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی بال پیچ کی مانگ سے نکل کر کندھوں پہ گر رہے تھے۔ سفیر کو دیکھ کر وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ وہ یقیناً غصے میں تھا پر اپنا غصہ اس پر اتارنا نہیں چاہتا تھا۔

"سوری.. قسم سے میں خودکشی نہیں کرنے والی تھی۔ سوچا تھا پر ہمت نہیں ہوئی۔ ویسے ہی بہت گنہگار ہوں یہ گناہ نہیں کر سکتی تھی۔" اس نے چھری اٹھا کے کلائی تک رکھ لی تھی پر اسکا ضمیر ملامت کر رہا تھا، چھری جھٹک کے پھینکنے کے بعد ہی وہ ہوش کھو بیٹھی تھی۔ سفیر اسکے سامنے بیٹھا۔

"آج مجھے محسوس ہوا ہے جان کیسے نکلتی ہے۔ اگر کچھ ہو جاتا تو؟" وہ کڑے تیور لیے بولا۔

"ہوا تو نہیں نہ۔" بھرے دل، ڈبڈباتی آنکھوں سے اس نے سفیر کو دیکھا۔

"تو تم مرنے کا انتظار کر رہی یو۔ ڈیم اٹ! ایڈیٹ.. میرے سمجھ نہیں آرہا کیسے سمجھاؤں۔ اتنا یاد رکھو جیسے تم اپنے بابا کے لیے تڑپ رہی ہو ایسے ہی تمھیں دیکھ کر ہم تڑپ جاتے ہیں۔ پرائیوریٹی ہو تم ہماری"!

وہ دانت پیس کر بولا۔ رومائزہ نے ندامت سے پلکیں جھکا لیں۔ سفیر کئی پل ایسے دیکھے گیا۔

"ہم سب تم کو بہت مضبوط سمجھتے ہیں پر تم تو بہت جذباتی نکلی۔" خاموشی توڑتے اس نے کہا۔ وہ جنونی تھی جذباتی وقت کر چکا تھا۔ سفیر کی باتوں سے شرمندگی بڑھنے لگی۔ جامعہ میں کئی لڑکیاں اس سے متاثر تھیں کہ وہ ہر قسم

کی سٹوئیشن فیس کرلیتی ہے ہر حالات سے خود کو باہر نکالنا جانتی ہے۔ہاں پر وہ حالات ایسے نہیں تھے اس نے سر کا سایہ کھویا تھا اس بار...

"یہ بات آپ کسی کو نہیں بتائیں گے۔پلیزز۔"

"کیوں نا بتاؤں۔ تمھاری دوستوں کو معلوم ہونا چاہیے۔"اسے دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

"نہیں۔میں ایسا الٹا سیدھا قدم کبھی نہیں اٹھا سکتی۔نا ہی کبھی اٹھاؤنگی۔ آپ سب میری وجہ سے ویسے بھی بہت پریشان ہوگئے ہیں میں مزید پریشان نہیں کرونگی۔میں ٹھیک ہوں اب۔"اس نے آنکھوں سے آنسو پوچھ کر کہا۔سفیر نے اسکے سر کے بالوں کو سہلایا اور اٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے یہ بات ہمارے درمیان رہے گی۔پر آئیندہ ایسا سوچنا بھی مت۔"اسکی بات پہ رومائزہ نے تابعداری سے سرہلایا۔وہ مسکرا کے باہر نکل گیا۔رومائزہ کو یقین تھا وہ کسی کو نہیں بتائے گا،بوجھل دل کو کچھ اطمینان ہوا وہ پھر لیٹ گئی۔

یہ ہفتہ بعد کا منظر ہے۔گھر میں غیر معمولی ہلچل تھی،ملازم سارے اپنے کاموں پہ لگے تھے۔غضنفر شنواری اور انکی اہلیہ بتول پاکستان آرہے تھے۔سفیر بے حد خوش دکھائی دے رہا تھا۔سفیر کے اصرار پہ وہ ایک ہفتہ قبل

آرہے تھے۔ رومائزہ پہلے سے کچھ بہتر تھی، اسکو آنے والے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی اسکی تائی کس طرح سے الگ ہوکے گئی تھیں۔ پر جب بابا اور تایا ابو کے درمیان آخر میں صلح ہوگئی تو اسکا اب کچھ بولنے کا حق نہیں بچا تھا۔ ہفتہ بھر میں وہ تھوڑی سنبھل گئی تھی۔ پورے ہفتے جو وہ کمرے میں بند رہی تھی آج خود باہر نکل آئی۔ سفیر ناشتے کے وقت روز اسکا منتظر ہوتا تھا پر وہ نہیں آتی تھی ملازمہ اسے کمرے میں ہی ناشتہ دے آتی تھی۔ سفیر نے اسکے لیے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ آفس سے واپس آکر وہ کافی دیر اس سے باتیں بھی کرتا اسکو اکیلا نہیں چھوڑتا تھا۔ اس نے انوش اور عائشے کو کہہ رکھا تھا دن میں وہ دونوں آجا کریں تو وہ پورے ہفتے اسی کے ساتھ تھیں۔

ناہید اور زرپاش بھی اس سے ملنے آئی تھیں۔ دونوں کو اسے دیکھ بڑا دکھ ہوا تھا۔

دوپہر دو بجے تک غضنفر اور بتول گھر پہنچ گئے۔ سفیر آج گھر پہ ہی تھا۔ رومائزہ کمرے میں تھی ان دونوں کو وہ اسی کے کمرے میں لے آیا۔

رومائزہ انھیں دیکھ کنفیوز ہوگئی سمجھ نہیں آیا کیا ری ایکٹ کرے۔ وہ تو پہلی بار ان سے مل رہی تھی۔ اسکی صرف سفیر سے دوستی تھی کافی اچھی۔ تایا تائی کے لیے وہ کسی قسم کے جذبات نہیں رکھتی تھی۔

غضنفر شنواری اسکی طرف بڑھے وہ جگہ سے کھڑی ہوگئی دوپٹہ اسکے شانوں پہ پھیلا تھا بتول دروازے کے پاس کھڑی اسے تکنے لگیں سفیر نے ہمیشہ انکو اسے صرف تصویروں میں دکھایا تھا۔

تایا نے اسے گلے سے لگا لیا جیسے ہر چیز کا ازالہ کر رہے ہوں۔ رومائزہ کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔ وہ ان کے سینے سے لگ کے رونے لگی۔ ایک دم اسے احتشام صاحب کی ٹھنڈک ان سے محسوس ہوئی تھی۔ وہ بے حد اپنے بھائی سے شبہات رکھتے تھے۔

"بس میرا بچہ صبر کرو۔" وہ اسکی پیٹ تھپکنے لگے۔ وہ دور نا ہٹی۔

"بہت کر دی آپ لوگوں نے۔" اسکے شکوہ پہ دونوں میاں بیوی کا دل کٹ سا گیا۔ اپنی غلطی کا احساس ہونے کے بعد وہ کافی سالوں سے گلٹ میں تھے۔ وراثت کا ہی معاملہ تھا جسے لے کر وہ لوگ سڑنی ہمیشہ کے لیے منتقل ہو گئے تھے۔۔ دونوں بھائیوں کا ایک دوسرے سے دل کھٹا ہو چکا تھا کہ کبھی پیچھے مڑ کر ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ غضنفر صاحب کا دماغ خراب کرنے والی انکی زوجہ ہی تھیں بتول۔ پر وقت نے ان دونوں میاں بیوی کو بدل کے رکھ دیا تھا۔

سفیر نے ماں کے کندھے پہ ہاتھ رکھا انھوں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا پھر رومائزہ کے پاس چل دیں۔ رومائزہ تایا سے الگ ہوئی تو بتول کو سامنے کھڑے پایا۔ وہ جگہ پہ سمٹ سی گئی۔ بتول شدید نادم تھیں۔ اور فلحال تو بھتیجی کے غم میں شریک ہو رہی تھیں۔ انکے پاس لفظوں کا ذخیرہ ختم سا ہو گیا۔ اسکی جھجھک ان دونوں کے سامنے واضح تھی۔ غضنفر شنواری پہ الگ شرمندگی طاری تھی۔ بتول نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔ لڑکی کی صورت میں ان دونوں کی آنکھ سے آنسو نکلا۔

"تایا جان بابا چلے گئے۔ مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔" وہ انکے خیالوں میں گم بڑبڑائی۔ زخم جیسے پھر تازہ ہو گیا۔ وہ یہ ایک بات کئی بار دہرا چکی تھی۔

"میرا بچہ آپ بلکل اکیلی نہیں ہیں آپکے وارث زندہ ہیں۔ آپ ہماری بیٹی ہی تو ہیں۔ پیاری سی بیٹی۔" انھوں نے اسے شانوں سے تھام لیا وہ سڑ سڑ کر رہی تھی۔ سفیر مسکراتے ہوئے پاس چلا آیا۔

"بیٹا ہمیں معاف کر دینا۔" بتول نے اسکے آگے ہاتھ جوڑ لیا رومائزہ نے فوراً آگے بڑھ کے انکے ہاتھ تھام لیے۔

"تائی جان مجھے شرمندہ مت کریں۔ یہ آپ بڑوں کا مسئلہ تھا۔ بابا کے جانے سے پہلے جو کہ آپ لوگ حل بھی کر چکے ہیں۔ میرے بابا اپنے بھائی سے مل لیے یہ ہی بہت بڑی بات ہے۔ کم از کم انکے بھائی تو انکے پاس ہی تھے۔"

"میں ہی بدنصیب ہوں جو انکا آخری دیدار تک نا کر سکی۔" غضنفر اور بتول تو اسکے معاملے سے بلکل نا آشنا تھے۔

"بیٹے ایسے نہیں بولتے۔ جو رب کو منظور وہی ہوتا ہے۔ ہم اپنی بیٹی کے پاس آگئے ہیں اسکا پورا خیال رکھیں گے۔ احتشام بھائی کی امانت ہو تم ہمارے پاس۔"

بتول نم آنکھوں سے بول رہی تھی۔ پہلے والی تیزی ان میں بلکل ختم ہو گئی تھی۔ رومائزہ تو جیسے والدین کی محبت کو ترس رہی تھی ان دونوں نے آتے ہی اسے اپنا ہونے کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ بتول تائی سے پہلے کافی شکوہ کناں تھی اسے وہ بلکل پسند نہیں تھیں پر اب حالات بدل گئے تھے خیال بھی وہی نا رہے۔

"سفیر ایسا لگ رہا ہے تم نے اسکا بلکل خیال نہیں رکھا دیکھو کتنی کمزور ہو گئی ہے۔ چلو آؤ باہر چلتے ہیں ساتھ بیٹھ کے کھانا کھائیں گے۔ اور ہاں بچے آپکی خالہ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

غضنفر کے پوچھنے پہ رومائزہ کو یاد آیا وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"بہتر ہیں بعد میں بات کرینگے اس موضوع پہ۔ چلیں کھانا کھا لیتے مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

سفیر انکا دھیان ہٹاتے باہر لے آیا۔

ان لوگوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ غضنفر اور بتول اس پہ بے پناہ محبت نچھاور کر رہے تھے وہ تھوڑی الجھی ہوئی تھی انکے ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں بھی تو وقت لگنا تھا۔ جھجھک بھی بہت تھی ڈسٹرب سی ہو گئی تھی۔ پر اگر وہ اس کچھ بات کہتے تو وہ بس مسکرا دیتی۔ اب وہ پہلے کی طرح بولنے والی رومائزہ رہی کہاں تھی جسکی زبان چلنا شروع ہوتی تو سامنے سے بولنا پڑتا تھا کہ چپ کر جاؤ۔

اسے پر سکون رہنے کے لیے دوائیاں دی جارہی تھیں، ان کی وجہ سے اسے نیند کا خمار چڑھنے لگا وہ آرام کا کہتی انکے درمیان سے اٹھ کے کمرے میں چلی آئی۔

اسکا دل پھر بھرنے لگا دروازے کے ساتھ ہی وہ بیٹھتی چلی گئی۔ زہن میں میران کے ساتھ گزارے کچھ لمحے بار بار امڈ آتے تھے۔

آخری بار جب وہ اسکے ساتھ کھلکلائی تھی، کس قدر وہ خوش تھی۔ میران کی مسکراتی آنکھیں، محبت کے وہ سارے دعوے جو سب رائیگاں ہوئے، جھوٹے تھے! شدت سے اسے یاد آتے تھے۔ ہاں اسے دو ماہ میں میران سے جذباتی اٹیچمنٹ ہو گئی تھی۔ اسکے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ اسے اسکی میٹھی میٹھی باتوں پہ یقین کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ یہ بات بھی مانتی تھی اس نے اسے تحفظ دیا تھا پر آخر میں جو اس نے اسکے پیروں میں زنجیریں ڈالیں۔ یہ غلطی بہت بڑی تھی۔ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرنے والی تھی۔ وہ جیسے اسکا گہنگار بن گیا تھا۔ باپ کے موت کی وجہ بھی اسے ہی قرار دیتی تھی کہ اسکے بابا بیٹی کی جدائی کے غم میں ڈھل ڈھل کر ختم ہو گئے۔

سفیر نے اسے سیل فون لا کر دے دیا تھا۔ نمبرز کی لسٹ محدود تھی۔ اسکا جی متلانے لگا تھا اس نے عائشے اور انوش کو بلا لیا۔

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے انوش کے شگوفوں پہ ہنس رہے تھے۔

"آنٹی آئی کانٹ بیلیو آپ سفیر کی مدر ہیں۔"

بتول جیسے ہی کمرے سے نکل کر انکے درمیان آئیں انوش چونک کے کھڑی ہو گئی۔

بتول صاحبہ ناہید کی ممانی کی بھابھی کی بہن تھیں۔ کافی دور کی رشتہ داری ان سے نکلتی تھی۔ ناہید انھیں جانتی تھیں انوش نے انکو پرانے البمز میں دیکھا تھا۔ اس نے جیسے ہی اپنا حوالہ دیا تو بتول اسے پہچان کر فوراً گلے ملیں۔

"بلکل ناہید کی جوانی ہو تم۔"

بتول نے مسکراتے ہوئے کہا تو انوش اس اعزاز پہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے خوب اترائی۔ اب چونکہ اسکی رشتہ داری نکل آئی تھی وہ مزید بتول کے ساتھ کمفرٹیبل ہو گئی تھی۔

بہت دیر تک اس نے سب کو اپنی باتوں سے ہنسایا تھا۔ لاؤنج کے دروازے سے اچانک سفیر آیا تو اسکی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ہنس ہنس کے آنکھوں میں آیا پانی اس نے پوروں سے خشک کیا اور سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

"آج جلدی آ گئے تم؟"

غضنفر شنواری نے استفسار کیا۔ سفیر نے آستینیں کہنیوں تک چڑھالیں۔

"ہاں بس فری ہو گیا تھا تو سوچا گھر ہی چلا آؤں۔ مجھے نہیں پتا تھا ہمارے ہاں آج مہمان بھی آئے ہوئے ہونگے۔"

آخر میں دھیمی سی مسکراہٹ لا کر کہا۔ اسکا اشارہ انوش اور عائشے کی جانب تھا۔ غضنفر اور بتول کے آنے کے بعد ان دونوں نے ہی چکر نہیں لگایا تھا صرف کال پہ اسکی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ پر جب وہ دونوں ان سے ملیں تو مل کر بڑا اچھا لگا اور انوش کی تو رشتہ داری نکل آئی۔ رومائزہ صوفے پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ کندھے پہ دوپٹا جھول رہا تھا ڈھیلی ڈھالی سی قمیض شلوار پہنی تھی۔ چہرے پہ کچھ بحالی نظر آ رہی تھی۔

"مہمانوں سے رشتہ داری بھی ہے! انوش.. ناہید اور گلزار بھائی کی بیٹی ہے۔" بتول خوشی سے اسے بتانے لگیں۔ سفیر نے آ ئبرو اچکائی۔ لاعلمی کا اظہار کیا۔

"ارے اسما آپا کی نند فرہ کی بھتیجی ناہید۔" سفیر کے چہرے کے زاویے عجیب سے ہوئے۔

"اوہ اچھا اچھا۔ ہاں نام سنا ہے میں نے۔" ان رشتوں کی ریل گاڑی سے جان بچاتے اس نے مصنوعی سمجھنے کے انداز میں کہا۔ عائشے کا سر گھوم گیا تھا۔ اتنا لمبا رشتہ۔ فلانے کی بھابھی تو فلانے کی نند۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا انوش تم ہماری جان پہچان والی نکلو گی۔" آخر کار رومائزہ نے بھی گفتگو میں حصہ ڈالتے سنجیدگی سے کہا۔

"گل بھابھی ناہید کو جانتی تھیں ایک بار میں نے ملوایا تھا انھیں۔" بتول کے بے ساختہ جملے پہ رومائزہ کے چہرے پہ اداسی چھا گئی۔ جسے سب نے نوٹ کیا تھا، بتول نے لب پیوست کر لیے۔ سفیر نے انکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔

"چلیں اچھا ہوا سب جمع ہیں مجھے آپ سب ہی سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"کس بارے میں بیٹا؟" بتول نے پوچھا۔ رومائزہ ہتھیلی مسلنے لگی۔ انوش اور عائشے کا رخ بھی اسکی جانب ہو گیا۔

"اپنے بارے میں۔ گھر بیٹھے بیٹھے بہت دن ہو گئے ہیں۔ کب تک یوں ہی بیٹھی رہو نگی۔ میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔ کسی پہ بوجھ نہیں بننا مجھے۔" اسکے لہجے کی تلخی کے آگے سب خاموش ہو گئے۔ غضنفر اسکے پاس آکے بیٹھے۔

"بیٹا آپ ہم پہ بوجھ نہیں ہیں۔"

"پر تایا ابو میں اپنے پیروں پہ خود کھڑے ہونا چاہتی ہوں۔ فارغ رہو نگی تو سوچیں سوار رہیں گی۔" وہ پوری طرح انھیں راضی کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"رومائزہ فلحال تو یونی جوائن کر لو، جاب تعلیم کے بعد کر لینا۔" سفیر نے اسے مشورہ دیا۔

"نہیں سفیر بھائی۔ میں اسٹڈیز اور جاب دونوں کرنا چاہتی ہوں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"بیٹا اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو ہم سے بول سکتی ہو۔" بتول اسکے یوں فیصلے پہ پریشان ہو گئی تھیں۔

"آپ لوگ بلاوجہ اتنا سوچ رہے ہیں۔ بس میں اپنا خرچہ خود اٹھانا چاہتی ہوں۔ یہی زندگی ہے اور مجھے ایسے ہی جینا ہے۔ غم کھانے کے بعد ہی زندگی کی لذت کا پتا چلتا ہے۔ پہلے تو بس مجھے ڈگری چاہیے تھی۔ کہہ دیتی تھی بابا کا بزنس سنبھالونگی اور بابا ہنس کے بات ٹال دیا کرتے تھے کبھی حوصلہ بلند کر دیتے تھے۔ پر آج انکی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ باپ کا سایہ جب سر سے اٹھ جائے تو اولاد کو زندہ رہنے کے لیے خود ہاتھ پیر چلانے پڑتے۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں آپ لوگ میرا بہت خیال رکھ رہے ہیں پر مجھے گھر میں بیٹھنا بلکل اچھا نہیں لگ رہا۔ میں چاہتی ہوں آپ لوگ مجھے سپورٹ کریں۔"

خیالوں میں کھوئی کھوئی وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔ اسکی باتیں سنتے ہوئے عائشے کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی۔ وہ خوددار لڑکی کسی کے رحم و کرم پہ زیادہ دن نہیں پڑ سکتی تھی۔ اسے رومائزہ کا فیصلہ بلکل ٹھیک لگا تھا اس میں اسی کی بہتری تھی۔ باہر نکلتی تو ذہن بھی بٹتا اور اس مشکل وقت سے بھی باہر نکل آتی۔

سفیر اور غضنفر اسے تک رہے تھے۔ سفیر کو اس پہ ترس آیا۔ وہ پہلے جب بھی اس سے بات کرتا تھا تو رومائزہ کی شوخ طبیعت اکثر اسکا بگڑا موڈ بھی درست کر دیا کرتی تھی۔ وہ اسے اِم میچیور لڑکی سمجھتا تھا پر وہ ہرگز نہیں تھی۔ اور اب اسکی سمجھداری سے بھرپور باتیں سن کے اندازہ ہو گیا وہ لڑکی کسی کی نہیں سنے گی۔ پر وہ تو اسکے اپنے تھے اسے ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔ بس خوش۔" سفیر مسکرا کے بولا تو دھیمی سی مسکراہٹ رومائزہ کی آنکھوں میں بھی ابھر گئی۔

کافی دن بعد جا کے ماحول خوشگوار ہوا تھا۔ انوش نے کہا تھا آج وہ اپنے ہاتھوں کی کافی سب کو پلائے گی۔ غضنفر شنواری نے کھلے دل سے اسکی آفر قبول کی وہ اٹھ کے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ملازمہ سے اس نے اشیاء کے بارے میں پوچھا۔ وہ ضرورت کی چیزیں کاؤنٹر پہ رکھ کے نکل گئی۔

انوش کافی پھینٹ رہی تھی سفیر اسکے پیچھے داخل ہوا۔ وہ فوراً اسکی طرف پلٹی اور آنکھیں پھرتی سے گھمائیں جیسے اسکی آمد کی وجہ پوچھی ہو۔

"میں یہ کہنے آیا تھا میری کافی میں چینی مت ڈالنا۔" وہ نرمی سے بولا۔ انوش کے تاثرات بدلے۔

"پر میں نے اس میں چینی ڈال دی ہے۔ آپ کڑوی کافی کیسے پی لیتے ہیں؟ آپ کڑوے لوگوں میں سے تو نہیں۔" انوش کے حیران تاثر دیکھ کر وہ ہنس دیا۔ انوش جھینپ گئی۔ سفیر نے کاؤنٹر پہ ہتھیلی جمالی۔ انوش اسکے قریب ہی کھڑی تھی پر اسکا کافی کو پھینٹتا ہوا ہاتھ اب تھم چکا تھا۔

"مجھے بغیر چینی کے ہی پسند ہے۔ پر اب تم نے چینی کے ساتھ بنالی ہے تو کوئی مسئلہ نہیں میں یہی پی لونگا۔"

اس نے کپ انوش کے ہاتھ سے لے کر کافی پھیٹنا شروع کر دی۔ انوش نے سانس روک کے اسے دیکھا۔ پھر سانس چھوڑ دی۔ کیبنیٹ سے ایک اور کپ نکالا اس میں تھوڑی سی کافی ڈال کے پانی کی چند بوندیں ڈال کر پھیٹنا شروع کر دیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں میں بغیر چینی کے بھی بنا دونگی۔" وہ مسکرا کر کہتی کافی تیزی سے پھیٹنے لگی۔ سفیر کپ رکھ کر کچن سے باہر چلا گیا۔

انوش کافی بنا کے لے آئی تھی اس نے ایک علیحدہ کپ فوراً سفیر کی طرف مسکراتے ہوئے بڑھایا تاکہ وہ باقی سب میں مل نا جائے اور سفیر نے مسکرا کے کپ تھام لیا تھا۔

کافی سب کو پلانے کے بعد انوش اپنی مزیدار کافی کی تعریفیں سن کے ٹمٹما رہی تھی۔

رات کے وقت سفیر دروازہ ناک کر تا رومائزہ کی اجازت ملتے ہی اسکے کمرے میں داخل ہوا۔ رومائزہ اسے دیکھ چونک گئی۔

"خیریت ہے سب؟" وہ اپنا کمفرٹر کھول کے بیڈ پہ ڈال رہی تھی۔ تب ہی وہ اندر آتا دکھائی دیا۔

بلو ٹراوزر پہ سفید ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی بال ماتھے پہ گرے تھے۔ وہ قدم اسکی طرف بڑھاتا آرہا تھا۔

"اب تم ٹھیک ہو تو سب خیریت ہی ہے۔ تم نے جاب کی بات کر دی بس اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

"ہاں کہیں کہیں۔ سفیر بھائی ایک سوال سوچ رہی ہوں ڈگری تو مکمل نہیں پھر جاب ملے گی کیسے ؟"

"میں تمھیں ایک آفر دینے آیا ہوں۔ میری کمپنی جوائن کر لو۔ بلکہ میں چاہتا ہی ہوں تم اور کہیں نا جاؤ میرے ساتھ ہی کام کرو۔" وہ حق جتانے والے انداز میں کہہ رہا تھا رومائزہ بستر پہ بیٹھ گئی۔

"میں نے کہا نا اپنے پیروں پہ کھڑی ہونا چاہتی ہوں اس طرح تو وہی بات ہو جائے گی کہ..." اسے آگے کیا بولنا ہے سمجھ نہیں آیا تو بات ادھوری چھوڑ دی۔ پر وہ اسکی بات کا اخذ سمجھ گیا تھا۔ صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"میں تمھیں کوئی اسپیشل ٹریٹمنٹ نہیں دونگا جیسے باقی ایمپلائز سے بی ہو ویر ہوتا ہے تم سے بھی وہی رکھونگا۔ تمھیں سیلری بھی ملے گی اور بھر بھر کے کام بھی۔" سفیر کے سیلری بتانے پہ رومائزہ نے نفی میں سر ہلایا۔ سفیر کی مسکراہٹ رک سی گئی۔

"کیا یہ کم ہیں؟"

"سفیر بھائی یہ بہت زیادہ ہے۔ ایک ان ایکسپیرینس کو اتنی سیلری تھوڑی ملتی ہے۔ یہ غلط بات ہے آپ مجھے کزن سمجھ کے چھوٹ دینگے۔ مجھے اس طرح کام نہیں کرنا۔"

"جب تم تجربہ کار ہو جاؤ گی تب اتنی سیلری ملے گی۔ مجھے تمھاری قابلیت پہ یقین ہے جب ہی اپنی کمپنی میں کام کرنے کی پیش کش کر رہا ہوں۔ پہلے تو تمھیں سیکھنے میں وقت لگے گا، پر میں تمھیں سب سیکھا دونگا۔"

وہ اسے اطمینان میں لیتا بولا۔ رومائزہ سوچ میں پڑ گئی۔

"رومائزہ صاف بات ہے میں تمھیں نظروں سے دور نہیں رکھ سکتا۔ میرے آفس میں کام کرو گی تو سب مطمئن رہیں گے اور کسی کو مسئلہ بھی نہیں ہو گا۔" وہ اٹل انداز میں صاف گوئی سے بولا۔

"ہم نے تمھاری بات مان لی تم اب میری پیش کش قبول کرلو۔ باہر کہیں اور کام کرنے کی تو تمھیں اجازت ہم نہیں دینگے۔"

رومائزہ نے برا سامنہ بنایا۔ روک ٹوک کرنے والے بڑھ گئے تھے۔ اب تو دوستیں بھی اماں بن کر حکم چلانے لگی تھیں وہ اس سب بے زار آگئی تھی۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ تو بتائیں کب سے جوائن کروں؟" وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔ سفیر نے مسکراتے پایا تو سکون کی سانس لی۔

"پہلے یونیورسٹی جاؤ اسکے ایک دو دن بعد سے ساتھ چلنا۔ اور ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہا کرو۔ یہ چہرہ اداس بلکل اچھا نہیں لگتا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا رومائزہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

"اب دل نہیں کرتا ہنسنے کو۔ بے رنگ سی زندگی ہے بس۔ جب تک سانسیں ہیں گزار لونگی۔" وہ ساکن سی بولی۔ سفیر اسکی طرف چل کے آیا۔

"بے رنگ زندگی میں رنگ تم خود بکھیر سکتی ہو، بکھیر لو۔ سب تمھارے اختیار میں ہے اب۔ یا تو آگے بڑھو گی یا پھر یہیں کھڑی رہ جاؤ گی۔"

رومائزہ سوچنے لگی پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"گڈ گرل۔ میڈیسن یاد سے لے کر سو جانا۔"

"سفیر بھائی میں بچی نہیں ہوں آپ لوگ بچہ سمجھ کے مجھے ٹریٹ کر رہے ہیں۔" وہ اکتا کر بولی۔ سفیر نے پاکٹ سے موبائل نکال لیا۔

"مام ڈیڈ کے لیے بچی ہی ہو۔ انکی محبت کو سمجھو وہ تم سے پیار کرتے ہیں۔ ماضی میں جو بھی معاملات رہے وہ دونوں اس پہ شرمندہ ہیں اسی وجہ سے اب انکی محبت دوگنی ہو گئی ہے۔"

وہ اسکے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ رومائزہ اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"میرے لیے سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ پہلے ممی چلی گئیں اب بابا۔ آپ لوگوں سے کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ میں آپکی مشکور ہوں آپ اگر اس رات مجھے نا بچاتے تو ممی بابا کے پاس ہی پہنچ جاتی۔ بابا کے بعد آپ سب

نے ہی تو مجھے سنبھالا ہے۔ ان دو ہفتوں میں کسی پل جو آپ لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا ہو۔ شکریہ سفیر بھائی سب چیزوں کے لیے۔"

آنسو اندر اتارتی وہ ایک نگاہ اس کمرے کو دیکھتی بولی۔

"تم ہم سب کی جان ہو ایسی باتیں کر کے ناستایا کرو۔ تمھاری دوستیں بھی پریشان ہو جاتی ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں پہلے والی رومائزہ شنواری کو دیکھیں جو پر اعتمادی سے قدم اٹھاتی تھی سر اٹھا کے چلتی تھی۔"

"کیسے سر اٹھا کے چلوں آپ نے ان لوگوں کے الزامات تھوڑی سنے ہیں جو میں سن کے نکلی تھی۔" وہ شام یاد آتے ہی اسکا سانس گھٹنے لگا۔

"جس دن انکو حقیقت معلوم ہو گی تو وہ پچھتائیں گے۔" آنکھیں جھپکا کر کہتا وہ کھڑا ہو گیا۔ رومائزہ کا سر نیچے ہی جھکا رہا۔

"وقت لگے گا پر ٹھیک ہو جاؤ نگی۔ یہ تو حقیقت ہے دنیا کسی کے جانے سے رکتی نہیں ابھی غم تازہ ہے جیسے جیسے بھرتا جائیگے تکلیف کم ہوتی جائیگی۔ مجھے اب ویسے بھی اپنے لیے کچھ کرنا ہے۔"

"تم کچھ بھی کر لو رہو گی تم یہیں... اکیلا ہم تمھیں چھوڑنے نہیں والے۔" وہ اسکی دماغی سوچ کو سمجھتے بولا رومائزہ نے گھور کے اسے دیکھا تو وہ گڈ نائٹ کہتا کمرے سے نکل گیا۔

رومائزہ بھی دوائیاں لے کر سو گئی تھی۔

میران نے پہلے سے زیادہ مزید اپنی مصروفیات بڑھا لی تھیں۔ زولفقار جاہ نے اپنے بیٹے کو اس حالت میں اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ انھوں نے اسے کہا تھا غصہ پہ قابو کرنا اسے اپنے باپ سے سیکھ لینا چاہیے۔ غصے کو بھی موقع کی مناسبت سے باہر نکالتے ہیں۔ ایسا کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہیے جس پر بعد میں پچھتاوا ہو، جو بعد میں بڑا سانپ بن کر آپ کو ہی ڈس لے۔ وہ پچھتاوے کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ نا اسکے ساتھ اب عزیز تھا جسکے ساتھ وہ دل کی ہر بات شئیر کر لیا کرتا تھا، شمس ہی اسکے ساتھ پرچھائی بن کے پھر رہا تھا۔ دو دن پہلے وہ اسلام آباد بھی شمس کو لے کر ہی گیا تھا۔ اس نے سوچا تھا باپ کے ساتھ کی گئی ڈیل ختم کر دے اب تو سب ختم ہو گیا تھا پر زولفقار جاہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔ اسے یلدیز کو ملک سے باہر جانے کے لیے قائل کرنا تھا وہ نہیں جانتا تھا کس وقت کس تاریخ کو اسے بھیجا جائے گا۔ وہ صرف اپنا فریضہ ادا کرنے اس سے ریسٹورنٹ میں ملنے آیا تھا۔

" پولیس زولفقار جاہ پہ کڑی نظر رکھے ہوئے ہے اگر انھیں بھنک بھی پڑ گئی کہ میں پیسے لے کر باہر جا رہی ہوں تو میرا کیرئیر تباہ ہو جائیگا۔ " اسٹرا منہ میں دبائے اس نے کہا۔ میران نے لب پیوست کر کے کالر ڈھیلا کیا۔ سانس فضا کے سپرد کی۔ گہری نگاہ اس پہ ڈالی۔

"اور اگر انکو یہ پتا لگ گیا کہ کئی بار تم ایسا کر چکی ہو تب بھی کریئر تباہ ہی ہونا ہے۔" وہ سوفٹ ڈرنک کا گلاس لبوں سے لگا گیا۔ یلدیز اسٹرا کے ذریعے ڈرنک پی رہی تھی چہرے کے رنگ بدل گئے۔ بڑے ہی اطمینان سے وہ اپنی بات کہتا کھلی دھمکی دے کر مقابل کا سکون غارت کر گیا تھا۔

"تو آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔" وہ استہزاء سے ہنسی۔ میران کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

"اگر یہ کام کر دیا تو تمھیں ڈبل قیمت ادا کی جائے گی۔ اب سوچ لو کیا کرنا ہے۔ پولیس کو بتانے والا کون ہوگا؟ تاریخ وقت وغیرہ زولفقار جاہ تم کو بتائیں گے۔ چند قریبی لوگوں کے علاوہ یہ بات سب سے پردے میں ہے۔"

اس نے کانچ کی ٹیبل پہ گلاس رکھتے ہوئے کہا۔ کھلی جگہ پہ ریسٹورنٹ قائم تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا ان دونوں کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ میران کے گارڈز کے کچھ فاصلے پہ کھڑے تھے۔ زیادہ رقم کی لالچ میں یلدیز نے راضی ہوتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"آپ ہنستے نہیں ہیں؟"

اسے لگا تھا اسکی رضامندی کے بعد وہ شاید تھوڑا بہت بھی مسکرا دے پر اسکی سنجیدگی ہنوز قائم تھی۔ وہ بھی صرف ڈیل کے تحت یہ سب کر رہا تھا ورنہ اسکو سو کام تھے اس یلدیز کو منانے کے علاوہ۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔ اب تم زولفقار جاہ سے مل لینا۔" عاجزی سے کہتا ان دونوں کے سوفٹ ڈرنک کی پیمنٹ ٹیبل پہ رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ یلدیز اسکی شکل ہی دیکھتی رہ گئی۔ عجیب گھمنڈی شخص تھا اپنی بات منوانے کے بعد سامنے والے کی ایک نہیں سنتا تھا۔ یہ پیسوں کی آفر زولفقار جاہ نے بھی کی تھی پر وہ مانی نہیں پھر انھوں نے اپنے بیٹے کا بھرپور فائدہ اٹھایا وہ جانتے تھے یلدیز اس پہ فریفتہ ہے ایک وہی ہے جو رومائزہ کے علاوہ اور کسی پہ نگاہ ڈالنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ یلدیز میران کی پشت گھورتے ہوئے وہ ڈرنک پینے لگی۔

میران نے بنگلے پہنچ کے باپ کو یہ خوشخبری سنادی تھی۔ وہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دے کر اسکی پیٹ تھپکنے لگے۔ انکی خوشی دوبالا ہوگئی تھی۔ میران کمرے سے نکلنے لگا تو زولفقار نے اسے اپنے ساتھ صوفے پہ لا کر بیٹھایا۔

"آج کل کیا کر رہے ہو؟ مجھے تمھاری فکر ہے۔"

اسکی آنکھوں کی سرخی ان سے چھپی نہیں تھی۔ بہت کم وقت وہ بنگلے میں گزارتا تھا سارا دن باہر ہی ہوتا تھا۔ سیگریٹ نوشی مزید بڑھادی تھی۔

"میران اس سب سے جان چھڑالو۔ الیکشن قریب ہے اس پہ توجہ دو، اس بار میں نہیں تم کھڑے ہوگے۔ جیتنا اتنا آسان نہیں ہے اپوزیشن بھی پوری تیاری کیے ہوئے ہے۔"

"اگر تم الیکشن سے پہلے شادی کرنا چاہتے ہو تو دنیا میں کئی اچھی لڑکیاں ہیں تمھیں مل جائیگی۔ علوی کی بیٹی عزہ اب بھی تمھاری منتظر ہے۔ "میران نے مٹھی کس لی۔

"بابا میں سیاسی کاموں میں ہی مصروف ہوں، عزہ کا خیال تو ذہن سے نکال دیں۔ میں صرف ایک ہی لڑکی کا خواہشمند ہوں اور اسے ہی زندگی میں شامل کرونگا۔ اسے وقت دے رہا ہوں کہ سمجھ جائے پھر میں اس سے بات کرونگا۔"

وہ اٹل انداز میں گویا ہوا۔ زولفقار جاہ تو اسے آگے بڑھنے کا کہہ کہہ کر تھک گئے تھے۔

"آپ نے لندن میں فلیٹ خریدا تھا وہ بیچ دیا کیا؟"

زولفقار جاہ کو اسکے اچانک پوچھنے پہ اچھنبا ہوا تھا۔ زولفقار جاہ کی تمام پراپرٹی کالے پیسوں کی تھی۔

"نہیں مجھے اسکی فائل لندن ہی پہچانی ہے سوچ رہا ہوں یلدیز کے ساتھ ہی بھجوادوں۔ "وہ پر سوچ انداز میں بولے میران کچھ نہیں بولا۔ اس نے عادتاً ناک رگڑتے انھیں دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"دیکھ رہا ہوں اب آپ واپس باتیں مجھ سے شئیر کرنے لگے۔ درمیان میں تو آپ نے سب بتانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ "اسکے طنز کو وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

درمیان میں انھیں شک تھا کہیں وہ اے ایس پی کے ساتھ نا ملا ہو۔ پھر جب وہ ڈیل کے تحت انکے کہنے پہ اسمگلر سے ملنے گیا تھا اور پھر اس نے رومائزہ شنواری کو روک لیا تب جا کے وہ اسکی جانب سے مطمئن ہو گئے تھے۔

وہ بھی کیا کیا کرتا ذولفقار کو دیکھتا یا اپنے جھمیلوں کو! اول اہم تو اسکے لیے رومائزہ تھی جب تک وہ نا مل جاتی اس نے مزید کچھ سوچنا ہی نہیں تھا۔

"میران میں تمھارا باپ ہوں۔ مجھ سے بہتر تمھیں اور کوئی نہیں جانتا۔ تمھارے اندر جو ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے یہی تمھیں ایک بڑی طاقت بنا دے گی۔"

وہ اسکے دل کے مقام پہ انگلی ٹھوک کر بولے۔ میران نے انکی آنکھوں میں دیکھا وہ ایک جذب سے کہہ رہے تھے۔ وہ بس سر ہی ہلا سکا۔ اسکا موبائل بج پڑا تو اٹھ کے معذرت کرتا کمرے سے نکل گیا۔

"مراد آج رومائزہ بھی یونی آئی تھی۔ ماشاءاللہ سے وہ کافی ریکور کر چکی ہے۔ اب ضد بھی پکڑ لی ہے جاب بھی کرے گی۔ پر میں اسکے لیے خوش ہوں انسان کو اپنے پیروں پہ استقامت حاصل ہونی چاہیے۔"

مراد شوز اتار رہا تھا اور عائشے اسے آتے دیکھ بولنا شروع ہو گئی تھی۔ مراد نے ہاتھ پکڑ کے اسے برابر میں بٹھایا.

"تمھاری دوستی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟"

"دو سال سے زیادہ ہو گئے۔ وہ میری بہنوں جیسی ہے۔ آپ نہیں جانتے ان دونوں نے میرا قدم قدم پہ ساتھ دیا ہے عائشے بلوچ کو بدلنے والی بھی وہی دونوں ہیں۔ ان دونوں کی دوستی تو اسکول کے زمانے سے تھی پر میں انکو یونیورسٹی میں ملی۔"

وہ اسکے کندھے پہ سر رکھ چکی تھی۔ مراد کا گھڑی اتارتا ہاتھ رک گیا۔

"آج اس سے ملنے چلیں؟" اس نے عائشے کے سر کو دیکھا۔ وہ اچھل کے اسکے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"ضرور۔ میں یہی سوچوں آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے۔" اس نے خفت سے کہا۔ گھڑی میں بجتے چھ دیکھے۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ مام کو بھی کہہ دو وہ بھی چلنے کا کہہ رہی تھیں۔"

عائشے سر ہلا کے کمرے سے نکل گئی۔ مراد نے سائڈ ٹیبل سے فائل اٹھا کے دیکھی۔ فائل نہیں یہ خزانہ تھا۔ زولفقار جاہ کے گلے کا پھندا۔ مراد کے ہاتھ انکی پراپرٹی کے تمام ثبوت لگ گئے تھے۔ اب بس آخری بازی کا یہ کھیل تھا اور زولفقار جاہ کا تختہ الٹنا تھا۔

اسکے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ میسج آیا تھا۔ مراد نے موبائل کھول کے پڑھا تو مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا طفیل اپنی میران اور زولفقار جاہ سے دشمنی میں آ کے اسکا کام اس حد تک آسان

کر جائیگا۔ چہرے پہ اگلی کارروائی کی کامیابی کا سوچ کر مسکراہٹ سج گئی۔ وہ اٹھ کے فریش ہونے کی غرض سے واش روم میں گھس گیا۔

رومائزہ نے بیڈ پہ ساری کتابیں بکھیری ہوئی تھیں انوش اسکی مدد کے لیے آگئی تھی۔ یہ سمیسٹر ماہ بعد ختم ہو جانا تھا اسکے ایگزامز ہونے تھے اور تیاری اسکی کچھ نہیں تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ دوبارہ ایڈمیشن لے یا پھر پڑھائی میں سر دے لے۔ پر اس نے جاب بھی تو کرنی تھی۔ وہ کسی بھی چیز سے پیچھے ہٹنے کو راضی نا تھی۔ اتنے دن بعد یونی میں جا کے اسے کافی خوشی ہوئی تھی سب نے اسکا بہت اچھے سے ویلکم کیا تھا۔ اتنے دن کہاں تھی یہ بات بھی انوش اور عائشے نے اچھے سے سنبھال لی تھی کہ کشمیر میں خالہ کے پاس تھی۔ درمیان میں اسکے والد کا انتقال ہو گیا اس وجہ سے بھی یونی نا آسکی۔

دروازہ پہ دستک ہوئی۔ "آجائیں.." رومائزہ نے سر اٹھایا یا تو ملازمہ اندر آئی۔

"بی بی جی آپکی دوست آئیں ہیں ساتھ انکے شوہر اور ایک خاتوں بھی ہیں۔" رومائزہ جو منہ کے بل لیٹی تھی اٹھ بیٹھی۔ خاتوں کون تھیں؟

"ارے زرپاش آنٹی ہونگی وہ۔ عائشے کی ساس اس دن بھی تو آئیں تھیں۔"

انوش نے نے اپنا اندیشہ بتایا۔ تو ملازمہ نے بے دھیانی پہ سر پیٹا۔

"اچھا میں آرہی ہوں۔" اسکے کہنے پہ ملازمہ کمرے سے نکل گئی۔ رومائزہ اپنا حلیہ ٹھیک کرتی پیروں میں چپل اڑس کے انوش کے ہمراہ باہر نکل گئی۔

وہ لاؤنج میں آئی تو بتول انکے پاس بیٹھیں گفتگو فرمارہی تھیں۔ رومائزہ سلام کرکے بیٹھ گئی۔ مراد آج پہلی بار یہاں آیا تھا۔ اور رومائزہ کو آج وہ پہلی بار روبرو دیکھنے جارہا تھا۔ پہلے اسے صرف بے ہوشی میں دیکھا تھا چہرے پہ نیبولائیزر لگا تھا چہرہ پوری طرح دیکھ نہیں سکا تھا۔ پھر اگلے دن بھی جب وہ آیا تو رومائزہ سے مل نہیں سکا تھا۔

وہ صوفوں کے پیچھے سے چلتی ہوئی آئی اور انکے درمیان ہی بیٹھ گئی۔ مراد جگہ پہ ساکن رہ گیا تھا اسکی نگاہیں رومائزہ پہ جم گئیں

اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے وہ ادھوری پینٹنگ ایک بار پھر گھومی۔ ہو بہو وہی آنکھیں وہی لب وہی چہرہ۔ وہ اسکیچ مکمل تھا بس رنگ مکمل پر نہیں تھے۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہوئی۔ پینٹنگ تو وہ اس دن بھی پہچان گیا تھا پر پھر بھی میران کو بار بار موقع دیتا تھا کہ شاید اسکا عمل دخل نا ہو پر ہر بار ہر چیز کے پیچھے میران نکل کے آرہا تھا۔ رومائزہ کی حالت تو اس نے خود دیکھی تھی۔ اب تو اسکے سارے سوالوں جواب وہ لڑکی ہی اسے دیتی۔

اسکے چہرے کے تاثرات پتھریلے ہوگئے۔ زرپاش رومائزہ سے اسکی خیریت دریافت کررہی تھیں۔

پھر مراد کا تعارف بتول صاحبہ کو کروانے لگیں۔

"یہ میرے صاحبزادے ہیں مراد میر۔ اے ایس پی کے عہدے پر فائز ہیں۔"

زرپاش نے جب اسکے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ خیالوں سے باہر نکلا۔

"ماشاءاللہ۔" بتول نے مسکرا کے کہا۔ عائشے مراد کا رومائزہ کو یوں دیکھنے پہ ٹھٹک گئی تھی۔ اسکے میاں کے دماغ میں آخر کیا چل رہا تھا۔ مراد نے گلا کھنکارا اور جگہ سے اٹھ کے رومائزہ کے قریب والے صوفے پہ جا کے بیٹھ گیا۔ وہ سب چونکے تھے۔ انوش نے ٹانگیں صوفیں سے لٹکالیں۔

"میں پہلے بھی آیا تھا پر تب تم بات کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ اب کافی بہتر لگ رہی ہو۔ میں پولیس والا ہوں سوال جواب کرنا ہر چیز کھنگالنا میرا کام ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں تمھارے ساتھ کیا ہوا تھا۔ مجھے یہ مت کہنا تم کشمیر میں تھیں مجھے سو فیصد یقین ہے تمھارا کشمیر سے کوئی لینا دینا نہیں۔"

وہ پیشہ ورانہ انداز میں مخاطب ہوا۔ رومائزہ نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ اس نے اٹکی سانس سے عائشے کو دیکھا اسکے بھی چہرے کے رنگ اڑے تھے۔ بتول تائی نے سانس بھری اور رومائزہ کے شانے پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"دیکھو تم مجھ سے کچھ چھپاؤ مت۔ میں ہر چیز سے واقف ہوں صرف تمھارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" اسکے دوٹوک انداز پہ رومائزہ نے ہتھیلی رگڑی۔ وہ صوفے کے گرد ہاتھ جما کے آگے پیچھے ہلنے لگی۔

"مراد بھائی کو بھی سکون نہیں۔ اتنی مشکل سے وہ سب بھولتی ہے پھر کوئی ایسی بات کر دیتا ہے کہ اسکا غم تازہ ہو جاتا۔" انوش عائشے کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی اور کان میں گھس کر بولی۔ عائشے نے سر جھٹکا۔

"جب آپ سب جانتے ہیں تو پوچھ کیوں رہے ہیں۔" اس نے چہرہ اٹھا کے اسکی جانب کیا۔ مراد نے نگاہیں اسکے چہرے پہ مرکوز کر لیں۔

"تمھارے منہ سے سننا چاہتا ہوں لڑکی۔" وہ سختی سے بولا۔ عائشے نے اسے گھورا۔

"مراد وہ میری دوست ہے کوئی ملزم نہیں جو آپ اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے تفتیش کر رہے ہیں۔"

"عائشے تم خاموش رہو۔ رومائزہ تم کہو۔" عائشے نے منہ بنا کے پھیر لیا۔ رومائزہ کے چہرے پہ کرب چھلکنے لگا۔ آنکھ سے آنسو تیزی سے رواں ہوئے۔ مراد کو اس پہ جیسے بلکل رحم نہیں آرہا تھا۔ یا پھر رحم ہی تھا جو وہ اسکی مدد کرنا چاہتا تھا۔

"میرے بابا نے ذولفقار جاہ سے قرض لیا تھا۔ وقت پہ پیسے ادا نہیں کر سکے تو انھوں نے دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ بابا نے بھی غصے میں آکر پیسے دینے سے انکار کر دیا تھا پر وہ پیسے ادا کرنا چاہتے تھے۔ فیکٹری نقصان کا سامنا کر رہی تھی۔ پھر ایک دن مجھے اغوا کروالیا گیا تھا۔ میں ساری چیزوں سے بلکل ناواقف تھی۔

پتا ہے اغوا کس نے کروایا۔ میران جاہ نے۔" وہ سرد مہری سے بولی۔ جہاں مراد کا سر جھکا تھا دوسری طرف زرپاش کے چہرے کا رنگ کا رنگ بھی لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔ چہرے پہ ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا۔ لاؤنج میں خاموشی سی پھیل گئی۔ دل بھاری ہونے لگے۔

"اس نے کہا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے مجھے اپنے بابا سے بچا رہا ہے اس لیے فارم ہاؤس میں رو کے رکھا ہے۔ جب تک میرے بابا پیسے نہیں دینگے مجھے میرے گھر نہیں بھیجے گا۔ اس ڈیڑھ ماہ اس نے میرا ہر طرح خیال رکھا۔ وہ کبھی کبھی وہاں چکر لگا لیا کرتا تھا۔ پھر ایک دن مجھ سے ایک غلطی ہو گئی جسکی اس نے بہت بڑی سزا دی۔ میں اسے قاتل سمجھی تھی پر اس نے کسی معصوم لڑکی کی مدد کی تھی۔ وہ اس رات وہاں سے چلا گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کچھ برا نا ہو، پر اسکی محبت پہ یقین تھا کہ وہ میرے ساتھ کچھ برا نہیں کرے گا۔ بابا نے سارا قرض اتار دیا اس نے سود کی رقم معاف کروادی پر"...

اسکی ہمت جواب دے گئی۔ زخم پھر تازہ ہو گیا وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ بتول نے اسے خود سے لگا کے خاموش کروانا چاہا۔

مراد نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"اس نے میرے بابا کو بھی مجبور کیا ہو گا جب ہی وہ مجھے اسکے آسرے پہ چھوڑ کے چلے گئے۔ زولفقار جاہ نے کہا تھا میر ان نے بابا کو اپارٹمنٹ سیل کرنے سے روک لیا ہے پر بابا اپارٹمنٹ اسی کو سیل کر چکے تھے... پتا نہیں اپارٹمنٹ کی کیا کہانی ہے۔ پر اس سب میں میرے بابا دور چلے گئے میں انکا چہرہ تک نہیں دیکھ سکی۔"

وہ بتول کے سینے سے لگی پھڑ پھڑاتے لبوں سے بول رہی تھی۔ اسکی اس گوہر افشانی پہ زرپاش کا خون رگوں میں جم گیا۔ مراد نے انھیں دیکھا وہ خالی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ مراد اٹھ کے اسکے قدموں میں بیٹھ گیا رومائزہ سیدھی ہوئی۔

"تمھیں تسلی دینے کے لیے میرے پاس لفظ نہیں ہیں نا ہی تمھیں تمھارے باپ لوٹا سکتا ہوں۔ پر تمھارے گنہگار کا یہ چہرہ دنیا کے سامنے لانے میں تمھاری مدد ضرور کر سکتا ہوں۔" مراد نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔

اس نے ڈبڈباتی آنکھیں اٹھائیں۔

"مجھے کوئی کمپلین نہیں کرنی۔" آنسو صاف کر کے خود کو سنبھال کے کہا۔

"یہ سب چھپانے کا کیا مقصد ہے؟ تم اسے بچا رہی ہو۔ کیا تمھیں اس سے...؟"

رومائزہ نے چونک کے سر اٹھایا مراد نے جیسے دل کی بات پوچھ لی تھی۔ گھٹلی نگل کے ان سب کے چہرے دیکھے جو اسکا جواب سننا چاہتے تھے۔

"میں بس کبھی اسکا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔" وہ پتھر دلی سے بولی۔ مراد سر ہلاتا کھڑا ہو گیا۔ اس نے سخت نگاہوں سے عائشے کو دیکھا۔ عائشے کی تو سانس رک گئی تھی۔ انوش اٹھ کے رومائزہ کے پاس آگئی اور مراد عائشے کے برابر میں آ کے بیٹھ گیا۔ اسکے تنے جبڑے دیکھ عائشے کی جان خشک ہو رہی تھی۔

"میں نے آپکو یہ سب بتا دیا ہے، آپ کچھ نہیں کریں گے۔ وہ لوگ خطرناک ہیں اور بہت طاقتور بھی۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے کسی کو تکلیف ہو۔ آپ سب میرے اپنے ہیں اور مجھے بے حد عزیز ہیں۔" وہ چہرہ ہاتھوں سے خشک کرتے بولی۔ مراد نے سر ہلانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ لڑکی پہلے ہی اتنی تکلیف میں تھی مزید اسے وہ پریشان نہیں کرنا چاہتا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا میران اپنے غصے اور انا کے ہاتھوں اس حد تک گزر جائیگا۔ میران کے خلاف ایسے کوئی ثبوت ہاتھ نہیں لگ رہے تھے جسکے خلاف وہ کاروائی کرتا۔ میران کے ہاتھ ہر گناہ سے صاف تھے۔ رومائزہ بھی معاملہ آگے نہیں بڑھانا چاہتی تھی۔

باپ زولفقار سے صلح کی وجہ یعنی ایک لڑکی تھی اسکی خاطر اس نے ایمان تک کو بیچ دیا۔ حق کے راستے پہ چلنے والا ڈگمگا گیا۔ تھوڑی دیر وہ لوگ مزید بیٹھے اور گھر واپس چلے آئے۔

مراد زرپاش کے کمرے میں تھا۔ زرپاش ابھی تک ششدر تھیں۔ اسے تو رومائزہ کی باتوں پہ یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"بیٹا میں مان نہیں سکتی میران ایک لڑکی کے ساتھ اس طرح کر سکتا۔ وہ تو اسے محفوظ رکھنا چاہ رہا تھا نا۔"

زرپاش کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑی تھیں۔ مراد انکے پیچھے ہی آن کھڑا ہوا انھیں شانوں سے تھام کے اپنی طرف گھمایا۔

"میں بھی ایسے ہی لمبے عرصے سے اس پہ یقین کرتا آیا ہوں پر ہر بار میرا یقین ٹوٹا ہے۔ میرے گمان سے وہ الگ نکلا ہے۔ وہ ذوالفقار کا بیٹا ہے ایسے ہی کام کرے گا۔ اسکی بھی لمبی ناک ہے۔ کوئی اسکے خلاف کچھ کہہ دے وہ پھر اسکے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے جو اس معصوم لڑکی کے ساتھ کیا۔ اسکے خلاف جس دن پکے ثبوت لگے میں نے کاروائی شروع کر دینی ہے۔ کہیں تو وہ غلطی کرے گا۔"

زرپاش اسکا چہرہ دیکھنے لگیں۔ کتنی نفرت اسکے لہجے میں تھی۔ محسوس ہو رہا تھا اسکا بھرم ٹوٹا ہے۔

"پتا ہے اس لڑکی میں مجھے بلکل میری جھلک محسوس ہوئی ہے۔ وہ اپنے اندر کتنا درد سمیٹے ہوئے ہے۔ میری طرح اس نے بھی باپ کا آخری وقت چہرہ نہیں دیکھا۔"

وہ مراد کے کندھے پہ سر رکھ گئیں۔ مراد نے انھیں خود میں بھینچ لیا۔

"مام اب نہیں رونا ہے۔ یہ آنسو اب انکا مقدر بنیں گے جو آپ لوگوں کے گہنگار ہیں۔"

"مراد کیا کر رہے ہو تم؟ اس دن کیس کے بارے میں بات کر رہے تھے بتاؤ کونسا کیس ہے؟" زرپاش یاد آنے پہ بولیں تو مراد نے انکے شانوں سے ہاتھ ہٹالیا۔

"بہت جلد سب کو پتا چل جائے گا۔" وہ انکی آنکھوں میں دیکھ کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔ مراد کی آنکھوں میں الگ قسم کا جنون تھا۔ زرپاش کا ذہن کسی ایک نقطے پہ جا ٹھہرا۔

"مراد خدا کے لیے کوئی غلطی نا کر بیٹھنا۔ میں تمھیں کھونے کی ہمت نہیں رکھتی۔" انھوں نے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

عائشے کمرے میں ٹہلیں مار رہی تھی مراد تن فن کرتا اندر آیا۔ وہ ایک جگہ ہی جم گئی۔

"میں نے تمھیں کہا تھا نا مجھ سے کچھ نا چھپانا۔" وہ آتے ہی اسکے پاس کھڑا ہوا اور اسکے چہرے پہ جھکا۔

"مم میں کیا بتاتی اس نے منع کیا تھا۔"

"جھوٹ وہ ہوش میں تب نہیں تھی۔" اس نے مزید اپنا چہرہ اس کے پہ چہرہ جھکایا۔ عائشے کی سٹی گم ہو گئی۔

"آپ مجھ سے کیوں ناراض ہو رہے ہیں میں بہت پریشان تھی۔ مجھے ڈر تھا آپ غصے میں کچھ کر نا دیں۔" وہ منمناتے ہوئے بولی۔

"بچہ ہوں جو بدلہ لینے اسکے گھر پہنچ جاتا۔"

عائشے کو رونا آیا تھا۔ اسے مراد سے خوف آرہا تھا۔ پولیس والے جیسے مجرموں کو ڈیل کرتے مراد کا انداز عائشے کے ساتھ بلکل وہی ہو گیا تھا۔

"مجھے اسی لیے پولیس والے برے لگتے ہیں۔" وہ جل کر بولی اور سائیڈ سے نکل کر جانے لگی۔ مراد نے اسکا بازو تھام کے اسے روکا۔

"مراد میں ڈری ہوئی تھی بس اسی لیے نہیں بتایا۔"

"ایک تو یہاں ہر ایک ڈرتا ہے۔ یہی وجہ ہے مجرم کھلے عام دندناتے پھرتے ہیں۔ ہم کچھ کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر پاتے۔"

"ہاں آپ سارا غصہ مجھ پہ نکال لیں۔ رہ کر آخر میں بیوی ہی بچتی ہے۔" وہ زور سے بڑبڑائی اور اپنے بازو کو دیکھا جو اس نے سختی سے پکڑ رکھا تھا اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ مراد نے خود کو کمپوز کیا عائشے کا بازو چھوڑ دیا۔ عائشے ہلکا سا سسکی تو وہ اسے چھوڑ کے باہر نکل گیا۔ بلاوجہ عائشے درمیان میں پس کے رہ گئی تھی۔

مراد گھر سے باہر نکلا تھا تبھی ایک کالی گاڑی دروازے کے سامنے رکی۔ نیمل باہر اتری مراد کو دیکھ اسکے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے تبھی دائم باہر نکلا تھا۔ مراد نے سرد نگاہ ان دونوں پہ ڈالی۔ نیمل دل دل میں تعوذ پڑھنے لگی۔ مراد کا پارا آج چڑھا ہوا تھا۔ اس نے سخت نگاہوں سے نیمل کو دیکھا اور اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تو ایسے غائب ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگھ۔

دائم جیبوں میں ہاتھ ڈال کے کھڑا رہا۔ مراد چل کے اسکے سامنے آیا۔

"اسلام و علیکم مراد صاحب۔" چہرے پہ آتی مسکراہٹ روک کے اس نے کہا۔

"و علیکم السلام۔ پک اینڈ ڈراپ سروس بھی شروع کر دی ہے کیا؟" وہ طنزیہ ہوا۔ اسکے چہرے پہ رقم سنجیدگی دیکھ دائم بھی سنجیدہ ہو گیا۔ دائم کو تصویروں میں ہی اس نے دیکھ رکھا تھا۔

"اسے ڈرائیور لینے نہیں آیا تھا اس لیے مجھے آنا پڑا۔" مزاج دونوں کے اکھڑے ہوئے تھے۔ مراد نے جبڑے بھینچ لیے۔

"آئیندہ مت آنا۔"

"اے ایس پی تمھارا مسئلہ کیا ہے۔ مجھ میں ایسی کون سی برائی ہے جو تم رشتے پہ راضی نہیں ہو۔ میں تمھاری بہن سے محبت کرتا ہوں اسے ہمیشہ خوش رکھونگا۔"

"محبت کرنے والوں کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔"

مراد نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ دائم چبھتی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ وہ نہیں ماننے والا تھا فلحال سڑک پہ کھڑے رہ کر بات لمبی کرنے کا کوئی مطلب نہیں بنتا تھا۔ مراد واپس پلٹ گیا اور دائم بھی گاڑی میں واپس بیٹھ گیا۔

"بد دماغ۔" دائم نے بڑبڑا کے اگنیشن میں چابی گھما دی۔ مراد کی کہی بات کا مطلب وہ بخوبی سمجھ گیا تھا وہ بس اب سہی وقت کا منتظر تھا۔

سورج بلکل سر پہ تھا۔ دھوپ میں تپش نہیں تھی۔

سفیر اسے آفس دکھانے کے لیے جا رہا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی ایگزامز کے بعد آفس جوائن کرے گی۔

"سفیر بھائی آپ کا آفس تو بڑا اچھا ہے۔" تین منزلہ عمارت کو وزٹ کرنے کے بعد آخر وہ سفیر کے آفس روم میں آکر بولی۔

"محترمہ آپکا حسنِ نظر۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ رومائزہ دھیما سا مسکرا دی۔ سفیر کی نگاہیں خود پہ محسوس کر کے وہ کنفیوز سی ہو گئی۔

"تمھارے ایگزامز کب سے ہیں؟" وہ اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا تھا رومائزہ اسکے سامنے والی کرسی کھینچ کے بیٹھ گئی۔

"اگلے مہینے کی شروع کی تاریخیں ہیں۔ مجھے تو ٹینشن ہو رہی ہے ایک مہینے میں سب کیسے کوور کرونگی۔" اسکے چہرے پہ فکر در آئی۔ پیچھے دروازہ کھلنے کی تیز آواز پہ وہ مڑی۔ کوئی انجان لڑکی روم میں داخل ہوئی تھی۔

"مس آپکی تعریف؟"

سفیر نے اس انجان لڑکی کو چونک کر مخاطب کیا۔

"عزہ علوی ہوں میں۔ لڑکی مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" نام سن کے رومائزہ کے کان کھڑے ہوگئے۔ میران نے اسکا ایک بار زکر کیا تھا۔ وہ جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ عزہ بہت بدلحاظی سے مخاطب ہوئی تھی۔

"کیا بات کرنی ہے ہاں!" رومائزہ اسکے مقابل جا کے کھڑی ہوگئی اور سینے پہ ہاتھ لپیٹ لیا۔

"تمھارا مسئلہ کیا ہے! کیوں میران کے پیچھے پڑی ہو چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو اسے۔ اپنا دیوانہ بنا رکھا اور خود یہاں کسی اور کے ساتھ۔"

"شٹ اپ! بلکل بکواس نا کرنا۔" رومائزہ غرا کے بولی۔ عزہ کو تذلیل پہ تیش آیا۔

"ہاں تو غلط کیا کہہ رہی ہوں۔" وہ طنزیہ ہوئی رومائزہ نے جبڑے بھینچ کر صبر کا گھونٹ پیا۔

"میرا میران جاہ سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اب اگر وہ تمھیں منہ نہیں لگاتا تو میرا کوئی قصور نہیں۔"

رومائزہ کے پھنکارنے پہ عزہ کا غصہ بڑھ گیا۔ اپنی تذلیل کے احساس سے اسکا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ عزہ نے اسے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا۔ رومائزہ نے فوراً ہاتھ پکڑ کے کہنی موڑ کے پیچھے لگا دیا۔ عزہ تڑپ سے چیخ اٹھی۔

"ایسے ہی توڑ مڑوڑ کے رکھ دونگی آئیندہ یہ غلطی کی تو۔ رومائزہ شنواری کو سب نے بہت کمزور سمجھ لیا ہے پر اب مزید نہیں۔ اور اگر میرے کردار پہ کیچڑ اچھالی تو زبان کاٹ دونگی۔" سختی سے اس نے اسکی کلائی مزید مڑوڑی۔ عزہ سسکی۔ رومائزہ اسکے کان کے قریب چہرہ کیے بول رہی تھی۔ عزہ اکڑی کھڑی تھی اور رومائزہ اسکے پیچھے۔ سفیر نے ستائش سے اس شیرنی کو دیکھا۔

رومائزہ نے جھٹکے سے اسے چھوڑ دیا وہ لڑکھڑا کے دور ہوئی۔

"یو وچ۔ آئی ول کل یو۔" عزہ غصے میں اسکی طرف پھر بڑھی۔ رومائزہ کا اطمینان قابل دید تھا۔ اس نے اسکی دونوں کلائیاں تھام کے اسے دیوار سے لگا دیا اور اسکی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ دیں۔

"نفرت ہے مجھے میران سے سمجھی۔ آئندہ اسے میرے ساتھ نہ جوڑنا۔ نا ہی اپنی شکل دکھانا۔ اگر اتنا ہی اسے چاہتی ہو تو بنالو اسے اپنا۔"

وہ چبا چبا کے بولی۔ اسکی آنکھوں میں وحشت اتر آئی تھی۔ عزہ خود بھی کانپ کے رہ گئی۔ اسے امید نہیں تھی رومائزہ اتنی خونخوار سی نکلے گی۔

ایک بار دروازہ پھر کھلا تھا۔ اب کی بار حیران ہونے کی باری رومائزہ کی تھی۔ سفید کرتا شلوار میں ملبوس مغرور چہرہ لیے میران روم میں داخل ہوا۔ سفیر جو سارا تماشہ دیکھ رہا تھا اب کرسی سے اٹھا اور گھوم کے اسکے سامنے آیا۔ رومائزہ نے چہرہ پھیر کے اسے دیکھا وہ جگہ پہ منجمد ہوگئی۔ میران کی نگاہیں عزہ پہ گئیں وہ پیر پٹخ کے روم سے باہر نکل گئی۔ رومائزہ نے پتھریلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ڈھائی تین ہفتے بعد اسے دیکھا تھا۔ نظروں میں ناگواری ابھر آئی۔ میران کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑا۔

شکر تھا وہ ٹھیک تھی، اسے ہسپتال میں دیکھ کر تو اسکی جان سوکھ کے رہ گئی تھی۔

اب چونکہ وہ ٹھیک ہوچکی تھی اس لیے میران خود بات کرنے چلا آیا تھا ورنہ پہلے ڈاکٹرز کی بتائی احتیاطی تدابیر کی وجہ سے وہ ملنے سے گریز کر رہا تھا۔ کہیں اسے دیکھ وہ اپنا آپا ہی نا کھو بیٹھتی۔

ہرے قمیض شلوار اور گلے میں سفید رنگ کا دوپٹہ پڑا تھا۔ رومائزہ کی ڈریسنگ میں خاصا فرق آیا تھا۔ پہلے وہ جینس یا کیپری وغیرہ پہ اونچی شرٹس یا کرتیاں وغیرہ پہنا کرتی تھی۔ پھر فارم ہاؤس میں حلیمہ بی نے اسے فراکس اور قمیض شلوار لا کر دیے تھے۔ اسے یہ زیادہ پسند آئے تھے اس نے اب اسی طرح کے کپڑے پہننا شروع کر دیے تھے۔

اسے دیکھ میران کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ چہرے پہ پرتپاک مسکراہٹ نے جگہ لی۔

تجھ کو دیکھا تو سر چشم ہوئے

تجھ کو چاہا تو اور کوئی چاہ نا کی

رومائزہ کی ناک کے نتھنے پھولنے لگے۔ سفیر رومائزہ کی کنڈیشن دیکھ کر میران کی جانب بڑھا۔

"کیوں آئے ہو تم؟" اسکے سوال کو میران نے سنا تک نہیں رومائزہ کو دیکھتا رہا اور اسکی طرف بڑھا۔

"تم ٹھیک ہو۔" انداز ایسا جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو۔ رومائزہ انگاروں پہ لوٹ پوٹ گئی۔

"مر گئی ہوں میں صرف لاش دفنانا باقی ہے۔ کیوں آئے ہو میرا تماشہ دیکھنے؟ چھین لیا نا میرے بابا کو تم نے۔ مل گیا سکون تمھیں۔" اسکے کندھے پہ ہاتھ مار کے اسے دور دھکیلتی وہ چیخ کر بولی۔ سفیر اسکے پاس آیا اسے تھاما۔ میران تو یہ دیکھ تپ گیا تھا۔

"تم اس سے دور نہیں رہ سکتے کیا!" وہ سفیر پہ غرایا۔ سفیر نے چبھتی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"تمھیں کیا مسئلہ ہے؟ چلے کیوں نہیں جاتے میری زندگی سے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے اس پہ برسنے لگی۔

"تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بار میری بات سن لو۔" وہ نرمی سے بولا۔

"واہ میران تمھیں اب بھی اپنی ہی پڑی ہے۔ تم مجھے اب بھی نکاح کا بولو گے۔ نہیں کرنی مجھے تم سے شادی۔"

"میرے پاس امانت ہو تم شنواری کی۔" اس نے آنکھیں دکھائے کر باور کرنا چاہا۔ روما نے حیرت سے اسے دیکھا پھر استہزایہ ہنسی۔

"امانت تھی پر تم نے اس میں خیانت کر دی۔ نفرت ہے مجھ تم سے۔ تمھارے چہرے سے جس کے پیچھے ایک درندہ ہے، کسی کی خوشیوں کا قاتل! نفرت ہے مجھے تمھاری محبت سے۔سب فریب ہے سب نظروں کا دھوکہ تھا۔"وہ سرد مہری سے اسکے دل پہ وار کیے کہے گئی۔ جسم کا خون سارا چہرے پہ آن جمع ہوا۔میران نے جبڑے کَس لیے۔

"معاف کر دو۔"

" کبھی نہیں۔ تم تو نفرت کے قابل بھی نہیں۔ دفع ہو جاؤ اس سے پہلے میں کچھ غلط کر گزروں۔"غصے میں وہ تھر تھر کانپ گئی۔ میران کا ضبط ختم ہونے لگا۔ انتہا تب ہوئی جب سفیر نے رومائزہ کا ہاتھ تھاما تھا۔ میران نے اشتعال بھاری نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے سالم اسے نگل جائیگا۔

"تمھیں لگتا ہے تم گلاب ہو، پر اسکے کانٹے ہو تم! جو بار بار اسے تکلیف دیتے ہیں۔ سکون سے اسے جینے دو۔ یہ تمھاری نہیں میرے چاچو کی میرے پاس امانت ہے۔"

میران کی نگاہیں اسکے ہاتھ پہ جم گئیں اسکی توجہ سفیر کی بات پہ بلکل نہیں گئی تھی۔ آگے بڑھ کے اس نے رومائزہ کا ہاتھ سفیر کے ہاتھ سے نکالا۔ اور سفیر کا ہاتھ جھٹک دیا۔ رومائزہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"آئیندہ یہ جرت مت کرنا۔" وہ قہر برساتی نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہتا پلٹ گیا۔ دروازے کے پاس اسکے قدم رکے اس نے مڑ کے کرب اور اشتعال بھری نگاہوں سے رومائزہ کو دیکھا جو اسکے عمل پہ ساکت کھڑی ساکن نظروں سے اسکی پشت تک رہی تھی۔ لب بھینچ کر تیزی سے وہ باہر نکل گیا۔ وہ اسکے سحر سے باہر نکلی۔

"یہ ایسے مجھ پہ دھونس جماتا ہے سمجھتا کیا ہے خود کو، غلطی خود کی پر دیکھو زرا اس شخص کے چہرے پہ سنجید گی کو۔"

وہ غصے میں بڑبڑاتی بگڑے موڈ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اب کی بار اسکے اشک نہیں بہے تھے یا وہ اسکے سامنے کمزور پڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

اسے معلوم نہیں تھا وہ اسکے بیمار ہونے کے وقت بھی اسکے پاس تھا تب جب اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی صرف وہی تھا جو اسکے پاس آسکا تھا۔ سفیر نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔ رومائزہ کے بل کے پیسے میران کو وہ لوٹا آیا تھا۔

میران انگاروں پہ لوٹتا ہوا بلڈنگ سے باہر نکلا۔ وہ آرام سے اس سے بات کرنا چاہتا تھا پر سفیر کو دیکھ اسکا دماغ گرم ہو گیا تھا۔ عزہ اسکی گاڑی کے پاس ہی کھڑی تھی۔ عبدل نے اسے روک لیا تھا۔ میران چادر کندھے سے ہٹاتا ہاتھ میں گولا بناتا اسکے سر پہ آن پہنچا چادر گاڑی کا دروازہ کھول کے اندر اچھالی۔

"تم یہاں کیا کرنے آئی تھیں؟میں نے کہا تھا میرے معاملات سے دور رہنا ایک بار بات سمجھ نہیں آتی۔اگر تم نے اسے نقصان پہچانے کا سوچا تو میں پہلی فرصت میں تمھارا اگلا دبا دونگا۔"میران نے واضح طور پہ دیکھا تھا رومائزہ عزہ پہ حاوی تھی یقیناً عزہ نے بھی کوئی حرکت کی ہو گی جب ہی وہ اتنا تیش میں آئی تھی۔

"اللہ بچائے اس سے۔یہ آپکی رومائزہ کا کارنامہ ہے۔"اس نے اپنی کلائی اسکے سامنے کر دی۔رومائزہ کی انگلیوں اور ناخنوں کے نشان تھے۔بے ساختہ مسکراہٹ لبوں کی تراش پہ جمع ہو گئی۔عزہ نے مرعوب ہو کے اسکا چہرہ دیکھا۔

"آپ اسے واقعی بہت چاہتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"پھر آپ نے اسکے ساتھ کیوں کیا؟وہ سزا کی مستحق تھوڑی تھی۔"عزہ کی آنکھوں میں اٹھا طوفان تھم سا گیا۔میران اس سے نظریں نہیں ملا سکا۔اس نے گہری سانس اندر اتاری۔

"دماغ خراب ہو گیا تھا۔"

"میرا بھی جو آپ جیسے شخص کے ساتھ سر پھوڑنے لگی تھی۔"

"تم کافی سمجھدار نکلی۔" اسکے قدم پیچھے لینے پہ میران نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے طنز کرتے کہا وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"نہیں آؤنگی آئیندہ آپکے راستے میں۔ مجھے میری محبت نہیں ملی پر آپکو آپکی محبت مبارک ہو دعا کرتی ہوں وہ آپکو مل جائے۔" اسکا چہرہ گاڑی کی ونڈو کے قریب تھا۔ ایک جذب سے کہتی وہ آگے بڑھ گئی۔ میران نے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ جما کر سر نفی میں ہلایا۔

"لگتا ہے رومائزہ نے زیادہ ہی ٹیوننگ کر دی۔" وہ بڑبڑا کے رہ گیا۔ عبدل جذبذب سا باہر کھڑا تھا۔

"تمھیں بیٹھنے کا دعوت نامہ دوں؟" گاڑی کے شیشے سے سر نکال کے اس نے عبدل سے کہا۔

"سائیں آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے میں گاڑی چلا لونگا نا۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"عبدل مزید دماغ نہیں خراب کرو، آکے بیٹھو۔" عبدل سر جھکا کے برابر والی سائڈ کا دروازہ کھول کے اندر سر جھکا کے بیٹھ گیا۔ میران کی پریشانی اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"آپکو عزیز کی یاد آرہی ہے نا۔" وہ بھی چپ نا رہ سکا۔ میران نے گھور کے اسے دیکھا۔

"سائیں کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ وہ لڑکا کچھ نہیں کر سکے گا۔ میڈم اسے بھائی بولتی ہیں۔"

"وہ اسے بھائی سمجھتی ہے پر وہ تھوڑی بہن سمجھتا ہو گا۔ انکا سگے بہن بھائیوں والا رشتہ نہیں ہے۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور پارکنگ سے نکالنے لگا۔ عبدل کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی۔

عائشے نیمل کے بے حد اسرار پہ اسے رومائزہ سے ملوانے لے آئی تھی۔ اور انوش کی تو چونکہ رشتہ داری نکل آئی تھی اس کا دھڑلے سے آنا بلکل عام ہو گیا تھا۔ اور جب سے بتول نے اسے کہا تھا وہ انکی بیٹوں جیسی ہے وہ ساتویں آسمان پہ اڑ رہی تھی۔ اس بات میں شبہ نہیں تھا اسکے آنے سے اس گھر کے غمگین ماحول میں غم کے بدل چھنٹ سے جاتے تھے، ہر طرف اسکے کھکھلانے کی گونج سنائی دیتی تھی۔

"جیسا سنا تھا آپ تو اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔"

نیمل نے اسکے دمکتے چہرے کو دیکھ کر تعریفوں کے پل باندھتے کہا۔ رومائزہ لب ملا کر مسکرائی۔ انوش نے تیور نچائے تھے۔

"محترمہ یہ تم سے عمر میں چھوٹی ہے۔" انوش نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گوش گزار کیا۔

"واٹ ایور انھیں تم بولنے پہ دل آمادہ نہیں ہو رہا۔" وہ دوبدو محویت سے بولی۔

"انوش جاؤ تم کافی بنادو، اس دن بھی بہت مزے کی کافی تم نے پلائی تھی۔" عائشے نے اسے صوفے سے اٹھا کر کہا اور خود اسکی جگہ پہ بیٹھ گئی۔

"زیادہ فری مت ہو، کافی میکر سمجھ لیا ہے تم نے جب دیکھو کافی چاہیے۔ رومائزہ چائے پیتی ہے یہ نیمل بھی چائے کی شوقین ہے۔ مجھے کافی کی کوئی طلب نہیں۔ تو بتاؤ کافی کس کے لیے بناؤں!" ایک ہاتھ کمر پہ رکھے دوسرا ہوا میں نچا نچا کر اس نے بگڑے تیور سے کہا۔ عائشے اسکے یوں کہنے پہ ششدر آنکھیں چڑھا کہ رہ گئی۔ اور دانت پیسنے لگی۔

"اچھا بہن تم بیٹھ جاؤ، میں بنا دیتی ہوں عائشے کے لیے کافی... اور سفیر بھائی بھی آنے والے ہونگے انکے لیے بھی بنانی تھی۔ اور باقیوں کے لیے گرما گرم چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

رومائزہ نارمل انداز میں کہتی سر جھٹک کے کھڑی ہوگئی۔ وہ روزمرہ کی زندگی میں اب لوٹ رہی تھی۔ سفیر کا سن کے انوش کے کان کھڑے ہوئے۔

"سفیر آنے والے ہیں؟"

رومائزہ اسکی بات کا جواب شانے اچکا کر دے گئی۔ نیمل نے ہونٹ گول کر کے رخ انوش کی طرف پھیرا۔ عائشے رومائزہ کے پیچھے ہی مدد کے لیے اٹھ گئی تھی۔ اب تو اسے بھی اچھی چائے بنانا آگئی تھی۔ اور رومائزہ کو آج اپنے ہاتھ کی چائے پلانے کا اسکا ارادہ تھا۔

"اہمم،، مس انوش مسٹر سفیر کو سب سفیر 'بھائی' بولتے ہیں تو تم کیوں نہیں بولتیں ؟" اسکی ذو معنی بات کا مطلب اخذ کر کے انوش نے ایک بھنو وچڑھائی۔

"کیونکہ مجھے بلاوجہ کے رشتے نہیں بنانے۔" اس نے آنکھیں پٹاپٹا کر کہا، نیمل نے بس اسے گھورنے پہ ہی اکتفاء کیا۔

عائشے اور رومائزہ کافی بنا کر لے آئیں سفیر آدھے گھنٹے تک نہیں آیا تھا رومائزہ نے اسکی کافی کچن میں ہی چھوڑ دی۔ غضنفر صاحب آفس سے آئے تھے سفیر باہر لان میں ایمرجنسی کال اٹینڈ کرنے کے لیے رکا تھا۔ ان بچیوں کو دیکھ کر وہ ان سے سلام دعا کے لیے رک گئے۔ رومائزہ کچن میں پانی لینے گئی واپس آئی تو بتول تائی بھی موجود تھیں۔ انوش کو اب کوفت سی ہونے لگی وہ موبائل میں گھس گئی۔

اچانک ہی کسی مردانہ خوبصورت آواز میں سلام اسکے کان کے پردوں سے ٹکرایا اس نے سر اٹھایا بے ساختہ نظریں سفیر کی نظروں سے جاملیں۔ سفیر نے مسکرا کر نظریں پھیر لیں آفس بیگ ٹیبل پہ رکھ دیا۔ اور غضنفر شنواری کے برابر میں ٹک گیا۔

"انکل آنٹی آپ لوگ بھی سوچتے ہونگے ہم لوگ آئے دن منہ اٹھا کر آجاتے ہیں۔"

انوش کی زبان میں کھجلی ہوئی عائشے جگہ پہ خجل سی ہو گئی اس نے بے بس ہو کر رومائزہ کو دیکھا۔ جسکی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں آپ لوگ آجاتی ہو تو رونق ہو جاتی ہے۔ ورنہ میں اور رومائزہ ہی اکیلے اس گھر میں پھرتے رہتے ہیں۔"

"رومائزہ کا ورک کمپلینٹ نہیں ہے اور نوٹس بھی اسکے پاس نہیں، اسی لیے بس ہم نوٹس میں ہیلپ کروانے کے لیے آجاتے ہیں۔ ایگزامز میں اب بہت کم وقت بچا ہے نا۔"

عائشے نے بات سنبھالتے ہوئے گھور کے انوش کو دیکھا تھا جو ڈھٹائی سے مسکرا رہی تھی۔ اس نے اتراتے ہوئے مگ لبوں سے لگانا چاہا تھا کہ کپ میں بچی ٹھنڈی کافی اسکے کپڑوں پر گر گئی۔

"شٹ یار۔ میں واش کر کے آتی ہوں، نیا سوٹ ہے کہیں داغ رہ نہ جائے۔" سب انوش کی طرف متوجہ ہوئے جسکے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔ عائشے کو آنکھوں سے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتی وہ لاؤنج سے نکل کر رومائزہ کے روم میں گئی تھی۔ نیمل خود بھی اٹھ کے انکے پیچھے چل دی۔

"تایا ابو آپ نے صبح کہا تھا کہ آپکو کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ بتائیں کیا بات ہے؟"

رومائزہ نے کپ ٹیبل سے اٹھا کر ٹرے میں رکھتے ہوئے پوچھا وہ گھٹنے زمین پہ ٹکائے ہوئے تھی پھر اٹھ کے سامنے صوفے پہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔ سفیر نے نظروں میں غضنفر کو ہاں کرتے کچھ کہا۔

"بیٹا میری بات کو دھیان سے سننا۔ آپ ہماری بیٹی جیسی نہیں بلکہ بیٹی ہی ہیں۔ میرے بھائی کی امانت ہیں، آپ لڑکی ذات ہیں ایک دن پرائے گھر میں جانا ہوگا۔ پر میں ایسا نہیں چاہتا اپنے گھر کی رونق کو گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں نہ ہی اپنے بھائی کی جان کو خود سے دور کر سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ سفیر اور آپکا رشتہ ہو جائے۔"

وہ بول رہے تھے۔ رومائزہ جگہ پہ سکتہ گئی۔ پلکوں کی لرزش تک جم گئی۔ وجود میں کرنٹ سا گزرا۔

عائشے انوش کا دامن نچوڑنے کے بعد واش روم سے نکلی۔

"آئے اتنا برا لگ رہا ہے یہ، اب کیسے سب کے سامنے جاؤں۔ چلو بس گھر چلتے ہیں۔" وہ اپنی شرٹ سے جھنجھلاتی ہوئی بولی۔

"ہاں بھابھی گھر چلتے ہیں اب رومائزہ کے گھر والے بھی سب آگئے ہیں اچھا نہیں لگ رہا۔"

نیمل جو بیڈ کے کنارے ٹکی ہوئی تھی کھڑے ہو کر بولی۔ عائشے نے سر ہلایا۔

"نوٹس یہیں چھوڑ جاتی ہوں رومائزہ خود دیکھ لے گی بعد میں۔" سر کا ڈوپٹہ درست کرتے وہ کمرے سے نکل گئی۔ پیچھے ہی انوش اور نیمل تھیں جو باتوں میں محو چلی چلے آرہی تھیں۔

عائشے کو لاؤنج کے دروازے کے پاس رکے دیکھا تو دونوں ماتھا سکیڑ کے پاس آگئی۔ وہ فیملی ڈسکشن سن کے رک گئی تھی ایسے بیچ میں جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ انوش اسکے برابر آن کھڑی ہوئی۔ عائشے نے آنکھوں سے اسے اشارہ کیا۔ اندر غضنفر کی بات جاری تھی۔

"میری خواہش ہے کہ سفیر اور آپکا رشتہ ہو جائے۔"

غضنفر کی بات سن کر انوش کے پیر پتھر ہو گئے۔ اسکی آنکھوں کے گرد تارے سے گھومنے لگے بمشکل اس نے خود کو قابو کیا۔

سفیر نے رومائزہ کو دیکھا جسکا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

اس دن رومائزہ کے بے ہوش ہونے کے بعد اسکے دل میں اسے لے کر خوف بیٹھ گیا تھا۔ کئی طرح کے وسوسے پلنے لگے۔ وہ اسے اپنے قریب تر رکھنا چاہتا تھا۔ اسکی جھولی کو دنیا کی ہر خوشی سے بھر دینا چاہتا تھا۔

اسی لیے اس نے اسے آفس کی بھی اپنے ساتھ کام کرنے کی آفر کی بلکہ اسے راضی کیا تھا۔

"تایا ابو آ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آپکی ہر بات کا احترام کرتی ہوں پر یہ نہیں مان سکتی۔ سفیر بھائی کی اپنی زندگی ہے میں ان پہ مصلت نہیں ہونا چاہتی۔"

اس نے صاف گوئی سے انکار کیا۔

"یہ میری ہی خواہش ہے۔ میں تمھارا سہارا بننا چاہتا ہوں۔" اب کی بار وہ بول اٹھا۔ اسکی بات انوش کی سماعتوں سے گوش گزار جوں ہی ہوئی اس نے بے ساختہ مٹھی بھینچ لی۔

"میں یہ نہیں کہتا فوراً نکاح کرلو۔ ابھی فلحال تم ایگزامز دو اسکے بعد ہم سادگی سے نکاح کرلیں گے۔ تم آگے بڑھنا چاہتی ہو بزنس میں قدم جمانا چاہتی ہو۔..." وہ اسکی باتوں کا مطلب اچھے سے سمجھ رہی تھی۔

"سفیر بھائی میں اپنی ضرورت کے لیے آپکا استعمال نہیں کر سکتی۔ میں اپنے قدموں پہ خود کھڑے ہونا چاہتی ہوں۔"

"بیٹا شادی کے بعد عورت اور مضبوط ہو جاتی ہے۔"

"تائی امی آپ لوگوں نے مجھے ویسے ہی بہت ہمت دے دی ہے۔ اور سوری میں یہ رشتہ بلکل ایکسیپٹ نہیں کر سکتی سفیر بھائی میرے بھائی جیسے ہیں۔" اس نے تلخی سے کہا تو سب ہی جذبذب سے ہو گئے۔ اس نے تو بات ختم کر دی تھی۔

"پر ہے تو نہیں۔" بتول نے فوراً ہی کہا اسکا سر جھک گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس صورتحال سے بھی اسے گزرنا پڑے گا۔

سفیر سے وہ بہت فرینک تھی پر کبھی ایسا سوچا نہیں تھا۔

"فوراً فیصلہ مت کرو، کچھ لو اچھے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ میں امید کرونگا میری بیٹی میری بات کا مان رکھے گی۔"

اس نے منمنا کر غضنفر کو دیکھا وہ اٹھ کے کمرے میں چلے گئے۔ اسکے دل بوجھ تلے دب گیا۔ عائشے سن کر خوش ہوئی تھی، اسے سفیر رومائزہ کے لیے ہر طرح سے پرفیکٹ لگا تھا۔ اس نے چہرہ ہلکا سا پھیرا انوش سکتے میں کھڑی تھی۔ بنا کچھ کہے وہ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔ عائشے نے شانے اچکائے اور رومائزہ سے یونی میں بات کرنے کا کہہ کر نکل گئی۔

"یار عائشے میں کیسے سفیر بھائی سے شادی کرلوں، صرف اپنے مفاد کے لیے؟ کہ مجھے آگے دنیا دیکھنی اور اسکے لیے کسی ساتھی کی ضرورت پڑے گی! وہ محض ہمدردی میں آکر یہ سب کر رہے ہیں۔"

پوری رات وہ انھی سوچوں میں گم رہی تھی اور صبح جامعہ موقع ملتے ہی عائشے نے یہ قصہ چھیڑ دیا تھا۔

"کیا معلوم وہ دل سے رضامند ہوں پسند کرتے ہو۔ تمھیں ہو سکتا ہے محبت بھی ہو۔" عائشے بولے جا رہی تھی جب کہ رومائزہ نے جھنجھلا کے کان ہی بند کر لیے انوش کے لبوں پہ قفل لگا تھا۔ اسکا بدلہ روپ ان دونوں نے اپنی باتوں میں بلکل نوٹ نہیں کیا۔

"انھوں نے مجھے خود کہا تھا وہ میرے ہم درد ہیں۔ سر فہرست !اور جو بھی ہو مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"اس نے کتاب گود سے اٹھا کر گھاس پہ رکھ دی۔انوش بینچ پہ ٹانگ لٹکائے بیٹھی تھی۔

"میرے خیال سے تمھیں شادی کر لینی چاہیے۔میران جاہ کو یہ بات پتا چلے گی تو وہ پل پل تڑپے گا اگر تم سے سچی محبت کرتا ہو گا تو...ورنہ انا کو تو اسکے ٹھیس ضرور پہنچے گی۔"

ناجانے کیسے بے ساختہ انوش کے لبوں سے اتنے سخت الفاظ ادا ہوئے۔روما نے چونک کے سر اٹھایا دل نے تیز رفتار پکڑی تھی۔انوش ایک دھند میں بول گئی تھی۔نگاہ سامنے پیڑ پہ مرکوز تھی۔

"ہاں لازمی نہیں سفیر بھائی سے شادی کرو بھلے کسی سے بھی کرو۔پر آگے بڑھو۔"

"شٹ اپ !دونوں کچھ بھی بولے جا رہی ہو۔ایک شخص کو تکلیف دینے کے لیے خود تکلیف کے مرحلے سے گزر جاؤں۔میران سے حساب اللہ خود لے لیگا۔"

وہ بیگ کندھے پہ ڈال کر وہاں سے غصے میں اٹھ گئی۔ان دونوں نے جاتے ہوئے اسکی پشت دیکھی۔وہ شدید غصے میں تھی اور اکیلے رہنا چاہتی تھی۔عائشے گھاس سے اٹھ کر اوپر انوش کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"وہ شادی کرنا نہیں چاہتی، ہم نے اتنی بڑی بات کردی اسکے باوجود بھی وہ نہیں مانی۔ وہ چاہتی تو میران سے بدلہ لینے کے لیے ایسا کر سکتی ہے پر نہیں۔ تم لوگ اسے کیوں اتنا فورس کر رہے ہو؟ کیا معلوم سفیر بھی صرف ہمدردی میں آکر اسے اپنانا چاہتے ہوں۔"

انوش سنجیدگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ عائشے کی آنکھوں میں حیرت کا ابال آیا۔ اس کے تاثر ڈھیلے پڑے۔ انوش کی آنکھوں کی سرخی دیکھ دماغ بھک کر کے جاگ اٹھا۔ ہلکے سے لب کھلے۔ اسکی نگاہوں میں درد کا ٹھاٹھے مارتا طوفان عائشے کو نظر آرہا تھا۔

منظر میں کوئی جیسے سوگ کا نغمہ بجا رہا ہو۔ ہوا کے اثر ہلکے سے بال اڑ رہے تھے۔

عائشے کے حلق میں گٹھلی بھر کے معدوم ہوئی۔

"انوش"..

اس نے پکارا۔ انوش نے نم آنکھیں پھیر لیں۔ ضبط سے لب پیوست کر لیے۔ اسکا یوں نظریں چرانا عائشے دم بخود رہ گئی۔

"آر یو ان یار سینسز؟" وہ پھٹ پڑی۔ انوش نے آنسو اندر اتارے۔

"یہ جو تمھارے دماغ میں چل رہا ہے نکال دو خدا کا واسطہ ہے انوش نکال دو۔ تمھارا ایک مزید بڑھتا قدم کئی زندگیوں میں سنامی لے آئے گا۔ خود کو یہیں روک لو۔ بچا لو خود کو ڈوبنے سے، اب بہت دیر ہو چکی ہے۔"

عائشے نے اپنی لرزش پہ قابو پاتے کہا۔ انوش کی سسکی نکلی۔

"تم اس لیے نہیں چاہتی روما اور سفیر کی شادی نہ...؟"

"انف عائش۔ تمھیں لگتا ہے میں ایسا کرونگی۔ میں اتنا چاہتی ہوں روما پہ کوئی زور زبردستی نا ہو جو تم لوگ کر رہے ہو، وقت دو اسے۔ اگر وہ خوشی سے ہاں کر دے گی تو اسکی برات میں سب سے آگے ناچنے والی میں ہی ہونگی۔"

انوش اس کی بات سن کر اکھڑ کے بولی۔ آنکھوں سے ابلتا جنون واضح تھا عائشے کپکپی کھا کر پیچھے ہوئی۔ یہ انوش گلزار کا نیا روپ اس پہ عیاں ہوا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا وہ کسی کو اتنی شدت سے چاہتی ہو گی، وہ بھی سفیر کو؟۔ اسکا وجود اسکا انداز سفیر سے محبت کی گواہی دے رہا تھا۔

عائشے نے بے اختیار ماتھا چھوا اور پسینہ صاف کیا۔

"میں کینٹین جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ گئی۔

اسکے چلے جانے کے بعد انوش نے سر ہاتھوں میں دے لیا۔ اسے نہیں پتا تھا وہ محبت کے جذبے سے کب آشنا ہوئی۔ پہلی بار اسکو دیکھنے پہ یا پھر جب سفیر سے میسینجر پہ بات ہوئی۔ اس نے اسکی فیس بک اور انسٹا آئی ڈی پوری کھنگال کے رکھ دی تھی۔ یہ سب کیا تھا اور کیوں کیا تھا؟ بس اچھا لگ رہا تھا۔ اسے شدت سے انتظار تھا سفیر کبھی پاکستان آئے اور وہ اس سے مل سکے۔

اور پھر ایک رات اسکی کال آنا اور سننا کہ وہ اسی دیس میں ہے۔ اسکا دل باہر نکل آیا تھا۔ پر اگلی خبر سن کے اسکی خوشی چھو منتر ہوگئی۔ رومائزہ بھی ٹھیک ہوگئی اسکے بعد وہ بہت خوش تھی۔ اور سفیر کو دیکھ کر تو اسکا دل بے لگام ہو جاتا تھا جسے اس نے لگامیں بہت اچھے سے ڈال رکھی تھیں۔ وہ بے شک ایک جولی سی لڑکی تھی پر اپنے جذبات اور احساسات کو کب ظاہر کرنا ہے اسے اچھے سے آتا تھا۔ وہ اپنے دل کی بات رومائزہ کو بتانا چاہتی۔ اس نے صرف سفیر احمد کے خواب دیکھے تھے۔ وہ انجان بندہ اسکے دل کو بھا گیا تھا۔ بات اس پہ کرش آجانے تک تھی پر جب وہ پاکستان آیا تو احساسات بدل گئے۔

پر وہ رومائزہ کو یہ بات بتاتی اس سے پہلے ہی سفیر اور رومائزہ کے رشتے کی بات چل گئی۔ اب تو وہ مر جاتی ہر یہ بات زبان پہ نہ لاتی۔

آنسو رگڑ کے صاف کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ قدم من من بھر کے ہو گئے، اٹھنے سے انکاری تھے۔ اسے سمجھ نہیں آیا اب کیسے وہ عائشے کا سامنا کرے گی۔ کہیں وہ اسے غلط نہ سمجھے۔ اسے اپنی محبت کی توہین برداشت نہیں تھی۔

نہ ہی دوست کی آنکھوں میں شک۔

اعلان کرنا تھا ڈنکے کی چوٹ پہ کہ 'انوش گلزار کو سفیر احمد سے محبت ہے'۔ نیمل سے کہی بات اسے شدت سے آئی۔

اس نے آنکھیں میچ لیں۔ ہر طرف اس اندھیرے میں بھی سفیر کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

"انوش نہیں سنبھالو خود کو۔ تم ایسے کمزور نہیں پڑ سکتیں۔ اگر انکا نصیب روما سے جڑا ہے تو اس میں ان دونوں کا قصور نہیں۔ شیطان کے بہکاوے میں مت آنا انوش۔" اس نے آنکھیں کھول کر چہرہ تھپک کر خود سے کہا اور وزنی قدم اٹھا کر عائشے پاس ہی چل پڑی۔

کچن کے درمیان میں لگا لیمپ روشن تھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ پورے گھر میں سناٹا ڈوبا ہوا تھا، کچن میں زرد روشنی پھیلی تھی۔ بتول اور غضنفر اپنے کمرے میں تھے۔ وہ اسائمنٹ سے جب اکتا گئی تو کچن میں چلی آئی۔

موڈ بحال کرنے کے اسکے پاس ہمیشہ سے دو طریقے تھے۔

پینٹنگ، یا پھر بیکنگ..

اس نے اوون سے بیکنگ ٹرے نکالی اسکے لاک گھما کر کھولے اور براؤنی پلیٹ میں نکال لی۔ اس کا روز کا معمول تھا ٹی وی دیکھنا۔ پر اب یہ عادت بھی چھوٹ گئی تھی۔ وہ کاؤنٹر تک بنا آواز کیے آرام سے چئیر گھسیٹ کر لائی تھی اور بیٹھ کے براؤنی کے ٹکڑے کر دیے۔

جب وہ پوری چور چور ہو گئی تو سکون سے بیٹھ کے کھانے لگی۔ وقفے سے اس نے موبائل کھول کے چیک کیا پھر ایک طرف رکھ دیا۔ وہ پلیٹ پر جھکی ہوئی تھی پیچھے آہٹ محسوس ہوئی تو سر اٹھایا۔

سفیر کف لنکس فولڈ کرتے ہوئے کچن میں آیا تھا۔ فریج سے پانی گلاس میں انڈیل کر اس نے اکڑوں بیٹھ کے پانی پیا۔ رومائزہ کچھ کھچی کھچی محسوس ہو رہی تھی۔ کل والے واقعے کی بدولت!

سفیر کے گلا کھنکارنے پہ اس نے سر اٹھایا۔

"آپ کے لیے کھانا لگا دوں؟"

وہ کاؤنٹر پہ ہاتھ رکھ کے چئیر سے اٹھنے لگی۔ سفیر نے اسے بیٹھے رہنے کا کہا اسکی نظریں اسکی پلیٹ پہ گئی جو براؤنی کے چورے سے آدھی بھری ہوئی تھی۔

"براؤنی کھائیں۔ ابھی فریش میں نے بنائی ہے۔"

اس نے مسکرا کے پلیٹ آگے کی اور اٹھ کے دوسرا چمچ اسکے سامنے کیا۔ سفیر نے پھیکا سا مسکرا کے چمچ تھام لیا تھا۔

پہلا چمچ منہ میں رکھا۔ اس نے تیزی سے ہی دوسرا ابھی منہ میں بھرا۔

"اممم... بڑا انتظار کیا تمھارے ہاتھ کی براؤنی کا۔ اتنی تو تم نے خود تعریفیں کر رکھی تھیں۔ "

" تمھارے ہاتھ کی براؤنی کھانے کی میری تو خواہش ہو گئی تھی۔" اس نے ستائشی نگاہ اس پہ ڈال کر براؤنی کا مزہ لیتے ہوئے کہا وہ دھیمے سے ہنس دی۔

"اچھا ساری مت کھا جایئے گا مجھے تائی امی کو بھی ٹیسٹ کروانی ہے۔"

سفیر نے براؤنی کا موٹا موٹا چورا دیکھا تھا اسکی حیرانی بھانپتے ہوئے رومائزہ نے کہا۔

"مجھے چورا کر کے کھانا پسند ہے۔"

اسکے ہاتھ سے پلیٹ لے کر آنکھیں جھپکا کر کہتی وہ کچن سے باہر نکل گئی۔ سفیر سر پہ ہاتھ پھیرتا اسکے پیچھے ہی باہر نکل کے اپنے روم میں چلا گیا۔

رومائزہ تائی اور تایا ابو کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اکثر وہ انھیں بڑے پاپا کہہ کر مخاطب کر لیا کرتی تھی۔

بتول نے اس سے اسکے فیصلے کے بارے میں پوچھا۔ وہ خاموش رہی، ساری شام وہ یہی سوچتی آئی تھی کہ کیا جواب دے۔ اس نے اپنے تایا کا مان رکھنا تھا۔ پر اسکے لیے کیا خود کو مشکل میں ڈال دیتی؟ سفیر میں کوئی برائی بھی نہیں تھی۔ اگر بابا ہوتے تو وہ بھی راضی ہو جاتے۔ اسے کئی خیالات نے گھیر اتھا۔

"رومائزہ بیٹا بتاؤ کیا سوچا ہے؟ بیٹا یہ صرف سفیر کی خواہش نہیں ہے ہم بھی ایسا چاہتے ہیں کہ ہماری بیٹی گھر میں ہی رہے۔"

وہ بے پناہ محبت سے بولے۔ رومائزہ نچلا لب کاٹنے لگی۔ اسکے سرپرست اب وہی تھے۔ انکار کی کوئی ٹھوس وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اسے فوراً شادی نہیں کرنی پر یہ لوگ مان نہیں رہے تھے۔

"ٹھیک ہے بڑے پاپا جیسا آپ لوگ چاہتے ہیں وہی ہو گا۔ پر ایگزامز کے بعد صرف نکاح ہو گا، رخصتی فوراً نہیں ہو گی۔ میں کچھ وقت لینا چاہتی ہوں۔"

گہری سانس لیتے اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے فیصلہ کیا تھا۔ انکے سامنے ہار مانتے بولی۔ وہ اپنی وجہ سے کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب یہ لوگ کل کائنات تھے انھی کے ساتھ رہنا تھا۔ وہ اس سے محبت کرتے تھے اسے بھی ان سے محبت ہو گئی تھی تو کیسے انکار کر دیتی۔

اسے اتنی اپنائیت دی کہ اسے کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اسکے ہر قدم پہ اسکے ساتھ تھے۔

۔محبت وغیرہ پہ سے تو اسکا اعتبار اٹھ گیا تھا ایک بار ہی میں ایسا زخم ملا کے وہ بلبلا کر رہ گئی۔

اسکا فیصلہ سفیر کے حق میں سن کر دونوں میاں بیوی مسکرائے۔بتول نے آگے بڑھ کے اسے خود سے لگایا اور اسکا ماتھا چوم لیا۔

"مبارک ہو غضنفر صاحب۔"وہ نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھیں۔ جیسے ماضی میں کی گئی زیادتی کا ازالہ اب کر رہی ہوں۔ غضنفر شنواری نے آگے ہو کر اسکے سر پہ ہاتھ رکھا اور اسے ڈھیر ساری دعاؤں سے نواز دیا۔

"اس براؤنی سے ہی منہ میٹھا کر لیتے ہیں۔"غضنفر بتول سے مخاطب ہوئے جو مسکرا رہی تھیں۔

اتنے میں سفیر فریش ہو کے موبائل میں مصروف سا انکے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کا منظر دیکھ کر چونکتا ہوا اندر چلا آیا۔ اما ابا بھتیجی پہ واری جا رہے تھے۔

"اوکے میں چلتی ہوں۔ مجھے نیند ہے آ رہی صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔"

گھبراہٹ پہ قابو پا کر وہ وہاں سے کھسک گئی۔ سفیر نے تھوڑی حیرانی سے اسے جاتے دیکھا پھر ماں باپ کو۔ اس نے شانے اچکا کر ماجرا استفسار کیا۔

"مبارک ہو وہ شادی کے لیے راضی ہو گئی ہے۔ پر شرط رکھی ہے کہ ابھی صرف نکاح ہو رخصتی کا پروگرام بعد میں۔"

انکی بات سن کر وہ مسکرا دیا۔ اور بیڈ کی دوسری طرف غضنفر کے سامنے بیٹھ گیا۔

"بابا ایک مسئلہ ہے۔"

"کیا؟"

"وہ مجھے بھائی بھائی بولتی ہے یہ عادت ختم کروا دیں اب تو۔" وہ جھنجھلا کر بولا تو انکا قہقہہ بلند ہوا۔

"بچی ہے، میں سمجھا دونگی اسے۔" بتول نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ گہری مسکراہٹ کو سمیٹتا کھڑا ہو گیا۔

وہ بھاری دل کے ساتھ اپنے کمرے تک آ گئی تھی۔ موبائل اسکے ہاتھ میں ہی تھا۔ اس نے کھٹاک انوش کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔ خود زمین پہ بیڈ کی پائینتی سے کمر ٹکا کے گھٹنے فولڈ کر کے شانوں سے لگا کر بیٹھ گئی۔

انوش نے تیسری بیل پہ کال ریسوو کر لی۔

"انوش"...

"مم میں نے رشتے کے لیے تایا ابو کو ہاں کر دی ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ انوش کا خون رگوں میں منجمد ہو گیا۔ آنکھ سے آنسو ؤں ٹوٹ کر پھسلا۔

"اپنی مرضی سے ہاں کی ہے؟ کسی نے زور زبر دستی تو نہیں کی؟" اپنی سسکی دباتے لہجہ مضبوط کیے اس نے پوچھا۔

"اتنی محبت دینے والے لوگ کیا زبر دستی کریں گے۔ انکار کرنے کی ہمت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ لوگ ممی بابا کی طرح ہیں میرے لیے۔"

"تو تم نے مشرقی لڑکیوں کی طرح ہاں میں ہاں ملا دی۔ روما میری جان اگر تم شادی کرنا نہیں چاہتی تو بتاؤ میں مام سے کہونگی وہ بات کر لینگی بتول آنٹی سے۔" وہ اسکی فکر میں بولی۔

"نہیں۔ انھوں نے مجھے بیٹی سمجھا ہے میں انکا مان نہیں توڑ سکتی۔"

"اور تمھارا دل؟"

"وہ تو پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ انوش نے لب بھینچ لیے۔

"تم خوش نہیں ہو زبر دستی دوسروں کے لیے حامی بھر لی۔ سیر یسلی، مجھے اپنی رومائزہ شنواری چاہیے یہ تم نہیں ہو۔"

وہ غصے میں لگ رہی تھی۔ روما نے سانس بھری۔ خود میں سکون اتارا۔ دل بے ہنگم دھڑک رہا تھا۔ مانوں باہر نکل آئے۔

"انوش پریشان مت ہو، شادی ایک دن کرنی تھی۔ ایگزامز کے بعد صرف نکاح کرونگی، باقی تب تک حالات بہتر ہو جائیں گے۔ میں اب کسی پہ اعتبار نہیں کر سکتی، یہ لفظ میری زندگی سے نکل گیا ہے۔ بس اب جو فیصلہ ہو چکا ہے وہی ٹھیک ہے۔"

"اور سفیر ہمدردی میں شادی کر رہے ہوئے تو؟"

"مجھے ہمدردیاں بٹورنا نہیں پسند۔ پر وہ واحد ہیں جنھوں نے مجھے مرنے سے بچایا۔ انکا احسان اتارنا بھی تو ہے۔ اگر انکو لگتا ہے ان سے شادی کر کے میری زندگی میں بہاریں لوٹ آئیں گی تو پھر ٹھیک ہے ایسے ہی سہی۔" انوش کو اسکی باتیں سوائے حیرانی کے کچھ نہیں دے رہی تھیں۔

اپنا سوچنے کے بجائے وہ ہر ایک کا سوچ رہی تھی۔ خود کہاں تھی؟

"اللہ تمھیں ہمیشہ رکھے خوشیوں کی بارش کر دے۔" وہ نم لہجے میں گویا ہوئی۔ اسکی نمی دوسری بار روما ئزہ کو محسوس ہوئی۔ انوش گلزار ایموشنل ہو رہی تھی..؟

"آمین۔ اللہ تمھیں بھی اب جلدی سے ایک شوہر دے دے جس کی تم اب تک تلاش میں ہو۔" وہ بھیگے چہرے پہ مسکراہٹ لاتی ہوئی بولی۔ اسکی دعا سن کے انوش کے چہرے پہ اداسی سی چھا گئی۔

"ویسے تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے ؟ تم یونی میں بھی خاموش سی لگ رہی تھیں۔ کہیں کسی سے پیار شیار تو نہیں ہو گیا اسی کے خیالوں میں گم ؟" انوش کو اپنی چوری پکڑتی وہ محسوس ہوئی۔ اسے ناجانے شرمندگی نے گھیر لیا جیسے کچھ غلط ہو گیا ہو۔ اسے محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ دل زخمی ہو کر رہ گیا۔ چاہ کر بھی وہ مرہم نہیں رکھ سکی تھی۔ ٹوٹے دل کو جوڑنا آسان نہیں تھا۔

"نہیں تو۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم ٹھیک نہیں ہو نا اس لیے ایسا لگ رہا ہے چلو سو جاؤ کل یونی میں تمھاری شادی کی خوشی میں پارٹی کریں گے۔" وہ زبردستی مسکرا کے لہجے میں چہک پیدا کر کے بولی۔ رومائزہ نے اداسی سے فون دوسرے کان پہ لگا دیا۔

"نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا چلو خاموشی سے ہلا گلا کر لیں گے،، بس۔" وہ پھر بولی تو رومائزہ نے ہار مانتے ہاں کر دی۔ دونوں نے فون سائیڈ میں رکھ دیا۔

انوش بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے ہوئی تھی، رومائزہ کا سر بھی بیڈ سے ٹکا تھا۔ پنجوں کے نیچے پسینہ سا محسوس ہونے لگا۔ کچھ فرش کی ٹھنڈک تھی کچھ جسم سے نکلتی آگ۔ وہ غیر مرئی نقطے کو غور سے دیکھے گئی، دوسری پار انوش کی نگائیں بھی اسکرین میں جم گئی تھیں۔

اگر اسکا دل بند ہو رہا تھا تو انوش کو بھی سانس نہیں آ رہی تھی۔ دل و دماغ کے درمیان جنگ سی چھڑی تھی۔ انوش نے جھنجھلا کر کمفرٹر اوپر تک کھینچا اور کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ پر نیند آنکھوں سے کوسوں دور رھی۔ یہ دل تو ماننے کو تیار نہیں تھا کہ سفیر اب اسکی بیسٹ فرینڈ کا شوہر بننے والا تھا۔ اسے رومائزہ سے بلکل جلن محسوس نہیں یوئی تھی الٹا اپنے دل کی پیش قدمی پر افسوس ہو رہا تھا۔

دوسری طرف رومائزہ دل و دماغ کی چھڑی جنگ میں الجھ کر رہ گئی۔ بس دل شادی پہ راضی نہیں تھا۔ جب کہ دماغ اور اسکی انا کچھ اور کہہ رہے تھے۔ انھی سوچوں میں نیند اس پہ کب مہربان ہو گئی اسے پتا نہیں چلا وہ سمٹ سمٹ کر زمین پر ہی سر رکھ گئی تھی۔

رات کا تیسرا پہر تھا۔ کمرے میں نیم تاریکی ہی تھی۔ وہ نیند میں بے چین ہونے لگی۔ جیسے کوئی خواب میں اسے پریشان کر رہا ہو۔

"رومائزہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو کیسے سفیر سے شادی کرو گی۔" وہ طنزیہ مخاطب تھا، یا پھر درد کی شدت چھپاتے کہہ رہا تھا۔

سفید کرتے شکوار میں سیاہ چادر شانوں پہ ڈالے اس کے روبرو کھڑا اہم کلام تھا۔ وہ خود سے قدم پیچھے بڑھا رہی تھی۔ اسکی خندہ پیشانی اور چہرہ پر نور سفید تھا۔ رومائزہ کے سلکی بال جو چہرے پہ آکے اسے پریشان کر رہے تھے اس نے کان کے پیچھے اڑس لیے۔ وہ اسکی طرف قدم بڑھا رہا تھا اور وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے جاتی چلی جا رہی تھی۔

" نفرت نن نفرت کرتی ہوں تم سے۔ قاتل ہو میری خوشیوں کے تم۔" وہ چلا کر بولی اور آخر میں اسکی ایک دل خراش چیخ پیدا ہوئی۔ کسی نے اسے کمر سے تھام کر گرنے سے بچا لیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ میران تھا۔ اسکا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

یوں محبت میں دیوانہ کر کے

اب دور جانے کی بات نا کیا کرو

کان کے قریب ایک میٹھی سی سرگوشی سنائی دی جو اسے زہر کی طرح کڑوی لگی۔ اور وہ جھٹکے سے آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھی۔ اسے اپنی حالت کا احساس ہوا کہ کہاں لیٹی ہے پھر کہنی کے بل اٹھی اور بیڈ پہ آکے بوجھل سی حالت میں لیٹ گئی۔

"کیوں جان نہیں چھوڑتے ہو میری، خوابوں میں بھی تم سوار ہو، مر کیوں نہیں جاتے، بار بار تکلیف دینے آجاتے ہو۔" آنسو کی قطار اشکوں سے بہنے لگی وہ سسک سسک کر کئی دیر دم گھوٹتے روتی رہی پھر نیند نے اس پہ مہربانی کر دی۔

دمیر ہاؤس میں آج کل عائشے اور مراد کے ولیمے کو لے کر چرچہ چل رہی تھی۔

"ایک کام کرتے ہیں بھابھی کے ایگزامز سے پہلے ہی ولیمہ رکھ لیتے ہیں۔ ورنہ آگے بہت ڈیلے ہو جائے گا۔ گرمی کا موسم لگنے لگا ہے ویسے بھی۔" نیمل نے مشورہ دیا۔ عائشے چور نظروں سے مراد کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے، ڈیڈ کوئی ڈیٹ فائنلائز کر کے بتادیں پھر کارڈز بھی چھپوانے ہیں۔" مراد نے اکتفا کرتے کہا۔

"ہاں تیاری بھی کرنی ہے۔ عائشے کے لیے جوڑا بھی خریدنا ہے۔ اور بھی سو کام نکل آئیں گے نہ نہ کرتے ہوئے بھی۔" زرپاش دوپٹے کا پلو انگھوٹھے کے گرد لپیٹتے ہوئے بولیں۔

ارباز دمیر نے اسے ہفتے کے دن کی تاریخ کہی تو اس نے سر ہلا دیا۔ زولفقار جاہ کے کیس سے فارغ ہو جانے کے بعد کی تاریخ تھی۔ اسے یقین تھا اس بار وہ کامیاب ہو گا اور اسکے بعد جشن تو پھر ضروری ہی تھا۔

عائشے نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"ویسے تو ناراض بیٹھے ہیں پر ولیمہ انکو لازمی کرنا ہے۔" وہ اتنی زور سے بڑبڑائی کے نیمل نے سن لیا۔

"ہائے بھائی جان آپ بھابھی جان سے ناراض ہیں؟" عائشے نے سر پیٹا۔ زرپاش اور ارباز نے بھی چونک کے تیور چڑھا کے مراد کو دیکھا۔

"کس نے کہا تم سے؟" وہ سختی سے گویا ہوا۔ نیمل اپنی بے اختیاری پہ سکتے میں آگئی۔ اس نے نظروں میں عائشے کو سوری کہا۔

"کیا کچھ ہوا ہے تم دونوں کے درمیان؟" زرپاش نے لہجہ کڑک کر کے پوچھا تو مراد نے شانے جھاڑ کے عائشے کی طرف اشارہ کر دیا۔ سارا ملبہ اسی پہ ڈال گیا۔

"مام یہ خود ناراض ہیں اتنی سی بات کو لے کر۔" وہ فوراً بولی۔

"کمرے میں چلو مجھے فائل ڈھونڈ کے دو پتا نہیں کہاں رکھ دی ہے۔" اس سے پہلے عائشے اسکی شکایتیں لگاتی وہ برہمی پہ نرمی ظاہر کیے اسے آنکھیں دکھا کر بولا۔ وہ صرف کہانی بنا رہا تھا۔ عائشے سر جھکائے منہ بسورتی کمرے میں چلی گئی۔

مراد اسکے پیچھے ہی اندر داخل ہوا دروازہ بند کر وہ اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم نے تو میرے مام ڈیڈ کو بلکل اپنی طرف کر لیا ہے۔ ایمپریسوو!" اسکی کڑوی کسیلی پہ وہ جل بھن کے رہ گئی۔ خاموشی سے اسکے پاس سے جانے لگی کوئی موڈ نہیں تھا مزید اسکو منانے کا۔

"بس تھک گئیں؟ تمھیں تو شوہر کو منانا بھی نہیں آتا۔ حد ہے!" وہ اسے بازو سے روک کے آنکھیں اوپر چڑھائے خفت مٹائے بولا۔

عائشے نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"تو آپ ڈراما کر رہے تھے؟" اس نے حیرت سے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کیا۔ مراد کے پلکیں جھکانے پہ عائشے کو تیش آیا اس نے اسکے بازو پہ مکے برسا دیے۔

"بے شرم، بدتمیز پولیس والے کہیں کے آپکو شرم نہیں آئی مجھے پریشان کرتے ہوئے۔"

"بلکل نہیں، اب تمھیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپانی۔" وہ سنجیدگی سے بولا اور آخر میں اسکے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اب میں آپ سے ناراض ہوں اور مانوں گی بھی نہیں۔"

وہ نروٹھے پن سے گردن اکڑا کے بولی۔ یہ ایسے ناز نخرے اٹھوانا اسے اچھا لگتا تھا۔ اور مقابل اللہ کا بندہ نخرے اٹھا بھی رہا تھا تو وہ کیوں باز رہتی۔

"مجھے تو اچھے سے منانا آتا ہے...." اسکی آنکھوں میں آنچ دیتی نظروں سے دیکھتے وہ بولا۔ "آئیس کریم کھانے چلیں؟" اسے تھام کر اس نے پوچھا تو وہ منہ چڑا گئی۔

"اوہہ، ٹھیک ہے صبح منالونگا۔ ابھی نیمل کو لے جاتا ہوں آئس کریم کھلانے.. اتنے دنوں سے میری بہن فرمائش کر رہی تھی کے ونیلا فلیور کھانا ہے وہ بھی میرے ساتھ۔"

بالوں میں ہاتھ چلا کر وہ دروازے تک پہنچ گیا۔ پر کوئی اسکا رسپانس نہ ملا۔ عائشے الٹا ہنسی۔ اسے معلوم تھا نیمل اور اسکے درمیان تھوڑی خفگی چل رہی ہے وہ اس سے یہ فرمائش کر ہی نہ بیٹھی ہو۔

"عائشے چلو۔" اسکی خاموشی کی گہرائی بھانپ کر اس نے انداز تھوڑا سخت کرتے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ مکمل پلٹا اور اسکے سامنے آیا۔

"مسز دمیر! چل رہی ہو کہ اٹھا کر لے جاؤں؟"

"لے جائیں اتنی ہمت ہے تو اے ایس پی مراد دمیر"!

وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا مراد کا دل تھا آئس کریم کھانے کا جب ہی اتنا انسسٹ کر رہا تھا ورنہ وہ خشک انسان اسکے ایک انکار پہ سونے کے لیے لیٹ جاتا۔

مراد اسکے چیلینج پہ لو و دیتی آنکھوں سے مسکراتا ہوا آگے بڑھا تھا عائشے اچھل کے پیچھے ہوئی اور دوپٹہ سر پہ رکھ کر دروازے پہ بھاگ کے پہنچ گئی۔ وہ وہیں کھڑا ہنس رہا تھا۔ عائشے اسکی ہنسی میں پل بھر کو کھوئی۔

"اب چل رہے ہیں کہ نہیں۔" ہوش میں آکر اس نے چٹکی بجا کر پوچھا۔

"دیکھا تمھیں منانا کتنا آسان ہے۔" ہاتھ ہوا میں بلند کرتے وہ مسکرا کر اسے بتاتے ہوئے آرہا تھا عائشے سر جھٹک کیا۔ وہ گہری مسکراہٹ چھپا کے گاڑی کی کیز، موبائل اور والٹ لیتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

جامعہ کی پارکنگ میں اسکی ہیلکس کھڑی تھی۔ وہ کہنی ونڈو پہ جمائے عبدل کا انتظار کر رہا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے سگریٹ کے مرغولے بناتا منہ سے چھوڑ رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ رومائزہ کو منانے کی غرض سے آیا تھا۔ اس سے معافی مانگنے کہ اسے معاف کر دے انجانے میں غلطی کر بیٹھا ہے۔

وہ سوچوں میں گم تھا عبدل چڑھتی سانسوں کو سنبھالتا ہانپتا ہوا اسکے پاس آیا۔

"وہ اندر ہی ہیں۔" عبدل نے سر جھکائے رکھا۔ میران گاڑی کا دروازہ کھول کر اترنے لگا پھر عبدل بول پڑا۔

"مت جائیں۔"

"کیوں؟ کچھ ہوا ہے؟" اسکا لاک پہ جما ہاتھ ٹھہر سا گیا۔

عبدل نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

"دولڑکیاں انکے پاس بیٹھی تھیں... اور۔"

"کیا اور؟ بتا بھی چکو اب۔" وہ کوفت سے جھنجھلایا۔ اسے تو رومائزہ سے ملنے کی تڑپ ہو رہی تھی۔

"وہ انھیں سفیر احمد سے شادی کی مبارکباد دے رہی تھیں۔" عبدل نے آنکھیں میچ کر کہا۔ میران کے گرد سناٹا چھا گیا۔ دنیا لمحے میں گول گھوم گئی۔

"اگر یہ مذاق ہے تو بہت لے ہودہ ہے میں جان نکال لونگا تمھاری۔"

"سائیں آپ پہ جان قربان پر یہی سن کے آرہا ہوں۔ وہ شادی کرنے لگی ہیں۔ آپ سہی کہتے تھے وہ سگے بہن بھائی تھوڑی ہیں۔ آپکا ڈر ٹھیک تھا۔" وہ خشمگیں سا کہہ رہا تھا میران کے ماتھے کی رگیں پھول گئیں۔ وہ اسکے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی تھی۔ اسے کیوں میران کی محبت دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ادا مطلب، نگاہ مطلب، زباں مطلب، بیاں مطلب

بتا مطلب کہاں جاؤں، جہاں جاؤں وہاں مطلب

چھن کر کے اندر کچھ ٹوٹا تھا، لہولہان نگاہیں اس نے جھکا لیں جبڑا سختی سے کس لیا مٹھی بھینچ کر ڈیش بورڈ پہ ماری۔ وہ پوری طرح خود پہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ لمحے وہ ایسے ہی رہا عبدل گاڑی کے باہر کھڑا اسکی شدت دیکھ کر اداس ہو گیا۔

"عزیز میاں سائیں کو تمھاری ضرورت ہے کہاں ہو تم۔ کیا کر دیا تم نے بھی۔" وہ سوچ رہا تھا تبھی جامعہ کے دروازے سے اسے رومائزہ باہر نکل کر آتی دکھائی دی۔

میران کی نگاہیں اٹھتی سیدھا اس پہ گئیں۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار دکھائی دی۔ چہرے پہ اچانک خوشی کے آثار نمایاں ہوئے پر وہ زیادہ دیر ٹھہر نا سکے۔

سفیر گاڑی سے نکل کر اسکے پاس آیا تھا اور کچھ کتابیں اسے تھمائی تھیں۔

"تھینک یو سفیر بھائی اپنی میٹنگ چھوڑ کے آپ مجھے یہ دینے آئے۔" اپنی بات کہتے ہی اسکی زبان تالو سے جا چپکی۔ سفیر بھی خول میں سمٹ کے رہ گیا۔ پھر مسکرا دیا۔

"میٹنگ دو گھنٹے بعد کی ہے اس لیے میں آگیا۔ پر دھیان رکھا کرو۔"

"سوری۔"

"اٹس اوکے۔ رات کو امی بابا کے ساتھ ڈنر پہ چلیں؟" وہ اسکے بھائی پکارنے کی جھینپ کو مٹا کر بولا تو رومانے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ ہوا تیز چل رہی بال بار بار اڑ کے اسکے چہرے پہ آرہے تھے وہ بار بار انھیں پیچھے کر رہی تھی۔ ماسک چہرے کی جگہ اسکی تھوڑی پہ ٹکا ہوا تھا۔

سفیر کے ساتھ اسکو یوں ہنستا مسکراتا دیکھ وہ انگاروں پہ لوٹ گیا۔ رومائزہ کے ہنسنے بولنے سے مسئلہ نہیں تھا۔ نا ہی یہ بات تھی کہ وہ کسی اور لڑکے کے ساتھ ہنس بول رہی، بس اسے سفیر کھٹکتا تھا بری طرح اور وہ اسے رومائزہ کے ساتھ دیکھ کر بلبلا جاتا تھا۔

دل میں اٹھتی ٹھیسوں کی پرواہ کیے بغیر وہ گاڑی سے اتر کے اسکے پاس پہنچا۔

پل بھر کو رومائزہ کی سانس اسے دیکھ کر تھم سی گئی۔

سفیر نے اسے تھامنا چاہا۔

"ڈونٹ۔" وہ غرا کے بولا۔ سفیر نے نتھنے پھلا کر اسے دیکھا۔

"تم بتاؤ گے کہ میں اپنی منگیتر کو کیسے ٹریٹ کروں؟" وہ پھنکارا اور رومائزہ کا ہاتھ اسکے سامنے کیا۔ تیسری انگلی میں ایک انگھوٹی نصب تھی۔ کرب کی لکیریں میران کے چہرے پہ واضح ہوگئیں، اس نے بے یقینی سے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا۔ رومائزہ نے ہنکار کے اسے دیکھا۔ پھر اپنا ہاتھ سفیر کے ہاتھ سے چھڑایا۔ میران کے اندر چھن چھن کر کے کچھ ٹوٹا تھا، مان گمان یقین یا پھر دل۔

میران کو تکلیف میں دیکھ کر اسے عجیب سا احساس ہوا۔ اسے نہیں پتا تھا سفیر نے اسے منگنی کا جھوٹ کیوں بولا۔ یہ انگھوٹی رومائزہ کی اپنی تھی۔ شاید وہ اس سے حساب برابر کرنا چاہتا تھا۔ جتنی تکلیف اس نے رومائزہ کو دے تھی اسے چکانے کی یہ بہت چھوٹی سی کوشش تھی۔

"تمھاری ہمت کیسے ہوئی اسکے بارے میں ایسا سوچنے کی!" وہ غصے میں سفیر پہ بھڑکا۔ رومائزہ بیچ میں عود آئی۔ پارکنگ میں بلکل سناٹا تھا ان تینوں کے علاوہ ایک عبدل ہی بس وہاں تھا۔

"تمھاری ہمت کیسے ہوئی سفیر سے اس طرح بات کرنے کی! شادی ہونے والی ہے ہماری ہے۔ تمھاری کوئی نورِ نظر نہیں ہوں میں، جو تمھارے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔" وہ آپے سے باہر ہوئی۔

جہاں اسکے منہ سے صرف 'سفیر' سننے پہ میران سکتے میں گیا تھا وہیں سفیر کی حالت بھی کچھ الگ نہیں تھی۔ رومائزہ کو صبح ہی اس حوالے سے بتول نے سمجھایا تھا اور اس نے کوشش کرونگی کہہ کر بات ٹال دی تھی۔

"امید کرونگی اب تم میرے سامنے کبھی نہیں آؤ گے۔ نکل جاؤ میری زندگی سے۔ مجھے نہیں ہے تمھاری ضرورت۔ نفرت کرتی ہوں تم سے۔"

وہ دبے دبے غصے میں غرا رہی تھی۔ میران اسکی آنکھوں کے بھنور میں کھو گیا۔ موت کا فرمان سنا رہی تھی وہ، اسکی آنکھوں میں اپنے لیے بے اعتنائی دیکھ کر لڑ کھڑا کے پیچھے ہوا۔ ایک وقت تھا جب رومائزہ شنواری کو اس پہ آنکھ بند کر کے بھروسہ ہو گیا تھا۔ اسکے کردار پہ اسکی محبت پہ مکمل میران جاہ پہ!

"رومائزہ تم جاؤ کلاس شروع ہونے والی ہو گی تمھاری۔" سفیر نے اسے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا تو وہ سر ہلا کے ایک آگ برساتی نگاہ میران پہ ڈال کے چلی گئی۔ اندر جا کے اسے کھانسی کا بہت برا پھندا لگا تھا جسے وہ باہر بڑی مشکل سے روکے کھڑی تھی۔ اسکی سانس لمحوں میں چڑ گئی۔ ان ہیلر اسکے بیگ میں پڑا تھا انوش نے فوراً نکال کے اسکے منہ سے لگا دیا۔ پھر اسکے بعد جب وہ نارمل ہوئی تو ماسک لگا کر کلاس میں چلی گئی۔

سفیر اس سے پہلے کچھ کہتا میران ایک ناگوار نگاہ اس پہ ڈال کے پلٹ گیا۔

"میران صاحب اگر وہ تمھاری محبت تھی تو اب میری ہو گی، تم بھی حق دار ہو اس تکلیف کہ جو تم نے رومائزہ کو دی، تو بھگتو اب۔۔" پیچھے سے اسکی ہانک کو نظر انداز کرتا مٹھیاں بھینچ کر وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ سفیر نے کالی چمکتی ہوئی ہیلکس کو پارکنگ سے نکلتے دیکھا پھر سر جھٹک کے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

بنٹ گیا ہے دل میرا کئی ٹکروں میں

اب تو جینے کی بھی تمنا نہ رہی

میں جو مانگوں ان سے خطائے معافی

وہ کہتے ہیں بار بار نہیں مل سکتی

وہ شریک کر رہا محبت میں کسی اور کو

بتاؤ محبت میں شراکت برداشت نہیں ہوتی

ٹیرس پہ بامبو کی کرسی پہ بیٹھا وہ کافی دیر سے چاند کو تک رہا تھا۔ رومائزہ کی شادی کا سن کر اس کے اندر توڑ پھوڑ ہو چکی تھی۔ ایک لاوا اندر بہہ رہا تھا جسے وہ باہر تک نہیں نکال سکتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اسکی سانسیں چھین رہی ہے، اسکے بغیر جینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے تو اپنی پوری زندگی اسکے ساتھ گزارنے کے خواب دیکھ لیے تھے۔ وہ مانوس ہو گیا تھا۔ اسکو کیسے اپنی جگہ کسی اور کے ساتھ دیکھ سکتا تھا۔ یہ سوچ ہی اسکی جان نکال رہی تھی۔ اندر ہی اندر سلگ رہا تھا مر رہا تھا۔

عبدل اور شمش اسکی فکر پہ اوپر چلے آئے۔ فرید نے انھیں اسکے لیے چائے بنا کر دی تھی۔

عبدل اسکے قدموں میں بیٹھ گیا شمس تھوڑا فاصلے پہ کھڑا تھا۔ میران ان دونوں کی موجودگی سے بے خبر تھا اسکی ساری توجہ چاند کی طرف تھی۔ کتنا خوبصورت تھا یہ چاند اسکی محبت کی طرح پر اسکا داغ جو لوگ نظر انداز کر دیتے تھے، ایسے ہی اسکی غلطی ایک داغ کی صورت اختیار کر گئی، پر ایسا داغ جو معافی کے قابل نہیں تھا؟

بے بسی کی انتہا پہ تھا وہ..

"میران بابا کب تک ایسے بیٹھیں رہیں گے ؟"

شمس نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔ میران نے ان سنی کی۔ شمس نے آگے بڑھ کے ٹیبل پہ چائے کا کپ رکھ دیا۔ میران کی محویت میں خلل آیا اس نے نگاہیں کپ پر جما لی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو عبدل نے فوراً کپ اسکو تھما دیا۔

"سائیں آپکو اس حالت میں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ آپ شیروں کی طرح اچھے لگتے ہیں ایسے نہیں۔" عبدل کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ میران کے لبوں پہ تمسخر سے مسکراہٹ آگئی۔

"جاؤ تم لوگ..." وہ دونوں اسکی حکم عدولی کرتے بیٹھے رہے۔ اور اس ہارے ہوئے جواری کو دیکھنے لگے۔

"میران بابا بہت ہو گیا آپکی یہ اجڑی حالت دیکھی نہیں جارہی ہے۔ بس ایک حکم کریں میڈم کو اٹھا کے پاس سامنے حاضر کر دیں گے۔ پھر آپ ہی ان سے نکاح"...

"عبدل بکواس نہیں۔" وہ عبدل کی بات کاٹتے ہوئے دھاڑا اور پیر کی ٹھوکر سے ٹیبل دور پھینکی۔

"تم لوگ چاہتے ہو کہ وہ مجھ سے مزید نفرت کرے؟ مر رہا ہوں اسکی نفرت کی آگ میں۔" اچانک وہ بپھر گیا تھا۔ عبدل کی بات اسے تپش ہی تو دلا گئی تھی۔

"آپکو ہماری بھی عمر لگ جائے سائیں۔ایسی باتیں نہ کریں۔"شمس تڑپ کے بولا۔میران نے استہزا یہ اسے دیکھا پر کچھ بولا نہیں۔

اسکی جانب سے نادر خاموشی پاکر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں منہ لٹکا کر چلے گئے۔

"یہ سب اس عزیز کی وجہ سے ہوا ہے۔"سیڑھیوں سے اترتا شمس عبدل سے مخاطب ہوا۔عبدل نے جبڑے کس کے اسے دیکھا۔اسکا دل کرتا تو ابھی اسے سیڑھیوں سے پھینک دیتا۔وہ بس اسے گھور کے رہ گیا۔

"تمھیں سائیں کی اتنی فکر کیوں ہے؟"

"کیوں نہ ہو؟میں وفادار بڑے جاہ کا ہوں پر چھوٹے سائیں سے محبت اپنی جگہ ہے۔"

"محبت؟"عبدل طنزیہ پھنکارا۔شمس کو کچھ غلط محسوس ہوا۔پر اپنا وہی سمجھ کے اس نے نظر انداز کر دیا۔

دوسرا دن تھا۔ہفتہ تھا آج انکی کوئی کلاس نہیں تھی تینوں کا آف تھا۔رومائزہ فجر پڑھ کے اٹھی اور کمرے سے باہر آگئی۔سفیر جاگنگ کرکے واپس آیا تھا۔کل کے بعد دوبارہ اس سے بات ہو نہیں سکی تھی۔وہ اسے نظر انداز کرتی کچن میں جانے لگی سفیر نے اسکی حرکت نوٹ کی۔

"کیا تم ناراض ہو؟"

پشت سے اسکی آواز سن کے وہ مڑی۔

"تو کیا نہیں ہوں؟ آپ نے اس سے منگنی کا جھوٹ کیوں بولا"!

"اس میں برائی تو نہیں، ویسے بھی شادی تو ہماری ہونی ہی ہے۔"

"یہ غلط تھا سفیر بھ..."وہ چپ ہو گئی۔

"وہ تمھیں کتنی بھی تکلیف پہنچاتا پھرے پر تم اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتیں۔"اس پہ نظریں جمائے سفیر نے سنجیدگی سے کہا۔رومائزہ نے نظریں پھیر کے ادھر ادھر دیکھا۔لب تر کیے۔

"اس جھوٹ کی ضرورت نہیں تھی۔مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"اوکے آئی ایم سوری..."اس نے غلطی تسلیم کرتے کہا۔

"اٹس اوکے۔ناشتہ کریں گے؟"لہجہ نارمل کرتے اس نے پوچھا سفیر سر ہلا کے اندر بڑھ گیا۔اسے رومائزہ کا انداز بے حد کھٹکتا تھا۔اسے میران سے محبت تھی؟ پر وہ نفرت کی دعویدار تھی۔وہ اسے سمجھ نہیں پایا تھا۔سفیر تو بس اسکا اچھا چاہتا تھا اور کچھ نہیں۔

گیارہ تاریخ تیسرا مہینہ... مراد کی تیاری دیکھ عائشے کو اچھنبا ہوا۔ بڑا مصروف ساوہ بال جیل سے سیٹ کررہا تھا۔ پھر سر پہ کیپ رکھ لیا۔ وردی کے کف لنکس بند کیے۔ پھر صوفے پہ آکے جوتے پہننے لگا۔ عائشے نے کھڑکی سے باہر جھانکا، فجر کا وقت تھا وہ اتنی جلدی جارہا تھا؟ وہ تو رضائی میں گھسے نیند میں خمار آلود آنکھوں سے اسے تک رہی تھی۔ پھر کروٹ لیتے آنکھیں بند کرلیں۔

تیار ہو کے وہ باہر نکل آیا زرپاش کمرے سے باہر نکل رہی تھیں اسے صبح صبح جاتے دیکھ چونک گئیں۔

وہ سلام کرنے انکے پاس آگیا اور پیار سے انھیں خود سے لگالیا۔ وہ کافی دیر ان سے لگا رہا۔

"دعا کریے گا کامیاب لوٹوں"..

انکے بال چومتا وہ پیچھے ہٹا۔ "میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ سلامت رہو ہمیشہ۔" جب جب وہ کیس کے آخری مرحلے پہ ہوتا زرپاش سے اسی طرح مل کے جایا کرتا تھا۔

"بابا سو رہے ہیں؟"

"ہاں، کہو تو جگادوں؟"

"نہیں رہنے دیں انھیں بس بتا دیجیے گا۔"

"مراد بتا کہ جاؤ کیا معاملہ ہے؟ کس پہ ہاتھ ڈالنے والے ہو تم۔ کہیں؟" زرپاش نے اسکا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا۔ مسکراہٹ اسکے چہرے سے غائب ہوئی اس نے انکی آنکھوں میں دیکھ سر ہلایا۔ زرپاش کا ہاتھ اسکے چہرے سے ہٹ گیا۔ وہ شدت سے آگے بڑھ کے انکا ماتھا چوم کے نکل گیا۔ زرپاش جگہ پہ منجمد کھڑی رہ گئیں۔ انکے دل کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔ خود کو سنبھالتے اپنا وجود گھسیٹتی وہ کمرے میں چلی گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں ٹوٹ کر پھسلے۔

"مراد میرے بچے کیا کر رہے ہو تم.." دل میں انھوں نے اسے پکارا۔ وہ انھیں کچھ کہنے سنانے کا موقع دیے بغیر ہی جا چکا تھا۔ انکی آہٹ اور سسکیوں پہ ارباز میر جاگ گئے تھے۔

صبح کی فلائٹ تھی، اپنا بورڈنگ پاس لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی, ہینڈ کیری گھسیٹتی ہوئی اپنی منزل کی جانب چل پڑی تھی۔ ائیر پورٹ پہ سناٹا تھا۔ اس نے اب سیدھا پیرس لینڈ کرنا تھا لوگوں کا ہجوم بے حد کم تھا۔ وہ آگے بڑھ رہی تھی پیچھے سے سیٹی کی آواز پہ رک سی گئی۔ سیٹی جو اسکو روکنے کے لیے ہی بجائی گئی ہو۔

یلدیز نے پلٹ کر دیکھا، اسکے چہرے پہ اطمینان تھا۔

آج پھر وہی مرحلہ تھا، لیڈی پولیس نے پھر اسکی تلاشی لینی شروع کی۔ یلدیز کی سانسیں حلق میں اٹک گیئں۔ جبڑے بھینچ کر وہ کافی دیر انکو تلاشی لیتا دیکھتی رہی۔ انکے ساتھ کھڑے پولیس آفیسر کے چہرے پہ بلا کی سنجید گی تھی۔ یلدیز سے نظریں ملنے پہ وہ اسکی جانب طنزیہ مسکراہٹ اچھال دیتے۔

یلدیز کے لب مانو سکڑ گئے۔

لیڈی نے آگے بڑھ کے اسکے ہاتھ سے بریف کیف چھین کے زمین پہ پھینکنے کے انداز میں رکھا۔ یلدیز آنکھیں بند کر گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو لیڈی بریف کیس واپس بند کر کے اسے تھما رہی تھی۔ طنزیہ مسکراہٹ آفیسر پہ ڈال کے اس نے بریف کیس تھام لیا۔ آفیسر کی شکل پہ بجے بارہ اسے ہنسنے پہ مجبور کر رہے تھے۔ وہ مسکراہٹ روکتی واپس پلٹنے کے لیے ہینڈ کیری کا ہینڈل پکڑنے لگی۔ لبوں پہ گہری مسکراہٹ پھیلی تھی،

"آفیسر تم ایسے ہی یلدیز یلماز کو پکڑ نہیں سکتے۔"

وہ دل میں ناگواری سے پھنکاری۔ کھیل کا کاؤنٹ ڈاؤن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ اگر مراد اپنی ایمانداری میں نمبر ایک تھا تو مقابل زولفقار جاہ تھے جو بے ایمانی میں دو نمبر تھے۔

پیچھے مسلسل فلائٹس کی ہدایتیں بورڈ کی جانب سے کی جا رہی تھیں انکی آواز خاموشی توڑ رہی تھی۔ بالوں کو ایک ادا سے پیچھے کرتے وہ ائیر پیس درست کر رہی تھی اچانک اگلا منظر دیکھ مسکراہٹ سمٹ گئی۔ انگلیاں ائیر پیس پہ جم گیئں۔ جسم نے جیسے جان چھوڑ دی ہو۔ آنکھیں گویا پتھر ہو گیئں۔

گولڈن بالوں والی ایک لڑکی جو بلیک کوٹ پینٹ میں ملبوس تھی حلیہ بلکل یلدیز جیسا تھا، اسکی طرف آرہی تھی۔ خود سے نہیں آرہی تھی بلکہ لیڈی آفیسر اسے اپنے ساتھ زبردستی ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال کر لا رہی تھی۔ جن کے ہاتھ میں ایک کیس تھا۔ اور منظر ابھی مکمل نہیں تھا۔ پیچھے سے جب کوئی دراز قد کا اچھی اٹھان والا آفیسر تیز قدم لیتا ان دونوں کے اطراف سے نکل کر آگے بڑھتا ہوا چلتا چلا آرہا تھا، قدم اسی کی جانب تھے۔

یلدیز کے پیروں تلے زمین اب کھسک گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پولیس اس احاطے میں پھیل گئی۔

لیڈی نے جھٹکے سے لا کر اس لڑکی کو اسکے سامنے چھوڑا۔ وہ لڑکھڑا کے سنبھلی۔ یلدیز نے پھٹی آنکھوں سے غرا کے اسے دیکھا جو بے بسی سے شانوں اچکا رہی تھی۔

"یلدیز یلماز گیم از اوور ناؤ..." لیڈی سے بیگ لے کر اے ایس پی مراد نے بریف کیس کھول کے اسکے سامنے کیا اور ایک ہینڈ کیری جو اس لڑکی کے پاس تھا اسے پیر کی ٹھوکر سے ہلایا۔ دوسرے آفیسر نے اسکی زیپ بھی کھول دی۔

یلدیز آنکھیں پھاڑے ایک نظر اس بڑے سے ہینڈ کیری سوٹ کیس کو دیکھتی پھر بریف کیس کو، دونوں ڈالرز کی گڈیوں سے لدے ہوئے تھے۔

وہ بوکھلا گئی، کپکپی طاری ہوئی۔

حیرانی سے سامنے کھڑے شخص پہ نظر ڈالی۔ سارا پاسہ مراد نے الٹ کے رکھ دیا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں کھڑی تھی۔

خورشید اور باقی حوالدار اسکے ساتھ شامل تمام آدمیوں کو گرفتار کر کے لے آئے جو اس پہ نظر رکھے ہوئے تھے، جس نے اسکی مدد کی اور کیسے وہ اتنے ڈالرز سے بھرے بیگ اندر لانے میں کامیاب ہوئی۔ سب پولیس کی حراست میں لیے جا چکے تھے۔ صبح سات بجے کا یہ وقت تھا۔

"آفیسر نائلہ اریسٹ ہر..." مراد نے کیس بند کر کے سائڈ میں رکھا اور جیبوں میں ہاتھ ڈال کے پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"آفیسر مجھے کس لیے اریسٹ کر رہے ہیں اور یہ سب کیا چل رہا ہے؟" ہوش سنبھالتے اس نے لاعلمی ظاہر کرتے پوچھا۔

"محترمہ آپ سب جانتی ہیں یہ سب کیا ہے۔ بے فکر رہیں میں بنا ثبوت کے کسی کو اریسٹ نہیں کرتا اور آپکا حساب کتاب میرے پاس موجود ہے۔ میں امید کروں گا آپ اپنے منہ سے قبول کریں گی کہ کس کے لیے آپ کام کرتی ہیں۔" مراد انتہائی مؤدب طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ یلدیز نے صبر کا گھونٹ پیا۔

"کسی کو بچانے سے آپکو کچھ نہیں ملے گا، وہ کسی صورت آپکو جیل سے رہا نہیں کروایں گے انھیں اپنا منہ نہیں کالا کروانا۔ سچ سچ سب اگل دیں تاکہ بعد میں ضمیر کسی قسم کی ملامت کا شکار نہ ہو"..

آنکھیں اسکی آنکھوں میں ڈال کر وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔ ائیر پورٹ کا یہ حصہ فلحال سیل کر دیا گیا تھا۔ میڈیا کے پہنچنے سے پہلے وہ اسے یہاں سے نکال لینا چاہتا تھا، ابھی یہ خبر دنیا کے سامنے لانے کے لیے نہیں تھی۔ یلدیز سوچ میں پڑ گئی اسے ہی دیکھنے لگی جسکے چہرے پہ خوبصورت سی مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں عجیب سی چبھن جو یلدیز یلماز کو الجھا رہی تھی۔

وہ حیران تھی آخر وہ کیسے پکڑی گئی!

مراد کو اس سب کی خبر کیسے ہوئی کیسے اس نے کھیل کا رخ ہی بدل دیا

یلدیز کے گرفتار ہونے کی خبر جاہ بنگلے میں قیامت کی طرح ٹوٹ پڑی تھی۔ شمس کو چند لمحوں پہلے کسی کارندے نے اطلاع کر دی تھی کہ اے ایس پی مراد نے اسے منی لانڈرنگ کرتے ہوئے حراست میں لے لیا ہے۔

ذولفقار میران سے یہ معاملہ ڈسکس کر رہے تھے باہر شور سا پیدا ہوا۔

مراد اور نیب کی ٹیم اریسٹ وارنٹ لیے بنگلے میں داخل ہو چکی تھی، ساتھ ہی کئی آفیسرز اور حوالدار انکے ساتھ تھے۔

مراد زولفقار جاہ کے خلاف ثبوت اکھٹے کرنے کے لیے چارج کیا گیا تھا اور آج اس نے اپنا فریضہ انجام دے دیا تھا۔

"کدھر گھسے چلے آرہے ہو؟" زولفقار جاہ ہال میں موجود تھے۔انھیں ایسے بے دھڑک گھستا دیکھ غصے سے سوال کیا۔

"وزیرِ اعلی صاحب باراتی ایسے ہی آتے ہیں۔"

اریسٹ وارنٹ کا پرچہ لیے وہ پھنکارتا ہوا انکے عین سامنے آن کھڑا ہوا اور انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔وہ مضبوطی سے چٹان سا سینہ تانے اسکے سامنے کھڑے رہے۔پر دل کی دھڑکنوں میں ہنگامہ آرائی شروع ہوچکی تھی جو انھوں نے ظاہر ہونے نہیں دی تھی۔

پولیس ہر طرف پھیل گئی، بنگلے میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔میران سارا منظر دیکھ کر سمجھنے لگا۔اس نے سرد آہ بھری پھر چلتا ہوا باپ کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔مراد نے ایک نگاہ اس پہ ڈالی پھر اریسٹ وارنٹ فولڈ کر کے ہاتھ پیچھے باندھ لیے۔

"زولفقار صاحب آپکو کھربوں روپوں کی کرپشن کرنے کے الزام ہم گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

ایک لمحے میں وہ اپنے زرا سے جملے سے انکا سکون برباد کر گیا تھا۔ زولفقار کو لگا کسی نے انھیں گہرے گڑھے میں دھکیل دیا ہوا۔ یہ اے ایس پی اس حد تک کامیاب ہو جائیگا انھیں امید نہیں تھی، اگر زرا سی بھی توقع ہوتی تو وہ اسے کنارے سے لگوا دیتے۔ پر شاید اسکے پیچھے بھی بڑے خاص لوگوں کا ہاتھ تھا جو وہ ٹکا ہوا تھا۔

کسی سرکاری افسر کی اتنی جرت نہیں تھی کہ وہ یوں زولفقار کے بنگلے انھیں اریسٹ کرنے آجاتا پر مراد نے انکے غرور پہ پیر رکھ دیا تھا۔

"فلحال بنگلے میں موجود ہر شخص کو پوچھ گچھ کے لیے گرفتار کیا جائے گا۔"

وہ طنزیہ مسکراہٹ سجائے اطمینان سے کہہ رہا تھا آخری نگاہ اس نے میران پہ ڈالی۔

"میران جاہ آپکو بھی۔" عجیب سا جنون اسکی آنکھوں رونما تھا۔ زولفقار کو ان آنکھوں سے شبہات محسوس ہوئی۔ وہ سر جھٹک کے رہ گئے۔

"جب تک میرا وکیل نہیں آتا اے ایس پی تم کچھ نہیں کروگے۔"

"خورشید اریسٹ کرواانھیں، ساری باتیں اب بعد میں ہونگی۔"

اس نے جبڑے بھینچ کر کہا اور ایک ہتھکڑی لے کر میران کی جانب بڑھا۔

"تمھاری اتنی جرت کے تم زولفقار جاہ کو ہتھکڑی لگاؤ گے۔" وہ پھنکارے۔وہ سمجھ نہیں پائے تھے اچانک ہو کیا گیاہے۔ان سر کاری افسروں کے درمیان کئی بندے انکے اپنے تھے پر سب مراد کے انڈر کام کر رہے تھے۔فلحال کوئی کچھ کرنے کی جرت نہیں کر سکتا تھا۔

"قوم کے مجرموں کو ہتھکڑی لگاناہمارا کام ہے"!

"اے ایس پی دیکھ لونگا تمھیں تو میں۔" وہ کڑے تیور لیے بولے۔خورشید نے ہتھکڑی لگانی چاہی تو شمس بیچ میں عود آیا۔خورشید اور اسکے درمیان بازپرسی ہونے لگی۔بنگلے کے سارے ملازم حیران و پریشاں ہو گئے۔یوں بنگلے پہ ریڈ پڑ جائے گی کسی کہ گمان میں بھی نہیں تھا۔وہ جو ہر افسر کو خرید لیتے تھے ایک نوجوان اے ایس پی کو اپنا پالتو پٹھو نا بنا سکے۔

میران جانتا تھا مراد کے پاس اسکے خلاف ایک ثبوت بھی نہیں،پر جو اسمگلنگ والا واقع ہوا تھا اس کی بناء وہ اسے بخشے گا نہیں۔اسے بھی درمیان میں گھسیٹے گا ضرور۔

میران نے جھک کے زولفقار کے کان میں کچھ کہا۔مراد کی گہری نظریں اس پہ جمی تھیں۔وہ اسکی کہی بات سن نہیں سکا۔گھمبیر تا سے اپنی بات مکمل کر کے میران پیچھے ہٹ گیا۔زولفقار نے فق زدہ چہرہ لیے پلٹ کے اسے دیکھا۔

میران نے سر ہلا دیا۔۔

"بچالونگامیں آپکو بھروسہ رکھیں۔"

وہ انکی آنکھوں میں دیکھ کر بے تاثری سے بولا۔ زولفقار کی بھنوویں سمٹ گئیں۔ وہ بے یقینی کے عالم میں گرفتاری دے گئے تھے۔ میران کی بات انکے دماغ میں سائیں سائیں کرتی گئی۔

میران نے بے زاری سے اپنے ہاتھ مراد کے آگئے کر دیے، مراد نے پچھلی بار کا حساب برابر کرتے ہوئے جتاتی نظروں سے اسے گرفتار کیا تھا۔

"اگر تمھیں لگتا ہے کہ اس بار کوئی آفیسر ابراہیم تمھیں بچانے آئے گا تو ایسا نہیں ہے.. "مراد نے اسکے کان میں سرگوشی کی میران نے مٹھی بھینچ کے اسے دیکھا، ہاتھ میں لگی ہتھکڑی کو پھر زولفقار کی سیدھ میں چل پڑا۔

"میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تمھیں ہتھکنڈے ڈالوں پر تم باپ بیٹوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ جواب تو دینا پڑے گا۔"

سوچ میں مخاطب وہ دوسرے آفیسر کو نیا آرڈر دینے کے لیے آگے بڑھا۔

نیب پہنچتے ہی زولفقار کا وکیل بھی وہیں انکو ملا۔

مراد انکے بعد وہاں پہنچا تھا۔

زولفقار جاہ کو ایک الگ روم میں تفتیش کے لیے بٹھایا ہوا تھا۔ انکی اپنے وکیل سے بات ہو چکی تھی۔ میڈیا پہ زولفقار کی گرفتاری کا زور و شور سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا۔ عوام میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

"مام آر یو فائن ؟" نیمل کے آفس جانے سے پہلے کی یہ بات تھی۔ زرپاش کی ایک نگاہ اسکرین پہ چلتی خبروں پہ تھی اور دوسری ارباز دمیر پہ جو سر جھکا گئے تھے۔

"شی از فائن، بیٹا آپ جاؤ آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔"

ارباز نے اسے پچکارتے ہوئے کہا وہ اطمینان سے ان دونوں سے مل کر چلی گئی۔ اسکے جانے کے بعد ارباز دمیر اٹھ کے زرپاش کے پاس آئے تھے۔ زرپاش نے خاموشی سے انکے کندھے پہ سر ٹکا دیا۔

غضنفر شنواری گھر پہ ہی تھے انھوں نے لاؤنج میں ٹی وی کھول رکھا تھا۔ رومائزہ بتول کے ساتھ کچن میں گھسی تھی۔ خبروں کی آواز باقاعدہ وہاں تک جا رہی تھی۔

"نوے کھرب کی کرپشن اور کئی غیر قانونی اثاثے رکھنے کے الزام میں وزیر اعلیٰ زولفقار صاحب اور انکے صاحبزادے میران جاہ کو انکے بنگلے سے حراست میں لے لیا گیا ہے، نیب اور انکی ٹیم، خاص کر اے ایس پی

مراد دمیر نے انکے کالے دھندوں پہ سے پردہ اٹھایا۔ ذرائع کے مطابق یہ بھی پتا چلا ہے کہ ماڈل یلدیز یلماز کو آج صبح ہی اے پی جماعت کے سابق چیرمین زولفقار جاہ کے پیسوں کی منی لانڈرنگ کرتے ہوئے ائیرپورٹ سے گرفتار کرلیا گیا۔"

نیوز کاسٹر رپورٹ پڑھ کے سنا رہی تھی۔ رومائزہ جو لاؤنج میں آرہی تھی اسکے قدم جم گئے۔

اس نے سانس کھینچ کے خود کو پرسکون کیا پھر اندر آگئی۔ اسکرین پہ مناظر جگمگا رہے تھے۔ میران کے ہاتھ میں ہتھکڑی دیکھ دل میں سیسہ سا پگھلا تھا۔ تیش خود ہی اڈ آیا جسکی بدولت ناک کے نتھنے پھول گئے۔

بے ساختہ اسکی آنکھیں ڈبڈبائیں، کس قدر ملک بھر میں انکی بدنامی ہو رہی تھی۔ نفرت کی لہر اندر تک دوڑ گئی۔ میڈیا پہ یہ بات واضح کی جا رہی تھی میران جاہ پہ کسی کرپشن کا الزام نہیں پھر کیوں اسے اریسٹ کیا گیا؟

رومائزہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ کیا اللہ اب اس سے اسکے کیے کا حساب لے رہا تھا؟ اسکی بد دعائیں قبول ہوگئی تھیں؟ جو بھی تھا مزید وہ اسکے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ پر دل کو دھچکا سا ضرور لگا تھا۔

یہ ایک بند کمرہ تھا درمیان میں میز اور کرسیاں رکھی تھیں۔ میز کے اوپر بلب روشن تھا۔ زولفقار جاہ کے ہاتھوں سے ہتھکڑی راستے میں ہی نکال دی گئی تھی۔

کچھ دیر پہلے کا منظر ذہن میں گھوما۔ جب انھیں اندر لا رہے تھے تو دوسری طرف طفیل کو بھی گرفتار کر کے لایا جا رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ پریشانی صاف جھلک رہی تھی پر جوں ہی اس نے زولفقار جاہ کو دیکھا تمسخر سے ہنستے ہوئے پولیس والوں کے ساتھ انکے قریب آیا۔

"ویلکم ویلکم، آپکو یہاں دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سنا ہے آپکو ہتھکڑی لگا دی تھی۔ کیا ہوا آج باپو کی پرچی کام نہیں آئی؟"

"میرا مشورہ ہے بابائے قوم کی تصویر کا استعمال کریں اور انصاف خرید کے ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جائیں، پر ایک منٹ وہ سر پھرا اے ایس پی ان گرم نوٹوں سے مالا مال ہونا ہی نہیں چاہتا۔ کیا کریں گے اب آپ سائیں؟ پھر جج کو خریدیں گے؟ پر میں بتا دوں یہ مراد بہت ہوشیار بندہ ہے سارے ثبوت اسکے ہاتھ میں ہیں، آپ اپنے اثاثوں کی کونسی پرچیاں دکھائیں گے؟"

طفیل کہ بکواس یاد آتے ہی انکو تیش آیا تھا ٹیبل پہ ہاتھ رکھی مٹھی انھوں نے سختی سے اٹھا کے ٹیبل پہ ماری تبھی مراد اندر چلا آیا۔ ساتھ ہی اسکے نیب کے بڑے عہدے کے افسران موجود تھے۔ جن میں ایک آفیسر ابراہیم بھی شامل تھے۔ جن کی نظروں کا زوایہ ہی کچھ الگ تھا۔ زولفقار غور سے ابراہیم کو دیکھے گئے۔ غصے پہ جبر کیا۔

وہ تینوں انکے مقابل نشستوں پر براجمان ہو گئے۔ زولفقار نے مغرورانہ انداز میں مراد کو دیکھا پھر طنزیہ ہنسی چھپانے لگے۔

"زولفقار صاحب میں امید کرونگا آپ ہمارے ساتھ کارپوریٹ کریں گے۔ ہمیں آپ سے کوئی مسئلہ نہیں ہم بس ملک کا لوٹا پیسہ واپس لانا چاہتے ہیں۔"

آفیسر ابراہیم نرم لہجے میں آرام آرام سے کہہ رہا تھا۔ انکا تعلق نیب سے تھا اور یہ کئی بار زولفقار جاہ کے لیے کام بھی کر چکے تھے۔ انھیں اپنے مقابل پا کر زولفقار کو حیرت نہیں ہوئی تھی پر غصہ چڑھا تھا۔ یہ سیاست تھی کب کوئی رنگ بدلے کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ اپنے تجربے کی بدولت آدھی کہانی وہ سمجھ بھی گئے تھے۔ اور انکا ذہن ابھی تک اسی میں الجھا تھا۔

آفیسر نے ان سے کئی باتیں کیں اور کئی سوالات کیے وہ یک ٹک ٹکٹکی باندھ کر ٹیبل کو دیکھتے رہے۔

"باہر ملک میں فلیٹس اور پاکستان میں جو اپنے کڑوڑوں کی پراپرٹی خریدی ہے آپکے پاس انکے لیگل کاغذات موجود نہیں۔ اور انکے خلاف ہمارے پاس کافی ثبوت ہیں۔ اس بدنامی سے آپکو اب کوئی نہیں بچا سکتا کہ آپ ایک کرپٹ سیاستدان ہیں جنھوں نے اقتدار میں رہ کر خوب ملک کو خوب لوٹا۔ اور اپنی جیبیں بھریں، جسے ملک یا عوام سے کوئی غرض نہیں۔ آپکی ماڈل کو آج رنگے ہاتھوں منی لانڈرنگ کرتے ہوئے پکڑا گیا ہے وہ اعترافِ جرم کر چکی ہیں ہمیں اب آپ سے بھی یہی توقع ہے کہ آپ سب قبول کریں گے۔"

"بلیو می آپکے پاس اب کوئی آپشن نہیں ہے۔ کوئی جج کوئی کورٹ اس کیس کو لمبا نہیں کر سکے گی۔" آفیسر کے خاموش ہونے کے بعد مراد تھوڑی پہ جو انگھوٹا جمائے بیٹھا تھا زولفقار کو مخاطب کرتے جما جما کر بولا۔

زولفقار جاہ اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگے، ان پہ بے چینی طاری ہونے لگی۔

انھوں نے دھیمے سے آنکھیں بند کیں تو میران کا کہا جملہ یاد آگیا۔

"بابا آپ پر یہ لوگ کرپشن ثابت کر دیں گے اور آپ اعتراف کر لیے گا۔ آپکو کرنا پڑے گا میری خاطر، خدا کی قسم میں آپ کو اس سے نکال لونگا لیکن آپ ایک ایک چیز کا اعتراف کریں گے۔" اسکی سرگوشی سن کے زولفقار نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا جس کے تاثرات پتھریلے تھے۔

انکے ماتھے پہ ٹھنڈا پسینہ آنے لگا۔ وہ خود اعتماد شخص تھے۔ خود کو نارمل کیا اور میز پر جھک گئے۔

"یہ سب جھوٹ ہے میرے خلاف سازش کی گئی ہے۔"

انھوں نے صاف مکرتے ہوئے مراد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اس نے سختی سے مٹھی بھینچ لی اور لب کچلا۔

"نہیں یہ غلط کہہ رہے ہیں، ان پہ لگایا ہر ایک الزام سچ ہے۔" سفید کرتا شلوار میں وہ شخص قدموں کی چاپ پیدا کیے دروازہ کھولتا ہوا اندر آیا۔ وہ چاروں چونک اٹھے۔ اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

"میں میران جاہ زولفقار جاہ پہ لگائے کرپشن کے الزام کی گواہی دیتا ہوں اے ایس پی مراد کا ہر ثبوت سچا ہے، زولفقار جاہ نے کرپشن کی ہے، میرے سامنے ہی کئی بار منی لانڈرنگ کا قصہ چلا ہے اور کئی پراپرٹی بابا سائیں

نے میرے سامنے خریدی ہیں کوڑی کوڑی میں جن کی کھربوں کی مالیت تھی۔ اور میں اس سب میں کبھی ملوث نہیں رہا ہوں"..

مضبوط کڑک لہجے میں ترکی بہ ترکی وہ کہتا جا رہا تھا۔ انکے ساتھ ہی بیٹھ گیا، میز پہ کہنیاں جمائے جھکا ہوا تھا۔ چہرے ہر قسم کے تاثر سے پاک تھا۔ زولفقار جاہ نے بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھا۔ اپنی بات کر کے وہ خاموش ہو گیا۔ کمرے میں عجیب سا فسوں طاری تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو میران، اندازہ بھی ہے کتنی بڑی مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔" وہ بھڑک اٹھے۔

"جو سچ ہے میں نے وہی کہا۔" اس نے تو گویا آنکھیں ماتھے پہ رکھ لی تھیں۔ جبڑے بھینچ کر بولا۔ زولفقار جاہ کی بھنویں پھیل گئی۔ حیرت زدہ تاثرات سے اسے دیکھا۔ مراد طنزیہ ہنکارا ان باپ بیٹوں کی گفتگو دیکھ کر.... اور پھر اسکی نگاہیں میران کی نظروں سے ٹکرائیں۔

مراد کو راستے میں علم ہوا تھا میران کی ضمانت پہلے سے ہی کی جا چکی تھی۔ وہ ادارے جیسے ہی پہنچا رخ اس نے آفیسر ابراہیم کی جانب کا کیا، اس کو ان پہ شدید غصہ چڑھا تھا، وہ دو ٹوک ان سے بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اگر یہ سیاستدانوں کے پٹھو اتنا ملک سے وفادار ہو جائیں تو پاکستان کی تقدیر سنور جائے۔

مراد نے دروازہ دھکیل کے اندر قدم رکھا، آفیسر ابراہیم کے سامنے والی کرسی پہ کوئی شخص بیٹھا تھا آہستہ آہستہ جب وہ اسکی جانب مڑا تو مراد کی رگیں تن گئیں۔ وہ اشتعال میں اسکی جانب بڑھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ آفیسر ابراہیم آپ چاہتے کیا ہیں؟" وہ غصے میں مخاطب ہوا۔

"بڑی دیر کر دی مہربان آتے آتے۔" وہ کرسی کو جوتے کی نوک پہ زور لگاتا گھما کر بولا۔ پر سکون طنزیہ انداز۔

"تمھاری ضمانت پہلے ہی کروائی جاچکی تھی، تم جانتے تھے یہ سب؟" وہ اپنی حیرانی چھپا نہیں سکا چبھتی نگاہ سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" مراد کا دماغ پھٹنے کو تھا۔

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"میں نے تمھارے باپ کو پکڑ لیا ہے تمھیں بھی جلد تمھارے گناہوں کی سزا دلواؤنگا۔"

"کونسے گناہ؟" میران مغرور چال چلتا اسکے مقابل آیا۔ آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر پوچھا۔ بارعب انداز۔

"بتاؤ میرے بھائی کس گناہ کی بات کر رہے ہو تم جو مجھ سے سرزد ہو گیا ہے اور سارے میرے خلاف چلے گئے؟"

اب کی بار وہ صرف بولا نہیں تھا بلکہ بڑی بات سے پردہ اٹھانے لگا تھا۔ بھائی لفظ پہ وہ ششدر رہ گیا مراد پہ حیرت گزر گئی، میران نے اسکا شکن آلود ماتھا دیکھا۔

"اے ایس پی مراد ارباز میر!" مراد نے متحیر سے اسے دیکھا۔ ارباز نام پہ میران نے خاصا زور دیا تھا۔ مراد نے سانس کھینچی۔

"ایک منٹ، تم پردے کے پیچھے تھے۔ مدد تم نے کی۔ منی لانڈرنگ کی خبر تم نے ہی کی نا؟"

مراد کے ذہن نے تیزی سے کام کیا۔ وہ کڑیاں فوراً ملاتے بولا۔ میران کی مسکراہٹ بہت کچھ بیان کر گئی تھی۔ آفیسر ابراہیم سر جھکائے مسکرا رہے تھے۔ مراد نے آنکھیں میچ لی۔ دل نے بیٹ مس کی۔

وہ کیسے اسکے ہاتھوں بے وقوف بن گیا؟

"حیران ہو گئے کیا؟"

"حیران کر چکے ہو تم۔" ماتھے سے اس نے پسینہ صاف کیا۔ وہ ہنس نہ سکا حیرت زدہ رہ گیا۔

"اس کھیل کی ایک ایک چال سے واقف تھا، آخر یہ سارا میرا ہی رچایا شطرنج تھا۔" وہ دو قدم اسکے قریب ہوا بہت ہی پر سکون انداز میں مراد کا سکون غارت کر گیا تھا۔

"کول ڈاؤن مراد.. یہاں موجود ہر شخص کا مقصد ایک ہے۔ وہی جو تم چاہتے ہو۔" مراد کو خود پہ افسوس ہوا۔ نہ وہ مسکرا سکا تھا نہ کچھ بول پا رہا تھا۔

"ہمم.. میرے بھائی بہت چھپن چھپائی ہو گئی، بہت تمھیں میں نے ڈھیل دی اب روبرو بات کرنے کا موقع آ گیا ہے۔" میران اسکے کان کے قریب ہوا اور کوئی آہستہ سے مزید کوئی سرگوشی کی۔

"مجھ سے شکوہ تو نہ کرو، تمھاری اس قدر پردے کے پیچھے سے مدد کی میرے احسان کا قرض اب یوں چکاؤ گے؟"

مراد نے چونک کے سر اٹھا کے اسے دیکھا اسکا سارا غصہ وہیں جھاگ ہو گیا تھا۔

اور پھر میران نے کھل کے اس پہ ہر چیز آشکار کر دی۔ مراد بس سن رہا تھا کیسے وہ اسکے ہاتھوں بے وقوف بنا۔ بے وقوف کہنا مناسب نہیں اس نے وہی دیکھا جو میران نے دکھانا چاہا۔

وہ کبھی میران کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

وہ اسے جتنا بے خبر سمجھ رہا تھا وہ اتنا ہی ہر چیز سے باخبر تھا۔ بلکل سب میں مراد کہاں تھا؟ صرف میران تھا۔ جیسے کوئی کٹھ پتلی کا کھیل مراد کے ساتھ کھیل گیا ہو۔ وہ اپنی کامیابی کی خوشی بھی پوری طرح نہیں منا سکا تھا۔ لب پیوست کر لیے۔

"تمھیں پتا ہے مجھے نہیں پسند کوئی مجھ سے ایک قدم آگے رہے پھر چاہے وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو.. میں اپنی جانب سے ہنڈریڈ پرسنٹ دینے کی کوشش کرتا ہوں۔"میران کے لبوں پہ مراد کے تاثرات دیکھ مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ پھر مراد نے طنزیہ قہقہہ چھوڑا۔

"اور اس لڑکی کے ساتھ کیا کیا تم نے ؟اسکی صفائی نہیں دوگے ؟تم نہیں جانتے وہ کتنا تڑپی ہے۔اسکے باپ کی موت نے اسے توڑ کے رکھ دیا۔ ہر چیز کی تم بھرپائی کرنے کے لیے تیار ہو پر اسکو اسکا باپ اسکی خوشیاں لوٹا سکتے ہو؟"

مراد کے لہجے کی کڑک چبھن پہ میران کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔

"میں بے گناہ ہوں۔اسکا گنہگار نہیں۔"پلکوں کی لرزش بڑھنے سے میران اپنی گھنی باڑ اٹھا نہیں سکا۔مراد کو بے ساختہ جھرجھری سی آگئی۔

اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کے سانس بھری۔ کمرے کا چکر کاٹا۔ آفیسر کو دیکھا جو جگہ سے کھڑے ہو رہے تھے۔

"میں نے تمھیں کہا تھا مراد سہی وقت آنے دو تم مجھے ساتھ پاؤ گے یہی ہے وہ وقت۔ کچھ چیزیں ایک دوسرے سے بھی چھپانی پڑتی ہیں۔ اور میں تو میران کی وجہ سے مجبور تھا۔" انکی بات سنتے ہوئے وہ کنپٹی سہلانے لگا۔ میران کے تاثرات پتھر کی مانند ہو گئے۔

"یہ بات اگر تم مجھے بتا دیتے تو کیا ہو جاتا؟" وہ شکوہ کناں نظر اس پہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"یہ چھپن چھپائی کا کھیل تم نے شروع کیا اختتام تو پھر میں نے ہی کرنا تھا۔"

میران نے جتاتے ہوئے مراد نے سر جھکا لیا۔ وہ ابھی تک حیرت زدہ تھا وہ اسکی سوچ سے آگے نکلا تھا۔

"اچھا سہی ہے میں کھل کے بتاتا ہوں ہر ایک چیز.." میران نے اسے حیران و پریشاں دیکھ اسکی آسانی کے لیے کہا۔

"میں جانتا تھا تمھارا انیب سے کوئی تعلق ہے۔" مراد نے لب بھینچ لیے۔ میران کا چہرہ سنجیدہ تھا پر آنکھوں میں رقص کرتی مسکراہٹ مراد کو زچ کر رہی تھی۔

"تھیں یاد ہو گا جب تم نے مارگن کو پکڑا تھا، اسکی لوکیشن تمھیں کسی نے بھیجی تھی۔ تم یہی سمجھتے رہے یہ کام طفیل کا ہے، پر وہ میسج میں نے بھیجا تھا۔

طفیل کو بظاہر میں بابا کے انسسٹ کرنے پہ میں ساتھ لے گیا تھا مجھے وہ بلکل پسند نہیں، پر میں چاہتا تھا وہ وہاں پکڑا ہی جائے پر اسے بابا نے بچا لیا تھا۔ اس نے قبول کیا کہ لوکیشن کا پتا اس نے بتایا ہے تو یاد کرو تمھیں الگ الگ نمبر سے میسج آئے تھے۔ ایک خورشید کو اور ایک تمھیں۔ میں نے تمھاری جگہ خورشید کو میسج چھوڑا تھا۔ بابا آر گینز کی پہلی بار اسمگلنگ کرنے جا رہے تھے اور یہ بات جب مجھے معلوم ہوئی تو میں خود کو انھیں روکنے سے باز نہیں آیا۔"

"تمھارا لاہور آنا اور اس قدر زولفقار جاہ میں انٹرسٹ لینا مجھے کھٹک رہا تھا اور پھر جب میں نے تمھارا بایوڈیٹا نکلوایا تو اس وقت حیران ہونے کی باری میری تھی۔ تم مجھ سے چھپے رہنا چاہتے تھے تو میں نے وہی کیا۔ سوچا تمھارا کھیل جاری رکھوں۔"

"تم بتا دیتے تو تمھارا اتنا نقصان نہیں ہوتا..." مراد بے یقینی کے عالم میں بولا، میران خود کے حال پہ ہنس دیا۔

"تم نے مجبور کیا مجھے شک کرنے پہ، ورنہ میں تو تم پہ آنکھ بند کر کے بھروسہ کرتا تھا۔" میران نے جبڑے بھینچ لیے۔

"بتانا چاہتا تھا پر موقع نکل گیا تھا۔ اگر بابا کو بھنک پڑ جاتی کہ میں کیا کر رہا ہوں تو وہ ساری بازی پلٹ دیتے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اسی لیے سب جیسے چل رہا تھا چلنے دیا۔"

"مجھے ہر ایک بات جاننی ہے۔" مراد نے لب بھینچ کر کہا۔

"سب بتاؤنگا ابتداء سے بتاؤنگا، پھر تم سے بھی تو تمھاری کہانی سننی ہے۔" میران کے لہجے میں نمی سی گھل گئی۔ مراد کی ہمت جواب دے گئی تھی وہ بے ساختہ آگے بڑھا اور اسے خود سے لگا لیا۔

"آئی ایم سوری، میں تمھارے حوالے سے گمراہ ہو گیا تھا"..

اس سے گلے لگ کے اسکے اندر جیسے سکون ہی اتر گیا۔ مراد نے کس کے اسے خود میں بھینچا تھا۔ وہ اس پل کا ناجانے کتنے عرصے سے منتظر تھا۔ میران نے اسکی پیٹ تھپک کے اسے دور کیا۔

"بہت مدد کر چکے ہو تم۔ شکریہ۔"

"ہاں، پر یہ سب کسی وجہ سے کیا ہے۔ اب آخری عمل دخل کا موقع ہے۔"

"نہیں... جو تم چاہتے ہو وہ میں نہیں ہونے دونگا۔ وہ شخص سزا کا مستحق ہے۔" مراد اسکی بات پہ راضی نہیں تھا۔

"ایک شخص کے لیے اس سے بڑی کیا سزا ہو گی کہ اس سے اسکی ہر وہ چیز ضبط کر لی جائے جس سے اسے محبت ہو، زولفقار جاہ کو اپنی دولت سے محبت ہے۔ اپنے نام سے محبت ہے جس کے چھیتڑے ابھی میڈیا باہر اڑا رہا ہے۔"

"اور جب میں انکے خلاف کھڑا ہونگا تو"...

"تم ان سے بدلہ لے رہے ہو؟" مراد کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ میران نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اتنا گیا گزرا نہیں ہوں جو ان سے بدلہ لوں، پر انکو بتانا چاہتا ہوں وہ غلط کر رہے ہیں۔ جس دولت کو عرصے سے جمع کرتے رہے وہ اب سانپ بن کر انکو ڈسے گی۔" تنفر سے کہتے ٹیبل کے پاس جا کر پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے لبوں سے لگا لیا۔

"میں نے یہ کیس اس لیے لیا تھا کہ انکو سزا ہو گی، میں انکو کسی صورت نہیں چھوڑونگا۔ ابراہیم صاحب سمجھائیں اسے آپ۔"

"مراد تم کچھ نہیں کر سکتے یہ بات سب پہلے سے ہمارے درمیان طے تھی۔ ہمیں انکو چھوڑنا ہی ہو گا۔"

"تو پھر تم نے اپنے نام کا استعمال کیا۔" وہ شاکی لہجے میں بولا۔ میران سخت بے زار ہوا تھا۔

"وہ میرے باپ ہیں یہی انکی خوش قسمتی ہے، جو بھی ہو میں انھیں اکیلا نہیں چھوڑنے والا۔ تمھیں اس دولت سے مطلب ہونا چاہیے جو انھوں نے لوٹی۔ اسے ملک میں واپس لاؤ۔ وہ باہر موجود ہر اثاثے سے انکاری ہیں میں نے انکے خلاف جا کے ثبوت جمع کروائے ہیں میں انکی ہر چیز لوٹا دینے پہ آمادہ ہوں جو انکے کالے پیسوں کی ہے

بشر طیکہ بابا جیل سے دور رہیں۔"میران نے اسکے دونوں شانے تھام کر سمجھاتے ہوئے کہا تو مراد سوچ میں چلا گیا۔

"تم بدلے کی آگ میں جل رہے ہو.."میران اسکے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

"چلو..."مراد اسکی بات نظر انداز کرتا کمرے سے نکل گیا۔

میران نے سرد سانس خارج کی۔آفیسر ابراہیم کو دیکھا۔

"اتنا اکڑو ہے مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں۔"ابراہیم نے ہنس کے کہا تو وہ شانے اچکا کر اسکی تقلید میں چلا گیا۔

کالی گاڑیاں پورے پروٹوکول کے ساتھ بنگلے میں آرکی تھیں۔وہ باپ بیٹا شام تک بنگلے لوٹ آئے تھے۔

زولفقار کے پتھریلے تاثرات بتا رہے تھے وہ کسی بھی پل غصے میں پھٹ پڑیں گے۔تمام ملازمین کو دوپہر میں ہی پوچھ گچھ کر کے چھوڑ دیا گیا تھا۔اور انھیں شام ہوگئی تھی۔

وہ ہال میں آکے صوفے پہ بیٹھے۔فرید نے پانی انکے سامنے کیا جسے ہاتھ سے انھوں نے غصے میں دور جھٹکا تھا۔گلاس دور جاکے گرا۔میران کے اندر آتے ہوئے قدم ڈھیلے پڑ گئے۔

"کیا کیا ہے تم نے یہ! تمھاری ہمت کیسے ہوئی میران میرے خلاف جانے کی۔ تم کیسے کر سکتے ہو اتنا بڑا فیصلہ۔" زولفقار دھواں دھواں ہوتے گرج دار آواز میں گرجے اسکا گریبان جکڑ الیا۔ میران نے صبر کا گھونٹ پیا۔

باہر اچانک بجلی کڑکی تھی موسم خراب ہونے لگا۔

عبدل ہاتھ باندھے ڈرتے ڈرتے وہاں انکے درمیان چلا آیا۔

"چھوٹے سائیں وہ آگئے ہیں۔" وہ ہچکچاہٹ سے بولا۔

"بلالو انھیں اندر عبدل۔ بہت خاص مہمان آئے ہیں کھانے کی تیاری بھی کرواؤ۔" اسکے کڑوے لہجے پہ زولفقار نے اسکا گریبان چھوڑا۔ وہ اس سے مہمان کے بارے میں استفسار کرتے کہ اندر ایک عورت چلی آئی۔ انھوں نے نظروں کا زاویہ بدلہ۔

زولفقار کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ نہ ہی سانس لے سکے نہ بحال کر سکے۔ بے یقینی سے وہ سامنے دیکھ رہے تھے۔

زرپاش... زہن میں جھماکا سا ہوا۔ پچیس تیس سال بعد وہ یہ چہرہ دیکھ رہے تھے۔ چہرے کی خوبصورتی مدھم پڑ گئی تھی۔ تھوڑا وزن بڑھ گیا تھا۔

وہ خاتون نہایت سلیقے سے سر پہ دوپٹہ لیے آگے بڑھ رہی تھیں۔ جس کی آنکھوں میں آنسو، بے یقینی، کرب کے کئی نشان تھے۔ کسی مرد نے انکا شانا تھاما تھا جسکے ہم قدم وہ آگے بڑھنے لگیں۔ زولفقار صاحب مراد کو حیران نظروں سے دیکھتے رہے۔

میران نے آگے بڑھ کے انھیں صوفوں کے پاس بلایا۔

"بھائی جان..." اتنے سال بعد روبرو انکا چہرہ دیکھ کر منہ سے بڑی مشکل سے ان لفظوں کی ادائیگی ہوئی تھی، نمکین پانی سے لبریز اشک بہہ نکلے۔

"کیوں آئی ہو تم؟ بدلہ لے رہی ہو مجھ سے؟ بیٹا ہے نہ یہ تمھارا اپنے پیچ ارادوں میں اسے استعمال کرنا چاہتی ہو۔"

اپنی سگی بہن کو اتنے سالوں بعد دیکھنے کے باوجود انکے دل میں کسی قسم کی محبت نے انگڑائی نہیں لی۔ الٹا ناگواری سے گویا ہوئے۔

"بس بابا سائیں ایک لفظ اور نہیں بہت سن لی آپکی باتیں۔"

انکے سخت الفاظ نے زرپاش کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ مراد نے نفرت بھری نگاہ اپنے سگے ماموں پہ ڈالی۔ جبڑے بھینچ لیے۔

"میرے بیٹے کو میرے خلاف کر دیا گیا ہے۔" وہ سمجھتے ہوئے خود سے بولے۔

"کون کسے کس کے خلاف کر رہا ہے آپ سے بہتر اور کون جانتا ہو گا۔ رومائزہ کے ساتھ بھی تو آپ نے یہی کیا۔ چھین لیا نہ مجھ سے سب کچھ.. میری چاہت میرے خواب سب تہس نہس کر دیے۔ صرف اپنی اونچی ناک کی خاطر۔" میران کا لہجے دھیمے سے بلند ہوتا چلا گیا۔ ہال میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔

مراد نے زرپاش کو شانوں سے تھام کے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا وہ باپ بیٹے انکے مقابل تھوڑے فاصلے پہ کھڑے تھے۔

اسکی بات پہ زولفقار نے چونک کے اسے دیکھا۔

"تم نے کیا ہے اسکے ساتھ سب کچھ۔ ہر ایک چیز کا الزام مجھ پہ تم نہیں لگا سکتے۔" موچھ پہ انگلی پھیر کے انھوں نے کہا۔

"بس کر دیں بابا سائیں بس کر دیں، اور کتنا جھوٹ بولیں گے۔ میں سب جانتا ہوں، پہلے مجبوری میں خاموش تھا پر اب نہیں رہونگا۔ مجھے جواب چاہیے آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ آپ جانتے ہیں میں اس سے محبت کرتا ہوں پھر بھی اسے میرے خلاف کر دیا اتنا زہر اسکے دل میں میرے لیے بھر دیا۔"

بل آخر آج اندر کا لاوا باہر اس نے نکال دیا جسے کئی دنوں سے اپنے اندر روکے ہوئے وہ وہ اذیت کے کڑے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"چھوٹے جاہ ہوش میں آو، تم نے کہا تھا وہ لڑکی فارم ہاؤس میں رہے گی۔" وہ اسے یاد دلاتے ہوئے بولے۔ مراد توجہ سے اب انکی بات سننے لگا۔ اسے بھی فلحال سچ کی گہرائی معلوم نہیں تھی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" وہ لفظ چبا کر بولا۔

"تو پھر عزیز نے ایسا کیوں بولا۔ تمھارے وفادار نے دھوکے بازی کی ہے جھوٹا مکار انسان"..

"عزیز پہ مزید بہتان مت لگائیں۔ عبدل عزیز کو اندر لے کر آؤ۔" حکم آمیز لہجے میں اس نے بلند آواز سے کہا۔

"عزیز کو بہت چالاکی سے اپنے مہرا بنا کے میرے سامنے پیش کیا۔" وہ افسوس سے پھنکارا، عزیز اندر چلا آیا۔ تمام فریقین کی نگاہیں اس پہ ٹک گئیں تھیں، کافی دن بعد عزیز میاں کے بنگلے میں درشن جو ہو رہے تھے۔

"چھوٹے سائیں عزیز نے کہا تھا اس لڑکی نے آپ پہ جھوٹا الزام لگایا بہت بد تمیزی کی آپ چاہتے ہیں کہ اسے وہی روک لیں اسے سزا دیں۔" شمس فوراً صفائی دینے لگا۔

"تمھیں تو شرم سے ڈوب مر جانا چاہیے، ساری فساد کی جڑ تم ہو۔ عزیز نے تم سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ عزیز بتاؤ کیا ہوا تھا اس رات۔" میران کی دھاڑ پہ شمس گڑبڑا کے خاموش ہو گیا عزیز ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"اس رات سائیں بہت غصے میں تھے مجھے بھی میڈم پہ غصہ آگیا تھا۔ پر سائیں نے مجھے ایسا کوئی حکم نہیں دیا کہ میڈم کو وہیں روک لیا جائے۔ انکا کہنا تھا کاش وہ اسے کبھی خود سے دور نا جانے دیں۔ کیونکہ کچھ دن بعد ہی میڈم کو وہ گھر بھیجنے والے تھے۔

اول تو میں شمس سے سائیں کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرتا بس اس رات غصے میں تھا تو اسے بتا دیا۔ اس نے بات کا رخ ہی بدل دیا۔ اور بڑے جاہ نے اپنے مقصد کیلیے اس بات کا غلط فائدہ اٹھایا اور بعد میں مجھے مجبوراً سب قبول کرنا پڑا کے میں نے بولا ہے۔"

"بلکل میں بھی بے بس تھا۔"

وہ درد کی شدت پہ قابو پا کر بولا۔ اور ڈھنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا۔ چہرہ ہاتھوں میں لے کر آنکھیں مسلیں۔ زولفقار حیرت و پریشانی کے ملے جلے تاثر سے اسے دیکھتے گئے۔ انکی جھوٹ کی ہنڈیا بیچ چوراہے پر لا کر پھوڑی گئی تھی۔

پل بھر میں میران کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

سب کے چہروں پہ سوالات پڑھ کے اس نے بولنا شروع کیا۔

"وہ رات جب آپ نے مجھ سے ڈیل کی، میں آپکے کمرے میں آیا تھا۔ آپ کمرے میں موجود نہیں تھے اتفاق سے موبائل ان لاک تھا۔ میں مارگن کا میسج پڑھ چکا تھا۔ اسکے بعد میں نے ڈیل کی وجہ سے خود کو بھی مراد کے شک کے دائرے میں کھڑا کیا۔ مراد کو میسج کر کے ریڈ میں نے ہی پڑوائی تھی۔ اتفاق تھا جو طفیل نے بھی یہی کام کیا۔

آپ سے اس رات ڈیل کرلی اسکے بعد میں نیب کے افسران اور آفیسر ابراہیم سے ملا جو کئی بار بابا کے کام آتے رہے صرف اس لیے تاکہ انکا کام آسان ہو جائے،، وہاں طے پایا کہ میں ذولفقار جاہ کے خلاف انکی مدد کرونگا۔ اے ایس پی تو ثبوت اکھٹے کرلے گا پر کچھ ایسی مالیاتی چیزیں بھی ہیں جن کا کسی کو علم نہیں میں وہ سامنے لاؤنگا۔ بابا کرپشن تسلیم کریں یا نہ کریں میری گواہی اہمیت رکھتی تھی۔ خیر مراد مجھ سے پہچان چھپا رہا تھا میں اسکے لیے پردے میں رہا ورنہ جب ٹیم میری شمولیت جانتی تھی تو مراد کو باخبر نہ رکھنے کا کوئی مقصد! میں نے قانون نہیں خرید ا بس ملکا کیا۔ پاکستان میں کوئی کرپٹ لیڈر اپنی پراپرٹی واپس لوٹا دے یہ چھوٹی بات تو نہیں تھی۔"

"زولفقار جاہ کی کالے پیسوں کی بنائی تمام پراپرٹی میں انکے قبضے میں دونگا پر بدلے میں مجھے میرا باپ آزاد چاہیے۔ ہمارے درمیان یہ مک مکا ہو چکا تھا۔ اور کسی کو بھی ان کو جیل میں رکھنے سے مطلب تھا بھی نہیں۔ مقصد پیسوں کی واپسی تھا۔

پھر آہستہ آہستہ میں بابا کے قریب ہوا، وہ جو مجھ سے اپنے کاروباری مسائل چھپانے لگے تھے واپس ہماری درمیان حائل یہ دیوار گر گئی۔ ہماری ڈیل ہوئی تھی کہ میں انکا ساتھ دونگا اور وہ رومائزہ کو بہو کے طور پہ تسلیم کریں گے۔ پر یہ ڈیل صرف لفظی کاروائی تھی ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے کام کر رہے تھے۔ پر میرا ارادہ صرف اپنے باپ کی بھلائی کا تھا پر انھوں نے وہی کیا جو ہمیشہ انکو سہی لگا پھر چاہے اس میں انکے کسی اپنے کی خوشی قربان کیوں نا ہو جائے۔

یقین تو مجھے ان پہ رومائزہ کے معاملے میں کسی صورت نہیں تھا۔ مارگن کو جب پکڑا تو آفیسر ابراہیم نے مجھے اسی لیے اریسٹ نہیں کرنے دیا تھا کہ میں ہی وہ شخص تھا جو سب سے بڑے اسمگلر کو انکے سامنے لایا تھا۔ اسکے بعد مراد تم آفیسر سے باتیں چھپانے لگے پر وہ ہر چیز سے واقف تھے۔

تم مجھے ہی غلط سمجھ بیٹھے، میں بھی دیکھنا چاہتا تھا تم مجھے سمجھ پاؤ گے یا نہیں ورنہ ایک دن تمھیں حقیقت تو معلوم ہونی تھی۔

پھر طفیل نے تم کو یہ بتادیا کہ کسی لڑکی کو میں نے اغوا کرر کھا ہے اور بنگلے تک چلے آئے اس سوال کے جواب کی خاطر۔اورہاں تم لائیبریری کے دوسرے کمرے میں اپنی مرضی سے نہیں گئے تھے میں نے ہی تمھیں موقع دیا تھا۔"

مراد کو یاد آیا وہ دروازہ کھلا دیکھ تجسس کے مارے اندر گھسا تھا۔اور میران کس قدر روکھے لہجے میں اس سے پیش آیا تھا۔تو یہ سب جان کر اس نے کیا تھا!

"تم نے کہا تھا میں تمھیں نہیں جانتا پر در حقیقت تم مجھے نہیں جانتے تھے۔تم فارم ہاؤس پہنچے تمھیں وہاں کوئی سوراخ نہیں ملا کیونکہ میں نے سب رومائزہ کا سامان ہٹوا دیا تھا۔"

"یہ سب تو بعد کی کہانی ہے درمیان میں رومائزہ کا قصہ ہے۔اپنے بابا سے ملنے کی خوشی میں وہ بے حد خوش تھی۔میں نے اس لڑکی کے کئی روپ دیکھے۔وہ کبھی خود کو کمزور ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

مجھے علم ہوا کہ شنواری صاحب گھر اور فیکٹری بیچ رہے ہیں۔رومائزہ کو اپارٹمنٹ سے بے حد لگاؤ تھا۔

میں ان کے پاس گیا تھا اس سلسلے میں ان سے بات کی۔میں نے انکو آفر کی تھی فیکٹر ی بیچ دیں،اور جو پیسے ملیں ان سے نیا کاروبار شروع کر دیں۔اپارٹمنٹ کو بیچنے کا سوال نہیں۔اور قرضا میں ادا کر دونگا اور سود میں بابا سے معاف کروا کے گیا تھا۔

شنواری صاحب اس بات پہ بلکل راضی نہیں تھے وہ قرضا ادا کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا میں کیوں اتنا سب کچھ انکے لیے کر رہا ہوں۔

'میں آپکی بیٹی سے محبت کرتا ہوں یہ وجہ کافی نہیں ہے کیا؟ آپکا ہونے والا داماد ہوں میں۔' بڑے ہی دھڑلے سے لہجہ نرم رکھے اس نے کہا، بے ساختہ احتشام کے لب مسکراہٹ میں بدل گئے۔ 'وہ بڑی مشکل سے راضی ہو گئے تھے۔ میں نے کوئی محبت کی سودے بازی نہیں کی تھی۔ الٹا اپنی محبت میں آکر شنواری صاحب کی مشکل آسان کرنا چاہی تھی۔ وہ رومائزہ کے لیے مطمئن ہو چکے تھے۔ انکا فیصلہ تھا وہ میرا اسکا نکاح کروا دیں گے۔ بابا بھی میرے اور رومائزہ کے رشتے کے معاملے میں کافی حد ٹھیک ہو گئے تھے مجھے بھی اطمینان آ گیا۔

مجھے کام سے اٹلی جانا پڑا اور زولفقار صاحب نے میرے سارے کیے کرائے پہ پانی پھیر دیا۔

'سائیں یہ پیسے شنواری نے نہیں دیے میران بابا نے دیے ہیں۔ اس نے اپنی بیٹی کا خوب استعمال کیا۔ میران بابا کو محبت میں گرفتار کر کے سارا قرضے سے جان چھڑا لی۔ پہلے سود معاف ہوا اور اب یہ قرضا بھی میران بابا نے اتار دیا۔'

میرے اٹلی جانے سے ایک دن پہلے ہی شمس نے عزیز اور میری گفتگو سن لی تھی۔ تب تک سب کچھ ٹھیک تھا پر اسکے بعد سب شیطان کے کھیل کا حصہ بن گئے۔

رومائزہ کو گھر باحفاظت گھر چھوڑنے کی زمہ داری عبدل کو دی تھی۔ عبدل اور عزیز دونوں میرے خاص بندے ہیں۔ مجھے ارجنٹ فلائٹ سے اٹلی جانا پڑا اور بابا کے بھروسے میں رومائزہ کو چھوڑ نہیں سکتا تھا انکے دماغ میں نا جانے کب کیا چل پڑے کچھ پتا نہیں ہوتا۔ اور میری سوچ ٹھیک ہی تھی۔

انھوں انسانیت کی دھجیاں اڑادیں۔ عبدل کی بیوی اور تین سالہ بیٹی کو اغوا کر لیا اور اسے میرے نام سے وہ سب کرنے پہ مجبور کر دیا۔" میران کو آگے بولنا دوبھر ہوا۔

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ زرپاش کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ مراد خود سناٹے میں کھڑا سب سن رہا تھا۔

"شنواری صاحب اسے لینے آئے تھے وہ گاڑی میں بیٹھے اور انھیں بے ہوش کر دیا گیا اور پھر بابا نے آکے رومائزہ کو یہ کہا کے سب میں کروا رہا ہوں۔

وہ یہ بات جانتے تھے ہمارا اس سے پہلے جھگڑا ہوا ہے۔ کیونکہ عزیز نے شمس سے زرا سی گفتگو کی تھی۔

انھوں نے اس بات کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ میں نے پیسے کیا ادا کر دیے میرے باپ کی انا کو گہری چوٹ لگ گئی۔ کتنے ضروری تھے وہ پانچ کڑوڑ؟ میں نے شنواری صاحب کو یہ پیسے دے دیے تھے اب سارا حق انکا تھا کہ قرضا چکائیں یا کچھ بھی کریں۔ اور انھوں نے قرضا چکا دیا بات ختم ہو گئی تھی۔ آپکو پیسے مل گئے پر آپ نے پھر سازش کی۔

آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اسکے ساتھ اتنا برا کرونگا۔اس کی بے وقوفی پہ شدید غصہ آیا تھا مجھے، پر میں نے ایسا کوئی سخت حکم جاری نہیں کیا تھا۔نا ہی کبھی کر سکتا تھا۔

ہر چیز میرے خلاف کر دی کہ میں خود بھی الجھ گیا۔

میں اٹلی میں مطمئن تھا کہ رومائزہ اپنے بابا کے پاس ہو گی۔پھر جب یہاں آیا تو ساری کایا پلٹ گئی۔"میران نے انگلی کی پشت سے ناک رگڑی اور سرخ ڈوروں کو چھوا۔

اٹلی سے واپسی پر وہ بے حد پر سکون تھا۔ہر چیز اسکے کنٹرول میں تھی۔اسکا ارادہ رومائزہ سے ملنے کا تھا۔اسے شادی کے لیے منانا تھا اور اسے یقین تھا وہ مان جائیگی۔

کیونکہ دونوں کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا،رومائزہ کے جذبات سے وہ واقف ہو گیا تھا۔

اسے لگ رہا تھا ہر چیز اسکی سوچ کے مطابق چل رہی ہے پر ایسا کچھ تھا نہیں۔

"تمھاری امانت کا ہم نے خیال رکھا ہے۔"زولفقار نے پہلی بار سر سری سا رومائزہ کا ذکر کرنی کی کوشش کی۔وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ اسکی خوشی کے لیے یہ سب کر رہے ہیں۔

انھوں نے مزید پھر امانت کا ذکر کیا تو میران کی چھٹی حس پھڑک گئی۔ذہن نے تیزی سے کام کیا۔اور پھر انکا اگلا سوال اسکے سر پہ پہاڑ توڑ چکا تھا۔

"چھوٹے جاہ تم نے مجھے اسی کام سے روکا اور خود اس لڑکی کو فارم ہاؤس روک لیا۔" میران اور عزیز سکتے میں چلے گئے تھے۔ پل بھر وہ سمجھ نہیں سکا۔ زولفقار کیا بات کر رہے تھے۔ میران کی حیرت پہ انھوں نے کھل کر بات بتائی جس کا سارے الزام کا ٹوکرا وہ عزیز پہ گرا چکے تھے۔

اتنا اندازہ تھا میران نے ایسا کچھ نہیں کہا وہ عزیز کو پھنسا رہے تھے اور اس طرح اس سے جان بھی چھونٹ جاتی۔

میران نے غصے پہ جبر کرتے ہوئے مٹھی بھینچ لی۔ اسکے کان دہکنے لگے تھے۔ وہ جانتا تھا عزیز ایسی بات کر نہیں سکتا۔ سالوں سے عزیز اور اسکا تعلق تھا۔ اس کے دماغ کے گھوڑے دوڑے۔ 'اوتو شنواری صاحب کے قرض کی ادائیگی کے بارے میں انکو پتا چلا ہو گا' وہ سوچ ہی سکا تھا۔ اور پھر غصے میں عزیز پہ دھاڑا۔

چونکہ عزیز میران کے پلان سے واقف تھا اس نے وہی سب کہا جو زولفقار جاہ کہہ رہے تھے۔ اور میران اسی پہ بھڑکا اور زولفقار کو اس بات پہ یقین دلایا کہ میران نے ہی عزیز سے کہا تھا جس سے وہ پر سکون ہو گئے تھے۔ انکا نام بیچ میں کہیں نہیں آیا۔

رومائزہ کا فارم ہاؤس میں سن کر وہ بنگلے رکا نہیں تھا فارم ہاؤس پہنچا مجرموں کی طرح اسکا سامنا کیا تھا شمس وہاں موجود تھا اسے بھی اپنے مقصد کے تحت اس نے استعمال کیا تھا۔ رومائزہ کو بکھری حالت میں دیکھ اسکا دل ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ بے بسی ہی بسی تھی۔

وہ تو نفرت اگل رہی تھی۔ اور عذاب کا لمحہ وہ جب رومائزہ کے سوال پہ اس نے سر ہلایا کہ اسی کے کہنے پہ سب ہوا۔ شمس یہاں مطمئن ہو گیا تھا اس نے سانس خارج کی۔

میران نے اسے فوراً گھر بھیجوایا تھا وہ خود اس سے اکیلے میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ابھی بھی معاملہ اسکے ہاتھ سے نکلا نہیں تھا۔ اسکے سب سے بڑے گواہ شنواری صاحب تھے جو اسکے حق میں رومائزہ کے سامنے گواہی دیتے اسکی سچائی بیان کرتے اس نے کس طرح انکی مدد کی۔ پر قیامت تب ہوئی جب اسے انکے مرنے کی خبر ملی۔ دل میں جیسے امید ٹوٹی تھی۔ وہ اس قدر مجبور تھا کہ پہلی ملاقات میں رومائزہ کو چاہ کر بھی سچ نہیں بتا سکا تھا۔ اور اس وقت اسے اندازہ نہیں تھا تقدیر دوسرا موقع نہیں دے گی۔ اب وہ بھلا کیسے اسکا یقین کرتی۔ پھر اسکے ہسپتال میں ایڈمٹ ہونے کی اطلاع ملی وہ وہاں پہنچا۔

اسے سفید ہاسپٹل کے لباس اور سفید چادروں سے ڈھکا دیکھ وحشت ہوئی تھی۔ پہلی چار اسے ذوالفقار جاہ سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

پھر سفیر کو دیکھا۔ وہ لڑکا اچھا تھا پر اسے بس عجیب سا محسوس ہوا۔

رومائزہ کی تشویش ناک حالت کی وجہ سے وہ فلوقت سامنا نہیں کر رہا تھا کہیں مزید حالت نہ بگڑ جائے اسکے سنبھلنے کا وہ منتظر تھا۔

وہ سنبھلی تو ایسا سنبھلی کہ میران جاہ کو ہلا کے رکھ دیا اسکی زندگی کی جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔

وہ سفیر شادی کر رہی تھی؟ یہ دوسرا لمحہ تھا اسے باپ سے مزید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ دل کی باتیں زبان پر لا نہیں سکتا تھا۔ جب جب زولفقار سے ملتا اسکو تیش سا آجاتا جس پر اسے قابو کرنا آتا تھا۔ وہ بظاہر نارمل دکھ رہا تھا پر ایک ٹوٹا ہوا انسان تھا جو شکوہ تک نہیں کر سکتا تھا۔

میران نے خیالوں سے نکل کر سانس بحال کر کے سر اٹھایا۔

"میں بابا کے خلاف ثبوت ڈھونڈ رہا تھا ہمیں لازمی معلوم کرنا تھا کہ وہ کب پیسہ باہر بھیجوائیں گے۔ شوگر میل کے ڈاکومنٹس مجھے نکلوانے تھے، جو پرسو ہی مجھے شمس نے نکال کے دیے۔ اور لندن والے فلیٹس کے بھی۔

میں اس قدر حالات کے آگے مجبور تھا کہ یہ شو کرنا پڑا کے ہاں میں نے ہی عزیز کو حکم دیا تھا۔ سارا ملبہ عزیز پہ گرا دیا۔

پہلی بار آپ نے کہا کہ میری امانت کی بڑی حفاظت کی ہے اس وقت میں ٹھٹکا تھا۔ پھر جب بات نکلی تو آپ نے سارا واقعہ سنا دیا اور اسکا سہرا میرے سر پہ سجانے لگے۔ یقین جانیں یہ وہ لمحہ تھا اگر عزیز اور میں سمجھداری سے کام نہ لیتے تو آج آپکے اثاثے نیب کے حوالے نہیں ہوتے۔ میری زندگی کا پہلا ایسا پل تھا جب میں نے اپنے اشتعال پہ قابو کیا تھا اپنے اندر اٹھتے طوفان کو بمشکل ہی روکا تھا۔ یہ کوئی عام بات نہیں تھی میں اپنے باپ کے خلاف جا رہا تھا ثبوت اکھٹے کر کے پر بظاہر یہ سب دکھا نہیں سکتا تھا۔ عزیز کو جب معلوم ہوا آپکی اور میری ڈیل کا تو یہ بہت خفا ہوا تھا۔

میرے کمرے کا وہ منظر تھا جب ہم دونوں کی بحث چل رہی تھی اور شمس باہر کھڑا باتیں سن رہا تھا۔ میں نے بھی اس وقت عزیز کو کسی چیز سے گوش گزار نہیں کیا۔ شمس کے جانے کے بعد اسے اپنے مقصد کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ پر عزیز نے واضح ایسا ہی کیا کہ وہ میران اور زولفقار جاہ کی ڈیل سے خوش نہیں۔

عزیز ہر بات سے واقف تھا اس نے فوراً سارا الزام سمجھتے ہوئے اپنے سر لیا تھا کیونکہ ہم اس وقت آپ سے بگاڑ نہیں سکتے تھے الٹا وہ وقت آپکے مزید قریب ہونے کا تھا۔ میں اپنی جنگ میں ملک سے وفاداری کسی صورت بیچ راستے میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کے بتاتا جا رہا تھا۔ اس نے سانس بھری چہرہ اٹھا جے مراد کی نگاہوں میں دیکھا۔

"اور اذیت کا ایک لمحہ وہ بھی تھا جب میں نے کسی قیدی کی طرح اسے پھڑ پھڑاتے ہوئے وہاں پایا اور خود قبول کرنا پڑا کہ اپنی انا کی وجہ سے میں سب کچھ کر گزرا۔ کیونکہ وہاں بھی شمس تھا اور مجھے اس بات کا انھیں یقین لازمی دلانا تھا۔ بابا سائیں نے اس طرح اس معاملے میں زرا سوچ و بیچار نہیں کی، کیونکہ میں نے وہی کہا جو انھوں نے کہانی گڑر کھی تھی۔ اور وہ مطمئن ہو گئے اور اپنی فتح کا جشن منانے لگے۔ اسی وجہ سے عزیز کو میں نے خود سے دور کیا پر وہ پل پل میرے ساتھ ہی تھا۔ ہم خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے مجھے منی لانڈرنگ کی تاریخ پتا چل گئی جسکے تم منتظر تھے اور میں نے تمھیں میسج کر دیا جسے تم یہی سمجھ رہے ہو کہ طفیل نے بھیجا ہے۔"

مراد کے چہرے سے نظر ہٹا کے اس نے ہتھیلی کو دیکھا۔ وہ انگھوٹے کو ہتھیلی پہ رگڑ رہا تھا، چہرہ کرب کی ضربوں سے آلود تھا۔ زرپاش نے مراد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔ مراد قدم اٹھاتا اسکی طرف بڑھا اور اسکے برابر صوفے پہ بیٹھ کر اسکا کندھا تھپتھپانے لگا۔

ہر ایک پہ اس نے اپنی حقیقت آشکار کر دی۔ کب سے وہ یہ طوفان خود میں سموئے ہوئے تھا۔ مراد کو اسکے بارے میں اپنی غلط سوچ رکھنے پہ افسوس ہوا۔ وہ جی بھر کے شرمندہ ہوا تھا۔ اسے میران پہ ترس آرہا تھا۔ زرپاش اپنے بھتیجے کو دیکھ کر بہت افسردہ ہو گئی تھیں۔

مراد کو اس پہ فخر بھی محسوس ہوا تھا جس نے اپنی ذات کو بھلا کر سچائی کا ساتھ دیا اور میں اسکا کتنا نقصان ہوا۔ زولفقار صاحب اسے ساکت نظروں سے پتھریلے زاویے لیے دیکھ رہے تھے۔

"تو یہ سب تم نے اپنی محبت چھن جانے کے بدلے میں کیا ہے؟" وہ بے یقینی سے برہم انداز میں گویا ہوئے۔ میران نے سر اٹھا چٹختے اعصاب لیے انھیں دیکھا۔

"نہیں یہ سب پہلے سے طے تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اپنے باپ کو کبھی غلط کام کرنے سے روکا نہیں ایک کوشش تک نہیں کی۔ یہ سوچ کر ہی مجھے خود پہ افسوس ہوا۔ میں یہی چاہتا ہوں آپ اپنے گناہوں کا کفارا کر لیں، کئی لوگوں کے آپ نے دل دکھائے ہیں۔ بابا اب بھی وقت ہے سنبھل جائیں۔"

وہ انھیں سمجھاتے ہوئے بولا انھوں نے تنفر سے مراد کو دیکھا پھر نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"میرے لیے آپ سب سے اہم رہے ہیں، پر آپ نے ثابت کر دیا کہ آپکی نظر میں مجھ سے زیادہ دولت کی اہمیت ہے۔ آپکو پیسے سے پیار ہے اپنی اولاد سے نہیں۔" وہ ٹوٹے لہجے میں شکوہ کرتا بولا۔

میران نے زولفقار کی ساری جائیداد جو ناجائز تھی سب نیب کے حوالے کر دی تھی۔ بڑی مشکل سے زولفقار جاہ نے کچھ کاغذات پہ دستخط کیے۔ اس وقت تو انھیں میران کی باتوں سے شاک لگا ہوا تھا۔ اور اب جب ڈیل کی حقیقت کھلی تو وہ مزید صدمے میں چلے گئے۔ ڈیل دونوں نے کی ضرور تھی پر یہ بس ایک نام کی ڈیل تھی۔ ہوا اسکے مخالف ہی تھا۔

"چھوٹے جاہ کھیل تو تم جیت گئے، پر رانی گوا بیٹھے ہو۔" وہ چٹیل انداز میں بولے۔

"آپکو لگتا ہے آپکی دولت چلی گئی آپ ہار گئے، آپکو عہدے سے نااہل قرار کر دیا گیا، جیت میری ہوئی تو ایسا کچھ نہیں ہوا۔ رومائزہ کو مجھ سے چھین کر جیتیں آپ ہی ہیں۔ میں ہی بھول گیا تھا میرا باپ زولفقار ہے جسکے سینے میں دل کی جگہ پتھر دھڑکتا ہے اور اسکی گونج کئی زندگیوں میں آگ لگا دیتی ہے۔ اور اس آگ کی لپٹوں کی زد میں اس بار میں بھی آ گیا ہوں۔"

میران اپنی بات مکمل کر کے صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ زولفقار کو وزیر اعلیٰ کے عہدے سے نااہل قرار کر دیا گیا تھا۔ میران باقاعدہ اب سیاست کا حصہ بن چکا تھا اور ملک سے وفادار تھا تو وزیر اعلیٰ کے عہدے کیلئے اسی کا نام

نامزد ہوا تھا، اب باپ کی ذمہ داری یعنی میران کے کندھوں پہ تھی۔ اے پی جماعت کی کافی بدنامی بھی ہو رہی تھی۔

پر میران کے ذولفقار کے خلاف جا کر اس کارنامے نے اسکی مقبولیت مزید بڑھا دی تھی، اچھے لفظوں میں۔ دوپہر میں ہی میران نے کانفرنس طلب کی تھی جس میں وہ واضح کر گیا تھا حرام کی ایک کمائی جو اسکے باپ نے لوٹی وہ سب لوٹائی جا رہی ہے۔ اس پہ کسی صحافی نے جاہ بنگلے کا بھی ذکر کیا تھا۔

'جاہ بنگلا ہماری خاندانی نشانی ہے، میرے اور میرے دادا کے کاروبار کو بیچ میں لانے کا سوال پیدا ہی پیدا نہیں ہوتا، میں نے ان سب کی کلئیرنس کورٹ میں کروائی ہے۔ ایک ایک چیز کا منی ٹرائل دے چکا ہوں۔' اس نے صاف وضاحت دی۔ شہوار جاہ کی دولت بھی کوئی کم تھوڑی تھی پر جو تھا سب حلال تھا۔ اس نے اپنا بزنس سارا دادا کے بزنس سے ہی جنریٹ کیا تھا۔ یعنی سب شہوار کے جاہ کاروبار سے منسلک تھا۔

صبح سے وہ بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔

میران خود کو بے حد تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ پہلی بار تھا جو اسکا اب اپنے باپ کی شکل دیکھنے تک کو دل نہیں کر رہا تھا۔

"اس معصوم لڑکی کے ساتھ بہت غلط کیا ہے، سمجھیں یہ اسکی آہیں ہیں جن میں ساری زندگی آپ جلتے رہیں گے۔ اسکا باپ اس سے دور چلا گیا، محسوس کر سکتے ہیں وہ کن حالات سے گزری ہو گی"!

میران انکے مقابل آن کھڑا ہوا اور لفظوں پہ زور دے کر بولا۔ زولفقار کی نگاہ بے ساختہ زرپاش پہ گئی تھیں۔ زرپاش اپنے بھائی کو شکوں کناں نظروں سے ہی تو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں انھیں رومائزہ ہی دکھائی دی تھی۔ اپنے لیے بھائی کے دل میں اس قدر نفرت دیکھ اب زرپاش کو کسی قسم کی ان سے امید نہیں رہی تھی۔ انھوں نے پتھریلے انداز سے نگاہوں کا رخ پھیر لیا۔

"آپ نے تو اپنی سگی بہن تک کو نہیں چھوڑا۔ آپکی یہ انا آپکو ڈبو دے گی۔" وہ دھیمی آواز میں نفرت سے بولا۔ زولفقار کے دماغ میں اسکے لفظ ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔

زولفقار جاہ رکے نہیں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ شمس ذہنی کشمکش کا شکار انکے پیچھے ہی گیا تھا۔

میران کی ایسی حالت دیکھ عبدل پاس آیا۔

"چھوٹے سائیں معاف کردیں میں بھی آپکا مجرم ہوں۔ میں آپ سے وفاداری نہیں کرسکا۔" عبدل نے اسکے آگے سر جھکا کے ہاتھ جوڑ لیے۔

"مجبور تھے تم بھی، میری طرح۔" اس نے عبدل کے ہاتھ نیچے کر دیے۔ ذہن میں پرانا منظر لہرایا۔

وہ بنگلے سے فوراً فارم ہاؤس گیا تھا۔ رومائزہ کو بھیجنے کے بعد بے حد دلبرداشتہ صوفے پہ بیٹھ سا گیا۔ حلیمہ بی کی نگاہوں میں اپنے لیے ناگواری زرا نہیں بھائی تھی۔ تبھی عزیز واپس چلا آیا اور عبدل اسکے ساتھ تھا جسے جھٹکے سے اس نے میران کے قدموں میں پھینکا تھا۔

میران نے غصے سے اسکا کالر دبوچا اور سارا معاملہ استفسار کیا۔

"تمھاری ذمہ داری تھی اسے گھر چھوڑ آنا، عبدل تم نے کیا کیا یہ سب!" وہ اسکے چہرے پہ جھکے دھاڑا تھا۔

"چھوٹے سائیں میں بہت مجبور کر دیا گیا تھا۔ شمس نے میری بیوی اور بیٹی کو گھر سے اٹھالیا اور مجھے یہ سب کرنے پہ مجبور کیا۔ میں بہت شرمندہ ہوں، اس گستاخی پہ آپ چاہیں تو میری جان لے لیں۔"

اسکی بیوی اور بیٹی کا سن کر میران غصے سے پاگل ہوا۔ ہر بار عورت بیچ میں بے وجہ پس رہی تھی۔ کیا اسکے باپ کے نزدیک انسانوں خاص کر عورت کی کوئی ویلیو نہیں تھی؟ وہ جو عورتوں ہی عزت میں کمی نہیں کرتا تھا اسکے باپ کی نظر میں عورت کیا کوڑی کی مانند تھی! اس نے اسکا گریبان چھوڑ دیا گردن صوفے کی پشت پہ جمالی۔

پھر حلیمہ بی کو ساری سچائی سے روشناس کروایا وہ اسکی ماں کی طرح تھیں انکی آنکھوں میں اپنے لیے وہ نفرت کہاں دیکھ سکتا تھا۔ حلیمہ بی سناٹے میں رہ گئیں ان کے چھوٹے سائیں نے کتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ چھوٹے جاہ کو غمگین دیکھ انھوں نے فوراً اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ انکا فخر غرور مان سب اس نے سود سمیت لوٹا دیا تھا۔

"آپ نہیں جانتے میں کس مشکل سے گزری ہوں۔ آپکو اقرار نہیں کرنا چاہیے تھا رومائزہ تو یہی سمجھے گی کہ آپ نے یہ سب کروایا ہے۔"

"حلیمہ بی یہ ضروری تھا پر میں اسے سچ بتاؤنگا تو وہ یقیناً میری بات مان لے گی۔ ابھی شنواری صاحب سے ملے گی تو اسکا نظریہ بدل جائیگا۔ میری اور انکی پہلے سے ہی بات ہو چکی ہے وہ جانتے ہی ہونگے یہ سب کس نے کروایا۔"

اس نے انکا ہاتھ چوما۔ حلیمہ بی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ وہ خود بھی آنسوؤں پہ جبر کیے ہوئے تھا۔ پھر اس نے اپنے اگلے قدم سے ان تینوں کو روشناس کروایا تھا۔ سب سے پہلے مراد کے فارم ہاؤس پہ آنے کی اطلاع دی تھی۔ حلیمہ بی نے عزیز کے ہاتھوں رومائزہ کا سارا سامان ہٹوا دیا تھا۔

"اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ وہ انسان کی نیت دیکھتا ہے اور آپکا دل تو ہر قسم کی برائی سے پاک ہے۔"

بیس دن بعد اسے دیکھ انکی آنکھیں خیرہ ہوئیں تھیں۔ اور حقیقت جاننے کے بعد آخر انکے دل کو بھی سکون نصیب ہو گیا تھا۔

زرپاش نے جب میران کی ساری باتیں سن لیں تو اسکے پاس آئیں۔ تھوڑی ہچکچاہٹ میران کو محسوس ہوئی جسے زرپاش نے ختم کر ڈالا تھا۔ بے حد آہستگی سے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا اور ڈوبتے دل، نم۔ آنکھوں سے مسکرانے کی کوشش کرنے لگیں۔ میران نے سر اٹھا کہ انکی آنکھوں میں دیکھا۔ پہلی بار وہ اپنی پھپھی کو دیکھ رہا تھا۔ آہستگی سے اس نے انھیں خود سے لگالیا۔ کئی پل وہ پھپھو بھتیجا ایک دوسرے کے شانے پہ آنسو بہاتے رہے تھے جیسے اس دوری کا ازالہ کر رہے ہوں۔ گل کا لمس اسے ان میں محسوس ہو رہا تھا۔ ویسی ہی خوشبو تھی۔ وہ مزید رو رہا تھا۔ اتنے مضبوط انسان کو پہلی بار یوں پھوٹ پھوٹ کے روتا دیکھ سارے ملازمین غمگین ہو گئے۔ چھوٹے جاہ سے سب کو بے پناہ اپنائیت تھی بے شک وہ کتنا ہی اکھڑ مزاج تھا۔ کسی سے بات نہیں کرتا تھا، پر وہ سب کے بارے میں خبر رکھتا تھا۔ ملازمین اسکی ذمہ داری تھے۔ عزیز کے ذریعے وہ انکی ہر ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔

اسے جذباتی ہوتا دیکھ مراد کے چہرے پہ پھیکا سا تبسم بکھر گیا۔ اس نے میران کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ہر چیز سے وہ تھک چکا تھا۔ اس نے وطن سے وفاداری کے لیے محبت کی قربانی دی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا۔ اتنے دنوں کا لاوا اب ابل گیا تھا۔ ایسا کوئی کندھا چاہیے تھا جو اسے سمیٹ لے پھر سے جوڑ دے۔ سوائے زولفقار کے اسکے پاس اور کوئی رشتہ موجود ہی کہاں تھس؟ باپ سے وہ بے حد مانوس تھا۔ اس نے انکے لیے جتنا کرنا تھا وہ کر گزرا تھا۔

اور خود اب خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔

آہستہ سے زرپاش نے اسے خود سے الگ کیا۔

"چلیں بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" وہ اس قدر آنسو بہا چکا تھا کہ اب سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کمزور تھوڑی تھا پر یہ ملنے والے گھاؤ اب ناسور بن گئے تھے۔ اب اس نے خود کو ہی سمیٹنا تھا۔

"میں یہاں مزید ٹھہرنا نہیں چاہتی، میرا دم گھٹ رہا ہے۔ گھر چل کے بات کریں گے۔ تم بھی ساتھ چلو تمھیں اکیلا نہیں چھوڑونگی میں۔" وہ اسکا چہرہ تھپتھا کر بولیں میران نے چہرہ خشک کیا اور انکا ہاتھ گال سے ہٹا کے چوما۔ وہ مسکرا دیں۔

رات کھانے کے وقت وہ تینوں ڈائننگ ٹیبل پہ موجود تھے۔ رومائزہ اپنے کمرے میں پڑھ رہی تھی۔ غضنفر ٹی وی بند کر کے ہی کھانے کے لیے آن بیٹھے تھے۔

کھانے کے دوران موضوع گفتگو نیوز چینلز پہ چلتی خبریں تھیں۔

"بابا ان سیاست دانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کیا معلوم باپ کا تختہ الٹنے کی کوشش کی ہو اس نے اور کامیاب بھی ہو گیا۔ نام بھی ہو گیا اور کام بھی ہو گیا۔ عوام تو اسے اب ہار پھول چڑھاتی رہے گی۔" سفیر پلیٹ میں چمچ سے چاول بھرتے ہوئے بے زاری سے بول رہا تھا۔ غضنفر نے اپنی کھانے کی پلیٹ پہ جھکا سر اٹھایا۔

"کیا معلوم، پر یہ کام کوئی آسان تو نہیں تھا۔ سب ہی جانتے ہیں وہ اپنے باپ سے کتنا قریب ہے، اسکے باوجود وہ انکے خلاف گیا۔ عوام کو زولفقار کے بند کرنے سے کیا مطلب سب ہی یہی چاہتے ہیں ملک کا پیسہ واپس آئے۔ یہ ملک میں پہلی بار ہوا ہے جو کسی سیاستدان نے کرپشن قبول کی ہو اور پیسہ لوٹایا ہو۔ اور رہی بات میران جاہ کی اس نے صوبے میں کام تو کافی کروایا ہے۔ باقی نیتوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔"

"غضنفر صاحب بند کریں یہ باتیں، اسی شخص نے ہماری پھول سی بیٹی کو اجاڑ دیا ہے یہ نہ بھولیں"!

بتول انکی بات مکمل ہوتے ہی بولیں لہجہ میں کڑواہٹ اور سختی در آئی تھی۔

رومائزہ کے واقعے سے پہلے تک میران انکے اعتبارِ نگاہ سیاست دانوں میں آتا تھا۔ پر اب دل بدل گئے تھے۔ بتول کے کہنے پہ یہ ٹاپک کلوز کر دیا اور کھانے میں واپس مشغول ہو گئے۔

رات کے آٹھ بجے تھے، وہ دمیر ہاؤس میں تھا۔ اس قدر غمگین تھا کہ کسی چیز کی چاہت نہیں بچی تھی۔ غم منانے سے بہتر تھا ان لوگوں سے ملا جائے جن کو اللہ نے عرصے بعد اس سے ملا دیا تھا۔ جو اس سے محبت کرتے تھے، زرپاش کی محبت اسے ممتا کا احساس دلا رہی تھی۔ فلحال اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی میران جاہ ہے جو سب کو جوتے کی نوک پہ رکھتا ہے۔ وہ مظلوموں کا ہمدرد تھا اور ظالموں کے لیے حد درجہ برا۔ انصاف پسند تھا۔ وہ خود کو بے پرواہ سا ظاہر کرتا تھا پر خبر ہر ایک کی رکھتا تھا۔ بچپن سے ہی تنہائی پسند رہا تھا عزیز کے علاوہ اس نے کبھی کسی کو خود کے قریب نہیں کیا تھا۔ اور ایک دائم تھا جو باہر ملک اسے یونیورسٹی میں ملا تھا۔ اس لڑکے نے اسکی جان نہیں چھوڑی تھی۔

مراد نے ارباز دمیر کو آنے کی اطلاع کر دی تھی سجل گھر ہی آئی ہوئی تھی۔ وہ سب لاؤنج میں موجود نیمل کا پسندیدہ ڈراما دیکھ رہے تھے جو لائیو نشر ہو رہا تھا۔

قدموں کی چاپ پہ نیمل کی توجہ لاؤنج کے دروازے پہ گئی۔ وہ جگہ سے ہڑابڑا کے کھڑی ہوئی۔

"ڈیڈ دیکھیں کون آیا ہے۔"

وہ حیرت زدہ صوفے سے گھوم کے باہر نکلی۔ مراد اور زرپاش کے ساتھ میران اندر آیا تھا۔ حسبِ معمول سفید کرتا شلوار زیب کیا ہوا تھا۔ بال جو کبھی جیل سے سیٹ ہوتے تو کبھی وہ بکھرے ہوئے ہی چھوڑ دیتا تھا آج ماتھے پہ گرے ہوئے تھے۔ آستینوں کے کف کہنی تک فولڈ کیے ہوئے تھے۔

نیمل شام سے آفس آنے کے بعد سے خبریں دیکھ رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے ٹی وی پہ دیکھا تھا اسکی کئی تصویرات گردش کررہی تھیں۔ میڈیا اسکی تعریف میں اب پھول جھاڑ رہا تھا جس نے اپنے باپ کے خلاف جا کے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔ اے پی جماعت میں فلحال انتشار پھیل چکا تھا میران کو ابھی اس سب بھی نمٹنا تھا پر وہ کچھ وقت سکون چاہتا تھا۔ اپنی پھوپھو کے بارے میں اسے ہر صورت جاننا تھا۔ وہ لاعلم تھا ہر ایک چیز سے۔

نیمل کی آواز پہ سجل نے چونک کے سر گھمایا، دمیر صاحب اٹھ کر انکے پاس جارہے تھے۔ اور عائشے جو کمرے سے نکلی تھی میران کو دیکھ قدم وہیں رک گئے۔ آخر اس گھر میں چل کیا رہا تھا؟

"یہ ڈیڈ ہیں میرے، ارباز دمیر۔ دمیر انٹرپرائزز کے مالک۔ اور ڈیڈ یہ میران جاہ' آپ جانتے ہی ہیں۔" مراد نے میران کی کہنی پہ ہاتھ رکھا تھا اور دوسرا ارباز کے کندھے پہ۔ اور دونوں کا تعارف کروایا۔ ارباز دمیر نے سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے اس نے تھام لیا تھا۔ رسمی مسکراہٹ سجالی۔ اسکا دل ہر چیز سے اچاٹ ہورہا تھا۔ آج اسے ہچکچاہٹ محسوس ہورہی تھی، اگر وہ دمیر انٹرپرائزز کے مالک ارباز دمیر سے ملتا تو یقیناً اسکا یہ ردعمل نہیں ہوتا، وہ رشتے کی حیثیت سے مل رہا تھا، پھپھا کی حیثیت سے۔

"مراد بھائی آپ انکو واقعی گھر لے آئے۔ میران سر آپکو پتا ہے میں آپکی فین ہوگئی ہوں۔ آپ واقعی ایک رول ماڈل ثابت ہوئے ہیں۔ جو آپ نے کیا ہے اسکے لیے بہت بڑا جگرا ہونا چاہیے۔" نیمل نا جانے کیا کیا ایک سانس

میں بولتی گئی تھی، میران کے چہرے پہ بل آخر اسکی لاعلمی پہ مسکراہٹ آگئی۔ زرپاش اور دمیر کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"بے وقوف لڑکی تمھیں پتا ہے یہ کون ہیں؟" مراد نے نیمل کو کندھے سے تھاما۔ نیمل نے لاعلمی سے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ سجل اٹھ کے انکے قریب آگئی تھی۔

"یہ ہمارا اماموں زاد کزن ہے۔ زولفقار جاہ مام کے سگے بھائی ہیں۔" سجل نے مسکرا کے اسکا مکمل تعارف کیا۔ نیمل کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عائشے جو پیچھے کھڑی تھی اس نے صوفہ تھام لیا۔ حیرت تو اسکی آنکھوں میں بھی اُمڈ آئی تھی۔ مراد نے اسے پاس بلایا نہیں تھا وہ اسکی کنڈیشن سمجھ سکتا تھا۔ وہ میران کو ناپسند ہی کرنے لگی تھی۔ اسکی دوست کے ساتھ جو وہ اتنا برا کر چکا تھا۔

نیمل نے بے یقینی سے زرپاش کو دیکھا جو ہنستے ہوئے سر ہلا رہی تھیں۔

"آپ لوگ مذاق کر رہے ہیں نا؟ یہ بھلا ہمارے کزن کیسے ہو سکتے ہیں؟" وہ شاک میں تھی اور خوش بھی۔

"ہاں بیٹا یہ آپکے کزن ہی ہیں۔ بڑے بھائی سمجھ لیں۔ چلو بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" ارباز نے میران کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے اسے بیٹھنے کا صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے ایک نظر گھر کے جائزے کے لیے دوڑائی تھی۔ اچھا خاصا بڑا بنگلہ تھا یہ۔

"میں نہیں جانتا بابا سائیں نے آپ لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے پر اندازہ ہے وہ ماضی میں کافی برا کر چکے ہیں۔ اس سب کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔"

میران لب ٹھہر ٹھہر کے بولنا شروع کیا۔ عائشے مراد کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ اس نے مٹھی بھینچی رکھی تھی جب کہ اس مٹھی پہ مراد اپنا ہاتھ رکھ چکا تھا۔ وہ ضبط کے مارے سرخ ہو رہی تھی۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ہوا تھا ماضی میں؟ میں نے سنا تھا بابا کی ایک بہن تھیں پر سب کہتے تھے کہ انکا اب کوئی اس خاندان سے تعلق نہیں رہا۔ ممی ہوتیں تو شاید سب بتا دیتیں، میں بے خبر رہا اتنے سالوں نہ ہی خود سے اس بارے میں سوچا کہ اگر کوئی بہن تھیں تو انکا تعلق کیوں ختم ہوا۔ مراد کا بائیو ڈیٹا نکلوایا تب جا کے آپ کا معلوم ہوا کہ آپ شہوار جاہ کی بیٹی ہیں۔"

"جب تم جان گئے تھے تب بھی آ کے پوچھا نہیں؟" زرپاش نے پوچھا تو اس نے مراد کو دیکھا۔

"یہ آپکا بیٹا اپنی شناخت چھپا رہا تھا، بس اسی وجہ سے میں نے پہلے ملنے کی کوشش نہیں کی۔" مراد اسے گھور کے رہ گیا۔ میران نے سر جھٹک دیا۔ زرپاش نے لمبی سانس لے کر ماضی کی ابتداء کی۔

"بھائی جان کے بعد مجھے بھی سیاست میں آنے کا شوق ہوا تھا۔ جسکی بھائی مخالفت کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں انکے ساتھ کھڑی ہوں یا پھر وجہ کوئی اور تھی۔ تمھاری ممی گل ہمارے خاندان سے ہی تھیں، چھوٹی عمر میں بھائی کی ان سے شادی ہو گئی۔ اللہ نے اولاد انکو کافی عرصے بعد نوازی تھی۔ شادی کے فوراً بعد انھوں

نے سیاست میں حصہ لیا تھا۔ شروع شروع میں وہ سیدھی ڈگر پہ چلے پھر خطے میں اقتدار ملنے کے کچھ عرصہ بعد ہی انھوں نے فنڈز وغیرہ کھانے شروع کر دیے۔ مجھے سیاست میں دلچسپی تھی بابا سائیں کی حمایت سے میں بھی بھائی کے ساتھ لگ گئی۔ پر مجھے انکے کالے کرتوتوں کا پتا چل گیا جس کی خبر میں نے ابا سائیں کو کر دی۔ وہ بھائی جان پہ شدید غصہ ہوئے اور ناراض رہے تھے۔ مجھے نہیں پتا تھا میرا بھائی انا کا پجاری ہے۔ ارباز اور میں یونی ورسٹی میں پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے، یہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔

بھائی جان کو اس بارے میں پتا چلا تو انھوں نے مجھ پہ غلط الزام لگا کر بابا کی نظروں میں گرا دیا۔ میں نے صفائی دینی چاہی تھی پر وہ منظر ایسا کھینچ چکے تھے کہ انکی بات سچ لگ رہی۔ خاندان سے باہر بابا سائیں شادی نہیں کرنا چاہتے تھے، میری اس بات پہ کی مخالفت کو بھی بھائی نے الگ رخ کر کے پیش کیا۔

مجھے ارباز سے محبت تھی میں انھیں نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

بھائی محض بدلہ لینا چاہتے تھے۔ میری شادی کروا کے انھوں نے میرا اس خاندان سے رشتہ ہی ختم کروا دیا۔

کم عمر تھی بھائی کی چال بازی سمجھ نہیں سکی، انھوں نے کہا چھپ کے شادی کر لو بعد میں ابا سائیں کو منا لینا۔ بھائی نکاح کے گواہ خود بنے تھے۔

اور جب ہم بنگلے پہنچے تو بھائی نے بابا سے یہ کہا کہ اس نے مجھے مرنے کی دھمکی دے کر مجبور کر دیا تھا۔ میں صفائی دیتی رہ گئی پر بابا کے عتاب سے بچ نہیں سکی۔ انھوں نے سارے رشتے ختم کر دیے۔ بنگلے سے بے دخل

کر دیا۔ وہ اپنے چچازاد بھائی کے بیٹے سے میری شادی کروانا چاہتے تھے مجھے بعد معلوم ہوا۔ اوپر سے بھائی نے انکے سامنے میرا کردار زار زار کر دیا تھا۔ انھوں نے مجھے قبول ہی نہیں کیا اور زندگی سے نکال پھینکا۔

بھائی کو اندازہ تھا بابا کا دل اگر نرم پڑ گیا تو پھر انکے لیے مشکل کھڑی ہو جائیگی۔ انھوں نے ارباز کی نوکری تک ختم کروادی۔ حتی کہ ہمارا لاہور میں رہنا عذاب ہو گیا تھا۔ ہم یہاں سے دوسرے شہر شفٹ ہو گئے۔

کئی سال ہم وہاں رہے سجل اور مراد کو نواز کر اللہ نے گود بھر دی۔ میرے بچے جب آٹھ نو سال کے ہوئے تب انھیں زولفقار بھائی کا پتا چلا کہ وہ میرے بھائی ہیں۔ نیمل گود کی تھی اسے لاعلم ہی رکھا تھا۔ ہم فیصل آباد میں سیٹل ہو گئے تھے۔"

میران انکا چہرہ دیکھ رہا تھا، زرپاش نے بات ادھوری چھوڑی وقفہ لیا۔ لاؤنج میں یہ تین لوگ اب زرپاش کے ماضی سے روشناس ہوئے تھے۔ نیمل، میران اور تیسری عائشے۔ وہ تو شدید حیران تھی۔ لفظ منہ میں دم توڑ گئے تھے۔ زولفقار جاہ سے اسے نفرت محسوس ہوئی تھی کتنا برا شخص تھا وہ، اپنی بہن تک کو اپنے برابر برداشت نہیں کر سکا۔

"ہم فیصل آباد میں خوش تھے، بابا کی اچھی جگہ جاب لگ گئی تھی۔ اور پھر ایک بار پھر زندگی میں زولفقار نامی شخص کا طوفان آیا۔ وہ ہمیں برباد دیکھنا چاہتے تھے، ڈیڈ کی ریپوٹیشن اس آفس میں خراب کروادی۔ انھیں جاب

سے فائر کر دیا گیا اور کوئی کمپنی ڈیڈ کو جاب دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ کچھ زیادہ ہی کھٹک رہے تھے میرے ماں باپ انکو۔

یہ بہت برا وقت تھا۔ سیونگز بھی جلد ختم ہو گئیں اسکول فیس گھر کا خرچہ بچوں کی دوا دارو تک کے لیے ہم محتاج ہو گئے تھے۔ دادی ہمارے اس ساتھ تھیں۔

وہ شوگر کی مریضہ تھیں انکا خرچہ الگ تھا۔ پائی پائی کا ہمیں محتاج کر دیا گیا تھا۔

پھر بھی میرے ماں باپ نے ہمت نہیں ہاری۔ ہوم ٹیوشنز دینا شروع کر دی تھیں۔ دو ڈھائی سال ہم نے اسی مشکل میں کاٹے۔ اور اس وقت سے اب تک زولفقار جاہ کے لیے نفرت ابل رہی ہے۔ وہ انسان کے نام پہ دھبہ ہیں۔"

مراد جبڑے بھینچے ہوئے پتھریلے انداز میں بتا رہا تھا۔ اسکی کنپٹی پہ رگیں تن گئیں تھیں۔ عائشے کی نظر تنی رگوں پہ پڑی اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"اسی لیے تم انکو برباد کرنا چاہتے تھے؟" میران کے سوال پہ اس نے اطمینان سے سر ہلایا۔

"ہاں جس دولت کی خاطر انھوں نے میری ماں کے ساتھ اتنا برا سلوک کیا میں اس دولت کو ہی ان دور کرنا چاہتا تھا۔ ظلم کی انتہا وہ تھی جب نانا کا انتقال ہوا۔ مام کو انکا چہرہ تک نہیں دیکھنے دیا تھا بنگلے کے دروازے پہ ہی انھیں

باہر لا کر جھٹک دیا تھا۔وہ چیختی چلاتی رہیں پر دروازے نہیں کھولے۔ایک اولاد کو اسکے باپ کے آخری دیدار تک سے محروم کر دیا۔میں کیسے بدلے کی آگ میں نہیں جلتا؟ایک عرصہ اپنی ماں کو تنہائی میں روتے دیکھا ہے میں نے، حتی کہ نانا سے پہلے گل آنٹی کی ڈیتھ ہوئی انکی ڈیتھ کی مام کو خبر تک نہیں ہوئی"......

میران نے سختی سے مٹھیاں صوفے پہ بھینچ لیں۔مراد کے لفظ ذہن میں ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔لاؤنج میں موجود ہر ایک کے اشک بہہ رہے تھے۔

"مام نے ہمارے دل میں تمھارے حوالے سے کبھی نفرت نہیں ڈالی۔ہم نے تمھیں تصویروں میں تو کبھی ٹی وی پہ زولفقار جاہ کے ساتھ دیکھا تھا۔تم سے انسیت تھی۔ایک مغرور لاپرواہ سے بچہ۔مام کو تم سے ملنے کی بہت چاہت تھی،اور خاص کر گل آنٹی کے بعد۔"

مراد نے آنکھوں کے کنارے جمع پانی صاف کیا۔زرپاش اور ارباز کی آنکھیں خشک تھیں بس باقی وہ سارے آبدیدہ ہو گئے تھے۔میران نے زرپاش کے ہاتھ تھام لیے۔

مراد نے بات جاری کی۔

"دو ڈھائی سال کے بعد میرے تایا نے جو وراثت کی زمینیں اپنے قبضے میں کر رکھی تھیں بیمار ہونے کے بعد انھیں بیچ کر ڈیڈ کو انکا حصہ دیا۔وہ اچھی خاصی رقم تھی جس سے ڈیڈ نے کاروبار شروع کر دیا۔ایک چھوٹی سی فیکٹری لگائی تھی۔اس وقت ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا وہ ننھا سا پودا کئی سال بعد درخت بن کر سب کو

کتنے پھل دے گا۔ اللہ نے بل آخر آہستہ آہستہ مشکل وقت سے نکال لیا۔ اور دس بارہ سالوں میں ارباز دمیر نے پوری انٹرپرائز کھڑی کر دی۔ جو نام زولفقار نے انکا خراب کیا تھا اللہ نے دوگنی عزت میرے باپ کو عطا کی۔ ہم لاہور سے دور تھے زولفقار جاہ نے پھر کبھی پلٹ کے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ اب کچھ عرصہ پہلے ہی ہم لاہور شفٹ ہوئے اور لاہور میں بھی ڈیڈ نے برانچ کھول لی۔"

مراد نے بالوں میں ہاتھ چلا کے بات مکمل کر لی۔ عائشے نے نامحسوس انداز میں مراد کے کندھے کے قریب سے شرٹ دبوچ رکھی تھی۔ وہ آہستگی سے اسکا کندھا سہلانے لگی۔

میران نے چٹختے اعصاب سے کنپٹی سہلائی۔ آنکھوں کے گوشے سرخی میں مائل ہو گئے تھے۔ عائشے بغور اسی دیکھتی رہی۔

سفید رنگ اس پہ بے حد کھل رہا تھا۔

"میں کسی بھی ظلم کا ازالہ نہیں کر سکتا۔" وہ بمشکل بولا۔ نیمل تو آنسو بہا رہی تھی۔ وہ چھوٹی تھی اس نے اچھے برے حالت دیکھے تھے پر معلوم نہیں تھا کہ انکے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ ارباز دمیر نے اسے خود سے لگا کے خاموش کروایا سجل اسکی پیٹ تھپکنے لگی۔ اس نے بانہیں سجل کے گلے میں ڈال کر پھر رونا شروع کیا۔ سجل نے گھور کے اسے ٹھوکا مارا۔

"تم میری گل کے اکلوتے پھول ہو۔ مجھے بہت شوق تھا اپنے بھائی کے بچوں کو گود میں کھلانے کا، اکلوتا ہی تو میرا بھائی تھا اور بھتیجا بھی میرا اکلوتا ہی ہے۔" زرپاش کے انداز میں بے پناہ محبت جھلک رہی تھی۔

"آپکو مجھ سے کوئی شکوہ شکایت تو نہیں میں اتنے سال بے خبر رہا ہوں"..

"مجھے تو اپنے بھائی سے بھی اب کوئی شکوہ نہیں۔ تم تو میرے لیے میری اولاد کی طرح ہو کیسے تم سے شکوہ ہو گا۔ تمھاری پیدائش پہ گل نے خاموشی سے خط لکھ کر مجھے بھیجا تھا۔ وہ فیصل آباد کا ہمارا پتا جانتی تھی۔ تمھاری ولادت کا سن کر میں بہت خوش تھی بڑی تڑپ تھی تم سے اور گل سے ملنے کی جو میں نے دبا کر رکھی۔ اپنی وجہ سے گل کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

گل کا ذکر کرتے ہوئے اب زرپاش کی آنکھیں بھیگ گئیں میران نے انھیں خود سے لگایا۔

"یہی تقدیر میں لکھا تھا۔ پر اب میں ہوں آپکے پاس۔ آپکی گل کی آخری نشانی۔" اس نے عقیدت سے انکا ہاتھ چوما۔ زرپاش بھیگی آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔ گل اور زرپاش کی گہری دوستی تھی پھر وہ بھابھی بن کے جاہ بنگلے آ گئیں تو وہ دونوں بہت زیادہ ایک دوسرے سے اٹیچ ہو گئی تھیں۔

"انکل میں آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں۔"

میران نے رخ ارباز کی طرف کیا۔

"اسکی ضرورت نہیں۔اب ہماری بیگم خوش ہیں یہی کافی ہے۔"انھیں ہلکے انداز میں کہہ کر میران کے دل سے بوجھ کم کیا۔

"اچھا اب اسکو تو سنبھالے کوئی،مام دیکھیں اسے۔"

سجل جھنجھلا کر بولی۔نیمل نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھایا۔

"مجھے یہ سب کیوں نہیں بتایا آپ لوگوں نے؟میں اس گھر کی فرد نہیں ہوں کیا؟"

"تمھیں ہم کچرے کے ڈھیر سے اٹھا کر لائے تھے۔"

مراد نے لقمہ دیا۔

"ڈیڈ"...

وہ مچل گئی۔یوں ماحول کچھ ٹھنڈا ہوا۔سب کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی بس عائشے گم سم سی بیٹھی تھی۔مراد اکیلے میں اس سے بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"تم سجل ہو؟"!

میران کے سوالیہ انداز پہ سجل نے تیور چڑھائے۔

"آپی بولو ہم سے بس دو تین سال ہی یہ بڑی ہیں پر آپی ہی بولنا ہے۔ ہم لوگ مام کی پرانی البمز بچپن میں دیکھتے تھے، اس میں گل آنٹی اور نانا کی کئی تصاویر تھیں۔ اور تم کو بڑے اشتیاق سے ٹی وی پہ دیکھتے تھے۔"

"سجل میران جاہ ہمارا کزن ہے کیا اسے ہمارے بارے میں علم ہو گا؟"

سات سالہ مراد نے لاشعور انداز میں پوچھا تھا۔ بھوری بڑی آنکھیں، بھرے بھرے گال، ال عنابی ہونٹ۔

اسکے صرف سجل کہنے پہ سجل نے گھور کے اسے دیکھا تھا اور سر پہ چت لگائی۔ یہ دس سالہ سجل تھی جس کے بال باب کٹ ہوئے تھے۔ خوبصورت سبز آنکھیں اور دودھیہ رنگت۔ وہ دونوں خوبصورتی میں بلکل اپنی ماں پہ گئے تھے۔

"خبردار جو سجل کہا۔ آپی بولا کرو سمجھے!" وہ آنکھیں دکھا کر بولی اور تصویریں الٹنے لگی۔

"اگر میران ہم سے ملا تو وہ تو تم کو آپی نہیں بولے گا۔" مراد نے اپنی طرف سے بڑی چالاکی سے کہا۔

"میں اسے بھی تھپڑ لگاؤنگی اگر اس نے مجھے آپی نہیں کہا تو۔" اس نے سختی سے کہا جس پہ چھوٹا مراد بڑا بدمزہ ہوا اور چہرہ پھیر برے برے کے منہ بنائے تھے۔

مراد کے بچپن کی بات بتانے پہ سب ہنس پڑے۔ اور سجل کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے تم نے تو سہی دہشت مچا رکھی ہے۔ بول لونگا میں آپی۔" میران نے بڑے ہی احسان کرنے والے انداز میں کہا سجل اسکا مغرور چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"سجل کھانا لگاؤ سب بھوکے ہی ہیں۔ اور میران تم نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا ہو گا۔" وہ سب کے بھوک کے احساس سے بولیں۔

"میں بس جاؤنگا اب، مجھے بس یہی جاننا تھا کہ ماضی میں کیا ہوا کیوں پھپھو کا تعلق ہم سے ختم ہوا۔ میں ڈرتا ہوں بابا کے انجام سے، انھوں نے کئی لوگوں کا دل دکھایا ہے، مظلوم کی آہوں کا حساب رب ضرور لیتا ہے۔ ویسے تو ماں باپ بچوں کو راہ راست پر لاتے ہیں پر یہاں الٹا ہے۔ پر فرض میرا بھی ہے کہ میں کوشش کروں انھیں سیدھا رستہ دکھلاؤں۔ بعد میں مجھے کوئی گلٹ نہ رہنے کہ میں نے خود بھی انھیں برائی اور غلط کاموں سے روکا نہیں، حرام آنے دیا۔ مجھے یہ قدم پہلے اٹھا لینا چاہیے تھا۔ جب سے مجھے اس بات کا احساس ہوا میرے دل پہ بوجھ سا بن گیا تھا جو آج جا کے اترا ہے۔ حرام کو میں نے خود سے بہت دور رکھا تھا پھر بھی اسکی بو مجھے ستاتی تھی۔ غلط کام وہ کرتے تھے بے چین میں رہتا تھا۔" زرپاش نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

"اللہ تمھیں اسکا اجر دے گا۔"

"ہمم..." وہ خاموش ہو گیا۔ پھر وہی سرد مہری اس پہ طاری ہو گئی تھی۔ زرپاش اور مراد تو اچھے سے سمجھ گئے تھے۔ وہ رومائزہ کی وجہ سے پریشان تھا۔ باقی کم گو طبیعت کا وہ مالک تھا، یہ احساس بھی انکو ہو گیا تھا۔

"پتا ہے مجھے پہلے بابا سے کبھی نفرت نہیں ہوئی پر انھوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ میری بے پناہ محبت کا انھوں نے یہ صلہ دیا۔" وہ اب دھیمے دھیمے ان سے مخاطب تھا جو اطمینان سے سن رہی تھیں۔

"میں رومائزہ سے بات کرونگی تم پریشان مت ہو۔"

"نہیں، وہ نہیں سمجھے گی۔ وہ آپ لوگوں کو کہیں غلط نہ سمجھے۔ میں خود اس سے بات کرونگا۔" اس نے سنبھل کر کہا۔ زرپاش سر ہی ہلا سکیں۔

"آج سے میرے دو بھائی ہیں۔ ایک مراد بھائی اور دوسرا آپ۔" نیمل چہک کر جگہ سے اٹھی تھی۔ اور پھر شکوہ کناں نگاہ مراد پہ ڈالی۔

وہ میران کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"بلکہ میرے ایک ہی بھائی ہیں۔" وہ نروٹھے پن سے میران کا بازو پکڑ کے بولی۔ میران نے اسکی خفت بھری نگاہوں میں دیکھا اور پھر مراد کو جو مسکرا رہا تھا۔

"مراد سے کیوں ناراضگی چل رہی ہے؟" سجل نے بھنوا چکاتے اس سے پوچھا۔

"کیونکہ.." وہ بولتے بولتے رک گئی۔ میران بات کی گہرائی بھانپ گیا تھا۔ فون جیب میں وائبریٹ ہو رہا تھا اس نے نکال کے دیکھا تو دائم کالنگ کا نوٹیفکیشن اسکرین پہ جگمگا رہا تھا۔ اس نے کال بند کر دی۔ ساتھ ہی میسج کی نوٹیفکیشن زیرِ لب پڑھی۔

"میران صاحب اگر اپنے رشتے داروں سے ملنا ملانا ہو گیا تو پلیز اس بد دماغ اے ایس پی سے میرے رشتے کی بات کرو۔ اب تو سہی وقت آگیا ہے نا!!!" لفظوں میں بھی بے تابی ظاہر تھی۔

"حد ہے..." میسج پڑھ کے میران نے موبائل جیب میں ڈال دیا۔ مراد کو اشارا کرتا کھڑا ہو گیا۔

وہ دونوں لان میں آگئے۔ رات کی تاریکی میں چاند کی روشنی آسمان پہ پھیلی تھی دور دور تارے ٹمٹما رہے رہے تھے۔

"نیمل اور دائم کے رشتے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ مجھے معلوم ہے پہلے تمھارے انکار کی وجہ کیا تھی۔" میران صاف گوئی سے کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ مراد نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

"اسکو بولو رشتہ لے کر آئے! تم سے کیا زبانی کلامی کروا رہا ہے۔" مراد اکھڑ کے بولا تو میران ہلکا سا مسکرا دیا۔

"کہاں جاؤ گے؟"

"بہت کام ہیں ابھی۔وزیر اعلی کی زمہ داری میرے سر پہ ہے۔پہلے تمام اراکین کو اکھٹا کرونگا۔پارٹی میں انتشار پھیلا ہے۔جتنے کرپٹ لوگ موجود سب کو پارٹی سے نکالونگا۔۔"

سامنے لان پہ نگاہ ڈالے اس نے کہا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں"..

"نہیں ہو تم ٹھیک.. میرے سامنے دل ہلکا کر سکتے ہو۔میں نے تمھیں شروع سے اپنا بھائی ہی مانا ہے تم پہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔"میران نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم نے خود میرے دماغ میں شک کا کیڑا پیدا کیا..مجھے ایسے مت دیکھا کرو۔"اسکی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کروہ جھٹ بولا۔

"ہاں تو، تم نے شک کیا سامنے سے آکر ایک بار پوچھ لیتے شاید میں بتا دیتا پر تم کو تو جاسوسی کرنی تھی انوسٹیگیشن کرنی تھی۔اسمگلر کے ساتھ دیکھ کر لمحوں میں میرے بارے میں رائے بدل لی۔اور اس طفیل کی باتوں پہ یقین کر لیا۔"اسکے برہمی سے کہنے پہ مراد نے سر کھجایا۔

"سوری یار"...

"تمھیں رومائزہ کو سچ بتا دینا چاہیے۔" تھوڑے وقفے سے مراد نے کہا۔

"وہ یقین نہیں کرے گی۔" اسکو لے کر میران کے دل میں خوف بیٹھ گیا تھا۔

"کیوں نہیں کرے گی؟"

"تم نے کیا تھا؟ تم بھی وہی سب سمجھے جو اس نے سمجھا۔"

"میری بات الگ ہے اب بھی تو یقین کیا ہے نا۔ پہلے سچائی معلوم تھوڑی تھی۔ ہم سب تصویر کا۔ ایک رخ دیکھ رہے تھے دوسرا تم نے دکھایا ہے۔ اسے بھی دکھاؤ یقیناً مان جائیگی۔"

اسکی پر یقین بات سن کر میران کچھ بولا نہیں۔ وہ بظاہر نارمل لگ رہا تھا پر اندر جو آگ اسے جھلسا رہی تھی مراد اس سے واقف تھا۔

"بہت محبت کرتے ہو اس سے؟" مراد نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ میران نے جواب نہیں دیا۔ جواب کی ضرورت تھی ہی کہاں۔ اسکے ہر عمل سے رومائزہ کے لیے محبت جھلکتی تھی۔ اسکی آنکھوں میں کرب بتا رہا تھا وہ کتنی تکلیف میں ہے۔ عجیب سی بے چینی ان مضطرب نگاہوں میں تھی۔

وہ اس سے مل کر جانے لگا تھا زرپاش لان میں آگئیں۔

"میران ذولفقار بھائی ٹھیک ہونگے اس سب کے بعد؟ انھیں تو گہرا صدمہ لگا ہوگا۔" وہ متفکر ہوئیں۔

"نہیں پھپھو انھیں کچھ نہیں ہو گا۔ وہ اب بھی کوئی سازش رچ رہے ہونگے۔ اور آپکو اب بھی انکی فکر ہے حیرت ہے۔" وہ باپ سے شدید خائف تھا۔

"اللہ معاف کرنے کے کو پسند کرتا ہے۔" وہ مختصر ہی بولیں خاص کر مراد کو واضح کیا تھا۔ پر اس نے ان سنی کر دی۔

"میرا دل اتنا بڑا نہیں انکو معاف کر سکوں، دنیا میں ایک انھوں نے گل کے بعد پیسے سے پیار کیا اور دوسرا مجھ سے، پر افسوس دولت کے نشے میں انھوں نے میری خوشیوں کو کچل دیا اور فوقیت مجھ پہ پیسے کو دی۔ میرے لیے انکی ذات سب سے زیادہ اہم رہی ہے، وہ میرے باپ ہیں میں نے آخری حد تک کوشش کی انکو بچانے کی اور کامیاب بھی ہوا پر وہ میرے ساتھ کیا کر گزرے انکو اندازہ بھی نہیں ہے۔ انھیں اس چیز سے فرق ہی نہیں پڑتا۔" بولتے ہوئے اسکی کنپٹی کی شریانیں پھولنے لگیں۔ سانس بحال کر کے اوپر آسمان کو دیکھا۔

"میں محبت میں بہت آگے نکل چکا ہوں واپسی ممکن نہیں، اور اسکے ساتھ ہی اس سفر میں آگے بڑھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔" زرپاش اور مراد سنگینی سے اسکا سنجیدہ چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"مجھے ہر صورت میں رومائزہ شنواری چاہیے تھی۔ وہ راضی بھی تھی۔ مجھ سے خوش بھی تھی، پر سب بگڑ گیا۔ اب وہ صرف بدگمان ہے۔ اپنے باپ کا قاتل بھی مجھے ہی ٹھہراتی ہے اور اسکی آنکھوں میں بے اعتنائی اور نفرت مجھے مار کے رکھ دیتی ہے۔ وہی آنکھیں وہی دل جو کبھی مجھ پہ بھروسہ کرتا تھا آج نفرت سے لہولہان

ہو گیا ہے۔" وہ ٹوٹے ہوئے دل سے کہہ رہا تھا۔ مراد نے اسے تسلی دینا چاہی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ اب جب آؤنگا تو دائم کے لیے نیمل کا ہاتھ مانگنے آؤنگا۔ وہ میرے چھوٹے بھائی کی طرح ہے۔ میں نے اسے قریب سے پرکھا ہے نیمل کے لیے اس سے بہتر شخص اور کوئی نہیں۔"

"وہ تمھارا دوست ہے تم اسے جانتے ہو یہی کافی ہے۔" مراد نے کھسیانے پن سے چور نظروں سے اسے دیکھ کر کہا زرپاش دھیرے سے ہنس دیں۔ میران نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا تھا اور سر جھٹک کے ہلکے پھلکے انداز میں دھیما سا مسکرایا، سانس بحال کر کے سر میں ہاتھ چلا کر بال درست کیے تھے۔

"میں تمھارے ساتھ چلوں؟"

"کیا ہو گیا ہے اے ایس پی تمھیں؟ زچ کر رہے ہو مجھے۔ اتنی لغویات کی مجھے عادت نہیں ہے۔" میران ایک دم جھاڑ پلاتے ہوئے بولا تو مراد خاموش ہو گیا۔ زرپاش اندر جا چکی تھیں۔

"تم اپنی بیگم کو سنبھالو، نا جانے وہ میرے بارے میں کیا مینارِ عظیم بنا کر سوچ رہی ہو گی۔" میرام اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ مراد نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ باہر گاڑی تک اسے چھوڑنے گیا تھا۔

مراد کمرے میں داخل ہوا تو وہ بیڈ کے آگے چکر کاٹ رہی تھی۔ مراد نے تحمل سے اسے دیکھا پھر صوفے پہ جا کے بیٹھ گیا۔ کیس تو سولو ہو گیا تھا پر اسکے بعد بھی اسکے سر کئی کام لگے تھے۔ دوپہر میں میڈیا سے بھی اس نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی تھی۔ اب بس یہ معاملہ دبایا جا رہا تھا۔ اسکے اندر زولفقار سے بدلہ لینے کا جنون جو سوار تھا آج بیٹھ گیا تھا۔

اسے اندازہ تھا انھیں سب سے زیادہ تکلیف ہو رہی ہو گی میران کو اپنے خلاف دیکھ کر، جس کی خاطر انھوں نے کیا کچھ نہیں کیا، وہ شروع سے ہی نہیں چاہتے تھے بیٹا ہاتھ سے نہ نکلے، کیونکہ ان باپ بیٹوں کے خیالات مختلف تھے پر وہ انکے معاملات میں کبھی کچھ نہیں بولتا تھا۔

مراد انکو حوالات تک تو نہیں پہنچا سکا پر انکی دولت چھین جانا ہی انکے لیے ایک سب سے بڑی سزا تھی۔ وہ اس وقت کیسے خود پہ جبر کیے ہونگے یہ سوچ کر اسکو تسکین مل رہی تھی۔ اسے اپنے ماموں سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں تھی، مراد میر زولفقار جاہ سے نفرت کرتا آیا تھا اور آج اپنا بدلہ پورا کرنے کے بعد اسکے اندر کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

مراد نا محسوس انداز میں سر دبانے لگا۔ عائشے جب تھک گئی تو اسکے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں پریشان ہو رہی ہو؟" وہ پچھلی دو تین راتوں سے ویسے ہی جاگ رہا تھا۔ اب نیند کا خمار آنکھوں میں اتر رہا تھا۔ عائشے نے بالوں کو کان کے پیچھے اڑس دیا۔ مراد نے صوفے پہ اسکے پیچھے شانے رکھ دیے۔

"مام نے اسکے بارے میں سب بتایا ہے۔ مراد جو بھی ہو پر میں رومائزہ والے واقعے کو لے کر اس پہ بھروسہ نہیں کرتی۔ مجھے اسکی محض یہ کہانی لگتی ہے، اپنی اچھائیوں کے ساتھ اس نے جوڑ دی تاکہ سب یقین کر لیں۔ اگر وہ اتنی ہی محبت کرتا ہے اس سے تو سچ بتاتا، جھوٹ بول کر اسے اس مشکل میں نہیں ڈالتا۔"

اس نے چہرہ مراد کی طرف کیا۔ مراد اسکا چہرہ دیکھنے لگا۔

"میں اسکے بارے میں صفائی دونگا تو تم کہو گی اپنے بھائی کی طرف داری کر رہا ہوں... وہ ایک اچھا انسان ہے، پر جو اسکا باپ ہے نا وہ دنیا کا سب سے زلیل آدمی ہے شیطان لفظ ایک دم اسکے لیے مناسب ہے۔ جسے اللہ نے عزت و وقار سب کچھ عطا کیا پر اس نے اسکی قدر نہیں کی۔ میں شروع سے میران پہ بھروسہ کرتا آیا ہوں، ہاں درمیان میں کچھ معاملات ایسے ہو گئے تھے مجھے اس پہ شک ہوا، میں اسے بھی غلط سمجھنے لگا پر جو اس نے کیا ہے وہ کوئی عام انسان نہیں کر سکتا۔ کھربوں کی دولت دے رہا ہے وہ، اسی نے میری اس کیس میں بہت مدد کی ہے۔ اور وہ رومائزہ کے حوالے سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ سب اسکے باپ نے کیا ہے میں نے خود سنا ہے وہ

اعتراف کر رہے تھے۔اب بتاؤ اس میں میران کا کیا قصور؟ مام نے ساری بات تمھیں بتادی ہے کہ اس نے رومائزہ سے سچ کیوں چھپایا۔"

وہ اسکے بال سہلاتے ہوئے نرمی سے گھمبیر آواز سے سمجھا رہا تھا عائشے نے لب پیوست کر لیے۔وہ خیالوں میں گم تھی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا، مجھے بھروسہ نہیں اس شخص پہ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی مراد کو اسکا انداز برا لگا تھا۔

"میری دوست نے اسکی وجہ سے بہت کچھ جھیلا ہے۔"

"ایک منٹ محترمہ! یہ تمھارا میرے ساتھ بدلہ رویہ، کیا سمجھوں اسے میں؟ ایک بات کان کھول کر سن لو ان دونوں کی وجہ سے ہمارے درمیان کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔نا ہی ہم اب انکے بارے میں بات کریں گے۔پر میں اتنا بتادوں میران ہی تھا جس نے زولفقار جاہ سے رومائزہ کو بچائے رکھا! اسکی خاطر اس نے ڈیل کرنے کا ناٹک رچایا۔وہ اپنے باپ کے ساتھ جا ملا یہ سب ایک سوچا سمجھا اسکا پلان تھا۔اس نے اسے گھر بجھوانا ہی چاہا تھا"!

"تو آپ بھی تو اس پہ غصہ تھے کہ اس نے ایک لڑکی کو اغوا کر رکھا تھا۔"

"عائشے بات کو غلط رخ دے رہی ہو تم! مجھے پوری بات معلوم نہیں تھی۔ اور جب حقیقت کھل کر آگئی ہے تو میں کسی بے گناہ پہ الزام کیوں لگاؤں! بس اب مزید بحث نہیں ہو گی۔" اسے خاموش کرواکے وہ واش روم میں گھس گیا۔ عائشے کی آنکھوں میں پانی بھر گیا پہلی بار اسکا اتنا سخت لہجہ دیکھا تھا۔

وہ فریش ہو کر باہر آیا تو وہ ایسے ہی کھڑی تھی مراد نے تولیہ ایک طرف رکھا اور جھنجھلا کر اسکے پاس آیا۔ اسکی قربت پہ عائشے کا شکوہ آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہہ نکلا۔ وہ دھیمے سے مسکرایا اور اسکی تھوڑی اٹھا کے ماتھا چوم کر اسے سکتے میں چھوڑ کے ڈریسنگ کے کی طرف گھوم گیا۔ عائشے دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"میں ناراض ہوں"!

"سو جاؤ عائشے..." بالوں میں ہئیر برش پھیرتے ہوئے اس نے کہا اور آئینے سے ایک نگاہ عائشے پہ ڈالی جو پیر پٹخ کے ناراضگی کا اظہار کرتی بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ دونوں کی نگاہیں آئینے میں ایک دوسرے کے عکس سے ٹکرائیں عائشے نے منہ بنا کر نگاہ ہٹالی۔ مراد کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

وہ زیادہ دیر اس سے ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک وہی تو تھا جو سب سے زیادہ اسکو سمجھتا تھا۔ تھوڑی دیر بات عائشے نے سوال کیا۔

"کھانا نہیں کھایا تھا آپ نے"...

وہ چت لیٹ چکی تھی آنکھوں پہ بازو رکھا ہوا تھا۔

"تم نے کونسا ڈھنگ سے کھایا تھا۔"

مراد لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا مصروف سا بولا۔ عائشے اٹھ کے بیٹھ گئی۔ پھر کمرے سے نکل گئی۔

پانچ منٹ بعد وہ ٹرے ہاتھ میں لیے کمرے میں واپس چلی آئی ٹرے ٹیبل پہ رکھ کے خود بھی بیٹھ گئی مراد سے کچھ فاصلے پہ۔ مراد نے لیپ ٹاپ سے دھیان مبذول کیا۔ لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کے وہ کھانا کھانے لگا تھا۔

عائشے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ چونکی تب جب روٹی کا نوالہ مراد نے اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے چپ چاپ کھالیا۔ کھانے سے فارغ ہو کے اس نے پانی پی کر گلاس رکھا۔ عائشے اٹھنے لگی تو مراد نے اسکا ہاتھ تھام لیا۔

"اٹس اوکے۔"

اسکی آنکھوں سے معنی خیزی پڑھ کے وہ بولی۔ اپنے جذباتی پن کا بھی اسے احساس ہو گیا تھا۔ وہ مراد سے کیوں الجھ رہی تھی۔ اب جو آگے ہونا تھا اسکا علم صرف اللہ کے پاس تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ اس معاملے میں خاموش رہے گی۔ کیونکہ وہ بے حد کنفیوز تھی۔

"ایک سوال میرے زہن میں ہے اسکا جواب تو دیں"..

چند لمحے بعد عائشے نے پر سوچ نگاہ اس پہ جمائے کہا۔ مراد نے سر ہلا کے اسے جیسے بات پوچھنے کی اجازت دی۔

" مہمل کون تھی؟ زولفقار جاہ اور مام بہن بھائی اکلوتے تھے تو محمل کی امی آپکی خالہ کیسے ہوئیں؟ میرا مطلب وہ کونسی خالہ تھیں؟ کیا زولفقار جاہ کی دو بہنیں...؟"

وہ بڑی الجھی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ مراد نے اب تک نرمی سے اسکا ہاتھ تھامے رکھا تھا مسکرا کے اسے دیکھا۔

"وہ سگی بہن نہیں تھیں پر سگی بہنوں جیسا پیار تھا دونوں میں۔ حنہ آنٹی خالہ زاد بہن تھیں۔ انکے انتقال کے بعد مام نے محمل کو بیٹیوں جیسا پیار دیا۔ حنہ آنٹی کے جانے کے بعد محمل کافی عرصے تک ہمارے ساتھ رہی وہ کوئی چھوٹی بچی نہیں تھی بارہ تیرہ سال کی ہو چکی تھی.... خیر چھوڑو میں بھی کیا کہانی سنانے بیٹھ گیا تمھارے سوال کا جواب مل گیا بہت ہے۔"

محمل کا زکر کرتے ہوئے مراد کا حلق کڑوا ہو گیا تھا اور عائشے کے تاثرات بھی کچھ منفرد نہیں تھے۔

"ٹھیک۔ پر اب کیا ساری رات ہاتھ پکڑیں رہیں گے؟ چھوڑیں مجھے ٹرے لے کر جانی۔" اس نے اکتاہٹ سے کہا مراد نے بھنوویں چڑھائیں۔ عائشے کی پھولی ناک دیکھی۔

"بیگم یہ ہاتھ ساری زندگی کے لیے تھاما ہے۔" وہ جذبے سے چور آنچ دیتے لہجے میں بولا۔ عائشے جھینپ گئی اور اسے آنکھیں دکھا کر ہاتھ چھڑا کر ٹرے اٹھائے کمرے سے باہر نکل گئی۔ پیچھے مراد نے مسکرا کر بالوں میں ہاتھ چلایا اور لیپ ٹاپ واپس کھول لیا۔

چار دن گزر گئے تھے میران سیاسی مصروفیات میں بے حد الجھا ہوا تھا وزیر اعلی بننے کا اس نے حلف اٹھا لیا تھا۔ وہ پر عزم تھا۔

ان چار دن اس نے بنگلے میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ وہ سی ایم ہاؤس ہی ہوا کرتا تھا۔ زولفقار نے رہائش بنگلے سے کبھی بدلی نہیں تھی، کبھی وہ سی ایم ہاؤس میں ہوا کرتے تھے تو کبھی بنگلے۔ فلحال میران کو باپ کا چہرہ دیکھنے کی خواہش تک نہیں رہی تھی۔ وہ ان سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اس نے یہ بات انکی دولت نیب کے حوالے کر کے، انکو بچا کر ثابت کر دی تھی۔ پر اب اسکا دل ہر قسم کے جذبے سے عاری تھا۔ خاص کر اپنی پھپھو کے ساتھ زولفقار کے کیے گئے ظلم اسے باپ سے دور کر رہے تھے۔

دائم اور نیمل اس دن کے بعد سے بے حد خوش تھے۔ میران کی مصرفیات کی وجہ سے دائم نے چار دن بھی بڑی مشکل سے انتظار کیا تھا۔ میران نے اسے کہا تھا وہ اپنے گھر والوں کو دمیر ہاؤس لے جائے پر سامنے سے دائم نے کہا تھا اس خاص موقع پر اگر تم نہیں ہوگے تو میں نہیں جاؤنگا۔

دائم کی فیملی نیمل اور دائم کے رشتے کے لیے آج دمیر ہاؤس آئی ہوئی تھی۔ مسز مرتضیٰ نے اسے گھر پہ رہنے کی تنبیہہ کی تھی اور یہ بات سن کر دائم نے گھر میں کافی احتجاج کیا تھا، زریں صاحبہ نے اسے کہا تھا رشتہ لے کر جا رہے ہیں اچھا نہیں لگتا کہ لڑکے کو بھی ساتھ لے جائیں... مقابل اس نے کہا تھا 'اب زمانہ بدل گیا ہے' پر گھر والوں نے اسکی بات کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اب وہ گھر پہ بیٹھا بے زار ہو رہا تھا۔

دمیر ہاؤس میں کسی کو بھی نیمل اور دائم کے رشتے پہ اعتراض نہیں تھا۔ پہلے ایک مراد تھا جس نے بھی اب راضی نامہ دے دیا تھا۔

میران کے کہنے پہ دو دن پہلے دائم مراد سے ملنے بھی گیا تھا جہاں دونوں کی صلح بندی ہو گئی تھی۔ ایک ان کہی سی جو دونوں کے درمیان جنگ چھڑی تھی اب وہ ختم ہو گئی تھی۔

نیمل کریم رنگ کے لباس میں دوپٹہ سر پہ اوڑھے مسز مرتضیٰ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ارباز دمیر اور مرتضی صاحب گفتگو جاری کیے ہوئے تھے۔ سجل اور عائشے بھی ساتھ ہی صوفوں پہ بیٹھی تھیں۔ منتہی مراد کی گود میں تھی۔ سب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

"تو بھائی صاحب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟" زریں نے نیمل کے سر پہ ہاتھ کے ارباز صاحب سے پوچھا۔ وہ سیدھے ہوئے۔ نیمل کو دیکھا جس نے شرما کے چہرہ جھکا لیا تھا۔ سجل نے عائشے کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ اتنا شرمائے گی مجھے توقع نہیں تھی۔" عائشے ہنس دی۔

"لڑکیاں کبھی شرمائیں یا نا شرمائیں پر شادی کی بات پہ شرم آ ہی جاتی ہے۔" عائشے نے دھیرے سے اسکے کان کے قریب جواباً سرگوشی کی۔ وہ دونوں نند بھابھی ہنسنے لگیں۔

"ہمارے بچے راضی ہیں اور بڑوں کو بھی رشتے پہ اطمینان ہے تو بات آگے بڑھانی چاہیے۔" ارباز نے صوفے پہ کمر ٹکا کر کہا۔

"تو پھر ہم بات پکی سمجھیں۔" مرتضی صاحب نے خوشی سے کہا۔ میران انکے برابر میں ہی بیٹھا تھا۔ ارباز صاحب نے ایک نگاہ اسکی رضامندی کے لیے اس پہ ڈالی۔ اس نے پلک جھپک کر اپنا فیصلہ بتایا۔

"ہم تو بس جلد از جلد اپنی بہو کو گھر لے جانا چاہتے ہیں۔ بیٹی کی کمی ہمیں بہت محسوس ہوتی ہے۔" زریں محبت سے بولیں۔

"تو پھر کیوں نا مراد کے ریسپشن کے ساتھ ہی دائم اور نیمل کی منگنی رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح سب کو انکے رشتے کا پتہ بھی چل جائیگا اور فیملیز ایک دوسرے سے مل بھی لیں گی۔"

زرپاش نے اپنا مشورہ دیا جو سب کو پسند آیا تھا۔ عائشے کے ایگزام سے دو ہفتہ پہلے کی ولیمے کی تاریخ تھی۔

"پھپھو میرے خیال میں منگنی سے بہتر نکاح ہے۔" میران نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ در حقیقت یہ دائم کی خواہش تھی اس نے اسے پہلے ہی کہہ دیا تھا اگر منگنی کی بات چلے تو وہ سامنے سے نکاح کی بات کر دے۔ اور میران کو بھی یہی مناسب لگا تھا۔

مراد اسکی رائے سے متفق ہوا تھا۔

"ہاں یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ رشتہ مضبوط ہو جائیگا۔ رخصتی ہم کچھ عرصے بعد کریں گے۔" مراد کی بات پہ ارباز نے سر کو جنبش دی۔

"ہاں شادی کی تیاری میں وقت لگے گا۔ اور اب نیمل آخری بچی ہے میں کوئی کمی نہیں کرنا چاہتی اس کی شادی میں۔" زرپاش نے اپنا موقف دیا جس پہ نیمل کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ لوگ فوراً ہی اسے بیاہ دینے کے حق میں نہیں تھے۔

"پھر بہت مبارک ہو دونوں فیملیز کو یہ رشتہ داری۔ اللہ ان دونوں کا نصیب اچھا کرے اور جوڑی سلامت رکھے۔" میران دعا دیتا کھڑا ہوا۔ اس نے مراد کو مبارکباد دیتے گلے لگایا۔ دوسری طرف مرتضی اور دمیر صاحب گلے مل رہے تھے۔ زرپاش اور زریں بھی خوشی سے مسکرا رہی تھیں دونوں نے مصافحہ کیا تھا۔ پھر سجل نیمل کو ان کے درمیان سے اٹھا کر کمرے میں لے گئی۔

میران نے منتہیٰ کو اپنی گود میں لیا۔ بھانجی کو گود میں لے کر اسے انوکھا سا احساس ہوا تھا۔ زرپاش اسکے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ اور مراد عائشے کے پاس سجل کی خالی جگہ دیکھ بیٹھ گیا۔ سجل جب آئی تو بھائی کو گھورتے ہوئے مسز مرتضی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ میران منتہیٰ کے ساتھ کھیل رہا تھا وہ دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"مبارک ہو آپکو۔" قریب سے اسے عائشے کی سرگوشی سنائی دی۔

"تمھیں بھی، بہت خوش ہوں میں۔ اب اپنے ولیمے کی تیاری شروع کردو۔" وہ اسکے قریب ہوتے بولا، عائشے سب کے درمیان سمٹ سی گئی اور اسے کہنی مار کے دور کیا۔ مراد نے اسکی حرکت پہ خود کو قہقہہ لگانے سے باز رکھا تھا۔

یوں ایک ہنسی مسکراتی شام ڈھل گئی تھی۔

سب کے چہروں پہ تبسم کے ساتھ

نئے رشتوں کی بنیادوں کے ساتھ

"یار آپ اتنا ہلیں مت، ورنہ میں نہیں بناؤنگی آپکا اسکیچ۔" سفیر کے مسلسل حرکت کرنے پہ وہ غصہ کرتے ہوئی بولی۔ اسٹول پہ وہ آدھی ٹکی تھی اور باقی اسٹینڈ جو زمین پہ کھڑا تھا اسکے بورڈ پہ جھکی ہوئی تھی۔

سفیر سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ بورڈ سے سر اٹھا کے وہ اسکے نقوش دیکھتی پھر واپس بورڈ پہ جھک جاتی۔ کافی دیر یہی مرحلہ چلتا رہا۔ اچانک اسے انوش کہ آواز آئی۔

"ہیلو ائیوری بڈی... "کیا چل رہا ہے ؟" آئس کریم باکس اس نے ٹیبل پہ رکھا اور رومائزہ کی طرف بڑھی۔

"کچھ نہیں بس انکا اسکیچ بنا رہی تھی۔" اس نے سفیر کا نام لینا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اسکا نارمل موڈ دیکھ کر انوش کو تسلی ہوئی۔

"عائشے کی پٹاخہ نند کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ ابھی میں نے عائشے کا میسج پڑھا۔ میں گھر میں بور رہی تھی سوچا تمھارے ساتھ شاپنگ پہ چلی جاؤں۔ پہلے ہم کتنا گھومتے پھرتے تھے نا۔" انوش نے مسکانے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی کی بات پہ رومائزہ پھیکا سا مسکرائی۔

"ارے لڑکی میرا اسکیچ تو مکمل کرو۔" سفیر اٹھ کے دونوں کے پاس چلا آیا۔ رومائزہ آنکھیں مٹکا کر اسکی طرف گھومی۔

"بعد میں کرونگی ابھی تو میں انوش کے ساتھ جا رہی ہوں۔ گھر میں ویسے بھی دم گھٹ رہا ہے۔ کچھ آؤٹنگ ہو گی تو مائنڈ ڈائیورٹ ہو گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اپنی یہ سنجیدگی گھر رکھ کے چلنا میں بتادوں! مجھے اب پہلے والی رومائزہ چاہیے۔ بس بہت ہوگیا ہے۔" انوش حق جمائے بولی تو وہ ہنس دی۔

"اچھا بھئی... ڈرائیور کے ساتھ آئی ہو؟" وہ اسکے آگے ہار مانتے ہوئے بولی۔ طبیعت بھی اب اسکی ٹھیک تھی شنواری صاحب کی موت کا غم کم تو نہیں ہوا تھا پر صبر آگیا تھا۔ اور اس نے فیصلہ کرلیا تھا اب مزید اپنی وجہ سے کسی کو پریشان نہیں کرے گی۔ وہ ایک مضبوط لڑکی تھی اسے بس اب اپنے پیروں پہ کھڑے ہونا تھا۔ ہمت کرکے آگے بڑھنا تھا۔ ماضی بھلا کر حال میں اب جینا تھا۔

"میں کیب کرکے آئی ہوں، بابا گاڑی لے کر گئے ہیں اور دوسری گاڑی خراب تھی۔"

"اوہ، چلو ہمارے پاس اپنا ڈرائیور موجود ہے ویسے بھی اکیلے کوئی ہمیں جانے دیگا بھی نہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔ سفیر نے آئبرو اچکائی۔ انوش اسکی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی۔

"اور وہ ڈرائیور کون ہے؟" اس نے ہنسی دبا کر پوچھا۔

"یہ تمھیں چھ فٹ دو انچ کے انسان نظر نہیں آرہے؟" رومائزہ نے سفیر کی طرف اشارہ جسکی آنکھیں باہر نکل آئیں۔

"سوری میڈم میں نہیں جاؤنگا۔ عورتوں کو شاپنگ کروانا دنیا کا سب سے اوکھا کام ہے۔" وہ صوفے پہ جا بیٹھا۔

"زیادہ پنجابی اداکار نہیں بنیں۔"

"ٹھیک ہے ہم کیب کر لیں گے۔ چلو انوش۔" کمر پہ ہاتھ رکھ کے رومائزہ نے انوش سے کہا اور گھور کے سفیر کو دیکھا تھا۔

"یہ بہت غلط حرکت ہے کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا۔" شکوہ کرتا وہ کھڑا ہو گیا۔ تو وہ دونوں ہنس دیں۔

"چلو یا پھر گاڑی اندر لے کر آؤں۔" ان دونوں کو موبائل میں گھسا دیکھ وہ لاؤنج کے دروازے تک پہنچ کے پلٹا۔ ان دونوں نے چونک کے سر اٹھایا اور اسکی تقلید میں ہنستے ہوئے پیچھے نکل گئیں۔

سفیر آگے ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ دونوں پیچھے باتوں میں مصروف تھیں۔ سفیر نے بیک مرر سے ایک نگاہ ان دونوں پہ ڈالی پھر سر نفی میں ہلاتا نظریں واپس ونڈ اسکرین پہ جما گیا تھا۔ وہ دونوں اسکی موجودگی بلکل ہی فراموش کر چکی تھیں۔ کئی دنوں بعد اس نے رومائزہ کو اچھے موڈ میں اتنا ہنستا بولتا دیکھا تھا۔

مال سے چند میٹر دوری پہ پل کے ساتھ بل بورڈز لگے تھے۔ انوش سے باتوں میں مصروف اسکی نگاہ بے ساختہ باہر اٹھی اور ایک مخصوص بل بورڈ پہ جا کے ٹھہر گئی۔ کسی مشہور برانڈ کی ایڈورٹائز تھی۔ اور برانڈ ایمبیسڈر میران تھا جسکی ہنستے ہوئے تصویر لی گئی تھی۔ نگاہیں بس پلٹ نہ سکیں۔ وہ اتنا کھل کے کبھی نہیں ہنستا تھا۔ اس

تصویر میں بھی اسکی مسکراہٹ بہت گہری نہیں تھی۔ پر وہ بے حد خوبصورت نظر آرہا تھا۔ سفید رنگ شاید اسی کے لیے بنا تھا سفید کرتا شلوار پہ کالی چادر ڈالی ہوئی تھی۔ تمام مردانہ وجاہت کا پیکر وہ شخص کسی کا بھی دل دھڑکنے کی صلاحیت تھا۔ لوگ اس سے پہلی ملاقات میں مرعوب ہو جاتے تھے۔

نگاہیں بل بورڈ پہ ایک لمحے کے لیے جم گئیں تھیں، انوش کی آواز پہ اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور چہرہ اندر کیا۔ سفیر اور نا انوش نے وہ بل بورڈ دیکھا تھا۔ مال کی پارکنگ میں

سفیر نے گاڑی لگا دی۔ وہ بظاہر نارمل لگ رہی تھی۔ ان دونوں کے ساتھ ہی گاڑی سے اتر کے مال کی طرف بڑھ گئی۔

"تم رکو میں واش روم سے ابھی آتی ہوں۔" مال کی اینٹرنس سے اندر آکے اس نے انوش سے کہا تھا۔ انوش سفیر کے ساتھ کسی شاپ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

رومائزہ نے واش روم میں جا کر سانس بحال کی۔ آئینے کے پاس آئی ایک نظر اپنی پرچھائی کو دیکھا۔ پھر واش بیسن کا نل کھول کے منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے۔ آنکھوں میں سرخی کے ساتھ نمی اترنے لگی تھی۔ وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پاتی تھی۔ میران دیکھ کر پھر اذیت سے دوچار ہو گئی تھی۔ آخر کیوں اسکے ساتھ ایسا ہوتا تھا وہ بے بس ہو جاتی تھی۔ دل باہر نکلنے کو آتا تھا۔ یہ نفرت اسے ختم کرنے کو تھی، خون سلگنے لگا۔ بار بار میران کی قسمیں وعدے یاد آتے جن پہ یقین اس نے کر لیا تھا بس کبھی اقرار نہیں کیا۔

بڑی مشکل سے اس نے اپنے حال پہ ضبط کیا۔ شیشے میں چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ بالوں کی گیلی لٹیں چہرے کے ارد گرد چپک گئی تھیں۔ پھڑ پھڑاتے ہونٹ سرخ ہو رہے تھے۔

ایک بار پھر اس نے پانی کا چھینٹا منہ پہ مارا نل بند کر کے دونوں ہاتھ واش بیسن پہ جما کے خود کو دیکھنے لگی۔ اسے آنکھیں آنسوؤں سے خشک کرنی تھیں جو بار بار بھیگ جاتیں۔ بھیگے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ مسکراہٹ پھیلائی پر آنسو ٹوٹ کر آنکھ سے موتی کی صورت بہہ نکلا۔ اس نے پھر کوشش کی۔ ٹشو اٹھا کے چہرہ خشک کیا۔ انگلیاں آگے کے بالوں میں چلا کر بال ٹھیک کیے۔ دل بھر رہا تھا آواز ڈبڈبا رہی تھی۔ دھڑکتی بے ہنگم دھڑکنوں کو سنبھال کر مسکراہٹ سجا کر وہ باہر نکلی۔ انوش نے اسے شاپ کا بتا دیا تھا وہ سیدھا اسی جانب بڑھی۔ سفیر ایک طرف بیٹھا تھا جب کہ انوش کپڑے دیکھ رہی تھی۔ سفیر کو ابھی سے ہی بوریت ہونے لگی تھی۔ وہ موبائل میں لگ گیا۔

رومائزہ آئی تو انوش اسکا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کچھ نہیں آنکھ میں صابن چلا گیا اور پانی بھی کھارا تھا یار.. " اسکے منمنا کر جواز دینے پہ انوش کو تسلی ہوئی۔

تم نے نہیں لینا عائشے کے ولیمے کے لیے کوئی سوٹ؟"

"عائش کا ولیمہ ہے میں تیاری کر کے کیا کرونگی؟" وہ شانے اچکا کر بولی۔

"کیا کہا تم نے! میں نے کہا تھا اس رومائزہ کو گھر رکھ کے آنا"!

"یار ابھی نہیں لے رہی پیسے کہاں لائی ہوں منہ اٹھا کے ایسے ہی آگئی۔"

"پر تمھارا بینک سسٹم تو ادھر ہے نا!" انوش نے سفیر کی طرف اشارہ کیا۔ رونا نے شدید کوفت سے سر جھکا لیا۔

"ویسے پتا ہے شاپنگ ابھی میں بھی نہیں کر رہی۔ مجھے بس تمھارے ساتھ گھومنا تھا اسی لیے تمھیں لے آئی۔" وہ رازداری سے بولی۔

"یار انوشش.." روما کی نظر اٹھ کے سفیر کی طرف گئی صاف پتا چل رہا تھا وہ بری طرح بور ہو رہا ہے۔

"یار کوئی بات نہیں، شادی کے بعد بھی تو وہ شاپنگ پہ تم کو لے کر جائینگے نا! اچھا ہے ابھی سے عادت ہو جائیگی۔" انوش کی بات پہ رومائزہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی اسکی سانس کہیں اندر اٹکی۔

انوش کا لہجہ بھی کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ آسان تھا کیا محبت کو بھول جانا؟ اور پھر جب وہ بار بار آپکے سامنے آئے۔ انوش نے اپنے جذبات کو لگام ڈال دی تھی تب ہی اتنی مطمئن دکھ رہی تھی پر اندر جو کچوکے اسے لگ رہے تھے انکا کیا!

"اچھا فورڈ کورٹ چلتے ہیں کچھ کھاپی کر گھر چلے جائینگے بس۔" سفیر کی بے زاریت کا احساس کر کے اس نے روما سے کہا جس پہ راضی ہو گئی تھی۔

چار دن بعد... رومائزہ اور انوش خالی کلاس میں بیٹھی ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ انوش کا دھیان ساتھ ہی موبائل میں بھی لگا ہوا تھا۔ رومائزہ بال پین کو مسلسل بجا رہی تھی۔

"ایگزامز کے بعد تمھارا نکاح سفیر سے ہو جانا ہے پھر تو جاب کرنے کی ضرورت نہیں۔" رومائزہ نے اسے گھورا۔

"مطلب پھر تو تم انکی ذمہ داری ہو جاؤ گی، ابھی تم اسی لیے جاب کرنا چاہتی ہو کہ کسی پہ بوجھ نہ بنو۔ میں تمھیں جاب کرنے سے روک نہیں رہی، کرو کرو۔ بس تمھارا خیال جاننا چاہ رہی تھی کہ تم نکاح کے بعد انکے آفس میں جاب کرو گی؟"

"یار انوش کیا بے تکی باتیں کر رہی ہو۔ نکاح کے بعد جاب کرنا منع ہے کیا؟" وہ جھنجھلا کر بولی انوش نے دھیان واپس موبائل کی جانب مبذول کر لیا۔

"اچھا میرا ایک مشورہ سن لو، تمھارے اندر ایک آرٹسٹ ہے، تم چاہو تو اسے مزید نکھار سکتی ہو۔ تمھاری پینٹگز بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔یونی ایگزیبیشن میں بھی لوگوں نے سب سے زیادہ تمھاری پینٹنگز خریدی تھیں، تمھیں اس حوالے سے سوچنا چاہیے۔"

وہ اسے پینٹنگز بنا کر سیل کرنے کی بات کر رہی تھی۔رومائزہ کے ہاتھ میں ہنر تھا، اس کام میں وہ ماہر تھی۔بڑی محبت سے اصل چیز کو دیکھ کر اپنے برش سے کاغذ پہ اسکی عکاسی کر لیا کرتی تھی۔اور اسکی پینٹنگز بہت رئیلیسٹک لگتی تھیں۔

چاہے وہ کوئی منظر ہو یا انسان۔کسی کی پرچھائی ہو یا کوئی بھی ڈیزائن۔

رومائزہ نے گہری سانس لی۔کچھ دیر سوچا۔

"رائٹ۔پر میں جاب کے ساتھ پارٹ ٹائم اسے کنٹینو کرونگی۔بابا کی بھی خواہش تھی کہ میں اپنی سکلز ڈویلپ کروں اور اسی میں اپنا نام بناؤں۔"

داہنے ہاتھ میں موجود انگھوٹی کو دیکھتے اس نے کہا۔انوش نے مسکرا کے سر ہلایا۔کلاس روم میں خاموشی چھا گئی۔دروازے کی چرچراہٹ پیدا ہوئی۔عائشے اندر آئی تھی۔

روما نے سر اٹھا کے اسے دیکھا وہ انکے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"عائشے ولیمے کا ڈریس تم لے آئیں؟" انوش نے اب موبائل بند کر کے ہاتھوں کے درمیان میں رکھ لیا۔

"ہاں، گرے کلر کی میکسی لی ہے۔"

عائشے نے مسکرا کر بتایا۔ اور بیگ سے نوٹ بک نکال کے سامنے رکھی۔ اور ان دونوں کی طرف پیچھے منہ کر کے مڑ گئی۔

رومائزہ کو وہ اور انوش دو تین دن سے بدلی بدلی محسوس ہوئیں تھی۔ کچھ عجیب سا تھا، جیسے کچھ چھپا رہی ہوں۔ ریزرو وسی لگ رہی تھیں۔ اپنے خول میں سمٹی ہوئی۔

"واؤ.... میں نے پرسو ہی انٹرنیٹ پہ ایک ڈریس دیکھا تھا اور اپنے لیے وہی آرڈر کر دیا۔ بس اسی ہفتے تک آجائے وہ، کبھی ولیمہ نکل جائے اور ڈریس مہینے بعد آ رہا ہو۔"

وہ ہنس کر بولی۔ رومائزہ بھی مبہم سا مسکرا دی۔

"ابھی دیڑھ ہفتہ پڑا ہے آجائیگا۔" عائشے نے تسلی بخش انداز میں کہا پھر سوالیہ نظروں سے روما کی جانب دیکھا۔

"کل تائی امی کے ساتھ شاپنگ پہ گئی تھی تو میں نے بھی ڈریس لے لیا ہے۔" اس نے دھیرے سے بتایا۔ عائشے نے خوش ہو کر اسے دیکھا.

"کلر؟"

"جب پہنو نگی تب دیکھنا۔" رومائزہ نے مسکرا کے نخرے سے کہا۔

"یہ تم دونوں بدلی بدلی کیوں لگ رہی ہو۔ کیا کوئی بات ہے؟" وہ شاکی نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگی۔ اور پھر انوش، عائشے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی، وہ جذبذب سی ہو گئی تھیں۔

"نہیں تو۔ میں سوچ رہی ہوں میرا کیا ہو گا تم دونوں کے بعد؟ ایک دوست کا ولیمہ ہے اور ایک نکاح۔" وہ ڈرامائی انداز میں بات کا رخ ہی بدل گئی تھی رومائزہ ہنسنے لگی۔

"تمھارا تو کوئی ناول سے نکل کے ہیرو آئے گا۔"

اس نے اسے چھیڑا تو وہ شرماتے ہوئے کہنی میں منہ چھپا گئی۔ اسکی اداکاری پہ عائشے نے سر جھکا کے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں۔ صرف ایک دن کا فنکشن ہے اور مارکیٹ کے اتنے چکر لگ رہے ہیں۔ امی بھی اب ساتھ چلنے کا کہہ رہیں۔ وہ لیتی سب اپنی مرضی سے ہیں پر عائشے کو تھکانا لازمی ہے۔" عائشے نے اپنا مسئلہ سنایا۔ انوش نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"اچھا ہے ولیمے سے پہلے وزن کم ہو جائیگا۔"

"تمھیں وزن کم کرنے کی ضرورت ہے، جب دیکھو منہ میں کچھ چل ہی رہا ہوتا ہے۔" عائشے نے فوراً اسکے ہر وقت کے کھانے کو نشانہ بنایا۔ انوش کا منہ چیونگم چباتے چباتے رک گیا۔

"میرے کھانے پہ زیادہ تم لوگ نظر نہ لگایا کرو۔" اس نے فوراً برا سا منہ بنا کر تنک کر کہتے اسے دیکھا۔

دروازہ کھول کے پھر کوئی اندر آیا پر اس بار ان تینوں کی آواز کے درمیان دروازے کی چر چراہٹ دب گئی۔ ہمایوں تھا۔ رومائزہ کا منہ اسے دیکھ کر بگڑ جاتا تھا۔ جب سے وہ واپس آئی تھی وہ بس ایک بار اس سے ملنے آیا تھا اسکا کاٹ دار انداز ہمایوں کو ڈرا دیتا تھا۔

"ڈیئر کلاس فیلو تمھارا ولیمہ ہے تم نے پوری کلاس کو انوائیٹ کیا بس مجھے ہی کرنا بھول گئیں؟" انکی ڈیسک کے پاس وہ کھڑا ہو گیا۔

"فی میل کلاس فیلوز کو انوائیٹ کیا ہے! اور تمھیں بھولے نہیں اگنور کیا ہے۔" رومائزہ نے جتا کر کہا۔

"تم میرے ساتھ نارمل نہیں ہو سکتی کیا؟"

"کس خوشی میں نارمل ہوں؟"

"اچھا سہی ہے، میں کوئی تم پہ لائن نہیں مارتا اب، بس یہ بتانا تھا۔"

"ہاں تھپڑ کے بعد تو اچھے اچھوں کے پر پرزے درست ہو جاتے۔ خاص کر روما کے تھپڑ سے.. " انوش کی سرگوشی اتنی بلند تھی کہ ان دونوں کا قہقہ چھوٹ گیا اور ہمایوں خود بھی ہنس پڑا تھا۔ رومائزہ نے ان دونوں کو یہ بھی بتایا تھا کہ ہمایوں کے علاوہ اس نے تھپڑ میران کو بھی مارا تھا۔ جس پہ وہ دونوں خوش ہوئیں تھی کہ بہت اچھا کیا وہ اسی قابل ہے۔

"اچھا میں ادھر جا کے بیٹھ جاتا ہوں۔"

اپنی جگہ کی طرف اشارہ کرتے وہ چلا گیا۔ عائشے نے لب ملا کر الجھن کے مارے انوش کو دیکھا۔ 'کیا چیز ہے یہ؟'

"اللہ بہتر جانے۔" منہ ڈھیلا چھوڑ کے وہ بے زاری سے بولی۔

اگیزامز اسٹارٹ ہونے میں تقریباً دو ہفتے تھے۔ وہ تینوں بھرپور طریقے سے تیاری میں مصروف تھیں۔ خاص کر رومائزہ اسکی تیاری ان دونوں کے مقابلے میں کم تھی۔ سب سے پر سکون انوش تھی جس نے پورا سیمسٹر پڑھا تھا۔ ان دونوں کا تو درمیان میں گیپ ہی ہو گیا تھا۔ اور رومائزہ کا دو ڈھائی مہینے کا لوس ہوا تھا جسے وہ کوور کر کر کے تھک چکی تھی۔ بس اسکا دل کر رہا تھا اڑ کے اگلے سیمسٹر میں پہنچ جائے۔

دمیر ہاؤس میں رونقیں بحال تھیں۔ ارباز دمیر نے اندر اور باہر سے بنگلا قمقمی برقیوں سے روشن کروادیا تھا۔ لان کی راہداری میں دیے روشن تھے۔

مسز مرتضیٰ نیمل کے نکاح کا جوڑا دینے آئی تھیں۔ دائم باہر گاڑی میں انکا منتظر تھا۔ نیمل سے ملاقات اسکی آفس میں روز ہو جایا کرتی تھی۔ دونوں کے درمیان جو سرد دیوار قائم تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔

"میں جوڑا دو دن پہلے ہی لے کر آتی پر درزی نے سلائی بڑی دیر سے کر کے دی ہے۔ چلو شکر ہے ناپ فٹنگ وغیرہ سب ٹھیک ہے۔" زریں زرپاش سے مخاطب تھیں۔ نیمل نے جوڑا پہن کے چیک کیا تھا۔ وہ چینج کر کے واش روم سے نکلی تو زرپاش نے اسکی نظر اتاری۔ پیروں تک کی کریم کلر کی امبریلا فراک تھی۔ جس پہ نازک سا گولڈن کام چوڑے بارڈر پہ ہوا تھا۔ گلے اور آستینوں کی موری بھی اس نفیس کام سے لیس تھیں۔

اسکے صاف چمکتے ہوئے چہرے پہ گہری مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

زریں اپنی ہونے والی بہو پہ دل و جان سے محبت نچھاور کر رہی تھیں۔ دائم انکا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک بیٹا اور تھا جو بچپن میں ہی اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔

اب دائم میں انکی جان بستی تھی، اسکی دلہن پہ وہ پھر کیوں واری نہ جاتیں۔ اپنے بیٹے کی پسند پہ بہت مطمئن اور خوش تھیں۔ نیمل انکو بہت پسند آئی تھی۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔ نظر نہ لگے۔ بہت خوبصورت لگ رہیں ہیں اس میں آپ۔ دائم تو میرے ساتھ آنے کے لیے اتاولا ہو رہا تھا بڑی مشکل سے اسے باہر ہی رہنے انتظار کرنے کا کہہ کر آئی ہوں۔"

"ارے کیا ہو گا زریں، لے آتیں بے چارا باہر اکیلا بور ہو رہا ہو گا۔" زرپاش نے دائم کے باہر انتظار کرنے کا سنا تو انکا تکلف ختم کرتے بولیں۔

"بس بھابھی میں رکونگی نہیں، چلتی ہوں گھر پہ بھی مہمان آئے ہوئے ہیں انھیں بھی دیکھنا ہے۔ کل ملتے ہیں۔" وہ نیمل کی تھوڑی تھام کے پیار سے بولیں اور زرپاش کے ساتھ کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے جانے کے بعد نیمل نے ایک نگاہ آئینے میں خود کو دیکھا۔ شرم کی لالی لبوں پہ بکھر گئی۔ اس نے دھڑادھاڑ موبائل میں اپنے اس حُسن کی تصویریں قید کی تھیں۔

"سادی اتنی اچھی لگ رہی ہوں، کل جب تیار ہونگی تو بجلیاں گراؤنگی۔" آئینے میں خود کو دیکھ کر اس نے شرماتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔ تبھی موبائل ڈریسنگ پہ بجنے لگا۔

"ہسبنڈ ٹوبی.. از کالنگ۔" اسکرین پہ نام جگمگا رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ کے ساتھ اسکی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ دو دن پہلے عائشے نے جب دیکھا تھا کہ اس نے دائم کا نمبر کس نام سے سیو کیا ہے تو وہ اس کا مزاق اڑاتے ہوئے بہت ہنسی تھی۔ بلکے اسے چھیڑ رہی تھی۔ پر اسے فرق نہیں پڑا تھا وہ خود بھی اسکا ساتھ دیتے ہوئے ہنسنے لگی تھی۔ ہونے والا شوہر ہی تو تھا اب اور بھلا کیا نام رکھتی۔

اس نے تیسری بیل پہ کال ریسیو کرلی اور لب دانتوں تلے چبا کر ڈریسنگ پہ اچک کر بیٹھ گئی۔

"ہیلو"...

"جی؟" اسکی آواز سن کر دائم نے دل پہ ہاتھ رکھ کے سر چیئر کی پشت پہ ٹکایا اسکا دوسرا ہاتھ اسٹیرنگ پہ جما تھا۔ زریں ابھی اندر لاؤنج میں ہی تھیں جب ہی اس نے انکی غیر حاضری میں کال کرلی تھی۔

"مہندی لگوالی؟" اس نے لہجے کو نارمل کیا۔

"بس اب لگواؤنگی۔ مہندی والی انتظار ہی کر رہی ہے میرا۔" وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

"کیا تمھیں دیکھ سکتا ہوں؟ باہر بالکونی میں آجاؤ۔ میں لان میں آکر دیکھ لونگا۔"

"سوری... میں مام کے روم میں ہوں نیچے۔ اور آپ سے ایک دن کا انتظار بھی نہیں ہو رہا کیا؟" ایک ادا سے اس نے بالوں کی لٹ انگلی پہ لپیٹی تھی۔

"نیمل جلدی باہر آؤ، مہندی والی کب سے انتظار کر رہی ہے۔" عائشے نے آکے دائیں ہاتھ سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا کیونکہ بائیں ہاتھ میں اسکے مہندی لگ چکی تھی۔ اس نے مہندی زیادہ اوپر سے نہیں لگوائی تھی بس کہنی کے نیچے سے ڈیزائن بنوایا تھا۔ جو اسکے سفید ہاتھوں پہ اچھا لگ رہا تھا۔

نیمل اسکی آواز پہ چونکی۔

"آرہی ہوں بھابھی جان۔" اس نے بلند آواز سے کہا تو عائشے پلٹ گئی۔

"میں بعد میں بات کرونگی، ابھی سب باہر بلا رہے ہیں۔"

"اچھا سنو مہندی کی تصویر بھیج دینا۔ میرا نام تو لکھواؤ گی نا اپنے ہاتھ پہ بس وہی بھیجنا۔ باقی کل میں خود ہی دیکھ لونگا۔" لہجہ اب تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ گھمبیر آواز میں آنچ دیتے لہجے سے بولا۔ پتا لگ رہا تھا کوئی محبت میں گرفتار شخص گفتگو کر رہا ہے۔ نیمل نے جھینپ کر بنا کچھ کہے لائن کاٹ دی۔

"لومڑی کہیں کی"...

اسکے کال کاٹنے پہ وہ اسے لقب سے نواز کر فون کان سے ہٹا گیا۔ البتہ چہرہ بہت کھلا ہوا تھا لبوں پہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ بس چل تو ناچنا شروع کر دیتا۔

پانچ منٹ بعد ہی نیمل کمرے سے نکل آئی تھی۔ زریں تب تک جا چکی تھیں۔ گھر میں کچھ مہمان تھے۔ اور عائشے نے انوش اور رومائزہ کو بھی بلا رکھا تھا۔

انوش نے نازک سی بیل ہاتھوں کی پشت پہ لگوائی تھی۔ اور رومائزہ منع ہی کر رہی تھی، نیمل کے بے جا اسرار پہ اس نے گول ٹکیا اور پورے ہاتھوں پہ لگوا لیے تھے۔ مہندی اسے شروع سے ہی پسند تھے پر اب بس دل مر گیا تھا ان سب چیزوں کے لیے۔

نیمل نے آتے ہی بلند آواز میں اسپیکر پہ گانے بجا دیے تھے۔ منتہی سب کے درمیان خوش ہوتی چہچہا کر ان پہ تھوڑا تھوڑا اہل جل رہی تھی اور سب کی حرکت پہ ہنس رہے تھے۔

گھر میں خوب محفل لگی تھی۔ رومائزہ بھی سب کے درمیان خوب ہنس بول رہی تھی۔ انوش اور عائشے اسے خوش دیکھ کر اطمینان میں تھیں۔

عائشے نے انوش کو میران کے حوالے سے سب بتا دیا تھا۔ اب وہ دونوں اس قدر کنفیوژ تھیں کہ یہ بات رومائزہ کو بتائیں کہ نہیں؟ کیا میران واقعی سچ کہہ رہا تھا؟ عائشے نے اس معاملے میں خاموشی برتنے کا فیصلہ کیا۔ اور انوش کو بھی یہی کہا تھا کہ کچھ نا کہے۔ میران اسے خود بتائے گا اگر وہ یقین کرلے گی تو پھر دیکھی جائیگی۔ وہ دونوں کسی بھی نتیجے پہ نہیں پہنچ پا رہی تھیں اسی لیے خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔

عائشے کو میران پہ پھر بھی شبہ تھا۔

پر انوش بہت ڈسٹرب تھی۔ اگر میران واقعی سچا ہوا تو؟ وہ خود محبت میں ہاری بیٹھی تھی اگلے کی تکلیف کیسے نا سمجھ پاتی۔ پتا نہیں ان تینوں دوستوں کہ زندگی کو کس کی نظر لگی تھی۔ تینوں ہی مشکل حالات سے گزری تھیں۔ سفیر کی جانب اس نے اپنے بڑھتے جذبات روک لیے تھے پر اکثر اسے اس بے بسی پہ رونا آتا تھا۔ کیوں آتا تھا نہیں جانتی تھی۔ وقت لگنا تھا اسے بھلانے میں یہ بات طے تھی۔

ارباز صاحب کام سے فارغ ہو کے گھر آئے تھے۔ انوش سے وہ پہلے مل چکے تھے۔ رومائزہ کو پہلی بار دیکھا تھا۔ دمیر فیملی سے ملنے والی اس قدر محبت پہ رومائزہ حیران تھی۔ محبت لٹانے والے لوگ تھے وہ،،

"انکل بعض اوقات حالات ایسے ہو جاتے ہیں نہ ہم کسی کو بتا پاتے ہیں نہ خود سمجھ پاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جنھیں ہمدردیاں بلکل ناپسند ہوں وہ بے چارے تو اندر ہی اندر ختم ہو جاتے ہیں۔" وہ ہلکی پھلکی مسکراہٹ ہے ساتھ بول رہی تھی۔

"اور مجھے لگتا ہے سب سے مشکل وقت وہ ہوتا ہے جب آپ اپنی دل کی بات بیان تک نہ کر سکیں۔ خاص کر اپنے قریبی جن سے شکوہ ہو انھیں آپ بتا نہیں پاتے، اور اس طرح فاصلے بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ سوچیں آپ کو مارتی رہتی ہیں۔"

"بیٹا ذہن آپکے جسم کا حصہ ہے۔ جیسے آپکا اپنے ہاتھ پہ پورا اختیار ہے کب اسے اٹھانا ہے اسی طرح ذہن پہ بھی ہونا چاہیے۔ شکوے تو اپنوں سے ہی ہوتے جو فوراً ختم کر لینے چاہیے بات چیت کر کے۔ تاکہ دل و دماغ چین سے رہیں.." دمیر اسکی بات کے جواب میں مسکرا کے بولے۔

"بلکل، پر یہی تو مشکل ہے ایک وقت ایسا لازمی ہوتا ہے جب ذہن قابو میں نہیں آتا۔ انسان خود وہی باتیں سوچتا ہے کیونکہ ان کو بار بار وہ سوچنا چاہتا ہے، اور اسی میں الجھا رہتا ہے۔ جب کبھی ذہن کو کوئی نئی بات سوچنے کو ملتی تب جا کہ ان سوچوں سے جان چھوٹتی ہے۔"

ارباز دمیر ہنسنے لگے۔

"ویسے آپ باتیں اچھی کرتی ہیں۔" ارباز صاحب اسکی کسی بات سے متاثر ہو کے بولے۔ وہ بہت گہری باتیں ہی کرنے لگی تھی۔ روما مسکرا دی۔ وہ ایک طرف صوفوں پہ انکے ساتھ بیٹھ کے باتیں کر رہی تھی۔ باقی سب تھوڑے فاصلے پہ ہلا گلا ڈال رہے تھے۔

"بس بابا سے ہی سیکھی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ زرپاش انکے پاس ہی آ گئیں۔

"بیٹا آپ نے کھانا نہیں کھایا شام سے آئی ہوئی ہو۔"

"آنٹی مہندی گیلی تھی نا اسی لیے بس۔" اس نے ہاتھ اٹھا کے معصومیت سے کہا۔

"چلیں آپ کھانا لگوا دیں میں رومائزہ کے ساتھ ہی کھا لونگا۔"

ارباز زرپاش سے مخاطب ہوئے۔ زرپاش واپس کچن کی طرف چلی گئیں۔

ملازمہ کے بلانے پہ وہ ڈائننگ ایریا کی طرف ارباز کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔ زرپاش اسکے برابر والی کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ وہ جھجھک کے مارے بڑہ مشکل سے چمچ پلیٹ میں چلا چلا کر تھوڑے تھوڑے چاول اٹھا کر کھا رہی تھی۔

"بیٹا ہنسی مسکراتی رہا کرو اس میں زیادہ اچھی لگتی ہو۔ پچھلی بار جب دیکھا تھا تب بہت افسوس ہوا تھا۔"

"جی آنٹی۔ آگے بڑھنے کے لیے انسان کو چیزیں بھلانی پڑتی ہیں ورنہ پیچھے ہی کہیں کھو جائیں گے۔" اس نے پلیٹ میں چمچ چلاتے ہوئے کہا۔ زرپاش کو تو اس لڑکی سے پہلے ہی بہت ہمدردی تھی، زرپاش کی جوانی کی جھلک اس میں دکھتی تھی۔ دونوں کی خوشیوں کا قاتل ایک شخص تھا ذولفقار جاہ۔

وہ ویسی ہی خوبصورت اور ناز نخرے والی تھی جیسے کبھی جوان زرپاش ہوا کرتی تھیں۔

جب سے زرپاش کو میران کی محبت کا پتا چلا تو انھیں رومائزہ اور عزیز ہو گئی تھی۔ اپنے بھتیجے کے لیے وہ بہت پریشان تھیں۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھیں پر میران نے روک رکھا تھا جب ہی خاموش بیٹھی تھیں۔

کھانا کھا کر وہ اٹھ کے لاؤنج میں چلی گئی جہاں سب بیٹھے تھے۔ سجل گھٹنے کے نیچے ڈھول پہ تھاپ لگا رہی تھی اور انوش درمیان میں کھڑی ڈانس کے اسٹیپس لے رہی تھی۔ روما نے مسکرا کے انھیں جوائن کر لیا۔ انوش نے اپنے ساتھ اسکو گھسیٹا۔

"روما کی بچی عائشے کی شادی کا بہت شوق تھا نا تمھیں اب پورا کرو یار۔" انوش اسکے کان میں جھک کر اونچا بولی روما نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

میران پچھلے کئی دنوں سے بے حد بزی تھا۔ کل رات ہی وہ اسلام آباد سے واپس لاہور آیا تھا۔ اب سب اسکے حوالے تھا اور بخوبی اپنے فرائض نبھا رہا تھا۔ جماعت میں اس نے کئی تبدیلیاں کر دی تھیں۔ سب کے عہدے بدل کے رکھ دیے تھے کئی کو فارغ کر دیا تھا۔ بزنس میٹنگز اور سرکاری دورے بھی انھی دنوں میں اس نے کیے۔

مراد آج اسکے پاس خود ہی پہنچ گیا تھا۔ اس دن کے بعد سے اس نے اپنی شکل نہیں دکھائی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ ہی گھر لے آیا۔ میران بھی اسکے ساتھ خاموشی سے چلا آیا تھا۔ مراد کو اسکی اس قدر خاموشی بری لگ رہی تھی۔ پہلے ہی وہ سنجیدہ مزاج، کم گو کم تھا جو اب چپ سادھ لی تھی۔ بس کام کی بات کر کے خاموش ہو جایا کرتا تھا۔ اس دوران ایک آدھ ملاقات دائم سے بھی ہوئی تھی اور دائم اسکی جانب سے بہت فکر مند تھا۔ وہ دونوں بس اسکے حق میں اللہ سے دعا ہی کیا کرتے تھے کہ اسے اسکی خوشی مل جائے جو رومائزہ میں تھی۔

اسکی سنجیدگی اس دوران کم ہوئی تھی جب رومائزہ فارم ہاؤس میں تھی اور وہ اس سے ملنے جایا کرتا تھا۔ تب وہ ایک مختلف انسان ہوتا تھا۔ ورنہ سب کے سامنے وہی ایک رعب دار سنجیدہ اپنے خول میں رہنے والا بندہ تھا۔

گاڑی سے اتر کے میران مراد کے ساتھ اپنی شیو پہ ہاتھ پھیرتا ہوا اندر دروازے تک آیا۔ اسکے قدم وہیں رک گئے۔ اندر سے لڑکیوں کے شور کی آواز آرہی تھی۔ کئی قہقہے بلند تھے۔ ڈھول کی تھاپ، اسپیکر میں بجتا گانا اور اسی سب میں اسکے کھکھلانے کی بھی آواز آئی تھی۔ 'انوش انوش' کر کے وہ ہنستے ہوئے کسی سے شاید مخاطب تھی۔ شور بہت تھا۔

میران کے چہرے کے تاثرات یکدم نرم ہو گئے۔ اس نے ایک قدم پیچھے لیا۔

"کیا ہوا؟" اسکے رکنے پہ مراد نے پوچھا۔

"رومائزہ... وہ اندر ہے؟" چونکتے ہوئے اس نے مراد سے پوچھا ساتھ ہی اس نے تھوڑی رگڑی۔

"پتا نہیں، شاید عائشے نے بلایا ہو۔ ہاں وہ کہہ رہی تھی۔" یاد آتے ہی وہ بولا۔ میران نے آنکھیں بڑی کر کے اسے گھورا پھر نظر ہٹالی۔

"اچھا ہے وہ یہاں ہے۔ اس سے بات کر لو۔ سچ پتا چلے گا تو مان جائیگی۔" مراد اسکا بازو تھام کر بولا۔

"مجھے دیکھ کر وہ غصے سے پاگل ہو جاتی ہے۔ اتنی مشکل سے وہ اسٹریس سے باہر نکلی ہے۔ میں اسی لیے اسکا سامنا بھی نہیں کر رہا تھا۔"

"تمھیں پہلے ہی اس سے بات کر لینی چاہیے تھی۔ سفیر کے آفس بھی تو گئے تھے نا"!

"ہاں گیا تھا بات کرنے، پر کچھ نہیں ہو سکا۔ درمیان میں سفیر آ گیا تھا۔ پھر دوبارہ جامعہ گیا اسے حقیقت بتانے کے لیے تو اس نے اپنی شادی کا ہی فیصلہ سنا دیا۔ سفیر کو اسکے پاس دیکھ کر ویسے ہی میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ اس لڑکے کو میں نے کہا تھا خیال رکھے رومائزہ کا! پر اسکے قریب ہرگز نہ جائے۔ اور دیکھو اسے وہ رومائزہ سے شادی کے خواب سجائے بیٹھا ہے۔ کمینہ انسان۔"

سفیر سے نفرت میران کے لہجے میں جھلک پڑی۔ مراد نے سر جھکا کے ہنسی دبائی۔ اسکا چہرہ سفیر کا زکر کرتے ہوئے ہی لال ہو گیا تھا۔

"ویسے ایک بات ہے تم رومائزہ سے ڈرتے ہو۔" مسکراہٹ دباتے مراد نے کہا۔

"اسے تکلیف نہ پہنچے، بس اس بات سے ڈرتا ہوں۔ ابھی بات کرنے کا موقع نہیں۔ وہ خوش ہے۔ بلاوجہ مجھے دیکھ کر، باتیں سن کر اس جنونی لڑکی کا دماغ خراب ہو جائیگا۔ ویسے ہی وہ سنتی کم ہے چیختی چلاتی زیادہ ہے۔" میران نے ہلکا سا سر جھٹک کے کہا۔

"تمھارا ولیمہ ہو جائے پھر بات کرونگا۔" نگاہیں سامنے دروازے پہ جمی تھیں۔ بڑی ہی شدت سے طلب ہو رہی تھی اسے دیکھنے کی۔ اور بڑی مشکل سے اس نے دل پہ پہرے بٹھا کر قدم پیچھے لیے تھے۔

"انشاءاللہ وہ مان جائیگی تم پہ بھروسہ کرے گی۔ کہو تو اسے باہر بلالوں دور سے ہی دیکھ لینا۔" مراد نے اسکا کندھا تھپکا اور آخر میں شرارت سے بولا میران نے بھنو چڑھا کے اسے دیکھا۔ پھر پر سوچ انداز میں نظروں کا رخ پھر لیا۔ رومائزہ کے بارے میں وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ پتا نہیں یقین کرے گی بھی نہیں۔ اس دن فارم ہاؤس پہ اسکی بات سن کے کتنا شور شرابہ کیا تھا۔

"تم بیٹھو میں مام کو بلا کر لاتا ہوں۔ بہت یاد کر رہی تھیں تمھیں۔" اسے باہر لان میں بچھی میز کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

انوش کو ڈرائیو رلینے آیا تھا۔ اور وہ اتنی جلدی یہاں سے ہلنے پہ راضی نہیں تھی۔ اس نے رومائزہ کو باہر بھیجا تھا کہ ڈرائیور کو ویٹ کرنے کا بول دے۔

رومائزہ سفیر کو میسج کرتی ہوئی اپنی دھن میں گنگناتی باہر نکلی تھی۔ میران جسکی پشت دروازے کی طرف تھی اسکی میٹھی آواز سن کر کرسی پہ منجمد رہ گیا۔

خوابوں کی دنیا میں جینا کہاں ہے

جینے کی خواہش میں مرنا یہاں ہے

پرانی کتابوں کے پنے سبھی

گواہی یہاں دیتے رہ جائیں گے

میران کو لگا اس کا دل بند ہو جائیگا۔ اس نے لب پیوست کر لیے۔

رومائزہ چلتے ہوئے راہداری تک آگئی جسکے کناروں پہ دیے روشن تھے۔ لان میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے سر اٹھایا کہ لائٹ چلی گئی۔ میران کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

گھر کے اندر شور سا مچا تھا۔ اندر باہر دونوں طرف تاریکی پھیل گئی۔ جلتے ہوئے دیوں نے راہداری میں روشنی پھیلائے رکھی اور درمیان میں رومائزہ الجھن زدہ کھڑی تھی۔

"سنیں کریم بھائی، آپ تھوڑی دیر یہیں ویٹ کرلیں انوش کو تھوڑا ٹائم لگے گا۔" اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دینے کے باعث کسی کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے وہ اسے ڈرائیور کریم بھائی سمجھ بیٹھی۔

"استغفر اللہ... اللہ مجھے صبر دے۔ بس بھائی سننے کو رہ گیا تھا اب۔"

میران کڑ کے رہ گیا۔ اندھیرے میں رخ اس نے راہداری کی طرف موڑا۔

جامنی گھٹنوں کو چھوتی فراک اس نے پہن رکھی تھی۔ بال آدھے چہرے پہ جھکے ہوئے تھے۔ اور اس کا چہرہ موبائل کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ دیوں کی زرد روشنی کے درمیان میں وہ کھڑی تھی۔ اس خوبصورت منظر کو میران نے نگاہوں میں سمویا تھا۔

میران نے صرف دیکھا ہی تھا۔ تبھی رومائزہ نے موبائل کی فلیش لائٹ کھول کے اسی جانب موبائل کا رخ کر دیا۔ لمحہ ضائع کیے بغیر میران نے چہرہ پھیر لیا۔ اسکی سانسوں کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ اسی جانب قدم اٹھا رہی تھی۔ آخر اس لڑکی کو کیا مسئلہ تھا! جا کیوں نہیں رہی تھی؟

"بلکہ کریم بھائی آپ چلے جائیں۔ میں انوش کو خود گھر ڈراپ کر دونگی ہمیں لیٹ ہو جائیگا۔"

وہ مزید بولتی ہوئی اسکی پشت کے بے حد قریب آگئی۔

فلیش لائٹ لیتی وہ گھوم کر اسکے سامنے جانے لگی تھی۔ پیچھے سے زرپاش کی آواز پہ قدم رک گئے۔

"رومائزہ بچے کیا ہوا؟ اندھیرے میں کیا کر رہی ہو؟" میران کی پشت کے قریب اسے دیکھ وہ گھبراہٹ پہ قابو پا کر بولیں۔ انکے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ میران نے چہرہ گھمانے کی غلطی نہیں کی بے جان وجود کی طرح کھڑا رہا۔

"آنٹی میں کریم بھائی کو انوش کی واپسی کا بتانے آئی تھی۔" وہ زرپاش کہ طرف گھوم گئی زرپاش فوراً اسکے پاس آئیں۔

"بیٹا یہ مراد کے دوست ہیں کریم بھائی نہیں۔ آپ جاؤ میں انکو بول دیتی ہوں۔" اسے پچکارتے ہوئے زرپاش نے کہا۔ رومائزہ نے چونک کر دانتوں تلے زبان دبائی۔

"اوہ، آیم سوری مسٹر..." ایک بار پھر وہ فلیش لائٹ کی روشنی سمیت گھومی۔ میران نے مٹھی بھینچ لی۔ کیا عذاب لمحہ تھا دل تو کر رہا تھا پلٹ جائے۔ پر رومائزہ کی خوشی جو اسے دیکھ کر برباد ہوتی اسکا بھی اندازہ تھا۔ اسے پتا تھا رومائزہ کو سچ بتانا آسان کام نہیں۔

زرپاش نے رومائزہ کو بازو سے پکڑ کے اپنی طرف کیا۔

"امتیاز جنریٹر چلاؤ جلدی۔" انکا لہجہ سخت اور بلند ہوا۔

"باجی چلا رہا ہوں، اس میں آئل ختم ہو گیا ہے۔" پورچ کی طرف سے امتیاز کی آواز سنائی دی۔

"آجاؤ بیٹا۔ "زرپاش رومائزہ کو لیتی آگے بڑھی۔ رومائزہ کو انکا انداز عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ اب تو اسے مراد کے دوست کو دیکھنے کا تجسس پیدا ہو گیا تھا۔

اس نے راہداری میں بڑھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا پر وہ شخص شاید عورتوں سے پردہ کرتا تھا جو پلٹا ہی نہیں۔

انجانے میں اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ تبھی مراد باہر چلا آیا اور رومائزہ کو دیکھ چونک گیا۔

"آپ لوگ کیا کر رہے ہیں یہاں؟"

"کچھ نہیں جاؤ تمھارا دوست اکیلا بیٹھا ہے اسے اکیلا چھوڑ کے اندر چلے گئے۔ "زرپاش نے تھوڑے غصے سے کہا۔

"اور باہر انوش کو ڈرائیور لینے آگیا ہے، آپ انھیں واپس بھیج دیں میں اسے گھر ڈراپ کر دونگی"..

رومائزہ اسے کہتے اندر چلی گئی۔

جنریٹر کی آواز گونجی۔ بنگلا روشنیوں سے نہا گیا۔ اسکے اندر جانے کے بعد دونوں ماں بیٹے نے سکون کا سانس خارج کیا اور میران کے پاس چل دیے جو سر پکڑ کے کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔

مختصراً زرپاش نے رومائزہ کی بات مراد جو بتادی۔ مراد کی ہنسی بے قابو ہو گئی۔

"کریم بھائی سوری.. "وہ ہنستے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔میر ان نے دانت پیس کر اسے دیکھا۔زرپاش کے گھورنے پہ مراد نے ہنسی کا گلا گھونٹنے کی ناکام سی کوشش کی۔

گہری چاندنی ہرسوں پھیلی ہوئی تھی۔جاہ بنگلے کالان روشنیوں سے جلملا رہا تھا۔پر اندر دلوں میں ویرانہ قائم تھا۔پھر جس میں ایک عجیب سے احساس کا شور اٹھتا جو پہلے کبھی نہیں اٹھا تھا۔

عزیز میران کے کمرے سے ایک فائل لینے کے لیے بنگلے آیا تھا۔شمس کو سوچوں میں غرق چاند تاروں کو تکتے ہوئے دیکھ کر وہ لاشعوری انداز میں اسکی جانب چلا آیا۔

آج سے پہلے اس نے شمس کے کبھی یہ تاثرات نہیں دیکھے تھے۔وہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔میران کی وجہ سے عزیز زیادہ تر بنگلے میں ہوا کرتا تھا پر اب جب میران ہی یہاں چکر نہیں لگا رہا تھا تو اس نے بھی آنا چھوڑ دیا۔کافی دن بعد شمس کو دیکھا تھا۔

عزیز اسکے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔شمس کا تسلسل ٹوٹا اس نے چہرہ گھما کر عزیز کو دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں۔

"کیا کوئی نیا ڈرامہ رچانے والے ہو تم بڑے جاہ کے ساتھ؟"عزیز طنزیہ مخاطب ہوا۔شمس نے سوکھے لبوں پہ زبان پھیری پھر لفظ تولنے لگا۔

"بڑے جاہ کے تو میران بابا نے سارے پر کاٹ دیے۔ وہ تو بس اپنے تیش میں سلگ رہے ہیں۔"

عزیز نے گردن موڑ کے پیچھے بنگلے کو دیکھا پھر واپس سیدھا ہوا۔

"غلط کاموں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔"

وہ سرد مہری سے بولا۔ اقتدار ذولفقار نے پہلے ہی میران کو دے دیا تھا، اس بات کا انھیں غم نہیں تھا۔ غصہ تھا کہ میران نے انکے خلاف اتنا بڑا اقدم اٹھالیا۔ وہ تو کبھی نہیں مانتے تھے کہ دولت انھوں نے ملک کی لوٹی ہے۔ اور اب عہدہ بھی چلا گیا تھا تو سب ختم۔ حتی کے انکے کاروبار تک ضبط کیے جا چکے تھے۔ اب وہ بلکل فارغ تھے۔ بنگلے سے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ دولت کے ساتھ عزت بھی جا چکی تھی۔ میران نے چاہا تھا معاملہ میڈیا تک نا پہنچے پر مراد کو وہ روک نہیں سکا تھا۔ مراد نے ہی انھیں اریسٹ کرنے کے بعد میڈیا بلایا تھا۔

" تم سہی کہہ رہے ہو برے کاموں کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔" شمس نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔ عزیز اب چونکا تھا۔ وہ سیدھا ہوا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" پوچھے بنا وہ رہ نہیں سکا۔

"بہت کچھ ہو گیا ہے، میں نے بڑا برا کیا رومائزہ میڈم کے ساتھ۔ جتنا بڑے جاہ کا قصور اتنا قصور وار میں بھی ہوں۔ انکی آہیں میرے بیٹے کو لگ گئی ہیں۔ عمر کو کینسر تشخیص ہوا ہے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کے اسکے سامنے رو دیا۔ عزیز جگہ پہ ساکت ہو گیا۔ والدین کا کیا اولاد کے سامنے ہی آتا ہے۔ عمر تین سالہ چھوٹا بچہ تھا۔ عزیز سے کئی بار ملا تھا۔ اور عزیز کو چاچو کہا کرتا تھا۔ عزیز دعا مانگتا تھا کہ وہ اپنے باپ پر نہ جائے۔

عمر کی بیماری کا سن کے اسے خود بے حد افسوس ہوا۔

"عزیز، میرا بیٹا بہت تکلیف میں ہے۔" اس نے آنسو خشک کیے پھر دوبارہ گرم سیال اشکوں سے بہہ نکلے۔ عزیز کے پاس لفظ ختم ہو گئے۔ نا اس میں ہمت بچی تھی کہ شمس کو اس سب کا زمہ دار ٹھہراتا۔

"اللہ اسے صحت کے ساتھ زندگی دے۔ میڈم کی بددعائیں تمھارے بیٹے کو نہیں لگ سکتی۔ تمھارا کیا اسکے سامنے آیا ہے۔ وہ تو تمھارے بیٹے کو جانتی تک نہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں ظلم بھی اتنا کرنا چاہیے کہ جب خود کی باری آئے تو برداشت کر سکو۔ تم لوگوں نے ان سے انکا سب کچھ چھین لیا۔ کس قدر وہ تکلیف سے گزری ہیں۔ اور چھوٹے سائیں وہ الگ تکلیف سے دوچار رہے۔" عزیز کہے بغیر رہ نہ سکا۔ شمس نے اسکے آگے ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

"عمر کہاں ہے؟"

"ہاسپٹل میں ہی ایڈمٹ ہے اسکی ماں اسکے پاس ہے۔ اسکی الٹیاں بلکل نہیں رک رہیں۔ میں بس بڑے سائیں کو یہی بتانے آیا تھا۔" عزیز نے اسکی پیٹ تھپک کر اسے تسلی دی تھی۔ عزیز کی نگاہ ٹیبل پہ پڑے نوٹوں کی گڈی پہ گئی۔ زولفقار نے ہی شمس کو اسکے بیٹے کے لیے علاج کے لیے دیے تھے۔

عزیز اسکے پاس سے اٹھ کے فائل لینے اندر چلا گیا۔ پیچھے وہی رات کی گہری خاموشی اور شمس کے دل میں پچھتاوے کا شور رہ گیا۔

دمیر ہاؤس میں گہما گہمی مچی تھی۔ شام سے تقریب کا آغاز تھا۔ دائم اور نیمل کا نکاح بادشاہی مسجد میں ہوا تھا۔ میران نکاح میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔

نکاح کے بعد سب ہال پہنچ پہنچ گئے تھے۔

وہ دونوں دلہن بنی اسٹیج پہ موجود تھیں ہر انکے میاں نیچے سب سے مل جل رہے تھے۔

"بھابھی میں کیسی لگ رہی ہوں؟" نیمل نے مہمانوں کی طرف نظر اٹھا کے جھلاتے ہوئے مسکراہٹ سجا کر پوچھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ تمھارے میاں جی تمھیں چھوڑ کے چلے گئے؟ انکو اسٹیج پہ بیٹھنا چاہیے تھا۔ ولیمہ ہمارا ہے گھومتے پھرتے ہم اچھے لگیں گے۔" عائشے سامنے نگاہ جمائے بولی۔

"مجھ بے چاری کا کیا قصور ہے مجھے بھی اسٹیج سے اترنا ہے۔" نیمل نے منمناتے ہوئے کہا اور اسٹیج کے پاس کھڑی زرپاش کو دیکھا جنھوں نے اس آنکھیں دکھا کر خاموش رہنے کی تلقین کی تھی۔ عائشے نارمل انداز نیں گفتگو کر رہی تھی پر نیمل کے تاثرات بڑے نرالے تھے۔

زرپاش واپس زریں اور انعم کی طرف مڑ گئی تھیں۔

دھیمی آواز میں میوزک چل رہا تھا۔ ماحول میں سرور سا تھا۔

رومائزہ سجل کے ساتھ اسٹیج پہ آئی تھی۔ اور ان دونوں کی بے جا ضد پہ انھیں اپنے ساتھ نیچے لے گئیں۔

"بڑی دیر کر دی آپ لوگوں نے آنے میں۔" زرپاش غضنفر فیملی کو ریسو کرتے ہوئے مخاطب ہوئیں۔

"بس سفیر اور غضنفر کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ رومائزہ کو اسی لیے میں نے پہلے ہی انوش کے ساتھ بھیج دیا تھا۔"

بتول نے سفیر کا کاندھا تھام کے کہا۔ اس نے مسکرا کے انھیں سلام کیا تھا۔ فیملی کو آتا دیکھ رومائزہ انھی کے پاس چلی آئی۔ ہاں اب وہی تو اسکے فیملی ممبرز تھے۔

سفیر نے ایک نگاہ سر تا پیر اسے دیکھا تھا پھر نظریں پھیر لیں۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی لمبی گھیر دار فراک کو پہلو سے تھوڑا اونچا کیے انکی طرف آئی تھی۔

غضنفر نے اسے خود سے لگایا۔

"آپ لوگ ادھر آجائیں۔" اس نے انھیں انوش کی فیملی جہاں بیٹھی تھی اسی ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

بتول اور غضنفر ایک جگہ بیٹھ گئے تھے۔

سفیر رومائزہ کے ساتھ عائشے اور مراد سے ملنے چلا گیا۔ وہ دونوں ساتھ کھڑے مہمانوں سے مل رہے تھے۔ اور دونوں کی جوڑی بہت بچ رہی تھی۔ عائشے کی میکسی کے امتزاج سے ملتا جلتا مراد کے ڈنر سوٹ کا کلر گرے تھا۔

"روما تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ تمھیں نہیں اندازہ یہ کلر تم پہ کتنا کھلتا ہے۔" عائشے چونکہ اب اسٹیج سے نیچے تھی تو کھل کے رومائزہ سے ملی اور بانہیں کھول دیں۔

"میری جان آپ دونوں بھی پیارے لگ رہے ہیں۔" رومائزہ نے اس سے دور ہٹتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ۔ اب اگلا نمبر تم دونوں کا ہی ہے۔" عائشے نے ہنستے ہوئے سفیر اور اسکو دیکھتے ہوئے کہا۔ سفیر مسکرا دیا۔ اور روما نے پھیکا سا مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ اور مراد کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ اسے سفیر سے کوئی مسئلہ نہیں تھا پر وہ اسے اب درمیان گھسی ہوئی کباب میں ہڈی محسوس ہونے لگا تھا۔

دائم انکو دیکھ وہیں چلا آیا۔ رومائزہ اس سے بھی ملی۔ وہ تینوں مرد کھڑے باتیں کرنے لگے۔ رومائزہ عائشے کو اپنے ساتھ صوفوں کی طرف لے گئی۔ وہیں نیمل بیٹھی انوش سے اور اپنی کچھ قریبی دوستوں کے ساتھ تصوریں کھنچوا رہی تھی۔

تقریب بہت اچھے سے جاری تھی۔ رومائزہ کو نہیں معلوم تھا دائم میران کا دوست ہے۔ اور دائم نے بھی اسے آج پہلی بار روبرو دیکھا تھا۔ اور میران کی پسند پہ عش عش کر اٹھا۔ وہ سحر انگیز شخصیت کی حامل لڑکی تھی۔

دائم کو اپنے خاص یار کیلئے بے حد دکھ تھا۔ اسکا بس چلتا تو خود ہی میران کے حوالے سے ابھی رومائزہ کو صفائیاں دینے بیٹھ جاتا۔ اسے تو اتنا شوق تھا یہ جاننے کا کہ میران جاہ نے اپنا کس کو دل دیا ہے، اور جب وہ بھابھی جی سے ملتا تو خوب میران کی برائیاں کرتا۔ پر افسوس صد افسوس سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔

مراد کے کئی دوست جو خود آفیسرز تھے اور کر خاص آرمی سے تعلق رکھنے والے اشخاص بھی مدعو تھے۔

مراد میران کا منتظر تھا۔ عائشے اور مراد کی بلیک اینڈ وائٹ اینٹری ہو چکی تھی وہ تب بھی نہیں آیا تھا۔ وہ عائشے کے ساتھ اسٹیج کے کنارے پہ ایک طرف تھا اور پیچھے سے اسے تھام رکھا تھا۔ فوٹو گرافر انکی تصویریں لینے میں جتا ہوا تھا۔

"آؤ خورشید آؤ، تمھارے ساتھ بھی ایک تصویر ہونی چاہیے۔" خورشید صاحب خوب نک سک سے تیار ہوئے وہاں آئے تھے۔ عائشے مسکرانے لگی۔

"سر ولیمہ مبارک، مجھے تو لگا کہ آپ بس نکاح کے کھجوروں پہ ہی ٹرا خا گئے۔" وہ مراد کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور کیمرے میں دیکھ کر بولا۔

"تم تو گواہ بنے تھے سمجھو یہ سارا اہتمام تمھارے لیے ہی ہے۔" مراد ہنستے ہوئے بولا۔ فوٹو گرافر تصویر کھینچ کر ایک طرف ہو گیا۔

"خورشید بھائی اب آپ بھی شادی کر لیں۔" عائشے نے مسکرا کر کہا۔ خورشید کے شانے چوڑے ہو گئے۔

"بھابھی جی بس ایک جگہ بات چل رہی ہے دعا کریں بات بن جائے۔" جھینپتے ہوئے وہ بولا، مراد نے اسکی پیٹ پہ مکا جڑا۔

"واہ خورشید میاں بڑے چھپے رستم نکلے۔ مجھے تو تم نے اس بارے میں بتایا ہی نہیں۔" وہ شاکی نظروں سے گھور کے بولا۔

"آپ نے پوچھا ہی کب؟ آپ پہ تو ہر وقت کام کا بھوت سوار ہوتا ہے." خورشید نے فٹ کہا۔

"اور غصہ ناک پہ چڑھا رہتا ہو گا۔ ہے نا؟" مراد کو چھیڑتے ہوئے عائشے خورشید کا ساتھ دینے لگی۔

"گھر جا کے بتاؤنگا کتنا غصہ ناک پہ چڑھا ہوتا ہے۔" مدھم سی اس نے سرگوشی کی جسکا عائشے پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ الٹا ہنستی مسکراتی گئی۔ خورشید مزید ہنس بول کے چلا گیا۔

تقریب رواں دواں تھی۔ پھر غیر معمولی ساشور اٹھا۔ اینٹرنس پہ نگاہ گئی تو مراد کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ عائشے کا ہاتھ تھام کے وہ اسٹیج سے نیچے اترا۔

دو گارڈز میران کے پیچھے تھے اور دو آگے، عزیز اور عبدل ان دونوں کی ڈریسنگ عام تھی۔ باقی دوسرے گارڈز بلیک یونیفارم میں تھے جو لوگوں کو اسکے پاس آنے سے روک رہے تھے۔ اسکی آمد کا عوام میں شور سا اٹھ چکا تھا۔ لوگ دیوانوں کی طرح جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ موبائل کیمراز کا رخ اسکی طرف کر لیا۔

رومائزہ جو ہنستے ہوئے انوش سے مخاطب تھی اسکی نگاہ میران کی جانب اٹھی اور وہیں جم گئی۔ لفظ منہ میں دم توڑ گئے۔ وہ ساکن نگاہوں سے اس مغرور سحر انگیز شخص کو اندر آتے دیکھنے لگی۔ انوش نے اسکی نظروں کے زاویے میں دیکھا۔

"شٹ..." وہ زیرِلب بڑبڑائی۔ مہمان خصوصی میران ہی تھا۔ پھپھو اسے دیکھ فوراً اسکے پاس پہنچی تھیں۔ وہ مسکراتا ہوا سفید شلوار قمیض پہ کالی واسکٹ پہنے بال جیل سے سیٹ کیے بائیں ہاتھ میں ریسٹ واچ پہنا تھا۔ مغرور، طمانیت سے بھرا چہرہ۔ سیدھی کھڑی ناک۔ انداز میں بے پروائی۔

دمیر فیملی اسکے پاس ہی جمع ہوگئی۔ پوری شان و شوکت سے اسکا استقبال کیا تھا۔

رومائزہ ہکا بکا سی منظر دیکھ رہی تھی۔ زرپاش آنٹی اس سے مل رہی تھی بلکہ پیار نچھاور کر رہی تھیں۔ مراد گلے ملا تھا۔ ارباز انکل سے اس نے مصافحہ کیا۔ اور دائم نے تو چھک کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ جیسے بہت بے تکلفی

ہو، اور نیمل کے سر پہ اس نے ہاتھ رکھا تھا۔ اور شاید کچھ کہہ رہا تھا۔۔ نکاح میں جو شرکت نہیں کر پایا اس پہ وہ ایکسکیوز کر رہا تھا۔ اور عائشے کو اس نے مخاطب نہیں کیا تھا پر ایک نگاہ دیکھا ضرور تھا۔ اور ان چاروں کو ہی مبارکباد دی۔

نیمل دائم کے برابر میں کھڑی تھی۔ دائم نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔ جلدی سے اس نے ہاتھ چھڑایا۔

"آپ لوگوں نے تو لگ رہا ہے ایک جگہ دھرنا ڈال دیا ہے۔ اس طرح ری ایکٹ نا کیا کریں مجھے بلکل پسند نہیں۔ یار تم کیوں اسٹیج سے اتر آئے میں خود آ رہا تھا نا۔" مراد کی پیٹ پہ ہلکا سا مکہ مارتے ہوئے اس نے خفت سے کہا۔

"تم مہمان خصوصی ہو، استقبال تو پھر ہمیں کرنا ہی تھا۔ میران صاحب آپ یہاں آئے ہمیں بہت اچھا لگا۔"

"بلکل آپکی آمد نے ہمارا دن مزید خاص بنا دیا۔"

مراد کے ساتھ دائم بھی اسے زچ کرنے لگا۔

"شٹ اپ پلیز۔ ہٹورش کم کرو۔" وہ دونوں اسکے سب سے قریب کھڑے تھے دونوں کو ہٹا کر بولا۔ ارباز کے ساتھ ایک طرف بڑھ گیا۔ مرتضی صاحب اور زریں سے ملنے کے بعد وہ ایک جگہ صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔ وقفے

وقفے سے لوگ اس سے ملنے آرہے تھے۔لوگوں کی محبت کا وہ احترام کرتا تھا پر یہ سب بہت زیادہ ہو جاتا تو زچ ہونے لگتا تھا۔وزیر اعلی بننے کے بعد اسکی مقبولیت مزید بڑھ گئی تھی۔

جب اسکے ارد گرد سے ہجوم ختم ہوا تو نظریں یارِ دیدار کی متلاشی ہوئیں۔

اس نے چاروں طرف تھوڑا اوپر ہو کے نگاہ دوڑائی۔ایک جگہ بائیں طرف اسکی نظر ٹھہر گئی۔

سفید پیروں کو چھوتی گھیر دار فراک اس نے پہن رکھی تھی۔بھورے سنہرے بال کندھے تک گرے ہوئے تھے۔کچھ آزاد زلفیں چہرے کو بار بار آ کر چومتی جنھوں وہ انوش سے باتوں میں مگن بار بار پیچھے اڑس رہی تھی۔اسی اثناء میں نظر سفید گداز ہاتھوں پہ گئی۔جو سرخ مہندی کے رنگ سے رنگین تھے۔ہتھیلی کی پشت پہ گول سرخ چاند اور پورے لگے تھے اور صاف گداز ہاتھوں میں اس نے سفید موتیے کے ساتھ گجرے پہن رکھے تھے۔

اسے دیکھ کر ہی میران کا چہرہ کھل اٹھا۔ساری تھکن لمحوں میں اتری گئی تھی۔سرشاری سی روح میں دوڑ گئی۔لبوں پہ پرتپاک مسکراہٹ نے جگہ بنا خیراں ہوتی آنکھیں اب تک مسکرا رہی تھی۔

اسکا ہر انداز وہ آنکھوں میں محفوظ کر رہا تھا۔دیدار کی پیاسی آنکھیں اب سیر ہونے لگیں۔

رومائزہ کو اسکی نگاہیں خود پہ جمی محسوس ہو گئی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکراہٹ بھی غائب ہوئی اور زخم ہرے ہونے لگے تھے پر اس نے کمزور نہیں پڑنا تھا۔ اور اسے دیکھ کر آخر کیوں کمزور پڑتی تھی؟!

نفرت کو تو اسے مضبوط کر دینا چاہیے تھا پر وہ اس اپنے سامنے پا کر پھر تکلیف سے دوچار ہو جاتی۔

لبوں کو لاکھ تبسم سے باز رکھ لیکن

تیری آنکھیں بہت مسکرانے والی ہیں

وہ زبردستی مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی۔ اسکے پوچھنے پہ انوش نے اسے بتایا تھا میران مراد کا کزن ہے اور دائم میران کا دوست ہے۔ سفیر بھی ساتھ کھڑا تھا وہ چونکا تھا پھر سر ہلا گیا۔

انوش ان دونوں کے پاس سے ہٹ گئی۔

روما کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ اس نے ٹشو سے پسینہ خشک کیا۔ گہری سانسیں لیں۔ اس قدم اٹھایا تو توازن بگڑ گیا۔ سفیر نے اسے تھاما تو وہ ٹھہر سی گئی۔ دور کھڑے مراد کی نگاہ میران کی نظروں کے ارتکاز میں رومائزہ پہ گئی تھی۔ اس نے شدت سے میران کے لیے دعا کی۔ وہ اسکی آنکھوں میں چھپا درد دیکھ سکتا تھا۔ وہ مضبوط انسان کس قدر تکلیف سے گزر رہا تھا یہاں مشکل ہی کوئی سمجھ سکتا تھا۔

سفیر کو رومائزہ کے بے حد قریب دیکھ میران کی آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

کون کمبخت محبت میں شراکت برداشت کر سکتا ہے؟ میران کے بس میں نہیں تھا کہ وہ سفیر اور رومائزہ کو ساتھ دیکھے۔ انکو جو شادی کرنے لگے تھے۔ سرد مہری سے اس نے نگاہیں ہٹا لیں۔ رومائزہ بھی خاموشی سے انوش کے پیچھے چلی گئی تھی۔

کھانا کھل چکا تھا۔ دائم میران کے پاس آ کے بیٹھ گیا۔

"یار بھابھی ادھر اکیلی کھڑی ہیں موقع ہے ابھی جا کے ساری انکی بدگمانیاں ختم کر دو۔ سب سچ بتا دو۔ ورنہ میں جا کے بتا دونگا۔"

دائم بے صبری سے مسلسل اسے رومائزہ کے پاس جانے پہ زور دے رہا تھا۔ میران اسکی کچ کچ سے اکتا گیا۔

"میں ڈرتا ہوں اگر اس نے یقین نہیں کیا تو میں..." کہتے کہتے وہ خاموش ہو گیا۔ ادھوری بات کا مفہوم سمجھ کر دائم نے سر جھکا لیا۔

"غالب تیرے عشق نے ہم کو نکما بنا دیا، ورنہ بندے ہم بھی کمال تھے... یہ غالب نے شعر تمھارے لیے ہی لکھا ہے۔" دائم تپ کر بولا۔ میران کی نگاہیں ایک غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں پھر کچھ سوچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ دائم نے شکر ادا کیا لبوں کو کانوں تک لانے کی کوشش کی۔

مہمانوں کی نظروں سے دور وہ ایک خالی ٹیبل کے پاس کرسی کی پشت پہ ہاتھ ٹکائے گجرے کے گلابوں کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ اس طرف لوگ بھی کم تھے اور ٹیبلز اس خاص ٹیبل سے دور دور لگی تھیں۔ وہ ایک کونے کی طرف تھی درمیان میں پلر کی اوٹ تھی جہاں سے باقی ہال تو دیکھ سکتے تھے پر وہ جگہ دور سے نہیں دِکھ سکتی تھی۔

رومائزہ خیالوں میں کھوئی ہوئی مسکراتے ہوئی گجروں پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا اسکے پیچھے کوئی آن کھڑا ہوا ہے۔ پھر وہ جانی پہچانی خوشبو، ایسی خوشبو جو میران لگاتا تھا۔ اسے محسوس کرتے ہی وہ چونک کے پلٹی۔

میران قریب سے مزید رومائزہ دل تیز دھڑکانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس شاندار شخصیت کے انسان کو دیکھ کر وہ آنکھیں میچ کر خود پہ قابو پاتی اسکے پاس نکلنے لگی۔ میران نے ہاتھ حائل کر کے اسے روکا۔ رومائزہ نے کاٹ دار انداز میں اسے دیکھا۔

"میری بات سن لو، پھر اسکے بعد تمھارا جو فیصلہ ہو گا وہ مجھے منظور ہے۔ پر پہلے میری بات سنو۔" وہ گھمبیر آواز میں سنجیدگی سے بولا۔

"کیا سنوں میں؟ کوئی نئی کہانی بنا کر لائے ہو گے؟ کافی دن نہیں لگ گیے کہانی بنانے میں!" رومائزہ قدرے تلخی سے گویا ہوئی۔

"مجھے ہمیشہ غلط سمجھنے کا تمھارا المیہ رہا ہے۔ دنیا کے ہر شخص پہ بھروسہ کرلو بھلے وہ تمھارا دشمن ہو پر مجھ پہ یقین کبھی نہیں کروگی۔ زولفقار جاہ کی باتوں میں تم فوراً آگئیں۔ جانتی ہو میں اپنے کہے سے پیچھے نہیں ہٹتا تم کو گھر بجھوانا تھا تو میں نے بجھوایا تھا۔ پر انھوں نے میرے آدمیوں کو مجبور کردیا اور سب کچھ وہ کروایا جو انکی خواہش تھی۔ اور نام استعمال میرا کیا۔ تم نے خبروں میں دیکھا ہوگا پچھلے دنوں کیا ہوا۔ بس اسی لیے میں مجبور تھا اور فارم ہاؤس میں مجھے اقرار کرنا پڑا۔"

اس نے شنواری صاحب کو پیسے دینے کے علاوہ سب کچھ بتادیا۔ کیسے شنواری صاحب کو انھوں نے بے ہوش کروایا اور باقی کی کہانی۔

روما کی آنکھیں بھیگنے لگیں اس نے سر اٹھایا۔ میران کے دل میں امید کے دیے جل رہے تھے۔

"جھوٹ، تمھاری ساری باتیں جھوٹ ہیں۔۔" ہال کی دوسری پار دیکھتے ہوئے اس نے دل پہ جبر کیے درشتگی سے کہا۔

"مجھے لگتا ہے میں تمھیں اپنی محبت کا یقین دلاتے دلاتے فنا ہو جاؤنگا پر یقین تب بھی نہیں کروگی۔" وہ جلتی آنکھوں سے اسے دیکھتے بولے تلخی سے بولا۔

"کیسے کروں یقین! بابا چھوڑ کے چلے مجھے، لوگوں نے میرا کردار داغ دار بنادیا۔ میں خود مرتے مرتے بچی ہوں۔ تم پہ یقین کیا تو تھا۔ آنکھ بند کر کے کیا تھا کہ میران ایسا نہیں کرسکتا۔ پر تم نے ہی اپنی انا کی خاطر مجھے

روک لیا۔ اور اب تم کہانیاں بنا رہے ہو، اس واقعے کے ساتھ سب جوڑ کے۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولی۔ میران نے لب بھینچ لیے۔ جبڑا کَس گیا۔

"رومائزہ شنواری نے اپنی زندگی میں صرف ایک شخص سے نفرت کی ہے اور وہ تم ہو میران"!

وہ قدرے سخت لہجے میں بولی تھی۔ میران کا دل کرچی کرچی ہوا۔ کرب کے آثار نمایاں ہوئے۔ وہ محسوس کر گئی تھی اس کا احوالِ دل۔

چند لمحے وہ خاموش کھڑا رہا، جوان سالہ مضبوط مرد بڑی ہی اذیت میں محسوس ہو رہا تھا۔ روما اسے دیکھے گئی۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں۔

"تم نے اس دن معافی مانگی تھی نا... مم میں معاف کرتی ہوں تمہیں۔"

اچانک ہی اسکے لبوں سے الفاظ ادا ہوئے۔ میران نے سر اٹھا کے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ اس بات کا مطلب کیا تھا؟ یہی وہ ابھی بھی اسے قصوروار سمجھ رہی تھی۔

میران کی تکلیف سے دوہری حالت دیکھ اس نے فیصلہ کیا تھا۔

"معاف ضرور کیا ہے پر تمھاری زندگی کا حصہ کبھی نہیں بنو نگی!" اسکی آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو گئے، نمی آچکی تھی، پر وہ خود کو کمزور پڑنے سے باز رکھے ہوئے تھی۔ میران بے بسی کی انتہا پہ تھا۔

"کسی بات کی معافی؟ میرا اس سب میں جب کوئی ہاتھ ہی نہیں تو کیسے تمہارا گنہگار ٹھہرا؟" بے ساختہ میران نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ وہ ٹھنڈی برف ہو گئی۔

"سفیر سے شادی مت کرو۔" اس نے یک لفظی بات کی۔ وہ بپھری اور ہاتھ چھڑایا۔

"کیوں نہیں کروں؟ مجھ پہ کب تک رعب جماؤ گے؟ کوئی غلام ہوں کوئی کنیز ہوں تمہاری؟"

"محبت ہو۔" اس نے جذبے سے پر انداز میں کہا۔ وہ تنفر سے ہنسی۔

"ضد صرف ضد ہوں! تم نہیں چاہتے کہ میں کسی اور کی ہوں۔ تم میرے سامنے بار بار آجاتے ہو میں پھر تکلیف سے دوہری ہو جاتی ہوں، مجھے بابا یاد آجاتے ہیں، آخری بار انکی آنکھوں میں اداسی دیکھی تھی وہ ذہن سے نکلتی نہیں۔" اسکا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"تم دنیا کے آخری مرد بھی ہوئے تب بھی تم سے شادی نہیں کرونگی۔ چلے کیوں نہیں جاتے میری زندگی سے! کیوں تکلیف دینے آجاتے ہو۔ میں کسی کی نفرت دل میں نہیں پال سکتی تمھیں معاف کرتی ہوں، پر زندگی میں شامل ہونے کیلیے نہیں، بخش دو مجھے۔ کھل کے زندگی جینا چاہتی ہوں میں بس۔"

"میں خوش ہوں، سفیر کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ تم جان چھوڑ دو میری۔"

اس نے ایک ساتھ اپنے دل کا غبار باہر نکالتے ہوئے کہا پر آخری بات میران کے دل میں تیر کی طرح جا لگی۔ اس نے بے یقینی سے رومائزہ کو دیکھا۔

وہ ایک پھتر کا پتلہ لگ رہی تھی، ہمیشہ اسے کہتی تھی اسکے سینے میں دل نہیں۔ دل تو اس ظالم کے پاس بھی نہیں تھا۔ یا پھر وہ دل میران کے لیے نہیں تھا۔

وہ اسے معاف کرنے پہ راضی تھی پر اس پہ یقین نہیں کر سکتی تھی۔ میران نے لبوں پہ زبان پھیری کیا بے بسی تھی۔

ایک نگاہ اسکے نوخیز سراپے پہ ڈالی۔ اسکی آنکھوں میں دیکھنا چاہا، رومائزہ نے بے دردی سے نگاہیں پھیر لیں۔ وہ غصے میں لال ہو چکی تھی۔ میران کا دل بے قابو ہونے لگا۔ اسکے لفظ ہتھوڑے کی طرح دماغ میں برس رہے تھے۔

سفیر کے ساتھ وہ خوش تھی؟ ہاں وہ خوش تھی!

اور میران کے ساتھ؟ تکلیف اذیت اسے ہوتی تھی۔

میران نے گہری سانس فضا کے سپرد کی۔ ایک قدم اسکے مزید نزدیک آیا رومانے چونک کے سر اٹھایا۔ اسے میران کی آنکھوں میں واضح درد دکھ رہا تھا پھر بھی وہ پتھر کی مورت بنی رہی۔

"سفیر کے ساتھ تم خوش رہو گی؟" اسکے چہرے پہ جھک کے بے تاثر انداز میں اس نے پوچھا روما نے گردن اکڑا کے اسے دیکھا۔

"ہاں...." وہ بخلت انداز میں بولی۔ میران پیچھے ہو گیا۔

"میں خوش ہوں۔ وہ تمھاری طرح نہیں ہیں۔ انکے نزدیک میری خوشی سب سے اہم ہے۔ اور وہ میرے لیے۔ انھوں نے ہی میری جان بچائی۔ بابا کی موت کے صدمے سے انھیں نے ہی باہر نکالا۔ ان سے بہتر آپشن میرے پاس اور کوئی نہیں۔ میں انکے لیے اہم ہوں۔" وہ کیا کہہ جا رہی تھی اسے خود بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ کیسے ایک کے بعد ایک اسکے دل پہ وار کر رہی تھی۔ میران نے اسکی بات سمجھی۔

پر جواب میں خاموش رہا۔

"اگر اتنی ہی مجھ سے محبت ہے تو جان چھوڑ دو۔ میں خوش رہنا چاہتی ہوں پر بار بار تم درمیان میں آجاتے ہو۔" وہ کٹھور پن سے التجا کرتے بولی۔

میران نے آنکھیں موند کے کھولیں۔ اگر اس رشتے میں اسے خوشی حاصل تھی تو پھر میران کا اپنی محبت قربان کرنے کا وقت آگیا تھا۔ لمحے میں جیسے اس نے فیصلہ کیا۔

گہری سانس فضاء کے سپرد کی۔

"ٹھیک ہے، مجھے تمہارے چہرے کی مسکراہٹ عزیز ہے۔ تمہارا تن من خوش ہو مجھے اسکے علاوہ اور چاہیے ہی کیا۔" رومائزہ دوسری طرف دیکھتے ہوئے سن رہی تھی۔

"جو تمھیں سہی لگے وہی کرو۔ آج کے بعد تمھاری زندگی میں میران نامی شخص کا سایہ بھی نہیں پڑے گا۔ میرے دل میں تمھاری محبت ہمیشہ رہے گی۔ تم نے سہی کہا تھا بعض اوقات محبتیں دلوں تک ہی محدود رہ جاتی ہیں۔"

"اس محبت کے سہارے ہی میں جی لونگا۔ اور یہ میری کمزوری نہیں طاقت ہے۔" رومائزہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا میران پیچھے ہٹ جائیگا۔

"خدا تمھیں دنیا کی ہر خوشی نصیب کرے۔ شادی مبارک ہو۔" پتھریلے انداز میں اس نے رومائزہ کو دیکھا۔

بہت ہی مضبوط لہجے میں اس نے اپنا فیصلہ سنادیا تھا۔ روما گنگ کھڑی رہ گئی۔ جسم نے جھرجھری لی۔ میران نے آخری بار اسکا چہرہ چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا پھر درمیان میں ہی مٹھی بھینچ کے قدم پیچھے لیتا اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ کافی دیر اسکے لفظوں کے اثر میں سن کھڑی رہی۔ پھر جیسے ہی ہوش آیا اس نے شدت سے ہاتھ کرسی پہ مارا۔ وہ چلا گیا تھا۔ اسکا دل آخر کیوں بوجھل ہو رہا تھا۔ آخر کیا بات تھی۔

آنسوؤں کو روکتی ہوئی وہ سرخ چہرہ لیے سب کی طرف بڑھ گئی۔

میران میں مزید ہمت نہیں بچی تھی کہ وہ اب تقریب کا حصہ بنتا۔ وہ جا رہا تھا۔ مراد اسکے پاس کوٹ درست کرتا ہوا آیا۔ اسکی آنکھوں میں ابھرتے سوال پڑھ کے میران نے سرد آہ بھری۔

"محبت سے اسے میں آزاد کر آیا ہوں۔ پر پتا نہیں خود اسکی محبت سے آزاد کبھی ہو پاؤنگا بھی کہ نہیں۔ وہ مجھے معاف کر چکی ہو اس غلطی پہ جو مجھ سے سرزد ہوئی ہی نہیں.. دل تو اسکے پاس ہے پر مجھے دینے کے لیے نہیں۔"

مراد کی آنکھوں میں بناء دیکھے ہی جذبات پہ قابو پا کر اس نے کہا۔ مراد نے شدت سے اسے گلے سے لگالیا۔ میران کی تڑپ لہجے سے آشکار ہو رہی تھی۔

"مایوس مت ہونا میرے بھائی۔ ہم رب کی مصلحت کو نہیں جانتے، اسی میں شاید تم دونوں کی بھلائی ہو گی۔ پر مجھے یقین ہے جس دن رومائزہ کو سچائی کا علم ہو گا وہ ضرور یقین کرے گی۔ وہ صاف دل کی لڑکی ہے، تمھیں معاف کر سکتی ہے تو سوچو جب سچ معلوم ہو گا تو یقین نہیں کرے گی کیا۔"

"اپنے منہ سے اسے سچ بتا کر آیا ہوں پر اس نے یقین نہیں کیا سب فریب سمجھ رہی ہے۔" میران تلخ ہوا، برہمی سے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو میں بات کرونگا اس سے، وہ یقین کرے گی۔" مراد نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"مراد! میں فیصلہ کر چکا ہوں اب میرے لیے مشکل مت کھڑی کرو۔"

"میں واپسی کی ساری کشتیاں جلا کر محبت کے اس سفر میں بہت آگے نکل چکا ہوں، نہ آگے منزل بچی ہے اور نہ واپسی کی کوئی راہ۔ ایک ریگستان ہے جہاں بس چلے چلے جانا ہے... تنہا!" کانچ کی مانند ٹوٹتے دل کو جوڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"اور میرے لیے میٹر یہی کرتا ہے کہ وہ خوش ہو۔ مصیبتوں آزمائشوں سے وہ بھی کم نہیں گزری۔" اس نے مراد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے روکنے والے انداز میں کہا۔ مراد نے شکوہ کناں نظر اس پہ ڈالی۔ دونوں سر پھرے پاگل تھے۔ چاہتے کیا تھے کر کیا رہے تھے!

"پر اسے سچ معلوم ہونا چاہیے۔" مراد نے سختی سے کہا۔

"اسکی آنکھوں پہ بے اعتباری کی پٹی بندھی ہے، جب تک وہ نہیں اترے گی تم کتنا ہی اسے سچ سنا دو اس نے یقین نہیں کرنا۔"

اسکا شانہ تھپتھپا کے وہ باہر کی طرف مڑ گیا۔ میران کی حالت دیکھ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ تقریب بھی بس آخری مراحل پہ تھی، وہ اندر واپس آ گیا۔

"تم اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو؟ کچھ ہوا ہے کیا؟ بتاؤ مجھے۔"

انوش اسکی سرخ آنکھیں دیکھ پریشان ہوتے بولی۔ کھانے کے بعد عائشے اپنی میکسی اٹھا کے انکے پاس آ گئی تھی۔

رومائزہ نے میران والی بات انھیں بتادی۔ وہ دونوں خاموش رہیں۔

"تمھیں کیا لگتا ہے؟ ہو سکتا ہے یہی سچ ہو۔" انوش نے ہچکچاہٹ سے ٹھہرے انداز میں پوچھا۔

"مجھے اب اس پہ یقین نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے میرا گھر بھی چھینا ہے اس بات کی کیوں اس نے وضاحت نہیں دی! کیونکہ یہاں بنانے کے لیے اسے کوئی کہانی ملی نہیں ہو گی۔" وہ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ سفیر پریشانی کے عالم میں اسکے پاس آیا۔

"میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ بس میں اب اس چیپٹر کو سرے سے بھلا دینا چاہتی ہوں، کوئی میران نامی حادثہ میری زندگی میں نہیں پیش آیا۔" وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جن پہ میران کے ہاتھوں کا گرم لمس اب بھی موجود تھا۔ عائشے اسے دیکھے گئی۔

"تو پھر اب کیوں پریشاں ہو رہی ہو، بس اب تو وہ خود بھی چلا گیا تمھاری زندگی سے۔" عائشے نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ اور اسے بازو سے تھاما۔ رومائزہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں۔ میں پاگل ہو جاؤں گی عائشے۔" اس نے سختی سے جھنجھلا کر رونے والے انداز میں کہا۔ وہ آنسوؤں پہ جبر کیے ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میں تمھارا دن خراب نہیں کرنا چاہتی۔ تم انجوائے کرو۔ میں بس اب گھر جانا چاہتی ہوں۔"

عاجزی سے اس نے عائشے سے کہا اور سفیر کو دیکھا جس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ اگر رومائزہ کو میران پہ یقین نہیں تھا تو وہ خود بھی اسکی باتوں کو سچ کیسے مان لیتا؟

"نہیں ہو رہا میرا دن خراب۔ تم گھر جا کے آرام کرو اسٹریس نہیں لینا۔ اب وہ دور جا چکا ہے تمھاری زندگی سے۔ سکون سے رہو اب۔"

عائشے گلے لگ کر اس سے دور ہوئی پھر وہ انوش سے مل کر سفیر کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بتول اور غضنفر شنواری بھی انھی کے ساتھ جا چکے تھے۔

وہ گھر آتے ہی بنا کسی سے بات کیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ بتول اسکی جانب سے فکر مند تھیں۔

"ممی پریشان مت ہوں، وہ خود کو سنبھال لے گی، وہ اتنی کمزور نہیں ہے۔" سفیر نے ماں کو تسلی دیتے کہا۔

"میران جاہ کی نگاہوں کا وہ پوری تقریب مرکز بنی ہوئی تھی۔ انوکھی سی تپش تھی اسکی آنکھوں میں، اس نے قدم پیچھے لے لیے یہ کچھ عجیب نہیں۔"

میران کے سچ کے بارے میں بتول اور غضنفر نہیں جانتے تھے۔نہ ہی سفیر اس حوالے سے انھیں بتا کر پریشان کرنا چاہتا تھا۔اسے خود بھی میران پہ بھروسہ نہیں ہو رہا تھا۔غضنفر صاحب اپنی اہلیہ کو تسلی دے کر کمرے میں چلے گئے۔ سفیر نے انکے جانے کے بعد کنپٹی پہ ہاتھ پھیرا۔

اگر اسے یہ نہیں پتا ہوتا کہ میران نے ہی چاچو کا اپارٹمنٹ خرید اتھا تو وہ شاید میران کی بات پہ یقین کر لیتا۔اسکا دل ماننے کو راضی نہیں تھا۔سوچوں کو وہیں چھوڑ کے ایک نگاہ رومائزہ کے بند کمرے کے دروازے پہ ڈال کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ہیلز پیروں سے اتار کے پھینک چکی تھی۔اور فرش پہ بیٹھتی چلی گئی۔آنسوں موتیوں کی صورت میں چہرے پہ لڑک رہے تھے اور تھوڑی کا سفر کرتے لباس میں گر کے جذب ہو گئے۔

"اللہ میں کیا کروں، میں پاگل ہو جاؤ نگی۔مجھے کیوں اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔"اس نے بال انگلیوں میں الجھا کر نوچنا شروع کر دیے۔لہجے میں تڑپ بے قراری تھی، بے چینی تھی۔بس سکون نہیں تھا۔

اگر یہ سب سچ ہوا تو؟میران سے بات کرتے وقت تو اس نے بہت کٹھور پن کا مظاہرہ کر دیا تھا۔خوب اسے سنا کر دل ہلکا کیا، سوچا سمجھا تب کچھ نہیں تھا۔پر اب ذہن ہر رخ سے سوچنے لگا تھا۔

"نہیں سب اس نے کیا ہے جھوٹ بول رہا ہے وہ..." ضمیر کو تسلی دیتے اس نے خود سے کہا۔ بے بسی ہی بے بسی تھی۔ رونا آرہا تھا۔ دل ڈوب رہا تھا۔ وہ مچل رہی تھی اور مٹھیوں میں بال جکڑ کے کھینچ رہی تھی۔ دل میں اٹھتا درد شدت سے بڑھنے لگا۔ بال ہاتھوں سے آزاد کر کے اس نے زور زور سے ہتھیلی فرش پہ ماری تھی۔ دم گھٹ رہا تھا۔ چیخنا چاہتی پر چیخنے سے سب جمع ہو جاتے۔ ہاتھ فرش پہ مارنے سے لال ہو گئے اس نے دیکھا تو نظر گجروں پہ پڑی وہ بھی اتار کے دور پھینکے۔ کانوں سے بالیاں اتار کے فرش پہ پٹخی۔

دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ وہ جا چکا تھا، یعنی اب کبھی نہیں آتا۔ یہ بات اسے تکلیف دے رہی تھی؟ وہ خود بھی تو یہی چاہتی تھی!

نڈھال ہو کر اس نے سر زمین پہ ٹکا دیا۔ گھٹنے خود میں سمیٹ کے آنسو بہاتی رہی۔

"بابا کیوں چھوڑ کے چلے گئے۔ مجھے ضرورت ہے آپکی۔ میرا دم گھٹ جائیگا اب کچھ سمجھ نہیں آرہا، میں بہت مشکل میں ہوں۔" ٹھنڈے فرش پہ اس نے ماتھا ٹکا دیا۔

رونے سے حلق خشک ہو گیا کانٹے ابھر آئے وہ بے سدھ پڑی رہی۔ روتے ہوئے اسکی آنکھ کب لگ گئی پتا نہیں چلا۔

یہ کیسی بے چینی تھی؟ اسے معاف کرنے کے بعد بھی سکون حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ کیوں اسے اتنی تکلیف ہو رہی تھی؟

جسم میں لرزش ہونے لگی۔ شاید پھر خواب کے زیر اثر تھی۔ وہ اس اندھیرے میں بھاگ رہی تھی۔ اور پھر اسکا پیر مڑا وہ گرتی چلی گئی۔ اس بار کسی میران نے اسے تھاما نہیں تھا'.. اس نے پٹ آنکھیں کھول کر گہری گہری سانسیں لیں۔ ان خوابوں نے اسکی نیند حرام کر کے رکھ دی۔ خود کو کمپوز کر کے وہ اپنا وجود گھسیٹتی بیڈ پہ آ کر لیٹ گئی۔ پہلو کے پاس سے ہی فراک بیڈ سے نیچے ڈھلکی چکی تھی۔ نین کٹورے پھر آب سے بھرتے چلے گئے وہ سسکتے ہوئے پھر نیند کی وادی میں اتر گئی۔

رات کا آخری پہر تھا، جب سب نیند کی گہرائی میں اترے تھے، ہر طرف سکوت چھایا تھا تو کوئی تھا جو رب کے حضور سجدے میں ریز تھا۔ سجدے اسکے شروع سے ہی طویل ہوتے تھے۔ گل کے انتقال کے بعد وہ جب کبھی اللہ کے سامنے نماز میں سجدہ ریز ہوتا تھا تو خوب دعائیں مانگتا تھا۔ اسے اسکے دادا نے ہی گل کے انتقال کے بعد دعا کرنا سکھائی تھی۔ وہ ماں کی مغفرت کی ہر گھڑی دعا مانگتا، جب جب اسے یاد آتی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بڑا ہوتا چلا گیا اور ان طویل سجدوں کی عادت سی ہو گئی۔ وہ بہت نمازی پرہیز گار اللہ کا پرفیکٹ بندہ نہیں تھا پر اس نے خود کو چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ کر رکھا تھا۔

وہ اتنا جانتا تھا کہ اللہ سے جو مانگے گا وہ اسے مل جائے گا۔ اور جو نہیں ملا اس میں بہتری ہونی ہے۔ پر دل کے معاملے میں صبر نہیں ہو رہا تھا۔

آج اس نے سجدے سے اٹھنے میں بہت دیر لگا دی۔ یہ طوفان ہی ایسا تھا جو رب کے علاوہ اور کوئی تھام نہیں سکتا تھا۔ اپنی سانسیں جیسے وہ رومائزہ کے حوالے کر آیا تھا۔

عزیز نے اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا وہ اسکے کمرے میں موجود صوفے کے پاس کھڑا اسکے سجدے سے اٹھنے کا منتظر تھا۔

اے محبت آج تیرے انجام پہ رونا آیا

جانے کیوں آج تیرے نام پہ رونا آیا

"میرے رب ان بے چین دلوں میں سکون ڈال دے۔ یہ اختیار صرف تیرے ہی پاس ہے۔" آنکھیں بند کر کے عزیز اللہ سے مخاطب ہوا۔

میران نے سجدے سے سر اٹھایا۔ پھر رکعت پوری کر کے سلام پھیر لیا اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیے۔

"اللہ اسکی محبت کو میری کمزوری نہیں طاقت بنا دے۔ جو اسکے اور میرے حق میں بہتر ہے تو وہ کر دے۔ اسکی آنکھوں سے بدگمانی کی پٹی ہٹا دے۔" وہ رب کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگنے لگا۔ آنسو آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔ عزیز نے پہلے کبھی اپنے سائیں کو اتنی ابتر حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ محبت نے اس مضبوط

انسان کو توڑ کے رکھ دیا تھا۔ بے گناہ ہو کر وہ سزا کاٹ رہا تھا۔ اور اب تو اتنی بڑی قربانی دے آیا تھا یہ جانتے ہوئے کہ اسکی سانسیں اس میں بسی ہیں۔

صرف اسی ایک لڑکی کو اس نے ٹوٹ کر شدت سے چاہا تھا اور پھر سب اسی کا سوچا اپنی ذات اسکے درمیان تھی ہی کہاں۔ کب تک اسکے پیچھے بھاگتا، اب ٹوٹ گیا تھا بکھر گیا تھا۔ قدم پیچھے کر لیے۔

اپنا فیصلہ سناتے ہوئے اسکا دل میں عجیب قسم کا طوفان برپا ہوا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔

دعا سے فارغ ہو کر وہ کھڑا ہوا۔ جاء نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھ دی۔ پیچھے مڑا تو عزیز اب تک کھڑا تھا۔ اسکے یہ دو نفل لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے بڑی دیر میں مکمل ہوئے تھے۔

"تم گئے نہیں؟"

اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر میران نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

"آپکو اکیلا چھوڑ کے کیسے چلا جاؤں۔ ایک بار آپ نے خود دور کیا تھا اب نہیں جاؤنگا۔"

چند دن جب وہ میران کے کہنے پہ اس سے دور تھا تو اسکی جانب سے ہر وقت متفکر ہی رہتا تھا۔ میران سے دور ضرور تھا پر میران سے اسکا کانٹیکٹ ہر وقت تھا۔ رومائزہ کے ہاسپٹل میں ہونے کی خبر تک اسی نے نکال کے دی تھی۔

"تمھارا سائیں اتنا کمزور نہیں کہ خود کو سنبھال نہ سکے۔ زندگی محبت پہ ختم نہیں ہو جاتی۔ خیر یہ بتاؤ اجلاس کی تیاری کیسی ہے؟ الیکشن اب بہت قریب ہیں۔ عوام کو ہمیں جمع کرنا ہے۔ ذولفقار صاحب کے واقعے کے بعد کچھ مخالف بھی پیدا ہوئے ہیں۔" اس نے موضوع تبدیل کر لیا۔ سر سے ٹوپی اتار کے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھتا آستینوں کے کف کھول کر اسکے پاس آیا۔

"جی، پر آپکے چاہنے والوں میں کمی نہیں ہوئی ہے۔" عزیز فوراً بولا۔

"ہاں تو اب سب کو جمع کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اپوزیشن کو ہماری طاقت کا معلوم ہونا چاہیے۔ پنجاب کی کرسی میں بلکل نہیں چھوڑ سکتا۔ اقتدار ہو گا تو آزادی سے کام کروا سکتا ہوں اور بڑے پیمانے پہ عوام کے لیے آسانیاں پیدا ہو سکیں گی۔" اسکا چہرہ ہر جذبے سے عاری تھا۔ آنکھوں میں جنون کی تپش محسوس ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ فکر مت کریں سارا انتظام میں خود دیکھ رہا ہوں۔ اور ہاں پارک کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، بتائیں افتتاح کی تاریخ کب کی رکھواؤں؟" میران نے اپنے دادا شہوار کے نام پہ پارک تعمیر کروایا تھا۔ پارک کا سن کے اسکے لبوں پہ ہلکا سا تبسم بکھرا۔

"اجلاس کے تین دن بعد کی رکھ دو۔ چیف جسٹس سے بھی آج بات ہوئی تھی بابا کا معاملہ کلئیر کر کے آیا ہوں۔ انھوں نے بہت ساتھ دیا اس معاملے میں۔ انسان کی دیکھو کوئی ویلیو نہیں ہے۔ ایک شخص کو قید کر کے انھیں کیا حاصل ہونا تھا۔"

سر جھٹک کے وہ افسوس اور تلخی سے بولا۔ میران اگر انکی مدد نہ کرتا تو وہ لوگ زولفقار کو جیل میں ڈالنے میں شاید کامیاب ہو جاتے پر انھیں وہ پیسہ واپس نہیں ملتا جو زولفقار نے جمع کر رکھا تھا۔

"اب تم جاؤ آرام کرو، میں بھی سکون چاہتا ہوں تھوڑی دیر آرام کرونگا۔" میران حکم دیتے انداز میں بولا تو عزیز سر جھکا کے کمرے سے نکل گیا۔

اسکے باہر نکلتے ہی فرید نے چھوٹے سائیں کی عزیز سے خیریت کی تھی۔

"تم اتنی رات کو کیا کر رہے ہو؟"

"میاں میں بس سائیں کی وجہ سے متفکر تھا۔ مجھ میں ہمت نہیں ان سے سوال کر سکوں تو تم ہی بتا دو وہ کیسے ہیں۔" فرید اوپر سیڑھیوں کی جانب دیکھ کر بولا۔ عزیز نے سانس خارج کر کے اسے دیکھا۔

"وہ ٹھیک ہیں، دعا کرو اللہ انھیں انکی خوشی لوٹا دے۔ اور ہاں انھیں اچھا کھانا پکا کر کھلانا۔ بہت دن بعد وہ بنگلے واپس آئے ہیں۔ وہی پھر نمک مرچ تیز مت کرنا۔" عزیز نے آنکھیں ماتھے پہ رکھ کے حکم جھاڑتے ہوئے کہا۔

"اترایا کم کرو، سائیں کے قریب رہ کر بہت اچھلتے نہیں ہو تم؟"

"بلکل۔ آخری یہ شرف مجھے حاصل جو ہے" عزیز آنکھیں جھپکا کر اسے جلاتے ہوئے بولا۔ فرید نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"آیا بڑا چمچ کہیں کا"...

اگلی صبح سورج نئی امید کی کرنوں کے ساتھ ابھرا تھا۔ دمیر ہاؤس میں خوب چہل پہل تھی۔ ناشتے کے بعد کافی مہمان جا چکے تھے۔ زرپاش میران کو لے کر بڑی پریشان تھیں۔ وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھیں آخر اسکے لیے کچھ کر جو نہیں پائی تھیں۔

دوسری طرف رومائزہ تھی اسکے لیے بھی انھیں دکھ تھا۔ وہ رومائزہ کو غلط نہیں سمجھتی تھیں کیونکہ انھیں اپنا آپ اس میں محسوس ہوتا تھا۔ انکے اور اسکے حالات واقعات مختلف تھے اسکے باوجود بھی۔

"یار مام اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ ڈیڈ سمجھائیں انھیں میران کوئی معمولی شخص نہیں ہے جو محبت میں ہار کر روگ لگا کے کوئی جوگی بن کے بیٹھ جائیگا۔ بھول جائیگا کچھ دنوں وہ یہ سب، اسکے اپنی اتنی مصروفیات ہوتی ہیں۔ اور ادھر آپ ہیں جو اپنا بی پی ڈاؤن کیے جا رہی ہیں۔"

مراد نے انکا بلڈ پریشر چیک کیا تو وہ بے حد لو تھا۔ مشین ایک طرف کرتے ہوئے وہ تھوڑا برہمی سے بولا۔ ارباز نے نیوز پیپر ایک طرف رکھا۔ وہ ان دونوں کے کمرے میں موجود تھا۔ عائشے جوس بنا کر لے آئی۔

"مام آپ جلدی سے یہ پیئیں۔" اس نے گلاس زرپاش کو تھمایا اور ٹرے تھام کے مراد کے برابر میں کھڑی ہو گئی۔ مراد کے چہرے پہ تھوڑی خفگی تھی۔

"اچھا چلو تم غصہ مت ہو، اپنے کمرے میں جاؤ ہمارے باپ نا بنو۔" ارباز نے اسے دو منٹ میں جھاڑ دیا تو وہ سانس بھر کے انھیں دیکھتا رہ گیا۔ عائشے کی مسکان گہری ہو گئی۔

"یہ پی لیں۔ اور اب بلکل ٹینشن مت لیجیے گا۔ ڈیڈ انکو آپ اپنے ساتھ آفس لے جائیں اچھا ہے انکا دھیان ہٹے گا۔"

مراد مشورہ دیتا بولا اور انکا ماتھا چوم کر عائشے کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے باہر نکل گیا۔

زرپاش نے کافی عرصہ ارباز کے ساتھ ہی بزنس رن کیا تھا۔ پھر سجل کی شادی کے بعد سے وہ صرف ایک ہاؤس وائف کی ذمہ داری اپنا چکی تھیں۔

عائشے کے اندر آنے کے بعد مراد نے دروازہ آہستہ سے بند کیا۔ کل رات ان دونوں کی کوئی خاص بات ہو بھی نہیں سکی تھی۔ ایک میران اور رومائزہ کو لے کر متفکر تھا تو دوسری صرف رومائزہ کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

"تم کہاں جارہی ہو ادھر آؤ۔ کل تو میں تمھاری تعریف بھی نہیں کر سکا۔" مراد نے اسے روک کر خراب موڈ سے کہا تو وہ ہنس دی۔

"آپ بھی اچھے لگ رہے تھے۔" مراد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اس نے کہا۔ مراد مسکرایا۔

"میں سوچ رہا ہوں جب اب سب ہو گیا ہے تو کہیں گھومنے کا پلان بنائیں؟ اور ابھی میرے سر پہ کسی کیس کی ٹینشن بھی نہیں ہے۔" بوجھل نگاہیں عائشے کی نوز پہ ٹک گئیں تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے اسے چھوا۔ عائشے جھرجھری کھا کے تھوڑے فاصلے پہ ہوئی۔

"ابھی تو میرے ایگزامز ہیں۔ اسکے بعد دیکھیں گے۔"

ادائیں دکھاتی ہوئی وہ ڈریسنگ کی طرف بڑھی۔ مراد نے پاس جا کے دراز سے ایک کیس نکال کے اسکے سامنے کھولا۔ عائشے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ عائشے نے واپس نگاہ باکس پہ ڈالی۔ نازک سا نیک لیس اس کیس میں چمک رہا تھا۔ مراد نے نکال کر اسے پہنانا چاہا۔ عائشے نے بال سمیٹ کے آگے

کر لیے۔ مراد نے نیک لیس آہستگی سے اسکی گردن میں سجا دیا۔ نیک لیس عائشے کی بیوٹی بون تک کو آرہا تھا۔ مراد آئینے میں اسکا دلکش عکس دلکشی سے دیکھنے لگا۔

"خوبصورت..." کان کے قریب سرگوشی کی۔ عائشے جھینپ سی گئی اور نگاہیں جھکا لیں۔ مراد اسے دیکھ پر سکون سا مسرور انداز میں مسکراتا گیا۔

ان تینوں کے ایگزامز اسٹارٹ ہو چکے تھے۔ رومائزہ نے میران کے حوالے سے ہر چیز فراموش کر دی۔ اسکے تمام اسی رات احساسات مر چکے تھے۔ وہ پیپیرز کی تیاری میں بے حد مصروف ہو گئی۔ اور اب سب اسکی طرف سے پر سکون بھی تھے۔

نیمل نے لیپ ٹاپ تھام کر دائم کے روم کی طرف رخ کیا۔ ناک کرتی روم میں آگئی۔

"سر یہ پروجیکٹ آپکو دیکھنا چاہیے۔" وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے اسکے قریب ہی کھڑی ٹیبل پہ جھکی ہوئی تھی بڑی خوشگواری سے گویا ہوئی۔ دائم نے تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کے اسے فرصت سے دیکھا۔ یہ لڑکی اب زیادہ خوبصورت لگنے لگی تھی۔

"مس نیمل آپکا یہ کام نہیں ہے آپ صرف اکاؤنٹس پہ نظر رکھا کریں۔"

وہ تھوڑا جتا کر بولا تو اس نے دانت پیس لیے۔ وہ منہ پھلائے جانے لگی دائم نے تیزی سے ہاتھ پکڑ کے اسے روک لیا۔ نیمل نے پلٹ کر گھور کے اسے دیکھا۔

دائم نے ہاتھ نیچے آہستہ سے چھوڑ دیا اور کوٹ کے بٹن بند کیے۔

"چائے پینے چلیں؟"

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ ناراضگی کا اظہار ہی تھا۔

"میرا تو چاہ رہا ہے۔" وہ مسکراہٹ چھپا کر بولا۔

"ہاں تو جائیں پی لیں۔ لازمی ہے اپنی ایمپلائے کو ساتھ لے کر جانا۔" خاصے جتاتے ہوئے انداز میں نیمل نے دوبدو کہا۔

"آہاں! اپنی بیوی کو لے کر جاؤنگا۔" اسکے قریب ہو کر اس نے سرگوشی کی۔ نیمل نے مکہ اسکے کندھے پہ جڑ دیا۔

"فضول ڈرامے بازی مت کیا کریں بہت برے لگتے ہیں۔ بھائی کل آپکا انتظار کر رہے تھے اور آپ آئے ہی نہیں۔" وہ شکوہ کناں نگاہ اس پہ ڈال کر بولی۔

"میں نے اسے انفارم کر دیا تھا، میں بزی تھا اسی لیے نہیں آ سکا۔" اسکے بال جو چہرے کو چھو رہے تھے دائم نے آہستہ سے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے چہرہ اسکے قریب کیا۔ نیمل نے شرما کر پلکیں بچھا لیں۔

"رموٹ اٹھا کے دینا زرا۔" کان کے قریب اسکی اس سرگوشی پہ نیمل سر تا پیر تلملا گئی۔ سر اٹھا کر دیکھا، نیمل کے ہاتھ کے قریب ایل سی ڈی کا رموٹ پڑا تھا۔ اسکے سامنے پٹخ کر وہ جانے لگی۔

"آئی لو یو میری جان۔" وہ دلفریبی سے بولا۔ اس کے اظہار پہ وہ سرخ ہو گئی۔ مسکراہٹ لبوں پہ رینگ گئی۔ نکاح کے بعد اسے اظہار سننے کی عادت ہو چکی تھی۔ وہ روز اظہار کرتا تھا اور وہ مسکرا دیتی تھی۔

اسکے جانے کے بعد دائم نے ایل سی ڈی آن کی۔ آج بڑا خاص دن تھا۔ میران کا آج دوسرا اجلاس تھا۔ اسکا پہلا اجلاس بہت کامیاب ہوا تھا۔ اور اپوزیشن بھی عوام کی ریلیاں دیکھ کر سکتے میں آ گئی تھی۔ سب کو لگا تھا اے پی جماعت نے پاور اب کھو دی ہے۔ پر میران نے واپس سب کو جمع کیا۔ لوگ اس سے خوش تھے وہ سب کی پریشانی سنتا تھا اور انکی ہر طرح سے مدد کرتا تھا۔ مقصدِ حیات اب بس یہی بچا تھا۔

اسکرین پہ جلسے کے مناظر چل رہے تھے۔ دائم پر سکون سا ہو کے بیٹھ گیا۔ اور پھر ایک نگاہ نیمل جو پروجیکٹ دکھانے لائی تھی اس پہ بھی ڈالی۔

اپوزیشن جماعت کے لیڈرز اپنے بنگلوں اور کوٹھیوں میں بیٹھے اس کو سن رہے تھے۔اجمل خان کو اسکی پچھلی حرکت یاد آئی تھی جو میران نے اسکے کاروباری اڈوں پہ آگ لگوادی تھی۔اسے اندازہ ہو گیا تھا اسکے پیچھے کوئی بڑے لوگوں کا ہاتھ ہے جب ہی اس واقعے کے بعد اجمل خان نے اس سے الجھنا چھوڑ دیا تھا اور میران کے پاس اسکے خلاف ثبوت بھی تھے اگر وہ بدلہ لینے کی کوشش کرتا تو میران نے ایک باری میں اسکے نام کا جنازہ نکال دینا تھا۔

پر اجلاس میں ہجوم دیکھ حسد ضرور ہوئی تھی۔

لاؤڈ اسپیکر میں جماعت کا نغمہ بج رہا تھا۔جگہ جگہ جھنڈے لہرائے جا رہے تھے۔اور میران عوام سے مخاطب تھا۔

وہ خطاب کر کے نیچے اترا اور پارکنگ کی طرف عزیز سے باتوں میں میں محو گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔گارڈز اسکے آس پاس نہیں تھے۔آنکھوں سے سن گلاسز اتار کے عزیز کو پکڑا دیے۔اسکی گاڑی الگ ہی جگہ کھڑی تھی اور جس کے ایک طرف ٹینکرز لگائے ہوئے تھے۔باقی اطراف سے راستہ کھلا تھا۔

اچانک ہی اس شور مچاتے ماحول کو چیرتی ہوئی گولی کی آواز گونجی۔عزیز چیخا تھا۔

"سائیں.." اس نے فوراً اپنی بندوق نکال کے راستے کی طرف کھڑے شخص پہ جس نے گن تان رکھی تھی اسکا نشانہ لیا، نشانہ چوک گیا وہ اجنبی وہاں سے فرار ہونے لگا۔

اس شخص کا نشانہ چوکنے کی وجہ سے میران کے گولی نہیں لگ سکتی تھی۔ میران نے گن عزیز سے جھپٹ کر اس شخص کے پیروں کی طرف نشانہ لیا۔ گرم لوہا اسے گھٹنے میں پیوست ہوتا محسوس ہوا۔ عزیز اسکی جانب لپکا وہ لڑکھڑا کے درد کی شدت سے نیچے جا گرا۔ سیکورٹی گولی کی آواز پہ الرٹ ہو گئی تھی۔ سیکورٹی کے انتظامات مراد دیکھ رہا تھا وہ وہاں موجود تھا۔ فوراً ادھر پہنچا اور اس شخص کو گریبان سے پکڑا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے سر اٹھا کے میران سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں پر یہ نہیں بچے گا۔ بتاؤ کس نے تمھیں یہ کام کرنے کو کہا؟" میران دھواں دھار انداز میں دھاڑا تو وہ جواری شخص سہم سا گیا۔ عزیز نے کسی گاڑی کی آواز پہ چونک کر سر اٹھایا اس کی نگاہ دور ایک گاڑی پہ پہنچی۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ موجود شخص نے اس جواری کا نشانہ لیا تھا کہ اسکی زبان بند ہی کر دے۔ عزیز نے لمحہ ضائع کیے بغیر ایک گولی گاڑی کی طرف چلائی جو اسکے اگلے پہیے کو جا لگی۔ گاڑی چرچرائی۔ اور دوسرا نشانہ مراد نے اسکے ہاتھ کا لیا۔ گن اس شوٹر کے ہاتھ سے نیچے گر گئی۔ ڈرائیور گاڑی سنبھال نہیں سکا۔ سیکورٹی گارڈ اور پولیس ادھر لپک گئی۔

"خان نے بھیجا ہے تمھیں؟ وہ باز نہیں آیا!" عزیز بپھرے شیر کی طرح غرایا۔

"صاحب مجھے جانے دو مجھے بس پیسے دیے گئے تھے۔" وہ جواری رونے لگا۔

"بتا رہے ہو یا گولی تم میں اتار دوں ؟" عزیز نے اسکے سر پہ گن رکھ دی۔ اسکا دماغ گرم ہو چکا تھا۔ عبدل بھی وہاں گھبراتے ہوئے پہنچا۔ باہر افواہ پھیل چکی تھی کہ میران جاہ پہ حملہ ہوا ہے اور اسے گولی لگ چکی ہے۔ اور میڈیا تو پہلے ہی موجود تھا۔

دائم یہ خبر سنتے ہی ہڑبڑا کے اٹھا تھا اور موبائل اٹھا کے تیزی میں کمرے سے نکل گیا۔

رومائزہ پیپر دے کر گھر آچکی تھی۔ بتول نے کافی دیر سے نیوز چینل کھول رکھا تھا۔ میران کا خطاب وہ سن رہی تھیں۔

رومائزہ لاؤنج کے پاس سے خاموشی سے گزرنے لگی۔ نیوز کاسٹر کی کان پھاڑتی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ وہیں ٹھہر سی گئی اس نے اسکرین کو دیکھا۔ بتول نے فوراً ایل سی ڈی بند کر دی۔

"بیٹا تم آگئیں۔ فریش ہو جاؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔ کتنی کمزور ہو گئی ہو ایگزامز کے چکر میں۔"

وہ اسے پیار سے پچکارتے ہوئے بولیں۔ پر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔ اسکا دماغ تو نیوز کاسٹر کی بات پہ رک سا گیا تھا۔

میران کو پھر گولی لگی تھی؟ کیا یہ اسکی دی بد دعاؤں کا نتیجہ تھا؟ وہ تو اسے اب معاف کر چکی تھی۔ ایک پل کو اسکا دل کانپ گیا۔ آنکھ سے آنسو نا نکل سکے، بے چینی سی بڑھ گئی۔ خیالوں کی زد میں بغیر کچھ کہے وہ کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"صاب مجھے معاف کر دو مجھے بس پیسوں کی ضرورت تھی..." ایک ہی بات کہ وہ شخص گردان کیے جا رہا تھا۔ نشئی جواری سا معلوم ہو رہا تھا۔ مٹیالے کپڑے دھول سے اٹے بال۔ میران کے اشارے پہ عزیز نے اسکا گریبان چھوڑ دیا۔

"پیسوں کی ضرورت ہے تو کوئی کام کاج کرو، کسی کی جان کی سوپاری لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟" میران نے سرد انداز میں اسکے کندھے پہ ہاتھ جمایا۔

"میران تم رہنے دو میں خود اپنے طریقے سے اسکا منہ کھلوا لونگا۔" مراد نے جبڑے بھینچ کر کہا۔

"سائیں میں بتا رہا ہوں یہ خان کا کام ہے، خدا کی قسم میں اسکی جان اس بار اپنے ہاتھوں سے لونگا"..

"نن نہیں.. مم مارگن نامی کوئی اسمگلر ہے اسکے کسی ساتھی نے مجھے صاب جی پہ گولی چلانے کے لیے پچاس لاکھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

اس شخص کی بات پہ یقین کرتے ہوئے مراد اور میران نے ایک دوسرے کو ماتھے پہ بل ابھارتے ہوئے دیکھا۔

"کیوں؟ سب بتادو جو تم جانتے ہو!" عزیز نے اسکا بازو جھٹک کر کہا۔

"بدلہ بدلہ کر رہا تھا وہ، میں بس اتنا ہی جانتا ہوں۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے صفائی دینے لگا۔

"اب اسکا اتا پتا تم ہم کو بتاؤ گے.. سمجھے!" مراد نے اسے گریبان سے پکڑ کے اٹھایا اور اپنے پاس آتے ہوئے حوالدار کے حوالے اسے کر دیا۔ اور ان باقی گاڑی سوار شوٹر اور ڈرائیور کو بھی اسٹیشن لے جانے کی تلقین کی۔ پھر میران کی جانب واپس جیب میں ہاتھ ڈال کے گھوما۔

"سائیں آپکے دشمن ہر طرف پھیلے ہیں آپ احتیاط کیا کریں۔" عبدل نے فکرمندی سے کہا چہرے فکر کے آثار نمایاں تھے۔ مراد نے سر ہلایا۔

"تم نے مارگن کو دھوکے سے ہمارے حوالے کیا، بس اس بات کا حساب پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خدا کا شکر اس جواری کا نشانہ تمھیں لگا نہیں۔" مراد نے جیبوں سے ہاتھ نکال کے اسے سلامت دیکھ کر اسکے شانے تھام کر کہا۔

"چلو اب پتا تو چل جائیگا اور کون اسکے ساتھ ملوث ہے۔" میران نے لب پیوست کر لیے۔

"اب چلو اس سے پہلے میڈیا کے نمائندے یہاں پہنچیں اور سوالوں کی بارش کر دیں۔" مراد انھیں کہتا میران کے ہم قدم گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اسکی گاڑی کے ساتھ مزید سیکورٹی کی گاڑیاں لگوادی تھیں۔

میڈیا پہ میران کو گولی لگنے کی جو جھوٹی افواہ اڑی تھیں مراد نے اسکی تردید کر دی۔ اور ایک نامعلوم شخص کا حملہ بتا کر اس معاملے کو دبا دیا۔

غضنفر صاحب ڈنر کے بعد کمرے میں چلے گئے۔ وہ خبریں ہی سن رہے تھے۔ بتول کچن سمیٹ کر فارغ ہوئیں تو اندر آ گئیں۔ وہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھیں۔ غضنفر شنواری نے ٹی وی کی آواز دھیمی کر دی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" کافی دیر انھیں یک ٹک بیٹھے دیکھ بتول نے پوچھ لیا۔

"میں حیران ہو رہا ہوں میران جاہ کو لے کر۔ اچھا بھلا انسان ہے، پر اس نے ہماری بچی کے ساتھ کتنا غلط کر دیا۔ اگر حفاظت اسکی اپنے باپ سے کر رہا تھا تو وہی کرتا نا، درمیان میں اپنی انا کی ایک ٹھیس پر سب پاش پاش کر دیا۔ اسکے کس روپ پہ انسان بھروسہ کرے۔"

"غضنفر صاحب نیتوں سے واقف اللہ ہی ہے آپ سوچنا چھوڑ دیں۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ خیر رومائزہ کے ایگزامز کے کچھ دن بعد نکاح کی تارخ رکھ لیتے ہیں تب تک سفیر بھی اٹلی کے وزٹ سے واپس آجائیگا۔" سر کے نیچے رکھا تکیہ انھوں نے درست کیا۔ غضنفر نے داڑھی پہ ہاتھ پھیرا اور پر سکون ہوئے۔

"ہاں یہی مناسب ہے۔ رومائزہ کے ایگزامز کے بعد آپ تیاری کر لیے گا۔ سفیر کو بھی ہفتہ دو ہفتہ واپسی میں شاید لگ ہی جائے گا۔" انھوں نے ٹی وی بند کر کے رموٹ سرہانے رکھ دیا۔

"کیا تیاری سب سادگی سے ہو گا۔ رومائزہ کو ساتھ لے جاؤنگی اسی کی پسند سے اسکا جوڑا خرید لونگی۔" وہ کمفرٹر کھولتے ہوئے بولیں۔

"اور آپ نے اپنے بیٹے کے نکاح کے لیے تیاری نہیں کرنی؟"

"ضرور، میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اسکی شادی پر میں سارے ارمان پورے کرونگی۔ ابھی تو سادگی سے نکاح کر لیتے ہیں۔" خوشی سے مسکرا کر انھوں نے کہا۔ کمفرٹر اوپر تک خود پہ ڈال لیا۔ غضنفر بھی سائڈ لیمپ بند کر کے آنکھیں موند گئے۔

زندگی اپنی ڈگر پہ چل رہی تھی، وہی روز صبح وہی شام... دو پیپرز تو ہو چکے تھے اب وہ تیسرے کی تیاری میں بے حد مصروف تھی۔ سفیر بزنس ٹرپ پہ اٹلی جارہا تھا۔ رومائزہ نے اسکے لیے براؤنی بیک کی تھی۔ اور وہ اسٹاریج باؤل میں پیک کر کے اسکے سامان میں رکھ دی تھی۔

"یہ ادھورا اسکیچ کیوں لے کر جارہے ہیں؟" اس نے جب سفیر کا بیگ کھولا تو اوپر ہی شیٹ پڑی تھی۔ وہ حیرانی سے بولی۔ ہاں اس دن کے بعد سے اسے سفیر کے اسکیچ کو مکمل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

"یاد کے طور پہ کہ ایک حسین لڑکی میرا اسکیچ بنارہی تھی۔" وہ مزاحقہ خیز انداز میں بولا۔ رومائزہ بھی ہنس دی۔

"پھر تو مجھے یہ مکمل کر دینا چاہیے تھا۔ ایک کام کریں اسے یہیں چھوڑ جائیں ایگزامز کے بعد فارغ ہو جاؤنگی۔ آپکے اس پوز کی پکچر میرے پاس سیو ہے پھر اسے فراغت ملتے ہی میں مکمل کر دونگی۔ کیسا۔" اس نے جھٹ پٹ اپنا ارادہ بتایا تو سفیر نے خوشی خوشی شیٹ باہر نکال کے صوفے پہ رکھ دی۔

"تھینک یو سو مچ۔" وہ مسکرایا۔

"تھینک یو سے کام نہیں چلے گا۔ اٹلی میں کچھ دن بعد ایگزیبیشن لگنے والی ہے اور وہاں بہت بڑے بڑے آرٹسٹس کی پینٹنگز سیل ہوتی ہیں۔ تو آپکو میرے لیے کوئی ایک اچھی سی لانی ہوگی!" کمر پہ ہاتھ رکھے دوسرا ہاتھ کی شہادت کی انگلی اسے دکھا کر وہ بولی۔

"جو حکم، ویسے بھی ساری زندگی آپکا حکم ہی ماننا ہے۔" وہ ہنس کر بیگ کو بند کرنے لگا۔ رومائزہ کے لبوں پہ جو مسکان کے دیے جل رہے تھے مبہم پڑ گئے۔ اس نے اس بات پہ کوئی جواب نہیں دیا۔

"چلو اپنا، ممی کا اور ہمارے ابا حضور کا خیال رکھنا۔ اور اچھا سا اسکیچ بنا کر پیٹنگ مکمل کرنا۔ میں ہینڈ سم سا لگوں۔ اپنے کمرے کی بیڈ کے سامنے والی دیوار پہ پھر یہ پینٹنگ لگاؤنگا۔"

"جیسے ہیں ناویسے ہی لگینگے۔ میں کوئی ہیرے موتی توڑ کے آپکی خوبصورتی بڑھانے کے لیے نہیں لگا سکتی۔" وہ اپنے پرانے انداز میں تڑخ سے جواب دیتے بولی پھر زبان دانتوں میں دبا کر آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"گھور کیا رہے ہیں؟ فلائٹ مس ہو جائیگی جلدی کریں۔ تائی امی آپکا بیٹا واپس جا رہا ہے..." بتول کو آواز لگا کر اس نے مسکراہٹ کانوں تک لمبی کرنی چاہی۔

"حد ہے۔" سفیر ہنس کے بیگ اٹھا کر لاؤنج سے باہر نکلا۔ بتول نے اپنے لاڈلے پہ دعائیں پڑھ کے پھونکیں۔

"مما بال خراب ہو جائینگے یار۔" سفیر نے گاڑی کی ڈگی میں بیگ رکھ کر بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"بہت بری بات ہے، ماں کی دعائیں ہر وقت لینی چاہیے۔ ماں کی قدر کریں جس کے پاس نہیں ہوتیں ان سے پوچھیں کہ..." اپنی بات پہ غور کرتے ہوئے اسکی چلتی زبان اچانک رک گئی۔ ناز کے خیال پہ اسکا چہرہ بجھ گیا تھا۔ سفیر اور بتول نے یہ فوراً اسکے اندر ابھرتی تبدیلی بھانپ لی تھی۔

"بلکل... شادی کے بعد تم اسکے سہی طرح کان کھینچنا، پاکستان آکر یہ بہت بد تمیز ہو گیا ہے۔"بتول نے اسکی اداسی مٹاتے ہوئے کہاتووہ مسکرانے لگی۔ماں سے گلے لگ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیااور گاڑی اس چھوٹے سے پورچ سے باہر نکال دی۔

وہ دونوں ہنستے مسکراتے باتیں کرتی ہوئیں اندر آگئیں۔پھر رومائزہ تیاری کا کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔

دوپٹہ ایک طرف رکھ کے وہ بیڈ پہ منہ کے بل گرنے والے انداز میں لیٹ گئی۔کتاب کھینچ کر منہ کے قریب کرلی۔

یہ مجھے چین کیوں نہیں آتا؟

ایک ہی شخص تھاجہاں میں کیا؟

"انوش تمھاری پیپر کی تیاری ہو گئی ؟"ناہید اسے شام سے ادھر ادھر منڈلاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔اور اب وہ بلند آواز میں گانے لگا کر بیٹھی بریانی کھا رہی تھی۔چہرے پہ کسی قسم کی ٹینشن کے اثرات نمایاں نہیں تھے۔

"آف کورس مام۔بریانی کھائینگی ؟"اس نے آنکھیں پٹاپٹا کر پوچھا۔ناہید برہمی سے سر جھٹک کے پاس ہی دوسرے صوفے پہ بیٹھ گئیں۔

"فیوچر کو لے کر تھوڑی سیریس ہو جاؤ۔ بڑی ہو گئی ہو کب تک یہ نان سیریس بی ہیو ئیر رہے گا؟"

"فیوچر کونسا بھاگے جا رہا ہے سوچ لونگی۔" وہ انھیں ٹال کر چکن کی بوٹی سے تلوار بازی کرتے ہوئے بولی۔

"انوش"..

"کیا ہو گیا بھئی کیوں ہماری صاحبزادی کو ڈانٹ رہی ہیں؟" گلزار صاحب فریش ہو کر لاؤنج میں آئے اور اپنی زوجہ کو بیٹی پہ غصہ ہوتے دیکھا تو خاموش نہ رہ سکے۔

"بس بابا دیکھیں نا، انکو ہر وقت مجھ سے مسئلہ رہتا ہے، پنجے جھاڑ کے میرے پیچھے لگی رہتی ہیں۔ بریانی کھا رہی ہوں اس پہ بول رہی ہیں کہ نان سیریس ہوں۔ بھلا یہ اس بات کی کیا تک؟ سیریس رہ کر میں نے کیا اکھاڑ لینا۔ بے فکر رہیں فیلئیر نہیں رہو نگی، پر ابھی تو چل رہنے دیں نا۔"

باپ کی حمایت ملتے ہی وہ ان سے لگ کر بیٹھ گئی۔ گلزار صاحب اسکے برابر میں دراز ہو گئے اور بازو انوش کے پیچھے صوفے کی پشت پہ پھیلا دیا۔

"زبان دیکھیں اسکی کتنی لمبی ہو گئی ہے، اور کیسی فر فر چلتی ہے۔ سمجھائیں اسے اب ایگزامز کے بعد گھر داری سیکھ لے۔"

"آااا... بابا کیا واقعی بہت لمبی زبان ہوگئی ہے میری؟" چمچ پلیٹ میں رکھ کے انوش نے منہ کھولا۔ناہید سر پیٹنے لگیں گلزار کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔

"انسانوں والی حرکتیں کر لیا کرو! لڑکیاں ایسے منہ پھاڑتی اچھی نہیں لگتیں.." انوش کے مسلسل مذاق پہ ناہید نے اسے ڈپٹا۔

"بس بھی کریں آپ بھی پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں اسکے، سیکھ لے گی گھر داری بھی، کونسا ابھی ہم اپنی بیٹی کو بیاہ رہے ہیں۔ہماری بچی ہونہار بہت ہے جلدی سیکھ جائیگی۔"

"بلکل۔" انوش خوب چوڑی ہوئی اور آنکھیں جھپکا کر بولی۔گلزار صاحب ہنس رہے تھے۔اور ناہید اسکے پھوڑ پن پہ پریشان!

"اچھا چلو مجھے بتاؤ آگے آپ نے کیا سوچا ہوا ہے۔اسٹڈیز کے بعد کیا ارادہ ہے؟"

"شادی کا ہی ارادہ ہو گا۔بس ہر وقت کہانیاں پڑھ والو اور سیر سپاٹے کروالو۔" ناہید نے خوب اسکی عادات کو نشانہ بنایا تھا۔انوش نے رونی شکل بنائی ہونٹ سکیڑے۔

"بابا دیکھیں انھیں۔بلکہ آپ تو شادی کے دن سے ہی دیکھ رہے ہیں۔آپ تو دیکھ دیکھ کر بھی پکلک مطلب تھک گئے ہونگے۔" وہ باپ کے ساتھ مل کر ماں کو خوب چھیڑنے لگی۔ہمیشہ یہی ہوتا تھا وہ باپ بیٹی ایک طرف

ہو جایا کرتے تھے اور ناہید کو خوب پریشان کرتے تھے۔جب وہ روٹھ جاتیں تو انوش ان سے جا کے چمٹ جاتی اور منا کر ہی انکو دم لیتی تھی۔یہ اب معمول سا ہو گیا تھا۔

"ایسے جواب اسکے منہ پہ رکھا ہوتا ہے پر آپکو لاڈلی کی غلطی کبھی دکھتی ہی کہاں ہے۔"وہ شکوہ بھرے لہجے میں بولیں۔

"مام میں ابھی شادی نہیں کرونگی بلاوجہ آپ ٹینشن لیتی ہیں۔"

"تو کب کرو گی؟"

"پتا نہیں۔"لہجہ کچھ عجیب سا ہوا پھر اس نے خود کو نارمل کیا۔

"اوکے اوکے۔اب میں بلکل سیریس ہو کے بتاتی ہوں کہ کیا کرونگی۔"اس نے چمچ چاولوں میں چلایا پھر پلیٹ جھک کے ٹیبل پہ رکھ دی۔وہ دونوں ٹانگیں صوفے پہ آلتی پالتی مار کے بیٹھی ہوئی تھی۔سبز ٹی شرٹ کے ساتھ جینس پہنی تھی۔

"میں بریانی کا ریسٹورنٹ کھولوں گی۔وہ بھی بابا کے نام سے... گلزار بریانی ریسٹورنٹ!"لہک لہک کر اس نے ہاتھ اوپر کیے اور ایل شیپ میں انگلیاں کر کے بتایا۔گلزار ہنس پڑے اور ناہید کو بھی وہ ہنسنے پہ مجبور کر گئی تھی۔

"چپ کر کے کھانا لو اب.." ناہید نے گھور کے اسے کہا تو وہ معصومیت کا لبادہ منہ پہ چڑھا کے بریانی پہ ٹوٹ پڑی۔

مراد گیارہ بجے تک گھر لوٹا تھا۔عائشے پڑھنے میں مصروف تھی۔ان دونوں کی آج کل بات چیت سہی طرح ہو بھی نہیں پا رہی تھی۔وہ کھڑکی کے پاس کھڑے پڑھتے پڑھتے خیالوں کی دنیا میں جا چکی تھی۔

"کیوں پریشان ہو؟" مراد نے آکر اسے اپنے حصار میں لیا۔

"پتا نہیں۔" عائشے نے سر کتاب پہ جھکا لیا۔

"سارے جہاں کی ٹینشنز اپنے سر پہ لینے کا تمھیں زیادہ شوق نہیں؟ اپنے پیپر کی فکر کرو، پر نہیں تم کو ٹینشن لینی ہے۔"

اسکی کی بے جا ٹینشن لینے کی عادت پہ وہ چوٹ کرتا ہوا بولا۔

"کچھ بھی...! میں بس یہ سوچ رہی ہوں ہم گھومنے کہاں جائیں گے!" وہ اسکی طرف گھومی مراد کے بازو اسکے ارد گرد ہی تھے۔

"تو پھر کہاں جانے کا ڈیسائیڈ کیا ہے؟"

"سوات۔ پہلے تو ہم بس ناشتہ کرنے ہی باہر نکلے تھے پر اب پورا گھوم کے آئیں گے۔ سارے نارتھرن ایریاز گھومیں گے۔" وہ مراد کا پر تپش مسکراہٹ بھرا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

"ویری گڈ، نائس ڈریمنگ۔ ناؤ گو ٹو بیڈ اینڈ سلیپ، ریڈ ان دا مارننگ!" اسکے ہاتھ سے کتاب لے کر اس نے ایک طرف رکھ دی اور تحکم سے بول کر لائٹ آف کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا۔

رومائزہ تیسرا پیپر دے کر گھر آئی تھی۔ لاؤنج میں غضنفر کے ساتھ وکیل کو بیٹھا دیکھ چونک کر انکے پاس چلی آئی۔ کندھے سے بیگ اتار کے ایک طرف رکھ دیا۔ اسکے استفسار سے پہلے ہی تایا ابو اسے خود مخاطب کر چکے تھے۔

"بیٹا یہ آپکے اپارٹمنٹ کے پیپیرز لے کر آئے ہیں۔"

غضنفر نے آہستہ سے کہا۔ رومائزہ نے ناسمجھی سے وکیل کو دیکھا جو فل ٹپ ٹاپ ڈریسنگ میں ملبوس بیٹھا تھا۔

"میڈم یہ شنواری ہاؤس کے دستاویزات ہیں۔ میران صاحب وہ اپارٹمنٹ آپکے نام گفٹ کر رہے ہیں۔ یہ آخری تحفہ سمجھ کے رکھ لیں۔ انکا کہنا ہے یہ گھر پہلے دن سے ہی آپکا تھا اور آپکا ہی رہے گا۔ آپ کے دستخط کی ضرورت ہے۔ آپ پڑھ کے مطلوبہ جگہ سائن کر دیے گا۔"

وکیل پیشہ ورانہ انداز میں مخاطب ہوا، باقی گفتگو وہ غضنفر سے بھی کر چکا تھا۔وہ مزید رکا نہیں غضنفر سے مصافحہ کر کے نکل گیا۔روما پیپیرز گود میں ڈالے بیٹھی رہی۔وہ ہکا بکا پریشان ہو گئی تھی۔اسے نے پریشانی سے سر اٹھا کے بڑے پاپا کو دیکھا۔

"بڑے پاپا مجھے اسکی طرف سے کسی قسم کا کوئی تحفہ نہیں چاہیے۔آخر یہ ثابت کرنا کیا چاہتا ہے؟پہلے گھر چھین لیا اب ماہان بن کر واپس کر رہا ہے۔"

کاغذ میز پہ پھینک کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔اپارٹمنٹ کا منظر جھماکے کی صورت میں آنکھوں میں گھوما۔

"کول ڈاؤن بیٹا، یہ گھر میرے بھائی کی نشانی ہے۔میران جاہ یہ تمھارے حوالے ہی کرنا چاہتا ہے نا تو پھر ہم اس سے خرید لیں گے۔سفیر آجائے پھر میں یہ معاملہ دیکھتا ہوں۔"اسے پچکارتے ہوئے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔رومائزہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"واقعی خرید لیں گے؟"وہ چہکی۔

"بلکل۔۔"وہ مسکرائے رومانے تشکر بھری نگاہوں سے انھیں دیکھا اور ان سے لگ گئی۔

"تھینک یو تایا ابو۔ آپکو پتا نہیں ہے یہ گھر میرے لیے کتنا اہم ہے، خاص سے بھی زیادہ خاص ہے۔ ممی اور بابا دونوں کی حسین یادیں وہاں ہیں۔" رومائزہ نے ان سے الگ ہو کر بتایا۔

"پیپرز کیسے جا رہے ہیں آپکے؟"

"الحمدللہ بہت اچھے۔ اب تو بس دو رہتے ہیں، پھر نیا سمسٹر شروع ہو گا۔"

ان کے پاس سے فاصلہ بنا کر اس نے صوفے پہ پڑا بیگ اٹھا کے کندھے پہ ڈالا۔

"چلو جاؤ کچھ دیر آرام کرو۔ کھانا کھا لینا۔" اسے ہدایت کرتے وہ آفس کے لیے نکل پڑے۔ رومائزہ بھی پرسکون سی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اپارٹمنٹ کا سن کے آج اسے خاصا اطمینان ہوا تھا۔ ایگزامز کے جھمیلوں میں وہ میران اور اسکی آخری ملاقات سب فراموش کر چکی تھی۔ تھوڑی ڈسٹرب ہوتی بھی تھی تو گھر والوں پہ یہ بات عیاں نہیں کرتی تھی۔

شمس ہسپتال سے لوٹا تھا، عزیز نے میران کو اسکے بیٹے کی بیماری کے حوالے سے آگاہ کر دیا۔ میران نے کہا تھا اس بچے کا علاج وہ خود کروائے گا۔ اگر علاج پاکستان میں ممکن نہ ہوا تو باہر بھجوائے گا۔ پر اسکا یہیں علاج ممکن تھا ٹریٹمنٹ جاری تھی پر بیماری پہ حاوی ہونے کے لیے وقت درکار تھا۔

میران کھانا کھا کر فارغ ہوا۔

"سائیں چائے پیئیں گے ؟" فرید نے جی حضوری

کرتے پوچھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر جواب دیتا لان میں چلا گیا۔ اس نے واپس آکر اب تک زولفقار سے بات نہیں کی تھی۔ وہ آتا ہی دیر رات کو تھا اور پھر صبح ہوتے ہی چلا جاتا۔ زولفقار اس پہ برہم تھے وہ خود بھی اس سے ملنے نہیں آئے تھے۔

میران باہر آگیا کھلے آسمان کے نیچے زیادہ پر سکون رہتا تھا۔ اس نے آنکھیں موندلیں تو ہمیشہ کہ طرح کی نازک سراپا آنکھوں کے گرد لہرایا۔ وہی سفید گھیر دار پیروں کو چھوتی فراک میں ملبوس سراپا، مہندی سے سجے ہاتھ گجروں سے لیس کلائی۔

کھکھلاتا ہوا چہرہ، رمق زدہ قاتلانہ نگاہیں... ایک پل کو اسکا شدت سے دل کیا تھا ان گجروں کی خوشبو خود میں اتارے۔ اس نے جھپاک سے آنکھیں کھول لیں۔ چہرہ بے تاثر ہی رہا۔

اٹھ کر تو آگئے ہیں تیری بزم سے آخر،

کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

وہ اسکی زندگی سے تو نکل آیا تھا پر اپنی زندگی سے اسے نکالنا ناممکن تھا۔ اسکی یادیں سوچوں پہ قابض رہتیں، خیالوں کی ملکہ بن چکی تھی وہ۔ رومائزہ شنواری!

"تم ایک ہینڈسم، خوب شکل اور اربوں کی جائیداد کے مالک ہو۔ تم کو مجھ سے بہتر اور کوئی چاہنے والی مل جائیگی۔"

ایک وقت کبھی رومائزہ نے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر پتھر دلی سے کہا تھا، میران اسکی آنکھوں کے بھنور میں ڈوبتا مدھم سا ہنسا۔ قدم بڑھا کے اسکے نزدیک آیا اور اسکی گہری بھوری آنکھوں میں جھانکا۔

"پر میری زندگی کا قیمتی اثاثہ تم ہو، مجھے تم سے محبت ہے، تمھاری طلب ہے۔ لوگ مجھ سے زیادہ میرے پیسے سے پیار کرتے ہیں وہ یہ عیش و عشرت یہ دولت دیکھتے ہیں۔ اور بات رہی ہینڈسم ہونے کی بے شک وہ تو میں ہوں پر ایسا دل نہیں چاہیے جو ہر ایک پہ فدا ہو جائے۔

میری خواہش صرف تم تک محدود ہے، اور مجھے کسی کی تمنا نہیں ہے۔" بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں مسرور مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جواب دیا تھا۔

"پھر تم پتھر سے سر پھوڑ رہے ہو۔" وہ جواباً چیخ کر بولی۔

میران اسکے خیال سے باہر نکلا۔

بے خودی میں وہ مبہم سا مسکرایا پھر مسکراہٹ جیسے سمٹ گئی۔ اگلا خیال جو اسکی شادی کا آیا تھا۔ چند دن بعد وہ کسی کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہونے جا رہی تھی۔ کاش کو کسی میران ہی ہوتا۔ رومائزہ کا کسی اور کا ہو جانا یہ بات اتنی تکلیف دہ تھی کہ وہ برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ دل پسلیاں توڑ کے باہر آنے پہ بضد ہو جاتا تھا۔ دل و دماغ میں جنگ چھڑ جاتی تھی۔

تمام ملازمین بڑی انہماک سے کاموں میں مصروف تھے۔ مالی اس بڑے سے باغ کو پانی سے نہلا رہا تھا۔ ماحول میں نمی آگئی ہریالی بھیگ گئی۔ مٹی کی خوشبو محسوس ہوتی بڑی اچھی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ کافی دیر کھڑا وہاں کے نظارے دیکھتا رہا۔ فرید نے تھوڑی دیر بعد چائے پیش کر دی۔

گھونٹ در گھونٹ اس نے اپنے اندر اتارے۔ تبھی مین گیٹ کھولا گیا تھا، عزیز نے گاڑی پورچ میں لا کر روکی اور اپنا ٹمٹماتا چہرہ لیے اسکے پاس آیا۔ میران نے گھونٹ لے کر کپ لبوں سے دور کیا۔

"سائیں اے ایس پی صاحب نے مارگن کے ساتھیوں کو بھی پکڑ لیا ہے۔ سلام بھیجوایا ہے انھوں نے آپکو۔"

وہ خوشی سے بتا رہا تھا، میران نے سر ہلانے پہ ہی اکتفاء کیا۔ اسکی اس قدر خاموشی بنگلے میں موجود ہر فرد کو کھٹکتی تھی۔ اس نے بولنا چھوڑ دیا، کسی کو مخاطب نہیں کرتا تھا اول تو بنگلے میں آتا ہی بہت کم تھا۔ دن رات کاموں میں خود کو مصروف رکھتا تھا بس اسی درمیان وہ نارمل ہو جاتا تھا۔ سنجیدگی طاری رہتی تھی جو پہلے بھی اسکے رویے کا حصہ تھی۔ اپنی سنجیدہ رہنے کی عادت پہ کچھ لوگوں کو وہ مغرور بھی بہت لگتا تھا۔

"سائیں کب تک اس طرح رہیں گے؟"

عزیز کی زبان بھی رکتی نہیں تھی۔ کئی بار وہ اسے کھری کھری سنا چکا تھا پھر بھی وہ یہ سوال کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ میران نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"اسکے جواب نہیں ہے میرے پاس۔" عزیز نے غور سے اسکا نکھرا ہوا چہرہ دیکھا جس پہ کسی قسم کی خوشی کی رمق نہیں تھی، سرد اور سنجیدہ تاثرات تھے۔ بال ماتھے کو چھو رہے تھے۔ شاید میران کو اندازہ نہیں تھا اس طرح وہ مزید خوبصورت لگتا ہے، سنجیدگی لاپرواہی اس پہ ہی تو جچتی تھی۔ مغرور سی آنکھیں..

اسکے نقوش دیکھنے سے فرمت ملی تو عزیز نے سانس بحال کی۔

"جواب ہو گا بھی کیسے آپ خود انکے خیالوں کی زد سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔"

"عزیز..." اسکی حقیقت افشانی پہ وہ برہم ہوا تو عزیز نے چہرہ جھکا لیا۔ اتنے میں شمس ان کے درمیان آگیا۔ میران کو مخاطب کرنے کی اب اس میں ہمت بچی نہیں تھی۔

"کیسا ہے تمھارا بیٹا؟" اس کے تمام گناہوں کو فراموش کر کے میران نے فکرمندی سے پوچھا۔

"علاج ہو رہا ہے، روز وہ نئی تکلیف سے گزرتا ہے۔ چھوٹی سی جان آخر کتنا درد برداشت کریگی۔" وہ غمزدہ تھا۔ میران نے تسلی دینے کے لیے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھا اور پھر واپس اندر کی طرف پلٹ گیا۔ شمس نے ندامت سے جھکا سر اٹھا کے عزیز کو دیکھا۔

بتول اور غضنفر اپنے کسی جاننے والے کی عیادت کے لیے تھوڑی دیر پہلے ہی روانہ ہوئے تھے رومائزہ گھر میں اکیلی تھی۔ پیپر کی تیاری مکمل ہو چکی تو وہ فارغ ہو کر پینٹنگ کا سامان لاؤنج میں لے کر بیٹھ گئی۔ اسٹینڈ اس نے سیٹ کر دیا تھا۔ پھر اسٹول لا کر رکھا۔ اس نے برش اٹھایا ہی تھا ملازمہ آکر اسے پیغام دینے لگی۔

"باجی باہر آپ سے کچھ لوگ ملنے ہیں۔ آپ جا کے دیکھ لیں۔"

رومائزہ کو تھوڑی حیرت ہوئی اس سے بھلا کون ملنے آسکتا تھا اور کوئی انجان؟ وہ برش ایک طرف پینٹ کلرز کے ساتھ رکھ کر دوپٹہ شانوں پہ پھیلا کر باہر نکلی۔ لان سے گزر کے وہ مین گیٹ تک کو آن پہنچی۔

"کون آیا ہے؟" دھوپ کی شدت سے اس نے ہاتھ ماتھے پہ رکھ کے چوکیدار سے پوچھا۔

"بیٹا بار بار آپ کا نام لے رہے ہیں کہ آپ سے ملنا ہے۔ اجنبی لوگ ہیں۔" چوکیدار نے بتاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ جوں جوں دروازہ سرکتا گیا باہر کا منظر صاف ہو گیا۔

ایک مہذب سی عمر رسیدہ خاتون سر پہ دوپٹہ اوڑھے اچھے پوشاک پہنے اسکے سامنے کھڑی تھیں۔بے ساختہ رومائزہ کی انھیں دیکھ کر باچھیں کھل گئیں۔

"حلیمہ بی۔" وہ خوشی سے چِلّاکر گیٹ سے باہر نکلی اور انکو خود میں سمالیا۔

"شکر تم مجھے بھولی نہیں۔" وہ ان سے دور ہٹی تو حلیمہ بی نے مسکرا کر کہا۔کتنے دن بعد یہ چہرہ انھیں واپس دیکھنے کو نصیب ہوا تھا۔اسکے جانے کے بعد وہ تنہا ہو گئی تھیں اور وہ یاد بھی بہت آتی تھی۔اسکی فکر بھی انکو ستائے رہتی۔

"آپکو کیسے بھول سکتی ہوں میں، اندر آئیں نا آپ.." انکا ہاتھ تھامے وہ گھومی پر اسکے قدم جیسے رک گئے۔اس نے گردن ہلکی سی بائیں جانب کی تو سکتے میں آگئی۔ حلیمہ بی کا تھاما ہاتھ اسکے ہاتھ سے چھونٹ گیا۔

سامنے عزیز، عبدل اور شمس کھڑے تھے۔اور ساتھ میں ایک بڑی عمر کے آدمی بھی تھے۔بابا کے دوست۔میاں حسن!

وہ پتھر سی ہو گئی تھی۔

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ رومائزہ سب کی آمد سمجھنے سے قاصر تھی۔ حلیمہ بی اور حسن انکل کو دیکھ کر اس نے عزیز وغیرہ کو کچھ نہیں کہا۔ جب وہ میران کو معاف کر چکی تھی تو پھر ان سے کیسا شکوہ ہونا تھا۔ پر وہ حیراں ضرور تھی۔

"آپ سب کا ایک ساتھ کیسے آنا ہوا؟ اور انکل آپ؟" وہ حسن کے برابر میں ہی بیٹھی تھی۔ حسن نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ سر خم کر گئی۔

"ہم آپکی آنکھوں پہ سے بدگمانی کی پٹی ہٹانے آئے ہیں۔ سائیں خود تو ہٹا نہیں سکے پر ہم ضرور آج ہٹا کر جائینگے۔ آپ ہمیشہ انکو غلط سمجھتی ہیں اور پھر پچھتاتی ہیں۔ ایک شخص جو آپکو دنیا کی بھیڑ سے محفوظ رکھ رہا ہو وہ کیسے آپکو ان دیکھی آگ میں جھونک سکتا ہے؟ آپ نے ہر بات کا الزام ہمارے سائیں کو دے دیا۔ خود خوش ہیں اس سفیر کے ساتھ؟ اور سائیں! مر رہے ہیں وہ..! خود کو لفظی بول کہہ کر پیچھے کر لیا پر آپ سے وہ دل کا تعلق کبھی ختم نہیں کر سکیں گے۔ ایک رٹ انھوں نے لگا رکھی ہے کہ آپ کی آنکھوں پر بدگمانی کی پٹی بندھی ہے جب تک وہ نہیں ہٹے گی تو آپ سچ پر یقین نہیں کریں بے۔ تو وہ پٹی ہٹائے گا کون؟"

عزیز غبارے کی طرح پھٹ پڑا تھا پر اس نے انداز مہذب ہی رکھا اور تلخ آواز کو نارمل برقرار رکھے بولا۔ رومائزہ تو اسکے انداز پہ ششدر تھی۔ آج سے پہلے مجال ہو جو عزیز اسکے ساتھ اتنا تلخ اور سخت ہوا ہو۔

"بیٹا میں نے آنے میں دیر کر دی، معاف کرنا مجھے۔ احتشام کے انتقال کے بعد میں تمھاری آنٹی کے ساتھ کچھ ماہ کے لیے کراچی چلا گیا تھا۔ یہ تو اس جوان نے میرا پتہ نکال کر مجھ سے رابطہ کیا۔ احتشام کے جانے کے بعد میں تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکا تمھاری آنٹی نے مجھے روک رکھا تھا وہ ذولفقار جاہ کے ساتھ دشمنی سے ڈرتی تھیں۔ آخری وقت تک میں احتشام کا راز دار رہا ہوں، پر اب وقت آ گیا ہے کہ تمھیں حقیقت معلوم ہونی چاہیے۔"

وہ کہتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ رومائزہ کو انہونی کا احساس ہوا۔ اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ تو عزیز کی گفتگو شروع کرنے سے ہی ہو رہی تھی۔ اس نے حلیمہ بی کی طرف دیکھا۔ پھر انکے برابر میں عزیز بیٹھا تھا اس تک نگاہیں پہنچی۔

"آپکو چھوٹے سائیں نے جو کچھ بتایا وہ سب سچ ہے۔ ہم سب قسم اٹھانے کو تیار ہیں۔ وہ بے قصور ہیں۔ انکو کچھ معلوم نہیں تھا ان کے پیٹ پیچھے کیا سازش کی گئی اور کیوں کی گئی۔ آپ وجہ نہیں جانتی۔ سائیں نے آپکو یقیناً اس بات سے بے خبر رکھا ہو گا کہ قرضے کی رقم انھوں نے ہی آپکے بابا کو دی تھی، اور اس بارے میں جب بڑے جاہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے غصے میں آکر سائیں کا نام استعمال کر کے آپکو وہیں رکوا لیا۔ سائیں رقم کی بات آپ سے چھپانا چاہتے تھے، پر انکو بتا دینا چاہیے تھا۔" عزیز نے کہتے ہوئے شمس کی طرف دیکھا۔ یہ رقم کا کیا ماجرا تھا! وہ بے خبر تھی۔ اسے نے نا سمجھی سے حسن کو دیکھا۔

شمس نے رومائزہ کو دیکھ کر گہری سانس بھری۔

"میں ہی تھا جس نے زولفقار جاہ کو ہمیشہ سے شنواری کے خلاف بھڑکایا، اور ایسے کئی لوگ ہیں جن کے خلاف میں نے یہی حرکت کی۔ میں دل سے اپنے گناہوں پر نادم ہوں۔ مجھے احساس ہو چکا ہے کہ میں غلطی پر تھا۔ اللہ مجھ سے میرے ہر برے عمل کا حساب لے رہا ہے۔ میرا بیٹا بہت تکلیف میں ہے۔ کینسر میں مبتلا ہے۔ اسے آپکی بد دعائیں ہی لگ گئی ہیں اور میرا کیا وہ بھگت رہا ہے۔ میڈم مجھے معاف کر دیں۔" شمس جگہ پہ بیٹھا روتے ہوئے گڑگڑانے لگا۔ رومائزہ کو سانپ سونگھ گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"آپ کک کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے آپکے بیٹے کو کبھی بد دعائیں نہیں دیں۔ اس معصوم کا کیا قصور۔" وہ سن کے بے چین ہو گئی۔ حلیمہ بی اٹھ کے اسکے پاس آئیں اور برابر میں بیٹھ گئیں۔

"پر میں آپکا گنہگار ہوں، میں نے ہی بڑے جاہ کو خبر دی تھی کہ میران بابا نے شنواری کو پیسے دیے ہیں۔ سارا قصور میرا ہے۔" وہ پچھتاوے میں جھلس رہا تھا۔

"اللہ آپکے بیٹے کو صحت و تندرستی کے ساتھ زندگی دے۔" حلق میں ابھرتی گھٹلی نگل کر اس نے بمشکل کہا۔

وہ شدید الجھ کے رہ گئی۔ ذہن میں سوچیں سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارنے لگیں ہر خیال بکھر رہا تھا۔ کس بات کو کہاں سے جوڑتی؟

"بیٹا میران جاہ کا کوئی قصور نہیں۔ وہ آپکو گھر ہی بھیج رہا تھا در میان میں آپ اور وہ دونوں زولفقار کی سازش کا نشانہ بن گئے۔ اور وہ کامیاب بھی ہو گئے۔"

" انکل مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" وہ ہولے ہولے لرزنے لگی۔

" آپ جب اغوا ہوئیں تو اسکے بعد ہی میران احتشام سے ملنے آیا تھا۔ اس نے احتشام کو ہر طرح سے اطمینان میں لیا تھا کہ آپکا خیال رکھے گا اور حتی کہ وہ آپکے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار تک کر چکا تھا۔ اور شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ فلحال احتشام نے اس معاملے کے بارے میں کچھ سوچا نہیں۔ دن گزرتے گئے۔ میران پھر آیا۔ اس نے تمھارے بابا کو اپارٹمنٹ بیچنے سے روکا تھا۔

اسکا یہی کہنا تھا کہ رومائزہ کے لیے یہ گھر بہت خاص ہے آپ اسے سیل نا کریں، پر تمھیں واپس لانے کے لیے احتشام کے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔"

میاں حسن ایک ایک کر کے سب کچھ اسے تفصیل سے بتانے لگے۔ انکے خاموش ہونے پہ عزیز نے بات جاری کی۔

"جی میں بھی انکے ساتھ گیا تھا۔ اس وقت وہ زولفقار جاہ سے ڈیل کر چکے تھے جو صرف ایک پلاننگ تھی۔

چھوٹے سائیں نے احتشام صاحب کی پریشانی دیکھتے ہوئے انھیں ایک آفر کی تھی۔ بلکہ وہ انکا حتمی فیصلہ تھا۔ آپکے بابا بڑی مشکل سے راضی ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ میران سائیں نے انھیں پانچ کروڑ روپے دیے تھے، جو کسی قرض کی صورت میں نہیں تھے۔ ان پہ بس پھر احتشام شنواری کا حق تھا۔ سود کی رقم وہ بڑے جاہ سے معاف کروا چکے تھے۔

اور فیکٹری بہت گھاٹے میں جا رہی تھی تو اسے بیچ کر نئے کاروبار شروع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ "عزیز نے لب ملا کر بات مکمل کر کے سر جھکا لیا۔ رومائزہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ماحول میں سناٹا ہوا۔

"پھر وہ دن بھی آگیا جب احتشام آپکو لینے گیا تھا۔ وہ تو آپکو لے کر ہی آتا پر زولفقار کے آدمیوں نے اسکے گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے بے ہوش کر دیا اور اسے گھر پہنچا دیا۔ پھر جو ہوا آپ واقف تھیں۔ میران نے انھیں کسی بھی چیز سے مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اسکے آدمی آپکو گھر چھوڑ آئے۔ "حسن کی آواز نے سناٹا توڑا تھا۔ ساری گوہر افشانیاں رومائزہ پہ بجلی کی طرح کڑکتے ہوئے برس رہی تھیں۔

"جی میں ہی تھا اس وقت آپکے ساتھ، میں سائیں کے قریبی بندوں میں سے ایک ہوں۔ میری بیوی اور بیٹی شمس کے قبضے میں تھیں مجھے سائیں کے حکم کے خلاف جانے پہ مجبور کر دیا گیا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ کر گزرا جس کے بعد سائیں کی زندگی میں ایک طوفان اٹھنا تھا۔ "عبدل ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رومائزہ اس دن کے منظر میں کھو گئی۔ چیخ پکار اسے سنائی دینے لگی۔

"پھر اسکے بعد احتشام سے زولفقار جاہ ملے۔ اور بتایا کہ انھوں نے رومائزہ کو واپس وہیں قید کر دیا جہاں وہ تھی۔ اب کی بار وہ مہمان نہیں قیدی تھی۔ جسے میران کی واپسی تک وہیں رہنا تھا۔ زولفقار کو اندازہ تھا اس سازش کے بعد رومائزہ کبھی میران کی شکل نہیں دیکھے گی۔ وہ تم سے میران کی جان چھڑانا چاہتے تھے۔ بس پھر سب کچھ ویسے ہی ہوا جیسے انھوں نے سوچا تھا۔

احتشام مزید پریشان ہو گیا۔ اس نے اپارٹمنٹ اور فیکٹری بیچ کر اپنے پیسوں سے قرضا اتارنا چاہا کہ شاید اسے اس طرح سے اپنی بیٹی مل جائے، کیونکہ میران کے دیے پیسوں سے تو اسکے باپ کی انا جاگ گئی تھی۔"

"وہ سلور ہولڈنگز کے مالک دائم علی کو پہلے بھی اپارٹمنٹ بیچ رہا تھا، پر میران کے انکار کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ اس نے دوبارہ ان سے رابطہ کیا۔ وہ اپارٹمنٹ خریدنے میں تب بھی انٹرسٹڈ تھے۔ وہ فیکٹر ی کا سودا بھی کر چکا تھا رقم مل گئی تھی۔ اپارٹمنٹ بھی اس نے بیچ دیا۔ پر جس دن اسے اپارٹمنٹ کی رقم ملی وہ شدید بیمار ہو گیا دل کا دورا پڑا تھا۔ میں اسکے پل پل ساتھ تھا ساری باتیں میرے سامنے ہوئیں تھی۔

دائم علی نے آ کے انکی خیریت وغیرہ بھی دریافت کی اور وہ رقم وغیرہ دے کر چلا گیا تھا۔"

"ہاں... سائیں جب واپس آئے تو آپکو گھر بھیج دیا تھا۔

اور پھر انکو خبر ہوئی کہ شنواری صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اپارٹمنٹ وہ بیچ چکے ہیں اور آپ لاپتہ ہیں تو وہ شدید پریشان ہو گئے تھے۔

اس رات ہاسپٹل میں وہ آپکے پاس تھے۔ آپکو انہتائی خراب حالت دیکھ انکا حال برا ہو چکا تھا۔ وہ خود کو بھی اس سب کا ذمہ دار سمجھ رہے تھے۔

اسکے بعد انھوں نے اپارٹمنٹ وغیرہ کا پتا کروایا۔ دائم علی انکے بہت اچھے دوست ہیں۔ انکو پتا لگا کہ انھوں نے ہی خریدا ہے تو سائیں نے ان سے واپس خرید لیا۔ وہ گھر دائم نے اپنے ایمپلائے کو کچھ وقت کے لیے دیا تھا۔ جب آپ وہاں گئی تھیں تو اسکا بھائی آپ سے ملا تھا جو سب چیزوں سے بے خبر تھا۔ ہفتے کے اندر اندر اپارٹمنٹ میر ان سائیں واپس لے چکے تھے۔ دائم کو ہر چیز سے باخبر انھوں نے کر دیا تھا۔"

"وہ گھر کسی غیر کے پاس نا جائے اسی لیے سائیں نے خریدا اور واپس آپکو لوٹانا ہی چاہتے تھے۔"

سب کی نگاہیں عزیز کے چہرے پہ تھیں۔ ایک رومائزہ ہی تھی جو سپید پڑتے چہرے کے ساتھ ٹیبل کے گھور رہی تھی۔ اسکے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ لگ رہا تھا پیروں سے بس جان نکل ہی جائیگی۔

"احتشام اتنے ہی دن لکھوا آیا تھا، اسکی طبیعت سنبھل نا سکی۔ اور دو دن بعد روح نے اسکے جسم کی جان چھوڑ دی۔" میاں حسن کی آنکھ سے آنسو نکل گیا۔ انھوں نے آنکھوں سے چشمہ ہٹا کر آنکھ صاف کی۔

وہ ساکت رہ گئی۔ بے یقینی سے اس نے حلیمہ بی کو دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو پھسل رہے تھے.. چہرے پہ ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا۔

"تمھارے تایا کی فیملی بھی اس سے آکر مل چکی تھی۔ پر انھیں اس نے تب تک کچھ خبر نہیں ہونے دی تھی۔ آخری وقت میں اسکے پاس کمرے میں صرف میں ہی موجود تھا۔

اس نے بس جیسے آخری لفظ ادا کیے تھے۔

"حسن میرا وقت پورا ہو گیا ہے۔ میری بیٹی کا تم خیال رکھنا۔ میں ایک اچھا باپ ثابت نہیں ہوا، اپنی بیٹی کو دنیا کے چنگل سے بچا نہیں سکا۔ میران جاہ سے ممکن ہو تو رابطہ کرنا۔ اسے اسکے باپ کے کیے سے آگاہ کرنا۔ وہی رومائزہ کو اپنے باپ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اسے کہنا کہ احتشام شنواری تمھارے اور روما کے رشتے کے لیے راضی تھا۔ اسکے علاوہ اور کوئی میری بیٹی کے قابل نہیں۔ اسے کہنا کہ۔ وہ میری امانت کا خیال رکھے.... "اور انکی سانسیں مدھم پڑتی گئیں آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں۔

حسن صاحب بتاتے ہوئے تکلیف سے گزر رہے تھے۔ ہر نفس کی آنکھ اشک بار ہوئی تھی۔ اسکی آنکھوں سے آنسو مزید تیزی سے پھسلنے لگے۔ اسکے باپ کو میران پہ اتنا اعتبار تھا!

"بیٹا میران بلکل بے قصور ہے۔ تمھیں اسکا یقین کر لینا چاہیے۔ میں نے اپنے دوست کا پیغام تمھیں دے دیا ہے۔ اس نے میران کی آنکھوں میں تمھارے لیے محبت دیکھی تھی، بہت سوچ سمجھ کے احتشام نے تمھارے رشتے کا فیصلہ کیا تھا۔ بہت خاص سا احساس تھا! احتشام فیصلہ کر چکا تھا جب آپ لوٹو گی تو میران اور آپکا نکاح

پڑھوادے گا۔وہ مطمئن تھا۔اس نے میران کو اچھے سے پرکھا تھا۔کوئی عیب اس شخص میں موجود نہیں تھا جسے بنیاد بنا کر شنواری رشتے سے انکار کرتا۔اس قدر وہ تمھاری حفاظت کر رہا تھا کہ احتشام اسکی پیش کش پہ راضی ہو گیا۔میران جب آخری بار اس سے ملنے آیا تھا تو احتشام نے اپنا یہ فیصلہ بھی بتا دیا تھا۔جو سن کر میران بہت خوش تھا۔

اور اس ملاقات میں میں خود بھی شامل تھا۔"

ہر بات سے پردہ اٹھانے کے بعد انھوں نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔وہ خوب آنسو بے مول کرنے لگی۔اس نے مٹھی سر پہ کئی بار ماری۔پھر شدت سے رونا آیا۔

"آپ کو اب تو یقین آگیا ہو گا سائیں سچ کہہ رہے تھے۔انکی خوشی آپ سے منسلک ہے۔انھیں انکی خوشی لوٹا دیں۔وہ زندہ لاش بن گئے ہیں،ہم سے دیکھا نہیں جاتا۔اندر ہی اندر وہ ختم ہو رہے ہیں۔"عزیز بڑے دل سے التجا کرتے بولا۔شمس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا تو وہ میران کو اس طرح اس قدر سنجیدہ دیکھ نہیں پارہا تھا۔بلکہ بنگلے کا کوئی بھی ملازم!

اس نے عزیز سے بات کی تھی کہ وہ میڈم سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔عزیز نے اسے بتایا کہ وہ میران سے بے حد بدگمان ہیں۔انھیں سچ پتا ہونا چاہیے پر ایسا کوئی جسکی بات پہ وہ یقین کریں۔

اس وقت شمس کو شنواری کے کسی دوست کا خیال آیا تھا۔ فیکٹری میں اسے ساتھ دیکھا تھا بس پھر شمس نے میاں حسن کو ڈھونڈ نکالا۔ اور انھیں گواہ کے طور پہ رومائزہ کے پاس لے آئے تھے۔

"بچے تم چھوٹے سائیں کے ساتھ غلط کر رہی ہو، محبت کرتے ہیں وہ تم سے۔" حلیمہ بی نے بڑی شفقت سے کہا پر وہ کسی کی سن کہاں رہی تھی۔ اسکا دماغ تو میر ان پہ اٹک گیا تھا۔

وہ بے قصور تھا.. ہاں وہ بے قصور تھا! کس بات کی اس نے اسے معافی دی تھی؟ اس نے شنواری صاحب کی کتنی مدد کی یہ سب تو اس نے بتایا ہی نہیں۔ بتا دیتا تو یقین کر لیتی وہ؟

اسے میاں حسن پہ بہت بھروسہ تھا ایک وہی تھے جو اسکے بابا کے قریبی دوست تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ انکی کہی ہر بات سچ ہے۔ اس نے بے دردی سے آنسو پوچھے۔ وہ غیر مرئی نقطے پہ نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ سب اب اسکی کیفیت سمجھ سکتے تھے۔

اسکے ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے۔ لبوں پہ اس نے انگلیاں جما لیں۔ وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ شرمندگی نے اسے گھیر لیا۔

"اس نے کچھ نہیں کیا... حلیمہ بی میں نے اسکا یقین نہیں کیا۔ وہ صفائیاں دیتا رہ گیا۔ وہ بہت تڑپ رہا تھا میں نے دیکھا تھا پھر بھی پتھر دل بنی رہی... اللہ۔" چیخ کر کہتے ہوئے اس نے سر ہاتھوں میں دے لیا۔

"اللہ میں پاگل ہو جاؤنگی، یہ سب کیا ہو گیا، میں نے اسے کتنا برا بھلا کہا اتنی بد دعائیں..." اپنے سخت لفظ اسے یاد آنے لگے۔ سب کچھ تو میران کو اس نے بول دیا تھا حتی کہ اس کے مرنے تک کی بد دعا دی تھی۔

"آ آپ کا درد ہم سمجھ سکتے ہیں اس وقت آپ شنواری کی موت کے غم میں تھیں اور سچائی سے ناواقف تھیں۔" عزیز نے اسے بھپک بھپک کر روتا دیکھ پریشانی سے کہا۔

آج چھٹی کا دن تھا تو مراد عائشے کو آئسکریم کھلانے کے لیے نکلا تھا۔

"مراد روما کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں، سفیر بھی اٹلی میں ہے اور انکل آنٹی بھی باہر کہیں گئے ہیں۔" مراد کو ڈرائیونگ کرتے ہوئے دیکھ کر اس نے خواہش کی، مراد نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی کا رخ دمیر ہاؤس کی جانب کر لیا۔

وہ وہاں پہنچے تو چوکیدار نے بتایا تھا کہ رومائزہ بی بی سے ملنے کچھ لوگ آئے ہیں۔ عائشے نے اچھنبے سے مراد کو دیکھا۔ مراد کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ فوراً اندر بڑھا اور عائشے اسکے پیچھے ہی تھی۔

"یہ یہ سب کیوں آئے ہیں؟" لاؤنج کے پاس کانچ کے دروازے سے پہلے ہی ان دونوں کے قدم رک سے گئے۔ مراد نے اسکی حیرت زدہ شکل دیکھی اور اسکے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کہ اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔

وہ چپ چاپ اسکے ساتھ ایک طرف کو ہو کے وہیں کھڑی تھی۔ اندر گفتگو جاری تھی۔ اور جیسے جیسے باتیں کلئیر ہوئیں، عائشے کے جسم کا خون نچڑ کر سارا چہرہ پہ مجتمع ہو گیا۔ اس نے مراد کا بازو سختی سے پکڑ لیا تھا۔ وہ یہ ٹک سامنے بیٹھے عزیز کو دیکھ رہی تھی۔ رومائزہ حلیمہ بی اور میاں حسن کی انکی جانب پشت تھی۔

رومائزہ اپنی کم عقلی، پتھر دلی پہ خوب رو رو کر ماتم منا رہی تھی، عائشے کی آنکھیں نمکین پانی سے لبریز ہو گئیں۔ اس نے مراد کے سینے پہ سر ٹکا دیا۔

"آئی ایم سوری مراد... مجھے یقین کر لینا چاہیے تھا۔" وہ سسک اٹھی۔ مراد نے اسے سہارا دیا اور اسکے بال سہلا کے اس پیچھے کیا۔

"اب اپنی دوست کو سنبھالو، اب وہ سچ جان چکی ہے اپنی غلطی پہ اسے اور زیادہ تکلیف ہو گی۔" مراد پیار سے اسے کہہ کر اندر بڑھا۔ عزیز اسے دیکھ کر گڑبڑا کے کھڑا ہو گیا۔ مراد اسی کے پاس چل کر آیا۔

"میران کو پتا ہے تم لوگ یہاں آئے ہو؟"

"نہیں... تم بھی مت بتانا۔ پلیز،" یہ التجا نہیں تھی۔ یک لفظی بات تھی۔ مراد سر ہلا کہ رہ گیا۔

غضنفر اور بتول واپس آچکے تھے۔ پورچ میں انکی گاڑی رکنے کی آواز اندر تک آئی۔

اندر جب وہ داخل ہوئے تو ان سب کو پا کر حیران ہوئے۔ میاں حسن نے فوراً اپنا تعارف کروایا پر وہ انھیں ہاسپٹل میں احتشام شنواری کے ساتھ دیکھ چکے تھے تو پہچان گئے۔ حسن سے تو وہ بہت اچھے سے ملے تھے۔ باقی عزیز، عبدل شمس کو وہ جانتے پہچانتے نہیں تھے۔ حلیمہ بی نے اپنا حوالہ دیا کہ فارم ہاؤس میں رومائزہ انھی کے پاس تھی انھوں نے ہی اسکا خیال رکھا تھا۔ رومائزہ انکے ساتھ لگی رو رہی تھی۔ بتول اور غضنفر اتنا اندازہ لگا چکے تھے وہ ان خاتون سے کافی اٹیچ ہے۔ اس لیے انکے حوالے سے دل میں کوئی غلط تاثر پیدا نہیں ہوا۔

"انکل یہ لوگ میران کی سچائی بتانے آئے ہیں، اس پہ جو غلط الزام لگائے گئے انھیں صاف کرنے۔" مراد نے کہتے ہوئے عزیز کو اشارہ کیا۔ جس نے الف سے یے تک کی ساری روداد سنا دی اور درمیان میں حسن نے بھی بات رکھی تھی۔

دونوں میاں بیوی نے حیرت انگیز انداز میں رومائزہ کو دیکھا۔ دونوں ہی ایک ریگرٹ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد وہ سکتے سے باہر نکلے۔

میران کے حوالے سے وہ حیران پہلے ہی تھے اب جا کے ایک تسلی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اسے ایک اچھا شخص ہی تصور کرتے تھے، رومائزہ کے واقعے کے بعد میران کے بارے میں انکی رائے بدلی تھی۔ اپنی بھتیجی انکو اس سے زیادہ عزیز تھی۔

رومائزہ میں کسی کا مزید سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی اٹھ کے اپنا وجود گھسیٹتی کمرے میں چلی گئی۔ سب اسے تکتے ہی رہ گئے۔ بتول اور غضنفر کا دل تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ انکے بھائی نے تو میران کو رومائزہ کیلیے چنا تھا۔ اب؟ اب تو فیصلہ رومائزہ کا تھا کہ وہ کس کو چنتی ہے۔ جو اسکے ساتھ ہے؟ یا وہ جس نے راہیں تو جدا کر لیں پر پل پل اسکی یاد میں تڑپ رہا ہے۔

میاں حسن نے اپنا نمبر غضنفر کو دے دیا تھا۔ تاکہ بعد میں آرام سے کانٹیکٹ کر سکیں۔ احتشام شنواری کے اپارٹمنٹ اور فیکٹری کی رقم انھوں نے لوٹانی بھی تھی جو انکے پاس اب تک امانت کے طور پہ محفوظ تھی۔

آہستہ آہستہ سب چلے گئے لاؤنج خالی ہو گیا۔ بس وہ چار رہ گئے تھے۔ عائشے نے بتول کو کچن سے پانی لا کر دیا۔ غضنفر بھی پریشان سے بیٹھ گئے۔

"کسی پہ بہتان لگانا یہ چھوٹا گناہ نہیں ہے۔" غضنفر سوچ و افکار میں گم بڑبڑائے۔

"یہ کام تو اسکے باپ نے ہی کیا ہے، آپ لوگ خود کو پریشان مت کریں۔ ایک وقت ایسا تھا میں بھی دھوکے میں میران کو غلط سمجھ رہا تھا۔ رومائزہ کو اس نے میرے ولیمے پہ سچ بتایا تھا پر اس نے یقین نہیں کیا۔" مراد ان کے ساتھ ہی صوفے پہ ٹک گیا۔

"مجھے نہیں معلوم اس بارے میں کچھ، ورنہ میں خود بات چیت کرتا اور تحقیق کرتا۔ میری بھتیجی مجھ پہ بوجھ نہیں پر میں اسکی زندگی کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے لگا کہ وہ میران کو دیکھ کر شاید پریشان

ہو گئی ہے، پر اصل بات یہ تھی.. "وہ دونوں میاں بیوی الجھ کے رہ گئے۔ کسی کے ساتھ بھی وہ ناانصافی کے حق میں نہیں تھے۔

"غضنفر صاحب وہ کمرے میں بند ہے کہیں کچھ کر نہ لے۔ پتا نہیں کب اسکی زندگی میں سکون آئے گا۔"

بتول نے خشک حلق پانی سے تر کرتے ہوئے کہا۔ مراد نے عائشے کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ فکر نہ کریں، ہم دیکھ لیں گے۔" مراد کے پیچھے ہی عائشے اٹھ کے اسکے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

عائشے نے لاک پہ ہاتھ رکھا۔ جہاں وہ توقع کر رہی تھی کہ دروازہ لاک ہو گا پر توقع کے برعکس دروازہ کھلتا چلا گیا۔

اسکے کمرے میں کوئی کھڑکی موجود نہیں تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی سے کمرہ نیم تارک تھا۔ ان دونوں نے کمرے میں نظر گھمائی تو وہ بیڈ کے آگے بچھے کاؤچ سے پشت ٹکائے فرش پہ بیٹھی تھی۔ نگاہوں کا مرکز سامنے کی دیوار تھی۔ خشک لب آدھ کھلے تھے۔ رونے کے باعث حلق میں کانٹے ابھر آئے۔

اسے دیکھ کر عائشے کا دل کٹ کے رہ گیا۔

عائشے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر اسکے پاس آئی۔ مراد جیبوں میں ڈال کر اسکے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا وہ فارمل ڈریسنگ میں تھا۔ نیوی بلو شرٹ کے ساتھ نیلی جینس پہنی تھی۔ ماتھے پہ بال ڈھلک رہے تھے۔ ہاتھ میں رسٹ واچ موجود تھی۔

ان دونوں کی آہٹ پہ رومائزہ نے چہرہ اٹھایا، آنسوؤں سے لبالب آنکھیں دیکھ عائشے پریشان ہوگئی۔

"کتنا ظلم کرتی ہو ان آنکھوں پر، کچھ تو رحم کرو اپنی حالت پہ۔" عائشے نے اسکے گرد شانے پھیلا کر کہا۔

"مم میں بہت بری ہوں عائشے بہت بری، چلی جاؤ تم کہیں میری منحوسیت تمھیں نا لگ جائے۔ مجھ سے ہر چیز دور چلی جاتی یا میں قدر نہیں کرتی۔ وہ کہتا رہ گیا کہ بے گناہ ہے پر میں..." لفظ منہ میں دم توڑ گئے، بھکتے ہوئے اس نے مٹھی بھینچ کر سر پہ ماریں۔ اسکی الٹی سیدھی بکواس سن کر عائشے گرم ہوئی۔

"فضول بکواس مت کرو۔ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ تمھاری عقل پہ پردہ پڑا تھا اب ہٹ گیا۔ تم معافی مانگ لینا وہ معاف کر دیگا۔ بدگمان میں بھی اس سے بہت تھی میں بھی اپنے رویے کی معافی مانگوں گی۔" وہ اسے پچکارنے لگی۔ رونے کے درمیان ہچکی لیتے اس نے سر اٹھایا اور بازو عائشے کے گلے میں ڈال کر اسے سختی سے خود میں بھینچا۔

"کس منہ سے معافی مانگوں گی؟ بہت غلط کیا ہے میں نے اسکے ساتھ۔ ایک وہی تو میرا رہبر میرا محافظ تھا اسی پہ شک کیا! دنیا کی باتوں میں آگئی۔ سچ جاننے کے بعد بھی اسکا یقین نہیں کیا۔ اتنی بدگمان ہوگئی اس سے میں۔"

اس کے آغوش میں وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ مراد کی آنکھوں کے عارض بھیگ سے گئے۔

اتنی شدت... کیا اسے میران سے محبت تھی؟ مراد اور عائشے نے ان دونوں کو ایک دوسرے کیلئے تڑپتے دیکھ لیا تھا۔

"رومائزہ سنبھالو خود کو، تمھیں سچ اس لیے تو نہیں بتایا کہ اپنی حالت خراب کر کے بیٹھ جاؤ۔" مراد نے اسے تسلی دیتے کہا۔

"مراد بھائی میں کیا کروں تو؟ میں اتنی پتھر دل نہیں تو اس کے معاملے میں کیسے ہوگئی۔ میں اسے ڈیزرو و کرتی ہوں بھی نہیں۔ اچھا ہوا اس نے الگ راہ کرلی۔ میں اسکے قابل نہیں ہوں۔ ہمیشہ اسے تکلیف دیتی ہوں۔ وہ سب کا احساس کرتا ہے اور میں نے اسی کا احساس نہیں کیا۔ اسکی ایک نہیں سنی۔" وہ مر رہی تھی، بلک بلک کے روتی چلی گئی۔ پچھتاوے کا احساس بڑا جان لیوا ثابت ہوا تھا۔

جو محبت اس نے نفرت کے پیچھے چھپالی تھی اب وہی اسے کوڑے سے مار رہی تھی۔ اپنی ہی باتیں اسے یاد آرہی تھیں کہ محبت پہ تو یقین کیا جاتا ہے معاف کیا جاتا ہے بھروسہ کیا جاتا۔ تو کیا اسکی محبت پہ یہ سب عائد نہیں تھا؟

"چند اغلطیاں ہم انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ اور ہم انسان ہی انھیں درست کرتے ہیں۔ اب اٹھو شاباش۔ پیپر کی تیاری تم نے کرلی؟ کتنے پیپر رہ گئے تم لوگوں کے؟" مراد نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔ عائشے نے رومائزہ کے منہ پہ چسپاں بھیگے بال ہٹا کر پیچھے کیے۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ رونے سے منہ کی رال تک باہر نکل آئی۔

"بس دو پیپر زرہ گئے۔ اسی ہفتے میں مکمل ہو جائینگے۔" عائشے نے اٹھ کر ڈریسنگ سے ٹشو اٹھا کر لاتے ہوئے جواب دیا۔ اسکا چہرہ صاف کر کے ٹشو ڈسٹ بن میں پھینکا. وہ دبی دبی آواز میں سسک رہی تھی۔

"میں اسکے پاس رک جاؤں؟ آپ رات میں مجھے لینے آجائیگا۔ اور پیپر کی تیاری بھی تقریباً میری اور اسکی ہو چکی ہے۔" عائشے نے مراد کو دیکھ کر پوچھا۔ تو وہ سر ہلا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خیال رکھنا اسکا..." نرمی سے مراد نے عائشے کو کہا اور رومائزہ کی طرف نگاہ کی۔

"اور تم اب رونا نہیں۔ سکون سے ایگزامز دو پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔ تب تک سفیر بھی آجائیگا۔" وہ بڑے بھائیوں کی طرح رعب دار انداز میں تلقین کرتے بولا۔ عائشے مسکرا دی۔ روما نے سہم کر سر ہلایا۔ تو مراد کے لبوں مسکراہٹ بکھر گئی۔ عائشے اٹھ کے اسکے پاس دروازے تک گئی۔

"سوری۔ مجھے پتا ہے بہت دنوں بعد آپکو چھٹی ملی تھی"...

اس نے شرمندہ ہو کر کہا۔ دونوں نے طے کیا تھا آج باہر گھومیں پھریں گے اور عائشے نے رومائزہ کو بھی ساتھ لے چلنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ تو اچھا ہی ہوا وہ لوگ یہاں آگئے۔

"خیر ہے پھر کبھی، دس بجے آؤنگا لینے۔" ایک نظر رومائزہ کے ساکت وجود پہ ڈال کر اس نے عائشے کے ماتھے پہ لب رکھے۔ عائشے کی آنکھیں پھیل گئی۔ جب تک کچھ سمجھ کر غصہ کرتی وہ جا چکا تھا۔ اس نے جھٹ پلٹ کر رومائزہ کو دیکھا جو نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔ عائشے شرمندہ سی ہوگئی۔

"ہنسو مت.. تمھارا ابھی وقت آئے گا۔" عائشے نے جھینپ مٹاتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ اس نے سوچ لیا تھا اب رومائزہ کو رونے نہیں دیگی، وہ بہت رو چکی تھی، سچ جان کر اب وقت فیصلے کا آگیا تھا۔

دائم نیمل کو ساتھ لے کر شاپنگ سینٹر آیا ہوا تھا۔ ایک شاپ سے وہ باہر نکلے تو دائم نے اسے مخاطب کیا۔ نیمل جو ارد گرد آوٹ لیٹز کے شیشوں کے پیچھے ڈمی میں موجود کپڑے دیکھنے میں مصروف تھی اسکی آواز پہ چونک کر اسکی جانب پلٹی۔

دائم نے ایک ہاتھ میں تین چار شاپنگ بیگس تھامے ہوئے تھے اور دوسرے میں گاڑی کی چابی گھما رہا تھا۔

"دو گھنٹے ہوگئے ہیں تمھارے ساتھ خوار ہوتے ہوتے۔ یہ لیڈیز کو شاپنگ میں اتنی دیر کیوں لگتی ہے آج پتا چل گیا۔ فورڈ کورٹ چلو پہلے کچھ کھالیتے ہیں۔" چل چل کر اب اسکے انداز سے تھکان محسوس ہو رہی تھی۔

"بس ابھی سے تھک گئے؟ شادی کے بعد کیا ہوگا پھر؟" آنکھوں کی پتلیاں نچا کر اس نے کہا۔

"تم اپنی ساس کے ساتھ جانا شاپنگ پہ۔" وہ سرینڈر کر دینے والے انداز میں گویا ہوا۔

"آپکا پورا کریڈٹ کارڈ خالی کر کے آیا کرونگی۔"

وہ مسک کر کہتی اسکے ساتھ فورڈ کورٹ کی جانب لفٹ کے ذریعے اوپر والے مالے پہ جانے لگی۔

ایک سائڈ پہ خالی بینچ دیکھ کر وہ دونوں اپنا سامان رکھ کر وہیں بیٹھ گئے۔

"جی میڈم کیا لے کر آؤں؟" بیرا فوراً چلا آیا۔

"بھائی یہاں کے گول گپے مزے کے ہوتے ہیں؟" بیرے نے عجیب تاثر سے اس لڑکی کو دیکھا۔ دائم موبائل چیک کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"بھائی ایک گول گپے کی پلیٹ کر دو، دو سینڈوچز اور ایک کافی"!

دائم نے ہاتھ کے اشارے سے کہا بیرا آرڈر نوٹ کر کے واپس مڑ گیا۔

"مجھے نکاح کی تک سمجھ نہیں آرہی۔ ہم رخصتی بھی تو اسی وقت ساتھ کر سکتے تھے نا۔" دائم نے موبائل ٹیبل پہ رکھ کر پیٹھ کرسی کی پشت سے ٹکالی اور بے قراری سے بولا۔ نیمل نے شکنیں ماتھے پہ جمع کیے گھور کے اسے دیکھا۔

"اب زیادہ فری نا ہوں، مجھے اتنی جلدی شادی نہیں کرنی۔"

"اور میں دو ماہ سے زیادہ مزید صبر نہیں کرونگا۔ تمھاری اسٹڈیز چل رہی ہوتی تو ایک الگ بات ہوتی۔" اس نے حتمی انداز میں کہہ کر فورڈ کورٹ میں نگاہ دوڑائی۔

"پر..." نیمل نے مذمت کرنا چاہی دائم نے ٹوک دیا۔

"اٹس فائنل۔ نو مور آر گیو منٹس!" اس نے پہلے سے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ آج نیمل کو رخصتی کے لیے منا کر رہے گا۔ اور اسی وجہ سے وہ خوب اسکے ساتھ دو گھنٹے سے خوار ہو رہا تھا۔

"بہت برے ہیں آپ، لوگ اپنی بیویوں کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے آپ زرا سا صبر نہیں کر سکتے کیا؟ اور اتنے بے دلی سے شاپنگ کروا رہے ہیں جیسے احسان کر رہے ہوں۔ میں بھائی کے ساتھ آتی نا تو وہ بولتے میری بہن تم چھ گھنٹے بھی لگاؤ مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔"

وہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے غصہ ہو رہی تھی۔ دائم کے ماتھے پہ انگنت بل پڑے۔

"تفف ہے.. اے ایس پی کے پاس بڑا ٹائم ہے۔" وہ سوچ ہی سکا زبان پہ لا کر اپنی شامت تو بلوانی نہیں تھی۔

"اچھا ایسا کتنی بار اس نے کہا ہے؟" وہ حیرت چھپائے بغیر بولا۔

"ایک بھی بار نہیں۔ میں تو سجل آپی یا مام کے ساتھ شاپنگ کرتی ہوں۔ میں تو بس آپکو ایک بات بتا رہی ہوں کہ بھائی اتنے اچھے ہیں۔" اسکی بات سن کر دائم نے سانس بھر کے اسے دیکھا۔

"یہ وہی بھائی ہے جو تمھارے اور میرے رشتے کے خلاف تھا۔"

دائم نے جتا کر چوٹ کی۔ نیمل نے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔

"واٹ ڈو یو مین؟ آپ مجھے طعنہ مار رہے ہیں؟ سنیں وہ میرے بھائی ہیں ہر طرح سے جانچ پڑتال کر کے انھوں نے میرا ہاتھ آپکے ہاتھ میں دیا۔ کسی بھی ایرے غیرے نتھو غیرے کے ساتھ نکاح پڑھا کے سر سے بوجھ اتارنے والوں میں سے نہیں ہیں وہ،، تھوڑی غلط فہمی تھی جو بروقت دور ہو گئی۔" وہ منہ بنا کر ایک طرف کر گئی۔

بھائی کے خلاف ایک لفظ وہ سننے کو تیار نہیں تھی۔ دائم مسکرائے بنا رہ نہ سکا۔ نگاہیں اسکے من موہنے چہرے پہ مرکوز تھیں۔ بال کیچر سے آزاد، پنکھے کی ہوا سے چہرے کو چھو رہے تھے۔ لبوں پہ لالی موجود تھی۔ اور ہاتھ کی انگلی میں دائم کی گفٹ کی انگھوٹی وہ پہنے ہوئے تھی۔ وہی ہاتھ اس نے تھوڑی کی نیچے ٹکایا ہوا تھا۔

"بس نہیں کہتا سالے صاحب کو کچھ، تم ایسے منہ تو مت پھلاؤ، قسم سے بلکل معصوم نہیں لگتی اس طرح۔" آنکھوں میں شرارت لیے اس نے چھیڑا۔

"پہاڑی بکرے آپ بھی اچھے نہیں لگتے فضول کے ٹینٹرمز دکھاتے ہوئے۔"

دائم یک دم اسکے لقب پہ ہکا بکا سا رہ گیا۔ ہاں وہ اسکے لومڑی کہنے کا حساب برابر کر گئی تھی۔

میران شام میں بنگلے پہنچا۔ اسے زولفقار کے دستخط کی ضرورت تھی اور کچھ ضروری بات بھی کرنی تھی الیکشن کے متعلق۔ باپ تھے وہ اسکے، اسے انکی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے کمرے میں اس نے کچھ دیر کہ جائے یا نہیں پھر ہمت کر کے کمرے سے باہر نکل گیا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔

اسے اندازہ تھا زولفقار جاہ کو اب بھی کوئی فرق نہیں پڑا ہو گا اور حقیقت بھی یہی تھی وہ اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد بنائے بیٹھے تھے۔

"چھوٹے سائیں بڑے سائیں تو یہاں نہیں ہیں۔"

ملازم نے اسے سیڑھیوں سے نیچے اتر کے پلر کے پاس سے راہداری میں زولفقار کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تو بولا۔ میران کے ماتھے کے درمیان بل پھیل گئے۔

"کہاں گئے ہیں؟" بھنو اچکا کر اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں، پر شمس کے ساتھ ہی گئے ہیں۔"

ملازم ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ میران نے سر ہلایا تو پلٹ گیا۔ میران نے اپنی لائیبریری کا رخ کیا۔ زولفقار کے خیالات اس نے جھٹکے تھے۔ وہ ان سے نفرت کر نہیں پاتا تھا۔ انکے لیے بس اسکا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

لائبریری میں کھڑکیوں سے روشنی آرہی تھی۔اس نے اندر دوسرے روم کی جانب قدم بڑھا دیے۔ معمول بن گیا تھا اس کمرے میں آنا اور اس پینٹنگ کو دیکھنا۔

اس نے یہ مکمل کروالی تھی۔وہ یہ خود نہیں بنا رہا تھا کسی جان پہچان کے آرٹسٹ سے اس نے یہ بنوائی تھی۔جو یہاں آکر ہی اسے اسکے سامنے بناتا تھا۔

پہلے تو وہ بڑے شیشوں کی دیوار کی جانب آیا، باہر باغ میں جھانکا۔شام کا وقت ،مالی گھاس کی کٹائی کر رہا تھا۔اور ملازم باہر چائے پیتے ہوئے ہنس بول رہے تھے۔اس نے پردہ ڈال دیا۔پلٹ کر اپنی ٹیبل تک آیا جسکے پاس ہی اسٹینڈ کھڑا تھا اور لال ریشم کا کپڑا اس پہ ڈھکا ہوا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کے کپڑا ہٹا کر کاؤچ پہ رکھ دیا۔ مبہم سی زخمی مسکراہٹ کو ہونٹوں نے چھوا۔آنکھوں کے عارض پہ نمی آگئی۔وہ نمی اس نے اندر اتار کے سانس خارج کی۔

وہ سیاسی سرگرمیوں میں قدرے مصروف ہو چکا تھا۔الیکشن سے پہلے کا ملک میں شور برپا تھا۔وہ پہلی بار الیکشن لڑنے کے لیے پرجوش بھی تھا۔اسکی زندگی کا مقصد صرف ملک کے لیے جینا تھا پھر ایک دن رومائزہ زندگی میں آگئی،،اور پھر اسے لگا اب اسے خود کے لیے بھی جینا ہوگا۔۔اور وہ جینے لگا تھا۔اسکی زندگی میں بہت بڑا بدلاؤ آیا تھا۔

اور پھر وہ دور چلی گئی... سب ختم سا ہو گیا زندگی مزید گھٹن زدہ ہو گئی۔ وہ محبت میں کھائے زخموں کی وجہ سے ملک کے لیے جو اس پہ فرائض لاگو تھے انھیں ترک نہیں کر سکتا تھا، خود کو اسی طرف مصروف کر دیا۔

اسکی ذات محبت اور وطن کے درمیان تھی ہی کہاں!

وہ دنیا کی دولت اپنے پاس رکھتا تھا پر محبت کا کیا جو نہ ملنے پہ خریدی بھی نہیں جا سکتی! اور بھلا محبت کی سوداگری بھی کہیں ہوتی ہے؟ اس نے کی بھی نہیں تھی۔ پھر بھی دنیا کے جہاں کے الزام اس کی محبت پہ لگے تھے۔

میران جاہ کی محبت کو داغ دار کر دیا گیا تھا۔

وہ ابتدا میں تو ایک انجانے میں خطا کر چکا تھا پھر تکبر پہ توبہ کر لی پھر سب ٹھیک کرنا چاہا،، سب ٹھیک ہونے لگا اور پھر ریت کی طرح سب بکھر گیا،، جو جرم اس نے کیا ہی نہیں اسکی سزا کاٹ رہا تھا۔

ہاتھ بڑھا کے اس نے پوروں سے پینٹنگ کو چھوا۔ اسے دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ تو جھٹکے پیچھے ہٹا کر تیز دھڑکن کے ساتھ تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ یاد آتی تو اسکی بے اعتباری بھی یاد آنے لگتی، اور پھر اسکا سفیر سے شادی کا فیصلہ جو اسے نچوڑ کے رکھ دیتا تھا۔ اسے لگتا تھا وہ اگلی سانس نہیں لے پائے گا۔

آج آخری پیپر تھا۔ ان تینوں نے سکھ کا سانس اب لے لیا تھا۔ روما کو ڈرائیور لینے آچکا تھا وہ ان دونوں سے الوداعی کلمات کہتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

وہ سب کو ہی اپنا فیصلہ بتا چکی تھی کہ سفیر سے ہی نکاح ہو گا، میران اسے تو کوئی اچھی صاف دل کی لڑکی ملنی چاہیے رومائزہ شنواری نہیں۔ وہ میران جاہ کے قابل نہیں تھی، نہ ہی میران اسے ڈیزروو کرتا تھا۔ یہ اسکا اپنا کہنا تھا۔ انوش اور عائشے اسکے فیصلے کے آگے خاموش ہو گئیں تھیں۔ عائشے نے مراد کو جب یہ بتایا تو اسے اب رومائزہ پہ غصہ آگیا تھا۔ اس لڑکی کا دماغ کیا کھسکا ہوا تھا؟

میران کو اس بات سے ان لوگوں نے بے خبر ہی رکھا تھا کہ وہ سچ جان چکی ہے۔ مراد نے پہلے اسکے فیصلے کا انتظار کیا تھا۔ اور جب اسکا فیصلہ سنا تو امید ٹوٹ کے رہ گئی۔ وہ کس منہ سے میران کو یہ بات بتاتا اسی لیے رہنے دیا وہ مزید تکلیف سے دوچار ہو جاتا کہ سب جاننے کے بعد بھی وہ سفیر سے ہی شادی کرنا چاہتی ہے؟!!

زرپاش اور ارباز نے اسے سمجھا بجھا کے ٹھنڈا کیا تھا کہ جس میں وہ خوش ہو وہی کرنے دو، تو وہ سفیر سے شادی کے لیے خوش تھی؟ مراد کو تو پہلے دن سے کبھی اسکے چہرے پہ سفیر کے نام سے مسکراہٹ نہیں دکھی۔ وہ میران کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا بس ایک بار سفیر واپس آجائے تو وہ سوچ چکا تھا سیدھا اس سے بات کرے گا۔ سفیر سمجھدار تھا حالات سمجھتا تھا۔ پر کیا یہ سب آسان تھا؟

باقی زرپاش بھتیجے کے لیے بے حد بے بس تھیں، رومائزہ کے فیصلے کا احترام کرکے خاموش رہیں۔ سفیر اچھا لڑکا تھا اور رومائزہ کا یہ فیصلہ اپنی مرضی کا تھا۔ اوپر سے میران وہ رومائزہ کے ساتھ رشتہ بنانے میں زور زبردستی کا قائل نہیں تھا اسی وجہ سے انکو خاموش ہونا پڑا۔

حلیمہ بی اپنا فون نمبر بتول کو دے کر گئی تھیں۔ میاں حسن نے بھی شنواری صاحب کی امانت انکے حوالے کر دی تھی۔

رومائزہ نے انکو کال ملائی۔ وہ بہت دنوں بعد پرسکون ہوئی تھی۔ چوتھی گھنٹی پہ انھوں نے کال اٹھالی۔

"اسلام وعلیکم، حلیمہ بی میں رومائزہ بات کر رہی ہوں۔" فون کان سے لگائے اس نے کہا۔ حلق میں گولا سا بھر کے معدوم ہوا۔

"وعلیکم السلام۔ میرا بچہ کیسی ہو، مجھ سے غلطی ہوگئی اپنا نمبر دے گی۔ تمھارا نمبر لے کر جانا چاہیے تھا۔ کب سے تمھاری کال کا انتظار کر رہی تھی۔"

حلیمہ بی کے شکوؤں کی لسٹ مزید لمبی چلتی رومانے مسکرا کر بات کاٹی۔

"بس ایگزامز میں مصروف ہوگئی تھی۔ آج آخری پیپر تھا سکون ہوگیا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

اس نے بیک مرر سے آگے ڈرائیور پہ نگاہ ڈالی۔ وہ سامنے سڑک کو دیکھ ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

"ہاں کہو، کیا چھوٹے سائیں کے حوالے سے بات کرنی ہے؟" انکے لہجے کی خوشی وہ فون کے پار بھی محسوس کر چکی تھی۔ وہ زخمی سا مسکرائی۔

"نہیں... مجھے شمس کے بیٹے سے ملنا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے اس بچے سے ملوں۔ حلیمہ بی میں نے اسکے بیٹے کا کبھی برا نہیں چاہا بلکہ شمس کو بھی میں اتنا جانتی ہی کہاں تھی۔" وہ خوفزدہ ہوئی۔ بددعائیں تو اس نے بس میران کو ہی دی تھیں اور اب جی بھر کر شرمندہ تھی۔ چلو بھر پانی بھی بہت تھا ڈوبنے کے لیے۔ دوسری پار اسکی بات سن کر حلیمہ بی مسکرائیں۔

"بلکل۔ تم مجھے بتادو کب جاؤ گی؟ میں عزیز کو بھیج دونگی تمھیں لینے وہ ہاسپٹل لے جائے گا۔"

"نہیں عزیز بھائی کو پریشان نہ کریں۔ آپ مجھے ایڈریس بتادیں۔ میں مراد بھائی کے ساتھ آجاؤنگی۔"

اس نے سر جھکا کے گود میں رکھے بائیں ہاتھ کو دیکھا پھر ونڈو کے پار نگاہ ڈالی۔ گاڑی پل پہ چڑھ رہی تھی۔ دو بل بورڈز لگے تھے۔ اور ایک وہی میران کا بھی تھا۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر بے ساختہ اسکی ویڈیو بنالی تھی۔ اور کال ہولڈ پہ سے ہٹا کر فون واپس کان پہ لگایا۔ لبوں پہ اسکے دیکھ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ اسے ایک دم میران کو دیکھ اپنی خوش گوار کیفیت کا اندازہ ہوا تو سرد مہری سے لب بھینچ لیا۔

حلیمہ بی نے اسے ایڈریس بتایا اور مختصر ہی اسکی ان سے بات ہو سکی۔ کال کاٹ کر اس نے مراد کو فون کھڑکا دیا۔ وہ سفیر کے ساتھ چلی جاتی پر وہ یہاں تھا ہی نہیں۔ اسکا ارادہ اب سفیر کا اسکیچ مکمل کرنے کا تھا۔

مراد نے اسے ایک ریسٹورنٹ کے قریب آنے کا کہا تھا وہاں سے وہ خود اسے پک کر کے لے جاتا۔

مراد کے ساتھ وہ ہاسپٹل پہنچ چکی تھی۔ اس معصوم سے بچے کو نلکیوں میں جکڑے دیکھ اسے جھرجھری سی آئی۔ اسکے سر کے بال سارے جھڑ چکے تھے۔

"آپکا نام کیا ہے؟" اسکے پاس کھڑے ہو کر رومائزہ نے پیار سے پوچھا۔ شمس کی بیوی مسکرا رہی تھی۔

مراد اپنے یونیفارم میں تھا، جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بیڈ کی پائینتی کی طرف کھڑا تھا۔

"میرا نام عمر ہے۔ اور آپکا؟"

"میں رومائزہ ہوں۔ آپکی طبیعت اب کیسی ہے؟" رومائزہ نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ لیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔ عمر نے سر خم کر دیا۔ عزیز کو حلیمہ بی رومائزہ کے ہاسپٹل آنے کی اطلاع کر چکی تھیں وہ بھی وہیں پہنچ چکا تھا اور دیوار سے پیر ٹکائے کھڑا منظر دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں، پر درد بہت ہوتا ہے۔" وہ اداسی سے بولا روما کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"میں آپکے لیے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلدی سے صحت یاب کر دے۔ پھر آپ اسکول جانا اور ڈھیر سارا پڑھ کے مما بابا کا نام روشن کرنا۔" رومائزہ مسکرا کر اس سے باتیں کرتی رہی۔ مراد اسے دیکھتا رہا۔

شفاف دل کی وہ لڑکی تھی زمانے نے اسے کیسا پتھر دل بنا دیا تھا۔ زرپاش کی باتیں اسے سہی لگی تھیں۔

رومائزہ کی باتوں کا عمر خوب جواب دے رہا تھا۔

"آپ لیے میں کچھ لے کر آئی ہوں۔" اس نے تجسس پیدا کیا تو عمر کچھ جگہ سے اچکا۔

"لیٹے رہو، میں دکھاتی ہوں۔" اس نے نیچے رکھی چاکلیٹس اور ویفرز سے بھری باسکٹ اسکے سامنے کی جسے دیکھ عمر کی خوشی سے باچھیں کھل اٹھیں۔

"امی یہ آپی بہت اچھی ہیں انھیں روز بلا کریں۔۔" عمر کے چہرے پہ خوشی رقص کرنے لگی۔

"ہاہا... پر یہ روز تمھارے لیے چاکلیٹس نہیں لائیں گی۔" عزیز ہنستے ہوئے اسکی بات سے محظوظ ہوتا ہوا پاس آیا۔ وہ رومائزہ سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا اس میں ہمت تھی کہ اسے دیکھتی۔

تھوڑی دیر مزید گپ شپ کے بعد وہ جانے کے لیے پلٹی۔

"میڈم جی بہت شکریہ یہاں آنے کا، شمس نے مجھے سب بتایا یے۔ وہ بہت شرمندہ ہے، اسے معاف کر دیں۔"

رومائزہ نے سرد مہری سے سر ہلایا۔ اسنے بولنے کے لیے لب کھولے تھے کہ وارڈ کا دروازہ اندر کی جانب کھلا۔ ذولفقار جاہ اندر داخل ہوئے تھے اور پیچھے انکے شمس تھا۔

رومائزہ وہیں پتھر کی ہوگئی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ نفرت کا ٹھاٹھیں مارتا طوفان اسکے سینے میں اٹھا تھا۔ آخر کار گہنگارِ اول سے سامنا ہو گیا تھا۔ ذولفقار اسے دیکھ رک سے گئے۔ مراد بھی ٹھٹھک سا گیا۔ وہ رومائزہ کے تھوڑا پاس جا کے کھڑا ہو گیا۔

رومائزہ نے دانت پیسے اور انکے مقابل جا کھڑی ہوئی۔ انھوں نے ناگواری سے اسے دیکھ کر نظر ہٹائی تھی۔

وہ عمر سے ملنے آئے تھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہاں مل جائے گی۔ مراد تو خود ان سے نفرت کرتا تھا۔ وہ دونوں کے ہی دشمن تھے اور سامنے کھڑے تھے۔ انکے چہرے پہ کسی قسم کی شرمندگی نہیں تھی بلکہ ڈھٹائی سے طنزیہ مسکراہٹ اچھال کے ان دونوں کو نظر انداز کرتے آگے بڑھنے لگے۔ روما بیچ میں حائل ہوئی۔

"کیسے انسان ہیں آپ؟ بلکہ آپ انسان ہیں بھی کہ نہیں؟ مجھے تو لگا تھا آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو گا پر میری غلط فہمی تھی۔ دوسروں کی زندگی کو تو جہنم بناتے تھے اپنے بیٹے تک کو نہیں چھوڑا؟"

وہ قدرے تلخی سے مضبوط لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔ عزیز کے چہرے پہ ذولفقار کو دیکھ کر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

"لڑکی اپنی اوقات میں رہو۔"

انھوں نے سر تا پیر اسکا جائزہ لیا۔ وہ لان کی کرتی میں ملبوس دوپٹہ گلے میں مفلر کی طرح ڈالے ہوئی تھی۔ اس نے مقابل کھڑے اس شخص کو دیکھا جسکے وہی پرانے ٹھاٹ بھاٹ تھے۔

"میں اپنی اوقات میں ہی ہوں۔ پر آپ شاید اپنی اوقات بھول چکے ہیں جاہ صاحب! اور اللہ مٹی کے پتلے کو اوقات یاد دلانا اچھے سے جانتا ہے۔ جتنا آپ نے لوگوں کی زندگیوں میں زہر گھولا۔ حتی کہ اپنی سگی بہن تک کو نہیں بخشا، اللہ اس سب کا آپ سے حساب ضرور لے گا۔ میں تو دعا کرتی ہوں کہ آپ پر رحم ہی کرے کیونکہ اسکی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔"

وہ درشتی سے بولی۔ مراد کے لبوں پہ بھی تنفر بھری مسکراہٹ تھی۔ زولفقار نے اسے دیکھا۔ مراد انھیں مخاطب کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ رومائزہ مزید رکی نہیں تھی اس شخص سے سر پھوڑنا اسے گوارا نہیں تھا پر دل کی بھڑاس ضرور باہر نکال گئی تھی۔ زولفقار اس لڑکی کی ہمت پہ دنگ رہ جاتے تھے جو دوٹوک آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بنا ڈرے ان کا سامنا کیا کرتی تھی۔

"ماموں جان کتنے لوگوں کا دل دکھائیں گے؟ دولت ہی سب کچھ نہیں۔ اپنے پیاروں کے چہرے پہ آپکی وجہ سے ایک مسکراہٹ اہم ہوتی ہے جو آپ چھین چکے ہیں۔ اور اپنے بیٹے تک کی مسکراہٹ اپنے چھین لی ہے"!

مراد ان کے کان کے قریب سرد انداز میں دروازے کی چوکھٹ کو نگاہوں میں رکھتے ہوئے گرم سرگوشی کرتا رومائزہ کے پیچھے ہی نکل گیا۔ اسکے ماموں جان کہنے پہ ان کے اندر عجیب سا احساس جاگا تھا۔ پہلی بار وہ اس احساس سے روشناس ہوئے تھے۔ انکے اپنے قریبی تو بہت تھے جیسے دمیر فیملی پر وہ سب کو اپنے ہاتھوں سے کھو چکے تھے، دور کر دیا تھا۔ وہ وہیں گنگ کھڑے رہ گئے۔ شمس نے انکی ساکت نگاہوں میں جھانکا۔ عزیز پاس سے ہنکار کے باہر نکل گیا تھا۔ وہ خود کو نارمل کر کے عمر کے پاس آ گئے۔

رومائزہ نے پارکنگ میں آ کے گہری سانسیں لیں۔

"مراد بھائی آپ میرے فیصلے پہ مجھ سے خفا ہیں نا؟ پر میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اللہ کو یہی منظور ہے۔ میری وجہ سے وہ اتنا پریشان ہوا ہے، میں سسے خوشی نہیں دے سکتی۔" اسکے بولنے پہ مراد کا گاڑی کا دروازہ کھولتا ہوا ہاتھ ٹھہر گیا۔

"تمھیں یہ کس نے کہا کہ تم اسے خوشی نہیں دے سکتی؟ اسے خوشی ہی تم سے حاصل ہے"!

وہ برہم ہوا۔

"مجھ میں ہمت ہی نہیں کہ اسکا سامنا کر سکوں۔ کیسے اسکے ساتھ خوش رہونگی اور اسے خوش رکھ سکونگی؟" مراد نے صبر کا گھونٹ پی لیا۔

اسکی بیس کی عمر تھی۔ مراد نے اسکا سر تا پیر جائزہ لیا۔ وہ خود کو مضبوط اور عقل مند ظاہر کرتی تھی۔ اور وہ ایسی تھی بھی، پر اس معاملے میں اس لڑکی نے عقل سے پیدل فیصلے کیے تھے۔ مراد سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

"اگر کبھی اپنا فیصلہ غلط لگے تو بتانے میں دیر مت کرنا، فیصلہ پہ غور کرنا نکاح سے پہلے کی مدت میں!" لب پیوست کرتا وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"میرا فیصلہ بدل نہیں سکتا۔" وہ دوٹوک بولی گاڑی میں بیٹھ کے دروازہ بند کر کے نگاہ باہر جمالی۔ مراد کڑوا گھونٹ پی کر خاموشی برت لی۔ اسے گھر چھوڑ کے وہ خود پولیس اسٹیشن چلا گیا۔

گھر آ کے ذولفقار نہا کر باہر آئے۔ عشاء کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ انکا سر پھٹنے کو آیا۔ انھوں نے کنپٹی پہ رکھ کے اسے دبایا۔ رومائزہ اور مراد کے جملے ہتھوڑے کی مانند ذہن میں برس رہے تھے۔ بیس پچیس سال پہلے والی زرپاش کا آنچل آنکھوں میں لہرایا۔

انکے کئی روپ.... وہ جو بھائی جان بھائی کرتے تھکتی نہیں تھیں۔ شہوار سے ڈانٹ پڑوانے کے بعد انھیں منانے آیا کرتی تھیں۔ ان سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ تو ایک بہن کی محبت کا انھوں نے یہ صلہ دیا کہ سب کچھ ان سے چھین لیا۔ انکے لیے بہت آسان تھی یہ چھینا جھپٹی۔ جب وہ سیاست میں دلچسپی لینے لگی تو کچھ واقعات کے بعد

زولفقار کو بہن سے نفرت ہوتی گئی کہ باپ کی نظروں میں زرپاش نے انھیں کرپٹ شخص جو واضح کر دیا تھا۔زرپاش کا ملتجی چہرہ یاد آنے لگا۔

"ماموں جان کتنے لوگوں کا دل دکھائیں گے ؟"

"خدا آپ پر رحم کرے"!

"باباسائیں میری خوشیاں مجھے لوٹا سکتے ہیں ؟"

"بھائی جان مجھے بابا کا آخری دیدار تو کرنے دیں"...

"زولفقار صاحب میری بیٹی کی جان بخش دیں۔میں قرض اتار دونگا"....

چیخوں،التجاؤں اور غصے بھری آوازوں سے سر گھومنے لگا انھوں نے سر کو سختی سے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔کنپٹی اور سینے میں درد کی شدت بڑھ گئی۔جب ناقابلِ برداشت ہوئی تو وہ آخری چیخ کے ساتھ تھرتھراتے ہوئے قالین پہ اوندھے منہ گر گئے۔

ملازم انکی آواز سن کر گھبر ائے۔اور کمرے میں پہنچے۔انکو بے ہوش دیکھ فرید اوپر میران کے کمرے کی طرف دوڑا۔

میران کاؤچ پہ بیٹھا پیر ٹیبل پہ ٹکائے سکون سے کتاب پڑھ رہا تھا۔ ملازم کے تیز تیز دروازہ بجانے پہ اس نے بد مزگی سے اٹھ کے دروازہ کھولا۔ فرید کی حیران و پریشان شکل اور چڑھتی سانسوں کو دیکھ اسکی پیشانی پہ بل نمودار ہوئے۔ اس نے ایک آئبرو اچکائی۔

"چھوٹے سائیں نیچے چلیں۔ بب بڑے جاہ بب بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

فرید کے گھبراتے ہوئے ہکلا کر کہنے کی دیر تھی وہ الٹے قدموں سیڑھیوں کی طرف لپکا اور نیچے انکے کمرے تک کو پہنچا۔

دروازے پہ اسکے قدم چند لمحے کے لیے رکے۔ وہ بے ہوش پڑے تھے۔ ملازم ان کے ارد گرد جمع تھے۔

وہ دوڑ کے ہانپتا کوا انکے پاس پہنچا انکا سر گود میں رکھا۔

"کیا ہوا ہے انھیں؟" وہ سر اٹھا دھاڑا۔

"سس سائیں انکی چیخ سن کر ہی ہم آئے ہیں۔" فرید نے خشک لبوں پہ زبان پھیر کر بتایا۔ میران نے چہرہ ان پہ جھکا لیا۔

"بابا ہوش میں آئیں۔ فرید گاڑی نکلواؤ اور عزیز کو بلا کر لاؤ۔" وہ حواس سنبھالتے ہوئے حکم آمیز لہجے میں بولا۔

زولفقار جاہ کو اس نے کندھے کے سہارے اٹھایا، انکا جسم اکڑ چکا تھا۔ فرید نے آگے بڑھ کے مدد کی۔ دوسرا ملازم باہر کی طرف بھاگا۔

گاڑیاں تیار کھڑی تھیں انھیں گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ لٹا کر میران خود بھی انکے ساتھ بیٹھا گیا۔

"عزیز جلدی کرو۔" وہ چلایا۔ کالی ہیلکس پورچ سے تیزی نکلی۔ سیکورٹی گارڈز نے دروازہ کھولا تو اسکی گاڑی کے آگے پیچھے پانچ محافظتی گاڑیاں ساتھ لگ کر نکل گئیں۔

لاہور کے مشہور اور معیاری اہسپتال میں انھیں لے جایا گیا تھا۔ ہاسپٹل کا پورا عملہ پورا سے نیچے ہر ایک کو کھڑا کر دیا گیا۔ ہاسپٹل کے سب سے قابل ذکر ڈاکٹر زولفقار جاہ کا چیک اپ کر رہے تھے۔ میران اندر ہی پاس کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔ باہر ہاسپٹل کا اسٹاف جمع تھا۔

"ڈاکٹر وہاب بتائیں انھیں کیا ہوا ہے؟"

"معلوم تو یہی ہو رہا فالج کا زبردست قسم کا اٹیک ہوا ہے۔ اب یہ ہوش میں آئیں گے تو پتا چلے گا کہ جسم کے کس کس حصے پہ اسکے اثرات ہوئے ہیں۔ دعا کریں کہ معاملہ سنگین نا ہو..." سینئر ڈاکٹر وہاب نے انکا چیک اپ کیا اور باقی ڈاکٹر اور نرس کو ڈرپ اور مخصوص انجیکشن لگانے کی تلقین کر دی تھی۔ میران کے بے چینی سے پوچھنے پہ اسے ایک طرف لے جا کر اپنے مخصوص انداز میں بتانے لگے۔

"ایک بار ہم ٹیسٹ کر کے بھی کنفرم کریں گے پھر اسکے بعد ہی ٹریٹمنٹ اسٹارٹ ہو گی۔" ڈاکٹر نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ ان سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔

شمس کو جیسے ہی زولفقار کے بے ہوش ہونے کی اطلاع ہوئی وہ دوڑا چلا آیا۔

میران بے چینی سے کاریڈور کے چکر کاٹ رہا تھا۔ لوگ دور سے ہی اسے دیکھ دیکھ کر جا رہے تھے۔ کاریڈور کی اینٹرنس پہ سیکیورٹی چارج کر دی گئی تھی۔

عزیز اور شمس چپ چاپ اسے ٹہلتے ہوئے دیکھتے رہے۔ فکر سے اسکی دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھیں۔

عزیز نے خاموشی سے مراد کو فون ملا دیا۔

"عائشے گھر پہ بس تم اور نیمل ہو، مام ڈیڈ بھی بس ابھی گھنٹے تک واپس آجائیں گے۔" وہ عجلت میں تائید کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اچھا اچھا۔ اب آپ جائیں بھی۔" عائشے نے اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر کہا۔

"جانے کا دل ہی تو نہیں کر رہا۔ جب جب سوچتا ہوں اب فارغ ہوں تمھارے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا پر کوئی نا کوئی اس دن مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔" وہ کلستے ہوئے بولا، عائشے کا قہقہہ چھوٹا۔

"تو مت جائیں۔" وہ آنکھیں پٹاپٹا کر بولی۔

"آ کر بتاتا ہوں تمھیں، ابھی جانا ضروری ہے۔" اپنی انگلیاں اسکے گالوں سے مس کر کے کوٹ کندھے پہ ڈال کر گاڑی کی کیز بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اٹھائے انگلی پہ گھماتا ہوا نکل گیا۔ عائشے مسکرا کے واپس ٹی وی پہ ڈرامہ دیکھنے لگ گئی۔

وہ تیزی میں دروازے سے باہر نکل رہا تھا کہ زرپاش اور ارباز صاحب شادی سے واپس لوٹ آئے۔ اسے یوں جلدی میں دیکھ روک لیا۔

"اس وقت کدھر جا رہے ہو؟" ارباز نے کرتے پہ پہنی واسکٹ کے بٹن کھولے۔

"ایک ضروری کام ہے آکر بتاتا ہوں۔" وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔ زرپاش نے اسکے چہرے پہ ہلکی پھلکی پریشانی دیکھی تو بھنوویں اچکائیں۔

"آج کل یہ بہت ضروری تمھارے بڑھنے نہیں لگے؟ کیا چھپا رہے ہو؟ سہی طرح مجھے ورنہ جانے نہیں دونگی۔ میران وہ ٹھیک ہے؟"

وہ سوال پہ سوال کرتی بولیں۔ مراد جھنجھلایا۔

"میران تو ٹھیک ہے پر اسکا باپ نہیں۔ انھیں اٹیک ہوا ڈاکٹرز کا کہنا فالج ہوا ہے۔"

مراد کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ رومائزہ اور اسکی باتیں سوچ بن کر انکے ذہن میں حاوی ہوئی ہو نگی۔

"اللہ رحم۔رکو میں بھی چلو نگی۔"زرپاش کا کلیجہ باہر نکلنے کو آیا انھوں نے ہینڈ بیگ ارباز صاحب کو تھامادیا۔

"یار ڈیڈ..."اس نے ارباز کو دیکھا جو شانے اچکا کے پیچھے ہٹ گئے۔یہ ان ماں بیٹے کا معاملہ تھا۔

"مام چل کر کیا کریں گی؟ میڈیا نے دیکھ لیا تو نئ مصیبت کھڑی ہو جانی ہے۔جب وہ گھر آجائینگے تو میں خود ملوانے لے چلو نگا بس..."وہ جانتا تھا زرپاش کا دل اپنے بھائی کو لے کر اب نرم ہو چکا ہے۔

"زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں؟"ارباز کے استفسار پہ اس نے سر جھٹکا۔

"پتا نہیں...پر بے فکر رہیں وہ اتنی جلدی مریں گے نہیں۔"

مراد عجلت میں کہہ کر جانے لگا۔

"مراد معاف کردو انھیں۔بھلا دو سب، تمھاری ماں جب سب بھول گئ ہے تو تم کیوں نہیں بھول سکتے ہو"!

زرپاش کی بات نے اسکے قدموں میں زنجیر ڈال دی اس نے چہرہ موڑ کے انھیں جو اسکی جانب گھوم چکی تھیں۔

"مجھے نہیں بھولتا وہ سب۔کیا کم تکلیفیں ہم نے اٹھائی ہیں؟اتنے عرصے بعد جب ہم سیٹل ہو گئے اسکے پھر انھوں نے سب اجاڑ کے رکھ دیا! آپ کو نانا سے ملنے تک نہیں دیا۔گل آنٹی کی موت کی خبر تک آپکو نہیں ملی! مجھے نہیں بھولتا جب ہم پائی پائی کہ محتاج ہو چکے تھے۔دادی کی دوائی تک کے پیسے نہیں تھے۔نیمل چھوٹی

تھی بہت بیمار ہوئی تھی اسکے علاج تک کے لیے پیسے ادھار لیے تھے۔وہ فاقے ہر ایک چیز حرف با حرف یاد مجھے ہے۔ڈیڈ کی کردار کشی، بدنامی، آپ پر بہتان۔ میرے ماں باپ کا گھٹ گھٹ کے رہنا۔ آپکی آنکھوں کے آنسو بھولے بھلائے نہیں جاتے مجھ سے، پیسوں کی اتنی قلت ہوئی تھی کہ اسکول تک چھوڑنا پڑا۔

کوئی ڈیڈ کو کام دینے کے لیے راضی نہیں تھا۔"

وہ عرصے بعد پھٹ پڑا۔ کتنے عرصے سے اس غبار کو دل میں دبا رکھا تھا۔زرپاش نے اسے سینے سے لگایا۔

"جو کیا انھوں نے بہت غلط کیا، میں مانتی ہوں۔ پر اب دیکھو اللہ نے ہمیں ہر نعمت سے نواز دیا ہے۔ ہم زندگی میں آگے بڑھ چکے ہیں تو کیا ان پرانے قصوں کو بھلا نہیں سکتے؟ معاف کرنے کو اللہ پسند کرتا ہے۔"

انھوں نے اسے خود سے لگائے اسکے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ مراد نے انھیں خود میں بھینچ لیا۔ان سے دور ہوا سرہلا کے باہر چلا گیا۔ اسے زولفقار سے کوئی دلی وابستگی نہیں تھی پر میران کو اس وقت اکیلا نہیں چوڑ سکتا تھا۔وہ اسکا بھائی تھا، زرپاش نے اپنے بچوں کے دل میں ہمیشہ ہی اسکے لیے محبت ڈالی تھی۔

میران کے ہونے سے مراد کے اندر ایک بھائی ہونے کی چاہت کو سکون پڑ گیا تھا۔ اسکے جانے کے بعد زرپاش نے گہری سانس فضا کے سپرد کر دی۔

"اب زیادہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، صبح تک بی پی نہ بڑھ جائے۔ چل کر لیٹیں اور سو جائیں بس۔"

ارباز انکے گرد بازو پھیلا کر سیدھا انھیں کمرے کی طرف لے گئے۔

زولفقار کا سٹی سکین کر لیا گیا تھا۔اب ڈاکٹرز رپورٹ کے منتظر تھے۔میران اکیلا انکے پاس کمرے میں موجود تھا۔وہ نیند کی گہرائیوں میں اترے ہوئے تھے۔ہاتھوں میں ڈرپ لگی تھیں۔کچھ مشینوں کی نلکیاں انکے سینے سے مدغم تھیں۔وہ پاس کھڑا کافی دیر سے انکا مغرور چہرہ تک رہا تھا۔وہ ایک ہی دن میں برسوں کے کمزور لگ رہے تھے۔جسم کی کھال ڈھیلی پڑ چکی تھی۔

"بابا کچھ نہیں ہو گا آپ کو، آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔"خود کو اس نے ڈھارس دی اور انکا ماتھا چھوا۔

پہلے رومائزہ کو اس نے اس حالت میں دیکھا تھا اور اب اپنے باپ کو، ان کو وہ بسترِ مرگ پہ پڑا دیکھے گا کبھی اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

پر اچانک انکی طبیعت بگڑی کیسے وہ یہ سوچ کر پریشان تھا۔

خیالوں کی دنیا سے باہر نکل کر وہ باہر جانے کے لیے پلٹا۔ڈاکٹر وہاب رپورٹس لے کر اندر ہی آ گئے۔

"کیا رپورٹ آئی ہے ڈاکٹر؟"اس نے مضطرب نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

"فالج ہی ہوا ہے، دماغ کی رگیں متاثر ہو گئی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اب پہلے کی طرح سے خود چل پھر نہیں سکتے۔" ڈاکٹر وہاب بڑے سنبھل سنبھل کے افسوس کے تاثر سے بولے۔

"مطلب۔" اسکے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔

"کہ وہ محتاج ہو چکے ہیں، ٹریٹمنٹ ہم شروع کر رہے ہیں۔ جب تک طبیعت میں بحالی نہیں آئیگی یہیں ایڈمٹ رکھا جائیگا۔ پر اب وہ خود سے باڈی موو نہیں کر سکتے۔ اٹیک چھوٹا موٹا نہیں تھا جو کسی ایک حصے کو متاثر کرتا یہ کافی بڑا تھا جس نے پورے جسم کو متاثر کیا ہے۔"

فائلز کی اسکی طرف بڑھاتے ہوئے انھوں نے کہا۔ میران نے فائلز تھام لیں۔ پر اسکی سانسیں مدھم پڑ گئیں۔ گردن موڑ کے اس نے زولفقار جاہ کو دیکھا۔

"علاج ممکن ہے، اگر آپ لوگوں کے بس کی بات نہیں تو بتا دیں۔ میں باہر ملک انھیں لے جاؤنگا۔" اس نے لب تر کر لیے اور پریشانی سے بالوں پہ ہاتھ پھیر کر بولا۔

"اول تو انھیں ہوش آنے دیں۔ اور علاج یہاں ممکن ہے پر انکی باڈی کتنا ساتھ دیگی یہ تو انھی پہ منحصر ہے۔ نروس سسٹم ڈیمج ہوا ہے۔ جب رگیں اعضاء تک میسج ڈیلور نہیں کریں گی تو موومنٹ کیسے ہو سکتی ہے؟ باقی آپ پریشان نہ ہوں فزیوتھراپی ہم کروایں گے۔ جزا اللہ کے ہاتھ میں ہے ہم تو صرف کوشش کر سکتے ہیں۔"

وہاب نے اسے ہر پہلو سے آگاہ کر دیا۔ میران کی سختی سے فائلز پہ گرفت بڑھ گئی۔ لب بھینچ لیے۔ پریشانی کے عالم میں وہ باہر آ کے کاؤچ پر ڈھ گیا۔ رپورٹ فائلز اس نے برابر میں رکھ دی تھیں۔ عزیز نے آگے بڑھ کے رپورٹس اٹھا کر کھول لیں۔

میران نے سانس خارج کی۔ وہ مغرور چال چلنے والے چھاتی چوڑی کر کے سر اٹھا کے چلتے تھے اب چل پھر نہیں سکیں گے؟ کیا اللہ نے انکی رسی کھینچ لی تھی؟ میران کا حلق خشک ہوا، حلق میں کانٹے بھر آئے۔ اس نے فوراً پانی منگوایا۔

نیند تو آنکھوں سے اڑ چکی تھی پر آنکھیں سوچ سوچ کر سرخ ہونے لگیں۔ عجیب سا خمار طاری ہو رہا تھا۔

اس نے آنکھیں موند کے سر دیوار سے ٹکا لیا۔

مراد کاریڈور تک آیا سیکورٹی گارڈ نے اسے اندر جانے دیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر اسکے پاس آ رہا تھا۔ شمس اکیلا کھڑا تھا عزیز پانی لینے گیا تھا۔ شمس نے رپورٹس اسکی طرف بڑھا دیں۔ وہ انھیں تھام کر میران کے برابر میں بیٹھ گیا۔ میران نے دھیرے سے آنکھیں کھول کے گردن کو جنبش دے کر رخ مراد کی جانب کیا۔ وہ سینے پہ ہاتھ لپیٹ کے سر ٹکائے ہوئے تھے۔ پھر سیدھا ہوا۔

"فالج کا اٹیک ہوا ہے..." مسجے کی صورت میں اس نے ہاتھ آنکھوں پہ رکھ کے سر تک گزارے۔ مراد نے اسے تسلی دینے کیلئے اس کے شانے پہ بازو رکھ دیا۔

"اللہ بہتر کرے گا۔" وہ بمشکل ہی بول پایا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ذوالفقار جاہ کی اتنی سنگین حالت ہو گی۔

"ڈاکٹرز کا کہنا ہے وہ اب چل پھر نہیں سکیں گے۔ یعنی محتاج ہو چکے ہیں۔" میران نے شرٹ کا کالر بٹن لوز کیا۔ اور کنپٹی کی رگیں سہلانے لگا، فضا میں آکسیجن کم ہونے لگی۔ مراد اسے دیکھے گیا۔

ذوالفقار کیلیے نا نفرت بچی تھی نا ترس و ترحم!

"انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا بھی ہے۔ اِدھر نہیں تو اُدھر۔" وہ خود کو تلخ رکھنے سے باز نہیں آسکا۔ میران کے دل کی بات وہ کہہ گیا تھا۔ وہ تو بیٹا تھا ہر پہلو پہ سوچ رہا تھا پر اب کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اسکی اپنی محبت تک وہ چھین چکے تھے۔ اپنے بیٹے تک کو اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ پھپھو کے ساتھ تو انھیں نے انسانیت کے پرخچے اڑا دیے۔

"سائیں پانی پیئیں۔"

عزیز نے گھٹنے کے بل بیٹھ کر اسے بوتل تھمائی۔ ایک سانس میں اس نے غٹاغٹ پانی اندر اتارا اور بوتل عزیز کے حوالے کر دی۔

"جو بھی ہو، ماں باپ کو اس حالت میں دیکھنا اولاد کے لیے آسان تو نہیں۔ انھوں نے ساری دنیا کو ٹھوکر پہ رکھا پر مجھے ہمیشہ چاہا، میری ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا خیال رکھا۔ ہاں انھوں نے مجھ سے بھی زیادہ اپنی دولت کو

فوقیت دی پر انکی وہ محبت بھی کم نہیں۔ وہ اتنا غلط میرے ساتھ، رومائزہ کے ساتھ اور پھپھو کے ساتھ کر چکے ہیں مجھے ان پہ شدید غصہ تھا نفرت بھی محسوس ہوئی تھی پر اب سب وہ احساس زائل ہو گیا ہے۔ باپ ہیں وہ میرے اور میں چاہ کر بھی خود کو ان سے دور نہیں کر پاتا۔"

وہ ٹکٹکی باندھ کے سامنے گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ مراد گھٹنوں پہ کہنی رکھ کر جھکے ہوئے بیٹھا تھا۔

مراد کے پاس تسلی بخش دو جملے تک نہیں تھے بس وہ اسکا شانہ تھپکتا رہا۔ وہ میران کے ساتھ تھا اس بات کا اسے احساس دلاتا رہا۔

صبح تک زولفقار کو ہوش آچکا تھا۔ مراد کینٹین سے ناشتہ لینے گیا تھا۔ عزیز اور شمس میران کے ساتھ انکے روم میں آگئے۔

وہ آنکھیں کھولے چت لیٹے چھت گھور رہے تھے۔ میران انکے نزدیک آگیا۔ اسے دیکھ انکے دل میں لگی آگ مدھم سی پڑی۔ انھیں لگا تھا وہ اس قدر ناراض ہے کہ نہیں آئے گا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟ اور اتنا کیا سوچ رہے تھے جو اٹیک ہی آگیا؟"

انکا ہاتھ تھام کر وہ لہجہ نرم رکھے پوچھنے لگا۔ زولفقار نے بولنے کے لیے منہ کھولنا چاہا وہ بول نہ سکے، منہ ہلکا سا ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے اشارے سے ہی انھوں نے اسے طبیعت بہتر ہونے کی تسلی دی۔

"مم مراد اووا اور ووہ لڑکی"...

ٹیڑھے منہ سے وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکے زبان تالو سے جا چپکی۔۔ گرم سیال اشکوں سے بہہ نکلے۔ کیسی بے بسی تھی وہ بات مکمل تک نہیں کر پائے تھے۔ انکا وجود چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ جسم حرکت نہیں کر رہا تھا۔ بس سیدھے ہاتھ میں جیسے تھوڑی بہت جان بچی تھی جو وہ اٹھا رہے تھے۔

میران انکی بات سن کر خاموش ہو گیا۔

"علاج ہو گا تو آپ ٹھیک ہو جائیں گے، روئیں مت۔"

انکی آنکھوں میں آنسو اسے چبھے ہی تو تھے۔ وقت کیسے لحوں میں پاسا الٹ دیتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ کل۔ تک سب کو رلانے والے آج اپنی حالت پہ رو رہے تھے۔

کچھ دیر میران باہر آگیا۔ ماجرا اس نے خود مراد سے استفسار کیا۔

"شمس کے بیٹے سے ملنے گئی تھی رومائزہ، وہیں یہ بھی آگئے تھے۔ وہ غصے پہ قابو نہیں کر سکی اور خوب سنا کر چلی گئی۔"

نپے تلے انداز میں مراد نے اسکے سوال کا جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔وہ اب بھی اسے اس بات سے بے خبر رکھ رہا تھا کہ رومائزہ اسکا سچ جان چکی ہے اور شرمندہ ہے، وہ بتانا ضرور چاہتا تھا پر اس لڑکی کے فیصلے نے قدموں میں زنجیر ڈال دی تھی۔ اور ابھی تو اسے ہر گز اسکے بارے میں بتا کر پریشان کرنے کا خواستگار نہیں تھا۔

"مراد یہ مکافاتِ عمل ہے۔میں اسی چیز سے ڈرتا تھا۔انکو اپنی غلطیوں کا کبھی احساس نہیں ہوا۔"ہارے ہوئے انداز میں میران نے پشت دیوار سی ٹکالی۔

"اب ہو جائیگا۔غربت اور بیماری انسان کو توڑ کے رکھ دیتی ہے۔"وہ دونوں سنجیدگی سے کاریڈور میں بیٹھے جملوں کے تبادلے کر رہے تھے۔

"میرا ایک کام کردو۔"میران نے مراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو۔"

"تم رومائزہ کو اسکی کالونی لے جاؤ۔اپارٹمنٹ میں اسکا کچھ سامان موجود ہے جو نئے رہائشی نے اسٹور میں رکھ دیا تھا،وہ سب دیکھ لے گی،اور میں وہ اپارٹمنٹ اسے بطور تحفہ دے رہا ہوں اسے سمجھاؤ کے رکھ لے۔وہ اسکے باپ کی نشانی ہے اسی کے پاس ہونی چاہیے۔کہہ دینا میران ایک قرض اتار رہا ہے، کیونکہ مجھ پہ تو وہ یقین کرے گی نہیں۔"

مراد نے بات سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"آج ہی لے جاؤ اسے۔" وہ حکم دلی سے بولا۔

"کیوں کوئی خاص وجہ؟" مراد کا ماتھا ٹھنکا۔

"وہاں جاؤ گے تو سب پتا چل جائیگا۔ تم بھی گھر چلے جاؤ رات کے جاگے ہوئے ہو آرام کرو، یہاں میں ہوں۔"

اپنے ٹراؤزر کی جیب سے اس نے موبائل نکالا۔ وہ نائٹ ڈریسنگ میں ہی تو تھا، پھر ملازم اسے بلانے آگیا اور اسی حالت میں وہ ہاسپٹل آگیا تھا۔ نیند کے خمار سے آنکھوں کے عارض سرخ ہو رہے تھے بال ماتھے پہ ڈھل چکے تھے۔ وہ لاپرواہی سے کاؤچ پہ بیٹھا اس سے ہم کلام تھا۔

"تم بھی جا کے آرام کر لو، سارے ایک ساتھ خود کو تھکا رہے ہو۔ ابھی کچھ دن وہ یہیں ایڈمٹ ہیں تو الگ الگ ٹائمنگ میں سارے آجانا۔ رات کو کوئی ایک رک جائے اور دن میں کوئی اور۔"

وہ اپنی بات سمجھاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ میران نے سر ہلانے پہ ہی اکتفاء کیا۔ مراد کے جانے کے بعد کاریڈور میں سناٹا چھا گیا، میران نے بھی آنکھیں موند لیں۔

ایگزامز کے بعد وہ مکمل طور پہ فارغ تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا مراد اسے کالونی کیوں لے کر جا رہا ہے۔ ساتھ میں عائشے اور نیمل بھی تھیں۔

جب اس نے گاڑی کالونی میں لا کر روکی تو کالونی کے ایڈمنسٹریٹر ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لیے جیسے انکے ہی استقبال میں کھڑے تھے۔ وہ پچھلی سیٹ سے نیمل کے ساتھ ہی گاڑی سے اتری۔ وہ صاحب اسکی طرف چلے آئے۔

"اسلام و علیکم، رومائزہ بیٹے کیسی ہو؟"

بڑی خوشگواری سے انھوں نے مخاطب کیا۔ اسے حیرت تو ہوئی تھی۔ چار بجے کا وقت تھا۔ کالونی کے باقی مکین بھی گھروں سے نکل کر باہر آگئے۔ جیسے اسی کے منتظر تھے۔

"وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔" انکا بدلہ رویہ دیکھ کر اسے ہو رہی تھی۔ سنجیدگی سے ہی جواب دیا۔ انھوں نے گلدستہ اسکی جانب بڑھایا تو وہ تھام گئی۔

"میں سب کی طرف سے تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تمھارے ساتھ اس دن بہت زیادتی کی گئی۔ تم تو ہمارے بچوں کی ہی طرح ہو۔ ہم نے پھر بھی تم پہ بنا سوچے سمجھے الزام لگا دیے۔"

انکے صرف لفظوں سے نہیں انداز سے بھی شرمندگی محسوس کر سکتی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا آخر ایسا کیا ہوا جو سب کے خیالات بدل گئے۔

"تم اتنے عرصے کہاں تھیں احتشام اور تم کس مشکل میں پھنسے تھے سب میران صاحب نے آ کے مجھے بتایا۔ بیٹا آپ بہادر رہیں۔ احتشام بھائی کی موت کا ہم سب کو بہت افسوس تھا۔ ہم ہر چیز سے لاعلم تھے، شیطان نے وسوسے پیدا کر کے ہمیں بدگمان کر دیا۔"

وہ ملتجی انداز اپنا چکے تھے۔ کالونی کی دو تین خواتین جو اس دن بڑھ چڑھ کے بول رہی تھیں انھوں نے آ کے اس سے معافی مانگی۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ اس نے مراد کو دیکھا وہ پلک جھپک گیا تھا۔

"شکوہ مجھے آپ سب سے ہے کہ آپ لوگوں نے میرا یقین نہیں کیا۔ بچپن سے ہی مجھے جانتے ہیں نا، کیا میرے کردار کے بارے میں نہیں جانتے تھے؟ بلاوجہ میرے کرادر کو داغ دار کر دیا اسکے چیتھڑے اڑا دیے۔"

رومائزہ کے لہجے میں برہمی عود آئی۔ خائف نگاہوں سے سب کو دیکھا۔

"بیٹا معاف کر دو، ہمیں احساس ہے کہ کسی پہ بہتان لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ تم معاف کر دو تو ہمارے دل سے بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ تم پاک دامن ہو اس میں کوئی شک نہیں۔"

خاتون نے اسکے آگے ہاتھ جوڑ لیے۔ رومائزہ نے گلدستہ عائشے کو دیا اور آگے بڑھ کے انکے ہاتھ تھام لیے۔

"ایسے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ شکوہ تھا میں نے کر کے ختم کر دیا۔ معافی مانگ کے مجھے شرمندہ مت کریں۔ ویسے بھی مجھے اندازہ ہے ہمارا معاشرہ اس لڑکی کو بخشتا ہی کہاں ہے جو رات باہر گزار چکی ہو۔ میں تو پھر دو ماہ غائب تھی۔"

اسکے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

"نہیں بیٹا۔ تمھارے کردار پہ ہمیں بھروسہ ہے۔ تم بلکل ایک شفاف موتی کی طرح ہو۔"

دوسری نزدیک کھڑی خاتون مخاطب ہوئیں۔ انکی بات سن کر رومائزہ مسکرا دی۔ اسکے دل میں سکون سا اتر گیا۔

وہ ہمیشہ سے پاک صاف تھی، اسے اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ اللہ تو سب جانتا تھا۔ پر وہ لوگ اسکے قریبی تھے اپنے حوالے سے انکو بدگمان دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک بار پھر میران نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"کتنے احسان کرو گے مجھ ناشکری پہ تم میران۔"

گلدستہ واپس عائشے سے لے کر نا محسوس انداز میں اسکی خوشبو دل میں اتار کے اس کو تشکر سے مخاطب کیا۔ لبوں پہ خوبصورت سی مسکراہٹ رینگنے لگی۔ وہ اپنے ان احساسات سے ناواقف نہیں تھی، اور انکو ہمیشہ کی طرح دل میں دبا کے رکھ رہی تھی۔

سب سے مل کر معافی تلافی کے بعد وہ اپارٹمنٹ چلی گئی۔ یہاں واپسی کے دروازے واپس کھل گئے تھے۔

وہ چاروں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

شہاب نے ان چاروں کے آگے لیمن جوس رکھ دیا۔ گرمی بھی بڑھنے لگی تھی۔

"میں دائم سر کا ایمپلائے ہوں۔ کچھ دن میں یہاں سے چلا جاؤنگا۔ اس دن میرے بھائی گھر میں موجود تھے انکو آپکا معلوم نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے آپکا سامان گھر میں ہی موجود ہے۔ دائم صاحب نے کہا تھا احتشام صاحب کا سامان وہیں ایک کونے میں رکھ دو، جب انکا کوئی جاننے والا آئے تو اسکے سپرد کر دینا۔ میں جب واپس آیا تو آپ جا چکی تھیں۔ ارد گرد ڈھونڈا پر آپ نہیں ملیں۔ پھر میران صاحب خود آگئے تھے۔ اور دائم سر اور انکے درمیان اس اپارٹمنٹ کی ٹرافرنس کے سلسلے میں بات ہوئی۔ انھوں نے اپارٹمنٹ دائم سر سے واپس خرید لیا۔ وہ کہہ رہے تھے یہ کسی کی امانت ہے واپس لوٹانی ہے۔ مجھے تو اتنا ہی معلوم ہے باقی دائم سر جانتے ہونگے۔ اب آپ کہہ رہی ہیں کہ یہ واپس خرید لیں گی۔

فلحال میرے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا تو میران صاحب نے یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ ایک ہفتے بعد پھر آپکے کوئی کزن سفیر احمد آئے تھے۔ انکے سوال کا میں نے یہی جواب دیا کہ گھر کے مالک میران جاہ ہیں۔ انھوں نے زیادہ بات چیت نہیں کی، اگر وہ رکتے تو میں بتا دیتا کہ پہلے گھر میرے باس نے خریدا تھا اسکے بعد میران صاحب نے ان سے خرید لیا۔ وہ بس کاغذات دیکھ کر چلے گئے۔"

شہاب مراد کے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھا رومائزہ کی طرف دیکھتا ہوا کہتا گیا۔ کافی ساری باتیں اس دن عزیز اس بارے میں بتا گیا تھا۔ رومائزہ کے ہونٹوں پہ پھیکا سا تبسم پھیلا۔

"اٹس اوکے۔ مجھے سامان دیکھنا ہے کہاں رکھا ہے وہ؟"

ہچکچا کر اس نے پوچھا۔ جب یہ اپنا اپارٹمنٹ تھا تو وہ خوب آزادی سے ہر جگہ پھرتی رہتی تھی۔ اسی لیے اب جھجھک تو لازمی ہونی تھی۔

"اسٹور روم میں ہی ہے۔ کافی سامان وہ لے گئے تھے، کچھ رہ گیا تھا بس۔" شہاب نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

دائم کی رقم ادائیگی سے پہلے کچھ سامان انھوں نے میاں حسن کے گھر رکھوا دیا تھا۔ حسن نے انکے لیے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ سے ہی کھول رکھے تھے اور اس مشکل وقت میں انھیں تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

رومائزہ سر ہلاتے اٹھ کے اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔ اسکا دل تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ چار پانچ ماہ بعد اپنے گھر کو خود دیکھ رہی تھی۔

سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔ وہی رنگ وہی فرنیچر، فرش پہ چلتے ہوئے عجیب سی خوشی اسکی رگوں میں دوڑنے لگی۔ اور یہ خیال اس سے زیادہ حسین تھا کہ کچھ دن بعد یہ گھر واپس اسکے پاس آجائیگا۔ اسکے پاس اب بابا کی چھوڑی رقم بھی تھی وہ میران سے یہ خود خریدنے کی خواہاں تھی۔

اسٹور روم کی لائٹ جلا کر اس نے اندر قدم رکھا۔ ایک طرف اسکی پینٹنگز تھیں اور کچھ ہرانے البمز اور وہ فنیچز کے لیے جو پنجرا لائی تھی وہ بھی ایک کونے میں پڑا تھا اور کچھ دیگر سامان بھی موجود تھا۔ اس نے سانس بحال کی۔ ماتھے پہ ٹھنڈا پسینہ آنے لگا۔

چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی اور ایک البم اٹھا کہ اس نے کھول لیا۔

اس میں اسکے بچپن کی تمام حسین یادیں بسیں تھی۔

ناز، رومائزہ اور احتشام صاحب تینوں کی ڈھیر ساری تصویریں تھیں۔ اسے لگتا تھا اس نے یہ خزانہ کھو دیا ہے۔ خوش اور جذباتی پن سے اس نے البم سینے سے لگا کر سامنے کی۔

ایک جلد پلٹی۔ پانچ سالہ رومائزہ ناز سے چپکے کھڑی تھی۔ بلکہ رو رہی تھی۔ اسے یاد آیا وہ بھوک کی وجہ سے تنگ کر رہی تھی اور تصویر بھی نہیں کھنچوانا چاہتی تھی۔ اسکے لبوں کا تبسم بڑھتا گیا۔

پھر جلد پلٹی۔ اس میں وہ تینوں کسی پہاڑی کے قریب کھڑے تھے۔ پیچھے قدرت کے حسین نظارے تھے۔ آدھے پہاڑ برف کی چادروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

اس نے پورا البم دیکھ ڈالا۔ تشکر سے آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ممی اور بابا کی تصوریں اس نے جابجا چوم لیں۔

پھر البمز کو ایک شاپر میں ڈال کر وہ پنجرہ اٹھا کر باہر آگئی۔

"مراد بھائی میری پینٹنگز اندر رہ گئی ہیں۔ میں وہ بھی لے کر جاؤنگی۔" لاؤنج میں آکر البم سینے سے اس نے لگا رکھی تھیں۔

"وہ پینٹنگز آپ نے خود بنائی ہیں؟" شہاب نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔ عائشے نے اسکی پینٹنگ کی تعریف کرتے ہوئے شہاب کو جواب دیا۔

"واہ، وہ بہت اچھی ہیں۔ آپکو چاہیے کسی ایگزیبیشن میں انھیں رکھوادیں۔" وہ مفت کا مشورہ دیتے بولا تو رومائزہ ہنس دی۔

"ویسے وہ بہت ساری پینٹنگز ہیں، انھیں یہیں رہنے دیں ویسے بھی کچھ دنوں تک گھر آپکے حوالے ہو جائیگا۔" شہاب نے اسکی آسانی کے لیے کہا۔

"آپ کہاں جائیں گے؟" وہ متفکر ہوئی۔

"میں فلیٹ میں شفٹ ہو جاؤنگا، اسکے بعد دوسرا فلیٹ خرید لیا تھا پر اسکی رینوریشن کا کام نکل پڑا تھا تو مجھے یہیں ٹھہرنا پڑا۔" جیبوں میں ہاتھ ڈال کر شہاب نے کہا۔

"اوہ... آپکا بہت شکریہ آپ نے سارے سامان کو بڑے احتیاط سے حفاظت میں رکھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو شہاب نے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھ کے سر جھکا لیا۔ جولی سی بندہ تھا وہ، جیسے دائم تھا۔

وہ چاروں وہاں سے نکل گئے۔ نیمل نے گول گپے کھانے کی فرمائش کر دی تھی۔ اور وہ دونوں بھی جیسے کھانے کے لیے تیار ہی بیٹھی تھیں۔ نیمل ضد کر کے مراد اور عائشے کے ساتھ آئی تھی اور یہاں کر بہت ایموشنل بھی ہوئی تھی۔ اسے رومائزہ سے بہت ہمدردی تھی۔

دو دن گزر گئے۔ رومائزہ منڈلائے منڈلائے پھر رہی تھی۔ بتول اور غضنفر نے ہفتے بعد کی نکاح کی تاریخ مقرر کر دی تھی۔ وہ اس طرف سوچتی تو دل بند ہونے لگ جاتا تھا۔ سفیر کو اب تک آجانا تھا پر اسکا اسٹے اٹلی میں کچھ دن کے لیے مزید بڑھ گیا۔ وہ نکاح سے دو دن پہلے آنے والا تھا۔

بتول نے رومائزہ اور اپنا جوڑا خرید لیا تھا۔ پر خوشی کی رونقیں اس گھر میں بلکل نہیں تھی۔ جس طرح دمیر ہاؤس میں ایک ہفتے پہلے سے ہی شادیانے بج گئے تھے۔

رومائزہ نے پھر سفیر کا اسکیچ شروع سے بنانے کا سوچا۔

وہ بیڈ پر پینٹنگ شیٹ رکھ کے بیٹھی تھی۔ نکاح کی تاریخ قریب تھی۔ پھر اسے میران یاد آتا تو تمام زخم ہرے ہونے کے بجائے اب بھر سے جاتے تھے۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھیل جایا کرتی تھی۔

"بہت جلد تمھیں بی بی سرکار کے روپ میں دیکھونگا۔" میران کی کہی باتیں اسکے دماغ میں فلم کی طرح چل رہی تھیں۔ وہ گھنٹہ دو گھنٹہ اسکیچ بنانے میں مصروف رہی۔ بڑی محویت سے وہ ایک ایک نقش بنا رہی تھی۔

ڈھائی گھنٹے بعد جب اس نے کمر سیدھی کرنے کے لیے سر اٹھایا تو اسکیچ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ آنکھوں کے گرد تارے گھوم گئے۔

یہ سفیر احمد تو نہیں تھا۔ بنانا کس کا اسکیچ تھا اور بنا کسی اور کا دیا تھا۔ اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔ دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔

اسکیچ مٹانے کی کوشش میں اس نے ربڑ ڈھونڈا پھر رک گئی۔ اسکیچ استحقاق سے دیکھنے لگی۔ کھڑی مغرور سی ناک جیل سے سیٹ بال، گہری آنکھیں۔ اور پر تپش مسکراہٹ اس اسکیچ کے لبوں پہ تھی۔ کندھوں سے تھوڑا نیچے تک کا دھڑ اس نے بنا دیا تھا۔ ایک کالی شال جس کے شانوں پہ پھیلی تھی۔ اس میں اس نے کالے شیڈ بھرے ہوئے تھے۔ خیال میں وہ مسکرا دی۔ پینسل اٹھا کے شیٹ کے کنارے اس نے کچھ لکھ دیا۔

"کڈنیپر"..

اسکا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ کیا کر رہی تھی۔ یہ سارے وہی احساسات تھے جو اس نے سلا دیے تھے۔ خود بھی تکلیف سے دوچار ہو رہی تھی اور دوسری طرف میران کو اپنی یادوں سے پاگل کر دیا تھا۔ اس نے شیٹ فولڈ کر کے تیزی سے الماری کھول کے اوپر رکھ دی اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ خود کو نارمل کرتی کمرے سے سیدھا باہر چلی گئی۔

ذولفقار کو گھر واپس لایا جا چکا تھا۔ نوکروں کی پوری فوج جمع تھی انکے خیال رکھنے کے لیے۔ میران تو چوبیس گھنٹے گھر میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اس پہ کئی ذمہ داریاں عائد تھیں۔

شمس اپنے بڑے سائیں کو اس حالت میں دیکھ بے حد افسردہ تھا۔ وہ یوں بستر سے لگ جائیں گے اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

انکا جسم بلکل ہل جھل نہیں پا رہا تھا۔ وہ جو اپنا ہر کام خود کرتے تھے اس طرح محتاجگی کے باعث بلک بلک کر رو پڑے۔

انھیں شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ شمس کمرے سے باہر تھا۔ انھوں نے دایاں ہاتھ بڑھا کے ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگانا چاہا تو وہ فرش پہ گر کے ٹوٹ گیا۔ بے بسی پہ
آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔

اب وہ اپنی انا کی آگ میں بھسم ہو چکے تھے۔ سب کی شکوہ کن نگاہیں انھیں یاد آتیں۔

ہاں یہ مکافاتِ عمل تھا اور بہت خطرناک تھا۔ جس طرح انھوں نے کسی پہ رحم نہیں کیا اللہ نے بھی ان پہ رحم نہیں کیا۔ اب جا کر انھیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

وہ گلاس اٹھانے کی جستجو میں نڈھال سے ہو گئے ہاتھ واپس پیچھے کر لیا۔ اچانک دروازہ کھلا تھا۔

انکی نگاہیں وہیں جم گئیں۔زرپاش اور ارباز دمیر ساتھ کھڑے تھے۔زرپاش کا دل بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر ڈوب سا گیا۔انکے قدم لڑکھڑائے تو دمیر صاحب نے انھیں تھام لیا اور زولفقار کی طرف بڑھے۔بیڈ کے ساتھ دائیں طرف کاؤچ بچھا دیا گیا تھا۔زرپاش نے ٹوٹا گلاس دیکھا تو وہ چونک سی گئیں۔انھوں نے پورے کمرے میں نظر دوڑائی دوسرا گلاس موجود نہیں تھا۔وہ باہر چلی گئیں۔

ارباز تو بس اس عبرت ناک منظر کو ششدر نگاہوں دیکھتے رہ گئے۔زولفقار جاہ رو رہے تھے۔انکی زبان اور منہ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔بولنے میں آواز لڑکھڑا جاتی۔لفظ آدھے سمجھ آتے اور کچھ منہ میں رہ جاتے۔

"مم معاف"...

وہ بمشکل بول سکے۔دائیں ہاتھ سے بیڈ شیٹ مٹھی میں بھینچ لی۔ارباز کو جھرجھری آئی۔وہ جگہ سے آگے بڑھ نہیں سکے۔

"آپکی بہن کا دل بہت بڑا ہے اس نے آپکو معاف کر دیا ہے۔تو پھر میں کیوں آپکے لیے نفرت دل میں رکھتا۔زمانے میں نفرت کے قابل اور چیزیں ہیں۔آپ اس قابل بھی نہیں تھے کہ نفرت کی جائے۔اللہ آپکے لیے آسانی کرے۔"

ارباز بہت ٹھنڈے مزاج کے شخص تھے پر آج اتنے عرصے بعد انکو دیکھ کر خود کو تھوڑا تلخ ہونے سے روک نہ سکے۔ اپنی ماں انھیں یاد آئی تھیں وہ بھی بیمار تھیں اور دوا کے پیسے تک نہیں تھے۔ بچے بھوکے سو جایا کرتے تھے۔ وہ تو اللہ کا کرم تھا کہ انکے بھائی نے وراثت کی زمین کے پیسے انھیں لوٹا دیے۔

زولفقار کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ چادر انکے سینے تک چڑھی ہوئی تھی۔ لب انکے خشک تھے۔ حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ ٹھسکا اٹھتا اس سے پہلے ہی کوئی گلاس تھام کر انکے پاس بیٹھ گیا۔

زولفقار زرپاش کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتے گئے۔

"ارباز... بھائی کو اٹھانے میں مدد کر دیں۔ پانی پلانا ہے۔" وہ ارباز کی جانب مڑ کے بولیں تو وہ سرہلا کے پاس آئے اور انھیں سہارا دے کر کمر سے اٹھا کہ بیٹھایا۔ خود انکے پیچھے ہی ٹک سے گئے۔ زرپاش نے انکی تھوڑی تھام کے گلاس لبوں سے لگا دیا۔

وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پانی پیتے گئے۔

بھائی کی حالت دیکھ انکے دل کے دیے بجھنے لگے۔ پانی پلا کر گلاس انھوں نے ایک طرف رکھ دیا اور بھیگی اکھیوں سے انھیں دیکھتی گئیں۔ زولفقار کچھ بولنا چاہتے تھے پر بولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"ززززری..." دونوں بہن بھائیوں کی آنکھوں سے آنسو پھسل گئے۔ بنا کچھ کہے زرپاش نے سر انکے کندھے پہ ٹکا دیا۔

"بھائی جان میں نے آپکو معاف کیا۔ اللہ بھی آپکو معاف کر دے۔" نرمی سے کہتیں انکا بازو سہلانے لگیں۔

سر اٹھا کے دوپٹے کے کنارے سے انھوں نے زولفقار کا نم چہرہ صاف کیا۔ وہ خود بھی رو رہی تھیں۔

"بابا سائیں آپکے کھانے کا وقت"...

میران جو بے پروائی سے اندر آیا تھا زرپاش اور ارباز کو دیکھ کھٹک کے رہ گیا۔ مراد اسکے پیچھے تھا۔ اس نے اسے بھنک پڑنے بھی نہیں دی کہ وہ دونوں یہاں آئے۔ خوشی کے دیے اسکے چہرے پہ جل اٹھے۔ وہ ابھی بنگلے لوٹا تھا سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ پلٹ کے مراد کو دیکھا جس نے فوراً نظریں چرا لی تھیں البتہ آنکھوں کی شرارت مخفی نہیں تھی۔

"زہ نصیب... ہمارے بنگلے میں آج بہار لوٹ آئی ہے۔"

وہ خوشگواری سے ہنستا ہوا پاس آیا۔ اس نے کھڑکی سے پردے ہٹا دیے تو کمرہ مزید روشن ہو گیا۔ ارباز سے گلے مل کر پھپھو کے قریب پنجوں کے بل ٹک گیا۔ انھوں نے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ میران نے خم کیا سر اٹھایا۔ دروازے کے پاس کھڑے مراد کو دیکھا۔

"اندر آجاؤ مہمان تو نہیں ہو جو بلاوا دینا پڑے گا۔"

اسکے دوٹوک انداز پہ مراد خاموشی سے اندر آگیا۔ سامنے دیوار کے ساتھ بھی صوفے لگے تھے۔ ارباز کے ساتھ وہیں ٹک گیا۔ پر اس نے زولفقار کی کوئی خیر خیریت دریافت نہیں کی۔

"مراد جاؤ مل لو بیٹا۔" ارباز نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ انھیں دیکھے گیا۔ میران اسکا منتظر تھا۔

مٹھی بھینچے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور زرپاش کے پیچھے ہی کھڑا ہو گیا۔ میران جگہ سے اٹھا اور اسے اشارے سے سامنے آنے کا کہا۔

سانس بھر کے اس نے میران کو دیکھا پھر زولفقار کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ زولفقار نے اسے دیکھ کر آنکھیں موند کر کھولیں۔ انھوں نے دایاں ہاتھ اٹھا کے ہوا میں ٹھہرا دیا۔ وہ سمجھ نہیں پایا تو زرپاش نے اسے اشارہ کیا۔ وہ انکا ہاتھ تھام کر بیڈ پہ انکے پاس بیٹھ گیا۔ زولفقار نے اسکے ہاتھ سے ہاتھ نکال کر مزید ہاتھ اونچا کر کے سر پہ رکھنا چاہا۔ مراد نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ اسے گھٹن سی محسوس ہوئی۔

چہرہ سیدھا کر کے وہ پھر رونے سے لگے۔ وہ چاروں ہی بے بسی کے مارے اس شخص کو دیکھے گئے۔ مراد اپنا دل صاف کر آیا تھا پر انکے ساتھ گھلنے ملنے کا خواہشمند ہرگز نہیں تھا۔ وہ اٹھ کے واپس ارباز دمیر کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"مم معاف کر دو مجھے تت تم سببب،، بہت زیادتی کک کی ہے تتم لوگوں کے ساتھ۔" وہ اٹک اٹک کر لڑکھڑاتی آواز کر سنبھال کے بولے۔ اتنا کہنے میں وہ بری طرح ہانپ چکے تھے۔ میران نے لب بھینچ کے انکا سینا سہلایا۔

"سب نے معاف کر دیا ہے پریشان مت ہوں۔" زرپاش نے انکا ہاتھ سہلا کر کہا۔ وہ گھٹ گھٹ کے روتے رہے۔

"پھپھو بابا نے مجھے کل کہا ہے کہ آپکا وراثت میں جتنا بھی حصہ بنتا ہے ادا کر دوں۔"

باپ کی طرف مسکرا کر دیکھ کے اس نے بتایا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دیں۔

زرپاش بھائی کے سرہانے بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں۔

معافیاں تلافیاں ہو گئی تھیں پر ایسے کئی مظلوم لوگ اور تھے جو انکے ظلم کا نشانہ بنے تھے۔ کس کس سے معافی مانگتے؟ ناجانے کس کی آہیں لگ چکی تھی۔ ساری زندگی ایسے بستر پہ پڑے رہ کر گزار دینے کا خیال انکی جان نکال دیتا تھا۔

مراد اٹھ کے میران کے ساتھ ہی باہر آگیا۔ وہ دونوں ہال میں بیٹھے تھے۔ فرید نے چائے اندر کمرے میں زرپاش اور ارباز کو بھی دی تھی اور باہر بھی لوازمات کے ساتھ چائے لا کر رکھ دی۔

"کراچی جا رہا ہوں کمیشنر صاحب سے ملاقات کے سلسلے میں، کچھ دنوں میں واپس آجاؤنگا۔"

چائے کا کپ لبوں سے لگا کر مراد نے بتایا۔ میران صوفے سے کمر ٹکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ عادتاً ناک ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر اس نے پوچھا۔

"واپسی کب تک کی ہے؟ دو ماہ بعد الیکشن شروع ہو رہے ہیں۔ پنڈی میں اجلاس منعقد کرنا ہے سیکورٹی کے انتظامات تمھارے ہی حوالے ہونگے۔" میران نے آگے جھک کر ٹیبل سے چائے کا کپ اٹھالیا۔

"وہ دو ہفتے بعد ہے نا، میں تو رومائزہ کے نکاح سے پہلے ہی آجاؤنگ..ا۔" نادانستہ طور پہ مراد کی زبان تیزی سے پھسل گئی تھی۔ اس نے میران سے نظریں چرا لیں۔

چائے میران کے حلق میں اٹک سی گئی۔ بمشکل اس نے کڑوا گھونٹ اندر اتارا۔

"کب، کب ہے نکاح؟" وہ فوراً سنبھل نہیں پایا۔ سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"اگلے جمعرات کو۔ سات دن بعد۔" مراد نے چائے کا گھونٹ بھر کے بتایا۔

"وہ خوش ہے نا؟" پر سوچ انداز میں کپ کی نوک پہ میران نے انگلی پھیری پھر گھونٹ بھرا۔

"تمھیں اب اس سے مطلب؟ نہیں بتا رہا کیسی ہے وہ، لوگ محبت میں کیا کچھ نہیں کرتے، تم اپنی وضاحت تک نہیں دے پائے۔" وہ ان دونوں سر پھروں سے تپا ہوا تھا۔ میران نے گھور کے اسے دیکھا۔

"اب کیا جان ہتھیلی پر رکھ کر دے دوں؟ وہ جب میرا ساتھ چاہتی ہی نہیں تو زبردستی نکاح تو نہیں کر سکتا نا"!

وہ گرجتے ہوئے بولا تو مراد کے پرزے ڈھیلے پڑے۔ جزبز سا چائے کے گھونٹ بھرتے گیا۔ البتہ میران کے اندر طوفان مچ گیا تھا۔ دل پہ جبر کیے وہ گھونٹ بھرنے لگا۔ چائے بھی کڑوی زہر ہو گئی تھی، آدھی پی کر اس نے کپ رکھ دیا۔ اور ایکسکیوز کرتا اٹھ کھڑا ہوا، اور اوپر اپنے کمرے میں جانے کیلیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ مراد نے افسردگی سے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھا۔ کاش وہ اسکے کچھ کام آسکتا، جتنا وہ اسکے کام آیا تھا۔

میران نے کمرے میں جا کے سیگریٹ سلگائی اور شیشے کا دروازہ کھول کر بالکونی میں آگیا۔ کش بھر کے دھواں باہر چھوڑ رہا تھا، اپنے اندر لگی آگ کو بجھانے کی معمولی سی کوشش تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی اور باغ کے پھولوں کی اٹھتی بھینی بھینی خوشبو کو سیگریٹ دور کر کے اندر اتارنے لگا۔

رابطہ بھی نہیں رکھتا سرِ وصل کوئی

اور تعلق بھی معطل ہونے نہیں دیتا

دل یہ کہتا ہے اسے لوٹ کے آنا ہے یہیں

یہ دلاسہ مجھے پاگل ہونے نہیں دیتا

دو دن بعد....

مراد کراچی جانے کے لیے پیکنگ کر رہا تھا اور عائشے اسکے ساتھ جانے کی ضد کر رہی تھی۔ڈریسنگ روم میں جا کر وہ کپڑے نکالنے لگا۔عائشے اسکے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ذذ

"اے ایس پی صاحب میں آپکے ساتھ چلونگی۔بیوی کو چھوڑ کے جائینگے بہت گناہ ملے گا۔"

وہ ہینگر سے شرٹ نکال رہا تھا عائشے منمناتے ہوئے دوپٹے کو انگلی پہ لپیٹ کر بولی۔مراد ہنس پڑا۔

"مسز مراد میر، بعض آجائیں۔تین چار دن کی ہی تو بات ہے۔"

اس نے شرٹ ایک طرف کی ہینگر واپس ٹانگ دیا اور دوسری شرٹ نکالنے لگا۔عائشے جھنجھلاتے ہوئے کھڑی رہی۔

"میں آپکی بیوی ہوں، اے ایس پی مراد کی بیوی!اور یہ میرا حکم ہے کہ مجھے ساتھ لے کر جائیں ورنہ میں نہیں جانے دونگی۔"وہ ضدی اٹل انداز میں گویا ہوئی۔

مراد نے بازو سے پکڑ کے اسے تھاما۔

"کیوں تنگ کر رہی ہو؟"مراد نے چہرہ اسکے قریب کر لیا اور لہجے میں سختی سموئے آنکھیں دکھا کر بولا تو وہ گھگھیا گئی۔

"بس ساتھ چلنے کا ہی تو کہہ رہی ہوں۔"عائشے نے معصومیت سے کہا۔مراد کی آنکھوں میں مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"بیگم لگتا ہے بڑی شدت سے محبت کر بیٹھی ہیں آپ، جیسے میرے بغیر آپ سے رہا نہیں جائیگا۔"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔"وہ صاف مکری۔

"صرف تین چار دن کے لیے جا رہا ہوں، اگر ساری زندگی کے لیے چلا گیا تو کیا حال ہونا ہے؟"

وہ اسے زچ کرتا اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔عائشے اسکی گرفت میں سمٹ گئی۔

"اللہ نہ کریں۔کچھ بھی بولتے رہتے ہیں۔آپ کے بغیر میں واقعی مر جاؤنگی۔"

اس نے رندھی آواز میں کہا۔مراد نے نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"آئیندہ ایسی بات کی تو آپکی جان لے لونگی۔"اسکی شرٹ مٹھی میں جکڑے اسکے کندھے پہ سر رکھ کر وہ برہمی سے بولی۔مراد کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"قاتل ادائیں جان خود ہی لے لیں گی اس ناچیز کی۔"وہ اسے مزید چھیڑنے لگا۔وہ مچل گئی۔

"مراد۔"

"یار تم سے دور رہ کر مجھے کہاں سکون ملتا ہے۔ عادت ہو گئی ہے تمہاری۔ چوبیس گھنٹے میں ایک بار تمہیں نا دیکھوں تو چڑ چڑا پن لگ جاتا ہے۔"

اسکی بات پہ عائشے نے سر اٹھایا۔

"بس چوبیس گھنٹے میں ایک بار؟" اسکا حصار توڑ کے وہ کمر پہ ہاتھ رکھے شاکی نظروں سے گھور کے بولی۔

"تو اور کیا؟ اور بھی کام ہیں تمہیں سوچتا رہا تو پھر سرکار چھٹی دے کر مجھے گھر بٹھا دیگی۔ پھر چوبیس گھنٹے تمہاری شکل دیکھتے رہونگا۔"

وہ واپس الماری کی طرف مڑ گیا۔ عائشے نے دانت کچکچائے۔

"جائیں چلیں جائیں۔ اور میں کوئی آپکے انتظار میں دیوانی تھوڑی ہو جاؤنگی۔ بس مجھے کراچی دیکھنے کا شوق تھا پر کوئی بات نہیں۔" نروٹھے پن سے کہہ کر وہ جانے لگی۔

"رومائزہ اور سفیر کے نکاح کے دو دن بعد کی سوات کی ٹکٹس بک کروا چکا ہوں۔ وہاں ہنی مون پہ چلیں گے نا۔ اور بے فکر رہو پاکستان تو کیا جو پوری دنیا اپنے ساتھ گھماؤنگا۔"

اسکی پشت کو دیکھ کر مراد نے کہا اور کپڑے نکال کر باہر کمرے میں آگیا۔ عائشے سرخ سی ہو گئی اور اسے گھورے گئی۔ دوپٹہ اٹھا کے کمرے سے باہر نکل گئی۔ مراد آج رات کی ہی فلائٹ سے چار دن کے لیے کراچی جا رہا تھا۔ اور عائشے نے اسے سختی سے تلقین کر دی تھی کہ رومائزہ کے نکاح سے پہلے واپس لاہور میں ہونا چاہیے۔

مراد کو گئے ہوئے دو دن گزر چکے تھے۔ سفیر پچھلی رات کو واپس آگیا تھا۔ وہ دیر رات کو گھر لوٹا تھا بتول اور غضنفر کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ رومائزہ سے مل کر فریش ہونے کے لیے روم میں چلا گیا۔ فریش ہو کے آیا تو رومائزہ لاؤنج میں مووی دیکھ رہی تھی وہ اسی کے پاس بیٹھ گیا۔

ہینڈ کیری کھول کے اس نے ایک پینٹنگ نکال کر رومائزہ کے سامنے کی۔

"آہ آپ لے آئے۔ تھینک یو سو مچ..." پینٹنگ ہاتھ میں لے کر وہ دیکھنے لگی۔ یہ کسی خوبصورت سی عورت کی پینٹنگ تھی۔ وہ مبہوت ہو کر دیکھے گئی۔ آنکھوں میں ستائش واضح تھی۔

"اسے پلٹ کر دوسری طرف سے دیکھو۔"

اسکے چہرے کی رمق دیکھ کر سفیر نے مسکرا کر کہا۔ رومائزہ نے نا سمجھی سے پینٹنگ کو گھمایا۔ اسکا منہ حیرانی سے کھل گیا۔ اب پینٹنگ میں کسی مرد کا چہرہ بنا تھا۔

"خوبصورت...." اس نے مشکوریت سے اسے دیکھا۔

"میرا اسکیچ مکمل کر لیا؟" سفیر نے گرم جوشی سے پوچھا۔ روما کی شکل اتر گئی۔

"نہیں بنایا کیا؟ کیوں یار؟"

"بنالیا، پر صبح دکھاؤنگی۔" اسکے اڑے چہرے پہ خفگی کے پھیلتے رنگ دیکھ کر رومائزہ نے ہنس کر کہا۔ اسے پرسکون دیکھا تو سفیر کو تسلی ہوئی۔

"تین بعد نکاح ہے۔ تم خوش ہو نا؟" سفیر نے آئبرو اچکا کر آہستہ سے پوچھا۔ وہ سوچ میں چلی گئی۔ سفیر کو منتظر پایا تو سر ہلا دیا۔

"مجھے اس خوبصورت سی لڑکی کے چہرے پہ مسکراہٹ چاہیے بس، میں پوری کوشش کرونگا تمھیں تمام خوشیاں دے سکوں جسکی ہر لڑکی خواہش کرتی ہے۔"

اسکے چہرے کا جائزہ لے کر بولا۔ رومائزہ زبردستی مسکرائی۔ نظریں اسکرین پہ مرکوز کر لیں۔ دل اسے جھنجھوڑ رہا تھا پر اس نے دل کی خواہش کو اندر دبا لیا۔ اسکا ایک فیصلہ کتنوں کے دل توڑ دیتا۔ وہ سوچ کر ڈرتی تھی۔

سفیر تھکا ہوا لوٹا تھا واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رومائزہ میں ہمت ہی نہیں بچی تھی میران کی حقیقت اسے بتانے کی۔ وہ خود ایک گلٹ کا شکار تھی۔ کوئی عام گلٹ نہیں تھا یہ، اسکا سکھ چین اڑ چکا تھا۔ سب کے سامنے ہنستے مسکراتے نارمل رہ رہ کر وہ تھک چکی تھی۔

' سفیر کو سب بڑے پاپا ہی بتا دینگے 'اس نے یہ سوچ کر خود کو ریلکس کیا۔ اور مووی دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ پر اب اسکا سارا دھیان آگے کی زندگی سوچنے میں لگ چکا تھا۔ ایل سی ڈی بند کر کے وہ سونے کے لیے کمرے میں چلی گئی۔ نیند نے کونسا جلدی مہربان ہو جانا تھا۔

پیپرز کے دوران وہ ویسے ہی جاگ رہی تھی پھر میران کی سچائی معلوم ہونے کے بعد توراتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ پچھتاوا اور گلٹ ہی بس رہ گیا تھا۔

وہ صبح اٹھی تو ناشتے کے بعد تیار ہونے لگی۔ اس نے سفیر کی واپسی کا بتول کو بتا دیا تھا۔ پر وہ اب تک سو رہا تھا تو کسی نے جگایا نہیں۔

اسے شاپنگ پہ عائشے کے ساتھ جانا تھا۔ عائشے نے رات ہی میسج کیا تھا، رومائزہ نے انگوری رنگ کی پرنٹڈ گھٹنوں تک کی فراک کے ساتھ انگوری ہی پاجامہ پہنا تھا۔ ماسک اٹھا کے منہ پہ لگا لیا۔ دوپٹے کو شانوں پہ پھیلا کر لمبی

چین والا بیگ شانے پہ لٹکا کر پیروں میں سلیپر اڑس کے باہر نکل گئی۔ موبائل اور کچھ پیسے اس نے بیگ میں رکھ لیے تھے۔

گیارہ بج چکے تھے۔ عائشے کا کہنا تھا اس وقت رش کم ہوتا ہے، اور جس دکان میں اسے جانا تھا وہ گیارہ بجے تک کھل جاتی ہے۔

ڈرائیور کے ساتھ سوا گیارہ تک عائشے اسے لینے آگئی تھی، بتول کو آگاہ کر کے وہ باہر آگئی۔ گارڈ بابا نے اسکے لیے دروازہ کھولا۔ عائشے گاڑی کا شیشہ اتار کے مسکرا کے رومائزہ کو آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسکے پاس آنے پہ عائشے نے اندر سے دروازہ کھول دیا۔ رومائزہ کے بیٹھنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

کراچی سے مراد کا فون آیا ہوا تھا۔ ارباز دمیر لاؤنج میں ہی تھے۔ نیمل نے طبیعت میں بوجھل پن کی وجہ سے چھٹی لی تھی۔ وہ ارباز کے تاثرات دیکھ رہی تھی جو مراد کی فون کال کے بعد بدل چکے تھے۔ انکے چہرے پہ تھوڑی پریشانی چھلک رہی تھی۔

"بابا کیا ہوا؟ کیا کہہ رہے تھے بھائی؟"

"عائشے گھر میں ہے نا؟" انھوں نے فوراً اسکی موجودگی کا پوچھا۔

"نہیں۔وہ ضروری کام سے رومائزہ کو ساتھ لے کر گئی ہے۔ تھوڑی دیر میں آجائیگی۔"

زرپاش لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"اچھا، آجائے تو اسے پھر گھر سے باہر اکیلے ہرگز نکلنے نہیں دیے گا۔"

"ارباز صاحب کیا بات ہے؟"زرپاش نے چونک کر پوچھا۔انھیں اندیشہ ہوا تھا کہ ارباز کچھ چھپا رہے ہیں۔

"مراد کا فون آیا تھا۔اسی نے کہا ہے عائشے کو گھر میں رکھیں جب تک وہ نہیں آجاتا۔عائشے کی پہلے جس سے شادی ہو رہی تھی وہ ارغن نامی شخص جسے مراد نے اریسٹ کیا تھا، وہ دو دن پہلے جیل سے بھاگ گیا ہے۔پولیس اسکی تلاش میں ہے۔وہ آدھا پاگل انسان ہے کچھ بھی کرے اسی لیے ہمیں احتیاطی تدبیر خود لینی چاہیے۔"ارباز نے آرام سے انھیں بتایا۔

"اللہ مجھے پتا ہوتا تو میں اسے اکیلے جانے بھی نہیں دیتی۔"زرپاش پریشان سی ہو گئیں۔

"مام ریلکس اتنے بڑے شہر میں وہ بھابھی کو ڈھونڈ تھوڑی سکے گا۔ایک ڈیڑھ گھنٹے تک وہ آجائیں گی۔"

نیمل نے اٹھ کے انکے شانے پہ بازو پھیلا کر اطمینان دلاتے کہا۔

"واہ بھئی عائش تم تو فل بیوی بن گئی ہو۔ مجھے تم سے امید نہیں تھی کہ تم مراد بھائی کی برتھڈے کے لیے اتنا اہتمام کرو گی۔"

رومائزہ تعریف کے ساتھ اسے چھیڑنے والے انداز میں بولی۔ عائشے نے فوٹو فریمز بنوائے تھے۔ اور اس میں ان دونوں کی نکاح کی اور ولیمے کی کچھ تصاویر فریم تھیں۔

انکے گھمنے پھرنے والے دنوں میں مراد کی سالگرہ کا دن پڑ رہا تھا۔ وہ فریمز کا سیٹ اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی تھی۔ اس بارے میں نیمل اور رومائزہ کے علاوہ اس نے کسی کو خبر نہیں دی تھی۔ ہاں تیسری انوش تھی جس کے ساتھ وہ آرڈر بنوانے کے لیے گئی تھی۔

"کہہ تم سہی رہی ہو، مجھے لگتا ہے میں بدل گئی ہوں۔ میں اللہ کا کتنا شکر ادا کروں اتنا کم ہے کہ اللہ نے مجھے اتنے اچھے شوہر سے نواز دیا۔" وہ گاڑی میں بیٹھ کر خوشی سے مسکرا رہی تھی۔

"اللہ تمھاری خوشیاں سلامت رکھے۔ آمین۔" رومائزہ نے دل سے دعا دی۔

"تمھیں بھی خوشیاں دے جو تم ڈیزرو کرتی ہو۔" عائشے نے تھوڑا زور دے کر کہا وہ اسکی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ خاموشی سے کھڑکی کے دوسری پار دیکھنے لگی۔

شاپ سے کچھ دور جانے کے بعد گاڑی بند ہو گئی۔ ڈرائیور اتر کے باہر نکلا۔ یہ سناٹے دار جگہ تھی کافی دیر دیر میں گاڑیوں کا گزر ہو رہا تھا۔

"میڈم گاڑی گرم ہو گئی ہے۔ پانی ڈالنا پڑے گا، میرے پاس ختم ہو گیا میں آگے سے بھر کے لاتا ہوں۔ آپ باہر مت نکلیے گا۔"

وہ تنبیہہ کر کے بوتل گاڑی سے نکال کر آگے بڑھ گیا۔ ان دونوں نے کوفت سے سر پٹخا۔

ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ انکی گاڑی کے گرد کچھ موٹر بائیک سوار اور ایک گاڑی آن رکی۔ عائشے گھبرا کر رومائزہ کے قریب ہو گئی۔ کسی نے بائیک سے اتر کے شیشہ بجایا۔ رومائزہ کی چھٹی حس نے تیزی سے کام کیا۔ اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ سارے بائیک سوار اتر گئے۔

"اے لڑکی باہر نکل۔"

وہ آدمی باہر سے چلایا۔ وہ رومائزہ سے نہیں عائشے سے مخاطب تھا۔ عائشے نے خوف و حراس نگاہوں سے باہر دیکھا۔ رومائزہ نے اسے بازوؤں سے تھام لیا۔

"عائشے گھبراؤ مت۔ رکو میں فون کرتی ہوں گھر پہ۔" عائشے کو سنبھال کر رومائزہ نے بیگ سے جیسے ہی فون نکالا اسکی پار کا شیشہ کسی نے ڈنڈا مار کے توڑ دیا۔ وہ چیخ کے پیچھے ہٹی۔

باہر موجود شخص نے جارحانہ انداز میں اسکے ہاتھ سے موبائل فون جھپٹ کے جیب میں رکھا اور گاڑی کا دروازہ کھلی کھلی کھڑکی سے کھول کر رومائزہ کو باہر کھنیچا۔ وہ ٹوٹی ڈالی کی طرح حواس باختہ کھنچتی چلی گئی۔ عائشے چلائی۔

"ارے چھوڑو اسے۔" عائشے بوکھلاتی ہوئی اسکے پیچھے ہی باہر نکلی کسی نے اسے بازو سے گرفت میں لیا۔ عائشے کی تو بولتی بند ہوگئی۔

"ہو داہیل آر یو! چھوڑ دو ورنہ میں نہیں چھوڑونگی پھر!" رومائزہ نے غرا کر دھمکی دی۔ ان دونوں کی سمجھ سے باہر تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔

اس شخص نے رومائزہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر جب جکڑا تو وہ بلبلا اٹھی۔ آنکھیں غصے سے پھیل گئیں۔

یہ تیسری بار اسکے ساتھ ہو رہا تھا جو غنڈے اسکے راستے میں آگئے تھے۔ پر یہ میران کے لوگ تو نہیں تھے نا ہی ہو سکتے تھے۔ پھر ہی کون تھے۔ اور نہ ہی اب میران آکے بچانے والا تھا۔

رومائزہ نے زور سے کہنی اسکے بازو پہ ماری اور خود کو چھڑایا۔ پر کسی دوسرے غنڈے نے اسے پکڑ لیا۔

"میڈم جی اتنی محنت نا کرو، آج کوئی نہیں بچا سکتا۔ خاص کر تمھیں مسز مراد میر!" ان غنڈوں کے درمیان سے ایک شخص سر پہ سے ہیلمٹ اتار کے عائشے کی طرف بڑھا۔

"ارغن!" عائشے کی روح کانپ گئی۔ آخر یہ شخص کیا چاہتا تھا۔ بدلہ؟ رومائزہ سارا ماجرا سمجھ گئی۔ اسکے اندر کی ننجا جاگ گئی تھی۔ لات الٹی گھما کر اس نے خود کو آزاد کیا اور ارغن کی طرف لپکی۔

"یو بلڈی باسٹرڈ تمھاری ہمت کیسے ہوئی ہمارا راستہ روکنے کی۔" رومائزہ اس پہ جھپٹنے والے انداز میں اسکا گلا دبوچ کر غرائی۔ عائشے کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور وہ حیرت سے رومائزہ کی ہمت کو دیکھ رہی تھی۔

"چھوڑ مجھے۔"

ارغن نے اپنا گلا چھڑا کے اس کے منہ پہ تھپڑ مارا۔ رومائزہ کا تو دماغ گھوم گیا۔ اس نے آگے بڑھ کے جنون سے اسکے منہ پہ تھوک دیا۔ ارغن نے نفرت سے اسے دیکھا۔ عائشے بے ہوش ہونے کو آئی۔

پیچھے سے لڑکوں نے اسے گھیر اتھا۔ اس نے پوری قوت سے ہاتھ پیر چلا کر خود چھڑایا۔

ایک کی کہنی پہ لات ماری تو دوسرے کی پیٹھ پر۔ ارغن ایک طرف ہو کر تماشہ دیکھنے لگا۔

"عائشے ککڈ ہم!" رومائزہ نے چلا کر کہا۔ پر عائشے کے تو اوسان خطا ہو رہے تھے۔ رومائزہ نے پتھر اٹھا کے اسکے پیچھے کھڑے شخص کے سر پہ دے مارا۔ عائشے نے آنکھیں میچ لیں۔ نشانہ چوک ضرور گیا تھا سر کی بجائے کندھا زخمی کر گیا۔ عائشے اس غنڈے کی گرفت سے جیسے ہی آزاد ہوئی لڑکھڑا کے روما کی طرف لپکی۔

رومائزہ اکیلی ان غنڈوں کا سامنا کر رہی تھی اور وہ خود بھی زخمی ہو چکی تھی۔

تین چار غنڈے تھے وہ جو اسے بخشنے کو راضی نہیں تھے۔

"ہمیں جانے دو، ہم نے تمھارا کیا بگڑا ہے؟" عائشے ہکلاتے ہوئے ارغن سے مخاطب ہوئی۔ وہ تمسخر سے ہنسا اور اسکے پاس چلا آیا۔ عائشے سہم کر پیچھے ہوئی۔

"تمھارے شوہر کو کیا لگا مجھے جیل بھجوا کر اور تم سے شادی کر کے تمھیں تحفظ دے دیگا!" وہ ہنس رہا تھا۔ کڑوی ہنسی۔

"مراد تمھیں چھوڑیں گے نہیں۔" وہ پھنکاری۔

"پر اس سے پہلے میں تمھیں نہیں چھوڑونگا ڈارلنگ۔" ارغن نے جھٹکے سے اسکی کلائی تھام کے اسے اپنی جانب کھینچا۔

"روما ہیلپ می۔" عائشے چیخی۔ رومائزہ کی سانس چڑھ گئی تھی۔ ان دو غنڈوں نے اسے سختی سے اپنے شکنجے میں دبوچ لیا تھا۔

"اے کمینے انسان چھوڑ دو اسے ورنہ..." رومائزہ اپنا وجود چھڑانے کی جست میں لگی چلائی۔ ارغن کا قہقہہ بلند ہوا۔ اس نے دل فریبی سے اسے دیکھا پھر عائشے کو۔

"خوبصورت تو تمھاری دوست بھی بہت ہے تو ایک کام کرتے ہیں اسے بھی ساتھ ہی لے چلتے ہیں۔" وہ خباثت سے بولا۔ عائشے کا دل دہل گیا۔

"بہت غلط کر رہے ہو، جب پکڑے جاؤ گے نا، تو تمھیں مراد بھائی چھوڑیں گے نہیں۔"

رومائزہ کی آواز ڈگمگائی تھی پھر بھی لہجہ مضبوط رکھا۔ وہ ڈرتی نہیں اگلے کو ڈرا کر رکھنے والوں میں سے تھی کہ اگلے پہ اسکا رعب ہو۔

ارغن اسکی دل فریب آواز پہ جھومنے لگا۔ کھڑا لہجہ، جیسے کوئی انگریز بڑی شائستہ اردو بول رہا ہو۔ رومائزہ کی آواز اور لہجہ ہی اگلے کو راغب کرنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔ وہ گھر سے باہر تو بہت سنبھل سنبھل کے بولا کرتی تھی۔

"خبیث انسان منہ نوچ لونگی تمھارا۔ چھوڑو عائشے کو۔" وہ مچل رہی تھی۔ ارغن کی عائشے کی کلائی پہ سخت گرفت تھی اسکے آنسو بہہ نکلے۔

"عائشے کچھ تو کرو۔" وہ اشارتاً اسے کہنا چاہتی تھی اسکے ہاتھ پہ دانت گڑا کے خود کو چھڑا لے پر عائشے تو حواس ہی کھو رہی تھی۔ رومائزہ کو شدید غصہ چڑھا۔

شدت سے میران کا خیال آیا تھا۔ کاش وہ پھر اس بار کہیں سے آجاتا اور انھیں بچالیتا۔ پر اب وہ اسکی حفاظت میں کہاں تھی۔ اسکی امانت تھوڑی تھی۔

"گاڑی میں ڈالو اسے۔ اڈے پہ پہنچ کے بتاتا ہوں اسے تو میں، بہت زبان چلتی ہے اسکی۔" ارغن نے عائشے کو کھینچ کر گاڑی میں ڈالا۔ اور اپنے ساتھیوں کو رومائزہ کی جانب اشارہ کرتے بولا۔ وہ قابو سے باہر تھی۔ تو ایک نے اسکے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور چہرے پہ کپڑا ڈال کر ہاتھ باندھ کے گاڑی میں بٹھا دیا۔ عائشے بوکھلا گئی تھی۔ وہ ارغن سے التجائیں کرتی رہ گئی۔

گاڑی سڑک پہ دوڑا دی۔ ان دونوں کا دل بند ہونے لگا۔

"اللہ جی بچا لے ہمیں... مراد کہاں ہیں آپ!" بے بسی سے عائشے کی آنکھوں سے سنامی بہہ نکلا۔

ڈرائیور جب واپس آیا تو گاڑی کی حالت دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور ان دونوں کو غائب دیکھ کر تو اسکے پیروں تلے زمین کھسک گئی تھی۔

"میم صاحب...؟؟" وہ آس پاس جا کر چلایا پر بے سود کچھ نا ملا۔ اس نے فوراً گھبراہٹ کے ساتھ ارباز دمیر کو کال ملائی۔

ارباز ڈرائیور کے فون کے بعد پریشانی سے پولیس اسٹیشن کے لیے نکلے۔ سب سے پہلے انھوں نے مراد سے رابطہ کیا۔

"ڈیڈ آپ ڈی ایس پی کے پاس رپورٹ لکھوائیں، میں ان سے بات کرتا ہوں۔ اور آرہا ہوں میں واپس۔" عائشے کے غائب ہونے کا سن کر اسکی جان خشک ہو گئی۔ خون سا کھول رہا تھا۔ اور اوپر سے رومائزہ بھی اسکے ہتھے لگ گئی تھی۔ کال بند کر کے اس نے ڈی ایس پی صاحب کو ساری خبر دی۔ انھوں نے اسے تسلی دی تھی کہ لوگ اسے ڈھونڈ ہی رہے ہیں۔ وہ ضرور مل جائیگا۔

زرپاش نے سفیر کو بھی آگاہ کر دیا وہ خود غضنفر کے ساتھ الٹے پیر پولیس اسٹیشن گیا تھا۔ اور اسکے بعد خود رومائزہ کی تلاش میں نکل گیا۔

ان دونوں کے اغوا ہونے سے کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

پولیس ارغن کے پناہ کیے اڈوں کی تلاش میں تھی پر وہ پتا نہیں کونسے بل میں جا گھسا تھا۔

انعم کو بھی زرپاش نے آگاہ کر دیا۔ یہ بات چھپانا غلط تھا وہ عائشے کی جانب سے بہت پریشان ہو گئیں۔ اس ارغن کو خوب بد دعائیں دے رہی تھیں اور اپنی بیٹی اور رومائزہ کے تحفظ کی اللہ سے دعا کرنے لگیں۔

نیمل نے انوش کے پاس میسج چھوڑ دیا تھا۔ وہ شنواری ہاؤس ہی پہنچ گئی۔ بتول اور غضنفر پریشانی سے دوہرے ہو رہے تھے۔

"ناجانے وہ بد معاش بچیوں کو کہاں لے گیا ہو گا۔ غضنفر صاحب دو گھنٹے ہو گے پولیس نے کچھ پتا نہیں کیا۔ میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔" انوش نے بتول کو بمشکل سنبھالا تھا۔

انھیں پانی دے کر وہ باہر لان میں آگئی۔ کافی دیر سوچتی رہی کیا کرے کس سے مدد لے۔ کون تھا جو اسکی دوستوں کو واپس لانے میں مدد کر سکتا تھا۔

دماغ نے میران کے نام کی گھنٹی بجائی تھی۔ اس نے فٹ نیمل سے اسکا نمبر مانگا اور کال ملادی۔ وہ بہت پریشان بوکھلائی ہوئی تھی۔ مراد یہاں تھا نہیں جو اسے کچھ تسلی ہوتی۔ پولیس پتا نہیں کب ان دونوں کو ڈھونڈتی اس سے مزید انتظار نہیں ہو سکا۔

بیل جارہی تھی، وہ مسلسل پیر ہلا رہی تھی۔

میران میٹنگ سے فارغ ہوا تھا۔ بلوٹوتھ ائیر پیس اس نے کان میں لگایا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر وہاب بابا کی رپورٹس میں کچھ بہتری آئی؟" وہ آفس لابی سے نکل کر ریسپشن کے پاس سے گزرتا باہر کی طرف جارہا تھا۔

"اچھا.. میں فزیو تھراپسٹ چینج کرنا چاہتا ہوں، میرا دل اس والے سے مطمئن نہیں ہو رہا۔ آپ کوئی اچھا اور قابل فزیو تھراپسٹ سجیسٹ کر دیں۔" ڈاکٹر وہاب کا جواب سن کر آستین کہنی تک فولڈ کرتے ہوئے وہ بولا۔

چلتے چلتے وہ پارکنگ میں گاڑی تک آگیا تھا۔

چند منٹ کے وقفے کے بعد ڈاکٹر وہاب کی بات سن کر اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

"ہاں کہو عبدل، بات ہوئی تمھاری آرکیٹکچر سے؟" ائیر پیس کان پہ درست کرتے نیلے آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر میران نے پوچھا۔

وہ اپنی ماں گل کے نام سے فلاحی اسپتال بنوانے جا رہا تھا۔ جہاں مریضوں کو مفت علاج کا ریلیف ملتا، خاص کر کینسر کے مریضوں کیلئے وہ یہ اسپتال بنوانے لگا تھا۔ اور یہ بہت بڑا پروجیکٹ بننے جا رہا تھا۔

مقابل عبدل نے اسے تسلی بخش جواب دیا۔ میران نے سر ہلا کے آنکھوں پہ چشمہ چڑھا لیا۔

"ہاں تم یہ معاملہ ڈیل کر لینا، اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو بتانا پھر میں خود دیکھ لونگا۔" بات ختم کرتے ہوئے اس نے ائیر پیس کان سے ہٹا دیا۔

وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا کہ عزیز نے دروازہ کھولتے ہوئے فون اسکی جانب بڑھایا۔ میران نے سیدھا کان سے لگا لیا۔

چوتھی بیل پہ کال ریسیو ہوتے ہی انوش کی دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔ مقابل نے سرسری سا سوال کیا۔

"مم میں انوش بات کر رہی ہوں رومائزہ کی دوست۔ آپ میران جاہ ہی ہیں نا؟" ایک بار اس نے کنفرم کرنا چاہا۔ کوئی لڑکی تھی اسکی بوکھلاہٹ بھانپ کر میران ٹھٹھک گیا۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔

"ہاں میں میران جاہ ہوں۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گیا بھنویں سمٹ کر ماتھے کے درمیان میں آگئیں۔ عزیز نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"مجھے آپکی ہیلپ چاہیے۔ وہ عائشے اور رر رومائزہ کو ارغن نامی شخص نے اغوا کرلیا ہے۔ مراد بھائی کراچی گئے ہوئے ہیں۔ سب انکو ڈھونڈ رہے ہیں پر کچھ پتا نہیں چل رہا۔ آپ پلیز مدد کردیں۔"

انوش آواز رندھ سی گئی، آنسو بہہ نکلے۔ حلق میں گھٹلی ابھر آئی۔ میران نے حیرت سے فون کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے تفصیل سے بتاؤ۔ کتنی دیر ہوگئی اس واقعے کو؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔ انوش نے ساری روداد ار گوش گزار کردی۔

"پریشان مت ہو انشاء اللہ وہ دونوں سہی سلامت مل جائیں گی۔" میران نے اسے تسلی دے کر فون کاٹ دیا۔

"کیا ہوا سائیں؟"

"تمھاری میڈم عالمی ریکارڈ بنا رہی ہیں اغوا ہونے کا۔" میران نے بٹن لوز کرکے بمشکل سانس لی۔

"کیا؟"عزیز کے سر سے اسکی بات گزری۔

"رومائزہ اور عائشے اغوا ہو گئی ہیں۔"بھاری دل سے اس نے بتایا۔عزیز نے بڑی آنکھوں سے بیک مرر کے پار اسے دیکھا۔میران کے چہرے پہ خون واضح چھلک رہا تھا۔

"لوکیشن ٹریس کرواور میں جہاں کا ایڈریس بتا رہا ہوں وہاں کی سی سی ٹی وی فوٹیج نکلواؤ۔"

وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔رومائزہ کو پہلے ہی کھو چکا تھا پر اسکے آنچل پہ ایک بھی تکلیف اسے برداشت کہاں تھی۔سختی سے اس نے جبڑے بھینچ کے مٹھی گھٹنے پہ ماری۔

"میں تمھیں جان سے ماردونگا ارغن اگر تم نے ان دونوں کو تکلیف پہنچائی۔"اشتعال پہ جبر کرتے اس نے لب پیوست کر لیے۔

عائشے مسلسل پھڑ پھڑا رہی تھی۔ایک غنڈے نے رومائزہ کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔اس نے میچ کر آنکھیں کھولیں۔کوئی خاک ہوتی فیکٹری لگ رہی تھی جس کے بیچ و بیچ ان دونوں کو لا کر پھینک دیا گیا تھا۔

وہ غنڈہ وہاں سے چلا گیا وہ دونوں اکیلی تھیں۔

"روما تم ٹھیک ہو؟" عائشے کے بھی ہاتھ باندھ دیے گئے تھے، روما نے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہونے کے باعث سر ہلایا۔ رومائزہ خوب ہل جل کر کمر کے پیچھے باندھے گئے رسیوں سے ہاتھ نکالنے کی جستجو میں لگی تھی۔

"میری وجہ سے تم بھی اس حال کو پہنچ گئی۔ آئی ایم سو سوری۔" عائشے روتے ہوئے بولی۔ رومائزپ نے غصے سے اسے دیکھ کر ارد گرد دیکھا۔ فاصلے پہ ایک بلیڈ پڑا تھا۔

اس نے سوچ کر اپنا وجود اسکے پاس گھسیٹا اور خود کو تھوڑا سا گھما کر بلیڈ انگلیوں میں دبوچ لیا اور واپس جگہ پہ آگئی۔ ٹانگوں کی مدد سے وہ منہ سے کپڑا نکالنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"بس ایک بار کھل جائیں ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ رونا دھونا پلیز بند کرو مجھے غصہ آرہا ہے تمھیں روتے دیکھ کر۔" اس نے خاموشی سے دبی دبی سرگوشی کی۔ عائشے کو جہاں اسکی پہلی کچھ تسلی ہوئی آگے کی ڈانٹ سن کر اس نے سہمے ہوئے بچے کی طرح سر ہلایا۔

رومائزہ بلیڈ کی مدد سے رسی کاٹ رہی تھی۔ دس منٹ بعد وہ رسی کاٹنے میں کامیاب ہوگئی جلدی سے رسی دور پھینک کر عائشے کی طرف بڑھی اور اسکے ہاتھوں سے رسی کھولنی شروع کردی۔

اچانک گن فائر ہوا تو وہ دونوں ہی سہم کر اچھل گئیں۔

"ہاں کرلو کوشش بھاگنے کی پر میری اجازت کے بغیر تم ایک قدم باہر تک نہیں نکال سکتی ہو جاناں۔" ارغن اپنی منحوس شکل لیے نازل ہو گیا تھا۔ گن اس نے پینٹ میں ٹکالی۔ رومائزہ نے اسے اکیلے پایا تو لکڑی کا تختہ اٹھا کے اسکے سر پہ مار دیا اور عائشے کو لے کر بھاگنے لگی۔ وہ پیچھے بلبلا اٹھا تھا۔

"اے روکو اسے۔" وہ چلایا اس کے آدمی نا جانے کہاں سے نکل آئے اور ان دونوں لڑکیوں کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔

رومائزہ رکی نہیں آگے بڑھ کے ایک کو دھکا دیا۔ اور واپس الجھ بیٹھی تھی۔ جتنا ہو سکا تھا اس نے داؤ پیچ مارے تھے۔ پر بدلے میں اسے کئی زخم مل چکے تھے۔ عائشے بار بار چلا رہی تھی۔ ارغم تھوڑا سنبھالا تو تیش کے عالم میں عائشے کی جانب لپکا۔

"تجھے تو میں نہیں چھوڑ نگا۔" عائشے کو اسکی انگلیاں جسم میں دھنستی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"عائشے پنچ ہم!" رومائزہ ارغن کو اسکے قریب دیکھ اشتعال سے دھاڑی پر عائشے میں ہمت نہیں ہو سکی۔

"عائشے خدا کے لیے کچھ کرو، اٹھا کے مارو۔" رومائزہ نے نیچے پڑے بلیڈ کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔ ارغن نے جان کر گرفت ڈھیلی چھوڑ دی۔ عائشے نے جلدی سے اٹھا کر بلیڈ ارغن کے گلے پہ گھونپنا چاہا اس نے عائشے کا ہاتھ مڑوڑ کے پیچھے کر دیا۔

"دے دی نا میرے اندر کے حیوان کو ہوا۔ کون بچائے گا تمھیں اب اے ایس پی کی بیوی!" ار غن خباثت بھری نگاہ عائشے کے جسم پہ ڈال کر اسے کھینچتا ہوا اندر کی طرف لے جانے لگا۔

"اسکے بعد تمھاری باری۔ آج تو جلسہ ہو گا۔" اسکا مکروغلیظ قہقہہ فیکٹری میں گونجا۔ عائشے روتے پیٹتے ہوئے خود کو چھڑانے کی سعی کرتی گئی۔ عائشے کو تڑپتے گڑگڑاتے اور ار غن کے ساتھ زبردستی لے جانے پہ رومائزہ کی روح فنا ہونے لگی۔

"ار غن عائشے کو چھوڑ دو۔ اللہ کے واسطے چھوڑ دو۔" رومائزہ دم بخود سی ہزیانی سی کیفیت میں چلائی۔ اور ان غنڈوں پہ جھپٹ پڑی۔ آنسوؤں سے متواتر چہرہ تھا، وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھی۔

اس نے ایک غنڈے کے سینے پہ زور سے لات ماری پیچھے سے دوسرے نے اسے بالوں سے گھسیٹ کر قابو میں کیا۔ رومائزہ بری طرح درد کی شدت سے چیخی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے لگا۔

"اللہ تعالیٰ پلیز سیو اس.." آنسو لڑی کی صورت میں اسکی آنکھوں سے بہہ گئے۔

اب وہ صرف چار پانچ نہیں تھے، غنڈے کافی سارے تھے اور شاید فیکٹری میں اور دوسری جگہوں پر بھی موجود تھے اور باہر بھی پہرے دار تھے۔

رومائزہ نے بال چھڑانے کے لیے سر پہ اپنا ہاتھ بھی رکھا۔ اشک بہہ رہے تھے۔ وہ بس رب کو پکار رہی تھی کہ انھیں بچالے۔ اندر سے عائشے کے چیخنے چلانے کی آوازیں اسکا جسم سرد کر گئیں۔

" میرے پاس مت آؤ۔ جانے دو مجھے۔" عائشے کو پتا نہیں تھا اسکا دوپٹہ آخر کہاں گر چکا تھا۔ وہ دیوار میں دھنستے ہوئے اپنی عزت کی خاطر چلا رہی تھی۔

ارغن غلیظ نظریں اسکے سراپے پہ ڈال کر کرسی پیر سے ٹھکرا کر اسکے قریب چلا آیا۔

"اللہ میری عزت پامال ہونے سے بچالے۔ مجھ میں پھر اس اذیت سے گزرنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"مراد مجھے آکر لے جائیں۔ میں مر جاؤ نگی۔ اپنی عائشے کو بچانے آجائیں... مراد۔" وہ شدت سے دل میں اسے یاد کرنے لگی۔ ارغن نے آکے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا عائشے نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ اور اللہ کو پکارتی گئی۔

عائشے کی آواز بند ہونے پر رومائزہ پہ سکتہ طاری ہوا۔ اس نے بالوں کی پرواہ کیے بغیر ایک جست میں اس غنڈے کو لات ماری کے وہ تڑپ کے پیچھے ہٹا۔

ایک ہٹتا تو دوسرا مکرو مسکراہٹ کے ساتھ اسکے سامنے آجاتا۔ جیسے اسکے ساتھ وہ لوگ کھیل رہے ہوں۔

اچانک ہی باہر گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔

اندر غنڈوں کے درمیان گولیوں کی آواز پہ کھلبلی مچ گئی۔وہ سارے الرٹ ہو گئے اور رومائزہ کا منہ دبوچ کر اس پہ ہاتھ رکھ دیا۔اندر سکوت سا چھایا ہوا تھا۔

رومائزہ کی سانسیں مدھم پڑتی گئیں۔وہ نڈھال ہو گئی تھی۔گاڑیوں کے تیزی سے رکنے اور پہیوں کے بری طرح چرچرانے کی آواز پہ اسکا دل لرز کر رہ گیا۔

کچھ لوگ گاڑیوں سے اتر کے اندر کی طرف بڑھے تھے۔

"کسی کو مت چھوڑنا۔جسم سے جان نکال لینا۔"میران نے گاڑی سے اتر کے دھاڑتے ہوئے حکم دیا۔اسکی پوری فوج بندوق ہتھیاروں سے لیس باہر کے غنڈوں کو نشانہ بنانے کے بعد اندر گھسی تھی۔

دھاڑ کی آواز پہ دروازہ کھلا۔سیکورٹی کے لوگ فائرنگ کرتے ہوئے اندر گھسے۔رومائزہ کی آنکھیں پھیل گئی۔اندر موجود غنڈوں نے بھی بندوق نکال کر فائر کھول دیا۔اس کے اردگرد تو بس گولیاں چلنے کی آواز گونج رہی تھی۔کچھ لاشیں سیدھا زمین بوس ہوتا دیکھ اس کی روح فنا ہوئی۔رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔

اس نے اپنا آپ آزاد کروایا اور بھاگنے کی جست میں غنڈے کے پاس سے نکل کر پلر کی اوٹ سے باہر نکلی تھی کہ پیچھے کسی نے لکڑی کا دستہ کھینچ کر اسکے کندھے پہ مار دیا۔

وہ اس حملے کیلیئے ہر گز تیار نہیں تھی خود کو سنبھال نہ سکی اور منہ کے بل سیدھا آگے کو گرنے والی ہو گئی۔ عین وقت کسی کا سہارا اسے ملا تھا۔ اس نے اس شخص کا بازو سختی سے تھام لیا۔ درد کی شدت کندھے میں بڑھنے لگی آنکھیں میچ کر سسکی کے ساتھ اس نے سر اسکے کندھے پہ رکھ دیا۔

وہ ساکن رہ گیا تھا۔ رومائزہ نے آہستہ سے سر اٹھایا تو آنکھیں سکتہ کر رہ گئیں۔ روما مزید مضبوطی سے اسکا بازو تھام کر قریب ہو گئی۔ اسکی آنکھوں میں آنسو اور زخمی چہرہ دیکھ میران انگاروں پہ لوٹ گیا۔ دل کی بے ہنگم دھڑکنوں کو سنبھال کر روما کو خود سے لگا کر اس نے آہستہ سے اسکے بال سہلائے۔ وہ اسکے کندھے پہ سر رکھے تیز تیز سانسیں لے رہی تھی۔ دل جیسے باہر نکلنے کو آیا تھا۔

یہ سب حالات کے زیر ہو رہا تھا وہ خود پہ جبر کر ہی نہ سکا۔ رومائزہ کی بکھری حالت میران سے چھپی تھوڑی تھی وہ اسے دور خود سے کر ہی نہیں پایا۔ اسکی دھڑکنیں روما نے قریب سے سنی تھیں۔ میران کے اندر کا ابلتا لاوا رومائزہ کی قربت کے احساس سے کچھ مدھم پڑا۔

"مم میران عائشے کو بچالو پلیز... وہ اندر ہے ارغن کے"..

اس نے روتے ہوئے اشارہ کیا۔ میران کے اشارہ پہ عزیز اندر بھاگا۔ روما نے اس سے فاصلہ بنایا۔ وہ اسکے چہرے کو دیکھتے گئی فرشتے کی طرح وہ اسکی حفاظت کے لیے آن پہنچتا تھا۔ رومائزہ کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ اس نے

اپنے کندھے پہ تکلیف کے باعث ہاتھ رکھ دیا۔ میران کا چہرہ رومائزہ کا چہرے پہ تھپڑ کے نشان اور ضربوں کو دیکھ دھواں دھواں ہو گیا۔

وہ جبڑے بھینچ کر اس غنڈے کی طرف بڑھا اور اسکے منہ ہی منہ پہ مکے برسا دیے۔ تب تک نہیں چھوڑا جب وہ بری طرح نڈھال نہ ہو گیا۔

رومائزہ ہچکیوں کے ساتھ اس بپھرے شیر کو دیکھ رہی تھی۔

کسی غنڈے نے گن سے میران کا نشانہ لیا۔

"میران.." رومائزہ زور سے چیخی۔

"اللہ کرے تم بھی مر جاؤ میران... تم مر کیوں نہیں جاتے... نفرت ہے مجھے تم سے... خوشیوں کے قاتل ہو تم..." اپنے کہے زہر خندہ الفاظ رومائزہ کے ذہن میں گھومنے لگے۔

نہیں وہ نہیں مر سکتا تھا۔ اسے اسکے لفظوں نے جھنجھوڑ ڈالا۔

میران اسکی چیخ سن کر جب تک پلٹا تو گولی چل گئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے رومائزہ کو دیکھا، اس کے ہاتھ میں گن تھی اور وہ بدحواس سی کھڑی تھی۔ روما نے نیچے پڑی کسی غنڈے کی گن اٹھا کر دوسرے شخص کے ہاتھ کی طرف فائر کر دیا تھا۔

میران نے معاملہ سمجھا۔رومائزہ نے کرنٹ کھا کر گن نیچے پھینک دی۔میران قدرے حیرانی سے اسے دیکھا گیا۔رومائزہ نے اسکی جان بچائی تھی؟اپنے خیالات کو جھٹکا۔

اردگرد گولیوں کی بوچھاڑ کم ہوگئی۔میران کی سیکورٹی نے حالات پہ قابو پالیا تھا۔وہ سب غنڈے زخمی ہوچکے تھے۔لگ رہا تھا ارغن نے پوری غنڈوں کی فوج جما کر رکھی ہو۔

میران نے رومائزہ کی طرف بڑھ کے اسکا دوپٹے کے بغیر وجود پہ اپنی گلے میں موجود چادر اتار کے کھول کے اسکے شانوں کے گرد پھیلادی۔رومائزہ کی آنکھوں سے من بھر آنسو بہہ نکلے چادر کے کونے اس نے مٹھی میں جکڑ لیے۔میران نظریں جمائے اسے دیکھتا رہا۔عائشے کے پاس جانے کے لیے قدم اٹھانے لگی تو اسکے پیر لڑکھڑائے۔میران نے پیچھے سے اسکے ہاتھ تھام لیے۔میران کے ہاتھوں کی گرمائش اسکے اندر اتری تھی۔کہنے کو بہت کچھ تھا پر وہ کہہ نہیں سکی۔اس سے نظریں نہیں ملا سکی۔

معافی مانگنی تھی نہیں مانگ سکی۔میران اسکے بدلے روپے پہ بڑا حیران تھا۔اس نے آج جھٹکا نہیں دور نہیں ہوئی۔بلکہ اسکے قریب خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔

اس کو کہاں معلوم تھا کہ وہ سچ پہ یقین کرچکی ہے۔۔مہران نے نگاہیں ہٹالیں۔وہ مزید اسے دیکھتا تو دور جانا مشکل ہوجاتا۔

پولیس کے سائرن کی آواز باہر گونجی۔

"جب سب ہو گیا میاں جی آپ آرہے ہیں۔" عبدل نے گن پیچھے کرتے ہوئے ماحول کی سنجیدگی کم کرتے ہوئے مزاحیہ طور پہ کہا۔

پولیس کے ساتھ سفیر بھی اندر بڑھا تھا۔ پہلے تو وہ منظر دیکھ کر پریشان ہوا۔ غنڈوں کی بچھی لاشیں بہت کچھ سگنلز دے رہی تھیں۔

سفیر رومائزہ کی پشت دیکھ کر پاس آیا تو رک سا گیا رومائزہ کا ہاتھ میران کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بہت مضبوطی سے تھاما ہوا تھا جیسے چھوڑنا نہیں چاہتی ہو۔

باہر کے شور سے بے خبر ارغن عائشے کے چہرے پہ جھکنے لگا تھا کہ پیچھے کسی نے دروازہ کھول کر گن کا فائر کھول دیا تھا۔ ارغن کو اپنے پیر پہ گرم سلگتی ہوئی راڈ گھستے ہوئے محسوس ہوئی وہ فرش پہ تڑپ کے مارے گر گیا۔

عائشے چیخ مار کے اس دیوار سے دور ہٹی۔ اور خوب ہزیانی پن سے روتی چلی گئی۔ عزیز کو دیکھ کر اسکی سانس میں سانس آئی تھی۔ اللہ نے اسے رسوا ہونے سے بچالیا تھا۔

عزیز نے جا کے ارغن کو بری طرح پیٹ دیا۔

پھر اٹھ کے عائشے کے پاس آیا۔ چہرہ جھکائے رکھا اور اپنا کوٹ اتار کے اسکی طرف بڑھایا۔ عائشے نے خاموشی سے گہری سانسیں لیتے ہوئے کوٹ تھام کر خود کو اس سے کوور کرلیا اور عزیز کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ روتی ہوئی باہر نکلی تھی۔

رب کا شکر تھا جس نے اسکو رسوا ہونے سے بچالیا تھا۔

باہر آئی تو عجیب سی اسٹوپچین کا سامنا کیا۔

سفیر سامنے کھڑا تھا میران اور رومائزہ ایک دوسرے کے بے حد قریب کھڑے تھے۔ اس نے کچھ نہیں دیکھا صرف رومائزہ کی آنکھیں دیکھیں۔ جن میں الگ قسم کی آگ لگی تھی، عجیب سی شدت تھی۔ عائشے دہل کے رہ گئی اور اپنی بدحواسی بھول بیٹھی۔ نظروں میں حسرت محبت پچھتاوا سب تھا۔

رومائزہ یک ٹک میران کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اس بار بھی اسے بچانے کیلئے آگیا ہے۔ سر میں ٹھیس سے اٹھی اسکا سر میران کے بازو سے ٹکرایا۔ رومائزہ نے ٹکادیا جیسے کسی پلر کا سہارا لیا ہو، وہ شدت برداشت نہیں کرپائی تھی۔ اسکے بال بری طرح سے جو کھینچے گئے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ میران اسکے اقدام پہ منجمد رہ گیا۔

آہستہ سے رومائزہ نے سر اٹھایا۔ مشکور نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ اب اسکی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ بھیگا بھنور کہیں اسے ڈبا ہی نہ لے جاتا۔

کیا خبر تھی تری آنکھوں میں بھی دل ڈوبے گا میں تو سمجھا تھا کہ پڑتے ہیں بھنور پانی میں

پھر عائشے کو آتے دیکھ رومائزہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی اور اسکی طرف لپک کے اسے خود میں بھینچ لیا۔دونوں نے ایک دوسرے کے کندھے پہ خوب آنسو بہائے۔

"عائشے تم ٹھیک ہونا؟"اس نے عائشے کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔عائشے اسے آج بچی ہی لگی تھی جسے ہر چیز کی ہدایت کرنی پڑتی ہو۔وہ بری طرح ڈر چکی تھی اپنے حواس قابو میں کر ہی نہ سکی۔

"میں ٹھیک ہوں پر روما تمھیں بہت چوٹیں آئی ہیں۔اللہ ارغن کو جہنم کے آخری کونے ڈالے۔"وہ نفرت سے کہتی رومائزہ کے پھٹے ہونٹ کو دیکھنے لگی۔

جب وہ پلٹی تو سفیر کو کھڑے پایا۔

"شکر تم سلامت ہو۔سب کی جان نکل رہی تھی۔"

سفیر اسکی طرف بڑھا اور اسے سہارا دیا۔میران جو اسے دیکھ رہا تھا نظروں کا زاویہ بدل لیا۔عائشے نے میران کی تڑپ دیکھی تھی۔اسے وحشت سی محسوس ہوئی۔برا لگا تھا۔

وہ میران کی طرف قدم اٹھا کر پاس آئی۔

"شکریہ۔ آپ نہیں آتے تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔" کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اس نے تشکر بھرے انداز میں کہا۔ پہلی بار وہ اچھے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ میران نے بمشکل مسکرا کر اسکا دل رکھا۔ وہ پھر رومائزہ کے پاس آگئی۔

"ڈی ایس پی صاحب آپکا بھی شکریہ۔" سفیر نے ڈی اے ایس پی سے مصافحہ کیا۔

رومائزہ کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے ساتھ لے کر چلنے لگا۔ عائشے تو ٹھیک تھی پر رومائزہ کو کافی زخم آئے تھے۔ میران نے اسے جاتے ہوئے دیکھا نظر سفیر اور اسکے ہاتھ پہ گئی۔ وہیں ٹھہر سی گئی، کمال طریقے سے اس نے دل کو سنبھالا جو اندر ہی اندر گویا رو رہا تھا۔ ماتم کا سماں ہو گیا۔

رومائزہ نے پلٹ کر میران کو دیکھا۔ بیک وقت دونوں کی نگاہوں کا آپس میں تصادم ہوا، پھر سر جھکا کے بھاری دل سے سفیر کے ساتھ عائشے کے ہم قدم فیکٹری سے باہر نکل گئی۔ لگ رہا تھا آج دل میران کے حوالے کر آئی ہے۔ کیونکہ اندر اب صرف ویرانی بچی تھی۔

میران نے چہرہ پھیر کے سرخ آنکھوں میں جمع ہوا پانی صاف کیا۔

"میران صاحب آپکو کیسے اسکے ٹھکانے کا علم ہوا؟" ڈی ایس پی صاحب کو اچھنبا ہوا۔ عبدل اندر جا کے ارغن کو گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا تھا اور اسے پولیس کے حوالے کر دیا۔

"میر الیفٹ ہینڈ بہت کام کا آدمی ہے۔" اس نے عزیز کی طرف اشارہ کیا۔ تو وہ مسکرا دیا۔

ہوا یوں تھا کہ وہ ساری سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھ چکے تھے۔ پر اس سے انکے ٹھکانے کا پتا نہیں مل رہا تھا۔ کمیشنر تک سے میران نے رابطہ کیا۔

اسے ان سے معلوم ہوا کہ ارغن کسی فیکٹری میں چھپا ہے اور پولیس اسی کی تلاش میں ہے۔ عزیز لاہور کی ہر فیکٹری سے واقف تھا۔ اسکو فیکٹری کا پتہ لگانے میں دیر نہیں لگی اور بر وقت وہ وہاں پہنچ گیا۔

ڈی ایس پی سے الوداعی کلمات کہتا اپنے بال درست کر کے وہ فیکٹری سے باہر نکل آیا۔

"سائیں ماننا پڑے گا میڈم نے آپکو گولی لگنے سے بچایا ہے۔"

عبدل نے قدرے حیرانی سے کہا تو عزیز کو بھی حیرت ہوئی۔ میران خاموشی سے بات نظر انداز کر کے گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ جیسے کسی قسم کی کوئی بات اس حوالے سے کرنا ہی نہیں چاہتا ہو،

آنکھوں میں سے سفیر کے ہاتھ میں اسکا ہاتھ جا نہیں رہا تھا۔ یعنی اس نے ہر صورت سفیر کو چننا تھا۔ ضبط سے اس نے آنکھیں موند کر گردن پیچھے ٹکالی۔

عزیز اور عبدل گاڑی میں بیٹھے گئے۔ عبدل نے ساؤنڈ سسٹم کھل دیا اور اس میں غزلیں لگا دیں جو سہی میں میران کی کیفیت کی عکاسی کر رہی تھیں۔

سفیر نے راستے میں ہی سب کو ان دونوں کے مل جانے کی خوشخبری سنادی تھی اور وہ انھیں گھر ہی لارہا تھا۔ عائشے رومائزہ کے ساتھ پہلے شنواری ہاوس ہی گئی تھی۔

جب وہ اندر داخل ہوئی تو انوش اور بتول ان دونوں سے سے لپٹ گئیں۔ غضنفر نے بھی رب کا شکر ادا کیا۔

لاؤنج میں ہی سب بیٹھے تھے۔ انوش رومائزہ کے زخموں پر کریم لگارہی تھی۔ سر پہ کھروچ آئی تھی اس نے وہاں سنی پلاسٹک لگادی۔ ہاتھوں اور پیروں پہ کئی جگہ مزید کھروچیں آئی تھیں۔

"رومائزہ اگر تم بہتر فیل نہیں کررہی تو ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" سفیر متفکر سا اسکے برابر میں بیٹھا ہوا بولا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں پریشانی کی بات نہیں۔ بس سر اور کندھا دکھ رہا ہے۔ پین کلر لے کر سو جاؤنگی تو بہتر رہے گا۔"

وہ طمانیت سے بولی اسکا چہرہ بجھا بجھا محسوس ہورہا تھا۔

عائشے نے تو آکر سب کو بتادیا تھا کہ میران جاہ نے انھیں ڈھونڈ لیا تھا۔ انوش نے اسکے کان میں سرگوشی کی تھی کہ اس نے ہی میران کو تم دونوں کے اغوا ہونے ہی خبر پہنچائی ہے۔ عائشے نے آنکھیں چھوٹی کرکے اسے دیکھا تھا۔ غضنفر اور بتول خاموش سے ہوگئے۔

"مجھے بھی اگر رومائزہ کی طرف لڑنا آتا ہوتا تو وہ ہم کو اٹھا کر لے جا بھی نہیں سکتے تھے۔ اتنی اچھے سے یہ مار دھاڑ کرتی ہے میرا تو کلیجہ باہر نکلنے کو تھا۔" عائشے نے رشک بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں تم دونوں کو اسی لیے کہتی تھی سیلف ڈیفنس لازمی آنا چاہیے مجھ سے ہی سیکھ لو، پر تم دونوں کو تو لیکچر دینے سے فرصت نہیں ملتی تھی.." وہ تپی ہوئی معلوم ہوئی۔ عائشے کی بے وقوفی پر غصہ آرہا تھا۔

بتول نے رومائزہ کے زخمی سراپے پہ نگاہ ڈالی پھر کچھ سوچا۔

"بیٹا پرسو آپکا نکاح ہے، اگر بہتر فیل نہیں کر رہی ہو تو ہم تاریخ آگے بڑھا دینگے۔" بتول کے پوچھنے پہ عائشے نے سانس کھینچ کر رومائزہ کو دیکھا۔

"میں بلکل ٹھیک ہوں، نکاح مقرر تاریخ پر ہی ہو گا۔ نکاح ہی تو کرنا ہے کونسا جنگ لڑنی ہے۔" رومائزہ ہلکے پھلکے انداز میں بات سنبھال کر بولی۔ مہاز بھی طے کرنا تھا، اور ایک جنگ خود کے اندر چھڑی تھی اسکا سامنا بھی کرنا تھا۔

"جیسے تم خوش، اب بس اب آرام کرو میں تمھارے لیے کچھ ہلکا پھلکا بناتی ہوں۔" بتول ہدایت کرتی کچن میں چلی گئیں۔ اور غضنفر سفیر کو لے کر باہر لان میں آگئے۔

اب وہ لوگ واپس آگئی تھیں تو سب کو سکون سا ہو گیا تھا۔ دمیر فیملی گھر پہ عائشے کی منتظر تھی۔ عائشے کے امی بابا بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔

وہ تینوں لاؤنج میں اب اکیلی تھیں۔ عائشے اسکے پاس آکر بیٹھ گئی۔ رومائزہ کے چہرے کے بال پیچھے کیے۔ رومائزہ غیر مرئی نقطے کو گھورنے میں مصروف تھی۔

"تم اب بھی نکاح کرو گی سفیر سے؟" عائشے کے انداز پہ انوش اور رومائزہ دونوں چونک گئیں۔

"کیا ہو گیا ہے عائشے؟"

"تم بتاؤ تم کیا چاہتی ہو اور کر کیا رہی ہو، انوش میران کو دیکھ کر جو اسکی آنکھوں میں شدت تھی نہ وہ کوئی عام زوایہ نہیں تھا۔" عائشے برہمی سے گویا ہوئی۔ انوش نے اچھنبے سے رومائزہ کی نگاہوں میں دیکھا۔

"میں تمھیں کل فون پہ کہہ رہی تھی نا کہ یہ محبت کرتی ہے اس سے، ہم میں سے کسی نے دھیان نہیں دیا پر اس نے اس رات کئی بار واضح کیا تھا کہ اسے میران سے محبت ہو گئی تھی۔"

انوش بھی دوبدو بولی۔ روما نے نچلا لب دبا کر دونوں کو نظر انداز سا کیا۔

"روما بہت ہو گیا ہے۔ تم اس رشتے سے خوش ہو بھی کہ نہیں؟ یا مدر ٹریسا بن کے قربانی دینے چلی ہو۔ دیکھو جھوٹ مت بولنا تمھیں میران سے محبت نہیں۔ تمھارا چہرہ ہر چیز کا جواب دے رہا ہے۔"

سچ جاننے کے بعد عائشے کا میران کی جانب سے دل صاف ہو چکا تھا۔ اور انوش کو تو پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ سچ ہی کہہ رہا ہے۔

وہ میران کی حمایت نہیں کر رہی تھی وہ بس رومائزہ کی خوشی چاہتی تھیں۔

"لڑکیوں کا نکاح ہوتا ہے وہ بہت خوش دکھائی دیتی ہیں۔ اور یہاں تمھارے نکاح کی بات پر تمھارے چہرے کی ساری رمق اڑ جاتی ہے۔ ایک دم مرجھا جاتی ہو۔"

انوش نے اسکا بازو دبوچ کر کہا۔

"تو کیا کروں ہاں؟ پیچھے ہٹ جاؤں؟ اپنی بات سے مکر جاؤں۔ سفیر کو کمٹمنٹ کی ہے کہ نکاح کرونگی تو بس انھی سے کرونگی۔ تائی امی کتنی خوش ہیں میرے ایک فیصلے سے انکے دل پہ کیا اثر ہو گا؟

اور سفیر؟ انکے ساتھ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ جو بھی ہو انھوں نے میری خاطر بہت کچھ کیا ہے۔ وہ مجھے میری خوشی کی خاطر اپنانا چاہتے تھے اب پیچھے ہٹ کر انکا دل بھی توڑ روں؟" دبے دبے لہجے میں اس نے غصے سے کہا۔

"سب کے دل کی پرواہ ہے سوائے اپنے! تم کیا چاہتی ہو اسے مارو گولی بس سب کا دل رکھتی رہو! اور میران نے تمھارے لیے کچھ نہیں کیا؟ میں اسکی آج حمایت کر رہی ہوں کیونکہ آج سب اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی

ہوں۔ موقع تھا تم ان سے معافی مانگ لیتیں سارے شکوے ختم ہو جاتے۔ وہ شخص تمھارے لیے اتنی تڑپ رکھتا ہے مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تمھاری حالت دیکھ کر انکی آنکھوں میں جنون اترا ہوا تھا۔

تم ایک قدم بڑھاتی وہ دس قدم تمھاری طرف بڑھا دیتے۔" عائشے کے بدلے تیور پہ رومائزہ نے سر تھام لیا۔

"تم لوگ مجھے الجھاؤ مت، میرا فیصلہ نہیں بدلنے والا۔ میں مزید کسی کا دل نہیں توڑونگی۔ سفیر کو نہیں دیکھا بات بات پہ میرے لیے پریشان ہو جاتے ہیں! کیوں ہوتے ہونگے اندازہ ہے؟" وہ خود کو ٹھنڈا کر کے بولی۔ انوش نے صبر کا گھونٹ پیا۔

"عائشے سن رہی ہو۔ سفیر کے دل کی فکر ہے پر میران کا دل؟ ہاں وہ تو توڑنے کے لیے بنا ہے بس۔ اور خود بے شک نہ خوش رہوں پر شادی سفیر سے کرونگی۔ میران سے بڑھ کے سفیر کو تم سے عشق ہو گیا ہو گا کیا؟" انوش خود پہ مزید قابو نہیں رکھ سکی۔ بپھر کے بولی۔ رومائزہ کا انداز سرد ہو گیا۔

"میں خود کو میران کی مجرم سمجھتی ہوں، ہمت نہیں ہوتی کہ اس سے معافی مانگ لوں۔ اس نے آج بھی اپنی محبت ثابت کر دی۔ اسکی مضطرب آنکھیں ابھی بھی آنکھوں کے گرد گھوم رہی ہیں۔ میں اسکی زندگی میں صرف مصیبتیں ہی لاؤنگی۔ وہ کوئی عام شخص نہیں اسے مجھ سے بہتر کوئی اور مل جائیگی کیونکہ میں اسکے قابل ہی نہیں۔" وہ سرد مہری اندر اتار کے بولی۔ انوش نے عائشے کو دیکھا۔

"تم؟ میران کے بغیر خوش رہ لوگی اسکی محبت تمھیں سکون سے جینے دیگی؟ محبت تو تمھیں بھی اس سے ہے؟ جب ہی تم اتنا تڑپتی تھیں!" انوش بلائے طاق بولی۔

"ہاں ہے، کرتی ہوں اس سے محبت،،، اس کے ہر روپ نے مجھے مجبور کر دیا تھا محبت کرنے پر۔" وہ دبی آواز میں چیخی۔ عائشے نے ہاتھ صوفے پہ جما دیے۔

"تو میری جان یہی تو سوچو کیسے خوش رہو گی؟ سفیر تمھیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں اسی لیے شادی کی پیش کش کی اور کچھ نہیں۔ تم خود کہتی تھیں وہ ہمدردی میں آکر کر شادی کر رہے۔" انوش نے اسے سمجھانا چاہا پر وہ دل و دماغ پہ تالے لگا چکی تھی۔

"تو میرے ساتھ انکی اچھائی کا یہ صلہ دوں؟ اسٹیپ بیک ڈاؤن!" رومائزہ نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ انوش بے بسی سے خاموش ہوگئی۔ عائشے نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ پتھر سے سر پھوڑ رہی ہیں۔

"ٹھیک ہے میں سفیر کو بتاؤنگی تمھارے دل میں میران کی محبت اب بھی ہے، پھر انکا فیصلہ ہو گا بس!" انوش دو ٹوک بولی۔

"کیوں مجھے انکی نظر میں گرانا چاہتی ہو؟ میں اپنی زبان سے نہیں پھرونگی۔ سب خوش ہیں تو میں بھی خوش ہو جاؤنگی۔ خبر دار تم دونوں نے کچھ الٹا سیدھا کیا تو بہت برا ہو گا"!

"اچھا ٹھیک ہے جیسا تم چاہو۔"

اسکی دھمکی سن کے عائشے نے اسے ٹھنڈا کرتے کہا... "اس چہرے کو ہم بس خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ چاہے وہ سفیر کے ساتھ ہو یا میران۔ مجھے تمھاری خوشی میران میں لگتی ہے۔ اسے دیکھ کر تمھاری آنکھوں میں رمق آجاتی ہے۔ پر اپنے بارے میں تمھیں زیادہ بہتر معلوم ہو گا۔"

عائشے عاجزی سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔ آگے بڑھ کے اسکے گلے لگی اور کھڑی ہو گئی۔ رومائزہ گنگ بیٹھی رہی۔

"انوش اسکا خیال رکھنا، گھر پہ سب فکر مند ہونگے میں جارہی ہوں۔"

انوش کو تاکید کرتی وہ باہر آگئی۔ سفیر اسے چھوڑنے جارہا تھا۔

انوش رومائزہ کو کمرے میں لے گئی۔ دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ انوش لائٹس آف کر کے باہر آگئی۔ اسکے جاتے ہی رومائزہ کی آنکھوں سے نمی باہر نکلی۔

اپنا دل مار کے وہ بلکل خوش نہیں تھی۔ بس سب ہو رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ ایک طرف خود کو میران کے لائق سمجھتی بھی نہیں اور دوسری طرف اسکی محبت میں سلگ رہی تھی۔ کیسے ختم ہوتی یہ محبت؟ سفیر سے نکاح کر کے؟ کیا واقعی ہو جاتی؟ وہ۔ خوش رہ لے گی؟ یہ سب بھلا پائے گی؟

عائشے کے گھر آنے کے بعد سب کو سکون آیا تھا۔ سب سے مل کر وہ کمرے میں آگئی۔ انعم اسکے پاس تھیں۔ ماں کے آغوش میں خوب آنسو بہائے گئے تھے۔

"امی مجھے بہت افسوس ہے میں نے میران کو بہت غلط سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا، غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ آپ تو دل صاف ہو گیا ہے نا۔" انعم اسکا ماتھا چوم کر بولیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں انکے اور رومائزہ کے لیے کچھ کر نہیں سکتی۔ رومائزہ مانتی ہی نہیں، اور میران خود بھی دوری برت رہے۔ روما غلط کر رہی ہے۔ میں نے دیکھا ہے وہ اس سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ ہر لڑکی کی خواہش ہوتی کوئی اسے بے پناہ چاہے اتنی ہی عزت دے۔"

عائشے نے کہتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ انعم اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہیں۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ اسے مراد کی واپسی کی خبر مل چکی تھی وہ اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

دروازے کی آواز پہ اٹھ بیٹھی۔ مراد نے بیگ ایک طرف رکھا اور اندر آیا۔ چہرہ تھکن آلود تھا۔ سفید پتلون پہ سیاہ شرٹ پہن رکھی جسکے ہالف سلیوز ہونے کی وجہ سے مراد کے آدھے کسرتی بازو نمایاں ہو رہے تھے۔ عائشے کو آنکھوں کے سامنے سلامت دیکھ اس نے رب کا شکر کیا۔

"اسلام و علیکم"..

انعم کو سلام کرتا اندر آیا اور متفکر سا عائشے کے برابر میں بیٹھا۔ انعم عائشے کی خیریت بتا کر کمرے سے نکل گئیں۔ عائشے خاموش تھی، سر جھکائے بیٹھی تھی۔

انعم کے جانے کے بعد مراد نے تڑپ سے عائشے کو خود میں بھینچ لیا۔ عائشے کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا اطمینان سے اس نے مراد کے کندھے پہ سر رکھ دیا۔ مراد اسکی خوشبو محسوس کرنے لگا۔ وہ خوب مراد کی شرٹ آنسوؤں سے بھگو رہی تھی۔

"اتنی دیر کوئی کرتا ہے؟ پتا ہے میں کتنا ڈر گئی تھی۔" مراد کے گرد اس نے گرفت بڑھادی۔ وہ مسکرانے لگا۔

"آگیا ہوں نا آئندہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ ارغن کو تو میں دیکھ لونگا خبیث انسان نے میری بیوی پہ گندی نظر ڈالی، ٹکڑے ٹکڑے ہی ہونگے اسکے۔" عائشے کے بال سہلاتے وہ کہنے لگا۔ عائشے نے سر اٹھایا۔

"پر اے ایس پی مراد کی بیوی کو بھلا وہ نقصان پہنچا سکتا تھا!" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ مراد کی نگاہیں اسکی نوز پن سے ہو کر آنکھوں کے گرد جمع پانی تک گئیں۔

"رومائزہ اور میران بھائی نے مجھے بچایا۔ رومائزہ نے تو بہت کوشش کی ارغن کے آدمیوں نے اسکے ساتھ بہت برا سلوک کیا، وہ پھر بھی ڈری نہیں، میں تو حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔" بچوں کی طرح روتے ہوئے اس نے آخر میں اپنی ناقص حالت کا بتایا۔ مراد نے اسکے آنسو صاف کر کے ماتھا چوما۔

"میری معصوم سی بیوی۔" وہ واپس اسے خود سے لگا گیا۔ عائشے کے لاپتہ ہونے کی خبر سن کے اسے ایک پل چین نہیں آیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ لاہور فوراً نہیں پہنچا تو کہیں پاگل ہی نا ہو جائے۔ ارجنٹ فلائٹ سے وہ دوبارہ لاہور کے لیے روانہ ہوا تھا۔

اس نے جابجا عائشے کے ہاتھ چومے وہ روتے ہوئے اسے دیکھے گئی۔

"اگر آج کچھ غلط ہوتا نا تو میں واقعی مر جاتی۔" مراد کی پیشانی کے ساتھ اس نے اپنا ماتھا ٹکا دیا۔ مراد نے آنکھیں موندلی اسکا چہرہ تھاما۔

"میرے فریمز بھی ٹوٹ گئے اتنے پیار سے میں نے بنوائے تھے۔ کیڑے پڑیں اس ارغن کو۔" نم لہجے میں ارغن کو بد عائیں دیتی وہ بولی۔

مراد کو باہر نیمل بتا چکی تھی عائشے کس لیے گھر سے باہر نکلی تھی۔ مراد کے لبوں پہ تبسم پھیلا۔

"ان فریمز کی کیا اوقات، تم زیادہ اہم ہو۔ شکر ہے سہی سلامت لوٹ آئی ہو۔" اسکا گال تھپک کر مراد نے کہا۔ عائشے نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"بس اب سب ٹھیک ہے تم آرام کرو، مجھے ضروری کام ہے رات تک آجاؤنگا۔" اسے خود سے الگ کر وہ بیڈ سے اتر گیا۔ عائشے تھکن کے مارے لیٹ گئی۔ مراد نے اس پہ کمفرٹر ڈالا اور کمرے سے نکل گیا۔

سیاہ تاریکی کے درمیان کم والٹ کا ایک سفید بلب درمیان میں جل رہا تھا۔ خاموشی کا عالم تھا۔ کچھ سسکیاں اس سکون کو توڑ رہی تھیں۔

مراد اندھیرے میں ڈوبے ٹارچر سیل میں داخل ہوا۔ پولیس ارغن سے اسکے مزید ساتھیوں کے بارے میں اگلوا رہی تھی۔ وہ نڈھال ہوکے ایک کنارے پڑا تھا۔

مراد جبڑے بھینچ کر اسکے پاس آیا اور کرسی کھینچ کے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا سوچا اے ایس پی کی بیوی کو اٹھا کر مجھے تکلیف پہچانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ بدلہ لوگے؟" مراد طنزیہ مخاطب ہوا۔ ارغن درد کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔

"اگر میران جاہ آنے میں تھوڑی دیری کر دیتا تو آج تمھاری بیوی تم سے آنکھیں تک نہیں ملا پاتی۔" ارغن کی بات پہ مراد کا خون کھول گیا۔ اس نے آگے جھک کے اسکے منہ پہ مکا مارا۔

"اگر بکواس کی تو جان نکال لونگا۔ میری بیوی اور بہن کو تکلیف دے کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمھاری جان نہیں لونگا بلکہ پل پل تڑپاؤنگا، پہلے تم پہ ہلکا ہاتھ رکھا تھا پر اب تمھیں اپنے گناہوں کی سزا ملے گی۔ جتنی لڑکیوں کے ساتھ تم نے برا سلوک کیا انھیں سمگل کیا سب کا حساب ہو گا اب!" مراد پیچھے ہوا اسکی گولی لگی ٹانگ پہ اپنا بوٹ جما کر تنفر سے بولا۔ ارغن چیخنے لگا۔ مراد نے بوٹ ہٹایا اور حوالداروں کو ہدایت کرتا باہر نکل گیا۔

نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ عائشے نے آنکھیں کھول کر برابر میں دیکھا مراد بے خبر سو رہا تھا۔ وہ محبت بھری نگاہ ڈال کر واش روم چلی گئی۔

زرپاش میران کی طرف سے متفکر تھیں۔ کل رومائزہ کا نکاح تھا، اپنے بھتیجے کی محبت سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ وہ جانتی تھیں وہ جیتے جی مر جائے گا۔

ہنسنا بولنا تو وہ چھوڑ چکا تھا بہت کم وہ اپنے خول سے باہر نکلتا تھا۔ ہر وقت خود کو مصروف رکھتا تھا۔ اور ہسپتال کی تعمیر کے سلسلے میں مزید مصرفیات بڑھ گئی تھیں۔

ناشتے کے بعد بتول نے مہندی والی کو بلوا لیا تھا۔

نکاح کے لیے بس بنگلے کے لان میں ہی چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ عائشے کی فیملی اور انوش کی فیملی مدعو تھی۔ بتول صاحبہ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھ نازک سے ڈیزائن سے رچوا لیے تھے۔ دوپہر میں جو انھیں غضنفر کے ساتھ کسی ضروری کام سے جانا تھا اسی لیے وہ مہندی سے پہلے ہی فارغ ہو گئیں۔

انوش رات رومائزہ کے پاس ٹھہری تھی۔ اکیلا چھوڑنے کا تو اسے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

رومائزہ کا مہندی لگوانے کا بلکل دل نہیں تھا بتول اور انوش نے بہت زور دیا تھا. تائی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے وہ مہندی لگوانے بیٹھی گئی پر اتنی بھری بھری مہندی اس نے نہیں لگوائی تھی۔

"سفیر نام بھی لکھ دو۔" پیچھے سے بیٹھ کے انوش نے شوشا چھوڑا روما نے بے تاثر انداز میں اسے دیکھا۔

"کچھ مت لکھنا۔ ہاتھ پہ نام اچھا نہیں لگتا۔ تم بس یہ پھول مکمل کرو جلدی سے۔" انوش اس سے خفا تو نہیں تھی پر مسلسل زچ کر رہی تھی۔

"روما آنٹی نے ہالف وائٹ کلر بنایا ہے لال شوخ کلر کا ڈریس بنانا چاہیے تھا... ہے نا۔" سیب چھری سے کاٹتے ہوئے اس نے کہا اور ایک سیب کی پانکھ رومائزہ کے منہ میں ڈالی۔ اسے کلر سے کیا فرق پڑتا اسے تو کسی چیز کی خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بس زبردستی مسکرا دیا کرتی تھی۔

"انوش چپ ہو جاؤ، میرا سر دکھ رہا ہے۔"

"ابھی سے ؟" وہ باز نہیں آئی۔ رومائزہ سر جھٹک کے رہ گئی۔ بڑی کوئی بد دلی سے اس نے مہندی لگوائی تھی۔

انوش نے اسے کہا اسکی شادی پہ وہ ضرور ناچے گی تو گانے لگا کر محترمہ نے اکیلے ہی محفل سجادی تھی۔ انوش کا دل اب سفیر کے نام سے دھڑکتا نہیں تھا۔ اس نے تمام تر خواہشات اور چاہتوں کو سفیر کے حوالے سے دبا دیا تھا۔

وہ خود کو تکلیف دینے سے روکے ہوئی تھی۔ یہ قیمتی پل جینا چاہتی تھی، آخر اسکی بہن جیسی دوست کا نکاح تھا۔ اب بھلے حالات جیسے بھی تھے۔

رومائزہ کا نکاح تھا یہ سوچ میران کی جان نکال رہی تھی۔ وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔ ایسا کیا گناہ کر دیا تھا جو اتنی بڑی سزا اسے مل رہی تھی۔ شاید رومائزہ کی بد دعائیں ہی تھیں جو اسے لگ گئیں تھیں۔

اسکا کوئی اپنا یعنی رومائزہ خود اس سے چھینی جا چکی تھی۔ وہ تھک گیا تھا، ٹوٹ چکا تھا۔

ایک بار کہہ دیتی میران مجھے تم سے محبت ہے وہ ساری دنیا سے لڑ کر اسے اپنا لیتا۔ پر وہ اظہار ہی تو نہیں کرتی تھی۔ صرف اسی کی خاطر اپنی محبت قربان کر رہا تھا ورنہ کہاں میران جاہ محبت سے دستبردار ہونے والا تھا!

"سائیں بڑے جاہ سے ایل ایل پی کے چئیر مین ملنے آئے ہیں۔" وہ لیپ ٹاپ پہ جھکا کام میں مصروف تھا فرید نے آکر اطلاع دی۔ میران تو سیاست میں مشغول رہتا تھا بزنس پہ ہولڈ اسنے عزیز کو دے دیا تھا۔ عزیز ایک پڑھا لکھا قابل شخص تھا، اور اعتبار کے قابل۔ میران کی جگہ اب وہی سارے معاملات دیکھتا تھا۔

"انکو بابا کے کمرے میں لے جاؤ، میں آتا ہوں۔"

لیپ ٹاپ بند کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ حکم آمیز لہجے میں کہتا واش روم میں چلا گیا۔ فرید سر جھکا کے واپس پلٹ گیا۔ شمس اب ہر وقت یہاں نہیں ہوتا تھا، اسکے بیٹے کا علاج چل رہا تھا وہ ہاسپٹل میں ہی پایا جاتا تھا۔

میران نے واش بیسن کا نل کھولا اور منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے۔ وہ خود کو کام میں اس قدر الجھا چکا تھا پر اسکے باوجود ذہن رومائزہ پہ سے ہٹنے کو راضی نہیں تھا۔ ایک دن رہ گیا تھا۔ ہر کام سے اسکا دل اچاٹ ہو گیا۔ امید کے دیے تو پہلے ہی وہ بجھا آیا تھا۔

وہ اب تک اس سے بدگمان تھی پر وہ کل والے واقعے پہ تھوڑا حیران تھا۔ رومائزہ اسکے قریب کیسے آگئی پھر جان بھی بچائی۔ بس یہ اتنی سی سوچ اسکے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دینے کو کافی تھی، دل کو سکون نصیب ہو جاتا۔

باہر نکل کے اس نے تولیے سے چہرہ خشک کیا۔ بال درست کر کے کرتا جھاڑ کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

!بروزِ نکاح!

سب کی براتیں آئیں ڈولی تو بھی لانا...

انوش تیار ہوئے مسلسل گانے گا رہی تھی۔ وہ رومائزہ کا موڈ بحال کرنے کی کوشش میں تھی پر وہ ابن ڈھیٹ بھی بنا تاثر کے اپنا ہئیر اسٹائل بنوا رہی تھی۔

نکاح عصر سے پہلے تھا۔ دو پہر دو بجے اسے تیار ہونے کے لیے بٹھا دیا گیا تھا۔ میک اپ آرٹس گھر ہی بلائی گئ تھی۔

"ماشاءاللہ آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" ہئیر اسٹائلسٹ نے ماتھے کے بال اٹھاتے ہوئے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈال کر کہا۔ وہ گم سم بیٹھی تھی اسکی آواز پہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔ آئینے میں خود پہ نگاہ ڈالی تو پھیکی سی مسکراہٹ نے جگہ لے لی۔

"تھینک یو۔"

"لگتا ہے آپ کم بولتی ہیں.." میک اپ آرٹسٹ کاؤچ پہ بیٹھی ہوئی اسے دیکھ کر اندازہ لگا کر بولی۔

"نہیں جی، یہ بہت بولتی ہیں انکو بولنا پڑتا ہے خاموش ہو جاؤ تب جا کے یہ خاموش ہوتی ہیں۔ ابھی دلہن بن رہی ہیں نا تو یونا شرمانا وغیرہ اس لیے آواز غائب۔"

شیشے پہ جھکی انوش لپسٹک روک کے بولی۔ رومائزہ سانس بھر کے رہ گئی۔ سب کے سامنے اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کتنی دیر سے وہ اسکی شان میں میٹھی میٹھی گستاخیاں کیے جا رہی تھی پر رومائزہ نے کوئی جواب نہیں دیا انوش خود تپ کر رہ گئی۔

بیس منٹ بعد وہ پوری تیار تھی۔ ہالف وائٹ قمیض کے نیچے گولڈن غرارہ تھا۔ اور قمیض کے امتزاج کا دوپٹہ جو ہیئر اسٹائلسٹ نے بالوں کے کے ساتھ سیٹ کر دیا تھا اور اسکے ایک بازو پہ آگے کر کے ڈال دیا۔ اور دوسرے ہاتھ کی کلائی میں پن لگا کر سیٹ کر دیا۔ میچنگ کی بڑی سی انگھوٹی انوش نے اسکے ہاتھ میں ڈالی۔ مہندی کا رنگ خوب ہاتھوں پہ رچ چکا تھا۔ دودھیہ ہاتھ بے حد خوبصورت لگ رہے تھے۔ سامنے ہتھیلی پہ اس نے گول ٹکیا لگوائی تھی اور ہاتھ کی پشت پہ پھولوں کی ٹکیا۔ اور انگلیوں پہ پورے تھے۔ چہرے کی چوٹیں میک اپ سے چھپا دی گئی تھیں۔ ہونٹوں پہ گہری لالی لگائی تھی جو ایک مسکراہٹ پہ کھلنے کو تیار تھے۔

رومائزہ نے ایک نظر کھڑے ہو کر شیشے پہ ڈالی۔ کتنا شوق تھا دلہن بننے کا پر اس وقت سارے ارمان سوئے پڑے تھے۔ دل میں ویرانی کا عالم تھا۔ دل ڈوب رہا تھا۔

")حلیمہ بی میرے سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں"!

"بیٹا وہی کرنا جس پہ دل راضی ہو۔") فارم ہاؤس سے نکلنے سے پہلے کسی وقت انکے درمیان یہ بات ہوئی تھی۔ دل کچوکے مار رہا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس نے سوچا تھا جو اسکے بابا فیصلہ کریں گے وہی ہو گا۔ پر بابا تو تھے نہیں بڑے پاپا تھے۔ اور جو شنواری صاحب نے میران کو اسکے لیے چنا تھا یہ بات وہ پہلے جانتی ہوتی اور میران پہ یقین کر لیتی تو اس وقت حالات یہ نہیں ہوتے۔ وہ یقیناً میران کے لیے یہ سارا سنگھار کرتی۔

اس نے زبردستی مسکرا کر خود کو دیکھا۔

دروازے پہ دستک ہوئی۔ حلیمہ بی کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ انکو دیکھ خوشی سے فوراً ان سے لپٹ گئی۔

"آہ مجھے امید نہیں تھی کہ آپ آئینگی۔" وہ آہستہ سے دور ہٹی۔ حلیمہ نے اسکے سنگھار سراپے پہ نگاہ ڈالی۔

"میری بیٹی کا نکاح ہے کیسے نہیں آتی۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"بتائیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟" پیچھے ہو کے وہ گول گھومی۔ انداز اب جا کے نارمل ہوا تھا۔ انوش نے گھور کے اسے دیکھا وہ کب سے الٹی سیدھی حرکتیں کر کے اسکا موڈ ٹھیک کرنا چاہتی پر کچھ کام نہیں آیا ایک حلیمہ بی کے آنے سے اسکی طبیعت میں فوراً بحالی آگئی۔ دلچسپ!

"بہت پیاری۔ مسکراتی رہو تو اور خوبصورت لگو گی۔" انکی معنی خیزی پہ وہ سر جھکا گئی۔

"آنٹی آپ بیٹھیں۔ ویسے میں انوش ہوں اسکی دوست۔" انوش نے رومائزہ کے کندھے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

"ارے میڈم آپ دور رہیں انکا دوپٹہ خراب ہو جائیگا۔" ہیئر اسٹائلسٹ نے فوراً انوش کو ڈپٹا وہ ناک بسور کے دور ہوئی۔ رومائزہ ہلکا سا ہنس دی۔ اسکے نیچے کے بال کھلے تھے کم لینتھ ہونے کی وجہ سے آگے ڈال دیے تھے۔

"میں دور ہی کھڑی تھی۔" انوش نے منہ بنا کر کہا۔

"حلیمہ بی سب تمھارے بارے میں جانتی ہیں۔ وہاں میں نے تمھارا اور عائشے کا بہت زکر کیا تھا۔"

"اوہ یاد آیا عائشے کہاں رہ گئی؟ وہ تو تین بجے آنے والی تھی نا۔ دیکھو تین بیس ہو گئے پر محترمہ نہیں آئی۔ ان شادی شدہ لوگوں کے یہی مسئلے ہیں ہر جگہ دیر سے پہنچتے۔"

انوش اپنے بالوں سے الجھ کر بولی۔ اسے سوجھ نہیں رہا تھا آگے کے بالوں کو کیا اسٹائل دے۔ رومائزہ نے ہیئر اسٹائلسٹ کو کہا کہ اسکے بالوں کو بھی سیٹ کر دے۔

بتول اندر داخل ہوئیں۔ اسے دیکھ خوب واری جا رہی تھی وہ بھی تیار ہو چکی تھیں۔ پیچ کلر کا انکا ڈریس تھا۔

"اللہ بری نظر سے محفوظ رکھے۔" انھوں نے آنکھوں سے کاجل انگلی نوک پہ لگا کر اسکی گردن پہ لگا دیا۔ رومائزہ مسکرا دی۔

"تائی آپ بھی بہت اچھی لگ رہی ہیں۔"

"جی بلکل ٹپ ٹاپ۔" انوش نے آئینے میں سے انکو دیکھ کر مسک کے کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔

"ناہید پہنچنے والی ہے اور تم نے ابھی تک بال بھی نہیں بنوائے۔"

"آنٹی مجھے لائنر لگانے میں بہت دیر لگ گئی۔" اپنی آنکھیں بند کر کے اسے فاکسی لائینر کی طرف اشارہ کیا۔لائینر لگانا اسے سب سے دشوار کام لگتا تھا پر لائینر کے بغیر گزارا تھا بھی نہیں۔

"چلو باہر آجاؤ.. یہ کمرہ ویسے ہی پھیلا ہے ادھر سب ملنے آئیں گے تو اچھا نہیں لگے گا۔" رومائزہ کے سامان کو دیکھتے ہوئے وہ حلیمہ بی کو ساتھ لے کر اسے باہر لے گئیں۔

مسکرا مسکرا کے رومائزہ کے گال دکھ گئے تھے۔

عائشے پوری تیار کھڑی تھی اور مراد ابھی پولیس اسٹیشن سے واپس آیا اور اب بہت ہی آرام آرام سے تیار ہو رہا تھا۔عائشے کو جی بھر کے اس پہ غصہ چڑھنے لگا۔

مراد میر جو ہر کام میں پھرتی دکھاتا ہے یہاں اسکی رفتار دھیمی دیکھ عائشے نے دماغ لڑایا۔

"آپ جان بوجھ کے دیر کر رہے ہیں۔ نہیں جانا چاہتے نا اسکے نکاح میں"!

عائشے سینڈلز پیر میں ڈال کر بولی۔ مراد کف بند کرتا ہوا اسکی طرف گھوما۔

"بلکل.. میرا دل ہی نہیں کہ جاؤں۔ ادھر میرے بھائی کی حالت اتنی بری، اس لڑکی محبت میں جھلس رہا ہے اور مجھے دیکھو میں اس بے وفا کے نکاح میں جارہا ہوں۔"

"مراد وہ بے وفا نہیں ہے۔ اس نے میران کو کوئی لارا نہیں لگایا تھا۔"

عائشے فوراً حمایت کرتے بولی۔

"ہاں پر اپنے عشق میں اسے پاگل ضرور بنادیا ہے۔" بڑبڑاتا ہوا مراد ڈریسنگ کے پاس مرے مرے قدم اٹھا کر گیا۔ پانچ منٹ سے عائشے اسکی پشت گھور رہی تھی۔ اتنی دیر عائشے کو بال بنانے میں نہیں لگتی جتنی وہ بال سیٹ کرنے میں لگا رہا تھا۔

"مراد پہلے ہی دیر ہورہی ہے آپ اور دیر کررہے ہیں۔ میں ڈیڈ کو آپکی اس حرکت کا بتادونگی۔" وہ دھمکاتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔ مراد طنزیہ ہنسا۔

"ہاں جاؤ، پھر میں تمھیں لے کر بھی نہیں جاؤنگا۔" مراد نے برش کا ہاتھ روک کے کہا۔

"مراد۔۔" عائشے کی آواز ڈوبی۔

"اچھا رونا مت اب، مذاق کررہا ہوں۔ کبھی جانے سے پہلے ہی کاجل پھیلا کر چڑیل بن جاؤ۔ انسانوں کی دعوت ہے چڑیل بھوتوں کی نہیں۔"

وہ ہنس رہا تھا۔ عائشے نے دانت کچکچائے۔

"ٹھیک ہے دس گھنٹے لگا کر تیار ہوں، اور نہیں پھیلتا میرا کاجل۔ میں ڈیڈ کے ساتھ چلی جاؤ نگی"!

وہ فراک سنبھالتی کمرے سے پیر پٹخ کے باہر نکل گئی۔ البتہ مراد کا قہقہہ مزید آگ میں گھی ڈال گیا تھا۔ دروازے سے عائشے نے اسکو گھورا تھا۔ اسکی پھولی ناک کی طرف مراد نے اشارہ کیا تو وہ غصے میں باہر نکل گئی۔

"ہاں نہیں تو دیر کیے جا رہے ہیں۔ پولیس والے ہیں بھلا ٹائم کے پابند کیسے ہونگے لیٹ ہی پہنچیں گے ہر جگہ۔" پولیس کے لیے جو اسکے دل میں رائے تھی مراد کے ساتھ جوڑ کے بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی۔

دمیر فیملی وہاں پہنچ گئی تھی۔ سب ادھر ادھر ہو گئے۔ نیمل نے منتہیٰ کو واپس سجل کی گود میں ڈال کر لان میں ڈال کر نگاہ دوڑائی۔ سب اندر تشریف لے جا چکے تھے۔ لان کو پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ سفید میز کرسیاں بچھی ہوئی تھی ٹیبلز پہ سفید چادر کا کوور چڑھا تھا اور درمیان میں گلاب رکھے تھے۔ اور آگے سفید صوفے بچھے تھے۔ شاید دلہن دلہا کے لیے تھے۔

نیمل کی جگہ ایک طرف ٹھہر گئی۔ وہ اکیلا بیٹھا موبائل میں مصروف تھا۔

نیمل خاموشی سے بنا قدموں کی چاپ پیدا کیے اسکی طرف بڑھی۔ اور پاس پہنچتے ہی دائم کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اور لب کچل کے مسکرانے لگی۔

اسکی شرارت پہ دائم کے چہرے پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"بیگم آپکے علاوہ اور کوئی یہ جرات نہیں کر سکتا۔" وہ ہنستا ہوا آنکھوں پہ سے اسکا ہاتھ ہٹا کر بولا۔ کرسی کھینچ کے دوسرے ہاتھ سے قریب کی۔ اور نیمل کی کلائی پکڑ کے اسے اپنے پاس بیٹھا لیا۔

"آپ تو منع کر رہے تھے کہ نہیں آئینگے۔ بہت کام تھے آپ کو۔" اپنی انگھوٹی سے کھیلتے ہوئے اس نے کہا۔

"فری ہو گیا تھا تو آگیا۔ سفیر نے اتنے دل سے انوائیٹ کیا اس لیے آنا پڑا۔ ورنہ"..

"اچھا چلیں رہنے دیں۔ میران بھائی سے ملاقات ہوئی؟" اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نیمل نے پوچھا۔

"بڑے لوگ روز روز کہاں ملتے ہیں، کل بات ہوئی تھی۔ ٹھیک تھا۔" نیمل کو ہلکے پھلکے سجے سنورے روپ میں دیکھ کر اس نے کہا۔

" ممی زرا یہ بٹن تو لگا دیں۔" سفیر نک سا تیار ہو کے کمرے سے نکل کر گھر کے بیرونی دروازے تک آیا۔ بتول کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔ بات ختم کر کے اسکی طرف پلٹیں۔

"ماشاءاللہ چہرے پہ بڑا نور آگیا ہے۔"

کرتے کے کف لنکس بند کرتے ہوئے انھوں نے ہنس کر کہا۔ اور دونوں ساتھ لان میں آگئے۔

"لو دلہا بھائی بھی آگئے۔" نیمل جگہ سے اٹھ کے بتول کی طرف آئی۔ دائم نے نیوی بلو کرتا پاجامہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ پاجامے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر انکے پاس آگیا۔

"تو پھر تیار ہو قربان ہونے کے لیے؟" دائم نے ہنستے ہوئے سفیر کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"خوشی خوشی، تمھیں تو زیادہ تجربہ ہو گا۔"

سفیر کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ وجیہہ شخصیت کا حامل شخص تھا۔ سفید قدرتی روشنی میں دمکتا ہوا چہرا اٹھی ہوئی کھڑی ناک خوبصورت نین نقوش۔ اور بول چال جو اسے ڈیسنٹ بناتی تھی۔

"سچ پوچھو تو اس قربانی کا اپنا مزہ ہے۔ وہی بات ہے جو شادی کا لڈو نہ کھائے تو پچھتائے اور جو کھائے وہ بھی پچھتائے۔" دائم نے بہت اچھے سے محاورے کہ ٹانگیں توڑ دی تھیں۔ نیمل بدمزہ ہوئی۔

"دیکھو سوچ لو، ابھی بھی وقت ہے۔ ورنہ نکاح کے بعد تو ارادہ بدل نہیں سکتے۔" اسکے اتنے اسرار کن انداز پہ نیمل نے گھور کے اسے دیکھا آخر وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

"یہ لڑکیاں شادی سے پہلے بہت میٹھی میٹھی بنتی ہیں اور بعد میں کسی ظالم عورت کی ان میں روح ٹرانسفر ہو جاتی ہے۔" نیمل کے مسلسل گھورنے پہ دائم بات سنبھال کر بولا تو سفیر ہنس دیا۔

وہیں کھڑے ان چاروں کے درمیان گفتگو چلتی رہی۔ سب مہمان آ چکے تھے، تھوڑی ہی دیر میں نکاح کا شور اٹھا۔ رومائزہ پہ لال جالی دار دوپٹہ ڈال کے اسے انوش اور عائشے لان میں لے آئیں۔ رومائزہ کی دھڑکنیں بے ہنگم ہونے لگیں۔ سفیر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

رومائزہ کو مخصوص صوفے پہ بیٹھا دیا گیا۔ بتول اور غضنفر اسکے پاس بیٹھ گئے۔ ایک بار اس نے جالی دار دوپٹے کے پار سامنے نگاہ ڈالی کہ موجود کون کون تھا۔

میاں حسن، انوش کی فیملی عائشے مراد کی فیملیز سب ہی تھے۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ پھر وہاں کون کیا بول رہا تھا کیا کر رہا تھا اسے خبر نہیں ہوئی۔ وہ سانس روکے بیٹھی رہی۔

کوئی ضمیر پہ کوڑے مار رہا تھا۔ اس نے لب سی لیے۔ عائشے اسکے صوفے کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ انوش نیمل کے ساتھ سامنے کی طرف کھڑی تھی۔ سب عورتوں کے سروں پہ دوپٹہ موجود تھا۔ قاضی صاحب کو سامنے کرسی پہ جگہ دی گئی۔ رومائزہ اردگرد سے بے خبر محبت کا ماتم منا رہی تھی۔

"بسم اللہ کیجئے قاضی صاحب۔" غضنفر نے داڑھی پہ ہاتھ پھیر کے کہا۔ قاضی نے سر ہلا کے نکاح نامہ کھولا۔

زرپاش نے ارباز کا بازو تھام لیا تھا۔ وہ بے حد اداس تھیں۔ مراد بھی جبڑے بھینچے کھڑا تھا۔ عائشے کی نگاہیں اپنے میاں پہ مرکوز تھیں۔ انوش مسلسل اسے گھورے گئی۔ عائشے نے سٹپٹا کے نظریں پھیر لیں۔

"شرم کو ہاتھ مارو سب کھڑے ہیں اور تم کیسے دیدے پھاڑ کے مراد بھائی کو دیکھ رہی ہو.." انوش عائشے کے پاس آکر بولی۔

"اپنے میاں کو ہی دیکھ رہی ہوں نا کونسا کسی غیر کو!" عائشے نے دانت پیس کر کہا۔

"خیر تمھیں کیا پتا تمھاری شادی تھوڑی ہوئی ہے۔" افسوس سے سر ہلاتے انوش کو تپا کر عائشے سامنے دیکھنے لگی۔ انوش کا منہ غبارے کی طرح پھول گیا۔ عائشے کو ٹھکوہ مار کے واپس چلی گئی۔

نیمل کی آنکھیں بخود بھیگنے لگیں اسے اپنے نکاح کا وقت یاد آیا تھا۔

ناہید اور انعم بیگم ایک طرف کرسیوں پہ بیٹھی دیکھ رہی تھیں۔ میاں حسن گواہ کے طور پہ موجود تھے۔ حلیمہ بی ادھر ہی قریب کھڑی تھیں۔

قاضی نے نکاح پڑھانا شروع کیا۔ عائشے کے پیچھے سے رومائزہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھنے پہ وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔ آخری اسکی زندگی کا سب سے اہم مرحلہ ہونے جا رہا تھا۔ کچھ لمحوں بعد وہ سفیر احمد کی بیوی بن

جاتی۔ آنسو ٹپ ٹپ ہاتھوں پہ گرے۔ سانس اندر ہی گھٹنے لگا۔ شدت سے اسے بابا یاد آئے۔ دل گویا خون کے آنسو رو رہا تھا۔ جسم میں کپکپی طاری ہو گئی۔

ہم پہ تمھاری چاہ کا الزام ہی تو ہے

دشنام تو نہیں ہے یہ اکرام ہی تو ہے

دل ناامید تو نہیں ناکام ہی تو ہے

لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

رومائزہ کے ارد گرد چھائے سناٹے کو قاضی کی آواز نے توڑا۔

"رومائزہ شنواری ولد احتشام شنواری کیا آپکو تین کڑوڑ روپے سکہ رائج الوقت حق مہر کے میران جاہ ولد زولفقار جاہ اپنے نکاح میں قبول ہیں؟"

قاضی صاحب نکاح نامہ ہاتھ میں اٹھائے سوال کر گئے۔ رومائزہ نے چونک کر دھیرے سے سر اٹھایا۔ اسکی سماعت کیا خراب ہو گئی تھی؟ اسے اب میران کا نام سنائی دے رہا تھا؟

پر نہیں یہاں سب کے چہرے پہ کئی آتے جاتے رنگ دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ سماعت ٹھیک تھی۔ اسکا دل تیزی سے دھڑکا۔

زرپاش نے بے یقینی سے مراد کو دیکھا۔ سب شاکڈ تھے۔

پیچھے نظر گھمائی تو سفیر وہاں نہیں بیٹھا تھا۔ زرپاش کا چہرہ میران کو دیکھ کر ہی کھل اٹھا۔ سفیر میران کے قریب کھڑا تھا۔

"بب بڑے پاپا یہ سب کک کیا ہے؟" حلق میں آنسوؤں کا گولہ ابھر آیا۔ اس نے حیرت کے مارے جالی دار سرخ گھونگھٹ الٹ دیا۔ اور آنسوؤں سے لبریز نگاہیں انوش پہ ڈالیں جس نے نفی میں فوراً سر ہلایا تھا کہ جیسے اسے خود بھی کچھ نہیں پتا۔

رومائزہ اٹھ کے اندر چلی گئی۔ مراد نے جبڑے کس لیے پھر میران کے پاس مسکراتا ہوا آگیا۔

"نکاح تو آج ہی ہو گا اور تم سے ہی ہو گا۔ مبارک ہو۔" میران کھڑا ہو گیا مراد نے اسے گلے لگایا۔ دائم شاکڈ سی کیفیت میں پاس آیا۔

"تو سب پلان تھا؟"

"مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"اپنے بے وقوف سے داماد کو سرپرائز دینا چاہتے تھے ہم۔" مراد نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"بے وقوف اور میں؟ خیر آج نو بحث۔ ویسے اگر بھابھی راضی نہ ہوئی تو؟" دائم نے بھنووا چکائی۔

"انکا تو باپ بھی مانے گا۔" مراد کی بڑبڑاہٹ پہ میران نے اسے گھورا۔ اور سفیر کی موجودگی کے احساس سے مراد سٹپٹا گیا۔

"آج وہ نہ مانی تو اٹھا کے لے جاؤنگا بہت اسکی بے پر کی برداشت کرچکا ہوں.." میران کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ سفیر ہنس پڑا۔

وہ جانتا تھا جس دن رومائزہ کا دل میران کیلیئے دھڑکا تو وہ پھر دنیا میں کسی رکاوٹ کو اپنے اور اسکے درمیان برداشت نہیں کرے گا۔ اب تک چپ تھا صرف رومائزہ کی وجہ سے۔

"ٹینشن نا لو، میں بات کرونگا وہ مان جائیگی۔"

سفیر تسلی دے کر اندر ہی چلا گیا۔

سب حیران تھے۔ عائشے انوش سکتے میں کھڑی تھیں پھر اندر چلی گئیں۔

"یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں... نکاح تو سفیر سے تھا نا تو میران کب کیسے کیوں؟" غرارہ سنبھالتی اندر آتے ہی وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔

"بیٹا تم نے ہمیں بے خبر سمجھ لیا ہے۔ ہم تمھارے والدین کی جگہ ہیں اور ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں کہ ہماری بیٹی کیا چاہتی ہے۔ ان خود غرض لوگوں میں شمار نہیں ہوتا جو اپنی چاہت کی خاطر دوسرے کی خوشی قربان کر دیں۔"

غضنفر بڑے پیار سے اسے سمجھانے لگے۔ رومائزہ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

"پر سفیر کے ساتھ غلط ہے یہ سب۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ جھنجھلا کر سرخ آنکھیں اٹھا کر بولی۔

"کیا سمجھ نہیں آ رہا؟ بتاؤ میں سمجھا دیتا ہوں۔" سفیر لاؤنج میں داخل ہوا تھا، اور اسکے قریب آ کے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ رومائزہ نے ہلکا سا شانہ اچکا کے رونی شکل سے اسے دیکھا۔

"بیٹا ہمارا یہی فیصلہ ہے اور آخر احتشام بھی تو تمھاری شادی میران سے کروانا چاہتا تھا۔" رومائزہ نے سسکی بھری۔

"پر تایا ابو سفیر کو چھوڑ کے میران سے کیسے شادی کر لوں؟ انکا دل نہیں ٹوٹے گا کیا؟ انھوں نے مجھے اتنا سنبھالا انکو انسانیت کا یہ صلہ دوں؟" وہ بھری ہوئے لہجے میں بولی۔

"تمھیں کس نے اپنی ناقص عقل لڑانے کو کہا ہے! یہ میرا اپنا فیصلہ ہے کسی نے مجھے پیچھے ہٹنے پہ مجبور نہیں کیا۔ شادی کی پیش کش بھی میں نے کروائی اب پیچھے بھی میں ہٹ رہا ہوں میں ایسی لڑکی سے کیسے نکاح کر لوں

جو کسی اور کو چاہتی ہے اور میرے ساتھ زبردستی کے بندھن میں بنے گی؟ یہ کوئی گڑیا گڈے کا کھیل تو نہیں۔ انسانوں کی دنیا ہے یہ اور سب کے جذبات اہمیت رکھتے ہیں۔"

وہ آرام سے اپنی بات کہہ گیا تھا۔ رومائزہ کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔ کیا اسے سب پتا چل گیا تھا؟ اس نے انکی باتیں سنی تھیں؟

"میں سچ جان چکا ہوں، مجھے پرسوں معلوم ہو چکا تھا میران بے قصور تھا۔ پر اتنا دھچکا میرے لیے کافی نہیں تھا۔ حیرانی تب ہوئی جب مجھے پتا چلا کہ تم زبردستی نکاح کررہی ہوں۔" رومائزہ نے چونک کے سفیر کی آنکھوں میں دیکھا۔ نگاہوں میں شکوہ موجود تھا۔

"ہاں میں اندھا نہیں تھا شادی کے نام سے تمھارے چہرے پہ بچی کچی مسکراہٹ غائب ہو جاتی تھی میں اسے شرمانہ گھبرانا سمجھتا تھا۔ پر یہ چیز شروع سے کھٹک رہی تھی مجھے لگا وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے۔"

"میں میران کا سچ جان کر بھی نکاح سے انکار نہیں کرتا، پر جب یہ بات تمھارے منہ سے خود سنی کے تم میران سے محبت کرتی ہو اور میری خاطر کہ مجھے زبان دی ہے اس لیے نکاح کروگی، یہ بات سفیر احمد کے برداشت سے باہر تھی۔ میں تم سے نکاح اس لیے کررہا تھا کہ تمھیں خوش رکھ سکوں ساری خوشیاں تم پہ لٹادوں، پر تمھیں میرے ساتھ وہ خوشی کیسے ملتی جو میں دینا چاہتا تھا تمھارے دل میں تو میران ہے۔ مجھے تم سے محبت نہیں ہے جو میرا دل ٹوٹ جائیگا۔ میں نے جلد بازی میں فیصلہ کرلیا تھا گھبرا گیا تھا تمھارے اس رات کے کارنامے کے

بعد، تمھیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ چاچو کی امانت تھیں تم، پر یہ امانت تو وہ میران کو سونپ چکے تھے۔ اپنے بابا کی خواہش پوری نہیں کرو گی؟ اور اندر کہیں تم بھی تو یہی چاہتی ہو نا!"

ایک ایک بات وہ کلئیر کرتے بولا۔ انوش حیران نظروں سے اس بڑے دل کے شخص کو دیکھے گئی۔

اسے وقتی اٹر کیشن رومائزہ سے بات پکی ہونے کے بعد ہو گئی تھی پر ایسی زبردست قسم کی محبت نہیں ہوئی تھی جو وہ روگ لگا کے بیٹھ جاتا۔ دنیا تھی سب چلتا ہے۔

"پر..."

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

"پر ور کچھ نہیں۔ میران کو ہم تمھارے سر پہ مصلت نہیں کرنا چاہتے۔ پر تم دل سے سوچو کیا میرے ساتھ خوش رہ لیتیں؟ تم خوش نہیں ہوتیں تو میں کیسے خوش ہوتا عجیب سی زندگی ہو جاتی ہم الجھ کے رہ جاتے۔" سفیر نے پیار سے اس سے پوچھا تو وہ خاموشی سے اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ بات تو وہ سہی کر رہا تھا۔ یہی سب سوچ کر تو وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

"میں تم دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ بن چکا تھا۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں غلط کر رہا تھا۔ دو محبت کرنے والوں کے درمیان آ رہا تھا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے تم محبت کرتی ہو دونوں بے قصور ہو تو سفیر احمد کا درمیان

میں کیا کام ؟ مجھے خود پہ افسوس ہو رہا ہے کہ میری وجہ سے میران اپنی محبت کی قربانی دے رہا تھا۔ لعنت ہی ہو مجھ پر جو میں اتنی خود غرضی پہ اتر آؤں۔ وہ محبت کرتے ہوئے اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے تو میں کیا قدم روک نہیں سکتا؟"

سفیر کے چہرے پہ کوئی غم نہیں تھا وہ بلکل پہلے جیسا صرف رومائزہ کے لیے متفکر تھا۔ اشکوں سے پانی رومائزہ کے گالوں پہ پھسلا۔

"رومائزہ بچے یہ تمھارے بابا کی بھی خواہش تھی اور تمھاری اپنی خوشی اس میں ہے۔ اسے قبول کر لو۔ دوسروں کا دل رکھتے رکھتے تھک جاؤ گی۔ ہم تمھارے اپنے ہیں ہمارا رشتہ تھوڑی ختم ہونا ہے۔ پہلے بھی ماں باپ تھے اب بھی رہینگے۔ آپ صرف بے وقوفی کر رہی ہیں۔"

بتول اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ انوش سفیر کے برابر میں آ کے پنجوں کے بل بیٹھی۔ اور رومائزہ کا ہاتھ تھام کے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

"میری جان قدرت موقع دے رہی ہے، یہ زندگی کا سب سے اہم موڑ ہے ساری زندگی کی بات ہے ایسے شخص کو چنو جسکے ساتھ تمھیں آسانی ہو۔ ایک چیز زبان سے قبول کرتی ہو کہ محبت کرتی ہو پر نکاح پہ راضی نہیں عجیب پاگل ہو رہی ہو تم۔ سب کی یہی خواہش ہے مان جاؤ، میران کا مزید صبر مت آزماؤ۔" انوش کی بات سنتے ہوئے رومائزہ نے کپکپی پہ قابو پا کر آنکھیں موند لیں۔

دمیر فیملی باہر کھڑی منتظر تھی عزیز اور عبدل بھی وہیں موجود تھے۔ حلیمہ بی میران کے شانے پہ ہاتھ رکھے رومائزہ کے فیصلے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔

ہاں انکو اس پلان کی پوری خبر تھی۔

ہوا یوں تھا کہ پرسوں جب رومائزہ، انوش اور عائشے باتیں کر رہی تھیں سفیر وہ سب سن چکا تھا۔ باہر لان میں ہی غضنفر نے اسے میران کے حوالے سے سب بتایا تو وہ شرمندگی سے دوہرا ہو گیا۔ اسے بڑا افسوس ہوا کہ اس نے بھی میران کو غلط سمجھا۔ وہ عائشے کو بلانے لاؤنج میں آرہا تھا تب ان تینوں کو باتیں کرتا دیکھ رک سا گیا۔ رومائزہ کے اقرار کی دیر تھی کہ سفیر پریشان ہو گیا۔ وہ کیا کرنے جا رہا تھا! اسنے اپنے فیصلے پہ پھر نظر ثانی کی اور باہر چلا گیا۔

عائشے کو چھوڑ کے واپس آیا سارے راستے اس نے اس پہلو کے بارے میں سوچا تھا اور پھر ایک فیصلہ کر کے ماں باپ کو بتانے کے لیے انکے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے ساری باتیں غضنفر اور بتول کے سامنے کھول کے رکھ دیں۔

وہ لوگ تو اپنی بھتیجی کا بھلا چاہتے تھے۔ اب چاہے پھر انکا خود کا بیٹا ہوتا یا پھر میران!

وہ اپنا فیصلہ سنا چکا تھا اور ان دونوں کی بھی اس میں رضامندی شامل تھی۔

"سفیر بعد میں اس فیصلے پہ تمھیں کوئی پچھتاوا تو نہیں ہو گا نا؟" بتول اسکے حوالے سے متفکر ہوئیں اور اسے قریب کر کے پوچھا۔

"نہیں ممی بلکل نہیں۔ اگر ابھی میں پیچھے نا ہٹا تو بعد میں ہمیشہ گلٹ رہے گا۔ کیونکہ میں میران کی سچائی اور رومائزہ کا احوالِ دل جان چکا ہوں۔ مجھے رومائزہ سے محبت نہیں ہوئی جو تکلیف ہو گی۔ میں بس اسکے لیے اچھا چاہتا ہوں۔

بعد کی تکلیف سے بہتر ہے کہ ابھی چھوٹی موٹی تکلیف اٹھالوں۔ اپنی وجہ سے ان دونوں کی خوشی کا گلا تو نہیں گھونٹ سکتا۔"

اپنی جانب سے سفیر نے غضنفر اور بتول کو اطمینان دلایا تھا۔

اگلی صبح اس نے فوراً مراد کو فون کھڑکا دیا۔

مراد ابھی پولیس اسٹیشن پہنچا تھا اور اسکا ارادہ سفیر سے بات کرنے کا تھا۔ وہ سفیر کو میران کی حقیقت بتاتا اور یہ بھی بتاتا کہ یہ یک طرفہ محبت نہیں دو طرفہ ہے۔

مراد میران کی خاطر سب کچھ کر گزرنے پہ آمادہ تھا۔ اور اس درمیان اسے فرق نہیں پڑتا تھا کہ سفیر کا دل ٹوٹے گا یا نہیں۔

وہ سفیر کو کال لگانے لگا تھا سامنے سے اس کی کال خود آگئی۔ کال ریسو کر کے فون کان سے لگالیا اور سنتا گیا اور جب سفیر نے اپنی بات مکمل کی تو مراد پہ حیرت کے ساتھ خوشگواری گزر گئی۔ چہرے کی باچھیں کھل گئیں۔ سفیر نے اسکا آدھا کام خود کر دیا تھا۔ اب صرف میران سے بات کرنے کو بچی تھی۔

"سفیر آر یو شیور؟ تمھیں بعد میں کوئی دکھ تکلیف تو نہیں ہو گی؟"

مراد نے اپنی خوشی کو ایک طرف کر کے سفیر کے خیال میں مروت میں پوچھا۔

"نہیں، اگر سچ جان کر بھی نکاح کر لیا تو خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ دو زندگیوں کے ساتھ میری وجہ سے غلط ہو جائیگا۔ رومائزہ بے وقوف ہے وہ بس گھر والوں کی خوشی کی خاطر پیچھے نہیں ہٹ رہی پر جب سب اسے سمجھائیں گے اور میں ہی نکاح سے انکار کرونگا اور اس سے بات کرونگا تو ضرور سمجھ جائیگی۔ در حقیقت وہ میران کو چاہتی ہے۔ ابھی کل کے حادثے کے بعد میں نے اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں میران کی آنکھوں میں محبت کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ وہیں دوسری طرف روما کی آنکھوں میں بھی آگ کی ویسی ہی لپٹیں تھیں۔ رومائزہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہے پر کیا کرے حالات ایسے تھے سب ہوتا گیا۔ وہ میران کو اپنا محافظ ہی

سمجھتی ہے اسکا بازو تھامنے کا انداز میری نظروں سے نکل نہیں رہا۔ بار بار پلٹ کے اسے دیکھنا۔ زبردستی کا ہنسنا مسکرانا سب سمجھتا ہوں میں، بس پہلے اسے وقت دے رہا تھا۔"

سفیر اپنی بات پہ بضد تھا۔

"ٹھیک ہے، پھر میران سے بات کرنی چاہیے۔ ایک کام کرو انکل آنٹی کو لے کر ہوٹل میں ملو میں میران کو وہیں لے آؤنگا۔ میران کو قائل کرنا مشکل نہیں ہو گا وہ صرف رومائزہ کی وجہ سے پیچھے ہٹا تھا ورنہ کبھی اسے خود سے دور نہیں کرتا۔ جب اسے پتا چلے گا کہ اس سے محبت کرتی ہے پھر وہ کسی کی نہیں سنے گا۔" مراد نے ہنستے ہوئے خوشی کے مارے بتایا۔ دوسری پار سفیر مسکرا گیا۔

جیسے مراد نے کہا تھا میران کا ری ایکشن ویسا ہی تھا۔

"تو کیا اللہ نے واقعی اسکی دعائیں سن لی تھیں؟" میران کا روم روم جی اٹھا تھا۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کرتا وہ کم تھا۔

"تو بتاؤ میران جاہ میری کزن سے نکاح کرو گے؟" سفیر نے ٹیبل پہ جھک کے پوچھا۔ میران ہنس رہا تھا۔

"ضرور، کیوں نہیں کرے گا۔ چھ سات ماہ سے اس لڑکی کیلیئے ہی تو میرا بھائی تڑپ رہا ہے۔" مراد نے ہنستے ہوئے کہا۔

میران جگہ سے اٹھا اور بازوں واکیے سفیر اٹھ کے گلے سے لگ گیا۔

"تم نہیں جانتے کہ کتنا بڑا احسان مجھ پہ کر چکے ہو۔۔" میران نے اسکی پیٹ تھپکی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ تمھاری امانت تمھیں واپس لوٹا رہا ہوں۔" سفیر دور ہوتے بولا۔ میران کے لبوں پہ انوکھی سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ روح میں سرشاری دوڑ گئی۔

رومائزہ شنواری اس سے دور کہاں جا سکتی تھی! کہیں بھی چلی جاتی لوٹ کر اسکے پاس آنا تھا۔ پر اسرار مسکراہٹ مزید پھیلتی گئی۔

سارے معاملات ان پانچوں کے درمیان طے ہو گئے۔

سفیر مطمئن تھا رومائزہ کی باتیں سن کر جو دل پہ بوجھ سا بڑھا تھا وہ اب اتر گیا تھا۔

وہ لوگ منتظر بیٹھے تھے۔ میران اس لڑکی کی عقل پہ حیران تھا کہ سچ جاننے کے باوجود اس نے میران کا ساتھ نہیں دیا۔ ہاں اسے دکھ ہوا تھا۔ اور اب اسکا طویل انتظار میران کا موڈ بگاڑ گیا۔

عائشے فراک اٹھاتے ہوئے باہر آئی اسکے چہرے کی گہری مسکان دیکھ کر مراد رومائزہ کا فیصلہ جان گیا تھا۔

"قاضی صاحب اندر آجائیں نکاح لاؤنج میں ہو گا۔" عائشے نے جذبات پہ قابو پا کر ہنستے ہوئے کہا۔ قاضی صاحب کرسی سے اٹھ گئے۔

"مبارک ہو۔" عائشے میران کو دیکھ کر ہچکچاہٹ سے بولی۔ اسکی خوشخبری نے دل میں سکون اتار دیا تھا۔

ایک فاتح کن مسکراہٹ میران کے لبوں پہ کھل گئی۔ وہ خوشی سے سرشار ہو گیا۔

رومائزہ کا نکاح اندر ہی پڑھا گیا اپنی خوشی تمام دلی رضامندی کے ساتھ اس نے نکاح قبول کیا پر وہ نروس بہت تھی اور اسکے بعد تمام مرد حضرات قاضی کے ساتھ لان میں آگئے اور میران کو نکاح پڑھایا۔ نکاح کی دعا مکمل ہوئی۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے مل رہے تھے۔

میران کے چہرے پہ پر تپش سا تبسم پھیلا تھا۔ اسکی گہری آنکھوں کے گرد گڈے مسلسل پڑ رہے تھے۔ سب کی بات کا وہ مسکرا کے جواب دے دیتا۔ دیکھنے میں وہ جتنا مغرور لگتا تھا اتنا تھا نہیں۔ خاص کر اپنوں کے درمیان تو وہ کچھ بھی نہیں تھا صرف ایک عام شخص دیکھنے کو ملتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے رشتوں کا ترسا ہوا تھا اور اب جا کے اسے کئی رشتے مل گئے تھے۔ صرف میران ہی خوش نہیں تھا باقی سب بھی خوش اور پر سکون ہو گئے تھے۔

رومائزہ اندر موجود تھی سب باہر آگئے تھے، اسے بے حد گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

تو اسکے بابا کی خواہش پوری ہو گئی! اور وہ بھی تو دل کی کسی گہرائی میں اپنی یہ چاہت چھپائے ہوئے تھی۔

وہ مسلسل انگلیاں چٹخارہی تھی اس میران کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ انوش اور نیمل تصویریں بنوانے کے لیے اسے بلانے کیلیے اندر آئیں وہ دونوں خوشی سے جھوم رہی تھیں اور اس وقت انوش نے رومائزہ کے سر پہ ایک اہم خبر سنا کے بم پھوڑا تھا۔ روما کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔

"میران بھائی ہاتھ کے ہاتھ آج ہی رخصت کرکے لے جائیں گے تمھیں۔" وہ شرارت سے کہتی پہلو سے رومائزہ کا غرارہ ٹھیک کرکے اسے اٹھارہی تھی۔ رومائزہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"پپ پر کیوں، نہیں انوش ایسے مت کرو میرے ساتھ، میں کیسے اسکا سامنا کرونگی۔" بھرائی ہوئی آواز میں رومائزہ نے احتجاج کیا۔ وہ بے حد شرمندہ تھی۔ انوش اسکی حالت دیکھ ہنسنے لگی۔

"دیکھو اب رونا دھونا بہت ہو گیا۔ ہم سب بہت خوش ہیں۔ اتنے دنوں سے سب کچھ اتنا غلط محسوس ہو رہا تھا، پتا ہے آج جا کر سکون کی نیند آئے گی۔ سہی کہتے ہیں ہر دیر میں سویر ہے، دیکھو سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔" انوش نے پچکارتے ہوئے اسکا گال تھپتھپادیا۔

"بڑی مشکل سے تم میران کو ملی ہو، وہ اب بھلا رخصتی کا کیسے انتظار کر سکتے تھے۔ کل ہی انھوں نے انکل آنٹی سے رخصتی کی بھی بات کرلی تھی۔" رومائزہ کا دوپٹہ سیٹ کرکے وہ اسے اپنے ہم قدم لے کر چلنے لگی۔۔

"رومائزہ میرے بھائی بہت اچھے ہیں، تم انکے صبر کا انعام ہو۔ گھبراؤ مت وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتے تم ایک آنسو بھی بہادوگی تو انکی ناراضگی ختم ہو جائیگی۔"

نیمل نے شوخی سے کہا۔ وہ اسکے آگے چل رہی تھی پر رخ رومائزہ کی طرف تھا اور الٹے قدم لے رہی تھی۔ رومائزہ نے آنکھیں بڑی کیے اسے دیکھا۔

"ناراضگی.."

"ہاں جو تمھیں ایسا لگتا ہے کہ وہ تم سے ناراض ہو گا، باقی مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا۔ دیکھو وہاں جا کر سب سے پہلے شکرانے کے نفل ادا کرنا۔" انوش کے ساتھ مل کر نیمل اسے خوب تنگ کر رہی تھی۔ اور ہدایتیں کرنے لگی۔

وہ تینوں باہر آگئیں۔ میران جو مخصوص صوفے پہ بیٹھا سفیر اور مراد سے ہم کلام تھا اسکی نگاہیں رومائزہ کی آمد کے احساس سے اٹھی۔ اس نے بائیں طرف دروازے کے پاس نگاہیں اٹھائیں تو وہ پلٹنا بھول گئیں۔ وہ مبہوت ہو کر دیکھے گیا۔ رومائزہ کی گھبراہٹ مزید بڑھنے لگی۔ حالات کے زیر اثر وہ پریشان ہو رہی تھی۔

میران کی نگاہیں اسکے آنکھوں کے لرزتے ہوئے جھکے جھالر پر ٹھہر گئیں۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

میری زندگی کا اک حسین اثاثہ ہو تم دل کی دھڑکن کا خوبصورت خلاصہ ہو تم

میں دیکھتا ہوں تجھے تو مجھے لگتا ہے ایسا جیسے میری آنکھوں کا انمول تارا ہو تم

ہوتا نہیں ہے جس میں کبھی خسارہ مجھے میری زندگی بھر کا وہی سرمایہ ہو تم

دل میں اترتا ہے جیسے کسی اعظم شاعر کے اشعار سی طرز سے میرے دل میں اتر آئے ہو تم

لوگ کرتے ہیں طرح طرح کے سوال مجھ سے میرے ہر سوال کا جواب بن کے آئے ہو تم

انوش رومائزہ کو بلکل اس کے پاس لائی اور میران کو کچھ اشارتاً کہا۔

میران نے ہاتھ آگے بڑھایا وہ ابھی بھی محویت سے پورے استحقاق کے ساتھ رومائزہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اسکے لبوں کی پراسراری بڑھ گئی۔

رومائزہ کی تو ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ میران کی قربت کے احساس پہ وہ ٹھنڈی پڑ گئی اور انوش نے اسکا ہاتھ اٹھا کے جب میران کے ہاتھ میں رکھا تب وہ برف ہو گئی۔ روما نے انوش کو گھورا پر وہ سننے کہاں والی تھی۔

"بہت مبارک ہو دونوں کو، میران بھائی آئی ایم سوری کبھی تھوڑا بہت الٹا سیدھا آپکو کچھ بول دیا ہو تو، چھوٹی سالی سمجھ کر معاف کر دیے گا۔ اور اب آپکو میران جاہ میران جاہ تو کہہ نہیں سکتے اچھا نہیں لگتا نہ اس لیے میں میران بھائی ہی کہونگی۔"

اسکی بات سن کر مراد اور سفیر ہنسنے لگے۔ انوش نے رومائزہ کے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر اپنی بات کر دی تھی۔

"ضرور سالی صاحبہ۔" اجنبیت کی دیوار گراتے وہ مسکرا کے بولا۔

رومائزہ کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ میران نے پہلو میں بیٹھی اپنی زوجہ پہ نگاہ ڈال کے پھیر لی۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ سے نکال کے آہستگی سے اسکی گود میں رکھ دیا تھا اور خود سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

وہ بلکل خاموش تھی۔ نظریں اٹھانا دوبھر ہو گئی تھیں پلکیں من بھر بھاری ہو گئیں۔

کھانے کے بعد رخصتی کا شور اٹھا۔

رومائزہ سب سے مل رہی تھی۔ اسکے آنسوؤں تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میران اور سفیر ساتھ کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

"آج سے وہ واپس تمھاری چھوٹی بہن ہی ہے۔"

سفیر کو اپنے برابر سے اسکی سرگوشی سنائی دی۔ وہ سفید کرتے پر کالا واس کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال جیل سے سیٹ کیے ہوئے تھے۔ آستینوں کے کف کہنیوں تک فولڈ تھے۔ وہ بے حد دلکش لگ رہا تھا اور پیچھے ہاتھ باندھے سامنے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"تو تم مجھے غم منانے بھی نہیں دو گے۔"

"سفیر احمد کیسا غم؟" میران نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"مذاق کر رہا ہوں۔ مجھے پہلے والی رومائزہ مل جائیگی اس سے بڑھ کے اور کیا بات ہو گی۔" سفیر نے لب پیوست کر لیے۔

"تمھارا بے حد شکریہ سفیر۔ یہ تم اتنے بڑے دل کے مالک ہو جو اتنا بڑا فیصلہ کر گئے۔"

"تمھارے فیصلے کے آگے یہ کچھ نہیں۔ میں نے تو صرف کوشش کی دو دلوں کو ملانے کی۔ خوش رکھنا میری کزن کو اتنی سی عمر میں بہت دکھ دیکھ چکی ہے۔"

سفیر کی نگاہیں رومائزہ پہ تھیں۔وہ حلیمہ بی کے گلے لگی تھی۔اسے اطمینان آگیا تھا۔بس اگلی زندگی کا سوچ کر کنفیوز ہوگئی تھی۔

میران نے سفیر کو گلے لگالیا۔

"تمھارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولونگا۔خدا کرے تمھیں بھی کوئی اچھی لڑکی مل جائے جو تمھاری زندگی جنت بنادے۔" دل سے میران نے دعا دیتے ہوئے ہنس کر کہا۔ سفیر مسکراتا گیا۔

"پتا نہیں کب ملے گی۔" وہ لہجے میں بے حد بے چارگی سموئے بولا۔

"دیکھنے والی آنکھیں ہونی چاہیے، ہوسکتا ہے کوئی ہو جو تمھیں چاہتی ہو۔" سفیر سمجھ نہیں سکا تو میران نے بات ٹال دی۔انوش تبھی عائشے کے ساتھ اٹھلاتے ہوئے وہاں آگئی تھی۔

"اب یہاں کھڑے باتیں ہی کرتے رہیں گے یا اپنی بیگم صاحبہ کو سنبھالیں گے؟ بھئی بہت مشکل کام ہے اسے سنبھالنا اب یہ ذمہ داری آپکی ہوئی۔"

عائشے نے بال پیچھے کرتے ہوئے جان چھڑانے والے انداز میں شوخی سے کہا۔کتنا سکون دے رہا تھا یہ احساس کہ وہ اب ہمیشہ کے لیے اسکی ہوگئی ہے۔بل آخر رومائزہ شنواری اسکی بیوی کے رتبے پہ فائز ہو ہی گئی۔

میران نے کبھی کہا تھا یہ دنیا جو انھیں دور کرنے پہ تلی ہوئی کسی دن یہی ان کو ایک کر دیں گے۔ خیال کے ماتحت اسکے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

میران آگے بڑھ گیا اور پھر رخصتی کا مرحلہ بھی طے پایا۔ غضنفر اور بتول نے خوشی خوشی اسے رخصت کیا تھا رومائزہ اپنے ساتھ ڈھیر ساری دعائیں اور سب کا ڈھیر سارا پیار لے کر رخصت ہوئی تھی۔

زندگی نے نیا موڑ لے لیا تھا۔ رات ہو چکی تھی، لمحوں میں دلہا ہی بدل گیا۔ بل آخر وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میران جاہ کی ہو گئی تھی۔ رومائزہ بھیگے اشکوں سے گاڑی کے باہر دیکھتی رہی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھی اور دوسری طرف میران تھا۔ دونوں کے درمیان اجنبیت کی انتہا تھی۔ جیسے ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہی نہ ہوں۔ رومائزہ تو شرمندگی کے احساس سے مخاطب کر بھی نہیں پائی تھی۔

عزیز نے گاڑی بنگلے میں داخل کر دی۔ رومائزہ ہق دق سی بنگلے کی خوبصورتی کو دیکھنے لگی۔ جیسا سنا تھا یہ اس بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ اسے تو فارم ہاؤس کا لان اتنا بڑا لگتا تھا پر یہ تو اس سے کئی گناہ وسیع تھا۔ اور درمیان میں سفید بنگلہ کھڑا تھا۔

آنسو اس نے اپنے اندر اتار لیے۔

پورچ کی بجائے گاڑی عزیز نے سیڑھیوں کے پاس لاکر روک دی تھی۔ اور باقی سیکورٹی کی گاڑیاں زن کی آواز پہ پورچ میں جالگیں۔

روما کا دل بس باہر نکلنے کو تھا۔ میران گاڑی سے اترا وہ بت بنی اندر ہی بیٹھی رہی۔ اپنی طرف کا دروازہ بند کر کے وہ اسکی جانب آیا اور دروازہ کھولا۔ رومائزہ نے چونک کے سر اٹھایا۔ میران کا مغرور چہرہ آنکھوں کے سامنے تھا۔

واس کوٹ کے اس نے بٹن کھول رکھے تھے نگاہیں اسکی وجاہت سے ہٹیں تو اسے احساس ہوا وہ بے تاثر انداز میں اسکے باہر نکلنے کا منتظر کھڑا ہے۔

غرارہ سنبھالتی ہوئی وہ باہر نکلی بے ساختہ سہارے کے لیے اس نے میران کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ یک ٹک اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ پھر خود کو کمپوز کر کے ارد گرد دیکھا۔

یہاں فارم ہاؤس سے زیادہ سیکورٹی تھی۔ اور بہت بڑا باغ تھا جو بے حد پر کشش تھا۔ حلیمہ بی دوسری گاڑی سے نیچے اتر کے پاس آئیں۔ انھیں دیکھ کر رومائزہ کو حوصلہ ہوا ورنہ تو گھبراہٹ سے پاگل ہو جاتی۔

میران کے اشارے پہ وہ اسے اندر لے جانے لگیں۔ میران نے پھر اسکا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا۔ روما کو بہت برا لگا تھا۔ ناک پھلا کر میران کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

وہ ان دونوں کے پیچھے چل رہا تھا۔ لبوں پہ خاص مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ملازموں نے بہت اچھے سے انکا استقبال کیا۔ رومائزہ حد درجہ کنفیوز تھی، خاموشی سے پھیکا سا مسکرا دیتی۔

اس نے بنگلے کو اندر سے دیکھا جسکا انٹیریئر بہت خوبصورت تھا۔ اور سب سے پر کشش اوپر جاتی سیڑھیاں تھیں۔ جسکے گرد پلر کھڑے تھے اور اوپر بھی باقاعدہ راہداری کے ساتھ کمرے تھے۔

"یہیں بیٹھو گی یا کمرے میں لے چلوں؟ تھک گئی ہو گی نا۔" حلیمہ بی نے پلٹ کر اس سے پوچھا۔ رومائزہ نے سر ہلا دیا تو اسے میران کے کمرے میں لے جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھیں۔ اسکا دل تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر سیڑھیوں تک پہنچی۔ یہ سیڑھیاں سر کرنا بڑا مشکل لگا تھا۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ کندھے کا درد ختم کہاں ہوا تھا۔

سر بھی دکھ رہا تھا۔ اوپر فلور پہ آنے کے بعد بڑی سی دو طرف راہدری تھی۔ ڈیکوریشن پیس کرسیاں وغیرہ جگہ جگہ لگے تھے۔ اور ایک گلاس وال سیڑھوں کے سامنے تھی جن پہ باغ کی لائیٹس کی چھن چھانی روشنی پڑ رہی تھی۔

حلیمہ بی نے میران کے کمرے کا لاک گھمایا اور اسکو بازو سے تھامیں اندر لے آئیں۔

کمرہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی رومائزہ کے رونگھٹے کھڑے ہو چکے تھے کھینچ کے سانس لی۔

کمرہ اس میں رہائش پذیر شخص کی نفاست کا پتا دے رہا تھا۔ عجیب سے احساس نے رومائزہ کو چھوا۔ لبوں پہ مسکراہٹ گھل گئی۔ حلیمہ بی نے مسکرا کے اسے دیکھا اور بیڈ پہ لے جا کر بٹھا دیا۔ وہ ہیلز اتار کے پیر لٹکا کر ہی بیٹھی تھی۔

"یہ کس کا کمرہ ہے؟"

اس نے کمرے میں نظر گھمائے پوچھا۔ سب سے اچھی جگہ اسے گلاس وال اور بالکونی لگی تھی۔ جسکا دروازہ تک کانچ کا تھا۔ وہ اس طرف راغب ہو رہی تھی۔ دل کو اس نے قابو کیا۔ یہ خوبصورتی ہی تو اسے اپنی طرف کھینچتی تھی۔

"چھوٹے سائیں کا کمرہ ہے اور آج سے تمھارا بھی۔" حلیمہ بی نے مسکرا کر جواب دیا رومائزہ نے پلکیں بچھا دیں۔

"حلیمہ بی آپ یہیں رہینگی نا؟" ہاتھوں میں موجود چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے اس نے دھیمے سے پوچھا۔

"فلحال تو یہاں ہوں، پر واپس فارم ہاؤس چلی جاؤنگی۔" انھوں نے آگے بڑھ کے اسکا ماتھا چوما رومائزہ نے آنکھیں بند کرلیں۔

"چلو اب آرام کرو۔ کچھ بھی چاہیے ہو تو بلا جھجھک کہہ دینا۔ تمھارا سارا سامان اندر ڈریسنگ روم کی کلازیٹ میں موجود ہے۔"

"کھانا منگواؤں کیا؟"

جاتے جاتے انھوں نے پلٹ کر پوچھا، انکا یہ ممتا بھرا انداز وہ کب سے یاد کر رہی تھی۔ اٹھ کر اس نے پاس جا کے انھیں گلے سے لگا لیا۔

"آپ بہت اچھی ہیں، اتنا خیال رکھتی ہیں کہ میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"

وہ اسکے ساتھ پہلے دن سے ہی ایسی تھیں۔ اسے یاد آیا تھا فارم ہاؤس میں اسکا پہلا دن جو تھا تب رو رو کر اس نے برا حال کیا ہوا تھا اور بھوکی رہ رہی تھی حلیمہ بی نے ہی اسے کھانا کھلایا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ ہر ماں اپنے بچوں کا ایسے ہی خیال رکھتی ہے۔ میں نے سائیں اور تم میں کبھی فرق تھوڑی کیا ہے۔ میری پیاری بیٹی... آج تم نے مجھے بے حد خوشی دی ہے۔ چھوٹے سائیں اتنے دن سے کھل کے مسکرائے نہیں تھے آج انکے چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ دیکھ کر دل کو سکون پہنچ گیا ہے۔"

حلیمہ بی نے اسکی پیٹ تھپکائی وہ آہستہ سے دور ہوئی۔

اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انھوں نے کہا۔ آخری بات پہ رومائزہ نے نگاہیں چرا لیں۔ انکی مسکان گہری ہو گئی۔

وہ باہر چلی گئیں۔ رومائزہ کندھا تھامتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر کمرہ دیکھنے لگی۔ دھیان بار بار بالکونی کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے اسی جانب قدم بڑھا دیے۔ شیشے کے پاس جا کر اس نے باہر دیکھا۔ پورا لان اسکی آنکھوں کے سامنے تھا۔ باغ کا خوبصورت منظر آنکھوں میں سمو کر وہ کئی پل خوش ہوتی رہی۔

میران سیڑھیاں پار کر کے راہداری سے گھوم کے کمرے کے پاس آیا۔ لاک گھما کے وہ اندر داخل ہوا۔ دروازے کی آواز پہ چونک کر رومائزہ پیچھے پلٹی۔

میران جگہ پہ رک سا گیا۔ ایک نگاہ رومائزہ کے غرارے میں زیب سنجے سنورے روپ پہ ڈالی پھر خود کو کمپوز کر کے دروازے بند کر کے اندر آگیا۔ واس کوٹ اتار کے اس نے صوفے پہ رکھ دی۔ آستینوں کے کف کھولنے لگا۔ رومائزہ جس نے سوچ لیا تھا اس سے اپنے رویے کی معافی ضرور مانگے گی۔ اسکے موجودگی کے حصار میں سن گی پڑ گئی زبان تالو کو جا چپکی۔

وہ منتظر تھی کہ میران اسے مخاطب کرے گا شکوہ کرے گا پر وہ تو کچھ کہہ ہی نہیں رہا تھا۔ بلکہ دوبارہ نظر اٹھا کے اسے دیکھا تک نہیں ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

رومائزہ کا چہرہ بجھ سا گیا۔ ڈوبتے دل کے ساتھ قدم اٹھا کر وہ بیڈ کے کنارے آکر بیٹھ گئی۔

پتا نہیں کب تک اسکی ناراضگی دیکھنے کو ملتی۔ رومائزہ کی بچی کچی ہمت بھی اڑن چھو ہوگئی۔

تھکن کے احساس سے اس نے بددلی سے جیولری اتارنی شروع کردی۔وہ جہاں سوچ بیٹھی تھی کہ میران اسے دیکھے گا تعریف کرے گا، الٹا اس نے تو بات کرنا تک گوارا نہیں کی۔

رومائزہ کو غصہ سا آنے لگا۔کیا اسکی محبت ختم ہوگئی تھی؟ اس نے سب سے پہلے کانوں کو وزن دار جھمکوں سے آزاد کیا۔ہاتھ سے انگھوٹی اتار کے رکھی۔ گجرے اتارنے کے بعد چوڑیاں اتار کے ہاتھوں کو آزاد کیا۔

دوپٹے کو پنوں سے آزاد کر کے شانوں پہ پھیلا دیا۔ تھوڑی پرسکون ہوئی تھی میران شاور لے کر بال تولیے سے رگڑ تا باہر نکل آیا۔کالے ٹراؤزر جس کے ایک طرف سفید دھاری تھی اسکے ساتھ سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔شرٹ پہ کچھ پانی بوندیں گر چکی تھیں۔

رومائزہ اسے مبہوت سی دیکھے گئی۔

وہ ایسے شخص کی بیوی بن چکی تھی جسکے پیچھے کئی لڑکیاں مر مٹی تھیں، جو اسکی ایک جھلک دیکھنے کو ترستیں اور اسکی زرا سی اپنی جانب توجہ کی خواہش مند تھیں۔

بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا پیکر تھا۔میران نے تولیہ ایک طرف رکھا اور بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا ڈریسنگ کے پاس چلا گیا۔

وہ رومائزہ کی نظریں خود پہ محسوس کر رہا تھا۔

"جاؤ تم بھی فریش ہو جاؤ۔"

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد بالوں میں برش چلاتے ہوئے میران نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ رومائزہ کو اپنی ذات کی کم آہنت کا احساس ہوا۔ آنسوں خود میں اتار کے وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئ۔

"اگر ایسے ہی موڈ رکھنا تھا تو شادی کیوں کی، اللہ جی کیا کروں میں۔ وہ تو بات ہی نہیں کر رہا کیسے معافی مانگوں؟ آپ مجھے سزا دے رہے ہیں نا میں نے اسکے ساتھ کتنا برا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ اللہ میں بہت بہت شرمندہ ہوں۔ آئیندہ اسے کچھ نہیں کہونگی بس ابھی سب ٹھیک کر دے۔"

ڈریسنگ روم میں جا کے وہ خوب بڑبڑا رہی تھی۔ ایک الماری کا پٹ کھولا تو اس میں میران کے کپڑے موجود تھے۔ سب سے زیادہ سفید اور اسکے بعد سیاہ رنگ کے کئ کرتے ہینگر ہوئے تھے۔ نیچے دراز تھی رومائزہ نے کھولی تو اس میں لاتعداد مہنگی ترین گھڑیاں تھیں۔ رومائزہ نے بد دلی سے وہ پٹ بند کر کے دوسرا دروازہ کھولا۔

اس میں رومائزہ کے کپڑے موجود تھے۔ ایک سلک کا سادہ سا جوڑا نکال کے وہ چینج کرنے کے لیے چلی گئ۔

باہر آ کر دیکھا تو وہ بالکونی میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ بالکونی کا دروازہ بند تھا۔ بلکل بیویوں والی عادت رومائزہ کو اسکا سگریٹ پینا برا لگا تھا۔ جلتے کڑتے تھکن کے مارے بیڈ پہ ایک کونے میں سمٹ کر لیٹ گئ۔ شادی کی پہلی

رات ایسی تھی شوہر نے بات کرنا تک گوارا نہیں کی۔ وہی شخص جو محبوب ہونے کا دعویدار تھا اب کدھر گئی تھی اسکی محبت؟ آگے زندگی کا سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی۔ خیر کونسا وہ ساری زندگی ناراض رہتا۔ رومائزہ کو تو زیادہ سوچنے کی عادت ہو گئی تھی۔

صوفے پہ لیٹ کر جسم کو مزید دکھانے کی وہ بے وقوفی نہیں کر سکتی تو بیڈ ہی آخری آپشن بچا تھا۔

اے سی کی کولنگ بلکل مدھم تھی۔ بال خشک کر کے وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ ماتھے پہ اب بھی چوٹ کے نشان تھے جو پہلے میک اپ سے کوور کر دیے گئے تھے۔ ایک بار پھر رومائزہ نے بالکونی کی طرف دیکھا۔ دانت پیس کر آنکھیں بند کر کے کروٹ لے لی۔

"میری بلا سے کچھ بھی کرے، میں بھی بات نہیں کرونگی۔" سوچوں کا مرکز صرف میران تھا۔

میران واپس کمرے میں آیا تو اسے سوتے پایا۔

کنپٹی سہلا کر اس نے قدم اسکی طرف بڑھائے۔

اسکا معصومیت سے بھرا چہرہ دیکھ کر میران کے لبوں پہ سرور سے مسکان آ گئی۔ پر یہی لڑکی جب جاگ جاتی تو اس سے زیادہ ظالم اور کوئی تھا بھی نہیں۔ وہ اسکے چہرے کے قریب آیا اور پنجوں کے بل بیٹھ کر محویت سے بوجھل ہوتی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

رومائزہ کے بال چہرے پہ گر کے اسکی نیند میں خلل پیدا کر رہے تھے۔ میران نے ہاتھ بڑھا کے آہستہ سے انھیں کان کے پیچھے کر دیا۔ انگلیاں اسکے بھرے بھرے گالوں سے مس کیں اور جبڑے بھینچ کر اٹھتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

صبح جب رومائزہ کی آنکھ کھلی تو میران تب بھی کمرے میں موجود نہیں تھا پر اسکی طرف کی شکن آلود بیڈ شیٹ دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا وہ رات آیا ضرور تھا۔

ناشتے کے وقت عائشے نیمل اور مراد آ گئے تھے۔

مراد اور میران تو لان میں چلے گئے۔ حلیمہ بی فرید کے ساتھ کاموں میں لگ چکی تھیں۔

وہ تینوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ عائشے نے رومائزہ پہ سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"پہلے یہ بتاؤ سفیر بھائی کیوں نہیں آئے؟"

"میری بہن ہم کوئی ناشتہ لے کر نہیں آئے۔ میران نے انکو منع کر دیا تھا۔ ہم لوگ تو بس تم سے ملنے آئے ہیں۔ انوش رہ گئی اسکو سونے سے فرصت نہیں ملی ورنہ میں اسے ساتھ لے کر آتی۔" عائشے نے ڈائننگ ٹیبل پہ کہنیاں جما رکھے کہا۔

"اچھا سہی ہے۔"

"تم بتاؤنا کیا کیا ہوا۔ میران بھائی سے بات کرلی؟" نیمل کے تجسس بھرے انداز پہ رومائزہ کا سر جھک گیا۔

"کیا خاک بات ہوتی۔ اسکے مزاج ہی نہیں مل رہے، عائش اس نے بات بھی نہیں کی۔"

رومائزہ نے آخر میں رونی سی شکل بنالی۔ ہونٹ سکیڑ کے کہا۔

"اور تم نے بات کرنے کی کوشش کی؟"

"ہمت ہی نہیں ہوئی مخاطب کرنے کی۔ ویسے تو مجھے اسکے غصے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ پر اب پڑتا ہے، ڈرتی نہیں ہوں میں پر اس بار بات نہیں کی جارہی۔" رومائزہ بے حد جھنجھلائے انداز میں بولی۔ عائشے مسکرانے لگی۔

"ہوتا ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نیمل نے تسلی دی۔

"تمھاری رخصتی کب ہورہی ہے پھر؟" رومائزہ نے موضوع بدلتے ہوئے نیمل کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس نے شرمانے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

"دائم کا بس نا چلے وہ ابھی ہی گھر لے جائیں۔ دو مہینے بعد کا وہ کہہ رہے تھے۔ اب بس بڑوں میں بات طے کی جائیگی۔"

نیمل اپنی انگھوٹی کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے ہوئے جواباً بولی۔

"ارے ہاں پر سو بھابھی اور بھائی بھی تو ہنی مون پہ جا رہے ہیں۔" نیمل نے بلا جھجھک چھوٹتے ہی کہا۔ عائشے شرم سے پانی ہو گئی۔

"نیمل میں تمھارا گلا دبا دونگی اگر اب تم نے یہ بات کسی کو بتائی۔"

اسکے ہنی مون لفظ پہ عائشے شرمندہ ہو گئی تھی۔ رومائزہ کی شرارتی نظریں اسے پریشان کرنے لگیں۔

"یار گھومنے جا رہے ہیں۔"

"ہاں تو گھومنے ہی جاتے ہیں۔" رومائزہ نے آنکھیں پٹا کر کہا۔ عائشے اسے پرانے روپ میں دیکھ کر مسکرائی۔

آخر کار اسے اپنی دوست مل گئی تھی۔ ہاں اسکی ازدواجی زندگی ٹھیک نہیں تھی پر وہ مطمئن تھی آخر ساتھ اپنے من پسند شخص کا ساتھ جو مل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب چلے گئے۔ رومائزہ کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ نگاہیں ایک کمرے پہ ٹھہر گئیں۔ صبح معلوم ہوا تھا کہ زولفقار جاہ کا وہ کمرہ ہے۔ مراد اور نیمل ان سے ملنے گئے تھے۔ میران نے نکاح کی خوش خبر انھیں سنائی تھی۔

انکی طبیعت کا جان کے اسے عجیب سا محسوس ہوا۔ نا کوئی ترس نا کوئی نفرت۔

وہ کمرے میں چلی آئی۔ کمرے کے چکر کاٹتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کس طرح میران سے بات کرے۔ اسکی نگاہ ٹیبل پہ پڑے اسکے پرفیومز پہ گئی۔ دماغ کے گھوڑے دوڑائے۔ سب سے برانڈڈ مہنگا والا پرفیوم اس نے اٹھایا۔ اسکی خوشبو سونگھی۔ یہ میران کی پسندیدہ خوشبو تھی وہ زیادہ تر یہی لگایا کرتا تھا۔

رومائزہ نے کچھ سوچتے ہوئے اسے فرش پہ پھینک دیا۔ آنکھوں میں شرارت کے ساتھ خوف بھی تھا۔ وہ اسکا غصہ سہنے کو بھی راضی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ کوئی کمرے کی طرف آرہا ہے تو ڈریسنگ روم میں جا گھسی۔

میران کمرے میں آیا تو اپنا پسندیدہ پرفیوم ٹوٹا پڑا دیکھ ٹھٹک گیا۔ اس نے ملازمہ کو آواز دی تو وہ چلی آئی۔

"کیا ہے یہ سب؟" میران کو لگا کے شاید صفائی کے دوران ٹوٹ گیا ہو۔ اسکا لہجہ بہت سخت بھی نہیں تھا۔

"چھوٹے سائیں میں تو ابھی کمرے میں آئی ہی نہیں۔ بی بی سرکار نے تھوڑی دیر بعد صفائی کا کہا تھا۔"

ملازمہ کی بات سن کر میران کے لبوں پہ مسکراہٹ آگئی۔ بی بی سرکار..

وہ زیرِلب بڑبڑایا۔ تو محترمہ جس لفظ سے چڑتی تھیں وہ زندگی بھر کے لیے ساتھ لگ گیا تھا۔

ملازمہ کی آواز سن کر رومائزہ باہر نکلی۔ وہ لال فراک میں بے حسین لگ رہی تھی اور سیدھا میران کے دل میں چھیڑ چھاڑ کرتی اتری تھی۔

"یہ مجھ سے ٹوٹ گیا انھیں مت ڈانٹو۔ "لہجہ مضبوط کر کے اس نے کہا۔

"نہیں بی بی سرکار سائیں ڈانٹ تھوڑی رہے تھے۔ "بختو فوراً میران کی طرف داری کرتے بولی۔ روما نے زبردستی مسکرا کے انھیں دیکھا میران نے سر جھٹک لیا۔

"یہ صاف کروادیں۔ "وہ حکم دلی سے کہتا صوفے پہ جا بیٹھا۔ اتنا ٹھنڈاری ایکشن دیکھ کر روما ئزہ تلملا کر رہ گئی۔ رونا آنے لگا۔

گھر واپس آکر عائشے پیکنگ میں مصروف ہو چکی تھی۔ مراد کمرے میں داخل ہوا اس نے کچھ دنوں کی چھٹیاں لے لی تھیں۔ عائشے کو بازو سے تھام کر قریب کیا۔

"مراد ایک بات بولوں؟"

لب کترتے ہوئے اس نے تمہید باندھ کر کہا۔

"میران کو بولیں روما سے بات کرلے۔ وہ بہت پریشان تھی۔"

مراد نے سختی سے اسے گھورا۔

"اچھا ہے میران کو تھوڑی ناراضگی ظاہر کرنے دو اور وہ بھی زرا پریشان ہو۔ اور میں نے کہا تھا نا انکے معاملے میں ہم کچھ نہیں بولیں گے۔"

"آہاں ہاں! خود نے شادی کروادی اور میں کچھ بولوں بھی نا!"

آنکھیں چڑھا کے جتا کر وہ بولی۔

"عائشے تم نے ایک بات نوٹ کی ہے۔" مراد لہجے میں تجسس سمائے بولا۔ عائشے اب کپڑے تہہ کر کے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

"کیا؟"

"یہی کہ تم نے کبھی بتایا نہیں مجھے سے پیار کرتی ہو بھی کہ نہیں!" اس نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا پر آنکھوں میں شرارت پھونٹ رہی تھی۔

"کیا کریں گے جان کر؟" وہ اترائی۔

"جو بھی کروں، یہ جاننا میرا حق ہے۔ بتاؤ محبت کرتی ہو مجھ سے؟" مراد اسے بازو سے پکڑ کے قریب کر کے اسکی آنکھوں میں دیکھے بولا۔ عائشے کے چہرے پہ حیا کے رنگ بکھر گئے۔

"یہ کیسا سوال ہوا بھلا۔ شادی کے بعد ہر لڑکی اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔" اسکی شرٹ کے بٹن سے کھیلتے ہوئے عائشے نے کہا۔ مبہم سی مسکراہٹ مراد کے لبوں پہ آئی۔

"تم اپنے دل کا حال بتاؤ۔"

"جواب آپکو پتا تو ہے۔ کیوں تنگ کر رہے ہیں۔" وہ فاصلہ بنانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کھڑی رہو یہیں جواب دو گی تو جانے دونگا۔" وہ دوٹوک بولا۔

"کیا بولوں تو؟"

"اظہار محبت کر دو بس۔"

"مراد.." وہ منمنائی، پھر تھوڑا سنبھلی۔

"جیسے آپ میرے لیے احساسات رکھتے ہیں ویسے ہی میں بھی رکھتی ہوں۔ آپکے دور جانے کا خیال جان نکال دیتا ہے۔ آپکا ساتھ اچھا لگتا ہے۔ خوش نصیب ہوں جو مجھے آپ ملے۔ جس نے مجھے میرے ماضی کے ساتھ قبول کیا۔ ہر قدم پہ میرا ساتھ دیا۔ اس محمل چڑیل کی باتوں پہ یقین بھی نہیں کیا۔"

وہ اسکی آنکھوں میں زیادہ دیر دیکھ نا سکی نگاہیں جھکالی۔ مراد نے مسکرا کے اسکی پیشانی پہ اپنا لمس چھوڑ دیا اور بیڈ پہ جا بیٹھا۔ عائشے نے تسلی سے پھر پیکنگ مکمل کرلی تھی۔ وقفے وقفے سے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیتے۔

دوسری طرف سفیر اپنی روٹین میں واپس آگیا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ دو محبت کرنے والوں کو اس نے ملا دیا پھر اپنا کیا جاتا تھا؟

انوش نے اپنی محبت کو اندر کہیں سلا دیا تھا۔ ناہی یہ بات اسے تکلیف دیتی تھی ناہی اس نے مزید کسی پہ عیاں ہونے دی۔ وہ اب بس اپنے فیوچر کو لے کر متفکر تھی۔

دن گزر گیا رات ہوگئی۔ رومائزہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ میران پورے دن گھر سے باہر تھا۔ ٹی وی چینلز پہ اسکے نکاح کی خبر پہنچ چکی تھی۔

پورے دن رومائزہ کا فون مبارکباد سے بجتا گیا تھا۔ کلاس فیلوز حیراں تھے اور وہ انکی حیرانی پہ لاجواب تھی۔

اللہ نے کس طرح اتنی آزمائشوں کے بعد ایک کردیا تھا۔ پر یہ لاتعلقی کی دیوار کب ختم ہوتی کون جانے۔

وہ سوچوں میں غرق تھی میران کب آیا اسے محسوس نہیں ہوا۔

وہ فریش ہو کے نائٹ ڈریس میں باہر نکلا۔ گہری سانس کھینچ کر بیڈ کی طرف آرام کرنے کیلیے بڑھ گیا۔ رومائزہ ہوش کی دنیا میں آئی۔ اسے بیڈ پہ آتے دیکھ جی جان سے لرز اٹھی اور ایک کونے میں مزید سمٹ گئی۔ کل تو میران بعد میں آیا تھا اس لیے پر سکون سی سو گئی تھی۔ اب تو اسے پتا نہیں نیند آتی بھی کہ نہیں۔

جہاز سائز بیڈ تھا۔ پر میران زرا سے بھی ہاتھ پھیلاتا تو ضرور رومائزہ تک ہاتھ پہنچ ہی جاتے۔ اسکا حلق سوکھ گیا۔ وہ مسلسل کروٹیں بدلنے لگی۔ میران کی نیند میں بری طرح خلل ہوا۔

"اگر میرے یہاں سونے پہ اتنا ہی مسئلہ ہے تو بتا دو، میں چلا جاؤنگا۔" اچانک اسکی برہم آواز کان کے پردے سے ٹکرائی وہ اچھل پڑی۔

"بلکہ مسئلہ تمھیں ہے تم صوفے پہ جا کے لیٹو۔" میران پھر بولا۔ رومائزہ کی ناک بے عزتی کے احساس سے پھول گئی۔

"میں کیوں سوؤں وہاں؟ پہلے جسم کم دکھ رہا ہے جو وہاں جا کر اکڑنے کے لیے لیٹ جاؤں۔ تم کو سونا ہے تو سو جاؤ۔"

روما کی بس ہو گئی تھی بنا کسی نرم تاثر کے وہ پھٹ پڑی۔ اسکا کندھا اب تک دکھ رہا تھا وہ پین کلرز لے رہی تھی پر درد آہستہ آہستہ جاتا تھا زخم تو بہت بہتر تھے ان میں تکلیف بھی نہیں تھی۔ بنگلے میں ہر کوئی اسکی خاطر مدارت کر رہا تھا سوائے میران جاہ کے!

میران نے اسکی بات سن کر سختی سے لب پیوست کر لیے اور خاموش ہو کے کروٹ بدل لی۔

رومائزہ کی صبح آنکھ کھلی۔ وہ اٹھ کے بیٹھ گئی۔ چہرہ گھمایا تو میران وہاں ارد گرد سے بے خبر اسکی طرف کروٹ لیے سو رہا تھا۔ اسکے شفاف چہرے پہ رومائزہ نے مسکرا کے نگاہ ڈالی۔ مبہوت ہوئے کئی لمحے اسکے چہرے کے نقوش دیکھنے میں گزر گئے۔

دھیرے سے ہاتھ بڑھا کے رومائزہ نے میران کی کی جھکی گھنی پلکوں کو چھوا۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ اتر آئی۔

"معاف کر دو مجھے کب تک بات نہیں کرو گے۔ جان نکل رہی ہے میری اور تمھاری ناراضگی ختم نہیں ہو رہی۔" اسکے چہرے پہ جھکے وہ دل میں مخاطب ہوئی۔ ماتھے پہ گرے بال پیچھے کر دیے پھر بیڈ سے اتر گئی۔

وہ بے تابی سے بالکونی میں چکر کاٹ رہی تھی۔

میران فریش ہو کر باہر نکلا ڈریسنگ کے پاس اسٹینڈ پہ اسکا سفید کرتا ہینگ تھا۔

بالوں میں ہاتھ چلا کر وہ کرتا لینے کی غرض سے اسٹینڈ تک آیا۔

کرتے کے اوپری بٹن ٹوٹے دیکھ صبر کا گھونٹ بھر کے رہ گیا۔ پلٹ کر بالکونی میں دیکھا۔ رومائزہ پتھر کا مجسمہ بنی ریلنگ پہ ہاتھ جمائے باغ کی طرف رخ کیے کھڑی تھی۔ لب پیوست کیے میران نے اسکی پشت دیکھی۔

"ایک... دو.... تین... اب بمب پھٹے گا۔" رومائزہ نے دل ہی دل میں ورد شروع کر دیا۔

"یہ کچھ بول کیوں نہیں رہا؟ چار... پانچ۔۔ چھ سات دس گیارہ..." دانت پیس کر وہ پیچھے پلٹی تو میران کسی دوسرے کرتے میں ملبوس ڈریسنگ کے پاس کھڑا کف لنکس بند کر رہا تھا۔

"یا اللہ ویسے تو یہ بات بات پہ بھڑک اٹھتا ہے اب اتنی سی چنگاری بھی نہیں لگ رہی..."

وہ پیر پٹخ کر دائیں بائیں انگلیاں چٹخاتے چلنے لگی۔ بس دل پانی سے بھرنے کو آگیا تھا۔

یعنی وہ اس سے بات تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آنسوؤں سے لبالب آنکھیں اٹھا کر اس نے آسمان کی جانب دیکھا۔ پھر گہری سانس کھینچ کر بالکونی سے باہر آئی۔ وہ کمرے سے نکل جانا چاہتی تھی۔ تیزی میں سوچوں میں غرق بالکونی کے دروازے سے نکل کر باہر آئی اور بیڈ کے پاس سے گزرتے ہوئے اسکا پیر بیڈ کی پائینتی سے جا ٹکرایا۔

بے اختیار رومائزہ کی چیخ بلند ہوئی۔ پیر پکڑ کے وہ لنگڑائی۔ میران لمحے میں اسکے سر پہ پہنچا تھا۔

رومائزہ نیچے جھکی پیر سہلانے لگی اچانک میران قدموں میں بیٹھا تھا اور اسکا ہاتھ ہٹا کر پیر ٹٹولنے لگا۔ ہلکی سی خراش آئی تھی۔

رومائزہ نے بھیگی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

جب میران کو تسلی ہوئی کہ گہری چوٹ نہیں لگی تو سرد انداز میں کھڑا ہو گیا۔

سرد نگاہیں رومائزہ کی پانی سے لبریز جھیل آنکھوں سے ٹکرائیں۔ بے اختیار رومائزہ کی آنکھ سے آنسو پھسل کر تھوڑی کا سفر کرتے نیچے گر گیا۔ میران لب پیوست کرتا پلٹ گیا۔

ایک آنسو پھر موتی کی صورت میں گال پہ لڑک آیا۔ بے دردی سے آنسو صاف کر کے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

نیچے آکر رومائزہ نے ملازموں کی پوری فوج کو ایک ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔ اور خود نیچے سے تیسری سیڑھی پہ جا کھڑی ہوئی۔ مرد ملازموں کا سر جھکا ہوا تھا۔ رومائزہ نے گلا کھنکارا۔

سب حیرانی سے گزر رہے تھے کہ آخر کیوں بی بی سرکار نے ان سب کو ایک ساتھ یوں اکٹھا کیا تھا۔

"مجھے آپ لوگوں سے ایک بات کرنی ہے۔ پر اس سے پہلے آپ لوگ مجھے بتائیں میں کون ہوں؟" سلیقے سے اس نے دوپٹہ شانوں پہ پھیلایا ہوا تھا۔ اور سینے پہ ہاتھ باندھے بات کا آغاز کیا۔

"آپ بی بی سرکار ہیں۔" سب ایک آواز میں بولے۔

"نہیں... یہی بات مجھے آپ سب سے کرنی ہے۔ آپ لوگ مجھے بی بی سرکار نہ بولا کریں۔ صرف بی بی ہی بول دیا کریں وہ چلے گا۔ پر سرکار ساتھ نہ لگایا کریں۔" چہرے کے زاویے بگاڑ کے ان سب کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔ سب کے منہ لٹک گئے۔

"ای کیا بات ہوئی سرکار؟ ہم تو بڑے سائیں کی بیگم کو بھی بی بی سرکار کہتے تھے۔ اب چھوٹے سائیں کی سوہنڑی سی بیوی آپ ہیں تو آپ کو بی بی سرکار بولیں گے۔"

بختو نے دوپٹے کو انگلی پہ لپیٹ کر کہا۔ روما نے سانس اندر اتاری۔

"ہم سب یہاں رہتے ہیں۔ ہیں نا! مل جل کر رہیں گے۔ سرکار شرکار بہت عجیب سا لگتا ہے بھلا آپ خود بتائیں یہ اتنا بھاری بزرگوں جیسا نام مجھ پہ اچھا لگتا ہے؟" آنکھیں پھیلا کر رومائزہ نے سوال کیا۔

"جو بھی پر ہم تو یہی بولیں گے۔" فرید ڈھٹائی سے بولا روما نے گھور کے اسے دیکھا۔

"بی بی صاحب یہ نام آپکے رتبے پہ جچتا ہے، کسی عام رتبے پر آپ فائز نہیں ہیں۔ گاؤں کے لوگوں کو نئی بی بی سرکار ایک عرصے بعد جا ملی ہیں۔ لڑکیاں ترستی ہیں بی بی سرکار کے رتبے پر فائز ہونے کے لیے۔ آپ نہیں جانتی چھوٹے بابا پہ کتنی لڑکیاں فریفتہ ہیں۔"

ملازمہ نے منہ میں پان رکھے اپنے مخصوص انداز میں بڑی رازداری سے بتایا۔بے ساختہ رومائزہ کو اسکے لہجے پہ ہنسی آگئی۔

"ویسے جب سے آپ آئی ہیں نا بنگلے میں رونق ہو گئی ہے۔"مالی بابا نے سر اٹھا کر خوشی سے کہا تو وہ مسکرانے لگی۔

"آپ سب بہت اچھے ہیں۔میرا اور آپکا کوئی ملازم والا سین نہیں ہے۔آپ سب میرے اپنے ہیں۔"رومائزہ نے بڑے دل سے کہا تو سب کے چہرے کھل اٹھے۔

"بی بی سرکار..."

"زندہ باد۔۔۔"فرید کے ساتھ سارے نعرہ لگانے لگے۔رومائزہ خوب ہنس رہی تھی۔اوپر میران تک شور کی آواز پہنچی تو وہ چونک کر کمرے سے باہر نکلا اور سیڑھیوں کے کنارے پلر کو تھام کر نیچے چلتا تماشا دیکھنے لگا۔

یہ رومائزہ نے بنگلے میں جلسہ سجا دیا تھا۔

"بس بس ابھی آپکے اکڑو سائیں آگئے تو بے عزتی ہی ہو جائے گی۔"ان سب کی آوازوں کے درمیان رومائزہ نے مداخلت کرتے کہا۔

"نہیں جی سائیں آپکے ہوتے ہوئے ہمیں کچھ نہیں بولیں گے۔عزیز بتا رہا تھا وہ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

بختو نے شرارت سے کہا۔ اوپر کھڑے میران کے کان سرخ ہو گئے، ایک دن میں اس گھر کے ملازموں کا یہ حال تھا رومائزہ کے اتنا قریب ہو گئے تھے اور کیسے ان سب کی زبانیں چل رہی تھیں وہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ورنہ اسکے سامنے سب کے منہ پہ قفل لگے ہوتے تھے۔

"وہ کوئی پیار نہیں کرتے۔ انکو اپنے کام سے سب زیادہ پیار ہے۔"

رومائزہ کی زبان پھسلی۔ میران تو اسکی بات سن کر ساکت رہ گیا۔ کیا وہ اسکی عزت کا فالودہ نکالنے کے لیے کھڑی تھی؟

غصہ دباتے ہوئے وہ سیڑھیوں سے نیچے آنے لگا۔

رومائزہ کی لمبی تقریر شروع ہو گئی۔ ذات پات کی برابری پہ اس نے اپنا لمبا لیکچر دینا شروع کر دیا تھا۔

میران اسکے پیچھے ایک سیڑھی کے فاصلے پہ آن کھڑا ہوا۔ وہ بے خبر ہوا میں ہاتھ بلند کرتی پر جوشی سے بولتی چلی جا رہی تھی۔ ملازموں کی نگاہ میران پہ گئی سب نے آنکھیں میچ کر بی بی سرکار کو دیکھا جو پٹری پہ سے اتر چکی تھیں۔ سب کی زبانیں تالو سے جا چپکیں۔

میران سینے پہ ہاتھ لپیٹے فرصت سے پیچھے کھڑا رومائزہ کو سنتا رہا۔ اسکے آنکھوں میں جامعہ کا منظر گھوم گیا۔ وہ پہلی ملاقات، رومائزہ کی پہلی دید جو اسٹیج پہ اسے نصیب ہوئی تھی۔ وہ تو ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ وہ لڑکی جو تقریر کرتی ہوئی سیدھا میران جاہ کے دل میں اتر گئی تھی۔

جس کے شکوؤں نے میران کے ذہن پہ قبضہ جما لیا تھا۔ نڈر اور باہمت رومائزہ شنواری جو بولنے پہ آتی تھی تو خاموش کروانا مشکل ہو جایا کرتا تھا۔ جو میران کی ذات سے بلکل بے پرواہ تھی اپنی ذات میں مگن خود پسند۔ آج وہی اسکی محبت میں کتنے پاپڑ بیل رہی تھی۔

رومائزہ کی لمبی تقریر ختم ہونے پہ میران خیالات سے باہر نکلا۔

"آپ لوگوں کو کچھ بھی مسئلہ ہو مجھ سے شئیر کر سکتے ہیں میں آپکے سائیں کی طرح بلکل غصہ نہیں کرونگی۔

اور آپ لوگ مجھے بی بی سرکار کی بجائے صرف بی بی پکارا کریں گے۔" سب کو سمجھاتے ہوئے اس نے آہستہ سے دونوں ہتھیلیاں آپس میں ملا دیں۔

"جی بی بی سرکار۔" لبوں پہ زبان پھیر کے سب نے سر جھکا کے کہا۔

"کیا ہے بھئی؟ مجھے اب کسی سے بات ہی نہیں کرنی۔ سب اپنی مرضی چلائے جا رہے ہیں۔ میری خواہش کا آپ لوگ احترام ہی کر لیں.." وہ انکو پیسجنے لگی۔ ملازموں کی ہوا تو میران کو پیچھے دیکھ کر خشک ہو چکی تھی۔

"بی بی سرکار وہ..." فرید نے میران کی موجودگی کا بتانے کے لیے منہ کھولا۔

"نہیں ہوں میں کوئی سرکار ورکار۔ پہلے ہی سائیں لفظ سے پریشان ہوں اب یہ نیا نام سر پہ مصلت ہو گیا۔ سارے مغرور سائیں کے چمچے!"

غصے میں کہہ کر وہ پلٹ کر جانے لگی میران سے اسکا تصادم ہوا۔

رومائزہ کی سانس اندر اٹک گئی، آنکھیں پھٹ گئیں۔ گڑبڑا کے اس نے میران کو دیکھا جو ملازموں کے بت بنے مجسمے دیکھ رہا تھا۔

"کمرے میں جاؤ۔"

رومائزہ کی کلائی پکڑ کے وہ قدرے سختی سے بولا۔ روما نے کچھ بولنا چاہا پر میران کی سخت گھوری پہ ہمت جواب دے گئی۔ کلائی چھڑاتی وہ اوپر بھاگ گئی۔

اندازہ ہو گیا تھا وہ ضرورت سے زیادہ بول چکی ہے اب تو میران اسے ہر گز نہیں بخشتا۔

کمرے میں آکر وہ اسکا انتظار کرنے لگی۔ دس منٹ گزر گئے وہ واپس نہیں آیا۔ تشویش کے مارے وہ کمرے سے باہر نکلی۔

"کہاں ہے وہ؟"

ملازمہ کو اوپر آتا دیکھ رومائزہ نے پوچھا۔

"وہ کون؟ چھوٹے سائیں؟ ارے وہ تو تبھی چلے گئے۔ شکر انھوں نے غصہ نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا ناجی وہ آپکی وجہ سے غصہ نہیں کریں گے۔ آپ بتائیں دوپہر کے کھانے میں کیا کھانا پسند کریں گی پھر فرید وہی بنائے گا۔" بختو نے لہک لہک کر بتایا اور آخر میں سوال کیا۔

رومائزہ کے چہرے پہ اداسی پھیل گئی۔

"کچھ بھی بنوالو.." وہ کہہ کر کمرے میں واپس آ گئی۔

اندر آ کے اس نے سر پیٹا۔ کہیں وہ مزید خفا نہ ہو گیا ہو۔ یہ روٹھی ہوئی بیوی والی حرکتیں اب اسے غصہ دلانے لگی تھیں۔ پھر اسے اپنی غلطیاں یاد آتیں تو واپسی میران سے بات کرنے کا بھوت چڑھ جاتا۔ بیڈ پہ موبائل بجنے لگا۔

"یہ چڑیل مجھے کیوں فون کر رہی ہے..."

دل میں سوچ کر رومائزہ نے کال ریسیو کر کے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو رومائزہ کیسی ہو؟"

"بہت اچھی ہوں، خیریت کیسے یاد کرلیا؟" آنکھیں چڑھا کے وہ اسکیچ بک اور پینسل لے کر بیٹھ گئی۔ کاؤچ پہ سامان رکھ کر خود ماربل پہ بچھے مہرون قالین پہ بیٹھ گئی۔

"تم نے بتایا نہیں میران جاہ سے تمھاری شادی ہونے لگی ہے۔ خبروں میں تمھارا نام سنا اور انوش نے یونی کے گروپ میں اس بات کی تصدیق کی ہے۔"

یہ عروبہ عامر تھی۔ دوسرے ڈپارٹمنٹ کی جو رومائزہ کو حد سے بھی بے حد بری لگتی تھی۔ وجہ اسکا فالتو کا شوخا ہونا اور اترانا تھا۔ ایک میدان میں دو تلواریں بھلا کیسے رہ سکتی تھیں؟ جیسے رومائزہ عروبہ کو ناپسند کرتی تھی ویسی ہی عروبہ کی بھی اسکے بارے یہی رائے تھی۔ رومائزہ اس کی طرح ہی خوبصورت تھی پر کھرا بولتی تھی اندازِ بیان میٹھا تھا پر جب پارا ہائی ہوتا تھا تو لوگ توبہ کرتے تھے۔

ومائزہ کے اندر جلن کا فیکٹر دور دور تک نہیں تھا اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کون کیا کر رہا ہے کس لیے کر رہا ہے۔ اسے اپنی ذات سے سارے مطلب تھے اور اپنے قریبی لوگوں سے۔

"مجھے تو خود بھی نہیں پتا تھا میری ان سے شادی ہونے والی ہے۔" پینسل کو تھوڑی کے نیچے ٹکا کر اس نے کہا۔

"کیا مطلب کیسے؟"

"تم نے مبارکباد دینے کیلیے فون کیا ہے تو دو مبارکباد۔"

"اوہاں۔ بہت مبارک ہو تمھیں۔ سب کا کرش لے اڑیں۔ بس بچ کے رہنا لوگ بہت حاسد ہوتے ہیں۔"

عروبہ کی بات سن کر رومائزہ کی شریانیں پھول گئیں۔ وہ اسکی سب معنی خیزی سمجھ رہی تھی۔

"میں ان پر اور خود پہ چاروں قل پڑھ کے دم کر دیتی ہوں تاکہ چڑیلوں اور جنوں کی کالی پیلی نظروں سے محفوظ رہیں۔" وہ جتا کر بولی۔

"تمھیں چاہیے سب کو پارٹی دو، ہم بھی تو میران جاہ سے ملیں پھر۔"

"بلکل نہیں۔ مجھے فضول خرچی نہیں پسند۔ اور تمھارا بہت شکریہ۔ میں فون رکھتی ہوں میران بلا رہے ہیں۔" تیور بگاڑ کے رومائزہ نے کال کاٹ دی۔

"دیکھو زرا اسکا بس چلے تو میرے سامنے میرے شوہر پہ لائن مارنا شروع ہو جائے۔ جیسے مجھے معلوم نہیں کس طرح یہ میران پہ فریفتہ تھی۔ یااللہ میرے سہاگ کی حفاظت فرما ان چڑیلوں کی نظروں سے۔" فون برابر میں رکھ کے وہ کاغذ پہ کچھ لکھنے لگی۔

'آئی ایم سوری میران۔ مجھے معاف کر دو تم بہت اچھے ہو میں نے کبھی تم کو سمجھا ہی نہیں...'

"آئے یہ کیا لکھ دیا۔ اپنی برائیاں تھوڑی کرنی ہے معافی مانگنی ہے بس۔" کاغذ پھاڑ کے گولہ بنا کر اس نے دور پھینک دیا۔ پھر دوسرے کاغذ پہ کچھ لکھنے لگی وہ بھی پسند نہیں آیا تھا اسے بھی پھاڑ کے اچھال دیا۔

دو تین سطریں لکھنے کے بعد یہ مرحلہ جاری رہا۔ دس بارہ کاغذ کے گولے اسکے ارد گرد پڑے بے مول ہو رہے تھے۔

"کیا ہوا روما تم مجھے کال کر رہی تھیں؟" انوش نے جب اسکی مسڈ کالز دیکھیں تو کال بیک کی۔ رومائزہ نے فون اسپیکر پہ کر دیا تھا۔

"یہ ایک بات بتاؤ کیا ضرورت تھی یونی کے گروپ میں میری شادی کی خبر ڈالنے کی! اس عروبہ کو سمجھا دو ورنہ میرے ہاتھوں سے اسکا قتل ہو جائیگا۔" رومائزہ نے کلس کر کہا۔ اور ایک مزید گولہ بنا کر سامنے پھینکا۔

"یار تم عادت ڈال لو یہ سب اب چلتا رہے گا۔ ایک عروبہ کو روکو گی اس جیسی سو عروبہ اور نکل آئینگی۔ تم خوشی مناؤ کہ وہ شخص تمھارے پاس ہے جسکی لاکھوں دل چاہت لیے بیٹھے ہیں۔"

انوش کی بات پہ اسکا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ وہ اپنے آپ اپنی چیزوں کو لے کر شدت پسند تھی پھر میران تو اسکا شوہر تھا کیسے یہ سب برداشت کر لیتی۔ انٹرنیٹ پہ بھی الٹی سیدھی میمز پڑھ کے غصہ آ رہا تھا۔ فلحال اسکی تصویر منظر عام پر نہیں گئی تھی۔ اسکے باوجود کسی لڑکی نے کمینٹ کیا تھا۔ میران جاہ کو اس سے اچھی لڑکی ملنی چاہیے تھی۔ اب رومائزہ کو غصہ نہیں آتا تو کیسے!

سورج ڈھلتے ہوئے ساحل کے پانی میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ باغ میں موجود چرند پرند بھی اپنے ٹھکانوں میں جا بسے۔ انکی ہلکی پھلکی چہچہاہٹ کمرے میں آ رہی تھی۔

میران آج جلدی ہی بنگلے واپس آ گیا تھا۔

کچھ دیر وہ نیچے زولفقار کے پاس بیٹھا رہا پھر اوپر اپنے آفس میں چلا آیا۔ بختو اس سے کھانے کا پوچھنے کی غرض سے آفس میں آئی۔ لائبریری میں آکر اسکے آفس کے دروازے کے باہر ہی رک گئی۔

"میران بابا..." بختو کے دروازے کے پاس سے پکارنے پہ میران نے لیپ ٹاپ پہ جھکا سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"کھانا لگوا دوں آپکے لیے؟ بی بی صاحبہ نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا آپ انھیں بھی بلا لیجیے گا۔" بختو اپنا حلق تر کر کے بولی۔ میران کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"انھوں نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" کہنی ٹیبل پہ جمائے اس نے پوچھا۔

"جب سے آپ گئے تھے اسکے بعد سے وہ کمرے سے ہی نہیں نکلیں۔ دروازہ بھی اندر سے بند ہے مجھے تو اب ٹینشن ہو رہی ہے۔ آپ دیکھ لیں کہیں انکی طبیعت ناخراب ہو۔ صبح بھی کہہ رہی تھیں کندھے میں درد ہو رہا ہے۔"

بختو بنا ڈرے روانی میں کہتی چلی گئی۔ میران لیپ ٹاپ بند کر کے چیئر سے اٹھ گیا۔

"حد ہے تم مجھے اب بتا رہی ہو۔" اپنا کوٹ اٹھا اٹھا کر وہ آفس سے باہر نکل آیا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف رخ کیا۔

اسکا چہرہ بے تاثر تھا۔ میران چابی سے لاک کھول کے کمرے میں داخل ہوا۔

چار قدم لے کر وہ آگے آیا۔ کاؤچ پہ سر رکھے رومائزہ بے خبر سی نیند میں اتری ہوئی تھی۔

اس طرح وہ کافی بے آرام محسوس ہو رہی تھی۔

"کندھے میں تکلیف ہے اور مزید درد بڑھانے کیلئے ایسے سو گئی ہے۔ بے وقوف لڑکی..!" وہ صرف سوچ ہی سکا۔

ہاتھ پیچھے باندھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

ہر چیز پھیلی ہوئی تھی۔ رومائزہ ایسی تو نہیں تھی چیزوں کو پھیلا کر رکھنے والی۔ بلکہ ایسا لگ رہا تھا جان بوجھ کے سب کیا ہو۔

جب وہ نیچے سے اوپر میران کے کہنے پہ آئی تھی اس وقت غصے میں اس نے بیڈ شیٹ کھینچ ڈالی تھی تکیے اٹھا کے بیڈ پہ پٹخے تھے۔

بیڈ کی حالت دیکھ میران سانس بھر کے رہ گیا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کبھی جو اسکے بستر کی ایسی حالت ہوئی ہو۔ وہ تو بیڈ شیٹ پہ شکنیں تک گوارا نہیں کرتا تھا۔ یہاں تو پوری بیڈ شیٹ کھینچ ڈالی گئی تھی۔

کافی سارے کاغذ کے گولے فرش پہ پڑے تھے۔ میران ماتھے پہ شکن ڈالے نیچے جھکا۔ پیر کے قریب پڑا کاغذ کا گولہ اٹھا کے کھولا۔

اندر لکھی سطر پڑھ کے اس نے ایک نگاہ رومائزہ کو دیکھا جس کے منہ پہ بال گرے ہوئے تھے اور سارے جہاں کی معصومیت چہرے پہ سموئے سو رہی تھی۔

میران نے سارے کاغذ کے گولے جمع کر کے پڑھنا شروع کیے۔

"کیا تمھاری محبت ختم ہوگئی میران؟ اس محبت کی خاطر معاف کر دو مجھے بہت برا لگ رہا ہے.."

"کڈ نیپر آئی ایم رئیلی سوری..."

"تم غصہ کرو ڈانٹو پر پلیز بات کرلو..."

اس طرح کی مزید سطر ان کاغذوں پر لکھی تھی۔ میران سکون سے پڑھتا گیا۔

"سوری میں نیچے سب کے سامنے زیادہ بول گئی۔ تم بلکل بھی اکڑو اور مغرور نہیں ہو بہت اچھے ہو۔ بہت بڑے دل کے ہو۔ تمھارا دل صاف ہے میری طرف سے بھی اپنا دل صاف کرلونا۔۔"

"تمھارے مطابق میں تو چھوٹی اور کم عقل کند ذہن وقوف ہوں تو معاف کر دو نا.. مجھے تم پہ بھروسہ کر لینا چاہیے تھا۔"

"میں نے تمھیں جتنی بدعائیں دی تھی اللہ سے وہ سب واپس لے لیں۔ اللہ تم کو میرے ساتھ لمبی زندگی دے۔" بے اختیار میران ہنس پڑا۔

"میں بتا رہی ہوں اب اگر بات نہیں کی تو میں چلی جاؤنگی..."

"تفف ہے..." آخری کاغذ پہ لکھی سطر پڑھ کے میران نے سر تھام لیا۔ اسے منا رہی تھی یا دھمکیاں دے رہی تھی۔ شکن آلود کاغذ ٹیبل پہ چھوڑ وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

پنجوں کے بل رومائزہ کے نزدیک آکر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر اسے یونہی ٹک ٹکی باندھ کر دیکھنے کے بعد میران نے اسکے چہرے پہ پھیلے بال پیچھے کر دیے۔

وہ نیند میں محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی اسکے بالوں میں آہستہ سے انگلیاں چلا رہا ہو۔ نیند میں وہ مزید پر سکون ہو گئی لبوں پہ اطمینان بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

میران نے جھک کے اسکے چہرے کے نقوش کو دیکھا پھر نگاہ رومائزہ کی مسکراہٹ پہ تھم گئی۔

سر سے ہاتھ ہٹا کر دو انگلیوں سے اس نے رومائزہ کا ماتھا چھوا جہاں اسے چوٹیں آئی تھیں۔ اس پہ نگاہیں جمائے آہستہ سے ماتھا انگوٹھے کی مدد سے سہلاتا رہا اسکے ریشمی بالوں پہ ہاتھ پھیرا ان سے اٹھتی بھینی خوشبو خود میں اتاری۔ پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد رومائزہ کی آنکھ کھلی وہ کسمسا کر اٹھ بیٹھی۔ نیند میں مندی مندی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ کمرہ نیم تاریک تھا۔ گلاس وال کے پردے برابر تھے، کمرے میں زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ اور واش روم سے پانی کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

کچھ دیر تو اسے اپنی حالت کو سمجھنے میں لگے۔ وہ میڈیسن کھا کر سوگئی تھی پھر اسے کسی چیز کی ہوش و خبر نہیں رہی۔

بالوں کو پیچھے جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر اس نے ہاتھ نیچے کیے تو ہاتھ کمفرٹر پہ جا ٹھہرے۔ جوڑا کھل کر واپس کمر پہ گر گیا۔

اسے یاد آیا وہ تو فرش پہ بیٹھی تھی اور کاؤچ پہ سر رکھے سوگئی تھی پھر بیڈ پہ کیسے آن پہنچی۔

اسے محسوس ہوا کوئی سر میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ رومائزہ کی ساری خماری بھک کر کے اڑ گئی۔ کمفرٹر اتار کے وہ بے قراری سے بیڈ سے نیچے اتری اور کاغذ کے گولے ڈھونڈے جو اس نے پورے کمرے میں پھیلائے ہوئے تھے۔ بے ساختہ نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ کونے پہ رکھے ڈسٹ بن پہ گئی۔

جا کر ڈسٹ بن میں جھانکا تو کئی کاغذ اسی میں پڑے تھے۔ رومائزہ کے دل میں ہنگامہ آرائی شروع ہوئی۔ میران نے یہ یقیناً پڑھ لیے تھے۔

ان کاغذوں کو ڈسٹ بن میں پڑا دیکھ اسکا چہرہ جو خود کو بیڈ پہ پا کر کھل اٹھا تھا واپس بجھ گیا۔

"آئی ہیٹ یو میران..." آنسو کا گولہ اندر اتار کے ڈریسنگ روم کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور منہ بسور کے واپس جا کے بستر پہ لیٹ گئی۔

ادا مطلب، نگاہ مطلب، زباں مطلب، بیان مطلب

بتا مطلب کہاں جاؤں؟ جہاں جاؤں؛ وہاں مطلب

دو دن یوں ہی گزر گئے پر انکے تعلق میں کچھ بہتری نہیں آئی۔ رومائزہ کچن میں پانی کی غرض سے گئی تھی۔ حلیمہ بی پرسو ہی واپس جا چکی تھیں۔ اسکا دل تنہائی کے مارے ڈوبے جا رہا تھا۔

وہ راہداری سے گزر رہی تھی کہ کسی کی آوازیں محسوس ہوئیں۔ نظر دوڑائی تو ذوالفقار جاہ کا کمرہ کھلا تھا۔ ہمت کر کے اس نے وہاں جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

اندر داخل ہوئی تو حیران رہ گئی۔ ساکن نگاہوں سے انھیں دیکھے گئی۔

وہ چست و توانا جسامت کے انسان اکڑے جسم کے ساتھ بستر سے لگے تھے۔ ملازم انھیں کھانا کھلا رہا تھا اور وہ شاید کھانا نہیں کھانا چاہتے تھے جبھی غصہ کر رہے تھے۔

انکی طبیعت تو ایک جیسی رہتی پر جسم ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ زندہ لاش سی بن گئے تھے۔ روز کئی لوگ آتے ان سے مل کر چلے جاتے ایک اچھا وقت گزر جاتا ہر اسکے بعد وہی تنہائی۔ میران گھر میں جب آتا انکے پاس لازمی بیٹھتا تھا وہ اپنے باپ کا ہر طرح سے خیال رکھ رہا تھا۔ کسی چیز کی کمی نہیں کی تھی پر طبیعت میں سدھار نہیں آ رہا تھا۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا انکی دماغ کی رگیں بری طرح ڈیمج ہو چکی ہیں اسی لیے جسم نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور بہتر ہونے کے چانسز بھی کم بتائے تھے۔ پھر بھی روز باقاعدگی سے فزیوتھراپسٹ گھر آتا تھا۔

رومائزہ کے آنے پہ ملازم کمرے سے نکل گیا وہ گنگ کھڑی تھی۔ زولفقار جاہ اس سے نظریں نہیں ملا سکے۔ انھوں نے بیڈ شیٹ کو مٹھی میں جکڑ لیا۔

ان کو دیکھ کر اسکی عجیب سی حالت ہو گئی۔

زولفقار نے بولنے کی ہمت کی۔

"مم مجھے معاف کر دو.." اتنے میں ہی انکا جسم کپکپا گیا تھا۔ رومائزہ نے سانس کھینچی۔ انھیں معلوم تھا اب وہ انکی بہو بن چکی ہے، کتنے غلط کام کیے تھے اسے میران کی زندگی سے نکالنے کے لیے پر خدا کی کرنی ایسی تھی آج وہ بہو بن کر آ چکی تھی۔ نصیب سے انسان کہاں لڑ سکتا ہے۔

"میں نے آپکو معاف کر دیا ہے۔" رومائزہ کی زبان لڑکھڑائی۔

زولفقار خوب رونے لگے۔

"میرے بابا نے مجھے بچپن میں کہا تھا کسی سے نفرت نہیں کرنا یہ انسان کو مار دیتی ہے۔ انھوں نے ہی بتایا تھا معاف کرنے کو اللہ پسند کرتا ہے۔ کیا معلوم اس عمل سے میرا اللہ خوش ہو جائے۔"

سانس روک کے وہ خاموش ہو گئی۔ اسکا دم گھٹنے لگا۔

"اللہ آپکے لیے آسانی پیدا کرے۔" وہ آج کوئی سخت الفاظ بول نہیں پائی ایک شخص پہلے ہی اتنی اذیت میں تھا وہ کیا اور تکلیف دیتی۔

اسکا دل ایسے ہی بڑا تھا۔ وہ مزید وہاں رکی نہیں دم گھٹ رہا تھا باہر نکل آئی۔ پیچھے وہ بلک بلک کر روتے چلے گئے۔

عزیز اندر آیا بڑے جاہ کے کمرے سے رومائزہ کو نکلتا دیکھ کر وہیں چلا آیا۔

"کچھ چاہیے تھا آپ کو میڈم؟" شکر کوئی تھا جس نے اسے بی بی سرکار نہیں بولا تھا۔

"ہاں میرا ان چاہیے۔ میرا مطلب کہاں گیا ہے وہ؟" اچانک وہ حواس میں آئی اور بات سنبھالی۔ عجیب زبان پھسل رہی تھی۔ عزیز کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"وہ تو مصروف رہتے ہیں۔ دورے پہ گئے ہیں۔ شام میں دائم کے ساتھ انکی ملاقات ہے رات کو ہی لوٹیں گے۔" رومائزہ کا چہرہ اداسی سے روشناس ہوا۔

"انھوں نے کہا کے آپ سے پوچھ لوں آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" عزیز آفس کے کاموں سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تھا۔

"مجھے بس اسی کی ضرورت ہے.." وہ سوچ کے رہ گئی۔ یہ شخص سہی اسے تڑپا رہا تھا۔ وہ پہلے ہی اندر گلٹ کا شکار تھی۔ آخر کیوں کر رہا تھا وہ یہ سب؟

"نہیں شکریہ سب ہے یہاں۔ کچھ چاہیے ہو گا تو میں میران سے ہی کہونگی۔"

"آپ انھیں میران بولتی ہیں؟ شادی کے بعد تو یہاں کی خواتین سائیں ہی کہا کرتی ہیں۔" عزیز ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ رومائزہ چونک گئی کان کے پیچھے بال کیے۔

"عزیز بھائی اب آپ نا شروع ہو جائیں۔ میں نہیں بول سکتی یہ، آپ لوگ تھکتے نہیں ایک لفظ کی گردان کرتے کرتے؟" الٹا وہ عزیز سے سوال کر بیٹھی۔

"اچھا ویسے ایک بات کہوں، سائیں نے ایک دیڑھ ماہ سے خود کو زیادہ مصروف کر لیا تھا۔ پر اب آپ آگئی ہیں نا تو وہ مصروفیات اپنے حساب سے رکھیں گے۔" عزیز نچلا لب دبائے بولا۔۔ رومائزہ اسکی بات کا مطلب بخوبی سمجھی تھی۔

"ویسے یہ اتنا بڑا بنگلا ہے اور رہتے صرف دو انسان ہیں جنکا ایک پیر گھر میں ہوتا اور دوسرا باہر عجیب بات نہیں اور ملازموں کی یہاں فوج جمع ہے۔" وہ معیوب ہوئی۔

"تیسری آپ ہیں، سائیں کی نسل بڑھے گی تو گھر میں رونق ہو جائے گی۔" عزیز بڑے سکون سے کہا، اسکی بات پہ رومائزہ سٹپٹا گئی۔

"ویسے مجھے ایک ایسی چیز کا علم ہے جسے دیکھ کر آپکا موڈ بہتر ہو جائیگا۔" اسکی اداسی دیکھ کر عزیز نے تجسس پیدا کر دیا۔

"کیا؟"

"اوپر ایک لائبریری ہے، ادھر جائیں۔ اندر چھوٹے سائیں کا آفس ہے آپ کو وہاں وہ چیز مل جائیگی۔ آفس میں اور کسی کو اجازت نہیں جانے کی میں بھی سائیں کی موجودگی میں جاتا ہوں پر آپ تو انکی بیگم ہیں تو جا ہی سکتی ہیں۔" عزیز کے اس طرح بتانے پہ وہ جاننے کے لیے پرجوش ہوئی۔ وہ بتا کر فوراً اڑن چھو ہو گیا تھا۔ رومائزہ نے سوچتے ہوئے ماتھے پہ لکیریں بڑھا دیں۔ پھر اوپر چلی آئی۔

اندر آئی تو لائیبریری دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ کیا وہ کتابیں پڑھنے کا شوقین تھا؟ اسے انوش یاد آئی وہ اتنی کتابیں دیکھ کر پاگل ہی ہو جاتی۔

اندر ایک دروازہ تھا یقیناً وہی میران کا آفس تھا۔ رومائزہ قدم اٹھا کر دروازے تک پہنچی لاک گھمایا تو وہ آسانی سے کھل گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی آنکھوں پہ تیز روشنی پڑی۔ گلاس وال پہ سورج کی کرنیں پڑ رہی تھی۔ کمرہ میں روشنی کی بارش ہوتی نظر آئی۔ آفس بڑا خوبصورت تھا۔ اس نے چاروں اطراف نظر دوڑائی۔ پھر ایک جگہ نظر ٹھہر گئی۔

یقیناً عزیز اسی چیز کی بات کر رہا تھا۔ ریشم کے کپڑے کے نیچے اسٹینڈ کے پائے دیکھ کر وہ پہچان گئی کہ بورڈ اسٹینڈ تھا۔ تجسس کے ساتھ وہ آگے بڑھی اور اسٹینڈ کے پاس پہنچ کر جلدی سے کپڑا الٹ دیا۔

چند لمحوں میں اسکے چہرے کے زوایے بدل گئے آنکھیں پوری طرح پھیل گئیں۔ اس نے آج سے پہلے اتنی خوبصورت پینٹنگ نہیں دیکھی تھی۔ کیونکہ وہ اسکی پینٹنگ تھی اور وہ انتہا کی خود پسند۔

پر پینٹنگ بہت خوبصورت تھی کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کسی نے پینٹ کیا ہو سب حقیقت سا لگ رہا تھا۔

پینٹنگ کے برابر میں میران کی ریوالونگ چیئر تھی۔ رومائزہ کے سانس بند سا ہوا۔ اس نے مسکرا کے سانس بحال کی۔ پوروں سے پینٹنگ کو چھوا اسکی بڑی خواہش تھی کوئی اسکے چہرے کی پینٹنگ بنائے اور آج بل آخر یہ

خواہش پوری ہو گئی۔ تو میران نے یہ بنوائی تھی۔ سوچ ہی اسکے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھرنے کو کافی تھی۔ اسکا بس نہیں چل رہا پینٹنگ کو سینے سے لگا کے گول گھومے۔ سرخ ریشم کے کپڑے کو سینے پہ بھینچ کر وہ خوشی سے جھومی پھر واپس کپڑا ڈال کے کمرے سے نکل گئی۔

پورا دن خجل خوار ہونے کے بعد رات کو اس نے ٹی وی کھول لیا۔ اپنے کمرے میں ہی موجود تھی۔ بیڈ کراؤن سے سر ٹکایا ہوا۔ بادل زوروں سے گرج برس رہے تھے۔ رات کی بارش تھی اس لیے اس نے دل کو لگام ڈالی ورنہ وہ بالکونی میں جا کر بھیگنے کو تیار تھی۔

کیبل پہ تو کچھ ڈھنگ کا نہیں آ رہا تھا۔ موبائل استعمال کرتے ہوئے بھی وہ تھک گئی۔ اس نے آج پکا سوچ لیا تھا میران سے بات کر کے رہے گی۔ وہ کیوں اس سے رخ پھیر تھا جواب لینا اب ضروری ہو گیا تھا۔

وہ چینل تبدیل کرتی رہی ایک نیوز چینل پہ اس نے ہاتھ روک دیا۔

لاہور بھر میں تیز بارش کی خبریں نیوز کاسٹر سنا رہی تھی۔ موسم بہت خراب تھا۔ رومائزہ نے گھڑی دیکھی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

اسکا دل بیٹھنے لگا۔ اوپر سے نیوز کاسٹر بارش کی وجہ سے پیش آجانے والے حادثات کی بری بری خبریں بڑھ چڑھ کے سنا رہی تھی۔ گھبرا کے رومائزہ نے ٹی وی بند کر دیا۔

اس نے فون اٹھایا اور دائم کو کال ملادی۔

"جی بھابھی خیریت اس وقت کال؟" دائم نے فون کان سے لگا کر پوچھا۔

"دائم میران آپکے ساتھ ہیں؟ عزیز بھائی کہہ رہے تھے وہ شام میں آپ سے ملیں گے۔" نارمل لہجہ برقرار رکھا۔

"نہیں بھابھی وہ تو ایک گھنٹے پہلے ہی گھر واپسی کا کہہ کر جا چکا ہے۔ آپ فون کر کے واپسی کا پوچھ لیں۔" دائم کے بتانے پہ اسے ٹینشن سی ہو گئی۔ ایک گھنٹہ اوپر ہو گیا وہ ابھی تک نہیں آیا اور باہر تیز بارش کی وجہ سے طرح طرح کے وسوسے دل میں پیدا ہونے لگے۔

"جی شکریہ۔ میں فون کرتی ہوں۔" عجلت میں کہتے اس نے فون کان سے ہٹایا۔ پھر ہمت کر کے میران کو کال ملائی۔ ایک نہیں دو نہیں دس بارہ بار اس نے کالز کیں پر نمبر بند جا رہا تھا۔

رومائزہ کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔ اٹھ کر اس نے کاؤچ گھسیٹا اور گلاس وال کے پاس لگا کر بیٹھ گئی۔

"یا اللہ اتنی تیز بارش ہو رہی ہے میران کی حفاظت کرنا، ویسے ہی اسکے ساتھ حادثات بہت ہوتے ہیں۔" اہک بار گولی لگنا پھر دوسری بار گولی سے بچ جانا اور تیسری بار اپنا خود کا اسے بچانا یاد آیا۔ اوپر سے اپنی دی گئی بد عائیں اسے ہر وقت خوف کے زیرِ اثر رکھتی تھیں۔

بس دل ڈوب رہا تھا۔ آنسو بہنے لگے۔ وہ کاؤچ پہ پیر رکھ کے خود میں سمٹ سی گئی۔ نگاہیں مین گیٹ پہ جمی تھیں کہ کب وہ واپس آئے، لاہور کے بگڑے حالات دیکھ کر وہ پریشان ہو رہی تھی۔ انتظار میں رومائزہ کی کمر اکڑ گئی۔ تین گھنٹے گزر گئے تھے اسکا نمبر اب بھی بند تھا۔ رو رو کر آنکھیں دکھنے لگیں۔ نیند سے خمار آلود آنکھوں کو اس نے جگائے رکھا۔

کچھ دیر ہی میں رومائزہ کی آنکھوں سے سیلاب کا ریلا نکل گیا۔ وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ میران اس سے ناراض تھا، وجہ رومائزہ کا برا رویہ ہو گا۔ یا پھر میران کی محبت میں کمی آگئی۔ ورنہ وہ تو کافی جتن اسکو منانے کے لیے کر رہی تھی۔ باہر دیکھتے ہوئے وہ سوچتی رہی۔

گاڑیوں کے اندر آنے کی آوازیں سنائی دیں پہیوں کی چر چراہٹ پیدا ہوئی۔ زن کر کے کالی ہیلکس اندر داخل ہوئی تھی اور اسکے پیچھے ہی دو مزید گاڑیاں... ڈرائیور نے اتر کے فوراً میران کے لیے دروازہ کھولا اور چھتری اسکے آگے کی۔

جب سے اس پہ جان لیوا حملے ہونے لگے تھے تو وہ بغیر سیکورٹی کے کم ہی نکلتا تھا۔ مراد نے بھی اسے تاکید کر رکھی تھی کہ سیکورٹی فورسز کے ساتھ نکلا کرے۔ اور اس پہ وہ کہتا تھا جب کچھ ہو گا تو یہ سیکورٹی بھی کچھ نہیں کر سکے گی۔

گارڈ سے چھتری لے کر کوٹ کندھے پہ ڈال کر انگلی کی نوک سے پکڑے ہوئے وہ سیڑھیوں تک آ گیا۔ پھر باقاعدہ سر کے اوپر چھپڑا تھا۔ اس نے چھتری واپس گارڈ کی طرف بڑھائی اور تیز قدم اٹھاتا ہوا اطمینان سے اندر بنگلے میں آ گیا۔

رومائزہ اوپر کمرے سے اسکو واپس آتا دیکھ مزید بلک بلک کے رونے لگی۔ دل کو اطمینان سا ہو گیا تھا کہ ٹھیک ہے اور سہی سلامت ہے۔ پر غصے سے پارا ہائی ہو چکا تھا۔

میران نے سکون سے لاک گھما کے مردانہ وجاہت سمیت اندر کمرے میں قدم رکھا۔ ایک نگاہ خاموش بیٹھی بیوی پہ ڈالی۔ دروازہ بند کر کے کورٹ بیڈ پہ اچھال کے بیڈ کے بال درست کرتا نزدیک ہی آیا تھا رومائزہ کاؤچ سے اٹھتی ہوئی غصے سے پھٹ پڑی۔

"کہاں تھے تم میران جاہ؟ کہاں تھے؟ پتا بھی ہے میں کتنا پریشان ہو گئی تھی۔ شادی کر لی پر بیوی کی کوئی فکر ہی نہیں۔ اگر ایسے ہی رہنا تھا تو کیوں مجھ سے نکاح کیا۔ پل پل بے رخی سے تڑپا رہے ہو۔ آخر تم تھے کہاں!"

اسکا گریبان دبوچ کے وہ بے حد نزدیک آکر روتے ہوئے چلا کر گویا ہوئی۔ میران تھم سا گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کیا کرے۔

حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات۔

"دیکھ کیا رہے ہو جواب دونا۔ کیوں کی شادی؟ بس اتنی ہی محبت تھی جو نکاح کے بعد ختم؟"

رومائزہ نے پانی سے لبریز آنکھیں میران کی آنکھوں میں ڈال کر شکوہ کیا۔ وہ سسک رہی تھی۔ درمیان میں ہچکیاں بھی آتی جاتیں۔ بپھک بپھک کے روتے ہوئے اس نے سر میران کے کندھے پہ ٹکا دیا۔ وہ برف کی مانند سرد پڑ گیا۔ آہستہ سے میران نے رومائزہ کے گرد بازو حائل کر دیے۔ رومائزہ مزید سمٹ گئی۔

"ضروری کام یاد آگیا تھا اس لیے دیر ہوگئی۔" وہ حیرت پہ قابو نہیں پا سکا۔ دھیرے سے بولا۔ رومائزہ آکر یوں اس سے لگ جائے گی اسے امید ہی نہیں تھی۔

"بہت برے ہو تم بہت برے۔ کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتے۔ سب ختم ہو گیا تمھارا پیار۔ میری بلکل پروا نہیں چار دن سے مجھے تڑپا رہے ہو، پتا ہے میں کتنا روئی ہوں!"

اسکی شرٹ مٹھی میں دبوچے وہ سسکتے ہوئی بولی۔ اسکی باتیں سن کے میران کے ہونٹوں پہ پر اسرار مسکراہٹ رینگ آئی۔ دل کے مقام کے قریب سے اسکی آواز سنتے ہوئے میران نے تھوڑی رومائزہ کے سر پہ ٹکادی۔ گہری سانس خارج کی۔

"برا میں تو نہیں تم ہو، بلکہ بہت ظالم ہو.. "رومائزہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا پھر چہرہ جھکا لیا۔ اسکے چہرے پہ ندامت تھی۔

"ہاں میں بہت بری ہوں پاگل ہوں بے وقوف ہوں۔ تمھیں میں نے اتنا غلط سمجھا۔"

آنسو آنکھ سے ٹوٹ کر گرا اور تھوڑی سے پھسل گیا۔ میران نے دائیں ہاتھ سے اسکا چہرہ تھام لیا اور انگھوٹے سے آنسو صاف کیے۔ اسکا دل مچل رہا تھا۔

چند لمحے اسکے بھیگے نقوش دیکھنے کے بعد سانس اندر اتار کے ایک جست میں وہ آگے بڑھا اور پورے استحقاق سے اپنی محبت کا پہلا لمس اس نے رومائزہ کی پیشانی پہ چھوڑ دیا۔ رومائزہ کے آنسو پھسل گئے۔ وہ پتھر کی ہوگئی، سانس لینا مشکل ہو گیا۔ اور میران اندر تک سرشار ہوا تھا، عنابی لبوں پہ دلفریب مسکراہٹ گھر آئی۔

"جب تم انیس کی تھیں اور عمر اپنی بیس بتائی تھی اس وقت تک تم بہت سمجھدار تھیں سب سمجھتی تھیں۔ پر بیس کی ہونے بعد سے مجھے لگتا ہے تمھاری عقل گھٹنوں میں چلی گئی ہے۔"

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور بلکل سیریس تھا پر آنکھوں کی شرارت پڑھ کے رومائزہ نے ہونٹ کچلے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے معاف کر دو۔ میں تمھارے قابل ہی نہیں ہوں۔" اس نے ہونٹ سکیڑ کے رونے والے انداز میں کہا۔ میران نے لب پیوست کیے اسے دیکھا۔

"کس نے کہا میرے قابل نہیں ہو؟ کب سے یہ فضول سی رٹ لگا رکھی ہے مزید کچھ کہا تو الٹے ہاتھ کا لگاؤنگا۔" وہ تنگ آگیا تھا زچ ہو کر بولا۔ رومائزہ نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تم ہاتھ اٹھاؤ گے؟"

"نہیں۔ تھپڑ مارنا تو تمھارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔"

اس دن کے تھپڑ کا میران نے اپنی بات سے پورا حساب لیا تھا۔ رومائزہ نے بے اختیار اسکے گال پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"آئی ایم سوری، تم بدلے میں بے شک ایک تھپڑ مار دو حساب برابر ہو جائے گا پر مجھے معاف کر دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے یقین کر لینا چاہیے تھا الٹا میں نے اتنا برا بھلا کہا بد دعائیں دیں اور تمھارا بہت دل دکھایا ہے۔ اسی کی مجھے سزا مل رہی ہے۔"

اسکی آنکھوں سے پھر آنسو جاری ہو گئے۔

"مجھے معافی کی طلب نہیں ہے۔نا ہی مجھے تم سے کوئی شکوہ ہے۔ہاں ایک بات پہ ضرور ہے کہ سچ جاننے کے بعد بھی تم سفیر سے ہی شادی کر رہی تھیں۔پر اندازہ ہو گیا کہ تمھاری عقل تو..."رومائزہ کی رونی سی شکل دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"بٹ لیٹ می سے ،مجھے اپنا دل ہلکا کرنا ہے ورنہ ساری زندگی اسی گلٹ میں رہونگی۔"وہ اسے خاموش کراتے بولی۔میران نے اسے شانوں سے تھام کر بیڈ پہ بٹھایا اور خود کاؤچ گھسیٹ کے اسکے سامنے اسکے ملائم ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔

پہلے تو رومائزہ کے ہونٹ سکڑ گئے پھر اس نے بولنا شروع کیا۔وہ بس ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھ رہا تھا۔اس سے زیادہ خوبصورت چہرہ اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔بلکہ رومائزہ شنواری کے چہرے کے علاوہ اور کوئی چہرہ آنکھوں کو بھاتا نہیں تھا۔میران اسکے ہر روپ کا دیوانہ تھا۔کسی چیز کو شدت سے چاہا تھا تو وہ رومائزہ شنواری تھی۔جو تھالی میں سجا کر اسے نصیب نہیں ہوئی تھی بہت پاپڑ بیلے تھے۔جدائی دیکھی غم سہے۔لمبا ہجر طے کیا تھا۔

"تمھیں لگتا ہو گا میں نے کبھی تم پہ بھروسہ نہیں کیا، پر ایسا نہیں ہے۔مجھے تم پہ بھروسہ تھا۔بس زبان سے اقرار نہیں کرتی تھی۔ہاں فوراً ہی بھروسہ نہیں ہوا تھا آہستہ آہستہ ہو گیا تھا۔مجھے معلوم ہو چکا تھا میران وہ

شخص ہے جو رومائزہ کی ہر صورت حفاظت کرے گا۔ جسکے پاس ہونے سے مجھے ہمیشہ تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ جسکی نگاہوں میں محبت اور احترام تھا۔ میں مشکور تھی تمھاری۔

ہاں اس رات تمھیں غلط سمجھا اور الزام لگادیے، غلط میں تھی پر اسکے بعد میرا بھروسہ تم پہ مزید بڑھ گیا تھا۔

اور پتا ہے زولفقار جاہ کے مجھے روک لینے کے بعد بھی میرے دل میں امیدیں تھیں کہ تم نے یہ سب نہیں کیا ہوگا پر تم جب آئے تو تم نے اقرار کرلیا۔ ظاہر سی بات ہے اسکے بعد تو میں غصہ نفرت سب کرونگی۔ تم کو سچ بتادینا چاہیے تھا۔ پر نہیں تم کو تو ہیرو بننے کا شوق ہے۔"

کاؤچ بیڈ سے تھوڑا نیچے تھا وہ میران کے چہرے کے قریب جھکی ہوئی کہتی چلی گئی۔ اسکی گرم سانسیں میران چہرے پہ محسوس کررہا تھا۔ آخر میں لہجہ میں برہمی عود آئی وہ ہنس دیا۔

"میں بھی انسان ہوں کوئی پرفیکٹ شخص تو نہیں۔ مجھ سے بھی اُس وقت غلطی ہوگئی۔ میں اسی گمان میں تھا گھر جاؤگی تو شنواری صاحب تمھیں سچ بتادینگے پر وہ تو پہلے ہی انتقال فرماچکے تھے۔ میں تو مطمئن تھا پر اسکے بعد نیند چین سب کچھ اڑ کے رہ گیا۔"

میران نرمی سے اسکے ہاتھ انگھوٹے سے سہلاتا رہا تھا۔ رومائزہ کے آنسو اسکے ہاتھ پہ گررہے تھے۔

"تم نے معاف کر دیا نہ؟ میرا یہ گلٹ ختم نہیں ہو رہا کہ میں نے ایسے شخص پہ یقین نہیں کیا جس نے صرف میرا سوچا ہر طرح سے میری حفاظت کی، بابا کی اتنی مدد کی۔ میں تمھیں سخت الفاظ بول کر خود بھی تکلیف میں مبتلا ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے فارم ہاؤس میں ہی تم سے محبت ہو گئی تھی پر وہ اظہار کا وقت نہیں تھا۔ میں تمھاری مہمان تھی کیسے اپنا اظہار لبوں پہ لاتی تمھاری محبت کے بارے میں جاننے کے باوجود۔

میری انا اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی نا ہی مجھے گوارا تھا۔ تم تو سمجھتے ہو نا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ مجھے تم سے محبت تھی اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ آج یہ بات کرنے سے میں نہیں کتراؤں گی کیونکہ مجھے اب سارے حق حاصل ہیں، بیوی ہوں تمھاری۔"

رومائزہ نے جنونی سے انداز میں کہہ کر سر میران کی پیشانی پہ ٹکا دیا۔ دونوں نے آنکھیں موند لیں۔

"کر دو آج اس محبت کا لفظوں میں کھل کر اظہار، میرے کان ترس گئے ہیں یہ سننے کیلئے۔" وہ گھمبیر تا سے اسکی بات کے درمیان میں بولا۔ روما نے سانس کھینچی۔

"سنو... میران جاہ نے رومائزہ شنواری کو اپنے عشق میں کامیابی سے گرفتار کر لیا ہے۔ مجھے اس کڈنیپر سے محبت ہو گئی ہے۔ تمھارے بغیر جینے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوچ ہی میری جان ہلکان کر دیتی ہے۔"

وہ بھیگے لہجے میں آنکھیں موندے کہتی چلی گئی۔ اسکے اظہار نے میران کی محبت کو سرخرو کر دیا، طویل ہجر کے بعد آخر وہ اسے مل گئی تھی۔ وہ جی جان سے نم آنکھوں سے مسکرایا۔

"یعنی یہ کڈنیپر دنیا کا سب سے برا انسان تمھیں قبول ہے!"

لہجے کی پراسراری پہ رومانے سر جھکایا۔

"ہاں یہ شخص قبول ہے جس کو میں نے سب سے زیادہ ستایا ہے، پھر بھی اسکی محبت میں کمی نہیں آئی۔"

میران اسکی پلکوں کی جھکی باڑ دیکھتا رہ گیا۔ مبہم سا ہنسا اسکی جھکی تھوڑی اٹھا کے چوم لی۔ وہ آنکھیں بند کر گئی تھی۔

"تم ابتداء سے میرے لیے بہت خاص ہو اور اس اظہار کے بعد تو دل کر رہا ہے صدقے میں اپنی جان دے دوں۔" محبت کے جذبے سے چور انداز میں وہ بولا۔ رومائزہ دور ہٹ گئی۔

"شٹ اپ پلیز.." وہ کلس کر بولی۔ میران کا قہقہہ بلند ہوا۔ یہ جملہ اسکا تکیہ کلام جو بن چکا تھا۔

"اب یہ مرنے مرانے کی بات کی تو اچھا نہیں ہو گا۔" اسکے انداز پہ وہ کھل کر ہنسا۔

"قربان..." وہ دلکشی سے ہنستا ہوا کھڑا ہوا اور اسے اٹھ کے گلے سے لگالیا۔ رومائزہ نے ہاتھ اسکے بازو سے لگادیے۔

"مم معاف کر دیا نا؟"

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ اور تمھاری معافی کی بلکل ضرورت نہیں۔ میں تمھاری پوزیشن بخوبی سمجھتا ہوں بلکہ اب شکریہ ادا کرنا ہے میری زندگی میں آنے کا۔ اور معافی مجھے تم سے مانگنی ہے میں بابا سے تمھیں بچا نہیں سکا، مجھے خود تمھیں گھر چھوڑ کے آنا چاہیے تھا۔"

اسکا ماتھا چوم کر وہ دور ہوا۔ مسرور سی نگاہیں اس پہ مرکوز تھیں۔ رومائزہ کے چہرے پہ حیا کے رنگ بکھر گئے۔

"پر اس میں تمھاری غلطی تھوڑی ہے، غلط میں تھی۔ میران میں بابا کی موت کا سن کر بہت دلبرداشتہ ہو گئی تھی میرے اندر جینے کی خواہش نہیں رہی تھی، کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا اس لیے جب تم نے سچ بتایا تو یقین نہیں کر سکی۔ بھروسہ کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ پر تمھیں سخت الفاظ کہہ کر سکون میں میں بھی نہیں تھی۔"

اسے دیکھتے ہوئے رومائزہ نے کہا۔ میران اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"بے قصور ہم دونوں تھے، غلط تو بس حالات تھے۔ ہمارے ملنے کی ٹائمنگ بہت غلط تھی۔"

اسکی بات پہ رومائزہ نے سر ہلا دیا۔

"سچ جاننے کے بعد بھی سفیر سے شادی کیوں کر رہی تھیں اس بات کا جواب تو دو۔"

وہ اسکے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کی ڈبی اٹھائی پھر رومائزہ کا سانس کا مسئلہ یاد آکر ڈبیہ واپس وہیں رکھ دی۔ رومائزہ اسکی جانب پورا گھوم گئی۔ لفظ تولنے لگی۔

"تمھیں پتا تو ہے۔بس دماغ خراب ہو گیا تھا۔میں بڑے پاپا اور سفیر بھائی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔اور تم سے شرمندہ بھی تھی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ تمھیں مخاطب کر کے اپنے رویے کی معافی مانگوں۔"

اس نے بے چارگی سے کہا۔میران نے رسٹ واچ اتار کے ٹیبل پہ رکھ دی۔سفیر کے ساتھ بھائی لگا سن کے دل کو سکون مل گیا تھا۔

"تم نے میرا اپنا پرندہ اڑایا ہے؟"

"ہاں۔"وہ بنا ہچکچائے بولی۔

"کیوں؟"لاتعداد شکنیں میران کے ماتھے پہ ابھریں۔

"تاکہ تم مجھ پہ غصہ کرو اور بات کی شروعات ہو سکے۔"آنکھیں چراتے رومائزہ نے جواز پیش کیا۔میران نے مسکراہٹ دبائی۔

"جس دن غصہ دیکھ لیا نا تو دوبارہ وہ روپ دیکھنے کی خواہش نہیں بچے گی۔"

وہ ہنس دیا۔اسکی ہلکی پھلکی ہنسی رومائزہ کے دل میں اتر رہی تھی۔

"میں آل ریڈی کئی بار دیکھ چکی ہوں۔"وہ جتا کر بولی۔

"کندھا ٹھیک ہو گیا تمھارا؟" اب وہ دونوں بلکل نارمل ہو چکے تھے جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نا ہو اور بے حد بے تکلفی ہو۔

"بڑی جلدی یاد آ گیا۔ چار دن سے تو خیر خبر تک نہیں پوچھی۔" وہ شکوہ زبان پہ لے آئی۔

"ویٹ ایک منٹ باتوں باتوں میں ایک چیز بھول گئی۔ تم مجھ سے اگر ناراض نہیں تھے تو یہ سب کیا تھا؟ یہ چار دن کس بات کی خاموشی تھی؟"

رومائزہ نے آنکھیں سکیڑ کے پوچھا۔ میران اسکے مقابل آیا۔ گہرا سانس فضا کے سپرد کیا۔

"تمھیں اس رشتے کا احساس دلانا چاہتا تھا۔ وہ جو تم بے وقوفی کر چکی تھیں اس کا احساس۔ تمھیں اس محبت کا احساس دلانا تھا جو تم کرتی تو ہو پر زبان پہ نہیں لاتیں۔ سب کی خوشی کی خاطر اپنا دل مار رہی تھیں۔ اور جب سامنے سے سفیر کہہ رہا ہے وہ نکاح نہیں کر سکتا تب بھی محترمہ کو عقل نہیں آئی۔" اب کی بار رومائزہ کو محسوس ہوا کہ اسے یہی بات بری لگی تھی۔

"اول تو تمھیں اندر اٹھ کے جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی فوراً قبول ہے بول کر نکاح کا جشن مناتیں، پر اندر پورا گھنٹہ برباد کر کے سب کی بات مان لی۔" رومائزہ نے نچلا لب بھینچا۔

"یعنی ناراض تھے! میں بہت شرمندہ تھی۔"

"ہاں اس بات پہ ناراض تھا، بہت شکر یہ آپ نے نکاح کر لیا ورنہ میں کنوارا ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا۔" اسکے اکھڑے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا اسے یہ بات کتنی بری لگی تھی۔

"میں نہیں ہوتی تو کوئی اور اس جگہ آجاتی۔"

"ہنہہ.. میرے جذبات کو کھیل سمجھ لیا ہے کیا؟ میں ایسے ہی آنے دیتا۔"

"تو پھر یہ خاموشی؟" روما کا سوال اب بھی وہی تھا۔

"خاموشی کی وجہ یہ نہیں۔ میں تمھیں وقت دینا چاہتا تھا۔ پر مجھے بعد میں احساس ہو گیا کہ تمھیں وقت کی نہیں محبت کی ضرورت ہے تمھارے الٹے سیدھے کارنامے مجھے ستانے کے لیے محظوظ کر رہے تھے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا میری محبت میں ہماری بیگم کیا کر سکتی ہیں کیونکہ اس راہ میں کوئی حد مقرر نہیں۔"

رومائزہ بیڈ کی پائینتی سے جالگی۔ میران فاصلے پہ کھڑا پیچھے ہاتھ باندھے اسکی آنکھوں میں دیکھتا بولا۔

"یو ور ہرٹنگ می۔ اتنا نظر انداز کوئی کرتا ہے بھلا؟"

"اور وہ جو تم چھ مہینوں سے کرتی آئی ہو وہ کچھ نہیں؟ میری چار دن کی نظر اندازی سہہ نہ سکیں۔ میں نے زبان سے شکوہ تک نہیں کیا۔"

"تب میں تمھاری بیوی نہیں تھی۔ اب میں بیوی ہوں۔ اور تم کیا مجھ سے بدلہ لے رہے تھے؟" آنکھیں پھیلائے رومائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کہانا نہیں.. بس دیکھ رہا تھا بی بی سرکار اپنے سائیں کیلیے کیا کچھ نہیں کرینگی۔ محبت کی خاطر سرکار کس حد تک گزر سکتی ہیں؟ کیا انھیں بھی ویسا ہی عشق ہے جو مجھے ان سے ہے۔"

وہ گہری نگاہوں سے ماحول کے فسوں پہ طاری ہوتا بولا۔ رومائزہ اسکے لفظوں میں کھوگئی۔ دم سادھے اسے دیکھتی رہی۔

"رومائزہ شنواری کا جنون ابھی تم نے دیکھا ہی کہاں ہے میران جاہ۔" مبہوت ہو کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ میران ہنسنے لگا۔

"تھینک یو فار ایوری تھنگ، مسٹر جاہ۔" رومائزہ کے مسکرا کے کہنے پہ میران کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔

"مجھے یقین نہیں ہورہا ہے تم میرے پاس ہو۔ قسم سے ہار چکا تھا سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دیا تھا۔" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اگر تم تکلیف میں تھے تو ادھر بھی اذیت کم نہیں ہورہی تھی۔"

رومائزہ نے دل کے مقام پہ انگلی رکھی۔ وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"میں بہت مشکل میں گھر چکی تھی۔ سمجھ نہیں آرہا تھا ان حالات سے کیسے باہر نکلوں۔" رومائزہ نے سر جھکا کر کہا۔

"آئی رئیلی لو یو.." میران آنچ دیتے لہجے میں کہتا اسکے قریب آیا۔ "بی بی سرکار۔"

"لو یو ٹو مسٹر سی ایم۔" رومائزہ ہنستے ہوئے بولی میران قہقہہ روک نہیں سکا۔

"صبح شام میں اس چہرے کو دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔" اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔

"ساری زندگی پڑی ہے دیکھنے کے لیے۔"

اسکی آنکھوں میں دیکھ شرارت سے اس نے کہا اور بیڈ پہ پڑا میران کا کوٹ اٹھایا۔ کچھ وزنی سا محسوس ہوا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے اس نے جیبوں کی تلاشی لی۔

"تو یہ کھلونا تم ساتھ لے کر گھومتے ہو؟ مجھے بھی چلانا سکھاؤ۔" کوٹ کی جیب سے اس نے گن نکال کر کوٹ واپس رکھ دیا۔

"اس دن تم نے چلائی تو تھی اب مزید کیا سیکھنا ہے؟" اس کے ہاتھ سے گن لے کر فوراً میران نے ریگزین خالی کیا۔ وہ دیکھتی رہی۔

"وہ نشانہ غلط لگ گیا تھا۔ ورنہ مارنا تو اس غنڈے کے سیدھا کھوپڑی میں تھا۔" وہ چبا چبا کر تنفر سے بولی۔ میران حیرت میں مبتلا ہو گیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ تمھیں گولی جو مارنے لگا تھا۔ حشر نا بگاڑ دیتی میں اس.. کک کا۔" رومائزہ نے دانتوں تلے زبان دبا کر آنکھوں کے ڈیلے گھمائے۔

"کوئی مجھے تکلیف دے تو تمھیں برا لگتا ہے؟" وہ پوچھے بنا رہ نہیں سکا۔ رومائزہ کچھ نہیں بولی۔

پر سچ یہی تھا، وہ میران سے نفرت کی دعویدار تھی پر پتا نہیں کیوں اسے تکلیف میں دیکھ کر خود بھی عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو جاتی تھی۔ دل میں دبے محبت کے جذبات اسے نفرت بھی سہی طرح کرنے نہیں دیتے تھے۔

سفیر نے جب اسکی اور اپنی منگنی کا جھوٹ میران سے کہا تھا اس وقت بھی اسے اچھا محسوس نہیں ہوا تھا اور ہمیشہ سے ہی ایسا تھا وہ جذبات میں آ کے بہت کچھ بول جاتی پر بعد میں اسے برا لگتا تھا۔

"تت تم یہ بتاؤ گن چلانا سکھاؤ گے کہ نہیں؟" اس نے بات ٹالنی چاہی وہ مبہم سا مسکرا کے سر ہلا گیا۔

"تھینک یو۔ اچھا تمھیں ایک چیز دکھانی ہے میرے ساتھ چلو۔"

ماحول کی سنجید گی بڑھتے دیکھ وہ پرجوشی سے اسکا ہاتھ تھام کے اسے زبردستی ساتھ لے کر کمرے نکلی۔ میران کو حیرانی ہوئی اسے کیا دیکھنا تھا؟ پھر جب وہ لائبریری تک پہنچا تو سمجھ گیا۔

رومائزہ کو لائبریری کا اتا پتا بھی نہیں تھا اسے فوراً عزیز پہ شک ہوا یقیناً اسی نے اسے یہاں کا رستہ دکھلایا ہوگا۔

اسکو بازو سے تھامے وہ آفس میں لے آئی۔ میران نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کے مسکراہٹ کو روکے رکھا اور بے حد سنجید گی سے رومائزہ کو دیکھتا رہا جیسے ناجانے وہ کیا دکھانے والی ہو۔ رومائزہ نے آگے جاکے پینٹنگ پہ سے کپڑا اہٹایا۔ اور گہری نگاہوں سے میران کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔

"اب تم مجھے اسکی کہانی سناؤ۔ کب بنوایا یہ اور کس لیے۔" آنکھوں میں شرارت لیے بہت سیریس انداز میں پوچھا۔

"عزیز نے تمھیں بتایا ہے!"

رومائزہ نے واپس اسکا بازو تھام لیا۔ وہ اسکی بے تکلفی پہ حیرانی کے ساتھ خوش تھا۔ جہاں وہ ہاتھ لگانے تک نہیں دیتی اور ناہی میران نے اپنی حدود پار کی تھیں، پر اب وہ خود اسکے قریب آکر اسے پاگل کرنے پہ تلی بیٹھی تھی۔ وہ جان لیتی کہ میران کے دل میں اسکا کیا مقام ہے تو مغرور ہو جاتی۔

"اچھا ان پہ غصہ نہیں کرو۔" اس نے فوراً ٹوک دیا۔

"خبر تو اسکی ضرور لونگا میرا سرپرائز اس نے خراب کر کے رکھ دیا۔ میں نے اٹلی جانے سے پہلے یہ شروع کروائی تھی۔ تمھیں شادی کے بعد گفٹ کرنے کا ارادہ تھا۔" اسکے تیور بگڑ گئے تھے پھر مسکراتے ہوئے اسکا شفاف چہرہ نظروں میں سما کر بولا۔

"پھر درمیان میں مجھے لگا میں یہ کبھی تمھیں نہیں دکھا سکونگا پر آج اسکی مالکن اسے ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک پہنچ ہی گئی۔"

"خوبصورت ہے نا۔ تمھیں پسند آئی؟" غیر ضروری شانے پہ بکھرے بال بار بار رومائزہ کے منہ کو آرہے تھے۔ میران نے آہستہ سے انھیں کان کے پیچھے کیا۔ وہ مسکرانے لگی۔

"یہ بہت خوبصورت تحفہ ہے۔ پر حقیقت میں میں زیادہ خوبصورت ہوں۔" آنکھیں بڑی کیے رومائزہ نے کہا۔

"Self Obsessed!"

میران نے جھک کے آنکھیں موند کر اسکی ناک سے ناک مس کی۔ رومائزہ گھبرا کر فاصلہ قائم کرنے لگی۔

"ویسے تم بھی کم نہیں ہو۔ اور زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں!" تعریف قبول کر کے وہ دھمکی آمیز انداز میں گویا ہوئی۔ اور اسکے سینے پہ سر ٹکا دیا۔ اسکی قربت کا احساس اسے بے حد سکون فراہم کر رہا تھا۔ اس نے بس اپنے محرم کے آگے اپنا آپ کھولا تھا۔

اور رومائزہ کی یہی باتیں میران کو پسند تھیں۔

"میری ایک بات مانو گے ؟" تھوڑی اسکے کندھے پہ جما کے اس نے سر اونچا کیا، میران کی آنکھوں میں دیکھا۔

"فرمایئے۔" دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے میران نے اسکے گال چھوئے۔

"حلیمہ بی کو یہیں بلالو پلیز، تم سارا دن باہر ہوتے ہو میں اکیلی بے زار ہو جاتی ہوں۔ دیکھو منع مت کرنا ورنہ میں بات نہیں کرونگی پہلے ہی بتا دوں۔"

"اتنی خطرناک دھمکی دی ہے انکار کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔" وہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ رومائزہ کھکھلا دی۔ اسکی کھنکتی ہنسی پہ میران نے اسکے گرد بازو حائل کیے۔

"تھینک یو۔" میران نے مسکراتے ہوئے سکون کا سانس لے کر اسکے گرد حصار مضبوط کر دیا۔ رومائزہ اسکے کندھے پہ سر رکھے گہرا سا مسکرا دی۔

مہینوں بعد وہ دونوں پر سکون اور گہری نیند میں سوئے تھے۔ باہر سے خوب پرندوں کے چہچہانے کی آوازوں سے وہ اٹھ چکی تھی۔ گلاس وال پہ پردے برابر تھے۔ رومائزہ نے اٹھ کر انکو سمیٹ دیا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ اس

کی آنکھ تقریباً نو بجے تک کھل گئی تھی وہ فریش ہو کر واش روم سے باہر آئی۔ گیلے بال چہرے کے ارد گرد چپک چکے تھے۔ اس نے ہاتھوں سے بالوں میں والیم پیدا کیا۔ پھر بیڈ پہ میران کی طرف بڑھ گئی۔

تھوڑی خالی جگہ تھی وہ وہیں بیڈ پہ میران کے قریب ٹک گئی۔ اسکے سوتے ہوئے چہرہ پہ نگاہ ڈالی۔ کتنا معصوم سوتے ہوئے وہ لگتا تھا، چہرے پہ بے حد کشش تھی۔ روما کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"میران عزیز بھائی بلانے آئے تھے۔"

اس نے ہلکا سا میران کا بازو جھنجوڑا۔ میران نے کسمسا کے کروٹ بدل لی۔ اسکے سفید کسرتی بازو کمفرٹر کے باہر تھے۔

"میران اٹھ جائیں وہ آپکا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ بے جازمی لہجے میں سموئے بولی۔ میران نے چونک کے آنکھیں کھول لیں، کروٹ سیدھی کی اور اسے دیکھے گیا۔

"کیا بولا ہے تم نے؟" خمار آلود نگاہیں اس نے رومائزہ کے سوجے پپوٹوں پہ ڈالیں۔

"عزیز بھائی ویٹ کر رہے ہیں۔"

"اسکے ساتھ کیا بولا ہے؟" وہ بے قراری سے پوچھنے لگا۔ رومائزہ کے لبوں پہ شرارت تھی۔

"وہی جو آپ نے سنا۔"

"نا کرو یار میں دیوانہ ہو جاؤنگا۔" وہ کمفرٹر خود پہ سے ہٹاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ممی بھی بابا کو ایسے ہی پکارتیں تھیں، اور بابا نے مجھے ایک بار کہا تھا شوہر سے تم تم کر کے بات نہیں کرنا تمیز سے مخاطب کرنا۔"

میران نے اسکے اتنے قریب بیٹھنے پہ دوسری بار اسکی گھنی لمبی جھکی ہوئی پلکیں دیکھی تھیں۔ بالوں کی آبشار سینے پہ پھیلی تھی۔ سفید چہرے کے گال لال ہو رہے تھے۔ عنابی لب گلابی تھے۔

"تمھارے بابا کے اقوال پہ کتاب ہی لکھ دینی چاہیے۔ کچھ زیادہ ہی وہ نہیں کہا کرتے تھے؟" رومائزہ نے کوئی پہلی بار اس کو بابا کے حوالے سے بات نہیں بتائی تھی ایسا کئی بار وہ کر چکی تھی۔ جب ہی میران بھنویں اچکا تا سوال کرتے ہوئے بولا۔

"ویری فنی۔" خفگی سے اس نے چہرہ پھیر لیا۔ میران بیڈ سے اترا۔ رومائزہ نے گردن گھما کر اسکی چوڑی پشت کو دیکھا وہ ڈریسنگ روم میں گیا تھا۔

وہ واپس آیا کچھ چیزیں اسکے ہاتھ میں تھیں جو سب رومائزہ کے برابر بیڈ پہ رکھ دیں اور خود اسکے قدموں کے قریب پہلوں میں پنجوں کے بل ٹک گیا۔

وہ کیا کرنے لگا تھا؟ رومائزہ تو بس دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔ لال سرخ لمبی ڈبیہ کا کوور اس نے کھولا، جس میں ایک پازیب چمک رہی تھی۔ میران نے پازیب ہاتھ میں لی رومائزہ اسے سانس روکے دیکھتی رہی۔ وہ لو دیتی نگاہوں سے اسکے سراپے پہ نگاہ ڈالنے کے بعد پیر پہ جھکا۔ پاؤں پہ میران کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتی وہ کانپ گئی۔ آہستہ سے میران نے پنجا اٹھا کے اپنے گھٹنوں کے اوپر ٹکا دیا۔

رومائزہ نے بیڈ شیٹ مٹھی میں جکڑ لی۔

میران نے جھک کے سات قریب قریب ہیروں سے جڑی سلور پازیب اسکے پیر میں سجا دی۔ وہ گنگ رہ گئی تھی۔ دل بس باہر آنے کو تھا۔

سانس مزید تب اٹکی جب میران نے پائل کو انگھوٹے سے چھوا اور آہستگی سے سہلانے لگا۔ بڑی فرصت سے اسکے پیر میں دمکتی پازیب کو وہ مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں کی تپش کی وہ تاب نہیں لا سکی۔ اوپر سے ٹخنے پہ میران کی انگلیوں کا لمس اسے موم کر رہا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" وہ بمشکل بولی۔ میران نے اسکے لبوں پہ انگلی رکھ دی۔

ایک باکس مزید اٹھایا۔ رومائزہ کی آنکھوں میں اس بار حیرت تھی۔ میران نے باکس میں سے انگھوٹی نکال کر اسکا ہاتھ گود میں سے اٹھایا تھا۔ وہ اس انگھوٹی کو کیسے نہیں پہچانتی۔

"یہ تمھارے پاس کیسے ؟"

"اگر یاد ہو تو تم نے بڑی ہی بے دردی سے فارم ہاؤس میں اسے اتار کے پھینکا تھا۔"

وہ مسکرا کر اسے یاد دلاتے ہوئے بولا میران نے اجازت مانگی تو روما نے سر ہلایا۔ بڑی محبت سے اس نے انگھوٹی رومائزہ کی انگلی میں واپس ڈال دی اور جھک کے عقیدت سے اس پہ بوسا دیا۔ روما کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا کر رہ گئی۔

"مم میران عزیز بھائی بلا۔۔۔" بہانے بناتی وہ اسے دور ہونے کی جستجو کرنے لگی۔ کل رات تو وہ بڑی بے تکلفی دکھا چکی تھی اور اب اسکا شرمانا للجھانا بند نہیں ہو رہا تھا۔ میران اسکی کیفیت پہ مسکراہٹ کو دبا گیا۔ اور اسکے کانوں کے قریب جا کے اس نے سرگوشی کی۔

"روم۔۔۔

میری خزاں سی زندگی میں بہار بن کے آنے لیے شکریہ!" لبوں پہ خوبصورت سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ رومائزہ نے آنکھیں میچ لیں وہ دور ہو گیا اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ کمرے میں نہیں تھا۔

اسکی محبت پہ وہ اب مغرور ہو رہی تھی۔ میران کی محبت کے رنگ اسکے چہرے پہ پھیلتے گئے۔ دل میں اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس نے انگھوٹی کو چھوا۔ پھر پتھر ہوا پیر اٹھا کے پازیب دیکھی جو اسکے صاف ٹخنوں پہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس میں کوئی موتی اور گھنگر نہیں تھے جو شور مچاتے۔ وہ میران کے خیالوں میں کھو

گئی۔ یہ احساس اتنا خوبصورت تھا کہ وہ اس کے نکاح میں ہے اور اسکے پاس ہے۔ اور دونوں کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔

"رومائزہ وضو کر آؤ۔"

پندرہ منٹ بعد وہ گیلے ہاتھ پیر لیے باہر آیا۔ رومائزہ اب تک اسی جگہ پہ بیٹھی مسکرا رہی تھی اس کی آواز پہ چونک کے مڑی۔

"کیوں؟" ماتھے پہ شکنیں پڑ گئیں۔

"شکرانے کے نفل ادا کرنے ہیں۔" میران نے دو جاء نماز آگے پیچھے کر کے بچھا دیں۔ اور اسکا منتظر کاوچ پہ بیٹھ گیا۔ وہ تیزی سے وضو کے لیے سر ہلا کر اٹھ گئی اور واش روم میں جا گھسی۔

گیلے چہرے کے گرد اس نے سفید دوپٹا باندھ لیا۔

میران کی امامت میں اس نے نماز ادا کی۔ دونوں کے ایک ساتھ سجدے میں جاتے اور ایک ساتھ سر اٹھاتے۔

سلام پھیر کے دعا کے لیے ہاتھ کھڑے کر لیے۔

"میرے رب تیرا بے حد شکر گزار ہوں جو تو نے مجھے رومائزہ شنواری سے نواز دیا۔"

میران سرشاری سے دل میں رب سے مخاطب ہوا۔ رومائزہ ترچھی نگاہ اس پہ وقفے وقفے سے ڈال رہی تھی۔

وہ رب کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا، آزمائشوں سے نکل کر بل آخر اسکی زندگی میں سکون آگیا تھا۔

صبر کا انعام اسے میران جاہ کی صورت میں مل گیا تھا۔ وہ میران کی پاک محبت سے واقف تھی بلکہ وہ محبت نہیں عشق کی منزل طے کر چکا تھا۔

اگر میران نے زندگی میں کسی لڑکی کو چاہا تو وہ رومائزہ احتشام شنواری تھی جو اب اسکی بیوی تھی اور رومائزہ اگر کسی کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی تو وہ میران ہی تھا۔ وہ احساسات زبان پہ لانے سے ڈرتی تھی۔

اس نے فیصلے خود کی بجائے رب پہ چھوڑ دیے تھے۔

اس نے تو اللہ سے اچھے کی امید لگائی تھی تو وہ کیسے خالی ہاتھ لوٹا دی جاتی۔

ان دونوں کی منزل ایک ہوگئی تھی اس خیال سے ہی خون سوا سیر ہو جاتا تھا۔

وہ بے حد پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ دعا کے بعد دونوں کھڑے ہوگئے۔ رومائزہ نے جاء نماز صوفے پہ رکھ دی اور دوپٹے کی گرہ کھولنے لگی۔ میران کے مقابل آنے پہ گرہ پہ اسکا ہاتھ ٹھہر گیا سر جھکا کے وہ مسکرائی۔

"بل آخر مجھے میری نورِ نظر مل گئی۔" اسکی بات پہ رومائزہ جی جان سے مسکرائی۔

"مجھے بھی آپ مل گئے۔ میں بہت خوش ہوں۔"

"تمھارا یہ انداز بہت جان لیوا ہے۔ یہ روپ کہاں چھپایا ہوا تھا؟"

وہ انگلیوں کی پشت اسکے گالوں پہ چلا رہا تھا۔ یہ سب بہت خواب ناک تھا۔ کمرے میں سورج کی روشنی پھیلی تھی عجیب سا فسوں رونما تھا۔ رومائزہ لمحے کے اثر ہوش کھو رہی تھی۔

"میں نے یہ سب کچھ اپنے محرم کے لیے سنبھال کر رکھا تھا۔ ازل سے میں نے یہی سوچ رکھا تھا محبت کا اظہار صرف محرم سے کرونگی۔ اب تم میرے محرم ہو میرے اس روپ کے حقدار بھی تم ہی ہو۔"

اسکی شیو کو چھوتے وہ بولی۔ دونوں لمحے کی خوبصورتی میں کھو گئے۔ نگاہوں میں نگاہیں، گہرائی مسکراہٹیں، اطمینان سے بھرے دل!

"نیا سفر مبارک ہو۔ اس سفر کو آخری سانس تک ساتھ نبھانا ہے۔" میران نے آگے بڑھ کے اسکے ماتھے پہ مہر ثبت کی۔

"میران مجھے بابا بہت یاد آتے ہیں، وہ ساتھ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔"

وہ نم آنکھوں سے بولی۔ میران نے باری باری اسکی آنکھیں چومیں۔

"انکی مغفرت کی دعا کیا کرو اللہ انھیں اچھے مقام پہ رکھے۔ تمھیں خوش دیکھ کر آج وہ وہاں بہت خوش ہونگے۔" میران نے آہستہ سے اسے قریب کرکے اسکا سر اپنے کندھے پہ رکھا دیا رومائزہ نے آنکھیں موند لیں۔

آسمان پہ روئی کے ہالے پھیلے ہوئے تھے۔ موسم سرد تھا۔ وہ دونوں دریا کنارے چائے کا کپ تھامے ایک دوسرے کے قریب بیٹھے تھے۔ عائشے نے سر مراد کے کندھے پہ ٹکایا ہوا اور مراد نے اسکے شانے پہ بازو پھیلایا ہوا تھا اور وہ گھونٹ بھر رہی تھی۔

جب وہ پچھلی بار سوات مراد کے ساتھ آئی تھی تو اس نے گھومنے کی خواہش کی تھی اس وقت مراد نے کہا تھا اسے پھر یہاں لے آئیگا۔ اب وہ دونوں پھر آچکے تھے اور خوب گھوم پھر رہے تھے۔

"مراد آپکو سردی نہیں رہی؟" عائشے نے سر اٹھایا۔

"تمھیں لگ رہی ہے تو بتاؤ؟" مراد نے بھنوویں اچکا کر پوچھا۔

"نہیں میں تو بس پوچھ رہی تھی۔ مجھے ایک بات بتائیں ہم نارتھرن ایریاز میرے سیمسٹر اسٹارٹ ہونے سے پہلے گھوم لینگے نا؟"

"اگر تم نے پھر مجھ سے یہ سوال کیا تو عائشے میں تمھیں واپس لاہور لے جاؤنگا۔ آنے کی ضد لگائی تھی جانے کی بھی جلدی مچا رہی ہو۔ مجھے بڑی مشکل سے چھٹیاں ملی ہیں پلیز انھیں انجوائے کرو اور کرنے دو۔" آخر میں اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"آپکو پتا ہے رومائزہ اور میران کی صلح ہو گئی ہے۔"

"مبارک ہو، آخر میرے بھائی کی زندگی میں بھی بہار لوٹ آئی۔"

وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ یہ خوش خبر سن کے دل کو سکون مل گیا تھا۔ گردن عائشے کی جانب کی نگاہیں بھٹک کر اسکی ڈائمنڈ کی نوز پن پہ جا ٹھہریں جو اس نے پچھلی رات اسے تحفہ دے کر پہنائی تھی۔ وہ اسکے چہرہ پہ ہلکا سا جھکا۔

"کیا کر رہے ہیں کچھ تو خیال کریں۔" اسے دور دھکیل کر عائشے نے فوراً ارد گرد فٹافٹ دیکھا۔

"تم ہی بتاؤ کیا کر رہا تھا؟ بیوی کے ساتھ گھومنے پھرنے نکلا ہوں اب کیا تمھیں دیکھ بھی نہیں سکتا!" وہ چڑ کے بولا تو عائشے ہنس دی۔

"ہم کراچی بھی جائیں گے۔" عائشے نے واپس اسکے کندھے پہ سر رکھ دیا۔

"اچھا۔"

"اسلام آباد بھی جائیں گے۔"

"اچھا.."

"اور میں پنڈی بھی دیکھو نگی۔"

"اور کچھ ؟"

"ترکی بھی جائیں گے۔"اس نے آنکھیں پٹا کر کہا۔

"ہاں سب جگہ جائیں گے فلحال کھڑی ہو، مجھے بھوک لگ رہی ہے چلو کچھ کھالیتے ہیں۔"پتھروں پہ سے اسے اٹھنے میں مراد نے مدد کی اور اسے تھام کر گاڑی کے پاس آگیا۔وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔بیگ میں عائشے کا فون بج رہا تھا۔اس نے فون نکال کے نام پڑھا۔

"انوش کالنگ"لکھا آرہا تھا مسکرا کے اس نے کال ریسوو کی اور مراد لے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پہ دوڑا دی۔

رومائزہ، میران اور عائشے، مراد ان چاروں کا ایک خوبصورت سفر شروع ہو چکا تھا۔

درحقیقت زندگی کی کہانی اب ایک دوسرے کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے شروع ہوئی تھی۔یہ ان چاروں کی ہیپی اینڈنگ نہیں،ہیپی اسٹارٹنگ تھی جسے اختتام تک انھوں نے،ہیپی ہی رکھنا تھا۔

کچھ دن بعد

وہ دونوں چھت پر چلے آئے تھے۔ رومائزہ نے شام کی ٹھنڈی ہوا خود میں اتاری۔ میران کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ رومائزہ پوری چھت کے چکر کاٹنے لگی۔

"تم چل چل کر تھکی نہیں جو یہاں بھی واک شروع کر دی؟" سبز رنگ کے جوڑے میں اسے چھت کی دیواروں کے پاس چلتا ہوا دیکھ کر میران نے اپنے پاؤں ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"پتا ہے میں بچپن میں چھت کے لیے ترستی تھی۔ ہمارے اپارٹمنٹ میں اس طرح کی چھت نہیں ہے۔ بارش کے دوران تو میرا دل مچل جاتا تھا۔ صرف بالکونی میں کھڑے ہو کے بھیگا کرتی تھی۔" بڑے افسوس سے اس نے بتایا اور آسمان کو دیکھنے لگی۔ کالے بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے۔

"لگتا ہے تم تھک گئے ہو۔" وہ اسکے پاس آتے ہوئے بولی جو آنکھیں موندے سر کرسی ہی پشت پہ ٹکا کر بولا تھا۔

وہ دونوں صبح سے ساتھ باہر نکلے تھے۔ میران نے اسے شہوار جاہ کے نام پہ بنوایا پورا پارک دکھایا۔ اسکے بعد وہ شاپنگ پہ گئے اور پھر وہ اسے ہاسپٹل کی تعمیر دکھانے کیلئے لے گیا۔

رومائزہ بڑی دلچسپی سے اسکے ساتھ اسکا ہاتھ تھامے جگہ جگہ جا رہی تھی اور چیزوں کے بارے میں روشناس ہوتی گئی۔

مسلسل چلنے کی بدولت میران کے پیر دکھنے لگے تھے۔وہ پچھلے دو دن سے خاصا مصروف چل رہا تھا۔وہ اپنا ہر کام شیڈول کے مطابق کرتا تھا۔کسی ایک چیز کا اثر دوسرے کام پہ نہیں ہونے دیتا تھا۔

رومائزہ نے میران کے ماتھے پہ گرے بال دیکھے پھر اسکے قدموں کی طرف نگاہیں گئیں۔فرش بلکل صاف تھا وہ اسکے قدموں کے قریب پہلو میں بیٹھ گئی اور آہستہ سے ہاتھ بڑھا کے میران کے پیر دبانے شروع کیے۔وہ دونوں ہی ننگے پیر اوپر آئے تھے۔روما نے اسکے پنجے کو آہستہ سے دبایا پھر مخملی گداز ہاتھوں سے پنڈلیاں دبانے لگی۔اسے اونگ آگئی تھی پیروں پہ جب کسی کے ہلکے پھلکے زور کا احساس ہوا تو آنکھیں کھول لیں۔

"کیا کر رہی ہو تم؟"رومائزہ کو پیر دباتے دیکھ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور پیر سمیٹ کے نیچے گرا لیے۔

"پیر دبا رہی ہوں..."وہ معصومیت سے بولی۔

"کس نے کہا پیر دبانے کو؟"میران نے سخت انداز میں بھنو اچکا کر پوچھا۔

"کسی نے بھی نہیں۔پر کیا ہو گیا تم تو کرنٹ کھا کر ایسے پیچھے ہو گئے جیسے کسی اچھوت نے چھو لیا ہو۔تمھارے پنجے چل چل کر سوج گئے ہیں.."وہ فکرمندی سے اسکی معلومات میں اضافہ کرتے بولی۔

"دور ہٹو فوراً اوپر بیٹھو۔"اسکے نیچے بیٹھنے پہ وہ غصہ کرتا بولا۔

"مسئلہ کیا ہے؟بیوی ہوں میں تمھاری۔"وہ تنک کر بولی۔

" بلکل بیوی ہو نوکرانی نہیں۔ آئندہ پیر مت دبانا بلکہ ہاتھ بھی مت لگانا۔" جب رومائزہ خود سے فرش پہ سے نہ اٹھی تو میران نے اسکا بازو پکڑ کے کھڑا کیا۔ اسکی بات پہ رومائزہ کے ماتھے پہ شکنیں پھیل گئیں۔

"نوکرانی کی کیا بات؟ تم ایک بیوی سے اسکا حق چھین رہے ہو۔ تمھاری خدمت گزاری کرنا میرا فرض ہے۔" میران کی آنکھوں میں دیکھ کر ڈٹ کے اس نے کہا۔

" مجھے نہیں پسند میری بیوی میرے پیر دبائے۔ بس بات ختم۔ تمھاری جگہ وہاں نہیں یہاں ہے۔" پیر کی طرف اشارہ کرنے کے بعد میران نے اسکا ہاتھ پکڑ کے اپنے دل کے مقام پہ رکھ دیا۔ رومائزہ کا قہقہہ بلند ہوا۔

"ڈائیلاگ مارنے میں آپکا کوئی ثانی نہیں۔ ٹھیک ہے اگر بات برابری کی ہے تو ایک کام کرتے تم میرے پیر دبا دو میں تمھارے پاؤں دبا دیا کرونگی۔ کیسا؟"

"شٹ اپ.. نیچے چلو بادل برسنے والے ہیں۔" وہ اسے گھور کے بولا تو رومائزہ بارش کی خبر پہ پھیل گئی۔

"نہیں اب تو گرمیاں لگ چکی ہیں اور آج میں بارش میں بھیگنے سے خود کو روک نہیں سکتی۔ تم کو جانا ہے تو چلے جاؤ۔" وہ اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی جستجو کرتی بولی۔

"روم چلو بیمار پڑ جاؤ گی۔۔" وہ سختی سے بولا۔

"کیا نازک کلی سمجھ رکھا ہے جو بیمار پڑو نگی۔ دیکھو کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے کوئی پاگل ہی ہو گا جو اس سے دور جائے۔"

موسم سے لطف اندوز ہوتے اس نے کہا۔ میران سانس بھر کے رہ گیا۔

"نازک کلی تو تم ہو! یاد نہیں پچھلی بار کیسا بخار چڑھا تھا۔" وہ اسے فارم ہاؤس کی بارش یاد دلاتے بولا تو روما ئزہ نے آنکھیں چھوٹی کرلیں۔ تیز ہوا چلنے لگی۔ بس بادل برسنے کی علامت مل گئی تھی۔

"وہ تو سردیوں کی بارش تھی نا!" وہ آنکھیں پٹا کر بولی۔ میران اسے ساتھ لے کر زبردستی چلنے لگا۔ پر وہ ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"کڈنیپر... بھیگنے دو نا۔" وہ منمنائی۔ ہوا سے بال اڑ کے اسکے چہرے پہ آرہے تھے۔

تیزی سے موٹی موٹی بوندیں ٹپ ٹپ کرنے لگیں۔

"آہہ... میران رک جائیں پلیز۔" چہرہ اوپر کیے بارش کی بوندوں کو خود پہ محسوس کرتے ہوئے اس نے کہا۔ میران کی گرفت اسکی التجا پہ ڈھیلی پڑ گئی۔

بارش تیز ہونے لگی روما ہاتھ چھڑا کے دور ہوئی اور دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے گول گھومنے لگی۔

وہ سفید شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔

ہوا سے اڑتے بال اب بھیگ کر اسکے کشادہ ماتھے پہ گر گئے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر رومائزہ کی کھنکناہٹ اور اسکا بارش میں گنگنانا لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سنتا رہا۔

گیو می سم سن شائن

گیو می سم رین

گیو می اینڈر چانس ٹو گرو اپ ونس اگین

گنگناتی ہوئی وہ بھیگا سراپا لیے میران کو اکیلا کھڑا دیکھ اسکے پاس آئی۔

"آؤنا کڈ نیپر گھول گھومو، بہت مزا آئیگا۔"

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ یہ سب لڑکیوں کے چونچلے ہیں۔" رومائزہ کی فرمائش پہ وہ بدک کر بولا تو وہ کھکھلا دی۔

"بس بہت ہو گیا اب شرافت سے چلو تمھیں پتا ہے مجھے بارش خاص پسند نہیں۔" اسے آنکھیں دکھا کر کہا۔

"بہت احسان کیا آپ نے اتنا بھی بھیگ کر۔" منہ بسور کے وہ سر جھکا کے کھڑی ہو گئی۔ میران نے اسکے جھکے سر کو دیکھا۔ پیچھے ہاتھ باندھ لیے۔

وہ دونوں چھت کے بیچ و بیچ کھڑے پورے بھیگ چکے تھے۔ بارش کے قطرے تھوڑے سے پھسل کے پیروں میں گر رہے تھے۔ ہر سوں نمی اور مٹی کی سوندھی خوشبو مہک رہی تھی۔

"روٹھ گئیں کیا؟"

رومائزہ کی تھوڑی اٹھا کر میران نے پوچھا وہ منہ پھلائے کھڑی رہی۔ کچھ پل اسے یونہی دیکھنے کے بعد میران نے اسکا ہاتھ تھام کر اوپر دیکھا۔ رومائزہ مسکرانے لگی۔

"بارش اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔ اور انسان خود رحمتوں سے منہ نہیں موڑ سکتا.." اسکے بھیگے وجود کو دیکھ کر رومائزہ نے معنی خیزی سے کہا۔

"جسکی اتنی ضدی بیوی ہو پھر اسکی اپنی کہاں چلتی ہے۔" وہ سرینڈر کر دینے والے انداز میں بولا۔

"ہاہاہا.. جب شوہر نخرے اٹھائے گا تو بیوی نخرے اٹھوانے سے کیوں باز آئے؟ بے فکر رہو تمھیں کوئی فلو نہیں ہو گا۔ اور اگر ہوا بھی تو جاہ صاحب کی طبیب رومائزہ ہے نا، میں میڈسن دے دونگی۔"

اسے کھینچتی ہوئی وہ چھت کی دیوار تک لے آئی۔

وہ بارش کی وجہ سے خوش تھی تو بس میران کی کیا مجال جو اف بھی کر دیتا۔ وہ دونوں باغ کے ہریالے منظر کو ساون کی نظر ہوتا دیکھنے لگے۔

"تمھارے لیے ایک سرپرائز ہے۔"

میران کی گھنی مڑی ہوئی پلکوں سے بارش کی بوند گری۔ وہ رومائزہ کے برابر میں کھڑا سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"کیا ہے بتاؤ؟" چہک کر اس نے پوچھا۔

"شیر دیکھا ہے کبھی؟" دلچسپی سے رومائزہ کے چہرے کے بھیگے نقوش دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ بالوں کی لٹیں منہ اور گردن پہ چپک گئیں تھی عنابی لبوں پہ پانی کی بوندیں جمع تھیں۔

"ہاں نیشنل جیو گرافی چینل پہ بہت بار دیکھا ہے۔ اور ہاں چڑیا گھر میں بھی دیکھا ہے۔ پر شیر کا کیا؟" میران نے اسکے شانے پہ بازو ٹکا دیا۔

"شیر کے بچے کل واپس آرہے ہیں۔"

"واٹ؟" رومائزہ نے جھٹکے سے گردن اسکے چہرے کی طرف موڑی میران نے سر ہلا کے یقین دلایا۔۔

"پالتو ہیں وہ؟" سٹکی نگل کے اس نے پوچھا۔

"میرے اپنے ذاتی پالتو شیر کے بچے ہیں وہ۔ بیمار ہو گئے تھے تو میں نے کچھ عرصے پہلے ہی ٹریٹمنٹ کے لیے بھجوا دیے تھے۔ اب وہ ریکور ہو چکے ہیں تو کل انکی واپسی ہے۔"

اسکی خوف زدہ آنکھوں میں دیکھ کر میران نے بتایا۔ رومائزہ کو حیرت ہوئی۔

"کیا وہ دو ہیں؟" میران نے سر کو جنبش دی۔

"تمھیں ڈر نہیں لگتا؟" رومائزہ نے پھر سوال کیا۔

"نہیں۔ایک شیرنی کے ساتھ رہ کر سارا ڈر نکل گیا ہے۔"وہ ہنس کر بولا رومائزہ نے اسکی بات تعریف سمجھ کر قبول کی۔

"تمھیں تو شیر سے ڈر لگتا ہو گا!"وہ پورے وثوق سے بولا۔رومائزہ کا سہا ہوا انداز اسے محظوظ کر رہا تھا۔پر اسے وہ بہادر ہی اچھی لگتی تھی۔

"ہاں ظاہر سی بات ہے۔مجھے جانور اور پرندے پسند ہیں پر خطرناک چیزوں سے دور ہی رہتی ہوں۔کیا واقعی میں شیر کے بچے یہاں آئیں گے ؟"میران نے پہلی بار رومائزہ کے چہرے پہ ڈر کے تاثرات دیکھے تھے۔

"ہاں..پر تم ڈرو مت میں ہوں نا۔"

"اجنبی لوگوں پہ وہ بس ہلکا سا پنجا مارتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔"اسے قریب کرتے اس نے کہا۔رومائزہ کو جھرجھری آگئی۔

"ڈرا کر کہہ رہے ہو ڈرو نہیں۔انھیں وہیں رہنے دو اگر تم پہ انھوں حملہ کر دیا تو؟اب تو وہ بڑے ہو گئے ہونگے۔دیکھو وہ جنگلی جانور ہے اس سے دور ہی رہنا چاہیے اور تم انھیں پال رہے ہو۔"

"میری جان بس بس گھبراؤ مت۔وہ پنجرے میں رہتے ہیں کھلے نہیں گھومتے۔"اسکی بھیگی لٹ کو انگلی پہ لپیٹ کے میران نے کہا۔رومائزہ کی سٹی گم ہو گئی چپ چاپ وہ بارش میں کھڑی بھیگتی رہی۔

ماہ بعد:

نیا سیمسٹر اسٹارٹ ہو چکا تھا، رومائزہ جامعہ سے واپس آکر کچھ گھنٹے سو گئی. پانچ بجے اسکی آنکھ کھلی۔ عصر پڑھ کے اس نے سٹڈی ٹیبل کی طرف رخ کیا۔ کمرے کی گلاس وال کے ساتھ اس نے سٹڈی ٹیبل سیٹ کروائی تھی۔ اور اسی دیوار کے درمیان میں ایل سی ڈی کے اوپر کچھ فاصلے پہ دو پینٹنگز لٹکا دی تھیں۔ ایک رومائزہ کی اور دوسری وہ جو رومائزہ نے میران کی خود اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔ اسے مکمل کر کے فریم کروا کے اس نے دیوار پہ لگا دیا تھا۔ باقی کمرے میں اتنی تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی سب کچھ پہلے سے ہی بخوبی سیٹ تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بیٹھ کے اس نے اسائمنٹ بنایا تھا۔ پھر نوٹس بند کر کے دوپٹہ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اوپر پلر کے پاس جا کر اس نے نیچے ہال میں جھانکا۔

میران وہاں موجود تھا پر اکیلا نہیں۔ اسکے کچھ مہمان ساتھ بیٹھے تھے۔ ٹیبل کھانے کے لوازمات سے بھری تھی۔ رومائزہ نے بے زاری سے منہ بنایا اور وہیں ٹھہر گئی۔

اسکے وہاں کھڑے رہنے کے آدھے گھنٹے بعد مہمان گئے تھے۔

میران صوفے سے پشت ٹکائے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے فائلز بڑی توجہی سے پڑھ رہا تھا۔رومائزہ صوفے کے پیچھے سے گلا کھنکار کے اسکے پاس آئی۔میران نے سر اٹھایا۔

مہرون رنگ کے لان کی کرتی شلوار اس نے پہن رکھی تھی۔رنگ برنگی پرنٹڈ دوپٹہ دونوں شانوں پر پھیلایا ہوا تھا۔بال کندھے سے تھوڑے نیچے کمر چھو رہے تھے۔

"میں ان روز روز کے مہمانوں سے بہت تنگ ہوں جب دیکھو کوئی نا کوئی آیا ہوتا ہے۔"بال نزاکت سے پیچھے اڑس کے منہ بنا کر وہ صوفے کے دوسرے کنارے پہ بیٹھ گئی۔میران نے فائلز رکھ دیں۔

"عادت ڈال لو۔فارن منسٹر تھے وہ، تم آجاتیں مل لیتیں۔"وہ سنجیدگی سے بولا رومائزہ نے ہونٹ کچلے۔

"سنو۔"

"ہاں..."وہ فائل رکھ کے جیب سے موبائل نکال چکا تھا۔

"تم نے کہا تھا ہنی مون ٹرپ پہ جائیں گے میرے سیمسٹر شروع ہونے سے پہلے۔"وہ اسکی بات یاد دلانے لگی۔

"تمھیں پتا تو ہے الیکشنز کی وجہ سے کتنا مصروف ہوں بلکل وقت نہیں ہے کہیں باہر جانے کا۔"میران نے آرام سے اسے اپنی مشکل بتائی۔رومائزہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔اسکی بیوی ہونا آسان بات نہیں تھی اور وہ ایک مہینے میں اچھے سے سمجھ گئی تھی۔

وہ اس سے محبت بے شک بہت کرتا تھا پر اپنی ذمہ داریاں اسکی وجہ سے پست پشت نہیں ڈالتا تھا، اور یہ بات وہ خود بھی سمجھتی تھی۔ اور اسکی یہ عادت اسے پسند بھی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ وہ مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" اسکا انداز بدلتے ہی میران کے کان کھڑے ہوئے۔

"فرید کو چائے بول دو کمرے میں لا دے، وہیں بات کرتے ہیں۔" فائل اٹھا کر اسے کہتا وہ کمرے کی طرف اوپر بڑھ گیا۔

رومائزہ کچن میں آئی تو حلیمہ بی اور فرید رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔

"کچھ چاہیے بی بی سرکار؟" فرید کے پوچھنے پہ رومائزہ کا دل کیا سر فریج میں مار دے۔ اپنا نہیں اسکا۔

"مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی، پہلے اپنی بی بی سرکار کی عادت چھڑائیں تب بات کرونگی۔" نخرے سے کہہ کر اس نے ساس پین اٹھایا۔

"کیا ہوا موڈ کیوں خراب ہے میری بیٹی کا؟" حلیمہ بی نے پیار سے پوچھا۔

"کچھ نہیں بس ممی بابا یاد آرہے تھے۔" وہ اداسی سے بول کر پین میں پانی ڈال کر چولہے پہ رکھ چکی تھی۔

"یہ چائے چھوٹے سائیں کیلیے بنا رہی ہو کیا؟" حلیمہ بی کے پوچھنے پہ اس نے سر ہلایا۔

"پر ابھی تو انھوں نے مہمانوں کے ساتھ چائے پی ہے۔" فرید فوراً بولا۔

"پتا نہیں پھر دوبارہ کس لیے بنوائی ہے۔ ارے یار دیکھیں باتوں کے چکر میں چینی کی جگہ نمک ڈال دیا میں نے۔" رومائزہ نے سر پہ ہاتھ مارا۔ سارا خراب موڈ اڑن چھو ہو گیا تھا۔

"کوئی بات نہیں آپ یہی چائے سائیں کو پلا دیں وہ قسم سے آپکو کچھ نہیں کہیں گے۔ آپ فرید تھوڑی ہیں جو غلطی پہ ڈانٹ کھاتا رہتا ہے۔"

فرید نے ہنسی کا گلا گھونٹ کر کہا۔ رومائزہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

"ہائے رے اسکی خوش فہمیاں۔" حلیمہ بی کے قریب وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ پھر اس نے پتی اٹھا کے وہ بھی چھڑک دی۔ حلیمہ بی نے اسکی حرکت آئبرو اچکا کر دیکھی۔

"ویسے فرید سہی کہہ رہا ہے آج تو حلیمہ بی آپکے سائیں کو یہی چائے پلاؤں گی۔ اور نام فرید کا استعمال ہو گا کیونکہ انھوں نے مجھے یہی کہا کے فرید کو بولو کہ..."

وہ شرارتی لہجے میں ساس پین ہلانے لگی۔ فرید نے بات اچک کی۔

"بی بی سرکار یہ ظلم تو نہ کریں، وہ مجھے کاٹ کھانے کو آئیں گے۔" فرید کے خوفزدہ لہجے کو دیکھ کر رومائزہ ہنس دی۔

"ویسے آپ لوگ بہت ہی ان سے ڈرتے ہیں، وہ کچھ کہتے تو ہیں نہیں۔"

"وہ کہتے نہیں بس گھورتے ہیں اور پتا لگ جاتا ہے انکو یہ بات پسند نہیں آئی۔" فرید فوراً بولا تھا۔

"تم باتیں کم کرو، بڑے جاہ کا کھانا تیار ہو گیا تو جاؤ شمس کو دے دو۔" حلیمہ بی نے اسے کہا۔ فرید ہنڈیا میں چمچ چلا کر انکے کھانے ہی ٹرے سجانے لگ گیا۔

"کیا خود چائے بنانے بیٹھ گئی تھیں؟" اسکے آتے ہی میران نے سیگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر بالکونی کا دروازہ کھول دیا اور بالکونی میں چلا آیا۔

"میرے آنے پہ بھی آپ سگریٹ کیوں پھینک دیتے ہیں؟ پیتے رہا کریں یہ زہر۔"

آنکھیں پٹا پٹا کر کہتی وہ چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کے باہر بالکونی میں اسکے پاس چلی آئی۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ جمائے کھڑا تھا اسکی بات سن کر نچلا لب کاٹا۔

"تم سے ڈر کر نہیں پھینکتا یہ سیگریٹ۔" وہ دوبدو بولا۔

رومائزہ کی موجودگی میں اس نے سیگریٹ چھوڑ دی تھی وہ خیال رکھتا تھا اسکی وجہ سے رومائزہ کو تکلیف نہ ہو۔ اور اب سیگریٹ کم ہی پیتا تھا۔ رومائزہ نے بس ایک بار ہی اسے ٹوکا تھا اسکے بعد کبھی نہیں۔

"کاش میرے ڈر سے ہمیشہ کیلیے چھوڑ دیں کیا بات ہو گی۔ کم از کم محبت میں ہی چھوڑ دیں۔ پتا نہیں ایسا کونسا مزہ ہے جو اس سیگریٹ سے ملتا ہے۔"

"پی کر دیکھ لو پتا چل جائیگا۔" اسکی طرف مڑ کے وہ اطمینان سے بولا۔ رومائزہ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔ پھر کمرے میں گئی اور سیگریٹ اٹھا کر لے آئی۔

"سہی کہہ رہے ہو، پی کر ہی پتا چلے گا۔" رومائزہ نے ڈبی سے ایک سیگریٹ اسکے سامنے نکال کر لائیٹر سے جلا دی۔ پہلے تو تحمل سے میران اسے دیکھتا گیا جب اس نے سلگتی ہوئی سگریٹ ہونٹوں کے قریب کرلی تو میران نے اسے چھین کر دور پھینکی۔

"دماغ خراب ہے تمھارا؟ مرنے کا زیادہ شوق ہے۔ پتا ہے سانس کا مسئلہ ہے پھر بھی حرکتوں سے باز نہیں آتیں۔" میران کے لہجے میں سختی آگئی اسکا بازو دبوچا۔ وہ ہنسی روکے کھڑی رہی۔

"آئندہ اس حرکت کا سوچا بھی تو اپنے ہاتھوں سے میں تمھاری جان لونگا."

"ہیں اچھا۔ کیسے لیں گے آپ میری جان؟" وہ باز نہیں آئی۔

"روم!.." اسکے غصے سے مخاطب کرنے پہ رومائزہ کا قہقہہ چھونٹ گیا۔

"تم میری جان لو یا نہ لو ایک سیگریٹ کا کش لگا کر میں نے تمھاری جان لے لینی ہے۔" ہونٹوں پہ رقص کرتی مسکراہٹ کے ساتھ وہ معنی خیزی سے بولی۔

"ٹھیکہ لے رکھا ہے نا تم نے مجھے پریشان کرنے کا!" میران خفگی سے بولا اسکے بازو پہ گرفت نرم کر دی اور اسے قریب کیا۔ رومائزہ بلش کرنے لگی۔

"بتاؤ کیا بات کرنی ہے؟"

"پرامس کرو میری بات مانو گے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔ پہلے تم بتاؤ پھر دیکھیں گے۔"

"جاہ..." وہ منمنائی۔ میران کے دل کی رفتار اسکے جاہ پکارنے پہ بڑھ گئی۔ یہ لفظ اس نے ہتھیار کے طور پہ سنبھال کر رکھا تھا۔ جب اسے بات منوانی ہوتی تو وہ جاہ کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی۔ اور مقابل چاروں شانے چت ہو جاتا تھا۔

"مسز جاہ میں آپکے کسی قسم کے جھانسے میں نہیں آنے والا۔" اس بار وہ خبردار تھا۔

"بابا جو پیسے چھوڑ کے گئے ہیں نا۔" رومائزہ نے تمہید باندھی۔ میران کا ماتھا ٹھنکا۔

"تو؟"

"آپ نے کاغذات بھیجے تھے اپارٹمنٹ کے تو میں سوچ رہی ہوں ان پیسوں سے اپارٹمنٹ آپ سے خرید لوں۔" اسکی بات سن کر میران سانس بھر کر خارج کی۔لب ملائے اوپر نیلے آسمان کو دیکھا پھر نگاہیں اسکے چہرے پہ ڈالیں۔وہ بلکل سنیجدہ ہو گیا تھا۔

"تمھیں اسکی قیمت پتا ہے کیا ہے؟"

"ہاں، تین چار کڑوڑ تھی۔"

"پر اب میں اسے زیادہ قیمت پر بیچونگا۔"

"اوہ۔۔" رومائزہ نے ہونٹ گول کیے۔

"دس کروڑ سے تو کم ہی قیمت ہو گی نا۔" عام انداز میں کہہ کر جیسے بات ٹالی۔

"نہیں پندرہ!"

"واٹ!" وہ جھٹکا کھا کر پیچھے ہوئی۔

"کتنے مین ہو تم، اپنی بیوی کو اتنا مہنگا بیچو گے۔اتنی تو اسکی قیمت بنتی بھی نہیں۔کہاں سے لاؤنگی میں مزید پانچ کروڑ۔" وہ سکتے کی کیفیت میں غصہ کرتے ہوئے بولی۔

"تو تمھیں کیا لگتا ہے میں اپنی بیوی کو اپارٹمنٹ بیوچونگا! سیریسلی۔" وہ طنز کرتے بولا۔

"اپنے بڑے پاپا سے اسکے پیپرز لے کر آؤ۔ بہت ٹال لیا یہ معاملہ اور فوراً ان پہ سائن کرو۔ وہ اپارٹمنٹ میں تمھیں تحفے میں دے رہا تھا! وہ تمھارا ہی ہے.."

برہمی سے لفظوں پہ زور دے کر کہا۔ رومائزہ نے سر جھکا لیا۔

"تو پھر میں اتنے سارے پیسوں کا کیا کروں؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔ اور ریلنگ پہ ہاتھ جما دیے۔ میران نے اسکے ارد گرد اپنے بازو ریلنگ پہ رکھ دیے۔

"چیریٹی کر دو۔" وہ صاف بولا۔ رومائزہ نے گردن گھما کر اسکو دیکھا۔

"اتنے سارے پیسے؟"

"مرحومین کی طرف سے جتنا صدقہ خیرات کی جائے کم ہی ہوتی ہے۔ اور تم تو اپنے بابا کے لیے کرو گی۔"

رومائزہ اسکے سنجیدہ چہرے کو دیکھتی گئی۔ انگلی کے پورے اسکی شیو پہ پھیرنے لگی۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔

"ان پیسوں سے مسجد یا مدرسہ تعمیر کروا دینا چاہیے۔ یہ سب سے بیسٹ آپشن ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ میران نے آہستگی سے اسے خود سے لگایا۔

"بہت سارے گاؤں ایسے ہیں جہاں مسجد مدرسے نہیں تم وہاں ان پیسوں سے مسجد بنوا دو۔"

میران کو اسکی آواز سینے کے قریب سے سنائی دی۔ اسکی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ٹھیک ہے جو آپکا حکم۔" اسکے سر پہ اس نے ٹھوڑی ٹکا دی وہ کھکھلا کر مسکرائی۔ میران نے اسکی ہنسی خود میں سمیٹی۔

"ایک بات اور پوچھنی ہے۔"

"ہمم.." اسکی گردن پہ پھیلے بالوں پہ میران نے نے ہاتھ پھیرا۔

"یونیورسٹی تین دن کے لیے ناران کاغان کی ٹرپ پر لے کر جا رہی ہے۔" آنکھیں بڑی کیے رومائزہ نے سر اٹھا کے دھیرے سے بتایا۔

"اور تمھیں انکے ساتھ جانا ہے۔" میران نے باغ کی طرف نگاہ ڈال کر کہا۔

"ہاں۔ تو پھر چلی جاؤں؟" وہ پرجوشی سے بولی۔

"میرے ساتھ چلنا۔"

"آپ کو فرصت ہی کہاں۔" وہ روٹھ کر بولی۔ اور چور نگاہ اس پہ ڈالی۔ وہ کالی شلوار قمیض میں تھا۔

وہ بہت خوبصورت تھا، یا پھر اسکا شوہر تھا اس لیے خوبصورتی مزید محسوس ہونے لگی تھی۔

"عائشے کو بھی مراد بھائی نے پرمیشن دے دی۔ جب کہ وہ ابھی گھوم کر آئی ہے پھر بھی!" اداسے کہتے ہوئے نے میران کو پسیجا۔

"چلو ڈرامے بازی بند کرو۔" وہ ہنستے بولا۔

"تو پھر چلی جاؤں نا؟"

"ہاں، انکار بھلا کیوں کرونگا۔ بس خیال سے جانا اور احتیاط کرنا۔"

"آہ میران تھینک یو، کڈنیپر آئی لو یو سو مچ۔" خوشی سے ہنستے ہوئے اس نے میران کے جیل سے سیٹ کیے سارے بال بگاڑ دیے وہ ہنس کے رہ گیا۔

"ساری چائے ٹھنڈی ہو گئی ہو گی اب۔"

کمرے میں آتے ہوئے اس نے کہا اور کپ کی طرف بڑھا۔ رومائزہ خاموشی سے لب دبائے ہنسی روکے بالکونی میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ میران نے کپ اٹھا کر منہ کے قریب کیا تو وہ ہاتھ پیچھے باندھ کر پاس چلی آئی۔ میران نے گھونٹ بھرا۔ اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں گھونٹ اندر اتارنا دوبھر ہو گیا۔

"کیا ہے یہ؟" وہ حیرت اور غصے سے بولا۔

"نمکین چائے۔ کیسی لگی؟"

وہ ہنس کر کہتی ہوئی ڈریسنگ کی طرف بھاگی۔

"میں بتاتا ہوں کیسی لگی۔"

حساب برابر کرنے کے لیے میران اسکے پیچھے ہی اٹھ کر اسکی جانب لپکا۔

پھر ایک ساتھ دونوں کے کھکھلانے کی آوازیں، پیار کا نغمہ، قہقوں کی آواز ڈریسنگ روم سے کمرے میں آنے لگی۔

چار سال بعد۔۔

"سلطاننننن... "بیڈ کی چادر پانی سے نہائی دیکھ عائشے چیخ اٹھی کہ درودیوار بھی دہل گئے۔پورے کمرے میں ننھے فتنے کو اس نے تلاشا۔جب تلاش کے بعد بھی وہ نہ ملا تو کمرے سے باہر نکلی۔

"مِنی بھالو(بھاگو)مت۔"ڈھائی سالہ سلطان اولجلول سی حالت میں منتہیٰ کے پیچھے لان میں بھاگتے ہوئے چلا رہا تھا۔

"مامی پلیز مجھے بچائیں۔سلطان مجھ پہ مٹی ڈال رہاہے۔"عائشے کو تن فن لان میں آتے ہوئے دیکھ کر منتہیٰ فوراً اسکے پیروں سے جاچمٹی۔عائشے نے اسے تھپکا۔

"سلطان میں نے ٹھنڈے پانی سے نہلا دینا ہے اگر آپکی شرارتیں کم نا ہوئیں تو۔"منتہیٰ کو ایک طرف کر کے عائشے دوپٹہ کمر پہ کس کے اسکے پاس آئی جو معصوم بنا مجرموں کی طرح کھڑا تھا۔

نین نقوش سب اسکے اپنے باپ مراد پہ گئے تھے۔ عائشے کو تو کہیں سے وہ اپنا بیٹا نہیں لگتا تھا۔

"ممی یہ دھوٹ بول رہی ہے۔ دھوٹیی کہیں کی۔" سلطان نے انگلی اٹھا کر منتہیٰ کی طرف اشارہ کرتے اپنی صفائی میں کہا۔

"مامی دیکھیں یہ مجھے آپی نہیں بول رہا۔" منتہیٰ فوراً شکایت کرنے پاس آئی۔

"ہش.. اشٹے اوے فام مائے مام.." منتہیٰ کو دھکا کر سلطان نے اسے دور جھٹکا۔ عائشے کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"سلطان بیٹے نو۔ سے سوری ٹو ہر۔ منتہی آپ سے بڑی ہے۔ بابا کو پتا چلا آپ نے منتہیٰ سے بدتمیزی کی ہے تو خفا ہونگے۔" عائشے نے پیار سے اسے سمجھانے کی کاوش کی وہ ہنسنے لگا۔ عائشے کو اسکی ہنسی کھٹکی۔

اور وہ بلکل سہی چونکی تھی لمحے میں سلطان نے مٹھی میں قید مٹی اوپر اچھالی جو اسکے ساتھ عائشے کے سر پہ بھی گری۔

عائشے نے دانت پیس کے اسے چھوٹے عذاب کو دیکھا۔

"کچھ تو اپنے نام کا خیال کرو۔ اتنا بھاری نام میرے بیٹے کا رکھ دیا ہے دماغ پہ اثر تو ہونا ہی ہے نا۔" وہ غصہ کرتی اسکے کان کھینچ کر بولی۔

"میلا نام تو بڈی نے رکھا ہے۔ ان شے آپکی شکایت لگاؤنگا۔" میران کا حوالہ دیتے وہ دھمکا کر بولا۔

"اندر چلو بتاتی ہوں تمھیں۔ سب مٹی مٹی کر دیا۔ اتنی مٹی سے کیا محبت ہے؟" عائشے کا غصہ تھمنے کو نہیں تھا۔ اسکے مٹی میں اٹے کپڑے جھاڑ کے وہ کھڑی ہوئی۔

"ممی اِٹش سو ٹیسٹی لائک چاکلیٹ.." وہ ہاتھ چاٹ کر بولا۔

"مامی یہ مٹی کھاتا ہے۔" منتہیٰ چلائی۔ عائشے نے سر تھام لیا۔

"سلطان کہاں سے اتنی گندی حرکتیں سیکھ لی ہیں؟ بیٹا مٹی نہیں کھاتے یہ چاکلیٹ نہیں جو چاٹ چاٹ کر آپ کھاتے ہو۔" عائشے تنگ کر رو دینے کو تھی۔ سلطان نے اسے پریشان دیکھا تو پیروں سے لپٹ گیا۔

"شوری ممی۔ ہمیں دعوت پہ جانا ہے چلیں نا تیار ہوتے ہیں۔ میں بلتل تنگ نہیں کرونگا۔" وہ پیار سے بولا تو عائشے کی ممتا جاگ گئی پھر اسکی حرکت یاد آتے ہی جذبات اندر دفن ہو گئے۔

"تیار تو میں کرونگی پر اس سے پہلے ٹھنڈے پانی سے نہلاؤنگی یہی آپکی سزا ہے۔ کمرے کی کیا حالت کر کے آئے ہو؟ کل گلاس توڑا۔ آج گن سے پورا بیڈ گیلا کر دیا اور مٹی بھی کھانے لگے ہو۔ بہت شرارتیں بڑھ گئی ہیں اب بابا کی بجائے میں بڑی سے بات کروں گی وہی آپ سے نمٹ لینگے۔" عائشے اسے خوب دھمکانے لگی۔ سلطان کی ہوا خشک ہو گئی۔

"کیاہوا۔ کیوں میرے شیر پہ غصہ کررہی ہو؟" مراد ارباز کے ساتھ گاڑی سے اتر کے لان میں آیا۔ دادا کو دیکھ سلطان ان سے لپٹ گیا۔

"دادو ممی ڈانٹ رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں ٹھنڈے پانی سے نہلاونگی۔"

بناتوتلے پن کے اس نے عائشے کی درست شکایت کی۔ ارباز ہنسنے لگے۔ منتہی ماموں کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔ مراد اسکے بال پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ڈیڈ یہ بہت شرارتی ہوگیاہے میرے سنبھالے نہیں سنبھلتا.." عائشے نے سلطان کو گھور کے کہا۔ وہ رونے کی ایکٹنگ کرنے لگا عائشے کا منہ کھل گیا۔

مراد نے سلطان کو گود میں اٹھالیا۔

"یہ شیر نہیں چوزاہے جو مٹھی کھاتاہے۔" عائشے نے بھی فٹ دینی اسکی پول کھول دی۔ سلطان نے زبان دانتوں تلے دبائی۔ منتہی ہنسنے لگی۔ اسکے اسکول کی دو دن کی چھٹی تھی تووہ صبح ہی محب کے ساتھ آئی تھی وہ اسے یہیں چھوڑ کے چلا گیا تھا۔

سلطان کی پیدائش کے بعد دمیر ہاؤس میں مزید رونقیں بحال ہوگئی تھیں۔

سلطان کوئی عام بچا نہیں تھا۔ وہ سب کے احساسات سمجھتا تھا۔ سب کی سنتا تھا اور کرتی اپنی تھا۔ مراد تو کہتا تھا وہ بلکل میران پہ گیا ہے۔ اور عائشے اس بات پہ ایگری کرتی تھی۔

بس میران کبھی اتنا شرارتی نہیں رہا تھا اور سلطان نے ساری حدیں مکادی تھیں۔

عائشے سارا دن اس میں لگی رہتی۔ سلطان کے بعد تو اسے دن گزرنے کا پتا نہیں چلتا تھا۔

الٹی سیدھی حرکتیں کر کے وہ خوب عائشے کو انٹرٹین کرتا تھا۔

"سلطان مٹی میں بہت جرمز ہوتے ہیں۔ یہ کوئی کھانے کی چیز ہے جو آپ کھاتے ہو؟ بیمار پڑ گئے تو ڈاکٹر انجیکشن لگائے گا۔" مراد نے اسکے گال چوم کر کہا۔

"او تھے بابا آئندہ نہیں تھاؤندا۔"

"ہاہاہا۔" سلطان کی میٹھی میٹھی باتیں ہنسنے پہ مجبور کر دیتی تھیں۔ عائشے بھی مراد کے ساتھ مسکرانے لگی۔ وہ مراد کی گود سے اتر کے داداجان کے ساتھ منتہی کو منہ چڑا کے اندر بھاگ گیا۔

عائشے اسکی حرکت پہ ہنس دی۔

"میرا ایک بیٹا تم سے نہیں سنبھلتا حیرت ہے۔" مراد اسکے گرد گھیرا تنگ کر کے بولا۔

"زرا جا کے کمرے کا دیدار تو کریں پتا چلے گا اس افلاطون کو سنبھالنا کتنا مشکل ہے۔ زرا سی نظر ہٹاؤں تو یہ کام بھاڑ دیتا ہے۔ جب سے اسے چلنے آیا ہے اس نے مجھے چلا چلا کر ہلکان کر دیا ہے۔ بہت تھک گئی ہوں میں مراد۔" کمر میں درد کی بدولت اس نے کمر پہ ہاتھ رکھا۔ مراد دلچسپی سے سنتا گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ بڑا ہو گا تو سدھر جائیگا۔ اب جلدی سے تیار ہو کہیں دیر نا ہو جائے۔" تیزی میں اسکا ماتھا چوم کر وہ آگے بڑھ گیا۔ عائشے نے اسکی پشت گھیری اور پیچھے لپکی۔

وہ دوپہر میں جلدی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر آیا تھا۔ اسکی وردی پہ اسٹارز اب مزید بڑھ گئے تھے۔ ان چار سالوں میں اس نے کئی مافیاز کو بے نقاب کیا تھا۔

اور مجرموں کو سزا دلوائی تھی۔

سلطان کے آنے کے بعد وہ دونوں مکمل فیملی ہو چکے تھے۔ خوش تھے بے حد مطمئن تھے۔

مراد ڈیوٹی پہ سارا دن رہا کرتا تھا اور پیچھے عائشے سلطان میں مصروف رہا کرتی تھی۔

اسکی اسٹڈیز مکمل ہوتے ہی سلطان کی پیدائش کی خوشخبر دمیر فیملی کو موصول ہوئی۔

وہ دادا اور دادی کی آنکھوں کا تارا تھا۔ سجل اور نیمل بے حد اس پہ پیار لٹاتی تھیں، وہ تھا ہی اتنا پیارا گول مٹول بڑی آنکھوں اور سرخ ہونٹوں والا۔ سڑک پہ چلتے لوگ رک کر اسے پیار کرنے لگ جاتے تھے۔

کبھی کوئی اسے مفت میں چیز دلا دیتا تو کبھی وہ پڑوسیوں کے گھر پایا جاتا۔

سلطان دمیر چلتی پھرتی ایک فلم تھا۔

نیمل اور دائم رخصتی کے بعد ابروڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ چھ ماہ پاکستان میں اور چھ ماں یورپ میں انکے گزرتے تھے۔ فلحال وہ خوشحال یورپ میں دائم کے ساتھ تھی۔ کچھ دنوں کے بعد چھ ماہ کیلیے اسکی واپسی قریب تھی۔

سنا ہے میرے دل پہ تیرا

کہیں نا کہیں نام لکھا ہے

پچھلے آدھے گھنٹے سے میران کے انتظار میں وہ تیار ہو چکی تھی۔ وہ ہمیشہ سے دیر کر دیتا تھا۔ اپنے کاموں میں وہ وقت کا پابند تھا پر جب بات کسی دعوت یا پارٹی کی آتی تو میران کو دیر ہو جاتی۔ اور وہ کوئی لمبا چوڑا بہانا پیش کرنے کی بجائے اسے سچ بتا کر منا لیا کرتا تھا۔

ان پچھلے چار سالوں میں رومائزہ کی زندگی میران کے ساتھ مزید خوبصورت ہو گئی تھی۔ وہ اپنے تمام دکھ بھلا چکی تھی جیسے وہ حادثات زندگی میں پیش آئے ہی نہ ہوں۔ اور شکر کرتی تھی کہ سفیر سے شادی نہیں ہوئی کیونکہ وہ اسکے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ پاتی۔ یہ سب تو پرانی باتیں تھیں۔

وہ تو میران کے عشق میں بہت آگے نکل آئی تھی۔ اگر میران جنون تھا تو وہ انتہا تھی۔

اسے بلکل نہیں پسند تھا کوئی میران کو غلط نگاہ سے دیکھے۔ پر بے چاری کو صبر کا گھونٹ پی کر رکھنا پڑتا تھا۔ وہ لوگ جہاں جاتے لڑکیاں میران کی دیوانی بنی تصوریں لینے چلی آتی تھیں۔

کمرہ اے سی کی ٹھنڈک سے چل تھا۔ لال ساڑھی پہنے بھورے بالوں کو ایک کندھے پہ آگے کی طرف ڈالے ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے وہ گنگناتی ہوئی چوڑیاں پہن رہی تھی۔

میران نے لاک گھمایا اور آہستہ سے اندر داخل ہوا۔

"جاہ اتنی دیر کوئی کرتا ہے؟ آپ ہمیشہ لیٹ آتے ہیں۔" چوڑیاں چھوڑ کے وہ اسکی آمد کی خوشبو پہ پلٹ کر بولی۔ ایک دم میران اسکے کیل کانٹوں سے لیس تیاری کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ سرخ ساڑھی میں وہ کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

اسکے مزید شکوہ کرنے سے پہلے میران نے آگے بڑھ کے گلابوں کا بکے اسکے سامنے کر دیا۔

"سوری.." رومائزہ نے بکے توقف سے لے کر تھام لیا۔ گلابوں کی خوشبو اندر اتار کے مسکرائی۔ میران نے اسکے کندھے پہ ڈھلے بال پیچھے کر دیے۔

وہ زیادہ دیر رومائزہ کو روٹھنے نہیں دیتا تھا۔ اسے منانے کے ہر بار نئے سے طریقے اسکے پاس ہوتے تھے۔

ایک نگاہ رومائزہ کے نوخیز سراپے پہ نگاہ ڈال کر وہ آگے بڑھا اور ڈریسنگ سے سرخ کانچ کی چوڑیاں اٹھا کر اسکی کلائی تھام کے اسے پہنانے لگا۔ وہ بکے ایک طرف رکھ کے اسکے قریب آ گئی۔

"کس نے کہا ہے تمھیں اتنا حسین لگنے کو؟ ڈوہیو اینی آئیڈیا ہاؤ مچ یو آر لوکنگ گارجیئس!" چوڑیاں پہناتے ہوئے وہ پر تپش سا ہنسا۔ رومائزہ کے ہونٹوں پہ ناز سے مسکراہٹ پھیل گئی۔ روما نے چوڑیاں اسکے کان کے پاس لے جا کر کھنکھائیں۔

"میں تو شروع سے ایسی ہی ہوں۔ کیسی لگ رہی ہوں؟" بائیں ہاتھ سے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے آئینے میں اپنے عکس پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"قربان..." وہ دھیمے سے بولا۔ رومائزہ کی نگاہ شیشے کے پار سے بیڈ کراؤن کے اوپر دیوار میں نصب فریمز پہ گئی۔

ایک انچ کے بارڈر والے چار سے پانچ فریم دیوار میں نصب تھے۔ جن میں نکاح کی میران کے ساتھ اسکی تصویر تھی۔ ایک تصویر جب وہ میران کے ساتھ ہنزہ گئی تھی۔ وہاں کے ثقافتی کڑھائی والے لباس کے ساتھ اس نے چوڑی ماتھا پٹی اور ٹوپی پہن کر کسی دکان کے آگے کھڑے تصویر کھنچوائی تھی۔

سورج کی روشنی میں اسکا رنگ خوب کھل رہا تھا بھوری آنکھوں کی چمک تصویر میں واضح تھی۔ سرخ عنابی لب کھکھلا رہے تھے۔

ایک تصویر میں میران رومائزہ کے پینٹینگ اسٹینڈ کے پاس کھڑا اسے پینٹنگ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

ایک تصویر میں رومائزہ فاکسی (شیر کے بچے) سے ڈرتے ہوئے میران کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

اور ایک تصویر میں وہ دونوں نزدیک کھڑے تھے۔ میران حساب عادت نک سک سا تیار سفید کرتے پہ کالی چادر ڈالے ہوئے تھا اور رومائزہ نے لال قمیض شلوار کے ساتھ سر پہ دوپٹا لیا ہوا تھا۔ اور دونوں کے ارد گرد کسی اسکول کے بچے کھڑے تھے۔

چوڑیاں پہنا کر وہ اسکی انگھوٹی پہ انگلی پھیر تا پیچھے ہوا۔ رومائزہ تصوروں کے خیالات کی زد سے باہر نکلی۔

"سفیر بھائی کا گفٹ؟" ڈریسنگ کے کنارے ہاتھ رکھ کے اس نے پوچھا۔ میران نے جیب سے ایک شیشے کا باکس نکال کر اسکی جانب بڑھایا۔

رومانے آہستہ سے کِھلتے لبوں کے ساتھ باکس کھول کر سونے کا سکہ ہاتھ میں لیا۔ جس پہ سفیر نام لکھا تھا۔

"شکر لے آئے۔ مجھے لگا بھول ہی نا گئے ہوں۔" سکہ واپس رکھ کے باکس بند کر کے اس نے ٹیبل پہ رکھ دیا۔ وہ جانے لگی تو میران نے اسے اپنے قریب کیا۔ رومائزہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو کہیں میری ہی نظر نا لگ جائے۔" آنچ دیتے لہجے میں کہہ کر وہ پیچھے ہٹا۔ رومائزہ کا قہقہہ بلند ہوا۔۔

"یہ جملہ روز سننے کی عادت ہو گئی ہے میران صاحب کوئی نئی بات کریں۔" آئینے میں خود کو آخری ٹچ اپ دیتے اس نے کہا۔ اور لپ اسٹک کا شیڈ مزید گہرا کر لیا۔

"خوبصورتی کو خراج تحسین دینا فرض ہے۔" سرشاری سے اسکے گال سے انگلیاں مس کر کے اس نے کہا تو وہ گہرا مسکرائی۔

"عشقِ متشکرم۔۔(ممنون ہوں میں تمھارے عشق کی)" آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑھ کے وہ بولی۔ اور واپسی پلو ٹھیک کرنے لگی۔ میران فرصت سے اسے دیکھتا رہا۔

یہ اسکی محبت تھی جو وہ اسکے نکاح میں آکر اسے نصیب ہوئی تھی۔

اپنی محبت کی منزل 'نکاح' کا سفر وہ چار سال پہلے ہی کر چکا تھا اور اس سفر کو ان دونوں نے ساتھ میں مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔

"اچھا اب جاؤ جلدی سے تیار ہو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ انوش بہت غصہ کرے گی اگر دیر کی تو۔"

رومائزہ اسے واش روم کا دروازہ دکھاتے ہوئے بولی۔ میران سر میں ہاتھ پھیرتا تیار ہونے چلا گیا۔

دس منٹ بعد وہ کالے کرتے شلور میں تیار ہوئے گیلے بالوں کے ساتھ باہر نکلا تھا۔ رومائزہ پیروں میں ہیلز ڈال کر صوفے پہ دراز موبائل میں مشغول تھی۔

موبائل رکھ کے فوراً اسکے پاس آئی۔ وہ بال سیٹ کر رہا تھا۔ رومائزہ اسکا دایاں ہاتھ تھام کر آستین کے کف لنکس بند کرنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر انھیں کھول کر کہنیوں تک فولڈ کر دیا۔ میران اسکی کاروائی خاموشی سے آئینے میں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ گھوم کر اسکے بائیں طرف آئی اور اسکا ہاتھ بالوں میں چلتا روک کے کف فولڈ کر دیے۔ میران نے ہئیر برش دوسرے ہاتھ میں پکڑ کے بال سیٹ کر لیے۔ اور خود پہ پرفیوم چھڑکا۔

"چلو بس ہو گئے تیار۔ اب چلو۔" اسکی چادر بیڈ پہ سے اٹھا کر اسکے گلے میں ڈال کر بولی۔ آج کل موسم ٹھنڈا ہو چکا تھا سردیوں کی ابتدا تھی۔

"صبر تو کرو۔ کیا ننگے پیر جاؤنگا؟"

اسکی جلد بازی دیکھ کر وہ صوفے کے قریب رکھے جوتے اٹھا کر بیڈ کے پاس لایا اور وہیں ٹک کر پہننے لگا۔ رومائزہ سے مزید صبر نہیں ہو رہا تھا وہ بار بار گھڑی میں بجے پانچ دیکھ رہی تھی۔ عائشے نے میسج کیا تھا وہ لوگ وہاں پہنچ گئے اسکے بعد سے اسکی بے تابی مزید بڑھ گئی۔

دروازے پہ دستک ہوئی میران نے جوتے پہن کر دروازہ کھولا۔ بختو کھڑی تھی۔

"چھوٹے سائیں نیچے مہمان آپ سے ملنے آئے ہیں۔" بختو نے اندر جھانک کر کہا۔ میران نے لب دبا کر روما کو دیکھا جو سانس روکے اسے نفی میں سر ہلاتے دیکھ رہی تھی۔

"بختو انکو بولو سائیں مصروف ہیں نہیں مل سکتے۔" وہ اسے گھور کے بولی۔ بختو نے حکم کے تابع سر ہلایا۔ اور اپنی خوبصورت سی بی بی سرکار کی بلائیں لی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ تم جاؤ میں آرہا ہوں۔" حکم دلی سے کہہ کر میران نے دروازہ بند کر دیا۔ پلٹ کر روما کو دیکھا جو غصے سے لال ہو کر بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔

"ڈونٹ میران جاہ ڈونٹ۔ جاؤ تم مہمانوں کے پاس۔ مجھے تو عادت ہو گئی اس سب کی۔" دانت پیس کر کہتی وہ ٹی وی کھول کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگ کر بیٹھ گئی۔ میران نے سانس بھری۔

پھر باہر چلا یا گیا۔ وہ بند دروازہ گھور کے رہ گئی۔

غصے میں تکیہ اٹھا کے بیڈ پہ ہی پھینکا۔ لال نیل پالش سے رنگین ناخن میٹریس پر جما دیے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میران کو واپس آنے میں لگا۔

ساڑھے چھ ہو رہے تھے اور رومائزہ کا خون جل کر سیاہ ہو گیا۔

وہ اندر داخل ہوا تو رومائزہ چوڑیاں اتار کے بے دردی سے پھینک رہی تھی۔ وہ سر تھام کے پاس چلا آیا۔ روما کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ چکا تھا۔

"چلو..." چوڑیاں بیڈ پہ سے اٹھاتے ہوئے وہ آرام سے بولا۔ رومائزہ نے خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نہیں جارہی میں اب۔ میری میکے سے آئی دعوتوں میں آپ ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔" اسکے پہلو سے اٹھتی وہ چینج کرنے کیلیئے جانے لگی۔

میران کی نگاہ اسکے چوٹی میں بل زدہ بالوں پہ گئی۔ اس نے کھلے بال تک چٹیا میں مقید کر دیے تھے۔ میران نے سانس بھری۔

آہستہ سے چٹیا کے بل کھول کر بال رومائزہ کی کمر پہ پھیلا دیے۔ ان چاروں سالوں میں رومائزہ کے بال بڑھ کر کمر سے نیچے تک آ گئے تھے۔

"کیوں کھولا انھیں؟ بہت لمبے ہو گئے ہیں مجھ سے نہیں سنبھلتے انھیں اب میں چھوٹے کراؤں گی۔" اب وہ میران کا غصہ دلانے لگی تھی۔

"خبر دار جو بالوں کو قینچی لگوائی۔" وہ چوڑیاں اسکے ہاتھ میں ڈال کر کلائی پہ سخت گرفت کر کے غصہ دبا کر بولا۔ رومائزہ دیکھتی رہ گئی۔

میران کو لمبے بال پسند تھے اور رومائزہ کو چھوٹے۔ سارا سال اسی بات پہ جنگ چھڑی رہتی تھی۔

"جاہ..."

"کیا ہوا جان؟"

"بہت دیر کر دی آپ نے۔" بگڑے موڈ سے اس نے سر جھکا لیا۔

"روم جان بے فکر رہو تمھارا بھائی تمھارے بغیر کیک نہیں کاٹے گا۔" اسکے بالوں کی لٹوں کو پیچھے کرتا وہ آرام سے بولا۔

"اب خود سے چلنا ہے یا میں اٹھا کر لے کر جاؤں؟" ڈھٹائی سے اسے کھڑا دیکھ وہ صبر کا کڑوا گھونٹ پی کر بولا۔

"خود نے دیر کی ہے غصہ بھی مجھ پہ کر رہے ہیں۔ نہیں جاؤنگی میں کہیں۔" منہ لٹکا کر وہ اسے دھکیل کر جانے لگی۔ پھر خود نے ہی سکے کا باکس ٹیبل سے اٹھا کر اسے دیکھا۔

میران نے نظروں سے ہی اسے چلنے کا کہا تو وہ دروازے کھول کر باہر نکل گئی۔ میران گہری سانس خارج کرتا اسکے پیچھے ہی کمرے سے نکلا۔

جانے سے پہلے وہ زولفقار کے کمرے میں گیا تھا۔

رومائزہ دور کھڑی خاموشی سے دیکھتی رہی۔

انکی حالت میں اتنا سدھار آیا تھا کہ وہ اٹھ سکتے تھے پر چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اور ایک ہاتھ انکا بلکل کام نہیں کرتا تھا۔ یہ بھی کرشمہ ہی تھا ورنہ ڈاکٹرز تو صاف جواب دے چکے تھے۔ انکا کمرہ کم وہ ایک ہاسپٹل کا وارڈ زیادہ لگتا تھا۔ پاس ہی انکی ویل چیئر رکھی تھی۔

رومائزہ ان سے بہت کم مخاطب ہوتی تھی۔ اور میران نے بھی اس پہ زور نہیں ڈالا تھا۔ وہ دونوں انکا خیال رکھتے تھے۔

چار سال بستر سے لگے بہت تھے۔ اب تو وہ خود بھی اکتا چکے تھے۔ شاید اس طرح انکے گناہ دھل جاتے۔ پر یہ سزا کسی جیل کی چار دیواری سے زیادہ بھیانک تھی کہ وہ ایک ایک چیز کیلیے کسی دوسرے کے محتاج ہو گئے تھے۔

"خوش رہو دونوں۔ سلطان کو میری طرف سے پیار کرنا۔" بیڈ کے کراؤن سے کمر ٹکائے ہاتھ اٹھا کر وہ بولے۔ میران مسکرا کے کھڑا ہو گیا۔

"اپنے نواسے کو یاد کر رہے ہیں۔ ہو سکا تو واپسی میں اسے لے آؤنگا۔ اب آپ آرام کریں۔ شمس بتا رہا تھا آپ دوائیاں سہی طرح نہیں لے رہے۔ بابا کیوں پریشان کرتے ہیں۔ اگر دوائی نہیں لینگے تو مزید جام پڑ جائینگے۔" انھیں لٹاتا ہوا وہ بولا۔

"اچھا اب جاؤ بہو کھڑی انتظار کر رہی ہے۔" رومائزہ کو گم سم کھڑا دیکھ کر انھوں نے کہا۔ روما پھیکا سا مسکرا دی۔ میران اٹھ کے چلا گیا۔ زولفقار نے دونوں کی پشت دیکھ کر آنکھیں موند لیں۔

وہ دونوں ایک ساتھ بہت اچھے لگتے تھے جیسے ایک دوسرے کے لیے بنے ہوں۔ اس لڑکی کو جسے کسی زمانے میں بہو بنانے کیلیے اتنی سازشیں کی اس لڑکی نے انھیں دل بڑا کر کے فوراً معاف کر دیا تھا۔ وہ چار سال سے

ازیت کے کڑے مراحل سے گزر رہے تھے۔ موت بھی نا آتی،، روح جسم کا ساتھ چھوڑتی تو شاید دوسری دنیا میں کچھ سکون انھیں میسر ہو جاتا۔ ناجانے مزید کتنی سانسیں اور اس عمر بھر محتاجگی کے ساتھ لکھی تھیں۔

انھیں ان چار سالوں میں اپنے ایک ایک ظلم کا احساس ہوا تھا۔ بس دن رات وہی سب سوچتے رہا کرتے تھے۔

"آہ میرا ببر آگیا۔" وہ دونوں باغ میں آئے۔ عبدل نے فاکسی اور ببر کو کھلا چھوڑ دیا جو میران سے آکر چمٹ گئے۔ میران نے بیٹھ کر انھیں خوب پیار کیا۔ رومائزہ تو دور پیچھے ہو گئی۔

"عبدل بھائی ایسے فاکسی کو مت چھوڑا کریں ابھی میری جان نکل جاتی۔"

"سرکار آپ چار سال سے یہی بول رہی ہیں پر کچھ نہیں ہوا۔" حلیمہ بی انیکسی سے باہر نکل کر آئیں تو عبدل کی بات پہ مسکرادیں۔

فاکسی خوب میران کی گردن میں منہ دے رہا تھا اور رومائزہ کی جان ہلکان ہو رہی تھی۔

"جاہ پلیز دور ہو جائیں اگر اس نے حملہ کر دیا تو.. استغفر اللہ۔" فاکسی کا ڈر رومائزہ کے اندر بری طرح بیٹھ چکا تھا۔

فاکسی اور ببر جب آئے تب رومائزہ اس قدر نہیں ڈرتی تھی۔

میران کی غیر موجودگی میں وہ ایک دن کھلے فاکسی کے پاس چلی گئی۔ فاکسی شرارتی سا تھا۔ عبدل کے ہمت بڑھانے پہ اس نے فاکسی کو خوب پیار کیا۔ فاکسی مزے سے اسکی گود میں آ گیا تھا اور اسکے منہ سے چمٹنے لگا۔ رومائزہ کو وہیں سے الجھن ہوئی۔ وہ اسے دور ہٹانے لگی تو فاکسی نے اچانک حملے کرتے ہوئے اسکی گردن پہ پنجا مار دیا۔ بس وہ دن تھا اور آج کا دن تھا رومائزہ کی فاکسی سے اور نا ہی ببر سے بنتی تھی۔ وہ دونوں اسے دیکھ پاس آنے کی کوشش کرتے پر وہ دور بھاگتی تھی۔

"ادھر تو آؤ۔ دیکھو کچھ نہیں کریگا۔" فاکسی کی گردن پہ ہاتھ پھیر کر اس نے کہا۔

"کیوں اپنی اکلوتی بیوی کو شیر کے اتنے بڑے بچے کے حوالے کرنا چاہتے ہیں؟ دیکھیں یہ اب بچے نہیں رہے پلیز انھیں کسی کو دے دیں۔" اسکی آنکھیں خوف و حراس کے اثر میں تھیں۔ میران کھڑا ہو گیا اسکے اشارے پر عبدل فاکسی اور ببر کو لے گیا۔

"ایک تو اتنی ڈرپوک بیوی ملی ہے..." وہ اٹھ کر اسکے پاس آیا۔ روما نے اسکے طنزیہ تیر پہ دانت پیسے۔

"اگر میں نے اپنی بہادری دکھادی تو ہوش ٹھکانے لگ جانے ہیں۔ شیر کے بچے کوئی پالنے والی چیز ہیں؟ میں اب انھیں گھر سے باہر نکال دونگی بتا رہی ہوں۔" وہ بھنویں چڑھا کر بولی۔

"چھوٹے سائیں سرکار اتنا کہہ رہی ہیں تو بات مان لیں۔"

حلیمہ بی اسے بی بی سرکار کہہ کر ہی اکثر بلایا کرتی تھیں۔ اب تو رومائزہ نے اس بنگلے کے طور طریقوں کو قبول کرلیا تھا۔ یہ سب بہت مختلف تھا۔ اس نے کبھی ایسی زندگی تصور نہیں کی تھی پر اب عادت پڑگئی تھی اور اسے اچھا بھی لگنے لگا تھا۔ جاہ خاندان ایک جاگیردانہ بنیاد پہ مبنی تھا۔

طور طریقے پچھلے ہی چلے آتے تھے۔ پر کافی چیزیں میران نے ختم کردی تھیں جو بلاوجہ اور فضول لگا کرتی تھیں۔

"حلیمہ بی آپکی سرکار کا بس چلے تو بلیلاں پال کے بیٹھ جائے۔ چلو تمھیں اب دیر نہیں ہورہی۔ حلیمہ بی کو دیکھ کر فوراان سے چمٹ گئیں۔" اسے ساڑھی پہ شال اوڑھے دیکھ میران نے اوپر تا نیچے معائنہ کرکے کہا تو وہ حلیمہ بی کے گلے لگ کر اسے ناک چڑھا کے دیکھتی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

"تو آپ ہی بتادیں سی ایم صاحب میں کیا کروں؟" وہ تپ کر کہتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"آپ صرف معصوم شیروں سے ڈرتی رہیں اور ہم سے محبت کریں۔" میران دلفریبی سے مسکرا کے خود بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"ببر اور فاکسی سے محبت نا کرلوں سی ایم صاحب!" وہ چیخ کر بولی۔

"انھی سے کرلیں زندگی میں سکون آجائے گا۔ انکی بھی اور میری بھی۔" وہ ناک کی اٹھان انگلی کی پشت سے ہلکا سا رگڑ کے بولا۔ رومائزہ نے دانت پیس لیے۔

ہاں وہ صوبے کا وزیر اعلیٰ الیکشن کے بعد بھی منتخب رہا تھا۔ وزیر اعظم کا خواب اب تک اسکی آنکھوں میں باقی تھا۔ اتنا اسے بھی اندازہ اتنی آسانی سے اتنی بڑی ذمہ داری اسے نہیں مل سکتی۔ ایک عمر کاٹنی پڑتی ہے تب جا کے انسان کو یہ اقتدار ملتا۔ وہ اپنی سیٹ سے مطمئن تھا اور اپنے خطے میں ہر قسم کی اس نے سہولیات فراہم کی تھیں۔

عزیز کی شادی ہو چکی تھی وہ تقریباً اب بزنس سنبھالتا تھا۔ شمس کا بیٹا صحت یاب ہو گیا تھا۔

اس نے زولفقار کے بعد خود جو میران کے آگے خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ عزیز، شمس اور عبدل میران کے قریبی بندے تھے۔ اور جماعت کے سینیٹر وغیرہ کے لوگ بھی اسکے کافی قریب ہو گئے تھے۔

"ماہی سب کچھ سہی چل رہا ہے نا؟ گیسٹس کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" انوش بیگی جینس پہ پنک کلر کا ٹاپ پہنے آدھے بالوں کا جوڑا بنائے اور باقی کرلز کر کے کھلے چھوڑے گھوم رہی تھی۔

جی بلکل آپ انوش گلزار داپارٹیز آرگنائزر سے مل رہے ہیں۔جنھوں نے یونیورسٹی کے بعد اپنے بابا کے ساتھ بزنس سنبھال لیا تھا۔

"یس میم ایوریتھنگ از فائن۔سب کو ڈیکوریشن بہت پسند آرہی ہے۔اور سفیر سر آپکو ڈھونڈرہے تھے۔"

"ہاں انکو تھینکس کہنا ہو گا نا آخر انکی سالگرہ پر میں نے چار چاند جو لگا دیے۔ایک کام کرو اس ڈی_جے کو بولو تھوڑے اچھے گانے لگائے۔کسی کا بریک اپ نہیں ہوا جو ارجیت کے گانے بجا رہا ہے۔"

ماہی کا کندھا تھپکا کر کہتی وہ جھومتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

کسی گارڈن میں بڑے پیمانے پہ سفیر نے تقریب منعقد کی تھی اور اسے ہوسٹ انوش کر رہی تھی۔اس نے گلزار ڈیزائنرز کو ہائیر کیا تھا۔

سب ہی جانتے تھے انوش سے بہتر پارٹی آرگنائزر اور کوئی نہیں۔وہ لوگوں کے ایونٹس کو یادگار بنا دیا کرتی تھی۔

پہلے وہ لوگوں کی پسند اور ناپسند جانتی تھی اسی حساب سے چیزیں ڈزائن کرتی۔

"میرے بھائی اتنی دیر تم نے آنے میں لگادی۔ سب خیریت تو ہے؟" رومائزہ سفیر اور مراد سے مل کر عائشے کے پاس جاچکی تھی۔ اسکے جانے کے بعد مراد نے پوچھا۔

"سب خیریت ہے۔ جنم دن مبارک ہو تمھیں۔ خوب چمک دھمک رہے ہو آج۔" سفیر کو سوٹ بوٹ میں دیکھ میران نے ہنستے ہوئے کہا اسکی آنکھوں کے گرد گڈے جمع ہوا تھے۔

"یہ سب انوش نے کہا تھا۔ ورنہ میں کہاں ایسی ڈریسنگ کرتا ہوں۔" وہ کوٹ درست کرتے بولا۔

"یہ لڑکی اپنے کام کو لے کر بلکل پاگل ہے۔" انوش کی تلاش میں میران نے نظر دوڑائی۔

"سالی صاحبہ اب ایسے ہی نظر نہیں آتیں انھیں بہت کام ہوتے ہیں۔ ویسے مجھے اسکے لیے بہت خوشی ہے کہ وہ اتنی کامیاب ہوگئی۔" مراد طمانیت سے بولا میران نے متفق ہوئے سر کو جنبش دی۔ سفیر سب سمجھ رہا تھا۔

"خیر مجھے عائشے پہ رشک ہے جو سلطان کو سنبھالتی ہے۔ آخر کہاں ہے میرا بھتیجا؟" میران نے موضوع تبدیل کیا۔

"عائشے کے پاس ہی ہے۔ اور سفیر تم کب شادی کررہے ہو؟" مراد کے سوال پہ سفیر نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکادیے۔

"میاں عمر نکل جائیگی شادی کرلو۔ چار سال بہت ہو گئے ہیں۔" میران نے بیرے کو اشارے سے بلا کے سوفٹ ڈرنک کا گلاس ٹرے سے اٹھایا تھا۔ سفیر مسکرانے لگا۔

"ابھی تک دل میں کسی کو دیکھ کر ایسی گھنٹیاں بجی نہیں جو میں شادی کی شہنائی بجالو.." میران نے ایک گلاس سفیر کی طرف بڑھایا اسے تھام کر وہ آنکھوں میں شرارت لیے بولا۔ جس پہ وہ دونوں ہنسے تھے۔ جیسے وہ کچھ جانتے ہی نہیں ہوں۔

سفیر مراد اور میران ان تینوں کی آپس میں کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

وہ تینوں ایک دوسرے سے کھل کر ہر بات کا اظہار کر لیا کرتے تھے اور ایک دوسرے پہ بھروسہ بھی کرتے تھے۔

سفیر ان دونوں کو وہیں چھوڑ مزید مہمانوں سے ملنے چلا گیا۔

وہ چاروں سلطان کے ساتھ کھڑے تھے۔ اور سلطان کی کسی بات پہ رومائزہ روٹھ کے دور چلی گئی تھی۔

"وہ مجھے دانت رہی تھیں۔" میران کے گھورنے پہ سلطان نے فٹ کہا۔

"اور میں مار لگاؤنگا۔" میران سنجید گی سے بولا۔

"اب سختی کا کیا فائدہ آپکے بے جا پیار نے اسکو بہت بگاڑ دیا ہے۔ سارے الٹے سیدھے کام یہ کرنے لگا ہے۔ پوچھیں اب تو مٹی بھی کھانا شروع ہو گیا ہے۔ اس دن سرف دیکھا تو سونگھ کر چاٹ لیا۔ ٹوتھ پیسٹ یہ نگل جائے۔ انسان ہے کہ..." عائشے مراد کے پاس آ کر غصے سے بولی۔ مراد نے اسے کمر سے تھام لیا۔

سلطان کی نگاہیں اپنے کارنامے سن کر جھکتی چلی گئیں۔

یہ ساری شرارتیں ایک طرف تھیں وہ جانتا تھا میران اسے ان پہ صرف سمجھائے گا پر بدتمیزی پہ سخت قدم اٹھا سکتا تھا۔

"بڑی روم رو رہی ہو نگی۔ میں شوری بول دونگا۔ بچہ ہوں زبان شے نکل گیا۔" اس نے معصومیت سے لب سکیڑ کے کہا۔ میران کے سنجیدہ تاثرات سلطان کو ڈرا رہے تھے۔

وہ شروع سے میران کو دیکھ کر رومائزہ کو روم ہی کہا کرتا تھا۔ اور رومائزہ اسے روک بھی نہیں پاتی تھی۔ سلطان دمیر کیلیے رومائزہ اور میران نے کوئی حد مقرر ہی نہیں کی تھی۔

ورنہ ایک دو بار عائشے اور انوش نے اسے روم کہا تو رومائزہ نے ٹوک دیا کہ اس نام سے صرف اسے میران پکار سکتا ہے۔

مراد نے خفت سے جھٹکا۔ میران سلطان کو گود میں لیے مصنوعی تالاب کے نزدیک لے گیا جہاں وہ ہاتھ باندھے کھڑی اسی کی منتظر تھی۔

مراد اور عائشے دور سے ان تینوں کو دیکھتے رہے۔

" کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے سلطان ہمارا نہیں انکا بیٹا ہے۔" عائشے نے مراد کے کندھے پہ سر ٹکا کر کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

" انھی کی اولاد ہے وہ۔ ہم تو غلطی سے اسکے اصلی ماں باپ ہیں۔"

" اللہ رومائزہ اور میران بھائی کی جھولی بھی اولاد کی خوشی سے بھر دے۔" مراد کے ساتھ عائشے صوفے پہ بیٹھ کر ان تینوں کو دور جاتا دیکھ دھیرے سے دعا دیتے بولی۔

" آمین۔" مراد اسکے برابر میں ہی ٹک گیا۔

" پتا ہے کل سلطان مجھے کہہ رہا تھا کہ ایک چھوٹی بہن چاہیے۔" مراد نے شرارت سے کہا عائشے نے گردن جھکا لی۔

" میرے بیٹے کا نام لے کر اپنی خواہش نا بتائیں۔"

مراد اسکی بات پہ ہنس دیا۔ ٹیبل پہ گلاب کا پھول پڑا دیکھا تو مراد نے اٹھا کے عائشے کے بالوں میں سیٹ کر دیا۔ وہ جھینپ کر مسکراتے ہوئے اسکے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یار عائشے جاؤ تو مت.. چار سال ہو گئے پر تمھارا شرمانا وہیں کا وہیں ہے۔" مراد نے اسے روکا۔

"مجھے مام بلا رہی تھیں، آپ بیٹھ کر انتظار کریں۔" اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آزاد کر کے آنکھیں پٹا پٹا کر کہتی وہ سیکنڈز میں غائب ہوئی تھی۔

میران کی کلون کی مہک پہچان کر وہ ناراض سی پلٹی۔ سلطان کو نظر انداز کر کے میران کو دیکھا تھا۔

"بڑی انھیں بولیں نا مدھ سے بات تل لیں۔"

"روممم.."

میران کی گود میں چڑھے سلطان نے رومائزہ کے دونوں گالوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ وہ ٹکر ٹکر خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"شوری روم۔ اب کسی شے بھی بد تمیزی نہیں کرونگا۔" آنسو سے لبالب نادم نگاہیں اس نے رومائزہ کی آنکھوں میں ڈالیں۔ رومائزہ کا دل موم ہونے لگا۔

"ممی کو تنگ کرو گے؟"

"بلتل نہیں۔"

"مٹی کھاؤ گے؟"

"نہیں.."فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آ جاؤ میرے پاس۔"میران کی گود سے لے کر اپنی گود میں لیا اور چٹاچٹ اسکے بھرے بھرے گال چومے۔میران ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا اور رومائزہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسکے نزدیک آگیا۔

"بڑی کہہ رہے تھے اگر آپکو ناراض کرونگا تو مجھے مار پڑے گی۔"اب وہ میران کی اس سے شکایت کرتے ہوئے بولا۔رومائزہ نے اسکے ہاتھ تھام لیے۔

"بڑی تو آپ سے بہت پیار کرتے ہیں پر آپ اس پیار کا غلط فائدہ اٹھانے لگے ہو۔"

وہ اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر کے انھیں درست کرنے لگی۔

"آپکو پتا ہے آپ انار جیسی لگ رہی ہیں ریڈ ریڈ۔"سلطان نے اسکی گہری لپسٹک پہ ہاتھ مارا۔میران ہنسنے لگا۔

"روم روزانہ نیا فروٹ بن کر نکلتی ہیں۔"میران نے لقمہ دیا۔

"رئیلی؟"سلطان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کل آپ اپیل جیسی بننا۔ٹھیک ہے!"وہ کھلکھلاتے ہوئے بولا۔"ہاں بھئی ٹھیک ہے.."رومائزہ نے اسی کے انداز میں نقل اتار کر جواب دیا۔

"آج میں آپ تے پاس رکونگا۔ تھیک ہے بڈی؟ ہم مووی بھی دیکھیں گے۔" چہک کر اس نے رومائزہ کی گردن پہ سر رکھا وہ لڑکھڑا کے اسے سنبھالتی ہنسنے لگی۔

"آرام سے بچے کہیں روم کو گرامت دینا۔" میران نے سلطان کی پیٹ تھپکی۔ سلطان نے سر اٹھا کے رومائزہ کے بال کھنیچے اس نے منہ کھول کے اسے گھورا۔

"پھر شروع شرارتیں آؤ سفیر انکل کے پاس چلتے ہیں کیک کٹ کریں گے۔" اسے نیچے اتار کے نیچے رکھا سلطان نے رومائزہ کی انگلی تھام لی اور لڑک لڑک کے کودتا ہوا میران اور رومائزہ کے درمیان چلنے لگا۔

سیر یمنی سے فارغ ہو کے عائشے اور رومائزہ انوش کے پاس آئیں اور اسے پیچھے سے دونوں نے جالیا۔

"ہائے اللہ چڑیلیں چمٹ گئیں۔" آسمان دیکھ کر وہ ہنستے ہوئے ان دونوں کو خود میں بھینچ کر بولی۔

"آئیندہ ہم تم سے فیملی کی کوئی پارٹی آرگنائز نہیں کراویں گے۔ تم عید کا چاند بن جاتی ہو مجال ہے جو شکل بھی آکر دکھادو۔" رومائزہ نے اسکی پیٹ پہ مکہ جڑتے کہا تو وہ کراہ کر اسکی طرف پلٹی۔

"ماشاءاللہ تم دونوں تو پوری بجلیاں گرا رہی ہو۔" ایک ساڑھی اور دوسری کو فل گھیر دار فراک میں دیکھ انوش نے رشک بھرے انداز سے کہا۔

"تم دونوں کو ایسے لشکارے مار کر تیار ہوتا دیکھ میرا ابھی دل کرنے لگتا شادی کر لوں۔ کم از کم میرا میاں میری تعریف تو کر دیگا۔ دوستیں تو جھوٹے منہ تعریف بھی نہیں کرتیں.."

"ببل گم کا چلتا پھرتا ریپر لگ رہی ہو تم۔" عائشے نے اسکا جائزہ لیتے کہا۔ انوش نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"چلو آج کہہ تو رہی ہو شادی کرنے کا دل کرتا ہے۔ بتاؤ پھر میں تمھارے کوئی اچھا سالڑکا ڈھونڈوں؟" روما نے آنکھ دبا کر پوچھا۔

"میں تو چاہتی ہوں کوئی سالار سکندر ہی مجھے ڈھوندتے ہوئے آئے۔"

"انوش شٹ اپ پلیز۔ پک گئی ہوں میں سالار سکندر کا نام سن سن کر۔"

"عائشے تم میرے کرش کو ایسے نہیں بول سکتیں۔" وہ مصنوعی غصہ کرتے بولی۔

"تم دونوں کے پاس میری شادی کے علاوہ کوئی ٹاپک نہیں؟ ہر ایک نے میرا قسم سے سر کھالیا ہے۔ یار میں ایسے خوش ہوں۔ جب شادی ہونی ہوگی ہو جائے گی۔ میں چاہتی ہوں کوئی آئے جو ڈنکے کی چوٹ پہ میرے اماں ابا سے رشتہ مانگے۔ اور مجھ سے محبت کرے۔" وہ صاف بولی۔ ان دونوں نے سر تھام کے اسے دیکھا اور آنکھیں جھپک لیں۔

"اللہ کرے کوئی اب آجائے تمھارے عشق میں گرفتار تڑپتا ہوا اور تمھارے قدموں میں بیٹھ جائے۔ تبھی ہم تمھاری شادی کا لڈوں کھا سکیں گے۔" انوش نے شادی کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا تھا وہ ایسے شخص کا ساتھ چاہتی تھی جو اس سے محبت کرے اسے سپورٹ کرے۔

"میران بھائی جیسا کوئی مل جائے لائف سیٹ ہو جانی ہے۔ جیسے وہ تمھیں سپورٹ کرتے ہیں اور تمھارے ساتھ پائے جاتے ہیں۔" رومائزہ کو چھیڑ کر وہ بولی۔

"میران نایاب ہے۔" رومائزہ نے فٹ کہا۔

"اوہو دیکھو تو سہی عائشے۔ بی بی سرکار کیسے اپنے سائیں ہیں محبت کی میں بول پڑیں۔" لب دبائے انوش نے شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

"پہلے اس نے مجھے یرغمال کیا تھا اور اب میرے دل کو بھی کر چکا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"بس چپ ورنہ مجھے شدید سنگلز والی فیلنگز آجائیں گی۔"

"چلو یار ایک تصویر تو لو۔" رومائزہ نے موبائل کا فرنٹ کیمرہ آن کیا اور ہاتھ اونچا کر کے ان تینوں کے ساتھ سیلفی لینے لگی۔ وہ دونوں اسکے دائیں بائیں آکر چہرہ جوڑ کے مسکرا کر موبائل میں دیکھنے لگی۔ اور یوں ایک دوستی

کی ایک مزید نشانی اپنے پاس موبائل میں سیو کرلی۔ عائشے کے ساتھ ان دونوں کی دوستی کو چھ سال ہو چکے تھے۔ اور وہ مزید ایک دوسرے کے قریب آگئی تھیں۔

عائشے ایک ہاؤس وائف تھی اور اسے ہاؤس وائف رہنا خوشی خوشی قبول تھا۔

انوش تو بزنس وومین ہو چکی اور اور رومائزہ اس نے میران کی بے جا سپورٹ پر سوشل ورکنگ شروع کردی تھی۔ ساتھ ہی اسکا پینٹنگ کا مشغلہ جاری رہتا۔ اسٹڈیز کے دوران اس نے خطاطی بھی سیکھی اور پینٹنگ میں مزید مہارت حاصل کرلی۔

اسکی پیٹنگ اب مہنگی قیمت پر سیل ہوتی تھیں۔ رنگ بکھیرنے کی وہ ملکہ کہلاتی تھی۔

وہ میران کے ساتھ اکثر منظر عام پر ہوا کرتی تھی پر ہمیشہ چہرہ ماسک کے پیچھے چھپا کے رکھتی تھی اسے اسکرین پہ آنا کچھ خاص پسند نہیں تھا۔

اسکی ذات میں بہت بدلاؤ آچکے تھے۔ ایک باشعور سلیقہ مند عورت کی طرح اس نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اور خود کو ان میں ڈھال لیا تھا۔ وہ بنگلے کو بھی دیکھتی اور گلنار ہاسپٹل (جو میران نے گل کے نام پہ تعمیر کروایا تھا) کی ہیڈ تھی۔

مہمانوں کے جانے کے بعد گارڈن خالی ہو گیا۔ غضنفر فیملی بھی جا چکی تھی۔ سفیر سب کو سی آف کر کے آیا۔

انوش کرسی پہ بیٹھے چکن اسٹیک کھا رہی تھی۔ کھانے پہ کبھی جو اس نے کمپرومائز کیا ہو۔

سفیر اسے ڈھونڈتا ہوا اسکے پاس پہنچا۔ اور ایک کرسی کھینچ کے اسکے مقابل آن بیٹھ گیا۔ انوش نے چونک کے سر اٹھایا۔ آخر کار انوش صاحبہ سے ملاقات ہو گئی تھی۔

"آپ نے کھانا کھالیا؟ اور ارینجمنٹس کیسی لگیں؟" انوش نے اسکی موجودمیں پلیٹ ایک طرف ٹیبل پہ رکھ کے نگاہیں سفیر پہ ڈال کے پوچھا۔ سفیر نے پلک جھپک کر جواب دیا۔

"شرماؤ مت کھاتی رہو۔" کالر لوز کرتے وہ بولا۔ عجیب قسم کی خاموشی ان دونوں کے درمیان حائل تھی۔ انوش نے آنکھوں کے ڈیلے گھمائے۔

"لگ رہا ہے تھک گئی ہو۔" اسکے چہرے پہ بجے بارہ دیکھ سفیر مبہم سا ہنس کر بولا۔ وہ مسکرا دی۔

" تھوڑا تھوڑا۔ اس تھکن میں مزہ موجود ہے۔ رات کو جب تھک کے لیٹو تو احساس ہوتا ہے کہ ہاں بھئی محنت کی ہے پھر ساری تھکن اڑن چھو ہو جاتی۔" پاس رکھے اسٹینڈ فین کی ہوا سے اسکے بال اڑ کے بار بار چہرے پہ آرہے تھے۔ سفیر لب دبائے دیکھے گیا۔ مسکرا کے اپنی ہتھیلی رگڑی۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کی؟" بنا تمہید کے وہ مدعے پہ آیا۔ انوش ٹھٹھک کر سیدھی ہوئی۔

"کوئی خاص وجہ نہیں۔ آپ نے بھی تو نہیں کی۔" عام سے انداز میں کہا۔

"ہاں میں تو کسی کے انتظار میں ہوں۔"

"کس کے انتظار میں؟" انوش کو تجسس ہوا۔

"انتظار کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی پسند ہے تو دل کی بات اس سے کر ڈالیں کبھی پتا چلے اسے کوئی اور اڑا لے جائے۔" انوش اسکی آنکھوں میں دیکھ کر مشورہ دیتی بولی۔ سفیر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اور اگر اس نے میری پیش کش قبول نہیں کی تو؟"

"کیوں نہیں کرے گی؟ ہمارے منڈے میں کوئی کیڑے لگے ہیں کیا؟ اچھے خاصے خوش شکل ڈیسنٹ سے انسان ہیں آپ۔ میں بات کروں اس سے کیا؟" وہ فوراً بے تابی سے بولی۔

"تم تو میری دوست ہو بھلا تمھیں میری برائیاں کیسے نظر آنی۔" وہ دونوں کہنیاں گھٹنوں پہ جما کر بیٹھ گیا۔ نگاہیں انوش پہ مرکوز تھیں۔

"جی نہیں۔ خیر ایک دوست ہونے کی حیثیت سے یہی مشورہ دونگی ان معاملات میں دیر نہیں کرتے۔ جائیں کہہ دیں اس لڑکی سے۔ ایک منٹ پہلے یہ تو بتائیں وہ ہے کون؟" اپنی لاشعوری کا اسے خیال آیا۔ آخر نام تو پوچھ لیتی جس کے لیے وہ بحث کر رہی تھی۔

سفیر نے کچھ وقت لیا۔ لبوں پہ زبان پھیری۔

"انوش گلزار۔" ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرسری سے انداز میں بولا۔ انوش کی آنکھیں پھیل گئیں۔ لب کاٹے وہ سیدھی ہوئی۔ چہرے کی ساری شوخی غائب ہو گئی تھی۔ سفیر نے سانس بھری اور پاکٹ سے ایک خوبصورت سی انگھوٹی نکالی۔

انگھوٹی سفیر کے ہاتھ میں تھی۔ انوش یک ٹک ساکن نظروں سے دیکھے گئی۔

"کیا مطلب؟" دل کی بے ہنگم شور مچاتی دھڑکنوں کو خاموش کرا کے اس نے پوچھا۔

"اتنی عقلمند تو تم ہو، سمجھتی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"پر.." انوش نے احتجاج کے لیے لب کھولے۔ یہ چیپٹر تو وہ کئی سال پہلے بند کر چکی تھی۔ اب سفیر کیوں کھول رہا تھا۔ سفیر کو کبھی معلوم نہیں ہوا تھا انوش اسکے لیے کیا فیلنگز رکھتی تھی۔

"کیا پر؟ بتاؤ مجھ میں کوئی برائی ہے؟" سفیر نے اسے لاجواب کر دیا۔ ایک ہاتھ انوش کے سامنے پھیلایا۔ اور دوسرے میں انگھوٹی موجود تھی۔ وہ اسکے جواب کا منتظر تھا۔ انوش گہری سوچ میں چلی گئی۔

"یہ بات آپ میرے مام ڈیڈ سے کریں۔"

وہ صاف صاف بولی۔

"کر چکا ہوں۔ اجازت ہے انکی طرف سے۔ ناہید آنٹی تو چاہتی ہے جلد از جلد شادی ہو۔ وہ تو کہہ رہی تھی یہ لڑکی بوڑھی ہو کر ہی شادی کرے گی۔" ماحول کی سنجیدگی کو ختم کرتے اس نے شرارتی نگاہوں سے کہا۔

"کوئی نہیں۔ ابھی میں بلکل جوان ہوں۔" سفیر کے ہاتھ میں انگھوٹی کو دیکھ کر کہا۔ سفیر اسے دیکھے گیا۔ انوش نے بیگی جینس پہ پنک کلر کا ٹاپ پہنا تھا آدھے بالوں کا جوڑا بنائے اور باقی کرلز کر کے کھلے چھوڑ رکھے تھے۔

"میں سوچ کے جواب دونگی۔" اسکی لو دیتی نظروں سے گھبرا کر وہ کھڑی ہو گئی۔ سفیر چونکتے ہوئے اسکے ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے یہ انگھوٹی رکھ لو۔ جس دن اسے پہن لو گی مجھے جواب مل جائیگا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"اور قیامت تک میں نے یہ نہیں پہنی تو؟" آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنجنگ انداز میں کہا تو وہ ہنس دیا۔

"میں انتظار کرونگا۔"

"میں تمھیں پسند کرتا ہوں۔" ایک قدم بڑھا کے وہ قریب آیا۔ انوش کی ہتھیلی پہ انگھوٹی رکھ دی۔ وہ سناٹے میں کھڑی تھی۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

"آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔" اسکے قریب آنے پہ انوش نے نیچے دیکھ کر کہا۔

"میں منتظر ہوں۔" سفیر نے اسکی تھوڑی اٹھائی۔ انوش کا منہ کھل گیا۔

"لمبا انتظار کرواؤنگی میں۔"

"ڈھائی سال سے کر رہا تھا اب بھی کر لونگا۔" وہ فاصلے پہ ہو گیا۔ انوش نے انگھوٹی مٹھی میں بھینچ لی اور مسکراہٹ روکتی ایک نگاہ اس پہ ڈال کر آگے بڑھی۔

"بس اب انتظار کریں۔ سوچ سمجھ کر میں جواب دونگی۔ وقت سے پہلے امید مت باندھیے گا، سفیر احمد۔" جانے سے پہلے وہ پلٹ کر بولی۔ سفیر نے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھ کے سر خم کیا۔

یہ وہ چار سال پہلے والی نان سیریس انوش گلزار نہیں تھی جو عشق اور محبت پہ یقین کر کے خود کو انکے نام کر دینا چاہتی تھی۔ ہاں ہنسی مذاق اب بھی اسکی طبیعت کا حصہ تھا۔ کہانیاں بھی وہ پڑھتی تھی۔ پر پہلے کی طرح ان افسانوی باتوں سے یقین اٹھ گیا تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا زندگی میں صرف محبت ہی سب کچھ نہیں۔ انسان کو اپنے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔

سفیر نے اسے اپنی ٹیم کے پاس جاتے دیکھا۔اور کچھ ہی لمحوں میں وہ نظروں سے او جھل ہو گئی تھی۔

ایک نگاہ اس نے پھر اپنی انگلی کے پوروں کو دیکھا پھر مسکراتا ہوا سر میں ہاتھ پھیر کے نکل گیا۔

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی

نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی

رومائزہ کی طبیعت کچھ دنوں سے بوجھل سی ہو رہی تھی آج میران اسے چیک اپ کیلئے ہاسپٹل لے گیا تھا۔لیڈی ڈاکٹر نے رومائزہ کا چیک اپ کیا۔وہ بے چینی سے انکے جواب کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر نے پہلے تو تمہید باندھی پھر میران کی بے چینی پہ ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔

"مبارک ہو میران صاحب۔آپ بابا بننے والے ہیں۔"

ڈاکٹر نے گہری مسکراہٹ سے بتایا تو وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔بے یقینی سے رومائزہ کو دیکھا جو دوپٹہ ٹھیک کرتی بیڈ سے اتر رہی تھی۔وہ ہنسنے لگی۔میران کے چہرے پہ زبردست قسم کی مسکراہٹ جمع ہو گئی۔اسکا نکھرا ہوا روپ دیکھا۔

"تھینک یو ڈاکٹر۔" وہ کھڑا ہوا اور رومائزہ کو خود سے لگالیا۔ کان ترس گئے تھے ان دونوں کے اس خوشخبری کیلیے۔ چار سال کم تو نہیں تھے۔ وہ مسکرا کے اسکے کندھے پہ سر ٹکا گئی۔ میران نے بغیر ڈاکٹر کا احساس کیے اسکا ماتھا چوما۔

اور ان دونوں کی نگاہیں ٹھاٹھیں مارتے محبت کے طوفان سے ٹکرائیں۔ اور آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ کر مسکراتے چلے گئے۔

ختم شد